فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ.
(۹-التوبہ: ۱۲۲)

ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتاب الله و سنة نبيه. (موطأ إمام مالك)

فتاوی فلاحیہ جلد دوم

دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل اور دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی کے مسند افتاء سے دیے گئے فتاوی کا بیش قیمت مجموعہ

از: حضرت مفتی احمد ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث و صدر مفتی: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات،
صدر جمعیۃ علماء ہند، گجرات شاخ، و بانی دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی

مرتب: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

استاذ حدیث و فقہ: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

ناشر: حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب

خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا۔ فون: 2547 578 905

رکن منتظمہ: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، بھروچ، گجرات، پن نمبر: 394115

تفصیلات

نام: **فتاویٰ فلاحیہ** جلد اوّل

صاحب فتاویٰ: حضرت مفتی احمد بن ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

بہ اہتمام: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر

ناشر: حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات

(خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا)

سن طباعت: جمادی الاخریٰ، ۱۴۳۷ھ، مارچ، موافق: ۲۰۱۶ء

ملنے کے پتے:

(۱) دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، انکلیشور، بھروچ، گجرات	02646 274243
(۲) حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب، خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا	905 578 2547
(۳) مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی، دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات	940 95 18452
(۴) مدنی ویلفیئر ٹرسٹ، کوسمبا، سورت، گجرات	9408 746664
(۵) ادارہ صدیق، ڈابھیل، ضلع: نوساری، گجرات	09904 886188
(۶) مکتبہ نعیمیہ، دیوبند، یوپی	01336 22329
(۷) جے ایم سی انڈیا پبلشر پرائیویٹ لمیٹیڈ، جھاہاؤس، ویسٹ نظام الدین	011 24352220
(۸) مدرسہ اسلامیہ عربیہ، آزادویل، ساؤتھ افریقہ	114 132786
(۹) مدرسہ تعلیم الدین، اسپنگو بیچ، ڈربن، ساؤتھ افریقہ	273 19029916
(۱۰) اظہر اکیڈمی لمیٹیڈ، 60 لٹل ایلفورڈ لین، مانئر پارک، لندن، یو-کے	0208 9119797

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست فتاویٰ فلاحیہ جلد دوم

باب الوضوء (۵۲-۸۱)

[وضو کا بیان]

باب الغسل (۸۲-۱۰۱)

(غسل کا بیان)

باب المیاہ (۱۰۲-۱۳۳)

[پانی کے احکام]

باب التیمم (۱۳۴-۱۳۷)

تیمم کا بیان

باب المسح علی الخفین (۱۳۸-۱۴۱)

[موزے پر مسح کا بیان]

باب الحیض والنفاس والاستحاضة (۱۴۲-۱۵۳)

[حیض، نفاس اور استحاضہ کا بیان]

باب أحكام المعذورين (۱۵۴-۱۶۵)

[معذورین کے احکام]

باب الأنجاس (۱۶۶-۱۷۹)

[نجاست کا بیان]

باب الاستنجاء (۱۸۰-۱۸۵)

[استنجاء کا بیان]

کتاب الصلاۃ

باب المواقیت (۱۸۶-۲۲۷)

[اوقات نماز]

باب الأذان والإقامة (۲۲۸-۲۶۳)

[اذان واقامت کا بیان]

باب صفة الصلاة (۲۶۴-۳۰۵)

[شرائط وارکان اور آداب کا بیان]

باب الإمامة (۳۰۶-۳۵۱)

[امامت کا بیان]

باب إمامة الفاسق (۳۵۲-۴۴۱)

[فاسق کی امامت کا بیان]

باب الجماعة (۴۴۲-۴۷۵)

[جماعت کا بیان]

باب الصفوف (۴۷۶-۴۹۹)

[جماعت کی صف بندی]

باب إدراك الفرائض وقضاء الفوائت (۵۰۰-۵۱۱)

[فرائض کو پانے اور فوت شدہ نماز کی قضا کا بیان]

باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا (۵۱۲-۵۵۷)

[مفسدات ومکروہات کا بیان]

باب القراءة وزلة القاري (۵۵۸-۵۹۱)

[قراءت اور قاری کی لغزش کا بیان]

باب الوتر والنوافل والتہجد (۵۹۲-۶۳۱)

[وتر، نوافل اور تہجد کا بیان]

باب الاستسقاء (۶۲۹-۶۳۱)

[طلب باراں کا بیان]

باب التراویح (۶۳۲-۶۵۳)

[تراویح کا بیان]

باب سجود السهو (۶۵۴-۶۶۶)

[سجدۂ سہو کا بیان]

باب سجود التلاوۃ (۶۶۷-۶۷۷)

[سجدۂ تلاوت کا بیان]

باب صلاۃ المریض والمسافر (۶۷۸-۷۰۹)

[مریض اور مسافر کی نماز کا بیان]

باب الجمعة (۷۱۰-۷۴۹)

[جمعہ کا بیان]

باب الجمعة في القریٰ (۴۵۰-۴۸۷)

[گاؤں میں جمعہ کا قیام]

باب العیدین (۸۰۸-۷۸۸)

[عیدین کا بیان]

☆☆☆

تقریظ وتائید

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

ناظم: المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد، جنرل سکریٹری: اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتویٰ کا مادہ "ف، ت، ی" ہے، فتویٰ اور فُتیا، افتاء سے ماخوذ ہے، افتاء کے معنی کسی امر کو واضح کرنے کے ہیں: أفتاه في الأمر، أبانه له. (القاموس المحیط، ص: ۱۷۰۲) فُتیا تو "ف" کے پیش کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے؛ لیکن فتویٰ "ف" کے پیش اور زبر؛ دونوں طریقے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ (حوالۂ سابق) البتہ "ف" پر زبر زیادہ مشہور اور مروج ہے، اور اہل مدینہ کی لغت بھی یہی ہے: الفتح في الفتوی لأهل المدينة. (لسان العرب: ۳۳۴۸) بل کہ علامہ زبیدی کا رجحان تو اس طرف ہے کہ فُتیا "ف" کے پیش کے ساتھ ہونا چاہیے اور فتویٰ "ف" کے زبر کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔ (دیکھیے: تاج العروس: ۳۸/۲۰) ـــــــ اِفتاء کے معنی فتویٰ دینے کے ہیں اور استفتاء کے معنی فتویٰ طلب کرنے کے ہیں۔

قرآن مجید میں اِفتاء اور استفتاء کے الفاظ مجموعی طور پر گیارہ (۱۱) جگہ استعمال ہوئے ہیں، اور حدیث کی نو (۹) مشہور کتب، جن کی فہرست سازی "المعجم المفهرس" میں کی گئی ہے، میں بارہ (۱۲) مواقع پر فُتیا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (دیکھیے "المعجم المفہرس لألفاظ الحدیث النبوی الشریف" کی متعلقہ بحث)

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف کے سلسلے میں اہل علم نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں، بعض لوگوں نے فتویٰ کی وہی تعریف کی ہے، جو "اجتہاد" کی ہے؛ کیوں کہ متقدمین کے نزدیک افتاء اور مفتی سے مراد مجتہد ہوا کرتا تھا: اس لیے بہت سے علمائے اصول نے اجتہاد وتقلید کی بحث میں اِفتاء اور استفتاء کے احکام ذکر کیے ہیں، بعد کے فقہاء نے اِفتاء کی ایسی تعریف کی ہے، جس میں بہ مقابلہ اجتہاد کے عموم پایا جاتا ہے، علامہ قرافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الفتوی إخبار عن الله تبارك وتعالى في إلزام أو إباحة. (کتاب الفروق: ۴/۵۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کے لازم ہونے یا مباح ہونے کی خبر دینا فتویٰ ہے۔

علامہ بنانیؒ رقم طراز ہیں:

الإخبار بالحكم من غير إلزام. (حاشیہ جمع الجوامع: ۲/۳۹۷)

لازم قرار دیے بغیر کسی حکم کی بابت خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں۔

علامہ حصکفیؒ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حکم کے بارے میں خبر دینے کا نام "افتاء" ہے:

...إلا أن المفتي مخبر عن الحكم. (الدر المختار مع الرد: ۱/۱۷۶، مقدمہ)

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف کے سلسلے میں چند باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں:

☆ مفتی کے فتویٰ کی حیثیت خبر و اطلاع کی ہوتی ہے، جیسے قاضی، فریقین پر احکام کو لازم قرار دیتا ہے، مفتی، مستفتی پر اپنے حکم کو لازم نہیں کرتا، اور نہ وہ اس کا مجاز ہے۔

☆ فتویٰ، حکم سے متعلق ایسی اطلاع کو کہتے ہیں، جو کسی سوال کے جواب میں ہو، سوال و استفسار کے بغیر اپنی طرف سے حکم شرعی کی رہنمائی کی جائے، وہ وعظ و ارشاد ہے نہ کہ فتویٰ۔

☆ فتویٰ ایسے سوال کا جواب ہوتا ہے، جو پیش آمدہ واقعات سے متعلق ہو، اگر کوئی واقعہ پیش نہیں آیا؛ بل کہ اس کو فرض کر کے جواب دیا گیا، تو یہ تعلیم ہے، نہ کہ افتاء، اس طرح فتویٰ کی جامع تعریف ڈاکٹر شیخ حسین محمد ملّاح کے الفاظ میں اس طرح ہوگی:

الإخبار بحكم الله تعالى عن الوقائع بدليل شرعي لمن سأل عنه. (الفتوی: نشأتها و تطورها: ۱/۳۹۸)

پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیل شرعی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں۔

منصب افتاء کی اہمیت اور کار افتاء کی نزاکت:

افتاء کی ذمے داری، بہت ہی نازک ذمے داری ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ [النساء: ۱۲۷] ایک اور موقع پر ارشاد ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ [النساء: ۱۷۶] گویا اللہ تعالیٰ کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے منشا کی تشریح و توضیح، اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوالے کی: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل: ۴۴] یہ بیان و وضاحت کی ذمے داری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر عہد کے علماء و ارباب افتاء کے حصے میں آئی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ "مفتی" گویا خود "شارع" کا نائب ہے، اور اس کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لیے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ فتویٰ دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے:

و ليعلم المفتي عمن ينوب في فتواه. (إعلام الموقعين: ۱/۱۱)

اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ''مفتی'' اللہ کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے: المفتي موقع عن الله تعالى. (شرح مہذب: ۱/۴۰، مقدمہ)

اسی لیے فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں جری ہو، وہ دراصل دوزخ پر جری ہے۔ (سنن دارمی: ۱/۵۷)

ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے: میں نے ایک سو بیس (۱۲۰) انصاری صحابہؓ کو دیکھا کہ ان میں ایک سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا، تو وہ دوسرے کا، دوسرا تیسرے کا حوالہ دیتا اور اسی طرح ایک دوسرے سے رجوع کرنے کی تلقین کرتا، یہاں تک کہ یہ سوال پھر پہلے شخص کی طرف لوٹ آتا۔ (شرح مہذب: ۱/۴۰، مقدمہ)

ان ہی سے منقول ہے کہ صحابہؓ کا حال یہ تھا کہ اگر انھیں کوئی حدیث یاد ہوتی، تو ان کی خواہش ہوتی کہ ان کے بجائے ان کا بھائی اس روایت کو نقل کردے اور کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ چاہتا کہ اس کے بجائے اس کا بھائی بتادے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر سوال کا جواب دے، وہ مجنون ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہا کرتے تھے کہ اگر علم کے ضائع ہوجانے کا خوف نہ ہوتا، تو فتویٰ نہ دیتا۔ امام مالکؒ کا حال یہ تھا کہ اڑتالیس (۴۸) مسائل پوچھے گئے، تو بتیس (۳۲) کے بارے میں کہہ دیا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ ایک مسئلے کے جواب کے بارے میں فرمایا: مجھے معلوم نہیں، عرض کیا گیا کہ یہ تو آسان اور معمولی مسئلہ ہے، تو آپؒ غصہ ہوگئے اور فرمایا کہ علم کی کوئی بات معمولی نہیں۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ فتویٰ کی جو صلاحیت اور مطلوبہ استعداد سفیان بن عیینہؒ میں تھی، میں نے کسی میں نہیں دیکھی؛ لیکن میں نے ان کو فتویٰ سے جتنا زیادہ بچتے ہوئے دیکھا، کسی اور کو نہیں دیکھا۔ اثرمؒ ناقل ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو بہت سے مسائل میں یہ کہتے ہوئے دیکھا ہے: ''مجھے معلوم نہیں''۔ سفیان بن عیینہؒ اور سحنونؒ کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے میں جری وہی ہوسکتا ہے، جو کم علم ہو۔ عطا ابن سائبؒ تابعی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو گفتگو کرتے ہوئے ان پر لرزہ طاری ہوجاتا۔ (ملخص از: شرح مہذب: ۱/۴۰-۴۱)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سلف صالحین افتاء کے سلسلے میں کس قدر احتیاط برتتے تھے۔

امت میں سب سے پہلے مفتی خود رسول اللہ ﷺ تھے، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

و أول من قام بهذا المنصب الشريف سيد المرسلين. (اعلام الموقعین: ۱/۱۱)

آپ ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ کی ہر بات وحی پر مبنی اور منشاء ربانی کی ترجمان ہوتی تھی: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۞ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۞﴾ [النجم: ۳-۴] نیز ارشاد ہے: ﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ [یونس: ۱۵]

اس لیے یہ بات تو ظاہر ہے کہ بنیادی طور پر آپ ﷺ کے فتاویٰ وحی کی بنیاد پر ہوا کرتے تھے، لیکن کیا آپ ﷺ اجتہاد سے بھی فتویٰ دیا کرتے تھے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور اکثر اصولیین اس کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ احکام شرعیہ میں بھی اجتہاد پر مامور تھے۔ (دیکھیے: تیسیر التحریر: ۴/ ۱۸۵، کشف الاسرار للبخاري: ۳/ ۳۸۶) یہی رائے امام رازیؒ اور قاضی بیضاویؒ کی بھی ہے۔ (دیکھیے: المحصول للرازی: ج:۲، قسم: ۳، ص۹، نهاية السول شرح منهاج الوصول للأسنوي: ۴/ ۲۶۴، منهاج الوصول للبيضاوي، ص: ۱۷۶) امام غزالیؒ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے۔ (المستصفی: ۲/ ۳۵۵)

امام سرخسیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے نقطۂ نظر کی اس طرح صراحت کی ہے کہ حضور ﷺ اس بات پر مامور تھے کہ کسی بھی واقعہ میں وحی کا انتظار کریں، اگر انتظار کے باوجود وحی کا نزول نہیں ہوتا، تو یہ آپ ﷺ کے لیے رائے اور اجتہاد پر عمل کرنے کی من جانب اللہ اجازت ہوتی، البتہ اگر آپ ﷺ سے اجتہاد میں چوک ہوتی، تو من جانب اللہ متوجہ فرما دیا جاتا، لہٰذا اگر آپ ﷺ نے کسی امر کی بابت اجتہاد فرمایا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر کوئی تنبیہ نازل نہ ہوئی ہو تو یہ اس اجتہاد کے قطعی ہونے کی علامت ہے۔ (دیکھیے: اصول السرخسی: ۲/ ۱۹۶، کشف الاسرار: ۳/ ۳۸۶)

عہد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے صحابہ نے بھی فتویٰ دیا ہے، قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ عہد نبوی میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۳۳۵) سہل بن ابی حثمہ راوی ہیں کہ عہد نبوی میں تین مہاجر صحابہ: حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور تین انصاری صحابہ: حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۸۶)

علامہ ابن قیمؒ کی تفصیل و تحقیق کے مطابق ۱۳۰ر سے کچھ زیادہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے فتاویٰ دیے ہیں، صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور، فقہ و فتاویٰ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے، ائمہ مجتہدین اور بعد کے فقہاء نے ان فتاویٰ سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے۔

دوسری صدی ہجری فقہ و فتاویٰ اور اجتہاد و استنباط کے لحاظ سے سب سے زرین دور کہلانے کا مستحق ہے، جس میں ایسے ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے، جنھوں نے فقہ و فتاویٰ کا نہایت ہی نمایاں کارنامہ انجام دیا اور ایک بڑے گروہ نے ان کی اتباع و پیروی اور اقتدا و تقلید کا راستہ اختیار کیا، انھیں میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اہل سنت کے چاروں ائمہ مجتہدین ہیں، جن کی فقہ کو امت کے سواد اعظم نے اپنی چشم محبت کا سرمہ بنایا۔

یہ حقیقت ہے کہ اس آخری دور میں ''برصغیر'' کو فتاویٰ کے نظام کے سلسلہ میں، ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے، جس کا آغاز شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتا ہے اور جس کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ہندوستان کے تقریباً تمام ہی خطوں میں وہاں کی ممتاز دینی درس گاہوں کے تحت دار الافتاء کا ایک مضبوط، منضبط

اور ذمہ دارانہ شعبہ قائم ہے، وہاں فقہ وفتاویٰ کی معتبر شخصیات اس ذمہ داری کو انجام دیتی ہیں۔

صوبۂ گجرات کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہاں قرن اول میں مسلمانوں کا قدم پہونچا، تابعین اور تبع تابعین نے یہاں رخت سفر کھولا، اسی لیے اس علاقہ میں ماشاء اللہ بہ مقابلہ ہندوستان کے دوسرے علاقہ کے، زیادہ دین داری پائی جاتی ہے اور ایک اہم بات یہ ہے کہ معاشی فارغ البالی اور مرفہ الحالی کے باوجود یہاں لوگوں میں تدین پایا جاتا ہے اور جب دین پر عمل کا جذبہ بڑھے گا، تو دین وشریعت سے متعلق سوالات بھی ذہن میں جنم لیں گے؛ اسی لیے گجراتی زبان میں فتاویٰ کا اچھا خاصہ ذخیرہ موجود ہے اور خوشی کی بات ہے کہ اب اسے اردو زبان کے پیکر میں ڈھالنے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ اردو کی وسیع دنیا بھی اس سے مستفید ہو سکے۔

انہی علمی وفقہی ذخائر میں ممتاز عالم دین حضرت مولانا مفتی احمد بیمات کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جسے بہ زبان اردو شائع کیا جارہا ہے۔ ——— راقم الحروف کو حضرت مفتی بیمات صاحبؒ سے نیاز حاصل ہے اور متعدد فقہی مجالس میں ان کی آراء کو سننے اور ان کے فقہی مباحث سے استفادہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، ان کی فقیہانہ شان ان کے ان فتاویٰ سے بھی ظاہر ہے، ان کے فتاویٰ عام طور پر فقہ حنفی پر مبنی ہے، کیوں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا سواد اعظم اسی فقہ کا متبع ہے؛ لیکن بعض مواقع پر لوگوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے توسع سے بھی کام لیا گیا ہے، فتویٰ دیتے ہوئے فقہ کی مستند کتابیں پیش نظر رکھی گئی ہیں اور راجح اقوال کی رہنمائی کی گئی ہے، نیز بحمد اللہ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اہم مسائل فتاویٰ کے ذیل میں آگئے ہیں۔ ان شاء اللہ جب اس مجموعہ کی تمام جلدیں مرتب ہو کر آئیں گی، تو یہ علمائے ہند کے ذخیرہ فتاویٰ میں ایک نمایاں اضافہ ہوگا۔

فتاویٰ کے اس مجموعہ کو بڑی محنت، خوش سلیقگی اور حسن ترتیب کے ساتھ عزیز گرامی **مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی سلمہٗ** (استاذ حدیث وفقہ: دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ) نے مرتب کیا ہے۔ انہوں نے حسب ضرورت فتاویٰ کی زبان کو آسان بنایا ہے، آیات واحادیث کے حوالہ جات کا اضافہ کیا ہے اور فقہ کے مستند مراجع سے مسائل کی تفصیلی تخریج کی ہے، سوالات پر عناوین قائم کئے گئے ہیں۔ باب اور مسئلہ کی نمبر اندازی کی گئی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مرتب کی محنت نے اس کی اہمیت اور خوبصورتی کو چار چاند لگا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولف، مرتب اور ناشر کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے اور اس کے نفع کو عام وتام کرے، آمین۔

خالد سیف اللہ رحمانی
ناظم: المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

یکم جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ
۱۱ر مارچ ۲۰۱۶ء بروز جمعہ (دربھنگہ ریلوے اسٹیشن)

تقریظ وتأثر:

حضرت مولانا اقبال محمد ٹنکاروی دامت برکاتہم

(مہتمم واستاذ تفسیر وحدیث: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ)

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

اسلام کی ابتدائی دوصدیوں میں مسلمانوں کی آمد ورفت کے نتیجہ میں گجرات کے کناروں پر واقع متعدد بندرگاہوں میں مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم ہوگئیں، جن کی شہادت تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں گجرات آنے والے عرب سیاحوں نے دی ہے۔

قرب مکانی کے باعث حجاز، یمن، بصرہ وغیرہ سے سمندری راستوں کے ذریعہ گجرات تک آمد ورفت آسان ہونے کی وجہ سے بڑی تعداد میں اہم جوتاجر پیشہ افراد اور خاندان یہاں مختلف جگہوں پر آباد ہوگئے، ان آباد ہونے والوں نے مسجدیں اور درسگاہیں قائم کیں، جن کے ذریعہ ابتدائی سطح پر دینی تعلیم کی بنیاد پڑی اور اس میں ہردم ترقی ہوتی گئی۔

علمی ترقی کا دوسرا سبب گجرات کے سلاطین وامراء کی علم دوستی اور علم پروری تھا، گجرات میں مسلمانوں کے اقتدار کے قیام سے پیشتر جوراجپوت راجے مہاراجے حکومت کرتے تھے، وہ بھی وسیع المشرب اور روشن خیال حکمران تھے۔

ان اسباب وعوامل کے نتیجے میں گجرات کے تعلقات حجاز، یمن اور مصر کے ساتھ قریب سے قریب تر ہوتے گئے، گجرات کے چند بڑے شہر مثلاً احمد آباد، پٹن، بھروچ اور سورت تو ملک حجاز کا حصہ معلوم ہونے لگے تھے، ان تعلقات میں حکومت اور سیاست کو بہت زیادہ دخل نہیں تھا، ان کی بنیاد تجارت، ثقافت اور تعلیم وتعلم کے عمل پر رکھی گئی تھی، ان سے دونوں جانب کے عوام وخواص متاثر ہوئے تھے، اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عرب مؤرخین نے اپنی تصانیف میں گجرات کو اہم مقام عطا کیا اور گجراتیوں کے علوم دینیہ کے میدان میں کارہائے نمایاں کا خاص ذکر کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ گجرات کی سرزمین، فقہاء ومحدثین سے کبھی خالی نہیں رہی، بلکہ بعض دور ایسے آئے کہ یہاں کے

علماء، فقہاء اور فضلاء کا شہرہ پورے عالم اسلام میں گونجنے لگا، البتہ ایسے وقفے بھی آئے، جس میں یہاں علم کی لو دھیمی ہوگئی؛ مگر پھر اس کی نشاۃ ثانیہ ہوتی رہی، خصوصاً آٹھویں صدی کے بعد مسلسل فقہاء کی ایک بڑی تعداد گجرات میں موجود رہی ہے۔

ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین مفتی ناگوری، جو ناگپور کے مفتی تھے، انہوں نے بمقام نہروالہ اپنے قیام کے دوران، گجرات کے قاضی القضاۃ قاضی حماد الدین احمد بن قاضی اکرم کی فرمائش پر اپنے بیٹے داؤد کی مدد سے ''الفتاوی الحمادیہ'' لکھی، اس کتاب میں جن تصانیف کا حوالہ دیا گیا ہے یا جن تصانیف میں اس کتاب کا حوالہ ہے، ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی کے اواخر میں یا نویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے، مصنف نے ان کتابوں کی طویل فہرست (۲۰۴) درج کی ہے، جن سے انہوں نے اپنی کتاب مرتب کرنے میں استفادہ کیا ہے، یہ ایک معتبر تصنیف ہے اور فتاوی عالم گیری میں بھی اس کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

یہ کتاب مخطوط شکل میں بانکی پور (۱۹-۱:۱۷۲۳) فہرست عربی مخطوطات دہلی، انڈیا آفس لندن (۸۱۵) خدیوی کتب خانہ قاہرہ (۳/۸۸) رامپور (۲۲۲) بنگال (۱۴) کتب خانہ کلکتہ مدرسہ (۴۱) کتب خانہ انڈیا آفس (۱۶۸۹-۱۶۹۱) میں موجود ہے۔

اور گجرات ہی کے ایک ممتاز عالم قاضی جگن گجراتی کی ترتیب دی ہوئی کتاب خزانۃ الروایات ہے، جو فقہ حنفی کے احکام کی تفصیلات پر مشتمل ہے، یہ کتاب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے، شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے، اس میں انہوں نے علم اور علماء کی فضیلت بیان کی ہے، وہ خود حنفی تھے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف وفضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے، انہوں نے فتاوی اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے، یہ کتاب مخطوط شکل میں دہلی (۱۴۳۷) فہرست دینی کتب خانہ استنبول (۱۰۵) فہرست کتب خانہ نوری عثمانیہ استنبول (۱۵۲۰) فہرست کتب خانہ عشیر آفندی استنبول (۳۲۶) بوہار (۲/۱۵۶) بانکی پور (۱۹-۱:۳۹) رامپور (۱۷۲) آصفیہ (۲/۱۰۸۴) میں موجود ہے۔

شہاب الدین احمد بن محمد جیلانی: ایک جید عالم تھے، گجرات میں پرورش پائی، اس میں اختلاف ہے کہ ان کا تعلق نویں صدی سے تھا یا دسویں صدی سے، اردو کے مشہور ماہنامہ ''المعارف'' اعظم گڑھ بابت مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۴۷ پر شائع شدہ ایک مضمون کے مطابق، انہوں نے ایک کتاب فتاوی ابراہیم شاہ شرقی کے لیے لکھی تھی، محمد عبدالاول جونپوری نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شہاب الدین دولت آبادی کے ہم عصر تھے اور ان کی قبر جونپور میں موجود ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ فتاوی ابراہیم عادل شاہ کے نام معنون کی گئی ہے۔

مذکورہ کتاب فتاوی ابراہیم شاہیہ بوہار عربی مخطوطات فہرست (۲/۱۵۹) بانکی پور (۵۲-۱۷۴۹) آصفیہ

(۱۰۵۲:۲-۳:۴۴۴:۳) رامپور (۲۲۱) انڈیا آفس (۴-۱۷) میں موجود ہے، نیز اس پر حافظ نذیر احمد جریدہ کا مختصر نوٹ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (۴۹) میں موجود ہے۔

شاہ وجیہ الدین گجراتی نے **حاشیۃ علی شرح الوقایہ**، بوہار (۱۶۴) رامپور (۱۸۶) **حاشیۃ علی التلویح** ندوۃ العلماء، لکھنؤ (۱۷/۱۲) **حاشیۃ علی أصول البزدوي** تذکرہ علماء ہند (۲۵۰) اور **حاشیۃ علی الشرح العضدی علی المختصر لابن حاجب** تحریر فرمائی۔

شیخ عبد اللطیف بن جمال بن حامد نہروالی نے ابراہیم بن موسیٰ طرابلسی کی کتاب **مواهب الرحمن** کی شرح لکھی، جو بشکل مخطوطہ بانکی پور (۱۷۴۳) میں موجود ہے۔

قاضی محمد عیسیٰ بن شیخ عبد الماجد صدیقی جونا گڑھی: جونا گڑھ کے قاضی تھے اور اسلامی علوم پر بہت عبور رکھتے تھے، انہوں نے فتح القادر شرح الہدایہ لکھی، اس کا صرف ایک حصہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے پاس تھا، جو ان کی اولاد میں سے ہے۔

شیخ نور الدین بن شیخ محمد احمد آبادی نے **حاشیۃ علی التلویح**، **حاشیۃ علی شرح الوقایہ** اور **حاشیۃ علی شرح المطالع** تصنیف فرمائی، ان کتابوں کا تذکرہ رحمن علی لکھنوی نے تذکرۂ علماء ہند میں کیا ہے۔

نعمت اللہ بن طاہر نہروالی نے صلوۃ التراویح تالیف فرمائی، جو اسلامیہ کالج پیشاور کی لائبریری کے اورینٹل سیکشن کی فہرست (۶۵۴) میں درج ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کچھ کتابیں اس فن میں لکھی گئیں، جیسے فیض الحسن بن نور الحسن سورتی گجراتی نے **فرح شاهي شرح خلاصة الكيداني**، فتاویٰ نقشبندیہ، قاضی عیسیٰ بن عبد الرحیم گجراتی نے مسئلۂ سماع پر سب سے زیادہ مفصل اور نافع کتاب عربی زبان میں لکھی، اسی طرح بندوق کی گولی سے مرے ہوئے جانور کے حکم کے متعلق ایک کتاب شیخ محمد بن یوسف سورتی کی ہے، شیخ عبد القادر بن عبد الاحد باعلظہ شافعی سورتی نے **تحفة المشتاق في احكام النكاح والانفاق** اور شیخ ابراہیم بن عبد اللہ باعلظہ شافعی سورتی نے **تحفة الاخوان** لکھی۔

اصول فقہ میں شیخ احمد بن سلیمان گجراتی نے حاشیہ بر حاشیہ ملا عبد الحکیم، شیخ عبد النبی بن عبد اللہ شطاری گجراتی نے **المواهب الالهي شرح أصول ابراهيم شاهي**، علم الفرائض میں شیخ محمد ہاشم سامرودی سورتی نے **جوهر النظم** تحریر فرمائی اور ایک جامع کتاب اردو زبان میں بھی تحریر فرمائی۔

دور اخیر میں فقہ وفتاویٰ کے خدمات انجام دینے والوں میں مفتی احمد بزرگ سملکی، مفتی اسماعیل بسم اللہ، مفتی اسماعیل گوراراندیری، مولانا مفتی اکبر (مولانا نذیر صاحب پالن پوری کے برادر خورد) مفتی سید شمس الدین بڑودوی،

مفتی علی محمد تراجوی، مفتی محمد سعید احمد صاحب راندیری، مفتی محمد حسین صاحب راندیری، مفتی مرغوب احمد لاجپوری، مفتی احمد اشرف راندیری، مفتی عبدالغنی کاوی، مفتی احمد بیمات صاحب، مفتیٔ گجرات حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری، مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب راندیری، مفتی اسماعیل بھڑکودروی رحمۃ اللہ علیہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت مفتی احمد بیمات صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

استاذ محترم، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ شانہ نے مختلف النوع صلاحیتوں سے نوازا تھا، درس کی پختگی وتحقیق کے اعتبار سے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل سے ہی آپ کی شہرت تھی، فلاح دارین- ترکیسر میں بخاری شریف کے اسباق انتہائی ضبط واتقان اور پابندیٔ اوقات کے ساتھ ہوتے تھے، درس کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زیادہ تر مشغولیت فتاویٰ نویسی کی تھی، آپ کے پاس آنے والے مختلف النوع مسائل سے آپ کو امت کی ہر قسم کی پریشانیوں، پیش آمدہ مسائل اور اخلاقی پستی کا بھی اندازہ ہوتا تھا؛ کیوں کہ سوالات (استفتاء) امت کی اعتقادی، عملی، اخلاقی، معاشرتی اور معاملاتی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

فتاویٰ کے علاوہ آپ نے گجراتی زبان میں مختلف موضوعات (اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، معاملات اور معاشرت) پر وقت کی ضرورت کے مطابق کتابیں تصنیف فرمائیں، یہ تصانیف درحقیقت آپ کے فتاویٰ ہی کی تکمیل وتشریح ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مستفتی کو تفصیلی جواب لکھنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اور مسئلے کی وضاحت کے لیے طویل تحریر کی ضرورت ہوتی ہے، آپ نے اسی کے پیش نظر "مسائل حج، مسائل قربانی اور سودی لین دین" وغیرہ تصنیف فرمائیں۔

آپ کا درسی وروحانی تعلق اپنے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، لہٰذا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ والا سوز دروں، اعتقادی پختگی، لا یخاف فی اللہ لومۃ لائم جیسی عمدہ صفات آپ میں بھی علی وجہ الاتم موجود تھیں، جو آپ کے فتاویٰ میں بھی جھلکتی نظر آتی ہے، چناں چہ اعتقادی مسائل میں جہاں آپ نے کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی کی ہے، وہیں معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدعات وخرافات کا بھی خوب اچھے انداز میں تعاقب فرمایا ہے۔ مسائل کی جزئیات پر آپ کو کافی عبور تھا، فلاح دارین- ترکیسر کی مسجد میں کبھی طلبۂ عزیز سے نماز کے درمیان سہو ہو جاتا، تو حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب اور دیگر اساتذہ- جو مسئلہ سے واقف ہوتے تھے- حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس طالب علم کو بھیجتے تھے اور ان کی ہدایت کی مطابق ہی عمل کرتے تھے، حضرت مفتی صاحب دوسری مسجد میں ہوتے تھے، تو آپ کے آنے کا انتظار کیا جاتا تھا۔

چوں کہ جمعیت علمائے ہند، اصلاح المسلمین اور دینی تعلیم بورڈ سے آپ کی گہری وابستگی تھی، اور معاملات ومعاشرت کے مسائل سے خوب سابقہ پڑتا تھا، اس لیے آپ نے معاملاتی نزاکتوں اور معاشرتی پریشانیوں کا حل

بہت عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے بیشتر فتاویٰ اور اکثر کتابیں گجراتی زبان میں تھیں، جن سے استفادہ محدود تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے صاحب زادۂ محترم جناب حافظ احمد صاحب کو، کہ انہوں نے حضرت مفتی صاحب کے تمام فتاوی اور گجراتی میں لکھی ہوئی حضرت مفتی صاحب کی تمام قیمتی علمی تصنیفات کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے لیے جدوجہد فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی جدوجہد کو اتمام تک پہنچایا۔ **فللہ الحمد علی ذلك**۔

کتابوں کے ترجمے کے مقابلہ میں حضرت مفتی صاحب کے فتاوی کو ترتیب دینا مشکل امر تھا؛ کیوں کہ فتاویٰ کی اردو زبان میں منتقلی، حوالے جات کی تلاش، عناوین سازی، زبان کی سلاست، مسائل کی تخریج اور ان پر نظر ثانی وثالث کے مختلف مراحل طے کرنے تھے۔

خوشی کی بات ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ مختلف مراحل سے گزر ''فتاویٰ فلاحیہ'' کے نام سے ہمارے سامنے آرہے ہیں، پہلی جلد ایمان وعقائد کے مسائل پر مشتمل تھی، اب دوسری جلد کتاب الطہارت اور کتاب الصلاۃ پر مشتمل ہے، فتاوی کی زبان عام فہم اور سلیس رکھی گئی ہے، تخریج میں آیات، احادیث اور خاص کر کے فقہی عبارات (مسئلہ کے ہر ہر جزء کی تفصیلی تخریج) اور تخریج کے دیگر اصول وقواعد کی پابندی کی گئی ہے، جدید املاء اور رموز اوقاف کی بھی رعایت کی گئی ہے۔

مسائل میں معمولی سی تشنگی نظر آتی تھی، جو تخریج کے تحت دیگر عبارتوں اور فتاوی کے حوالہ سے مکمل کر لی گئی ہے، اسی طرح بعض جدید مسائل کی تنقیح نہیں ہوئی تھی، تخریج کے ذریعہ اس کی بھی تلافی کر لی گئی ہے، تخریج کا یہ عمل خاص کر کے کچھ مسائل کی تشنگی دور کرنا، حوالجات اور جدید مسائل کی تنقیح، اسی طرح کچھ مسائل میں استدراکات کا جو عمل کیا گیا ہے (جو بہت ضروری تھا) یہ مفتی صاحب کے فتاوی کو مدلل کر رہا ہے۔

ناچیز نے نمونے کی فائل دیکھنے کے بعد مشورہ دیا تھا کہ جدید مسائل کی تنقیح میں مختلف فقہ اکیڈمی کی تجاویز اور عصر حاضر کی تبدیلی، عرف وعادات کا بدلنا، نیز جدید میڈیکل اور جینٹک سائنس کی نئی تحقیقات بھی مدنظر رکھی جائیں، مرتب فتاویٰ نے اس کا بھرپور خیال کیا ہے؛ اور فقہ اکیڈمی کی تجاویز کے حوالے متعدد جگہ موجود ہیں؛ اس لیے توقع ہے کہ ان شاء اللہ حضرت مفتی صاحب کے یہ فتاویٰ، عصر حاضر کے دیگر فتاوی میں اپنی انفرادی شان برقرار رکھیں گے۔

نوٹ: کچھ فتاویٰ میں اجمال کی وجہ یہی ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، لہٰذا حضرت مفتی صاحب کے فتاوی پڑھنے والوں کو آپ کی تصانیف سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس موقع پر میں کتاب کے مختلف مراحل میں علمی تعاون کرنے والے تمام علمائے کرام کو مبارک باد دیتا

ہوں، کتاب کا سب سے مشکل مرحلہ تخریج کے بعد تنقیح اور اس کو عصر حاضر کی تحقیقات جدیدہ سے منطبق کرنے کا عمل جس شخصیت نے انجام دیا ہے، میری مراد اس سے حضرت مولانا مفتی مجتبیٰ حسن صاحب قاسمی دامت برکاتہم ہیں، میں بہ طور خاص انھیں مبارک باد دیتا ہوں؛ کہ انہوں نے حضرت مفتی بیات صاحبؒ کے فتاویٰ کو اپنی جدو جہد اور علمی کاوش سے مفید سے مفید تر بنا دیا ہے۔ میں نے پورا مسودہ استفادہ کے ساتھ تنقیدی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا ہے؛ تاکہ استاذ محترم کی بات منقح ہو کر لوگوں کے سامنے آئے، اور علمائے کرام بھی اس سے زیادہ مستفید ہوں، اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج بھی میں نے دیکھا ہے کہ کوئی شاگرد آپ سے کسی مسئلہ کی تحقیق میں اپنا اختلاف ظاہر کرتا، تو حضرت مفتی صاحب بہت سنجیدگی کے ساتھ اس کی بات سنتے تھے، مجھے خود دورۂ حدیث کے سال کئی مسائل کے دریافت کرنے میں اس کا احساس ہوا، نیز کچھ فتاویٰ میں نے بھی گجراتی رجسٹر میں نقل کیے ہیں، اس وقت بھی سوال کرنے پر حضرت نے بڑی فراخ دلی سے میری بات سن کر حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔

لہٰذا مسودہ کے مطالعہ کے دوران جہاں جواب میں معمولی سی تشنگی محسوس ہوئی، وہاں مولانا مفتی مجتبیٰ حسن صاحب نے حاشیہ میں اس کی تلافی کر دی ہے، اسی طرح کچھ مسائل جدیدہ میں مزید تحقیق ہوئی ہے، وہاں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ عام متون کی عبارتوں اور قدیم فقہائے کرام کی طرز پر ہے، لیکن محشی صاحب نے وہاں دیگر فقہائے کرام کی عبارتیں نقل کر کے اس کی مکمل تنقیح فرما دی ہے، اور کچھ مواقع پر استدرکات بھی کیے ہیں۔

امید ہے کہ کتاب کے بقیہ حصوں میں بھی تخریج، تنقیح اور استدراکات کا یہ عمل اسی نہج کے ساتھ تسلسل سے جاری رہے گا اور کتاب کے حسن کو دوبالا کرے گا۔

اس موقع پر استاذ زادہ حافظ اسجد سلمہ ربہٗ کو دوبارہ مبارک بادی پیش کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اس کو ذخیرۂ آخرت بنائے اور تمام معاونین کو دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

اقبال بن محمد ٹنکاروری

مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا

عیدگاہ روڈ، بھروچ، گجرات، الہند

۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ

موافق: ۲۹ رفروری ۲۰۱۶ء

رائے گرامی:

جناب مولانا اجود بن مفتی احمد بیمات صاحب دامت برکاتہم

مہتمم: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، بھروچ

رب ذوالجلال کا بے پناہ کرم واحسان ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کے عظیم سرمایے کے ساتھ، علم دین سے وابستہ فرمایا، اور علمائے ربانیین سے استفادے کا موقع فراہم کیا، یقیناً رب کریم ہر قرن، ہر صدی، ہر دور، اور ہر زمانے میں ایسے مردمیدان اور رجال کار پیدا فرماتے ہیں، جن کے ذریعے نہ صرف ایک خطہ اور ایک علاقہ؛ بل کہ ایک دنیا سیراب ہوتی ہے، اور اپنی علمی، ادبی اور دینی پیاس بجھاتی ہے، انھیں افراد باتمکین میں والد گرامی حضرت مولانا ومفتی احمد ابراہیم بیمات نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکات ہے۔

والد صاحبؒ پوری زندگی، انتہائی مخلص ومربی اور کہنہ مشق استاذ کی حیثیت سے، درس وتدریس سے وابستہ رہے، اس درمیان آپؒ نے مختلف موضوعات پر گاہے بہ گاہے، حسب ضرورت کتابیں تصنیف فرمائیں، نیز جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، فلاح دارین ترکیسر، اور مدنی دارالتربیت، کرمالی میں قیام کے دوران مستفتی کے استفتاء کا جواب دیتے رہے، اور زندگی کی آخری سانس تک مرجع خلائق بنے رہے۔

والد گرامی کی رحلت کے بعد ہمیں ان کی کمی کا احساس ستاتا رہا اور یہ خواہش رہی کہ وہ تمام کتابیں، جو مقامی زبان (گجراتی) میں تصنیف کی گئی ہیں، کسی طرح اردو کے قالب میں ڈھل جائیں، اور اس گراں قدر علمی سرچشمے سے استفادے کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے برادر محترم حافظ اسعد بیمات صاحب کو، کہ انہوں نے یہ بار گراں اپنے مضبوط کاندھے پر اٹھایا، اور جہد مسلسل کے بعد، یکے بعد دیگرے، والد گرامیؒ کی تقریباً تیس سے زائد گجراتی کتابوں کا ترجمہ کرایا اور انھیں شان دار انداز میں طبع کرایا، خدا کا شکر ہے کہ ساری کتابیں ہاتھوں

ہاتھ لی گئیں، اور اہل علم نے خوب استفادہ کیا۔

کتابوں کے علاوہ والد گرامیؒ نے فتاویٰ کا عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ اسے موجودہ زمانے کے معیار کے مطابق، جمع وترتیب اور تخریج وتنقیح کر کے شائع کیا جائے، یہ کام جہاں بہت اہم تھا، وہیں بڑا نازک بھی۔

چناں چہ برادر محترم جناب حافظ اسجد بیمات صاحب دامت برکاتہم نے بڑی سعی و کوشش کے بعد اسے بھی شائع کیا ہے، پہلی جلد طبع ہو کر مقبول خاص وعام ہوگئی ہے، اب دوسری جلد طبع ہونے جارہی ہے، میں اس موقع سے مرتب فتاویٰ حضرت مولانا ومفتی مجتبیٰ حسن قاسمی (استاذ حدیث وفقہ: دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ) کا شکر گذار ہوں، کہ انہوں نے خاصی محنت سے اسے مرتب فرمایا ہے، ساتھ ہی دارالعلوم کرمالی کے رکن منتظمہ اور فتاویٰ کی طباعت کے سلسلے میں حد درجہ فکر مند اپنے بھائی حافظ اسجد بیمات صاحب کا ممنون ہوں کہ ان کی محنت اور لگن سے فتاویٰ کا یہ قیمتی ذخیرہ ہمارے ہاتھوں پہنچ رہا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ ان تمام حضرات کو اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے اور والد گرامی کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

مورخہ: ۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ

(مولانا) اجود بن مفتی احمد بیمات (صاحب)

مہتمم: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس ناچیز کو والد گرامی کے فتاویٰ بہ نام ''فتاویٰ فلاحیہ'' کی دوسری جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

یہ جلد چھ سو سے زائد مسائل اور ۸۰۰ر سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، طہارت اور نماز کے مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس جلد کی طباعت میں کچھ تاخیر ہوئی، جس کے لیے میں شائقین سے معذرت خواہ ہوں، ان شاء اللہ فتاویٰ کی تیسری جلد، عنقریب ہی آپ کی خدمت میں ہوگی۔

پہلی جلد کی طباعت کے بعد بہت سے اکابر علماء اور شائقین نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، حوصلہ افزا کلمات کہے، اور تمام جلدوں میں اسی معیار کو برقرار رکھنے کی تاکید کی، میں ان تمام کا شکر گذار ہوں، اور دعاء کرتا ہوں کہ انھوں نے اس ناچیز سے جس معیار کی طباعت کی توقع لگا رکھی ہے، اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمادے، آمین۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

میں شکر گذار ہوں مشہور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کا، کہ انھوں نے اپنی قیمتی تحریر عنایت فرمائی، نیز احسان مند ہوں حضرت مولانا اقبال محمد فلاحی ٹنکاروی دامت برکاتہم (شیخ الحدیث و مہتمم: دار العلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ) کا، کہ انہوں نے فتاویٰ فلاحیہ کی اس دوسری جلد کے تعلق سے گراں قدر تاثر کا اظہار کیا، نیز مرتب فتاویٰ کو اپنے دار العلوم میں علمی ماحول فراہم کیا، سہولتیں عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں دوسری جلد منظر عام آسکی۔

اس موقع پر میں ممنون ہوں مرتب فتاویٰ حضرت مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی صاحب کا، کہ انھوں نے انتہائی جاں فشانی کے ساتھ فتاویٰ کی ترتیب و نظر ثانی کا کام انجام دیا، اور معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیے ہر

طرح کی سعی وکوشش کو بروئے کار لائے، اللہ تعالیٰ انھیں اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

قارئین کے علم میں یہ بات ہوگی کہ والد گرامی کے بیشتر فتاویٰ گجراتی زبان میں تھے، مختلف علماء کے ذریعے ترجمے کرائے گئے، میں ان تمام علماء کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں ان اہل خیر حضرات کا شکریہ ادا نہ ہوں، جنہوں نے اپنی جائز آمدنی اور حلال مال سے ہمارا تعاون فرمایا، اللہ ہر ایک کی جائز تمنائیں پوری فرمادے اور فتاویٰ فلاحیہ کو مفتی صاحب کی دیگر تصانیف کی طرح شرف قبولیت سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

(حافظ) اسجد بن مفتی احمد بیمات
رکن منتظمہ: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، بھروچ، گجرات
خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا
e-mail:hafizasjed@hotmail.com

۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ
موافق: ۱۲/ مارچ ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

فتاویٰ فلاحیہ کی دوسری جلد پیش خدمت ہے، شکر گذاری کے اس موقع پر احقر بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے اس کم سواد کو فتاویٰ فلاحیہ کے اس اہم علمی سلسلہ کو جاری رکھنے کی توفیق بخشی، ورنہ تو یہ کسی بھی لائق نہیں ہے، دعاء ہے کہ جس نے توفیق بخشی ہے، وہی اسے قبولیت بھی عطا فرمادے، اور بقیہ جلدوں کی تکمیل کی ہمت بھی، **وما ذلك عليه بعزيز.**

طہارت ونماز سے متعلق ۲۵ر سے زائد ابواب اور ۶۰۰ر سے زائد سوال وجواب پر مشتمل اس دوسری جلد کو احقر نے اپنی وسعت کے مطابق خوب سے خوب تر بنانے کی سعی کی ہے، کوشش کی ہے کہ کوئی مسئلہ حوالے کے بغیر نہ رہے، نصوص کے ذکر کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اوران تمام امور کا لحاظ کیا گیا ہے، جن سے پہلی جلد مزین ہے۔

فتاویٰ فلاحیہ کی پہلی جلد کی اشاعت کے تقریباً ایک سال بعد دوسری جلد پریس کے حوالے کی جارہی ہے، اس درمیان احقر پر بڑے حالات آئے، اور اپنی زندگی کے سب سے عظیم حادثے سے دوچار ہوا، میری والدہ — جو اسی (۸۰) سے زائد بہاریں دیکھ چکی تھیں، اور انتہائی کمزور تھیں، اس کے باوجود احقر کی محبت میں احقر کے ساتھ ہی رہتی تھیں — ۴ر رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کو اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شایان شان مقام عطا فرمائے، آمین)

اس حادثے کا ذہن ودماغ پر ایسا اثر پڑا کہ کچھ دنوں تک کچھ بھی لکھنے پڑھنے سے لاتعلق رہا۔

اور بھی کچھ حالات ایسے آئے کہ ایک مرحلے میں تو ایسا لگ رہا تھا کہ شاید اب میں یہ کام آگے جاری نہیں رکھ سکوں گا، لیکن اسے حضرت مفتی بیات صاحبؒ کی کرامت کہیے یا صاحب زادۂ محترم، میرے کرم فرما جناب

حافظ اسجد صاحب کا خلوص، کہ کام جاری رہا اور پہلی جلد سے کم عرصے میں کام مکمل ہوا، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اگلی تمام جلد کو بھی جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائے، آمین۔

میں اس موقع پر ممنون ہوں استاذ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کا، کہ انہوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود قیمتی تحریر سے نوازا، اور حوصلہ افزائی فرمائی، احقر جو دو چار لفظ لکھ لیتا ہے، وہ در حقیقت استاذ محترم کی خاص توجہ و تربیت کا نتیجہ ہے، ورنہ تو حقیر خوب جانتا ہے کہ وہ کس لائق ہے۔

اسی طرح میں شکر گذار ہوں دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا کے عالی وقار مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا اقبال محمد ٹنکاروی فلاحی دامت برکاتہم کا، کہ انہوں نے اپنی قیمتی تحریر عنایت فرمائی، جو ان کی دیگر تحریر کی طرح انتہائی محقق ہے اور گجرات کے فقہ و فتاویٰ کی خدمات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، فجزاہ اللہ أحسن الجزاء۔

میں اپنے کرم فرما جناب حافظ اسجد بیات صاحب کا رسمی شکریہ ادا کر کے ان کے احسان کو کم نہیں کرنا چاہتا، کہ ان کے خلوص کی ہی برکت ہے کہ فتاویٰ کا کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ انھیں بہترین بدلہ عطا فرمائے، ان کے اہل خانہ کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے، آمین۔

دوسری جلد کے کام کے دوران دار العلوم ماٹلی والا کے شعبۂ تخصص فی الفقہ کے طلبہ (مولوی سعد عالم مذکر دہلوی، مولوی محمد نعیم امتیاز ٹنکاروی، مولوی عفان محمد ہارون مولیپور، مولوی شاہد یونس بھاؤنگر، مولوی اعجاز مولانا ایوب ہنگلوٹ، مولوی محمد بن عثمان مجادر، مولوی محمد بن ہارون ڈینڈرول اور مولوی عرفان بن حنیف رادھن پوری) شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے حوالہ جات کی تخریج اور پروف ریڈنگ میں تعاون کیا، اللہ تعالیٰ ان میں علمی ذوق پیدا فرمائے، اور مستقبل میں علمی مشغلہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اہل ذوق سے درخواست ہے کہ اس میں اگر کوئی غلطی در آئی ہو، تو اسے اس ناچیز کی جانب سے سمجھیں اور بلا تکلف مطلع فرمائیں، ناچیز ممنون ہوگا۔

مجتبیٰ حسن قاسمی
خادم حدیث: دار العلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ
برائے رابطہ: 09409518452
Email: qasmimujtaba@gmail.com

مورخہ: ۲ رجمادی الاخری ۱۴۳۷ھ
۱۲ مارچ ۲۰۱۶ء، بروز: ہفتہ

عن أبي هريرة. قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وجد أحدكم في بطنه شيئا. فأشكل عليه أخرج منه شيء أم لا. فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتا. أو يجد ريحا.

(مسلم شریف: ۱/ ۱۵۸، حدیث نمبر: ۳۶۲)

باب الوضوء

[وضو کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الــوضــوء

[وضو کا بیان]

[۱] ناگواری کی حالت میں وضو کرنے سے گناہوں کی معافی

۴۳۷-سوال: جامعہ اشرفیہ راندیر کے تبلیغی اشاعتی رسالہ نمبر: ۵۴، بہ نام: ''انوارِ محمدی'' میں ایک حدیث ہے، جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تکلیف اور ناگواری کے باوجود جو شخص اچھی طرح وضو کرے، اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔[1]

---

(۱) عن أبي هريرة، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: ألا أدلكم على ما يمحو الله به الخطايا، ويرفع به الدرجات؟ قالوا بلى يا رسول الله قال: إسباغ الوضوء على المكاره، وكثرة الخطا إلى المساجد، وانتظار الصلاة بعد الصلاة، فذلكم الرباط. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۲۷، رقم الحديث: ۴۱-(۲۵۱)، كتاب الطهارة، باب فضل إسباغ الوضوء على المكاره، ط: رشيدية- دهلي☆سنن الترمذي: ۱/ ۱۸، أبواب الطهارة، باب في إسباغ الوضوء، ط: فيصل- ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي- أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۱/ ۸۹، كتاب الطهارة، باب الفضل في ذلك، بعد باب الأمر بإسباغ الوضوء، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب☆سنن ابن ماجة: ۱/ ۳۴، رقم الحديث: ۴۲۷، ۴۲۸، أبواب الطهارة وسننها، باب ما جاء في إسباغ الوضوء، ورقم الحديث: ۷۷۶، ص: ۵۶، باب المشي إلى الصلاة، أبواب المساجد والجماعات، ط: اشرفي بك ڈپو- ديوبند)

(على المكاره): جمع مكره بفتح الميم من الكره بمعنى المشقة والألم قيل: منها إعواز الماء والحاجة إلى طلبه أو ابتياعه بالثمن الغالي، كذا ذكره الطيبي رحمه الله تعالى. وقيل: المراد حال ما يكره استعمال الماء كالتوضؤ بالماء البارد في الشتاء أو ألم الجسم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۱/ ۳۴۴، رقم الحديث: ۲۸۲، كتاب الطهارة، الفصل الأول، ط: دار الفكر- بيروت) ـــــــــ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ شرح النووي- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۳/ ۱۴۱، كتاب الطهارة، باب فضل إسباغ الوضوء على المكاره، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆قوت المغتذي على جامع الترمذي- عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱هـ): ۱/ ۴۲، أبواب الطهارة، ط: رسالة الدكتوراة - جامعة أم القرى، مكة المكرمة- كلية الدعوة وأصول الدين، قسم الكتاب والسنة)

ناگواری اور مشقت کبھی سستی کی وجہ سے ہوتی ہے، مثلاً: پانی اتنا کم ہے کہ سنت کے مطابق وضو کرنے اور ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھونے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا؛ بل کہ ایسا کرنے کے لیے پانی کچھ دور چل کر لانا پڑتا ہے، اور کبھی سخت ٹھنڈی کی وجہ سے بھی ناگواری ہوتی ہے، کہ پانی ٹھنڈا ہے اور موسم سردی کا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ فضیلت اور ثواب فقط وضو کرنے سے ہی مل جاتا ہے یا اس کے ساتھ دو رکعت نماز کی بھی شرط ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترمذی شریف (۲/۱) سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف اسباغ وضو (کامل طور پر وضو کرنے) سے ہی ثواب ملے گا۔[۱]

اللہ تعالیٰ بہت فیاض ہیں، ان کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے؛ نیت کر کے وضو کر لیا جائے، تو ثواب ملے گا۔ (ان شاء اللہ)[۲] اور یہ بات یاد رہے کہ نیک کام کرنے سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، جب کہ کبیرہ گناہوں کی معافی توبہ ہی سے ہوتی ہے۔[۳] رہے حقوق العباد، تو ان میں توبہ بھی کافی نہیں ہے؛ بل کہ

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: سوال کا حاشیہ نمبر: ۱۔

(۲) وكيفيتها أن ينوي رفع الحدث أو إقامة الصلاة أو ينوي الوضوء أو امتثال الأمر ومحلها القلب . . . والنية سنة لتحصيل الثواب لأن المأمور به ليس إلا غسلا ومسحا في الآية ولم يعلمه النبي صلى الله عليه وسلم للأعرابي مع جهله. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۳۳، باب في الوضوء، فصل في سنن الوضوء، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

علامہ شامی نے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: فعلم أنه لا تلازم بين الثواب والصحة فقد يوجد الثواب بدون الصحة كما ذكر، وبالعكس كما في الوضوء بلا نية فإنه صحيح، ولا ثواب فيه. (رد المحتار: ۶/ ۴۲۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، فرع يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

وقال الحنفية الذين لم يشترطوا النية في الوسائل: المراد كمال الأعمال ويكون تقديرهم كمال الأعمال بالنيات، فالنية شرط كمال فيها، لتحصيل الثواب فقط. (الفقه الإسلامي وأدلته- د. وهبة الزحيلي: ۱/ ۳۰، المطلب الثاني عشر- النية والباعث في العبادات والعقود والفسوخ والتروك، أولاً- حقيقة النية أو تعريفها، من الشاملة، وهو غير موافق للمطبوع)

(۳) وكون التوبة سببا لغفران الذنوب وعدم المؤاخذة بها، مما لا خلاف فيه بين الأمة. وليس شيء يكون سببا لغفران جميع الذنوب إلا التوبة، قال تعالى: ﴿قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ﴾ [الزمر: ۵۳]، وهذا لمن تاب. (شرح العقيدة الطحاوية- صدر الدين محمد بن علاء الدين، ابن أبي العز الحنفي، الأذرعي الصالحي الدمشقي (م: ۷۹۲ھ)، ص: ۳۲۷، أهل القبلة مسلمون مؤمنون، تخريج: ناصر الدين الألباني، ط: دار السلام للطباعة والنشر، الطبعة المصرية الأولى: ۱۴۲۶ھ- ۲۰۰۵م)

متعلقہ بندوں کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ببول کی مسواک سے سنت ادا ہو جائے گی

۴۳۸-سوال: کیا صرف پیلو کا مسواک ہی استعمال کر سکتے ہیں یا کسی دوسرے درخت کی لکڑی سے بھی مسواک کا حق ادا ہو جائے گا؟ ببول کے مسواک میں کیا کوئی حرج ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء کرام لکھتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ مسواک کڑوے درخت کی ہو اور اس کے ریشے نرم ہوں، ببول کی مسواک کرنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] اعضائے وضو پر کلر لگ جائے، تو کیا حکم ہے؟

۴۳۹-سوال: اگر بدن کے کسی عضو پر کلر (پکا رنگ) لگ گیا ہو اور اس کو اچھی طرح صاف کرنے کے باوجود تھوڑا سا کلر رہ جائے، تو ایسی صورت میں وضوء یا غسل ہو گا یا نہیں؟

نوٹ:- بعض لوگوں کا پیشہ ہی کلر کا ہوتا ہے، ان کے لیے کلر سے بچنا دشوار ہوتا ہے، ایسی صورت میں پکے کلر لگ جانے سے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے وضو یا غسل ہو گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن اعضاء کو وضوء میں دھونا فرض ہے، ان پر پکا رنگ اس طور پر لگ جائے، کہ اس کے رہتے ہوئے

---

(۱) وإن كانت عما فرط فيه من حقوق الله كصلاة وصيام وزكاة، فتوبته أن يندم على تفريطه أولاً، ثم يعزم على أن لا يعود أبداً . . . وإن كانت عما يتعلق بالعباد، فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمنا في حقوق الله تعالى على الخروج عن عهدة الأموال، وإرضاء الخصم في الحال والاستقبال؛ بأن يتحلل منهم، أو يردها إليهم أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل، أو وارث هذا. (شرح كتاب الفقه الأكبر - ملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ)، ص: ۲۶۳، مسألة في التوبة وشرائطها وفيها أبحاث، ت: علي محمد دندل، ط: مكتبة دار الإيمان - سهارنفور)

(۲) والمستحب . . . أن يكون من شجر مر، ليكون أقطع للبلغم، وأنقى للصدر، وأهنأ للطعام، وأفضله الأراك، ثم الزيتون، ويصح بكل عود إلا الرمان والقصب لمضرتهما، وأن يكون طول شبر مستعمله، لأن الزائد يركب عليه الشيطان. اهـ (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد، الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ)، ص: ۶۷، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

پانی جسم تک نہ پہنچ سکے، تو اس کو دھوکر زائل کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر وضو درست نہیں ہوگا، خوب اچھی طرح صاف کرنے کے باجود رنگ کا اثر باقی رہ گیا ہو اور وہ کیمیکل (چکنا اور گاڑھا رنگ) نہ ہو، تو رنگ کا کام کرنے والوں کے لیے اس کو زائل کرنا ضروری نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] درجۂ حفظ کے طلبہ کے لیے متعدد بار وضو اور سجدۂ تلاوت کا مسئلہ

۴۴۰-سوال: مجھے ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے، میں نے اس سوال کو کئی علماء سے پوچھا؛ لیکن اطمینان بخش جواب نہیں مل سکا، سوال یہ ہے کہ قرآن شریف حفظ کرنے والے طلبہ، جو صبح سے شام تک پڑھتے رہتے ہیں، ان کے لیے قرآن شریف بغیر وضو کے پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ یعنی اگر کسی سے دیر تک وضو باقی نہیں رکھا جاسکتا ہے اور اگر سبق کے وقت بار بار وضو کرے، تو اس کی پڑھائی میں کافی نقصان ہوتا ہے اور وقت بھی کافی ضائع ہوتا ہے اور جو تھوڑا بہت یاد کیا ہوا ہوتا ہے، تسلسل کے فوت ہونے کی وجہ سے وہ بھی ذہن سے نکل جاتا ہے اور اس کو پھر سے یاد کرنا پڑتا ہے، تو اس صورت میں طالب علم کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟ اور قرأت پڑھانے والوں کے لیے بھی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟

نیز استاذ اور طلبہ کو سجدۂ تلاوت کے متعلق کیا کرنا چاہیے؟ طالب علم متعدد جگہ اپنا سبق استاذ اور

---

(۱) وفي الجامع الصغير سئل أبو القاسم عن وافر الظفر الذي يبقى في أظفاره الدرن أو الذي يعمل عمل الطين أو المرأة التي صبغت أصبعها بالحناء، أو الصرام، أو الصباغ، قال: كل ذلك سواء يجزيهم وضوءهم إذ لا يستطاع الامتناع عنه إلا بحرج، والفتوى على الجواز. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۴، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، ط: مكتبة رشيدية- پاكستان)

(ولا يمنع) الطهارة (ونيم) أي خرء ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه به يفتى (ودرن ووسخ) عطف تفسير وكذا دهن ودسومة (وتراب) وطين ولو (في ظفر مطلقا) أي قرويا أو مدنيا في الأصح بخلاف نحو عجين. (و) لا يمنع (ما على ظفر صباغ و) لا (طعام بين أسنانه) أو في سنه المجوف به يفتى. وقيل إن صلبا منع، وهو الأصح. (الدر المختار) —— قال ابن عابدين: (قوله: لم يصل الماء تحته) لأن الاحتراز عنه غير ممكن، حلية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۵۴، مطلب أبحاث الغسل، ط: بيروت)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر محض رنگ اور کسی قدر چکناہٹ باقی ہے، تو اس سے وضو میں خلل نہیں آتا، جیسے کہ اگر تیل لگا ہوا ہو اور اس پر پانی بہا دیا جائے، اگر صرف رنگ اور چکناہٹ ہی نہیں، بل کہ موم بھی باقی ہے، جس سے پانی نہیں پہنچ سکتا، تو وضو درست ہے نہ غسل"۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱/ ۴۱، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء، پالش ناخن پر لگی رہ جائے، تو وضو کا حکم، ط: اشرفی بک ڈپو- دیوبند)

ساتھیوں کو سناتے ہیں اور اپنی جگہ پر بھی پڑھتے ہیں، ان تمام کی گنتی یاد رکھنا بھی مشکل ہے اور یہ سجدے جمع ہوتے جاتے ہیں، توان سجدوں کا کیا حکم ہے؟ کیا سب مجموعی سجدوں کو ادا کرنا ضروری ہے؟ آپ اگر مہربانی کر کے ان مسائل کا حل بتلادیں، تو میں آپ کا شکر گزار رہوں گا، میں درجۂ حفظ کا طالب علم ہوں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ایک ہی آیت سجدہ طالب علم درس گاہ میں بار بار پڑھتا ہے اور استاذ یا دوسرے ہم سبق کو سناتا ہے، تو جب تک درس گاہ میں رہے گا، ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، درس گاہ "مکان واحد" کے حکم میں ہے، کونے اور جگہ کے بدلنے سے مجلس نہیں بدلے گی اور جب تک پڑھتا رہے گا، کام (فعل) ایک ہی ہوگا؛ لہٰذا ایک سجدہ کافی ہوگا، اگر مجلس بدل جائے اس طور پر کہ درس گاہ سے باہر چلا جائے، یا پڑھتے پڑھتے دوسرا کام کرنے لگے، مثلاً اسی درس گاہ میں دسترخوان بچھائے اور کھانے لگے، پھر اسی آیت سجدہ کی تلاوت کرے، تو چوں کہ حکماً مجلس بدل گئی ہے؛ اس لیے اس پر دوسرا سجدہ واجب ہوگا۔ (درمختار مع الشامی: ۲/ ۵۹۰ ☆ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر: ۱/ ۲۳۵، باب سجود التلاوۃ، کتاب الصلاۃ)[1]

اور نابالغ لڑکا لڑکی پر وضو واجب نہیں ہے، مگر سکھلانے کی غرض سے ابتداءً وضو کر کے اس کو قرآن شریف کی تلاوت کا حکم کیا جائے گا، اور بالغ کو بغیر وضو کے قرآن چھونا بالکل جائز نہیں ہے۔

استاذ کو بار بار وضو کی تکلیف ہو، تو وہ طالب علم سے قرآن کی خدمت (ورق کا پلٹنا وغیرہ) کا کام لے اور بالغ طالب علم رومال یا علاحدہ کپڑے سے اوراق کھولے، مجبوری کی صورت میں اس طرح کی تدبیر اختیار

---

[۱] ولو تلاها في مسجد جماعة أو في المسجد الجامع في زاوية، ثم تلاها في زاوية أخرى، لا يجب عليه إلا سجدة واحدة: لأن المسجد كله جعل بمنزلة مكان واحد في حق الصلاة ففي حق السجدة أولى، وكذا حكم السماع، وكذلك البيت والمحمل. (بدائع الصنائع: ۱/ ۴۳۳، كتاب الصلاة، فصل أما سبب وجوب السجدة، ط: زكريا-ديوبند)

الأصل أن السجدة لا يتكرر وجوبها إلا بأحد أمور ثلاثة: إما اختلاف المجلس، أو التلاوة، أو السماع حتى أن من تلا آية واحدة مرارا في مجلس واحد تكفيه سجدة واحدة، والأصل فيه ما روي أن جبريل عليه السلام كان ينزل بالوحي فيقرأ آية السجدة على رسول الله صلى الله عليه وسلم ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسمع ويتلقن ثم يقرأ على أصحابه وكان لا يسجد إلا مرة واحدة. (حوالہ سابق: ۱/ ۴۳۱) ☆ مزید دیکھیے: البحر الرائق: ۲/ ۲۲۰-۲۱، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: زكريا-ديوبند)

کرنا گناہ کا باعث نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] مسجد میں یا وضو کے دوران باتیں کرنا

۴۴۱-سوال: دوران وضو یا مسجد میں دنیوی باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وضو کے دوران دنیوی باتیں کرنا پسندیدہ نہیں ہے، اسی طرح مسجد میں بھی بلاضرورت دنیوی باتیں کرنا مکروہ ہے، اس سے نیکیاں اس طرح برباد ہوتی ہیں، جس طرح سوکھی گھاس کو آگ جلا دیتی ہے؛ لہٰذا مسجد میں بلاضرورت دنیوی باتوں سے بچنا بہت ضروری ہے، مسجد میں نماز، تلاوت قرآن، ذکر وغیرہ عبادت الٰہی میں مشغول رہنا چاہیے، مسجد اللہ تبارک وتعالیٰ کا گھر ہے، اس کا احترام بہ ہر صورت ضروری ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن المبتلى حتى يبرأ، وعن الصبي حتى يكبر. (سنن أبي داود: ۲/ ۶۰۲، رقم الحديث: ۴۳۹۸- ۴۴۰۳، كتاب الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، ط: مختار اینڈ کمپنی- دیوبند)

(و) يحرم (به) أي بالأكبر (وبالأصغر) مس مصحف أي ما فيه آية كدرهم وجدار ... (إلا بغلاف متجاف). [در مختار مع الشامي: ۱/ ۳۲۵، ط: زكريا- ديوبند☆ مزید دیکھیے: مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر: ۱/ ۴۲، كتاب الطهارة، ط: مکتبہ فقیہ الامت، دیوبند]

(ولا) يكره (مس صبي لمصحف ولوح) ولا بأس بدفعه إليه وطلبه منه للضرورة إذ الحفظ في الصغر كالنقش في الحجر. وقال الشامي: (قوله: ولا يكره مس صبي إلخ) فيه أن الصبي غير مكلف والظاهر أن المراد لا يكره لوليه أن يتركه يمس، بخلاف ما لو رآه يشرب خمرا مثلا فإنه لا يحل له تركه. (قوله: ولا بأس بدفعه إليه) أي لا بأس بأن يدفع البالغ المتطهر المصحف إلى الصبي، ولا يتوهم جوازه مع وجود حدث البالغ. (قوله: للضرورة) لأن في تكليف الصبيان وأمرهم بالوضوء حرجا بهم، وفي تأخيره إلى البلوغ تقليل حفظ القرآن، درر. (رد المحتار مع الدر المختار المعروف بالشامي: ۱/ ۳۱۶-۳۱۷، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء)

(۲) وأما الثالث وهو أنه لا يتكلم إلا بخير فلقوله تعالى: وقل لعبادي يقولوا التي هي أحسن. {الإسراء: ۵۳} وهو بعمومه يقتضي أن لا يتكلم خارج المسجد إلا بخير فالمسجد أولى كذا في غاية البيان. وفي التبيين وأما التكلم بغير خير؛ فإنه يكره لغير المعتكف فما ظنك للمعتكف اه... الكلام المباح في المسجد مكروه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. (البحر الرائق: ۲/ ۵۳۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

مزید دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف☆ فتح القدير: ۱/ ۴۳۵، كتاب الصلاة قبيل باب الوتر، ط: زكريا، ديوبند)

[۶] مذی اور ودی کے خروج سے وضوٹوٹ جاتا ہے

۴۴۲-سوال: ایک شخص کو پیشاب کرنے کے بعد منی کے قطرات نکلتے ہیں، ایسا شخص پیشاب کے بعد جلد وضوء کر کے جماعت میں شامل ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

پیشاب کے بعد جو قطرات نکلتے ہیں، اس کو ودی کہتے ہیں، عضوتناسل بوجہ شہوت ایستادگی کی حالت میں ہو اور قطرات ٹپکنے کے باوجود شہوت باقی رہے، تو اس (ٹپکنے والے قطرہ) کو مذی کہتے ہیں اور اگر قطرات نکلنے سے شہوت ختم ہو جائے، تو اس (ٹپکنے والے قطرہ) کو منی کہتے ہیں۔ مذی اور ودی سے وضوٹوٹ جاتا ہے، جب کہ منی کا خروج غسل کو واجب کرتا ہے۔ (۱)

اگر کسی کو پیشاب کے بعد قطرات آتے ہوں اور وہ جلدی سے وضوء کر کے جماعت میں شریک ہوجائے، پھر قطرہ نکل آئے، تو اس کا وضوء ٹوٹ جائے گا، اور بغیر وضو کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے ایسا شخص استبراء کرے، یعنی مکمل طریقے سے اطمینان حاصل کر لے کہ اب پیشاب کا کوئی قطرہ مخرج میں باقی نہیں ہے، پھر وضوء کر کے جماعت میں شریک ہو۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] مذی کا حکم

۴۴۳-سوال: بیوی سے ملاعبت (مذاق ودل لگی) کے وقت شرم گاہ سے جو رطوبت (مذی) نکلتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے وضوٹوٹ جائے گا؟ اگر وہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے، تو کیا

---

(۱) قال (وفي المني الغسل) لقوله - صلى الله عليه وسلم - إنما الماء من الماء «يعني الاغتسال من المني، ... قال (وفي المذي الوضوء) لحديث علي - رضي الله تعالى عنه - قال كنت فحلا مذاء فاستحييت أن أسأل رسول الله - صلى الله عليه وسلم - لمكان ابنته تحتي، فأمرت المقداد بن الأسود حتى سأله، فقال كل فحل يمذي، وفيه الوضوء. وكذلك الودي فإنه الغليظ من البول فهو كالرقيق منه، ثم فسر هذه المياه فقال (المني خاثر أبيض ينكسر منه الذكر ... والمذي رقيق يضرب إلى البياض يخرج عند ملاعبة الرجل أهله، والودي رقيق يخرج منه بعد البول) وتفسير هذه المياه مروي عن عائشة - رضي الله تعالى عنها - بهذه الصفة. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱/ ۶۷، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: استنجاء میں استبراء کی ایک تدبیر۔ (باب الاستنجاء)

اس کا دھونا ضروری ہے؟ کیا صرف کپڑے وغیرہ سے صاف کر لینا کافی نہیں ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

بیوی کے ساتھ ملاعبت کے وقت جو رطوبت نکلتی ہے اور اس کے نکلنے سے شہوت ٹھنڈی (ختم) نہیں ہوتی ہے، اس کو ''مذی'' کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور یہ خود نجس ہے؛ اس لیے جس جگہ لگ جائے، اس حصہ کا دھونا ضروری ہوگا: المذي ينقض الوضوء. (عالم گیری: ۱/ ۱۰، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، كتاب الطهارة، ط: دار الفكر، الطبعة الثانية: ۱۳۱۰ھ ☆ شامی: ۱/ ۱۶۵، ط: دار الفکر-بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء) وقال الكاساني: كل ما يخرج من بدن الإنسان مما يجب بخروجه الوضوء أو الغسل فهو نجس، من البول والغائط والودي والمذي والمني... الخ. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۹۳، كتاب الطهارة، فصل في الطهارة الحقيقية، ط: زکریا، دیوبند)

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ج: ۱، ص: ۵۴ پر ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے: ''باب غسل المذي والوضوء منه'' (مذی کو دھونا اور اس کے نکلنے پر وضو کرنا) اس کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: مجھے بہ کثرت مذی نکلتی تھی، چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میری زوجیت میں تھی؛ اس لیے میں نے اس سلسلے میں خود مسئلہ معلوم کرنا مناسب نہیں سمجھا؛ حضرت مقداد بن اسودؓ سے درخواست کی کہ وہ مسئلہ معلوم کریں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے کو دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذکر (آلۂ تناسل) کو دھولو، اور وضو کرلو''۔[1] اور امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب (۱/ ۱۶) میں عنوان قائم کیا ہے: ''کپڑے پر مذی لگ جائے، تو کیا حکم ہے؟'' اس کے تحت بیان کیا ہے کہ: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کپڑے کا دھونا ضروری ہے——حنفی مذہب کے مطابق مذی ناپاک ہے، اگر وہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے، تو اس کا دھونا ضروری ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن علي، قال: كنت رجلا مذاء فأمرت رجلا أن يسأل النبي صلى الله عليه وسلم، لمكان ابنته، فسأل فقال: توضأ واغسل ذكرك. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۱، رقم الحديث: ۲۶۹، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه، ط: ديوبند)

(۲) عن سهل بن حنيف قال: كنت ألقى من المذي شدة وعناء، فكنت أكثر منه الغسل، فذكرت ذلك لرسول الله -صلى الله عليه وسلم- وسألته عنه، فقال: إنما يجزئك من ذلك الوضوء، فقلت: يا رسول الله! كيف بما يصيب ثوبي منه، قال: يكفيك أن تأخذ كفا من ماء فتنضح به ثوبك حيث ترى أنه أصاب منه. قال أبو عيسى: وقد اختلف أهل =

[۸] أیضـــــا

۴۴۴-سوال: بندہ کئی دنوں سے خروج مذی کا شکار ہے، عضو مخصوص سے اس کا خروج ہوتا ہے، کبھی انتشار عضو کے ساتھ اور کبھی بغیر انتشار عضو کے، البتہ مذی کا خروج انتہائی قلیل مقدار میں ہوتا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ خروج مذی کے وقت جو کپڑا پہن رکھا تھا، اس کو دھویا جائے یا تبدیل کر دیا جائے، اس میں احتیاطی پہلو کیا ہے؟ نیز اس سلسلے میں حضرت والا کے پاس کوئی علاج ہو، تو ضرور تحریر فرمائیں تا کہ اس پر عمل کیا جائے، عین کرم ہوگا۔

الجواب حامداو مصليا:

اگر اگلی شرم گاہ سے سیال مادہ کے خروج کے بعد عضو مخصوص کا انتشار ختم ہو جائے اور عضو مخصوص ساکن ہوئے، تو غسل فرض ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں خارج ہونے والی شئے مذی نہیں ہوگی، بل کہ منی ہوگی۔ ہاں اگر نکلنے والے مادہ کے بعد بھی عضو ساکن نہ ہوتا ہو، تو اس صورت میں غسل فرض نہیں ہوگا، البتہ وضو واجب ہوگا۔[1]

کپڑا خواہ مذی سے آلودہ ہوا ہو یا منی سے، اگر قابل عفو مقدار سے زیادہ ہو، تو صرف اتنا ہی دھونا ضروری ہے، جتنا کپڑا آلودہ ہوا ہے، پورے کپڑے کا دھونا ضروری نہیں ہے اور مذی چوں کہ رقیق ہے؛ اس

العلم في المذي يصيب الثوب، فقال بعضهم: لا يجزئ إلا الغسل، وهو قول الشافعي، وإسحاق، وقال بعضهم: يجزئه النضح. وقال أحمد: أرجو أن يجزئه النضح بالماء. (سنن الترمذي: ۱/ ۳۱، رقم الحديث: ۱۱۵، أبواب الطهارات، باب في المذي يصيب الثوب، ط: مكتبه البدر-ديوبند)

(۱) (وفرض) الغسل (عند) خروج (مني) من العضو وإلا فلا يفرض اتفاقا؛ لأنه في حكم الباطن (منفصل عن مقره) هو صلب الرجل وترائب المرأة، . . . (بشهوة) أي لذة ولو حكما كمحتلم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۱۵۹-۱۶۰، باب الغسل، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

المذي ينقض الوضوء. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/ ۱۰، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، كتاب الطهارة، ط: دار الفكر، الطبعة الثانية: ۱۳۱۰ھ☆شامي: ۱/ ۱۶۵، ط: دار الفكر-بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء)

وقال الكاساني: كل ما يخرج من بدن الإنسان مما يجب بخروجه الوضوء أو الغسل فهو نجس، من البول والغائط والودي والمذي والمني، الخ. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۹۳، كتاب الطهارة، فصل في الطهارة الحقيقية، ط: زكريا، ديوبند)

لیے ایک درہم کی مقدار تک معاف ہے، ایک درہم سے زیادہ معاف نہیں ہے، اگر ایک درہم سے زیادہ آلودہ ہوا ہو، تو کپڑے کو دھو دینا کافی ہے، تبدیل کرنا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں حرج عظیم لازم آئے گا؛ لیکن ایسے شخص کے لیے، جسے خروج مذی کا عارضہ لاحق ہو، بہتر صورت یہ ہے کہ نماز کے لیے کوئی علاحدہ کپڑا رکھے، تاکہ نماز سے پہلے کپڑے تبدیل کر کے بہ سہولت نماز ادا کر سکے۔[1] علاج کے لیے کسی حکیم سے رجوع کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] خروج مذی کی وجہ سے وضو اور کپڑے کی طہارت کا حکم

۴۴۵-سوال: دل میں برے خیالات آتے ہیں، جن کی وجہ سے پیشاب کے راستے سے ''پانی جیسا رقیق چکنا مادہ'' نکلتا ہے، تو کیا کرنا چاہیے، اس کی صفائی ضروری ہے یا نہیں ؟ اسی حالت میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج لاحق تو نہیں ہوگا؟ وضو باقی رہے گا یا نہیں؟ مذی اگر کپڑے پر لگ جائے تو کیا کپڑا ناپاک ہو جائے گا؟ کپڑا دھوئے بغیر نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ جوانی میں برے خیالات کی وجہ سے اگر مذی نکل جائے، تو اس سے کس طرح بچا جائے؟

عبدالرحیم حسن ماگھرول (جوناگڈھ)

الجواب حامداً ومصلیا:

خروج مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ مذی ناپاک ہے، اس کو دھونا ضروری ہے۔[2] اس کے

---

(۱) دیکھیے عنوان ''خروج مذی کی وجہ سے وضو اور کپڑے کی طہارت کا حکم'' کا حاشیہ نمبر ۲۔

(وعفي قدر الدرهم) وزنا في المتجسدة وهو عشرون قيراطا ومساحة في المائعة وهو قدر مقعر الكف داخل مفاصل الأصابع كما وفقه الهندواني وهو الصحيح فذلك عفو (من) النجاسة (المغلظة) فلا يعفى عنها إذا زادت على الدرهم مع القدرة على الإزالة (و) عفي قدر (ما دون ربع الثوب) الكامل (أو البدن) كله على الصحيح من الخفيفة لقيام الربع مقام الكل كمسح ربع الرأس. (مراقي الفلاح، ص:۳۷، كتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة منه، ط: زكريا-ديوبند)

(۲) المذي ينقض الوضوء. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، كتاب الطهارة، ط: دار الفكر، الطبعة الثانية: ۱۳۱۰ھ ☆ شامي: ۱/ ۱۶۵، ط: دار الفكر-بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ -۱۹۹۲ء) وقال الكاساني: كل ما يخرج من بدن الإنسان مما يجب بخروجه الوضوء أو الغسل فهو نجس، من البول والغائط والودي والمذي والمني، الخ. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۹۳، كتاب الطهارة، فصل في الطهارة الحقيقية، ط: زكريا، ديوبند)

روکنے کے لیے علاج یہ ہے کہ اگلی شرم گاہ (ذکر) پر ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ کیا جائے، اس کی ٹھنڈک کی وجہ سے مذی کا سیلان رک جائے گا، پھر ناپاکی کو دھوکر وضو کر کے نماز پڑھے، کپڑے پر مذی کے لگ جانے سے کپڑا بھی ناپاک ہوجائے گا، ناپاکی ایک درہم کے برابر پھیل گئی ہو، تو کپڑا دھونا ضروری ہے، مذی کپڑے پر ایک درہم کی مقدار سے کم پھیلی ہوئی ہے، تو معاف ہے، اس کو دھوئے بغیر بھی نماز پڑھے، تو نماز ہوجائے گی۔ [1] خروج مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے، صرف وضو واجب ہوگا۔ [2] اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ شادی کرلو اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر کے غسل کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔ واللہ اعلم بالصواب

[۱۰] عضوِتناسل سے چکنے سیّال مادّے کا نکلنا

۴۴۶-سوال: ایک شخص کو اگلی شرم گاہ سے، دن میں چلتے وقت کئی مرتبہ بغیر کسی شہوت کے چکنی سیال چیز خارج ہوتی ہے، اُس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا، غسل فرض نہیں ہے، غسل فرض ہونے کے لیے شہوت کے ساتھ کود کر منی کا نکلنا ضروری ہے۔ [3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) نجاست غلیظہ میں پتلی اور بہنے والی نجاست (خون، آدمی کا پیشاب وغیرہ) کپڑے یا بدن میں لگ جائے، تو پھیلاؤ میں مساحت کف یعنی ہتھیلی کے گڑھے (ایک روپے کے سکے) کے برابر یا اس سے کم معاف ہے، اگر اس کو دھوئے بغیر کوئی نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز ہوجائے گی؛ لیکن نہ دھونا اور اس کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا مکروہ اور برا ہے۔ اور اگر نجاست غلیظہ میں سے گاڑھی چیز (پاخانہ، مرغی کی بیٹ وغیرہ) لگ جائے، تو وزن میں ساڑھے چار ماشہ یا اس سے کم معاف ہے۔ اور اگر نجاست خفیفہ ہو، تو بدن یا کپڑے کے جس حصے میں لگی ہے، اگر اس کے چوتھائی سے کم ہو، تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں ہے:
(وعفي قدر الدرهم) وزنا في المتجسدة وهو عشرون قيراطا ومساحة في المائعة وهو قدر مقعر الكف داخل مفاصل الأصابع كما وفقه الهندواني وهو الصحيح فذلك عفو (من) النجاسة (المغلظة) فلا يعفى عنها إذا زادت على الدرهم مع القدرة على الإزالة (و) عفي قدر (ما دون ربع الثوب) الكامل (أو البدن) كله على الصحيح من الخفيفة لقيام الربع مقام الكل كمسح ربع الرأس. (مراقي الفلاح، ص:۳۷، كتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة منه، ط: زكريا-ديوبند)

(۲) عن علي، قال: كنت رجلا مذاء فأمرت رجلا أن يسأل النبي صلى الله عليه وسلم، لمكان ابنته، فسأل فقال: توضأ واغسل ذكرك. (صحيح البخاري: ۱/۴۱، رقم الحديث: ۲۶۹، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه، ط: ديوبند)

(۳) تفصیلی مسئلہ اور اس کی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: خروج مذی کی وجہ سے وضو اور کپڑے کی طہارت کا حکم ☆ مذی کا حکم۔

[۱۱] انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند ناقض وضو نہیں ہے

۴۴۷-سوال: ایک آدمی یہ معلوم کر رہے تھے کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند ناقض وضو نہیں ہے، تو کیا واقعی آپ ﷺ اور آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام رات کی نیند کے بعد صبح اٹھ کر وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے؟ کیا یہ حضرات وضو نہیں کرتے تھے؟ ایک مولانا صاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ نوم سے انبیاء کرام کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے، تو اس شخص نے پھر یہ کہا: کیا ہمارے نبی ﷺ وضو نہیں کرتے تھے، آپ بغیر وضو کے نماز پڑھ لیتے تھے؟

اے وائی پٹیل ملاڈ (ممبئی ۶۴)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے کہ انبیاء کرام کا سونا ناقض وضو نہیں ہے، احادیث کی معتبر کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ سونے کے بعد جب بیدار ہوتے، تو وضو کیے بغیر نمازیں پڑھتے تھے؛ البتہ آپ ﷺ کا وضو بول و براز سے اسی طرح ٹوٹ جاتا تھا، جس طریقہ سے امتی کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب

(۱) وفي الدر المختار: والعته لا ينقض كنوم الأنبياء - عليهم الصلاة والسلام -، وهل ينقض إغماؤهم وغشيهم؟ ظاهر كلام المبسوط نعم. قال ابن عابدين: (قوله: كنوم الأنبياء) قال في البحر: صرح في القنية بأنه من خصوصياته - صلى الله عليه وسلم - ولذا ورد في الصحيحين «أن النبي - صلى الله عليه وسلم - نام حتى نفخ ثم قام إلى الصلاة ولم يتوضأ» لما ورد في حديث آخر «وإن عيني تنامان ولا ينام قلبي». وفي القهستاني: لا نقض من الأنبياء - عليهم الصلاة والسلام -، ومقتضاه التعميم في كل النواقض، لكن نقل ط عن شرح الشفاء لملا علي القاري الإجماع على أنه - صلى الله عليه وسلم - في نواقض الوضوء كالأمة إلا ما صح من استثناء النوم. اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۴۳، كتاب الطهارة، مطلب نوم الأنبياء غير ناقض، ط: دار الفکر - بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲، ☆عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: نمت عند ميمونة والنبي صلى الله عليه وسلم عندها تلك الليلة، فتوضأ، ثم قام يصلي، فقمت عن يساره، فأخذني، فجعلني عن يمينه، فصلى ثلاث عشرة ركعة، ثم نام حتى نفخ، وكان إذا نام نفخ، ثم أتاه المؤذن، فخرج، فصلى ولم يتوضأ. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۶۹۸، كتاب الأذان، باب: إذا قام الرجل عن يسار الإمام، فحوله الإمام إلى يمينه، لم تفسد صلاتهما، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۶۰، رقم الحديث: ۱۸۷ - (۷۶۳)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة النبي صلى الله عليه وسلم ودعائه بالليل، ط: ديوبند ☆المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ): ۲/ ۲۱۸، رقم الحديث: ۱۱۲۱، كتاب التطبيق، باب الدعاء في السجود، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

[۱۲] آشوب چشم کے مرض کی وجہ سے نکلنے والے پانی کا حکم

۴۴۸-سوال: آشوب چشم کے مرض کی وجہ سے جو پانی آنکھوں سے نکلتا ہے، وہ پاک ہے یا ناپاک؟ اور کیا اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ بہشتی زیور [۱] اور فتاوی رحیمیہ [۲] میں لکھا ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جب کہ فتاوی رشیدیہ [۳] اور فتاوی دار العلوم [۴] میں لکھا ہے کہ وہ پانی ناپاک نہیں ہے اور اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، تو اب عمل کس پر کیا جائے؟

الجواب حامداًو مصلیاً

آشوب چشم کے مرض کی وجہ سے جو پانی آنکھوں سے نکلتا ہے، وہ ناپاک ہے؛ کیوں کہ اس مرض کی وجہ سے آنکھوں میں چھوٹے چھوٹے دانے ہوجاتے ہیں، اور ان ہی دانوں سے وہ پانی نکلتا ہے؛ اس لیے وہ

---

(۱) ایسے ہی اگر آنکھیں دکھتی ہوں اور کھٹکتی ہوں، تو پانی بہنے اور آنسو نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر آنکھیں نہ دکھتی ہوں، اور نہ اس میں کچھ کھٹک ہوں، تو آنسو نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (بہشتی زیور کامل، ص:۶۱)

(۲) فتاویٰ رحیمیہ (۴/ ۲۹، کتاب الطہارت، مرض آشوب چشم (آنکھ دکھنا) میں آنکھوں سے نکلنے والے پانی کا حکم، ط: دار الاشاعت، پاکستان) میں ہے:

مرض آشوب چشم (آنکھ دکھنا) لاحق ہونے کی حالت میں جو چکنا پانی یا پیپ نکلتا ہے، اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور جو چیز ناقض وضو ہوتی ہے وہ ناپاک ہوتی ہے، آنکھوں میں تکلیف اور درد نہ ہو، اس وقت آنکھ سے پانی نکلے، اس سے وضو نہیں ٹوٹتا: (كما) لاينقض (لو خرج من أذنه) ونحوها كعينه وثديه (قيح) ونحوه كصديد وماء سرة وعين (لا بوجع) وإن خرج (به) أي بوجع (نقض) لأنه دليل الجرح، فدمع من بعينه رمد أو عمش ناقض. (در مختار مع رد المحتار: ۱/ ۱۴۷، مطلب نواقض الوضوء)

(۳) آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے، پاک ہے، اگر چہ بعض نے ناپاک کہہ دیا ہے؛ لیکن تحقیق کے خلاف ہے۔ (ص:۲۹۵، طہارت، آنکھ دکھنے کی وجہ سے اگر پانی آنکھ سے بہے، ط: دار الاشاعت- کراچی)

(۴) آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے، اس میں تحقیقی قول وہی ہے، جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ نے ارقام فرمایا ہے، اس مسئلے کی بحث درمختار وشامی (۱/ ۱۴۷) میں اس طرح کی ہے کہ صاحب درمختار نے یہ لکھا ہے کہ وہ پانی نجس اور ناقض وضو ہے، عبارت اس کی یہ ہے: فدمع من بعينه رمد أو عمش ناقض الخ. اس پر شامی نے امام ابن ہمامؒ کی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ ایسی صورت میں وضو کا حکم استحباباً ہے وجوباً نہیں، جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کلام سے ظاہر ہوتا ہے، پس معلوم ہوا کہ وہ پانی ناقض وضو نہیں ہے، عبارت شامی کی یہ ہے: قال في المنية: وعن محمد إذا كان في عينيه رمد وتسيل الدموع منها آمره بالوضوء لوقت كل صلاة لأني أخاف أن يكون ما يسيل منها صديدا فيكون صاحب العذر. اهـ. اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابن ہمامؒ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں ہے، اور یہ موافق قواعد شرعیہ کے ہے، یہی راجح ہے۔ (فتاوی دار العلوم: ۱/ ۱۳۴، سوال نمبر: ۲۶، طہارت، آنکھ سے پانی گرنا ناقض وضو ہے یا نہیں؟ ط: زکریا- دیوبند)

ناپاک ہے، آشوب چشم کے مرض کے علاوہ کسی اور وجہ سے اگر پانی نکلے، تو وہ پاک ہے، ناپاک نہیں۔ [1]
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] وضو کے دوران آنکھوں میں پانی کے چھینٹے مارنا

۴۴۹-سوال: وضو کرتے وقت بہت سے لوگ منہ دھونے کے بعد آنکھ پر دو تین مرتبہ پانی مار کر اسے دھوتے ہیں، کیا اس طرح دھونا ثواب کی زیادتی کا سبب ہے؟ آنکھوں میں پانی مارنا طبی اعتبار سے آنکھوں کی روشنی بڑھانے میں اور صفائی میں مفید بتلایا جاتا ہے، اس مقصد سے اگر یہ عمل وضو کے ساتھ کیا جائے، تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وضو میں آنکھ کے اندرونی حصے کا دھونا ثواب کی زیادتی کا باعث نہیں ہے، اس سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ اس سے آنکھ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ چربی کی طرح ایک لطیف شئے ہے، جس کے لیے سرد وگرم پانی نقصان دہ ہے۔ [2] ہاں طبی اعتبار سے فائدہ ہو، تو ایسا کرنے کی اجازت ہوگی۔ تاہم فقہاء کی تصریح اس کے خلاف ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] ودی کا حکم

۴۵۰-سوال: زید جب پیشاب کرتا ہے، تو آخر میں دو تین گاڑھے قطرے منی جیسے نکلتے ہیں اور وہ کود کر شہوت کے ساتھ نہیں نکلتے تو کیا اس سے غسل واجب ہوگا؟ اور ان قطروں کو شریعت کی اصطلاح میں کیا کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت کی اصطلاح میں ان قطروں کو ''ودی'' کہا جاتا ہے، یہ ناپاک ہیں، ان کے نکلنے سے وضو

---

(۱) (کما) لاینقض (لو خرج من أذنه) ونحوها کعینه وثدیه (قیح) ونحوه کصدید وماء سرة وعین (لا بوجع) وإن خرج (به) أي بوجع (نقض) لأنه دلیل الجرح، فدمع من بعینه رمد أو عمش ناقض. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۱۴۷-۱۴۸، مطلب نواقض الوضوء، ط: دار الفکر - بیروت)

(۲) لاغسل باطن العینین. (الدر المختار) وفي الشامیة: لأنه شحم یضره الماء الحار والبارد. (رد المحتار: ۱/ ۹۷، کتاب الطهارة، في بیان فرائض الوضوء) ـــــ فمنها التعنیف في ضرب الماء علی الوجه والمضمضة والاستنشاق بالیسار والامتخاط بالیمین من غیر عذر. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۹، الوضوء، الفصل الرابع في المکروهات)

ٹوٹ جاتا ہے؛ لیکن غسل فرض نہیں ہوتا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٥] ناپاکی سے متعلق وسوسہ کا حکم

٤٥١-سوال: مجھے ناپاکی کے متعلق وسوسے آتے رہتے ہیں، یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں میرا وضو تو نہیں ٹوٹ گیا؟ اسی طرح یہ خیال آتا ہے کہ میں ناپاک تو نہیں ہوگیا؟ اس کے متعلق مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا کسی انسان کو غلط وسوسے آسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قاعدہ ہے کہ جو چیز یقینی طور پر ثابت ہو، وہ محض شک سے زائل نہیں ہوتی؛ لہٰذا اگر آپ کو کپڑے کی پاکی کا اور وضو کا یقین ہے، تو آپ کا وضو محض وسوسہ کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا اور کپڑا ابھی پاک رہے گا، اس طرح کے وسوسے انسان کے ذہن ودماغ میں پیدا ہوسکتے ہیں، ان کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ ورنہ وسوسے ڈالنے والا شیطان آپ کو کبھی چین سے نہیں رہنے دے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٦] جب تک وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو، وضو باقی سمجھا جائے گا

٤٥٢-سوال: نماز کی حالت میں اکثر یہ وہم ہوتا ہے کہ گویا ریح خارج ہو رہی ہے۔ اب حقیقت میں ہوا خارج ہوتے وقت ہوا نکلنے کی جگہ بڑی ہوتی ہے اور پھولتی ہے؛ لیکن وہ جگہ بڑی ہو کر پھولتی نہ ہو اور ہم کو ریح خارج ہونے کا وہم پیدا ہو، تو مشکوۃ شریف کی جو حدیث ہے کہ شیطان وساوس ڈالنے کے لیے ہوا نکلنے کی جگہ کے بال کھینچتا ہے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں وضو ٹوٹ جانے کا وسوسہ پیدا ہو، تو کیا مذکورہ صورت حال بال کھینچنے سے پیدا ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(١) "ودي" وهو ماء أبيض كدر ثخين، لا رائحة له، يعقب البول وقد يسبقه، أجمع العلماء على أنه لا يجب الغسل بخروج المذي والودي. (مراقي الفلاح، ص: ٤٣، كتاب الطهارة، فصل: عشرة أشياء لا يغتسل منها، ط: زكريا-ديوبند)

(٢) الأصل أن ما ثبت باليقين لا يزول بالشك. قال الإمام النسفي: من مسائله أن من شك في الحدث بعدما تيقن بالوضوء فهو على وضوئه ما لم يتيقن بالحدث، ومن شك في وضوئه بعد ما تيقن بحدثه، فهو على حدثه ما لم يتيقن بوضوئه. (أصول الكرخي مع ذكر امثلتها من النسفي، مندرجہ: قواعد الفقه ص: ١١، ط: دار الكتاب-ديوبند ☆ مزید دیکھیے: بدائع الصنائع: ١/ ١٤٠، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بات تو صحیح ہے کہ جب تک وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو، وضو کو باقی سمجھنا چاہیے۔[1] اور شیطان اس طرح کے وساوس ڈالتا ہے۔ لیکن بال کھینچنے والی حدیث مشکوۃ شریف میں کون سی جگہ ہے؟ تحریر کیجیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] خروجِ ریح کے شک کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

گذشتہ سے پیوستہ

۴۵۳-سوال: اگر کسی شخص کو یہ محسوس ہو کہ دبر سے بال کی طرح کوئی پتلی چیز نکلی، البتہ وہ ریح ہے یا نہیں، اس میں اسے شک ہے، جیسا کہ مشکوۃ شریف کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ شیطان بہت سی دفعہ اس طرح کے وساوس ڈالتا ہے، تو اس وہم کو شیطانی وسوسہ سمجھا جائے، یا وضو کا ٹوٹنا؟[2]

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ یقین ہو جائے کہ ریح خارج ہوئی ہے، تو وضو ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ وضو کرنا پڑے گا اور اگر خروج ریح کا صرف شک ہوا ہے، تو اس کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (درمختار: ۱/ ۱۵۰)[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو أيقن بالطهارة، وشك بالحدث أو بالعكس أخذ باليقين. (الدر مع الرد: ۱/ ۱۵۰، كتاب الطهارة، باب الوضوء، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إذا لم يرتكب مكروه مذهبه، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) وعن أبي بن كعب عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: إن للوضوء شيطانا، يقال له الولهان، فاتقوا وسواس الماء. رواه الترمذي وابن ماجة. وقال الترمذي: هذا حديث غريب، وليس إسناده بالقوي عند أهل الحديث، لأنا لا نعلم أحدا أسنده غير خارجة، وهو ليس بالقوي عند أصحابنا. (مشكاة المصابيح- محمد بن عبد الله الخطيب العمري، أبو عبد الله، ولي الدين، التبريزي (م: ۷۴۱هـ): ۱/ ۱۳۱، رقم الحديث: ۴۱۹، باب سنن الوضوء، الفصل الثاني، ت: محمد ناصر الدين الألباني، ط: المكتب الإسلامي - بيروت)

[۳] ولو أيقن في الطهارة وشك بالحدث أو بالعكس أخذ باليقين. (الدر المختار) ـــــــ وقال ابن عابدين: (قوله: ولو أيقن بالطهارة إلخ) حاصله أنه إذا علم سبق الطهارة وشك في عروض الحدث بعدها أو بالعكس أخذ باليقين وهو السابق. قال في الفتح إلا إن تأيد اللاحق، فعن محمد علم المتوضئ دخول الخلاء للحاجة وشك في قضائها قبل خروجه عليه الوضوء، أو علم جلوسه للوضوء بإناء وشك في إقامته قبل قيامه لا وضوء. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۵۰، باب الوضوء، ط: بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، ط: رشيديه-پاكستان ☆ المحيط البرهاني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة =

[۱۸] دوران نماز معمولی ریح خارج ہوئی تو؟

۴۵۴-سوال: نماز کے دوران پیچھے کی راہ سے ہلکی سی ہوا خارج ہوجائے، تو کیا حکم ہے؟ کیا نماز توڑ دینی چاہیے؟ اور کس مقدار میں ہوا خارج ہونے سے وضو لازم ہوتا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

نماز کے دوران پیچھے کی راہ سے ہوا خارج ہوئی اور اس کا یقین ہو گیا تو وضو ٹوٹ گیا، لہٰذا وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے، یا جس قدر نماز پڑھ چکا تھا، اس پر بناء کرے۔ البتہ پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہوئی، جس سے شک پیدا ہوا، تو محض شک سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور وضو ٹوٹنے کے لیے ہوا کی کوئی مقدار معین نہیں، معمولی ہوا بھی وضو توڑنے کے لیے کافی ہے، جب کہ اس کے نکلنے کا یقین ہوجائے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۶۷/۱، کتاب الطهارات، الفصل الثاني: في بيان ما يوجب الوضوء وما لا يوجب، قبيل الفصل الثالث، ت: عبدالكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

قال: ومن شك في الحدث فهو على وضوئه، وإن كان محدثا فشك في الوضوء فهو على حدثه؛ لأن الشك لا يعارض اليقين، وما تيقن به لا يرتفع بالشك. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م:۴۸۳ھ): ۸۶/۱، کتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة-بيروت)

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وجد أحدكم في بطنه شيئا، فأشكل عليه أخرج منه شيء أم لا، فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتا، أو يجد ريحا. (الصحيح لمسلم: ۱۵۸/۱، رقم الحديث: ۹۹-۳۶۲، کتاب الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة، ثم شك في الحدث فله أن يصلي بطهارته تلك، ط: رشيدية-دهلي)

قال الملا علي القاري: (حتى يسمع صوتا): أي: صوت ريح يخرج منه (أو يجد ريحا): أي: يجد رائحة ريح خرجت منه، وهذا مجاز عن تيقن الحدث. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م:۱۰۱۴ھ): ۳۶۰/۱، رقم الحديث: ۳۰۶، باب ما يوجب الوضوء، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فيض القدير شرح الجامع الصغير - زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين، المناوي القاهري (م:۱۰۳۱ھ): ۳۵۲/۲، حرف الهمزة، ط: المكتبة التجارية الكبرى - مصر)

قال: ومن شك في الحدث فهو على وضوئه، وإن كان محدثا فشك في الوضوء فهو على حدثه؛ لأن الشك لا يعارض اليقين، وما تيقن به لا يرتفع بالشك. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م:۴۸۳ھ): ۸۶/۱، کتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة-بيروت)

[۱۹] گالیاں بکنا ناقضِ وضو نہیں ہے

۴۵۵-سوال: وضو کی حالت میں گالیاں بکنے اور لایعنی باتیں کرنے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اور کیا نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدا و مصلیا:

صورتِ مسئولہ میں وضو نہیں ٹوٹے گا، جب وضو نہیں ٹوٹے گا، تو نماز کے صحیح نہ ہونے کا کیا مطلب؟[۱]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] تعلیم الاسلام کے ایک سوال وجواب کے متعلق تفصیل

۴۵۶-سوال: 'تعلیم الاسلام' کے تیسرے حصے میں ایک سوال اور اُس کا جواب حسبِ ذیل ہے:

س: اگر قرآن مجید پڑھنے، یا چھونے، یا مسجد میں جانے، یا اذان کہنے یا سلام کا جواب دینے کی نیت سے تیمم کیا، تو اُس سے نماز جائز ہے یا نہیں؟

ج: جائز نہیں۔[۲]

اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہی حکم وضو کا بھی ہے؟ یا یہ حکم تیمم کے ساتھ ہی خاص ہے؟

الجواب حامدا و مصلیا:

یہ حکم صرف تیمم ہی کے ساتھ خاص ہے، وضو کے لیے نہیں ہے، وجہ اُس کی یہ ہے کہ تیمم مجبوری کی

---

(۱) نوٹ: البتہ اعادۂ وضو مستحب ہے: والثالث مندوب للنوم على طهارة، وإذا استيقظ منه وللمداومة عليه، وللوضوء على الوضوء، وبعد غيبة، وكذب، ونميمة، وكل خطيئة. (نور الإيضاح، ص: ۷۳، كتاب الطهارة، فصل في الوضوء على ثلاثة أقسام، ط: تاج کمپنی چوک بازار، سہارن پور)

وقال في شرحه: "وبعد" كلام "غيبة" بذكرك أخاك بما يكره في غيبته. "وكذب" اختلاق ما لم يكن ولا يجوز إلا في نحو: الحرب وإصلاح ذات البين وإرضاء الأهل، "ونميمة" النمام: المضرب والنميم والنميمة: السعاية بنقل الحديث من قوم إلى قوم على جهة الإفساد "و" بعد "كل خطيئة وإنشاد شعر" قبيح لأن الوضوء يكفر الذنوب الصغائر. (مراقي الفلاح شرح متن نور الايضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي، الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۷۳، كتاب الطهارة، فصل في الوضوء على ثلاثة أقسام، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(۲) تعلیم الاسلام: ۳/ ۴۵، تیمم کا بیان، ط: کتب خانہ عزیزیہ- جامع مسجد، دہلی۔

حالت میں پاکی کا سبب ہے، اور مذکورہ اعمال میں سے کوئی عمل عباداتِ مقصودہ نہیں ہے؛ اِس لیے اُس تیمم سے نماز جیسی عبادتِ مقصودہ ادا نہیں ہوگی۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] چہار زانو بیٹھ کر سونے سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

۴۵۷-سوال: ایک شخص مسجد میں باوضو ہونے کی حالت میں چہار زانو بیٹھ کر سو گیا، اُسی حالت میں اُسے نیند کا جھونکا آیا اور مقعد کا حصہ زمین سے اونچا ہو گیا، تو کیا اِس سے اُس کا وضو ٹوٹ جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چہار زانو بیٹھ کر سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اور ایسی حالت میں ایک یا دو مرتبہ نیند کا جھونکا آ گیا اور مقعد کا حصہ زمین سے اٹھ گیا؛ لیکن وہ فوراً سنبھل کر سیدھا بیٹھ گیا، تو وضو نہیں ٹوٹے گا؛ لیکن اگر ایک مرتبہ اس طرح ہونے کے بعد بھی اُس کی نیند برقرار رہی اور متنبہ نہیں ہوا، تو اُس کا وضو ٹوٹ جائے گا، اور اِسی میں احتیاط ہے۔ (شامی: ۱/ ۱۴۳)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] وقالوا: لو تيمم لدخول مسجد، أو لقراءة، ولو من مصحف، أو مسه، أو كتابته، أو تعليمه، أو لزيارة قبور، أو عيادة مريض، أو دفن ميت، أو أذان، أو إقامة، أو إسلام، أو سلام، أو رده، لم تجز الصلاة به عند العامة. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۴۵، كتاب الطهارة، باب التيمم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

قال ابن عابدين: (قوله لم تجز الصلاة به) أي لفقد الشرط، وهو أمران: كون المنوي عبادة مقصودة، وكونها لا تحل إلا بالطهارة. ـــــــ أما في دخول المسجد ففي المحدث فقد الأمرين، وفي الجنب فقد الأول؛ وأما في القراءة للمحدث فلفقد الثاني،... وأما المس مطلقا فلفقد الأول... فإذا تيمم لذلك كانت العلة فقد الأمرين. (رد المحتار: ۱/ ۲۴۵، كتاب الطهارة، باب التيمم، ط: بيروت)

[۲] وإن نام جالسا وهو يتمايل وربما تزول مقعدته عن الأرض قال شمس الأئمة الحلواني: ظاهر المذهب أنه لا يكون حدثا. كذا في فتاوى قاضي خان. ـــــــ ولو نام قاعدا فسقط على وجهه أو جنبه إن انتبه قبل سقوطه أو حالة سقوطه أو سقط نائما وانتبه من ساعته لا ينتقض وإن استقر نائما ثم انتبه ينتقض. كذا في التبيين. وإن نام متربعا لا ينتقض الوضوء وكذا لو نام متوركا بأن يبسط قدميه من جانب ويلصق أليتيه بالأرض كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، ط: دار الفكر- بيروت)

(و) ينقضه حكما (نوم يزيل مسكته) أي قوته الماسكة بحيث تزول مقعدته من الأرض، وهو النوم على أحد جنبيه أو وركيه أو قفاه أو وجهه (وإلا) يزل مسكته (لا) ينقض... ولو نام قاعدا يتمايل فسقط، إن انتبه حين سقط فلا نقض، به يفتى كناعس يفهم أكثر ما قيل عنده. (الدر مع الرد: ۱/ ۱۴۱-۱۴۲، كتاب الطهارة، باب الوضوء) =

[۲۲] وضو یا اذان کے دوران سلام اور اُس کا جواب

۴۵۸-سوال: آپس میں سلام کا پھیلانا ایک اہم دینی حکم ہے، اس کو بنیاد بنا کر بعض حضرات وضو یا اذان کے دوران بھی سلام کرتے ہیں اور جب اُنھیں کوئی جواب نہ دے، تو اُس پر نالاں ہو کر کہتے ہیں کہ لگتا ہے یہاں کوئی انسان نہیں بستا، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وضو یا اذان کے دوران سلام کا جواب دینا ضروری ہے؟ نیز سلام کن جگہوں میں نہیں کر سکتے؟ تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں؛ تا کہ آپسی غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔

الجواب حامداً و مصلیا:

سلام کرنا سنت ہے اور اُس کا جواب دینا واجب ہے؛ لیکن ۲۰ رسے زیادہ احوال ایسے ہیں، جن میں فوراً سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور بعض احوال میں تو خود سلام کرنے والا گنہ گار شمار ہوتا ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) نماز پڑھنے کے دوران۔ (۲) کھانے کے دوران۔ (۳) پانی پینے کے دوران۔ (۴) تلاوتِ قرآن کے دوران۔ (۵) ذکر و اذکار اور دعا کے دوران۔ (۶) خطبہ کے دوران۔ (۷) تلبیہ کے دوران۔ (۸) استنجاء کے دوران۔ (۹) اقامت کے دوران۔ (۱۰) اذان کے دوران۔ (۱۱) بچے کے سلام پر۔ (۱۲) مدہوش کے سلام پر (۱۳) جوان عورت کے سلام پر۔ (۱۴) فاسق کے سلام پر۔ (۱۵) اونگھنے کی حالت میں۔ (۱۶) سونے کی حالت میں۔ (۱۷) جماع کی حالت میں۔ (۱۸) فیصلے کے دوران۔ (۱۹) غسل خانے میں۔ (۲۰) مجنون کے سلام پر۔ (۲۱) مسائلِ فقہیہ کی تعلیم کے دوران۔

ان صورتوں میں سلام نہیں کرنا چاہیے، اور اگر کسی نے سلام کیا، تو جواب دینا واجب نہیں ہے؛ لہٰذا اگر وضو کے دوران سلام کیا جائے، تو جو لوگ وضو سے فارغ ہو چکے ہیں، اُن میں سے کوئی ایک شخص جواب

=قال ابن عابدين: (قوله: به يفتى) كذا في الخلاصة. وقيل: إن ارتفعت مقعدته قبل انتباهه نقض وإن لم يسقط. وفي الخانية عن شمس الأئمة الحلواني أنه ظاهر المذهب، وعليه مشى في [نور الإيضاح] قال في شرح المنية: والأول أولى لأنه لا يتم الاسترخاء بعد مزايلة المقعدة حيث انتبه فورا. (رد المحتار: ۱/ ۱۴۳، كتاب الطهارة، باب الوضوء، ط: بيروت)

دے دے، تمام کی جانب سے کفایت کر جائے گا، اور اگر وضو کرنے والے نے جواب دیا، تب بھی صحیح ہے۔[۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] وضو میں استعمال ہونے والا پانی گٹر میں گرانا کیسا ہے؟

۴۵۹-سوال: سورت میں ہمارا ایک چار منزلہ مکان ہے، جس میں بیت الخلاء اور حمام ایک ساتھ ہی ہے، بیت الخلا اور حمام میں ایک ہی پایپ لائن ہے، جس کے ذریعہ مستعمل پانی گٹر (GUTTER) میں جاتا ہے تو کیا وضو میں استعمال شدہ پانی کا گٹر میں جانا شریعت کے اعتبار سے ناجائز ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداو مصلیا

وضو کا مستعمل پانی گٹر (GUTTER) میں جاتا ہو، تو شرعا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہاتھ، منہ، آنکھ، ناک سے سرزد ہونے والے گناہ وضو کے پانی کے ساتھ صاف ہو جاتے ہیں۔[۲]

---

(۱) وفي شرح الشرعة: صرح الفقهاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع: القاضي إذا سلم عليه الخصمان، والأستاذ الفقيه إذا سلم عليه تلميذه أو غيره أوان الدرس، وسلام السائل، والمشتغل بقراءة القرآن، والدعاء حال شغله، .... اهـ. وفي البزازية: لا يجب الرد على الإمام والمؤذن والخطيب عند الثاني، وهو الصحيح اهـ....، وقد نظم الجلال السيوطي المواضع التي لا يجب فيها رد السلام ونقلها عنه الشارح في هامش الخزائن، فقال:

رد السلام واجب إلا على … من في الصلاة أو بأكل شغلا
أو شرب أو قراءة أو أدعيه … أو ذكر أو في خطبة أو تلبيه
أو في قضاء حاجة الإنسان … أو في إقامة أو الآذان
أو سلم الطفل أو السكران … أو شابة يخشى بها افتتان
أو فاسق أو ناعس أو نائم … أو حالة الجماع أو تحاكم
أو كان في الحمام أو مجنونا … فواحد من بعدها عشرونا

(ردالمحتار على الدر المختار: ۱/۶۱۸، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب المواضع التي لا يجب فيها رد السلام، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إذا توضأ العبد المسلم - أو المؤمن - فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر إليها بعينيه مع الماء - أو مع آخر قطر الماء -، فإذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة =

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق مستعمل پانی ناپاک ہے۔[۱] تو جس گٹر (GUTTER) میں ناپاک پانی جاتا ہو، اس میں اگر وضو کا پانی بھی چلا جائے، تو کیا حرج ہے؟[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] بلی اگر کسی کی گود میں بیٹھ جائے، تو اس کا کپڑا ناپاک ہوگا یا نہیں؟

۴۶۰-سوال: جب میں گھر آتا ہوں، تو بلی کا بچہ میری گود میں آ کر بیٹھ جاتا ہے، کیا اس سے کپڑا ناپاک ہو جائے گا؟

الجواب حامداومصليا:

بلی کے بدن پر کوئی ناپاکی لگی ہوئی نہ ہو تو اس کے محض بیٹھنے سے نہ بدن ناپاک ہوگا اور نہ ہی کپڑا۔[۳]

= كان بطشتها يداه مع الماء أو مع آخر قطر الماء- ،فإذا غسل رجليه خرجت كل خطيئة مشتها رجلاه مع الماء - أو مع آخر قطر الماء - حتى يخرج نقيا من الذنوب ». (الصحيح لمسلم:۱/ ۱۲۵، رقم الحديث: ۳۲-(۲۴۴)، كتاب الطهارة، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء. ط: رشيدية- دهلي☆سنن الترمذي:۱/ ۲، رقم الحديث: ۲، أبواب الطهارة ،باب ما جاء في فضل الطهور ،ط: فيصل - ديوبند☆الموطأ للإمام مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (م: ۱۷۹ هـ): ۲/ ۴۲، رقم الحديث: ۳۲/ ۸۵، وقوت الصلاة، جامع الوضوء، ت: محمد مصطفى الأعظمي ،ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية- أبو ظبي - الإمارات)

(۱) ثم مشايخ بلخ حققوا الخلاف فقالوا: الماء المستعمل نجس عند أبي حنيفة وأبي يوسف. وعند محمد طاهر غير طهور ، ومشايخ العراق لم يحققوا الخلاف فقالوا: إنه طاهر غير طهور عند أصحابنا، حتى روي عن القاضي أبي حازم العراقي أنه كان يقول: إنا نرجو أن لا تثبت رواية نجاسة الماء المستعمل عن أبي حنيفة، وهو اختيار المحققين من مشايخنا بما وراء النهر. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ هـ): ۱/ ۶۷، كتاب الطهارة، فصل في الطهارة الحقيقية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) مزید دیکھیے: کتاب الفتاویٰ-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ: ۲/ ۴۲، ۴۳ ،طہارت کے احکام، وضوء کا پانی بیت الخلاء کی موری میں، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔

(۳) عن حميدة بنت عبيد بن رفاعة، عن كبشة بنت كعب بن مالك- وكانت تحت ابن أبي قتادة - أن أبا قتادة، دخل فسكبت له وضوءا، فجاءت هرة فشربت منه، فأصغى لها الإناء حتى شربت، قالت كبشة: فرآني أنظر إليه، فقال: أتعجبين يا ابنة أخي؟ فقلت: نعم، فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنها ليست بنجس، إنها من الطوافين عليكم والطوافات. (سنن أبي داؤد:۱/ ۱۰، رقم الحديث: ۷۵، كتاب الطهارة، باب سؤر الهرة، ط: ديوبند☆سنن الترمذي:۱/ ۲۷، رقم الحديث: ۹۲، أبواب الطهارة، باب ما جاء في سؤر الهرة، ط: ديوبند☆المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي:۱/ ۵۵، رقم الحديث: ۶۸، سؤر الهرة، انظر ايضاً: ۳۴۰، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: حلب)=

لیکن بلی بدن چاٹے یا ہاتھ چاٹے، تو اس جگہ کو دھونا مستحب ہے۔ (عالمگیری: ۱/ ۱۸۰) [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] پیشاب شرم گاہ میں آ کر رک جائے، تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا؟

۴۶۱-سوال: پیشاب شرم گاہ کے اندرونی حصے میں آ کر رک جائے؛ لیکن باہر نہ نکلا ہو، تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیشاب، شرم گاہ کے اندرونی حصے میں اتر آئے؛ لیکن شرم گاہ سے باہر ظاہر نہ ہو، تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ [۲]

=" وسؤر الهرة طاهر مكروه" وعن أبي يوسف رحمه الله أنه غير مكروه، لأن النبي عليه الصلاة والسلام كان يصغي لها الإناء، فتشرب منه ثم يتوضأ به ولهما قوله عليه الصلاة والسلام "الهرة سبع". (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/ ۲۶، باب: الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز، فصل في الأسآر وغيرها، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت ☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: ۱/ ۳۳، أقسام الماء، ماء البئر إذا وقعت فيه نجاسة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة)

[۱] ويكره أن تلحس الهرة في كف إنسان ثم يصلي قبل غسلها. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۴، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ، ط: بيروت ☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۳۳، كتاب الطهارة، ماء البئر إذا وقعت فيه نجاسة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱/ ۴۸۱، سؤر الهرة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص: ۱۸، فصل في بيان أحكام السؤر، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(۲) وإذا وقع البول في قصبة الذكر لم ينقض وضوءه. (الأصل المعروف بالمبسوط- أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م: ۱۸۹هـ): ۱/ ۶۵، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل من الجنابة، ت: أبو الوفا الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية- كراتشي)

ثم المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور. (الدر المختار)———— قال ابن عابدين: (قوله: مجرد الظهور) من إضافة الصفة إلى الموصوف: أي الظهور المجرد عن السيلان، فلو نزل البول إلى قصبة الذكر لا ينقض لعدم ظهوره. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۳۵، سنن الوضوء، ط: بيروت ☆العناية شرح الهداية- محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين، الرومي البابرتي (م: ۷۸۶هـ): ۱/ ۳۹، كتاب الطهارات، فصل في نواقض الوضوء، ط: دار الفكر ☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۱/ ۳۲، نواقض الوضوء، ط: دار الكتاب الإسلامي)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] کیا وضو کرتے وقت ''یا قادر'' کا ورد ثابت ہے؟

۴۶۲-سوال: ایک شخص نے بیان کیا کہ انہوں نے مولانا حقانی صاحب وانکانیری (گجرات) کے وعظ میں سنا ہے کہ جب کوئی آدمی وضو کے لیے بیٹھے اور وضو کے شروع میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سے وضو کے ختم ہونے تک (یا قادر) پڑھتا رہے اور اخیر میں پھر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے، تو انشاء اللہ اس کی جو بھی حاجت ہوگی، وہ پوری ہوگی۔

کیا یہ عمل صحیح و معتبر ہے؟ اور ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے تو ثابت نہیں ہے، البتہ بزرگان دین کے وظائف میں ہے؛ لہٰذا اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] نماز جنازہ کے لیے کیے جانے والے وضو سے فرض نماز پڑھنا

۴۶۳-سوال: ایک شخص نے جنازہ کی نماز کے لیے وضو کیا، تو کیا اس وضو سے فرض یا سنت نماز پڑھ سکتا ہے؟ ہمارے امام صاحب کا کہنا ہے کہ ''اس وضو سے فرض اور سنت نماز جائز نہیں ہے''۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

وضو کی صحت کے لیے نیت شرط نہیں ہے، نیت کے بغیر بھی وضو ادا ہو جائے گا۔ (کبیری، ص: ۵۲)[۱]

لہٰذا جنازہ کی نماز کے لیے جو وضو کیا گیا ہے، اس سے فرض نماز پڑھنا جائز ہے، آپ کے امام صاحب سے مسئلہ بتانے میں چوک ہوئی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والنیة سنة في الوضوء، ولیست بفرض. (غنیة المستملي في شرح منیة المصلي، ص: ۲۴، قبیل باب في آداب الوضوء، ط: دار الکتاب-دیوبند)

(وأما) النیة فلیست من الشرائط. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۷، کتاب الطهارة، فصل شرائط أرکان الوضوء، ط: بیروت)

[۲۸] نماز کے دوران شرم گاہ میں ایستادگی پیدا ہو جائے، تو وضو ٹوٹ جائے گا؟

۴۶۴-سوال: نماز کی حالت میں خیالات فاسدہ کے آنے کی وجہ سے شرم گاہ (ذکر) میں تبدیلی پیدا ہو جائے اور عضو مخصوص ایستادہ ہو جائے، تو اس سے نماز یا وضو میں کوئی خرابی تو نہیں آئے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر منی یا مذی (چکنا مادّہ/ پانی) کا ایک قطرہ بھی خارج ہوگا، تو وضو ٹوٹ جائے گا اور نماز بھی ٹوٹ جائے گی، ناپاکی دھو کر دوبارہ نماز ادا کرنی ہوگی۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] تلاوتِ قرآن کے دوران تھوڑے تھوڑے وقفے سے ریح کا خارج ہونا

۴۶۵-سوال: کوئی آدمی قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہو اور اس درمیان تھوڑے تھوڑے وقفے پر ہوا خارج ہوتی ہو، تو کیا ہر مرتبہ وضو کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم کو ہاتھ لگائے بغیر، رومال وغیرہ کی مدد سے کھول کر تلاوت کرنا صحیح ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن أبي هريرة، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: لا وضوء إلا من صوت أو ريح. (سنن الترمذي: ۱/ ۲۳، رقم الحديث: ۷۴، أبواب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من الريح، ط: البدر - ديوبند☆سنن ابن ماجة، ص: ۳۹، رقم الحديث: ۵۱۳، ۵۱۶، أبواب الطهارة وسننها، باب لا وضوء إلا من حدث، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

"المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السبيلين " لقوله تعالى: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ [النساء: ۴۳] وقيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم: ما الحدث؟ قال: " ما يخرج من السبيلين ". و كلمة ما عامة فتتناول المعتاد وغيره ". (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر ،الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۷، كتاب الطهارة، باب الوضوء، فصل في نواقض الوضوء، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بـ ملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/ ۱۲، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۲) أما المحدث فحكمه وحكم الطاهر سواء غير أنه لا يجوز له أداء الصلاة إلا بالوضوء، ولا يباح له مس المصحف إلا بغلافه... ويباح له دخول المسجد وقراءة القرآن وأداء الصوم... واختلف المشايخ في تفسير الغلاف، قال بعضهم: هو الجلد الذي عليه. وقال بعضهم هو الكم. وقال بعضهم: هو الخريطة، وهو الصحيح؛ لأن الجلد تبع للمصحف والكم تبع للحامل فأما الخريطة فليست بتبع. (تحفة الفقهاء - محمد بن أحمد بن أبي=

[۳۰] اگر چہرے یا ہاتھ پر گھی، ویسلین یا تیل وغیرہ لگا ہو، تو وضو ہوگا یا نہیں؟

۴۶۶-سوال: سردی کے موسم میں بعض لوگ چہرہ اور ہاتھ پر چکنی چیزیں لگاتے ہیں، اس صورت میں وضو کرنے سے چکنائی والی جگہ پر پانی ٹھہرتا نہیں ہے، تو کیا اس سے وضو میں کوئی خرابی آئے گی؟

الجواب حامداومصليا:

تیل، گھی یا ویسلین ہاتھ یا چہرے پر لگایا ہو اور دوران وضو اس پر پانی بہادیا ہو، تو وضو ہو جائے گا، پانی کا بہانا ضروری ہے، ہاں اگر ان کے رہتے ہوئے پانی جسم اعضاء وضو تک سرایت نہ کرے، تو وضو نہیں ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] گالی گلوچ کرنے یا گانا بجانے کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

۴۶۷-سوال: وضو کی حالت میں کوئی آدمی گالی گلوچ کرے، گانا سنے، یا گندی اور نامناسب باتیں کرے، تو اس سے وضو باقی رہے گا یا نہیں؟ اس طرح کی حرکتوں کے بعد نماز پڑھنے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

= أحمد أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۳۱/۱، كتاب الطهارة، باب الحدث، ط: دار الكتب العلمية)

المحدث لا يمس المصحف ولا الدرهم الذي كتب عليه القرآن، لقوله تعالى: {لا يمسه إلا المطهرون} (الواقعة: ۷۹).
ولا بأس بأن يقرأ القرآن؛ لما روي عن بعض الصحابة أن رسول الله عليه السلام: كان لا يحجزه شيء عن قراءة القرآن إلا الجنابة. (المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۷۷/۱، كتاب الطهارة، الفصل الثاني: في بيان ما يوجب الوضوء وما لا يوجب، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) (ولا يمنع) الطهارة (ونيم) أي خرء ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه به يفتى (ودرن ووسخ) عطف تفسير وكذا دهن ودسومة (وتراب) وطين. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: ودسومة) هي أثر الدهن. قال في الشرنبلالية قال المقدسي: وفي الفتاوى دهن رجليه ثم توضأ وأمر الماء على رجليه ولم يقبل الماء للدسومة جاز لوجود غسل الرجلين. اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۱۵۴/۱، كتاب الطهارة، مطلب في أبحاث الغسل، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

الجواب حامداو مصلیا:

مذکورہ اعمال گناہ کے ہیں۔[۱] لیکن ان سے وضوء نہیں ٹوٹے گا، اس سے نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ ایسی بدکلامی کے بعد وضوء کرلینا مستحب ہے۔ (شامی: ۱/ ۱۱۲)[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن عبد الله، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم- : سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر. (صحيح البخاري: ۹/۱، رقم الحديث: ۶۰۴۴، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، ط: رشيدية- دهلي ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۶، رقم الحديث: ۱۱۶- (۶۴)، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، ط: رشيدية- دهلي)

عن ابن مسعود، قال: "الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع، والذكر ينبت الإيمان في القلب كما ينبت الماء الزرع". (السنن الكبرى- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۱۰/ ۳۷۷، رقم الحديث: ۲۱۰۰۷، كتاب الشهادات، باب: الرجل يغني فيتخذ الغناء صناعة يؤتى عليه ... الخ، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(وعن جابر - رضي الله تعالى عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغناء) : بكسر الغين ممدودا أي: التغني (ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع) : يعني الغناء سبب النفاق ومؤدإليه، فأصله وشعبته كما قال: "البذاء والبيان شعبتان من النفاق". وفي شرح السنة قيل: الغناء رقية الزنا. ... وقال النووي في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة. والغناء بالآلات مطربة هو من شعار شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذا سماعه حرام. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح -علي بن (سلطان) محمد، الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۷/ ۳۰۴۲، رقم الحديث: ۴۸۱۰، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) قال (ولا ينقض الكلام الفاحش الوضوء) لحديث ابن عباس - رضي الله تعالى عنهما - الوضوء مما خرج يعني الخارج النجس، ولأنه لا كلام أفحش من الردة، والمتوضئ إذا ارتد - نعوذ بالله -، ثم أسلم فهو على وضوئه، والذي روي عن عائشة - رضي الله تعالى عنها - أنها قالت للمتسابين: إن بعض ما أنتم فيه شر من الحدث فجددوا الوضوء إنما أمرت به استحسانا ليكون الوضوء على الوضوء مكفرا الذنوبهما. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱/ ۷۹، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ المحيط البرهاني: ۱/ ۷۵، كتاب الطهارات، الفصل الثاني: في بيان ما يوجب الوضوء وما لا يوجب، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

والثالث مندوب للنوم على طهارة وإذا استيقظ منه وللمداومة عليه وللوضوء على الوضوء وبعد غيبة وكذب ونميمة وكل خطيئة وإنشاد شعر وقهقهة خارج الصلاة... الخ. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح -حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ص: ۳۷، كتاب الطهارة، باب في الوضوء، فصل في أوصاف الوضوء، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

[۳۲] وضو کے بعد بدن پر نجاست لگ جائے، تو صرف اس عضو کو دھولینا کافی ہے

۴۶۸-سوال: وضو کرنے کے بعد ہاتھ پاؤں یا بدن کے کسی حصے پر کوئی نجاست، مثلاً: کسی جانور کا بہنے والا خون، پیشاب پاخانہ وغیرہ لگ جائے، تو صرف اس عضو کو دھولینا کافی ہے یا ازسرنو پورا وضو کرنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وضو کرنے کے بعد نجاست بدن پر لگ جائے، تو صرف اس کو دور کر لینا کافی ہے، ازسرنو وضو کی ضرورت نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] دوران صلاۃ، نیند اور بیداری کی حالت میں ہنسنے سے وضو کا حکم

۴۶۹-سوال: نماز کی حالت میں اگر کوئی شخص سوجائے اور اسی حالت میں ہنس پڑے، تو اس کا وضو کیوں نہیں ٹوٹتا ہے؟ اور بیداری کی حالت میں اگر ہنسے، تو اس کا وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیدار شخص ہوش وحواس کے ساتھ اگر نماز میں قہقہہ لگادے، تو اس کی نماز اور اس کا وضو دونوں ٹوٹ جائے گا اور عنداللہ اس کی سخت گرفت کا اندیشہ ہے، ایسے شخص کو سزا دینے کے لیے شریعت نے مذکورہ حکم لگایا ہے؛ ہاں! البتہ اگر یہ شخص نیند میں تھا اور اس نے قہقہہ لگایا، تو اس کی نماز تو فاسد ہوجائے گی؛ مگر وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (الدر المختار: ۱/ ۱۳۴)[2]

---

(۱) فصل في نواقض الوضوء "المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السبيلين "والدم والقيح إذا خرجا من البدن فتجاوزا إلى موضع يلحقه حكم التطهير والقيء ملء الفم". (الهداية: ۱/ ۲۳، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، ط: ياسر نديم اينڈ كمپنى - ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۹ -۱۰، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، ط: زكريا-ديوبند)

(۲) عن معبد الجهني، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي الغداة فجاء رجل أعمى وقريب من مصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بئر على رأسها جلة، فجاء الأعمى يمشي حتى وقع فيها، فضحك بعض القوم وهم في الصلاة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم بعدما قضى الصلاة: من ضحك منكم فليعد الوضوء وليعد الصلاة. (سنن الدار قطني -أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد، البغدادي الدار قطني (م: ۳۸۵هـ): ۱/ ۳۰۷، رقم الحديث: ۶۲۳، باب أحاديث القهقهة في الصلاة وعللها، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت) =

سونے والا شخص اگر مکمل طور پر ہوش وحواس میں نہ ہو، تو اس کے قہقہہ لگانے کی وجہ سے اس کی اس درجہ سخت گرفت نہیں ہوتی؛ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر سونے والے کی نماز قضا ہوگئی تو بیدار ہونے کے بعد وہ پڑھ لے۔ [1] مگر نماز قضا ہونے کا گناہ اس پر عائد نہیں ہوگا؛ کیوں کہ نیند میں ہونے کی وجہ سے اس نے قصداً جان بوجھ کر ترک نہیں کیا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= (و) ينقضه ... (وقهقهة) (بالغ يقظان) فلا يبطل وضوء صبي ونائم بل صلاتهما به يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۳۵/۱، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ط: دار الفكر)

(قوله وليست القهقهة إلى آخره) وعلله في فتح القدير، بأنها إنما جعلت حدثا بشرط كونها جناية ولا جناية من النائم... ثم قال الكمال - رحمه الله - في كتابه زاد الفقير وينقضه القهقهة في الصلاة المطلقة إلا إذا كان نائما في صلاته وقهقه في نومه لا ينتقض، ولكن تفسد صلاته في المختار. (تبيين الحقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ هـ): ۱۱/۱، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة)

(۱) عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها. (مسند أبي يعلى- أبو يعلى أحمد بن علي بن المثنى بن يحيى بن عيسى بن هلال التميمي، الموصلي (م: ۳۰۷هـ): ۴۰۹/۵، قتادة، عن أنس، ط: دار المأمون للتراث - دمشق)

قال اللہ تعالیٰ:

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا۔ (۵-المائدۃ:۶)

وفرض الغسل: المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن.

(الهداية: ۱/۲۹، كتاب الطهارة، فصل في الغسل)

باب الغسل

[غسل کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الغسل

[غسل کا بیان]

[۱] غسل کے فرائض

۱-سوال: ایک شخص نے غسل جنابت میں صرف ایک مرتبہ غرارہ کیا اور ایک مرتبہ پورے بدن پر پانی بہایا، تو اس کا غسل ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غسل جنابت میں تین فرض ہیں: (۱) کلی کرنا۔ (۲) ناک میں پانی ڈالنا (کلی کی حد یہ ہے کہ تمام منھ کے اندر پانی پہنچ جائے اور ناک میں پانی ڈالنے کی حد یہ ہے کہ نرمہ بینی یعنی ناک کے نرم حصے تک پانی پہنچ جائے۔☆☆) اور (۳) پورے بدن پر ایک بار پانی بہانا۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کر دے، تو غسل صحیح نہیں ہوگا۔ صورت مسئولہ میں اگر غسل کرنے والے نے ناک میں پانی نہیں ڈالا ہے، تو اس کا غسل صحیح نہیں ہوگا۔ (عالم گیری: ۱/ ۱۳، الباب الثاني في الغسل، كتاب الطهارة. ط: زکریا، دیوبند۔ الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۲۸۴، كتاب الطهارة، مطلب في أبحاث الغسل، ط: زکریا، دیوبند)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆ وحد المضمضة استيعاب الماء جميع الفم، وحد الاستنشاق: أن يصل الماء إلى مارن الأنف، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۶، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في سنن الوضوء، ط: زكريا - ديوبند)

[۱] قال الله تعالى: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا. (۵- المائدة: ۶)

وفي الهداية: وفرض الغسل: المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن. (۱/ ۲۹، كتاب الطهارة، فصل في الغسل)

قال الكاساني: (وأما) ركنه فهو إسالة الماء على جميع ما يمكن إسالته عليه من البدن من غير حرج مرة واحدة، حتى لو بقيت لمعة لم يصبها الماء لم يجز الغسل، وإن كانت يسيرة، لقوله تعالى {وإن كنتم جنبا فاطهروا}، أي: طهروا أبدانكم، واسم البدن يقع على الظاهر والباطن، فيجب تطهير ما يمكن تطهيره منه بلا حرج، ولهذا وجبت المضمضة، والاستنشاق في الغسل. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۴۲، كتاب الطهارة، تفسير الغسل، ط: زكريا، ديوبند)

مزید دیکھیے: كنز الدقائق مع البحر: ۱/ ۸۶، كتاب الطهارة، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ غنية المستملي في شرح =

[۲] ہم بستری کے بعد عورت غسل کیسے کرے؟

سوال: ہم بستری کے بعد عام طور پر عورتیں غسل کے متعلق لاپرواہ ہوتی ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کا صحیح وقت اور بہتر طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہم بستری کے بعد اگر میاں بیوی سونا چاہتے ہوں اور اسی وقت غسل کا ارادہ نہ ہو؛ بل کہ صبح میں غسل کرنا چاہیں، تو اس کی اجازت ہے، البتہ دونوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص اعضاء کو خوب اچھی طرح دھولیں، پھر وضوء کر کے سوئیں اور صبح جلد اٹھ کر غسل کریں۔ (۱)

غسل میں تین فرض ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور پورے بدن پر اس طرح پانی بہانا، کہ کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔ (۲)

کلی کرتے وقت گلے کے اندرون تک پانی لے جا کر پانی کو خوب پھیرے، پورا منہ اندرون سے اچھی طرح دھوئے، ناک میں تین مرتبہ پانی اس طرح ڈالے کہ ناک کے نرم حصے تک پانی پہنچ جائے، پھر

=منیة المصلي: ۴۱، ط: دار الکتاب - دیوبند.

والدرن اليابس في الأنف يمنع تمام الغسل. كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الأول في فرائض الغسل، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن عائشة، قالت: كان النبي - صلى الله عليه وسلم - إذا أراد أن ينام، وهو جنب، غسل فرجه، وتوضأ للصلاة. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۳، رقم الحديث: ۲۸۸، كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام، ط: رشيديه - دهلي ☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۴۴، رقم الحديث: ۲۱-(۳۰۵)، كتاب الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له، وغسل الفرج إذا أراد أن يأكل الخ...، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند☆سنن أبي داؤد: ص: ۲۹، رقم الحديث: ۲۲۲، باب الجنب يأكل، ط: البدر - ديوبند)

عن عبد الله بن عمر، أنه قال: ذكر عمر بن الخطاب لرسول الله - صلى الله عليه وسلم - أنه تصيبه الجنابة من الليل، فقال له رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: توضأ واغسل ذكرك، ثم نم. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۳، رقم الحديث: ۲۹۰، كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۴۴، رقم الحديث: ۲۵-(۳۰۶)، كتاب الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له، وغسل الفرج إذا أراد أن يأكل... الخ☆سنن أبي داؤد: ص: ۲۹، رقم الحديث: ۲۲۱، باب الجنب يأكل، ط: البدر - ديوبند)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: غسل کے فرائض۔

مسنون دعاء پڑھ کر وضوء کرے، پھر پورے سر کو ایک مرتبہ اس طرح دھوئے کہ تمام بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے، نیز پورے بدن میں جہاں تک ممکن ہو، پانی پہنچانا شرط ہے، ناف کے اندرون میں پانی پہنچائے، عورت کا اپنی شرم گاہ کے بالکل اندرون تک پانی پہنچانا ضروری نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] غسل کا مسنون طریقہ

۲-سوال: غسل کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والا سب سے پہلے پاک جگہ پر بیٹھ کر تین دفعہ گٹوں تک ہاتھ دھوئے، پھر شرم گاہ دھوئے، اس کے بعد بدن کے جس حصے پر ناپاکی لگی ہو، اس کو صاف کرے، پھر نماز کے وضو کی طرح مکمل وضو کرے، پھر داہنے کندھے پر تین مرتبہ، پھر سر پر تین مرتبہ پھر بائیں کندھے پر تین مرتبہ پانی بہائے۔ (یہاں تک کہ پورے بدن پر پانی پہنچ جائے) پانی بہانے میں یہ ترتیب سنت ہے۔ اگر ناک میں رطوبت اس طور پر سوکھ کر چپک گئی ہو کہ کھال تک پانی کے پہنچنے میں مانع ہو تو اسے (رینٹ) صاف کیے بغیر غسل درست نہیں ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (ويجب) أي يفرض (غسل) كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرة كأذن و (سرة وشارب وحاجب و) أثناء (لحية) وشعر رأس ولو متلبدا لما في - {فاطهروا} [المائدة: ٦] - من المبالغة (وفرج خارج) لأنه كالفم لا داخل؛ لأنه باطن، ولا تدخل أصبعها في قبلها به يفتى. . . الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/١٥١- ١٥٢، كتاب الطهارة، في بيان الغسل، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) نوٹ: بدن پر پانی بہانے کے سلسلے میں تین طریقے فقہاء سے منقول ہیں: (۱) پہلے سر، پھر داہنے کندھے پھر بائیں کندھے پر پانی بہائے۔ ظاہر متن، ہدایہ، دوسری کتب فقہ اور حدیث کا مقتضیٰ یہی ہے۔ (۲) جو حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے داہنے کندھے پر پانی بہائے، پھر سر پر پھر بائیں کندھے پر، فقہاء سے یہ بھی منقول ہے۔ (۳) پہلے داہنے کندھے پر، پھر بائیں کندھے پر پھر سر پر پانی بہائے۔ موجودہ دور کے متداول کتب فتاوی میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ مکمل تفصیل کے لیے ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: وسنة الغسل أن يقدم الوضوء عليه كوضوء الصلاة... وأن يزيل النجاسة الحقيقية كالمني ونحوه عن بدنه إن كانت... ثم يصب الماء على رأسه وسائر جسده ثلاثا كما في الصحيحين عن حديث ابن عباس قال: قالت ميمونة: وضعت للنبي - صلى الله عليه وسلم - غسلا، فسترته بثوب فصب على يديه فغسلهما، ثم أدخل يمينه في الإناء فأفرغ بها على فرجه ثم غسله بشماله، ثم ضرب بشماله الأرض، فدلكها دلكا شديدا، ثم غسلها، فمضمض، واستنشق، وغسل وجهه وذراعيه، ثم أفرغ على رأسه ثلاث حثيات ملء كفيه، ثم غسل سائر جسده، ثم تنحى =

[۴] غیر مسلم لڑکی یا جانور سے خواہش پوری کرنے کے بعد غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟

سوال: کسی غیر مسلم لڑکی سے زنا کر کے جب آدمی غسل کرے، تو اُس کا غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح جانوروں کے ساتھ خواہش پوری کرنے کے بعد غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟ عوام میں مشہور ہے کہ ایسے شخص کا غسل صحیح نہیں ہوتا ہے، آدمی ناپاک ہی رہتا ہے اور نماز و روزہ کے قابل نہیں رہتا، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کا ارتکاب کرنا ایک مسلمان؛ بل کہ شریف انسان کی شان سے بعید ہے اور شریعت کی نگاہ میں سخت گناہ ہے، اگر کسی نے اس کا ارتکاب کرلیا ہے، تو اللہ کے حضور ندامت کے آنسو بہائے، اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔[1]

جب کسی شخص پر غسل فرض ہوجائے اور وہ شرائط کا لحاظ کر کے غسل کرے، تو فرض غسل ادا ہوجائے گا اور وہ پاک ہوجائے گا۔[2] لوگوں میں جو مشہور ہے کہ غیر مسلم سے زنا کرنے کے بعد یا جانور سے خواہش

= فغسل قدميه، فناولته ثوبا فلم يأخذه، فانطلق وهو ينفض يديه. ثم كيفية الصب قال شمس الأئمة الحلواني: يفيض على منكبه الأيمن ثلاثا ثم الايسر ثلاثا ثم على رأسه وسائر جسده. وقيل يبدء بالأيمن ثم بالرأس، ثم بالأيسر. وقيل يبدأ بالرأس ثم بالأيمن ثم بالأيسر، وهو ظاهر المتن والهداية وغيرها وظاهر الحديث. (غنية المستملي في شرح منية المصلي: ۴۴، ط: دار الكتاب - ديوبند. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴، الفصل الثاني في سنن الغسل، ط: زكريا - ديوبند)

(۱) وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا. (۱۷-الاسراء: ۳۲)

عن ابن حجيرة، أنه سمع أبا هريرة رضي الله عنه، يقول: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: من زنى وشرب الخمر نزع الله منه الإيمان كما يخلع الإنسان القميص من رأسه. (المستدرك على الصحيحين - أبو عبد الله الحاكم النيسابوري (م: ۴۰۵هـ): ۱/ ۷۳، رقم الحديث: ۵۷، كتاب الإيمان، وأما حديث معمر، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن من أشراط الساعة: أن يرفع العلم ويثبت الجهل، ويشرب الخمر، ويظهر الزنا". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸، رقم الحديث: ۸۰، كتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل، ط: رشيدية - دهلي ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۳۴۰، رقم الحديث: ۸-(۲۶۷۱)، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن في آخر الزمان، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

(۲) وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا. (۵-المائدة: ۶)

غسل کے فرائض کی تفصیل اور تخریج کے لیے ملاحظہ کریں عنوان: غسل کے فرائض۔

پوری کرنے کے بعد فرض غسل چالیس دنوں تک ادا نہیں ہوتا، یہ غلط ہے، اُس کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] اعتکاف کی حالت میں غسلِ جمعہ کا حکم

۵-سوال: رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف یا پورے مہینے کے اعتکاف کے دوران، جمعہ کے غسل کے لیے مسجد سے باہر نکلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معتکف مستقلاً غسل جمعہ کی نیت سے مسجد سے باہر نکلے گا، تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا، البتہ استنجاء کے ضمن میں غسل جمعہ کر لے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی استنجاء کے لیے جانے سے پہلے کسی خادم کے ذریعہ غسل کا انتظام کروالے اور استنجاء کے تقاضہ کے وقت استنجاء کی نیت سے نکلے، پھر استنجاء کے بعد جلدی سے بدن پر پانی بھی ڈال لے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وحرم عليه) أي على المعتكف اعتكافا واجبا... (الخروج إلا لحاجة الإنسان) طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد، كذا في النهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۴۳۵-۴۳۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: زكريا-ديوبند☆ مزید دیکھیے: الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: زكريا-ديوبند☆ البحر الرائق: ۲/ ۵۲۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

نوٹ: فقہ وفتاویٰ کی عام کتابوں میں یہی ذکر کیا گیا ہے کہ غیر واجب غسل کے لیے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کے لیے جائز نہیں ہے، جمعہ کا غسل بھی غیر واجب غسل ہے؛ لہٰذا اس کے لیے بھی خروج کی اجازت نہیں ہوگی۔ خود حضرت مفتی بیات صاحبؒ نے یہی لکھا ہے؛ لیکن بعض ارباب افتا نے مطلقاً غسل کے لیے معتکف کو اجازت دی ہے، اشعۃ اللمعات (۲/ ۱۲۸، کتاب الصوم، باب الاعتکاف) میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی یہی لکھا ہے۔ مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم نے بھی گنجائش کی بات لکھی ہے۔ (کتاب المسائل ۲/ ۱۱۰) انہوں نے استدلال میں یہ عبارت نقل کی ہے: وقال في التاتار خانية ويخرج للوضوء والاغتسال فرضا كان أو نفلا. تاتار خانية: ۳/ ۴۴۶" مفتی رشید احمد صاحب نے لکھا ہے کہ کم از کم تیرہ کتابوں میں بلا تردد منقول ہے کہ غسل واجب ہو یا غیر واجب، معتکف کے لیے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: احسن الفتاویٰ: ۴/ ۵۱۳، کتاب الصوم، باب الاعتکاف) لیکن ان سب کے باوجود مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے لکھا ہے: واضح رہے کہ آج کل بعض علماء نے غسل جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس کی کوئی اطمینان بخش دلیل احقر کو اب تک نہیں ملی، اور جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان سے اطمینان نہیں ہوتا۔ (دیکھیے: فتاویٰ عثمانی: ۲/ ۱۹۶، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)

[۶] سر کے مریض کو غسل جنابت میں کب رخصت ملے گی؟

۶-سوال: جس عورت کو سر کا شدید درد رہتا ہو، اور پانی کا استعمال نقصان دہ ہو، تو کیا اس کے لیے غسل جنابت میں سر پر پانی ڈالنا لازم ہوگا؟ یا اس کے لیے کوئی رخصت ہوگی؟

الجواب حامداومصليا:

ماہر مسلمان حکیم یا ڈاکٹر کی رائے ہو کہ سر پر پانی ڈالنے سے موت واقع ہو سکتی ہے یا بدن کا کوئی عضو معطل ہو سکتا ہے یا کوئی مہلک بیماری طاری ہو سکتی ہے، تو ایسی صورت میں سر پر پانی ڈالنے کی فرضیت ساقط ہو جائے گی، اس کے بغیر بھی غسل جنابت ادا ہو جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] غسل خانے میں برہنہ ہو کر غسل کرنا

۱۲-سوال: ایک غسل خانہ ہے، جس میں سورج کی روشنی بالکل نہیں آتی ہے، اس میں کوئی شخص ننگا ہو کر غسل کرے، تو کیا اس کا غسل ہو جائے گا؟

الجواب حامداًومصلياً:

مستحب تو یہی ہے کہ ناف سے گھٹنے تک کپڑا وغیرہ اس طرح باندھ کر غسل کیا جائے کہ اس سے ستر چھپ جائے۔ تاہم غسل خانہ بند کر کے مکمل پردے کا اہتمام کر کے غسل کرے، تو بلا کراہت جائز ہے، اور سورج کی روشنی کے آنے سے بھی کوئی حرج نہ ہوگا، اس میں گناہ کی کوئی بات نہیں۔ البتہ لوگوں کے سامنے ستر کھول کر غسل کرنا جائز نہیں، گناہ ہے؛ لیکن غسل بہر حال ہو جائے گا۔[2] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) من به وجع رأس لا يستطيع معه مسحه محدثا و لا غسله جنبا، ففي الفيض عن غريب الرواية يتيمم، وأفتى قارئ الهداية أنه يسقط عنه فرض مسحه. (الدر المختار مع رد المحتار - ابن عابدين شامي (۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ): ۱/ ۴۳۳، كتاب الطهارة، باب التيمم، ط: زكريا - ديوبند ☆ مزید دیکھیے: البحر الرائق: ۱/ ۲۸۶، كتاب الطهارة، باب التيمم)
ويعرف ذلك الخوف إما بغلبة الظن عن امارة أو بتجربة أو باخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق. (غنية المستملي في شرح منية المصلي: ۵۷، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۸، الباب الرابع في التيمم ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۷، كتاب الطهارة، باب التيمم)

(۲) أم هانئ بنت أبي طالب تقول: ذهبت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح فوجدته يغتسل و فاطمة تستره فقال: من هذه؟ فقلت: أنا أم هانئ. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۲، رقم الحديث: ۲۸۰، ۳۵۷، ۳۱۷۱، ۶۱۵۸، باب التستر في الغسل عند الناس، كتاب الغسل ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۵۳، رقم الحديث: ۷۰-۳۳۶، كتاب الحيض، باب =

[۸] غسل کے بعد پتلی مذی نکلنے سے دوبارہ غسل کرنا ضروری ہے؟

25 سوال: (۲۵۲) ایک شخص پر غسل واجب تھا، اُس نے غسل کیا اور غسل کے بعد پتلی اور چکنی سیال شئے (مذی) نکلی، تو کیا اُس پر دوبارہ غسل کرنا فرض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل کرنے کے بعد ذکر میں ایستادگی تھی اور منی جوش وشہوت کے ساتھ نکلی، جس کے بعد انتشار جاتا رہا اور شہوت ختم ہوگئی، تو دوبارہ غسل فرض ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں نکلنے والا مادہ ''منی'' ہے اور اگر غسل کے بعد شرم گاہ میں جوش وشہوت باقی نہیں تھی، تو غسل فرض نہیں ہوگا، کہ اس صورت میں نکلنے والا سیال مادہ ودی یا مذی ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] شرم گاہ میں دوا لگانے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

۱۶- سوال: ایک شخص کو مستا [1] کی بیماری لاحق ہوگئی ہے، ڈاکٹر نے ایک ٹیوب لگانے کے لیے دی ہے، اس میں سے دوا مقعد میں لگانا ہے اور وہ دوا ایک دوانچ اندر تک لگائی ہوتی ہے، تو اس طرح دوا لگانے سے اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح ایک عورت کو فرج (آگے کی شرم گاہ) میں زخم ہے، اس کو خاتون ڈاکٹر نے روزانہ رات کو دوائی کی ایک گولی فرج کے اندر رکھنے کو کہا ہے، تو اس گولی کو فرج میں رکھنے کی وجہ سے اس عورت پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

= تستر المغتسل بثوب ونحوہ، مختار اینڈ کمپنی- دیو بند)

وفي الدر المختار: (و) الرابع (ستر عورته) ووجوبه عام ولو في الخلوة على الصحيح إلا لغرض صحيح. وقال ابن عابدين: (قوله إلا لغرض صحيح) كتغوط واستنجاء. وحكى في القنية أقوالا إلا في تجرده للاغتسال منفردا: منها أنه يكره، ومنه أنه يعذر إن شاء الله، ومنها لا بأس به، ومنها يجوز في المدة اليسيرة، ومنها يجوز في بيت الحمام الصغير. (رد المحتار مع الدر: ۱/ ۴۰۴، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ط: دار الفكر- بيروت، الطبعة الثانية: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء)

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے باب الوضوء، کا عنوان: مذی کا حکم۔

[۱] زائد گوشت، جو بواسیر کے سبب مقعد میں پیدا ہوجاتا ہے۔ (فیروز اللغات- الحاج مولوی فیروز الدینؒ: ۱۲۳۹، مادہ: م- س، ط: فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل فرض ہونے کے لیے جن اسباب [۱] کا وجود ضروری ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی سبب یہاں موجود نہیں ہے، اس لیے مسّے یا فرج (☆☆) میں زخم ہونے کی وجہ سے ایک دو انچ اندر تک دوا رکھنے سے غسل واجب نہیں ہوگا۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] دو جماع کے درمیان غسل ضروری نہیں

۲۶- سوال: بیوی کے ساتھ ایک مرتبہ ہم بستری کر کے دوسری مرتبہ ہم بستری کرنے کا ارادہ ہو، تو کیا غسل کرنا ضروری ہے؟ بغیر غسل کیے اگر دوسری مرتبہ ہم بستری کرلے، تو یہ عمل کیسا ہے؟ اور کیا اس سے پیدا ہونے والی اولاد پر کوئی اثر پڑے گا؟ اگر دوسری مرتبہ ہم بستری کے لیے غسل ضروری ہے، تو کیا دونوں (میاں اور بیوی) پر ضروری ہے یا صرف مرد پر؟ تسلی بخش جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً

ایک مرتبہ ہم بستری کے بعد دوسری مرتبہ ہم بستری کے لیے غسل کرنا ضروری نہیں ہے؛ البتہ افضل

---

[۱] وجوب غسل کے اسباب تین ہیں: (۱) جنابت (۲) انقطاع حیض (۳) انقطاع نفاس۔ أسباب الغسل ثلاثة: الجنابة، و الحيض، والنفاس. وفي مختار الفتاوى: المراد بقوله والحيض والنفاس انقطاعهما. (الفتاوى التاتارخانية: ۱/ ۱۵۴، زکریا-دیوبند)

(☆☆) نوٹ: مسّے کی وجہ سے مقعد میں ایک دو انچ اندر تک دوا رکھنے سے غسل فرض نہیں ہوگا۔ اور فرج میں ایک دو انچ اندر رکھنے سے غسل فرض ہونے نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے، کہ اگر یہ عمل علاجاً ہو، چاہے ڈاکٹر ہی کرے یا عورت خود کرے اور عورت کے اندر شہوت پیدا نہیں ہوتی، تو محض ہاتھ یا انگلی داخل کرنے سے غسل واجب نہ ہوگا؛ لیکن اگر عورت غلبہ شہوت سے بہ قصد استمتاع (یعنی لذت اندوز ہونے کے ارادے سے) اپنی انگلی داخل کرے یا میاں بیوی بہ قصد استمتاع یہ عمل کریں (اور شوہر انگلی داخل کرے) تو بعض فقہاء کے قول کے مطابق غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۲۸، دارالاشاعت، کراچی، پاکستان)

(۲) (و) لا عند (إدخال إصبع ونحوه) كذكر غير آدمي وذكر خنثى وميت وصبي لا يشتهي وما يصنع من نحو خشب (في الدبر أو القبل) على المختار. قال ابن عابدين: (قوله: على المختار) قال في التجنيس: رجل أدخل إصبعه في دبره وهو صائم اختلف في وجوب الغسل والقضاء. والمختار أنه لا يجب الغسل ولا القضاء؛ لأن الأصبع ليس آلة للجماع فصار بمنزلة الخشبة ... وقيد بالدبر؛ لأن المختار وجوب الغسل في القبل إذا قصدت الاستمتاع؛ لأن الشهوة فيهن غالبة فيقام السبب مقام المسبب دون الدبر لعدمها، نوح أفندي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۱۶۶، كتاب الطهارة، مطلب سنن الغسل، ط: دار الفكر-بيروت)

ہے کہ غسل کرلے، اگر کوئی غسل نہ کرسکتا ہو، تو وضو کرلے اور اگر وضو بھی نہیں کرسکتا ہے، تو کم از کم اپنے ذکر کو پانی سے اچھی طرح سے دھولے، کہ یہ مستحب ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] متعدد جماع کے بعد غسلِ واحد کافی ہے یا نہیں؟

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ایک ہی رات میں تین مرتبہ جماع کرے، پھر اخیر میں غسل کرے، تو کیا یہ تینوں جماع کے غسل کے لیے کافی ہوجائے گا؟ یا ہر جماع کے بعد غسل کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

کوئی شخص اپنی متعدد بیوی سے ایک رات میں کئی مرتبہ جماع کرے یا ایک ہی بیوی سے دو تین مرتبہ جماع کرے، تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ ہر جماع سے پہلے وضوء کرلے، اخیر میں ایک مرتبہ غسل کافی ہے، ہر جماع کے بعد غسل کرنا فرض نہیں ہے۔[2]

امام بخاریؒ نے اس سلسلے میں ایک باب قائم فرمایا ہے: ''جماع کے بعد دوسری مرتبہ جماع کرنا اور چند عورتوں سے جماع کرنے کے بعد ایک ہی مرتبہ غسل کرنا''۔[3]

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أتى أحدكم أهله، ثم أراد أن يعود، فليتوضأ. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۴۴، رقم الحديث: ۷ ۲ - (۳۰۸)، باب من أتى أهله فأراد أن يعود (باب جواز نوم الجنب الخ)، كتاب الحيض، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

قال العيني: أجمع العلماء على أنه لا يجب بينهما، وإنما هو مستحب... وأما الوضوء بين الجماعين فقد اختلفوا فيه فعند الجمهور ليس بواجب،... قال أبو عمر: ما أعلم أحدا من أهل العلم أوجبه إلا طائفة من أهل الظاهر... كان ابن سيرين يقول: لا أعلم بذلك بأسا إنما قبل ذلك لأنه أجرى أن يعود. ونقل عن إسحاق بن راهويه أنه حمل الوضوء المذكور على الوضوء اللغوي، حيث نقل ابن المنذر عنه أنه قال: لا بد من غسل الفرج إذا أراد العود. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۳/ ۱۳ - ۲۱۲، باب إذا جامع ثم عاد ومن دار على نسائه في غسل واحد، كتاب الغسل، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) قد تقدم تخريجه عن: (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۳/ ۱۳ - ۲۱۲، باب إذا جامع ثم عاد ومن دار على نسائه في غسل واحد، كتاب الغسل، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت) ضمن عنوان: دو جماع کے درمیان غسل ضروری نہیں۔

(۳) باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۱، كتاب الغسل، قبل باب غسل المذي والوضوء منه، ط: البدر - ديوبند)

اِس باب کے تحت آپؒ نے دو حدیث ذکر فرمائی ہے، جن میں ایک یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات رسول اللہ ﷺ رات یا دن کے کسی حصے میں اپنی تمام ازواج مطہرات کو صحبت سے نوازتے تھے، آپ ﷺ کی گیارہ ازواج (نو بیویاں اور دو باندیاں) تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ ﷺ کو اس قدر طاقت تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا: آپ ﷺ کو تیس مردوں کی قوت وطاقت دی گئی تھی۔ (بخاری شریف: ۱/ ۴۱)[۱]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات سے جماع کے بعد ایک ہی غسل فرماتے تھے۔ (ترمذی شریف: ۱/ ۲۰)[۲]

''حلیہ'' نامی کتاب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ (۳) اور ترمذی کی روایت ہے کہ جنت میں ایک شخص کو دنیا کے سو مردوں کی طاقت دی جائے گی۔ (۴) تو

---

[۱] صحيح البخاري: ۱/ ۴۱، كتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد، ط: البدر- ديوبند☆مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ): ۲۱/ ۳۷۲، رقم الحديث: ۱۴۱۰۹، مسند أنس بن مالك، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة☆السنن الكبرى- أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۸/ ۲۰۷، رقم الحديث: ۸۹۸۳، كتاب عشرة النساء، طواف الرجل على نسائه في الليلة الواحدة، ت: حسن عبد المنعم شلبي، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)

[۲] عن قتادة، عن أنس، أن النبي -صلى الله عليه وسلم- كان يطوف على نسائه في غسل واحد. (سنن الترمذي: ۱/ ۳۶، رقم الحديث: ۱۴۰، أبواب الطهارة، باب ما جاء في الرجل يطوف على نسائه بغسل واحد، ط: فيصل پبلی کیشنز - ديوبند)

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتاني جبريل بقدر يقال لها الكفيت فأكلت منها أكلة فأعطيت قوة أربعين رجلا في الجماع. غريب من حديث صفوان تفرد به وكيع. (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء- أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصبهاني (م: ۴۳۰ھ): ۸/ ۳۷۶، باب: وكيع بن الجراح ومنهم النصاح والمفهم المفصاح أبو سفيان وكيع بن الجراح، ط: السعادة - بجوار محافظة مصر☆الفتح الكبير في ضم الزيادة إلى الجامع الصغير -عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ): ۱/ ۲۴، رقم الحديث: ۱۲۱، و ۱۲۲، حرف الهمزة، ت: يوسف النبهاني، ط: دار الفكر - بيروت☆كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال- علاء الدين علي بن حسام الدين الهندي البرهانفوري، الشهير بالمتقي الهندي (م: ۹۷۵ھ): ۱۲/ ۴۲۶، رقم الحديث: ۳۴۸۵۱، ت: بكري حياني - صفوة السقا، ط: مؤسسة الرسالة)

(۴) عن أنس، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: يعطى المؤمن في الجنة قوة كذا وكذا من الجماع، قيل: يا رسول الله أو يطيق ذلك؟ قال: يعطى قوة مائة. (سنن الترمذي: ۲/ ۸۰، رقم الحديث: ۲۵۳۶، أبواب صفة الجنة، باب ما جاء=

اس اعتبار سے آپ ﷺ کو چار ہزار مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بعض اوقات جماع کے بعد ایک ہی غسل فرماتے تھے، اس لیے ہر جماع کے بعد مستقل غسل فرض نہیں ہے، لیکن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے اور دوسری بار جماع کا ارادہ ہو، تو اسے وضوء کر لینا چاہیے۔ (ترمذی: ۱/۲۰)[1]

اس لیے جماعین کے درمیان وضوء کرنا مستحب ہے، فرض اور واجب نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] کسی جنیہ (خاتون جن) کے ساتھ وطی کے بعد غسل کا حکم

۳۱-سوال: کسی مسلمان نے کسی جنیہ (خاتون جن) کے ساتھ وطی کی، یا کسی خاتون کے ساتھ کسی جن نے زنا کیا، تو اس کے اوپر کتنے دنوں تک غسل کرنا ضروری ہوگا؟ کب غسل ساقط ہوگا؟ اور جتنے دنوں تک غسل ساقط نہیں ہوگا، اتنے دنوں کی عبادتیں قبول ہوں گی یا نہیں؟۔

(مولوی یوسف پانڈور ا ٹالوا)

الجواب حامداً ومصلياً

کوئی شخص بیداری کی حالت میں جنیہ (خاتون جن، جب کہ وہ انسانی شکل میں نمودار ہو) سے وطی کرے، یا جن مرد کی شکل میں آکر کسی عورت کے ساتھ بیداری کی حالت میں زنا کرے، تو غسل فرض ہوگا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، دخول محض سے غسل واجب ہو جائے گا؛ ہاں نیند کی حالت میں یہ امر پیش آیا ہو، تو انزال ہونے کی صورت میں غسل فرض ہوگا، انزال نہ ہو، تو غسل فرض نہیں ہوگا۔ البتہ بیداری کی حالت میں زنا

= في صفة جماع أهل الجنة، ط: فيصل - ديوبند☆مسند أبي داود الطيالسي - أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصرى (م: ۲۰۴هـ): ۳/ ۵۰۳، رقم الحديث: ۲۱۲۴، وما أسند أنس بن مالك الأنصاري، ماروى عنه قتادة، ت: د. محمد بن عبد المحسن التركي، ط: دار هجر - مصر)

[۱] عن أبي سعيد الخدري، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا أتى أحدكم أهله، ثم أراد أن يعود، فليتوضأ بينهما وضوءا. (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰، رقم الحديث: ۱۴۱، باب ما جاء إذا أراد أن يعود توضأ، ط: فيصل - ديوبند☆ و كذا في: الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۴۴، رقم الحديث: ۲۷-(۳۰۸)، باب من أتى أهله فأراد أن يعود/باب جواز نوم الجنب الخ)، كتاب الحيض، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

کرنے کی صورت میں زنا کا گناہ ہوگا؛ لیکن صرف ایک مرتبہ غسل فرض کر لینے سے ذمہ سے غسل ساقط ہوجائے گا۔[(۱)] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] جنبی شخص کا بغیر غسل کیے نماز پڑھ لینا

11 سوال: ایک آدمی کو غسل جنابت کی حاجت تھی، محض شرم کی وجہ سے اس کے نے غسل نہیں کیا اور بغیر غسل کے نماز پڑھ لی، دل میں نیت یہ تھی کہ بعد میں اس کو دہرالوں گا، تو اس شخص کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

عبدالرحیم حسن بانگروی (سوراشٹر)

الجواب حامداً ومصلیا:

اگر اس نے نماز کی بے حرمتی اور بے عزتی کرنے کے لیے جنابت کی حالت میں نماز ادا کیا ہے، تو اس کے ایمان سے نکل جانے کا خطرہ ہے؛ لیکن دل میں نماز کا ادب واحترام باقی ہے اور اس گناہ پر دل ملامت بھی کرتا ہے، اس کے باوجود بھی اس نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھ لی، تو گنہ گار ہوگا اور توبہ کرنا ضروری ہے، البتہ ایمان سے خارج نہ ہوگا۔[(۲)] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] بالوں کو انگریزی دواؤں سے رنگنا غسل سے مانع ہے یا نہیں؟

سوال برطانیہ میں سر کے بالوں کو مختلف قسم کی انگریزی دواؤں سے رنگنے کا رواج ہے، یہ رنگ چار سے پانچ ماہ تک بالوں پر رہتا ہے، اس طرح انگریزی دواؤں سے رنگے ہوئے بالوں کے ساتھ غسل صحیح

---

(۱) أما إذا ظهر في صورة آدمي وكذا إذا ظهر للرجل جنية في صورة آدمية فوطئها وجب الغسل لوجود المجانسة الصورية المفيدة لكمال السببية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۶۱، كتاب الطهارة، مطلب في تحرير الصاع والمد والرطل، ط: ايج ايم سعيد-پاكستان)

(۲) وبه ظهر أن تعمد الصلاة بلا طهر غير مكفر كصلاته لغير القبلة أو مع ثوب نجس، وهو ظاهر المذهب كما في الخانية. (الدر المختار) وقال ابن عابدين (م: ۱۲۵۲هـ): (قوله: كما في الخانية) حيث قال بعد ذكره الخلاف في مسألة الصلاة بلا طهارة وأن الإكفار رواية النوادر. وفي ظاهر الرواية لا يكون كفرا، وإنما اختلفوا إذا صلى لا على وجه الاستخفاف بالدين، فإن كان وجه الاستخفاف ينبغي أن يكون كفرا عند الكل. (رد المحتار: ۱/۸۱، كتاب الطهارت، ط: دار الفكر-بيروت)

ہوگا یا نہیں؟ نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں جب کہ رنگ بالوں پر باقی رہتا ہو اور پانی بالوں تک پہنچنے سے روکتا ہو، تو غسل جنابت اور غسل حیض ونفاس کچھ بھی صحیح نہیں ہوگا، اس صورت میں مرد وعورت دونوں ناپاک ہی رہیں گے اور اس صورت میں پڑھی گئی نمازیں بھی صحیح نہیں ہوں گی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] مسنون طریقے پر غسل کرنے کے بعد وضو کے وقت کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا

سوال: (۱۵) اگر کسی نے سنت طریقے کے مطابق غسل کیا ہے، تو کیا بعد میں وضو کے وقت بھی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل مسنون کا جو طریقہ ہے، جس میں اولاً دونوں ہاتھ پہنچوں تک دھونا ہے، پھر کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے، جس کی تفصیل معروف ومشہور ہے۔ [2] اس طرح غسل کرنے کے بعد جب تک حدث پیش

---

(۱) ولو كان على بدنه قشر سمك أو خبز ممضوغ متلبد وجب إزالته، وكذا الخضاب المتجسد والحناء. (الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/ ۱۰، كتاب الطهارة، سنن الطهارة، ط: المطبعة الخيرية☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳، الباب الثاني في الغسل، الفصل الأول في فرائض الغسل، ط: بيروت)

نعم ذكر الخلاف في شرح المنية في العجين واستظهر المنع؛ لأن فيه لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء... ومفاده عدم الجواز إذا علم أنه لم يصل الماء تحته، قال في الحلية وهو أثبت. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۵۴، مطلب في أبحاث الغسل، ط: بيروت)

(۲) قال: "وسنته أن يبدأ المغتسل فيغسل يديه وفرجه ويزيل نجاسة إن كانت على بدنه ثم يتوضأ وضوءه للصلاة إلا رجليه ثم يفيض الماء على رأسه وسائر جسده ثلاثا ثم يتنحى عن ذلك المكان فيغسل رجليه" هكذا حكت ميمونة رضي الله عنها اغتسال رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر، الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۹، كتاب الطهارات، فصل في الغسل، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت ☆ الدر مع الرد: ۱/ ۱۵۶-۱۵۸، كتاب الطهارة، في بيان سنن الغسل، ط: بيروت)

نہ آئے، وضوء لازم نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) لیکن اگر کوئی غسل کے بعد دوبارہ وضو کرے، تو کیا اس میں کراہت ہے؟

عن عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يتوضأ بعد الغسل. هذا حديث حسن صحيح، وهذا قول غير واحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، والتابعين: أن لا يتوضأ بعد الغسل. (سنن الترمذي: ۱/ ۳۰، رقم الحديث: ۱۰۷، أبواب الطهارة، باب في الوضوء بعد الغسل، ط: فيصل - ديوبند☆سنن أبي داؤد: ۱/ ۳۳، رقم الحديث: ۲۵۰، كتاب الطهارة، باب في الوضوء بعد الغسل، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند☆المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۱/ ۱۳۷، رقم الحديث: ۲۵۲، باب ترك الوضوء من بعد الغسل، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

علامہ شامیؒ نے اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

قال الحصكفي: أو لقصد الوضوء على الوضوء لا بأس به، وحديث " فقد تعدى " محمول على الاعتقاد، ولعل كراهة تكراره في مجلس تنزيهية.———— قال ابن عابدين: (قوله: أو لقصد الوضوء على الوضوء) أي بعد الفراغ من الأول، بحر. وفي التتارخانية عن الناطفي: لو زاد على الثلاث فهو بدعة، وهذا إذا لم يفرغ من الوضوء، أما إذا فرغ ثم استأنف الوضوء فلا يكره بالاتفاق. اهـ ومثله في الخلاصة.———— وعارض في البحر دعوى الاتفاق بما في السراج من أنه مكروه في مجلس واحد: وأجاب في النهر بأن ما مر فيما إذا أعاده مرة واحدة، وما في السراج فيما إذا كرره مرارا، ولفظه في السراج: لو تكرر الوضوء في مجلس واحد مرارا لم يستحب، بل يكره لما فيه من الإسراف فتدبر اهـ.———— قلت: لكن يرد ما في شرح المنية الكبير حيث قال: وفيه إشكال لإطباقهم على أن الوضوء عبادة غير مقصودة لذاتها فإذا لم يؤد به عمل مما هو المقصود من شرعيته كالصلاة وسجدة التلاوة ومس المصحف ينبغي أن لا يشرع تكراره قربة، لكونه غير مقصود لذاته فيكون إسرافا محضا، وقد قالوا في السجدة لما لم تكن مقصودة: لم يشرع التقرب بها مستقلة وكانت مكروهة، وهذا أولى. اهـ ———— أقول: يؤيده ما قاله ابن العماد في هديته. قال في شرح المصابيح: وإنما يستحب الوضوء إذا صلى بالوضوء الأول صلاة، كذا في الشرعة والقنية. اهـ وكذا ما قاله المناوي في شرح الجامع الصغير للسيوطي عند حديث «من توضأ على طهر كتب له عشر حسنات» من أن المراد بالطهر الوضوء الذي صلى به فرضا أو نفلا كما بينه فعل راوي الخبر وهو ابن عمر، فمن لم يصل به شيئا لا يسن له تجديده. اهـ ومقتضى هذا كراهته، وإن تبدل المجلس ما لم يؤد به صلاة أو نحوها لكن ذكر سيدي عبد الغني النابلسي أن المفهوم من إطلاق الحديث مشروعيته ولو بلا فصل بصلاة أو مجلس آخر، ولا إسراف فيما هو مشروع، أما لو كرره ثالثا أو رابعا فيشترط لمشروعيته الفصل بما ذكر، وإلا كان إسرافا محضا اهـ فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۱۹، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في الوضوء على الوضوء، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

وقالوا: لو توضأ أولا لا يأتي به ثانيا؛ لأنه لا يستحب وضوءان للغسل اتفاقا، أما لو توضأ بعد الغسل واختلف المجلس على مذهبنا أو فصل بينهما بصلاة كقول الشافعية فيستحب. (الدر المختار) =

[۱۶] وضو اور غسل میں صرف کلی کرنا کافی ہے یا غرارہ بھی ضروری ہے؟

سوال: (۱۶) وضوء اور غسل میں روزے کی حالت کے علاوہ میں صرف کلی کرنا کافی ہوگا، یا منہ اونچا کر کے حلق میں پانی گھمانا (غرارہ) ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیا:

وضوء اور غسل میں حلق تک پانی لے جانا ضروری نہیں، صرف پانی کے ذریعہ منہ بھر کے کلی کرنے سے ہی فرض ادا ہو جائے گا؛ البتہ غیر صائم کے لیے غرارہ مسنون ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] غسل میں فرائض ادا کرنا اور سنتوں کو ترک کر دینا

سوال: (۱۷) غسل میں صرف فرائض ادا کر لینے سے غسل ہو جائے گا؟ یا سنت کے چھوڑنے کا گناہ بھی ہوگا؟

=قال ابن عابدين: (قوله: لأنه لا يستحب إلخ) قال العلامة نوح أفندي: بل ورد ما يدل على كراهته. أخرج الطبراني في الأوسط عن ابن عباس - رضي الله عنهما - قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - «من توضأ بعد الغسل فليس منا» اهـ تأمل. والظاهر أن عدم استحبابه لو بقي متوضئا إلى فراغ الغسل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۵۸، كتاب الطهارة، سنن الغسل، ط: بيروت)

(۱) قال الشرنبلالي: "و" يسن "المبالغة في المضمضة" وهي إيصال الماء لرأس الحلق "و" المبالغة في "الاستنشاق" وهي إيصاله إلى ما فوق المارن "لغير الصائم" والصائم لا يبالغ فيها خشية إفساد الصوم لقوله عليه الصلاة والسلام: "بالغ في المضمضة والاستنشاق إلا أن تكون صائما" (مراقي الفلاح) وقال الطحطاوي: قوله: "والمبالغة" فيهما هي سنة في الطهارتين على المعتمد وقيل سنة في الوضوء واجبة في الغسل إلا أن يكون صائما نقله القهستاني عن المنية وشارح الشرعة عن صلاة البقالي. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ)، ص: ۷۰، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۱۱۵-۱۱۶، كتاب الطهارة، في بيان سنن الوضوء ☆ الدر مع الرد: ۱/۱۵۱- ۱۵۲، كتاب الطهارة، في بيان فرض الغسل، مطلب في مهمات الغسل، ط: بيروت ☆ الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/۶، سنن الطهارة، ط: المطبعة الخيرية)

الجواب حامداً ومصلیا:

غسل کے فرائض ادا کرنے سے غسل تو صحیح ہو جائے گا، اس کے لیے غسل مسنون شرط نہیں ہے؛ لیکن سنتوں پر عمل کرنے کے ثواب سے محروم رہے گا۔ ہاں! کوئی شخص سنتوں پر عمل کرے اور کبھی کبھار چھوڑ دے، تو گنہ گار نہ ہوگا، سنتوں کو ترک کرنے کا معمول بنالینا حرمان نصیبی ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] احتلام میں خروجِ منی کے وقت عضوِ تناسل پر انگلی رکھ دینا

سوال: (۱۹) زید نے نیند کی حالت میں جب کہ احتلام کی وجہ سے منی خارج ہونے کے بالکل قریب تھی، اپنی انگلی کے ذریعہ عضوِ تناسل کے سرے کو بند کر دیا، جس کی وجہ سے منی باہر نہیں نکل سکی، تو کیا اس حالت میں زید پر غسل فرض ہوگا؟ اور کیا اس طرح عضوِ تناسل کا سرا بند کر دینے سے صحت خراب ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اس طرح کرنے سے منی اگر بالکل باہر نہ آئے، تو مہمان اور مسافر کے لیے غسل نہ کرنے کی گنجائش ہے، سخت سردی کے موسم میں مسافر کے لیے گنجائش ہے اور مہمان کو حیاء کی وجہ سے گنجائش ہے؛ لیکن حالتِ اقامت میں اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ [2]

---

(۱) قال الحصكفي: وحكمها ما يؤجر على فعله ويلام على تركه. (الدر المختار)

(قوله: ويلام) أي يعاتب بالتاء لا يعاقب، كما أفاده في البحر والنهر؛ لكن في التلويح ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة، لقوله - عليه الصلاة والسلام -: »من ترك سنتي لم ينل شفاعتي« . اهـ. وفي التحرير: إن تاركها يستوجب التضليل واللوم. اهـ. والمراد الترك بلا عذر على سبيل الإصرار كما في شرح التحرير لابن أمير حاج، ويؤيده ما سيأتي في سنن الوضوء من أنه لو اكتفى بالغسل مرة إن اعتاده أثم، وإلا لا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۰۳، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: بيروت)

(۲) (وفرض) الغسل (عند) خروج (مني) من العضو وإلا فلا يفرض اتفاقا؛ لأنه في حكم الباطن (منفصل عن مقره) هو صلب الرجل وترائب المرأة، . . . (بشهوة) أي لذة ولو حكما كمحتلم، ولم يذكر الدفق ليشمل مني المرأة؛ لأن الدفق فيه غير ظاهر، . . . ولأنه ليس بشرط عندهما خلافا للثاني، ولذا قال (وإن لم يخرج) من رأس الذكر (بها) وشرطه أبو يوسف، وبقوله يفتى في ضيف خاف ريبة أو استحيى كما في المستصفى. وفي القهستاني والتتارخانية معزيا للنوازل: وبقول أبي يوسف نأخذ؛ لأنه أيسر على المسلمين قلت: ولا سيما في الشتاء والسفر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: وشرطه أبو يوسف) أي شرط الدفق، وأثر الخلاف يظهر فيما لو احتلم أو نظر بشهوة =

اس حرکت کی وجہ سے صحت کے خراب ہونے نہ ہونے کے بارے میں کسی طبیب سے معلوم کرلیا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] شراب یا نشہ کی وجہ سے غسل کرنا ضروری ہے؟

سوال: ایک آدمی نے تاڑی (۱) یا شراب پی رکھی ہے، اس کے محلہ میں ایک شخص کا انتقال ہوا، تو یہ آدمی غسل کیے بغیر جنازے کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب پینے کی وجہ سے غسل کرنا فرض نہیں ہوتا ہے، اس لیے غسل کی ضرورت نہیں ہے۔ (۲) ہوش و حواس درست ہے، تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ (۳) ــــــ (البتہ شراب پینا گناہ کبیرہ ہے، اس سے احتراز ضروری ہے، شراب پینے والے کو توبہ کرنی چاہیے۔ [۴]) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] دانت پر سونے کا کور چڑھانا اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال: ۳۳: میرا ایک دانت گر گیا ہے، میرا ارادہ دانت فٹ کروانے اور اس پر سونے کا کور

= فأمسك ذكره حتى سكنت شهوته ثم أرسله فأنزل وجب عندهما لا عنده.ــــ (قوله: وبقول أبي يوسف نأخذ) أي في الضيف وغيره. وفي الذخيرة أن الفقيه أبا الليث وخلف بن أيوب أخذا بقول أبي يوسف. وفي جامع الفتاوى أن الفتوى على قول إسماعيل.ــــ (قوله: قلت إلخ) ظاهره الميل إلى اختيار ما في النوازل، ولكن أكثر الكتب على خلافه حتى البحر والنهر، ولا سيما قد ذكروا أن قوله قياس وقولهما استحسان وأنه الأحوط، فينبغي الإفتاء بقوله في مواضع الضرورة فقط تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۵۹-۱۶۰، كتاب الطهارة، أبحاث الغسل)

(۱) تاڑی: تاڑ کا نشہ آور رس۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۳۶، ت۔۱)

(۲) کیوں کہ وجوب غسل کے اسباب میں سے کوئی سبب یہاں موجود نہیں ہے، وجوب غسل کے اسباب تین ہیں: [۱] جنابت [۲] انقطاع حیض [۳] انقطاع نفاس۔ أسباب الغسل ثلاثة: الجنابة، والحيض، والنفاس. وفي مختار الفتاوى: المراد بقوله والحيض والنفاس انقطاعهما. (الفتاوى التاتارخانية: ۱/ ۱۵۲، زكريا-ديوبند)

(۳) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ [۴-النساء: ۴۳]

[۴] ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۵-المائدة: ۹۰)

چڑھانے کا ہے، تو ایسا دانت لگانے سے غسل و وضوء میں کوئی حرج تو نہیں ہوگا اور نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامدا و مصلیا:

''دانت'' فٹ کرانا اور اس پر سونے کا کور چڑھانا جائز ہے، سونے کا دانت بھی جائز ہے۔ (رد المحتار: ۶/ ۳۶۳ ☆ عالمگیری جلد ۵، صفحہ ۳۵۴)[1] دانت کو فٹ کرادے، تو اس پر سونے کا کور ہونے کے

---

[1] (ولا يشد سنه) المتحرك (بذهب بل بفضة) وجوزهما محمد (ويتخذ أنفا منه) لأن الفضة تنتنه. (الدر المختار)
قال ابن عابدين: (قوله المتحرك) قيد به لما قال الكرخي: إذا سقطت ثنية رجل، فإن أبا حنيفة يكره أن يعيدها، ويشدها بفضة أو ذهب ويقول هي كسن ميتة ولكن يأخذ سن شاة ذكية يشد مكانها وخالفه أبو يوسف فقال لا بأس به ولا يشبه سنه سن ميتة استحسن ذلك وبينهما فرق عندي وإن لم يحضرني اهـ إتقاني. زاد في التتارخانية قال بشر قال أبو يوسف: سألت أبا حنيفة عن ذلك في مجلس آخر فلم ير بإعادتها بأسا (قوله وجوزهما محمد) أي جوز الذهب والفضة أي جوز الشد بهما وأما أبو يوسف فقيل معه وقيل مع الإمام (قوله لأن الفضة تنتنه) الأولى تنتن بلا ضمير وأشار إلى الفرق للإمام بين شد السن، واتخاذ الأنف فجوز الأنف من الذهب لضرورة نتن الفضة لأن المحرم لا يباح إلا لضرورة، وقد اندفعت في السن بالفضة، فلا حاجة إلى الأعلى وهو الذهب. قال الأتقاني: ولقائل أن يقول مساعدة لمحمد لا نسلم أنها في السن ترتفع بالفضة؛ لأنها تنتن أيضا، وأصل ذلك ما روى الطحاوي بإسناده إلى »عرفجة بن أسعد أنه أصيب أنفه يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذ أنفا من ورق فأنتن عليه، فأمره النبي - صلى الله عليه وسلم - أن يتخذ أنفا من ذهب، ففعل« ،والكلاب بالضم والتخفيف: اسم واد كانت فيه وقعة عظيمة للعرب هذا وظاهر كلامه جواز الأنف منهما اتفاقا، وبه صرح الإمام البزدوي وذكر الإمام الإسبيجابي أنه على الاختلاف أيضا. وفي التتارخانية وعلى هذا الاختلاف إذا جدع أنفه أو أذنه أو سقط سنه، فأراد أن يتخذ سنا آخر فعند الإمام يتخذ ذلك من الفضة فقط، وعند محمد من الذهب أيضا اهـ، وأنكر الأتقاني ثبوت الاختلاف في الأنف بأنه لم يذكر في كتب محمد والكرخي والطحاوي، وبأنه يلزم عليه مخالفة الإمام للنص ونازعه المقدسي بأن الإسبيجابي حجة في النقل، وبأن الحديث قابل للتأويل، واحتمال أن ذلك خصوصية لعرفجة كما خص - عليه الصلاة والسلام - الزبير وعبد الرحمن بلبس الحرير لحكة في جسدهما، كما في التبيين أقول: يمكن التوفيق بأن ما ذكره الإسبيجابي رواية شاذة عن الإمام فلذا لم تذكر في كتب محمد والكرخي والطحاوي والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ٦/ ٣٦٢، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، ط: دار الفكر - بيروت)
قال محمد - رحمه الله تعالى - في الجامع الصغير: ولا يشد الأسنان بالذهب، ويشدها بالفضة يريد به إذا تحركت الأسنان وخيف سقوطها، فأراد صاحبها أن يشدها بالفضة، ولا يشدها بالذهب، وهذا قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى -. وقال محمد - رحمه الله تعالى -: يشدها بالذهب أيضا، ولم يذكر في الجامع الصغير قول أبي يوسف - رحمه الله تعالى - قيل: هو مع محمد - رحمه الله تعالى - ،وقيل: هو مع أبي حنيفة - رحمه الله تعالى -.
وذكر الحاكم في المنتقى لو تحركت سن رجل وخاف سقوطها فشدها بالذهب أو بالفضة لم يكن به =

باوجود غسل و وضو میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اور نماز جائز ہوگی۔ (عالمگیری جلد ۱، صفحہ ۱۳)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=بأس عند أبي حنيفة وأبي يوسف - رحمهما الله تعالى - وروى الحسن عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - أنه فرق بين السن والأنف فقال في السن لا بأس بأن يشدها بالذهب، وفي الأنف كره ذلك، كذا في المحيط. وقال أبو يوسف - رحمه الله تعالى -: لا بأس بأن يعيد سن نفسه وأن يشدها، وإن كان سن غيره يكره ذلك، كذا في السراج الوهاج.
قال بشر: قال أبو يوسف - رحمه الله تعالى - في مجلس آخر: سألت أبا حنيفة - رحمه الله تعالى - عن ذلك، فلم ير بإعادتها بأسا، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ٦/ ٣٣٦، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة، ط: دار الفكر - بيروت)

(١) (ولا يمنع) الطهارة (ونيم) أي خرء ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه به يفتى. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: ونيم إلخ) ظاهر الصحاح والقاموس أن الونيم مختص بالذباب نوح أفندي، وهذا بالنظر إلى اللغة، وإلا فالمراد هنا ما يشمل البرغوث؛ لأنه أولى بالحكم. ـــــ (قوله: لم يصل الماء تحته) لأن الاحتراز عنه غير ممكن حلية. ـــــــ (قوله: به يفتى) صرح به في المنية عن الذخيرة في مسألة الحناء والطين والدرن معللا بالضرورة. (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ١٥٤، كتاب الطهارة، فرض الغسل، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ١/ ١٣، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الأول في فرائض الغسل، ط: دار الفكر - بيروت)

عن أبي هريرة -رضي الله تعالىٰ عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طهور إناء أحدكم إذا ولغ فيه الكلب، أن يغسله سبع مرات أولاهن بالتراب.

(مسلم شریف: ۱/ ۱۳۷، حدیث نمبر: ۲۷۹)

باب المياه

[پانی کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب المیاہ

[پانی کے احکام]

[۱] شرعی حوض کی پیمائش

۴۹۰-سوال: مارچ کے ماہنامہ ''الاصلاح'' میں ایک مسئلہ حوض کی پیمائش کے متعلق مذکور ہے، اس میں لکھا ہے: حوض دہ دردہ ہونا چاہیے اور دہ وردہ کا مطلب ۶۰/مربع فٹ ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ دہ دردہ کا مطلب دس بائی دس گز ہے اور ایک گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، تو اس حساب سے شرعی حوض ۱۵/بائی ۱۵/رفٹ کا ہوگا، اور اس کا مربع جب ہم نکالتے ہیں، تو ۲۲۵=۱۵×۱۵ (دوسو پچیس) مربع فٹ نکلتا ہے۔ پس ۶۰/مربع فٹ جو اس میں لکھا ہے، وہ کس حساب سے ہے؟ ممکن ہے ہمیں سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہو، درخواست ہے کہ صحیح صورت حال کی وضاحت فرمادیں۔

مستفتی: محمد اسماعیل وڈیا

الجواب حامداو مصلیا:

برادر عزیز مولانا محمد صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے، مذکورہ پرچہ کی طباعت میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب قدس سرہ نے ایک مختصر رسالہ ''اوزان شرعیہ'' کے نام سے لکھا ہے، جس پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ، اور مظاہر علوم کے صدر مفتی حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ وغیرہ اکابرین امت کے تصدیقی دست خط بھی موجود ہیں، اس کے صفحہ: ۳۳تا۳۶/ پر اس سلسلہ میں کافی تفصیل موجود ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

عرب میں دو قسم کے ''ذراع'' مستعمل تھے، ایک ذراع کرباس (کپڑے ناپنے کا گز) دوسرا ذراع مساحت (زمین ناپنے کا گز) ذراع مساحت حسب تصریح قاضی خان وغیرہ سات مشت (مٹھی) ہیں، جن میں

ہر ایک مٹھی کے ساتھ انگوٹھا بھی کھڑا ہو۔ (کذا فی البحر الرائق: ۱/۸۰، بحث المیاہ)

اور یہ مٹھی، جس پر انگوٹھا کھڑا ہو، آج کل کی پیمائش کے حساب سے چھ انچ ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس طرح کی دو مٹھی کا فٹ قرار دیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ذراع مساحت' ساڑھے تین فٹ یا بیالیس انچ کا ہوتا ہے، جو انگریزی گز سے چھ انچ زیادہ ہے؛ لیکن فقہاء کے کلام میں عموماً جس جگہ ذراع کا لفظ بولا گیا ہے، ذراع مساحت مراد نہیں؛ بل کہ ذراع کرباس مراد ہوتا ہے، اور بعض مواضع میں فقہاء کا اختلاف بھی رہا ہے، کہ بعض نے اس میں ذراع کرباس مراد لیا، بعض نے ذراع مساحت، جیسا کہ ماء (پانی) کثیر کی بحث اور دہ دردہ کی تعیین میں قاضی خانؒ نے ذراع مساحت کو اختیار کیا ہے؛ لیکن جمہور فقہاء، صاحب ہدایہ اور عامہ متون و شروح نے اس جگہ بھی ذراع کرباس ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور ذراع کرباس بھی دو قسم کا مشہور ہے، متقدمین میں ۳۲/انگشت کا ذراع معروف ہے، اور متاخرین میں ۲۴/انگشت کا، انگشت سے مراد یہ ہے کہ ۴/انگلیاں ملا کر رکھی جاویں اور انگوٹھا اس کے ساتھ شامل نہ کیا جائے، پھر چار ان کی برابر، اور پھر اسی طرح ۴، یہاں تک کہ ۳۲ یا ۲۴ ہو جاویں، اور چوں کہ ایک مشت (مٹھی) بھی ۴/انگشت ہوتی ہے؛ اس لیے متقدمین کا ذراع آٹھ مشت (مٹھی) اور متاخرین کا چھ مشت کا ہوگا۔ عامہ کتب مذہب، متون و شروح اور فتاویٰ میں متاخرین کا ذراع مستعمل ہے، اسی پر سب حسابات شرعیہ قائم کیے گئے ہیں، یعنی ۶/مشت یا ۲۴/انگشت کا ایک ذراع: و ذلك لما في تيمم الهندية بعد قوله أقرب الاقوال: كل ذراع أربع وعشرون أصبعا وعرض كل أصبع ست حبات شعير ملصقة ظهر البطن. هكذا في التبيين. (عالم گیری: ۱/۲۸، ط: دار الفکر، الطبعة الثانیة: ۱۳۱۰ھ) و في مياه البحر الرائق: اختلف المشايخ في الذراع على ثلاثة أقوال ففي التجنيس المختار ذراع الكرباس، واختلف فيه ففي كثير من الكتب أنه ست قبضات ليس فوق كل قبضة إصبع قائمة فهو أربعة وعشرون إصبعا بعدد حروف لا إله إلا الله محمد رسول الله والمراد بالإصبع القائمة ارتفاع الإبهام كما في غاية البيان. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۱/۸۰، ط: دار الكتاب الإسلامي) و مثله في تيمم البحر عن الينابيع و ذكر أنه ذراع العامة و في حاشية البحر (منحة الخالق) للشامي هناك أنه هو المعول وعزاه إلى الرملي صاحب الخيرية. (بحر: ۱/۱۴۷☆ مزید دیکھیے، شامی: ۱/۱۹۶، کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، مطلب فی مقدار الذراع وتعیینہ، ط: ایچ، ایم سعید، پاکستان)

عبارات مرقومہ بالا سے واضح ہوگیا کہ قول معتمد فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ پانی کی مساحت کے متعلق دہ در دہ کے مسئلے میں ذراع کرباس معتبر ہے اوراس کی صحیح وراجح پیمائش ۲۴/انگلیاں یا ۶/مشت ہے، اور یہ بعینہ وہ مقدار ہے، جس کو ہمارے عرف میں ایک ہاتھ کہا جاتا ہے، چناں چہ مغرب میں (جس میں خاص فقہی کے لغت جمع کیے گئے ہیں) ہے: **(الذراع) من المرفق إلى أطراف الأصابع ثم سمي بها الخشبة التي يزرع بها ... والذراع المكسرة ست قبضات وهي ذراع العامة وإنما وصفت بذلك لأنها نقصت عن ذراع الملك بقبضة وهو بعض الأكاسرة لا الأخير وكانت ذراعه سبع قبضات.** (المغرب - أبو الفتح برهان الدين الخوارزمي المطرزي (م: ۶۱۰ھ): ۱/ ۱۷۴، الذال مع الراء المهملة، ط: دار الكتاب العربي)

مُغرب کی اس تحریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ البحر الرائق، بحث المیاہ، میں جو قول ولوالجی سے نقل کیا ہے، کہ سات مشت کا ایک ذراع ہوتا ہے، یہ اس قدیم ذراع کی پیمائش ہے، جو آخری کسری ملک فارس کا ذراع ہے، اور اسلام میں جو ذراع رائج ہوا وہ ایک مٹھی کم یعنی ۶/مٹھی یا ۲۴/انگلیوں کا ذراع ہے، اور یہی معتبر و مستند ہے اور عرب اور فقہاء کی سذاجت وسادگی کا بھی یہی مقتضی ہے، کہ ان کے کلام میں ذراع سے یہی ذراع مراد ہو؛ کیوں کہ وہ ذراع طبعی (یعنی ایک ہاتھ) کی صحیح مقدار ہے، اور یہ ذراع انگریزی گز سے نصف یعنی ڈیڑھ فٹ یا ۱۸/انچ ہوتا ہے، جیسا کہ عام طور پر چکرورتی (علم حساب) میں اس کی تصریحات الفاظ ذیل میں موجود ہیں:

۱۔ [۹/انچ = ایک بالشت] ۲۔ [۲/بالشت یا ۱۸/انچ = ایک ہاتھ]

۳۔ [دو ہاتھ = ایک گز] ۴۔ [ایک گز = ۳/فٹ یا ۳۶/انچ]

خلاصہ یہ ہے کہ رائج الوقت انگریزی گز اور فٹ کے اعتبار سے:

ذراع مساحت = ایک گز ۶/انچ یا ساڑھے تین فٹ یا بیالیس انچ ہے۔

ذراع کرباس = نصف گز یا ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ ہے۔

پانی کے مسائل میں ذراع کرباس معتبر ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

(اوزان شرعیہ: ۳۴۳، ط: مکتبہ امدادیہ سہارن پور)

لہٰذا دہ در دہ حوض جب مربع (چوکور) ہو، تو 15×15=225 کا ہوگا، اور لمبائی چوڑائی میں کمی بیشی

کے ساتھ اس طرح بھی ہوسکتا ہے: 30×7.50 =225 ، یا 60 × 3.50=225۔ جیسی سہولت ہو، بنا سکتے ہیں، اور یہی حساب صحیح ہے، کفایت المفتی میں یہی لکھا گیا ہے۔[1]

لہٰذا اصلاح میں جو دہ دردہ کا مطلب ۶۰/ مربع فٹ بیان کیا گیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، اور امکان ہے کہ طباعت کی غلطی ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] حوض کی مختلف شکلوں میں ان کا حساب کیا ہونا چاہیے؟

۴۹۱-سوال: ہمارے یہاں مسجد کا ایک حوض ہے جس کی لمبائی ساڑھے ستائیس فٹ اور چوڑائی سوا چودہ فٹ ہے، اس کا کل رقبہ اس حساب سے ۳۹۱/ تین سو اکانوے مربع فٹ ہے، اس حوض کا بعض حصہ چھت کے بالمقابل ہے اور بعض حصہ کھلا ہوا ہے، چھت کے بالمقابل حصے کو ہوا بالکل نہیں ملتی ہے، کیوں کہ چھت کا نیچے والا حصہ پانی کی اوپر کی سطح سے بالکل لگ چکا ہے، لوگ کھلی جگہ میں بیٹھ کر لوگ وضو کرلیا کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کفایت المفتی میں لکھا ہے کہ اس طرح کے حوض کا کل رقبہ ۲۲۵/ مربع فٹ ہونا چاہیے۔[2] اور فتاوی رحیمیہ میں لکھا ہے کہ گول حوض کا رقبہ ۳۶/ چھتیس گز ہونا چاہیے۔[3] اور تعلیم الاسلام میں لکھا ہے کہ ۵۴/ فٹ ہونا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے اس حوض کو کون سا حوض شمار کریں؟ اگر ہمارا حوض گول شمار نہ ہو، تو لمبا گول شمار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کا حساب کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہب حنفی کے مطابق ماء کثیر اس پانی کو کہا جاتا ہے جو 10×10=100 گز ہو، جو ہمارے حساب سے 15 × 15، یعنی 225 مربع فٹ ہونا ضروری ہے، لمبا چوکور ہو، تو: 30×7.50 =225، یا 60 × 3.50=225 ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حوض کیسا بھی ہو، اس کا کل رقبہ 225/ دو سو پچیس مربع (اسکوائر) فٹ ہونا ضروری ہے۔ اگر گول حوض ۳۶/ چھتیس گز ہوگا، تو بھی اس کا کل رقبہ 225 مربع (اسکوائر) فٹ ہی ہوگا، گولائی میں ۵۴/ چون فٹ کا رقبہ ہوگا، تو بھی ۲۲۵/ مربع فٹ کا ہی ہوگا؛ لہٰذا آپ کی

(۱) کفایت المفتی: ۲/ ۲۹۲، حوض اور کنویں کے احکام، ط: زکریا بک ڈپو- دیو بند۔

(۲) دیکھیے: کفایت المفتی: ۲/ ۲۹۲، حوض اور کنویں کے احکام، ط: زکریا بک ڈپو، دیو بند۔

(۳) اور اگر حوض مدور (گول) ہے، تو اس کا محیط (گھیراو) چھتیس گز ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/ ۳۸، کتاب الطہارت، اگر پانچ ہاتھ چوڑا اور بیس ہاتھ لمبا حوض ہو، تو وہ دہ دردہ ہے۔ مسئلہ نمبر: ۳۲۔)

مسجد کے حوض کو حوض کبیر شمار کیا جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ ۲۷/۱۱/۱۹۸۹ء

[۳] کولا واٹر کے صابن کا حکم

۴۹۲-سوال: کولا واٹر کو بدن پر لگانے کے بعد اس کا دھونا ضروری ہوتا ہے، تو کیا جو لوگ کولا واٹر کا صابن استعمال کرتے ہیں، ان کا غسل صحیح ہوجاتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اس سے غسل صحیح نہیں ہوتا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کولا واٹر کا صابن اگر ناپاک چیزوں سے بنایا جاتا ہو، اس طور پر کہ اس ناپاک چیز کی ماہیت نہ بدلی ہو، تو وہ ناپاک ہے اور اس سے غسل کرنا درست نہیں ہے۔[2] اور اگر وہ پاک چیزوں سے بنایا جاتا ہے،

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے سوال سابق کا تفصیلی جواب بہ عنوان: شرعی حوض کی پیمائش۔ ☆ مزید دیکھیے: کفایت المفتی: ۲/ ۲۹۲، حوض اور کنویں کے احکام، ط: زکریا بک ڈپو، دیوبند ☆ فتاویٰ رحیمیہ: ۴/ ۳۸، کتاب الطہارت، دارالاشاعت، پاکستان۔

في النهر: وأنت خبير بأن اعتبار العشر أضبط ولا سيما في حق من لا رأي له من العوام، فلذا أفتى به المتأخرون الأعلام: أي في المربع بأربعين، وفي المدور بستة وثلاثين، وفي المثلث من كل جانب خمسة عشر وربعا وخمسا بذراع الكرباس، ولو له طول لا عرض لكنه يبلغ عشرا في عشر جاز تيسيرا، ولو أعلاه عشرا وأسفله أقل جاز حتى يبلغ الأقل، ولو بعكسه فوقع فيه نجس لم يجز حتى يبلغ العشر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۱۹۳- ۱۹۴، فصل في المياه، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) لیکن اگر انقلاب ماہیت کا تحقق ہوجائے تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جائے گا:

والأعيان النجسة تطهر بالاستحالة عندنا، وذلك مثل الميتة إذا وقعت في المملحة، فاستحلت حتى صارت ملحا، والعذرة إذا صارت ترابا أو أحرقت بالنار وصارت رمادا، فهي نظير الخمر إذا تخللت أو جلد الميتة إذا دبغت فإنه يحكم بطهارتها للاستحالة، وذكر في الفتاوى أن رأس الشاة لو أحرق حتى زال الدم يحكم بطهارته، وكذا البلة النجسة في التنور تزول بالإحراق. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۷۶، باب الاستنجاء، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق- القاهرة ☆ البحر الرائق: ۱/ ۲۳۹، باب الأنجاس، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۲۶، باب الأنجاس، مطلب: العرقي الذي يستقطر من دردي الخمر نجس حرام، ط: دار الفكر-بيروت)

(وكذا يطهر حمار وقع في المملحة فصار ملحا) لانقلاب العين، وهو من المطهرات فإن كان من الخمر فلا خلاف في الطهارة، وإن كان من غيرها كالخنزير يطهر عند محمد خلافا لأبي يوسف. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۱/ ۶۱، باب الأنجاس، ط: دار إحياء التراث العربي)

تو پاک ہے اور اس سے غسل درست ہے، یہی حکم کولا واٹر کا بھی ہے، اور جب تک کسی قسم کا کوئی ثبوت نہ ہو، محض شبہ کی بنیاد پر اسے ناپاک نہیں کہا جائے گا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] بیت الخلاء کے کنویں اور پانی کے کنویں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

۴۹۳-سوال: ہمارے یہاں کرنج میں ایک شخص اپنی زمین میں پانی کا کنواں کھودنا چاہتا ہے اور ساتھ میں اسی زمین میں بیت الخلاء بھی بنانا چاہتا ہے، تو بیت الخلاء کے ٹینک اور پانی کے کنویں کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا شرعاً ضروری ہے؟ واضح رہے کہ اس زمین کی لمبائی جس میں یہ دو کنویں کھودے جانے ہیں، ۵۵ فٹ ہے، امید ہے کہ جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔ نیز درخواست ہے کہ ایسا کوئی عمل بتائیں، جس سے میٹھا پانی نکلے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی کے کنویں اور نجاست کے کنویں کے درمیان مسافت کے متعلق علماء نے کوئی قطعی بات نہیں لکھی ہے، اس کا مدار زمین کی نرمی اور سختی پر ہے، نرم زمین میں اگر دس فٹ کا فاصلہ ہوگا، تب بھی نجاست کا اثر پہنچنے کا امکان رہے گا اور اگر پتھریلی اور سخت زمین ہوگی، تو چھ، سات فٹ کی دوری پر بھی اثر نہیں پہنچے گا؛ اس لیے وہ دور ہو یا قریب، اگر نجاست کے اثر سے پانی کے رنگ، بو یا مزہ میں تبدیلی آجائے، تو کنویں کا سارا پانی ناپاک ہوجائے گا، اور جب تک یہ اثر نہ آئے، پانی پاک رہے گا؛ لہٰذا کرنج کی زمین اگر نرم ہو، پتھریلی اور سخت نہ ہو، تو ۱۵ سے ۲۰ فٹ کا فاصلہ رکھنا بہتر ہے۔[2]

---

(۱) قال ابن عابدين (م: ۱۲۵۲ھ): في التتارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر مالم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والجباب الموضوعة في الطرقات ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار؛ وكذا ما يتخذه أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب اهـ ملخصا. (رد المحتار: ۱/۱۵۱، مطلب نواقض الوضوء، كتاب الطهارة، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء)
☆الأصل في الأشياء الإباحة. (قواعد الفقه: -محمد عميم الإحسان المجددي البركتي: ۵۹، قاعده نمبر: ۳۳، ط: الصدف پبلشرز - كراتشي، الطبعة الأولى: ۱۴۰۷-۱۹۸۶ء، ☆مزید دیکھیے: رد المحتار: ۱/۱۰۵، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

(۲) في الدر المختار: [فرع] البعد بين البئر والبالوعة بقدر ما لا يظهر للنجس أثر. وقال ابن عابدين: (قوله البعد إلخ) اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية خمسة أذرع، وفي رواية سبعة. =

اور میٹھا پانی نکلے، اس کا عمل یہ ہے کہ طلب خیر کی نیت کرے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں اور میرے لیے صدقۂ جاریہ ہو، ان شاء اللہ میٹھا پانی نکلے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] مسجد کا کنواں، گندے نالے سے کتنے فاصلے پر کھودا جائے؟

۴۹۴-سوال: ہمارے یہاں مسجد کے استعمال کے لیے ایک پانی کا کنواں کھودنا ہے؛ مگر مشکل یہ ہے کہ اس کے ایک طرف بیت الخلاء کا کنواں ہے، تو اس صورت میں پانی کا کنواں اُس (بیت الخلاء کے کنواں) سے کتنا دور رکھیں؟ بیت الخلاء کے کنویں سے ۱۰ یا ۱۵ فٹ فاصلہ پر کنواں کھودا جائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب لکھ کر رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

شامی میں لکھا ہے کہ پانی کا کنواں بیت الخلاء کے کنویں سے اتنے فاصلہ پر ہو کہ ناپاکی کا کوئی اثر پانی کے کنویں میں نہ پایا جائے، اثر سے مراد، رنگ، مزہ اور بو ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ہر جگہ کی زمین یکساں نہیں ہوتی، بعض جگہ زمین نرم اور بعض جگہ سخت ہوتی ہے، اور زمین کی نرمی اور سختی نجاست کے سرایت کرنے اور نہ کرنے میں اثر انداز ہوتی ہے، جہاں زمین نرم ہو، وہاں دور تک نجاست سرایت کرتی ہے اور جہاں زمین سخت ہو، وہاں نجاست دور تک سرایت نہیں کرتی ہے، الغرض نجاست کتنی دور تک سرایت کرتی ہے، اس کا دار و مدار زمین کی سختی اور نرمی پر ہے؛ اس لیے حتمی طور پر ہر جگہ کی ایک ہی مقدار متعین نہیں کی جاسکتی؛ اس لیے کسی اہل تجربہ و اہل بصیرت سے دریافت کرنا چاہیے۔ ہمارے دیار میں کنویں کو بیت الخلاء کے کنویں سے ۱۵ رفٹ دور تو رکھنا ہی چاہیے، اگر اس سے زیادہ ہو، تو اور بہتر ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا ولو كان عشرة أذرع. وفي الخلاصة والخانية: والتعويل عليه وصححه في المحيط بحر. والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدره اعتبر حال أرضه. (رد المحتار مع الدر: ۲۲۱/۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الفكر-بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء)

(۱) قد تقدم تخريجه عن رد المحتار مع الدر: ۲۲۱/۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الفكر-بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء، تحت عنوان سابق.

[۶] کتا کنویں میں داخل ہو کر زندہ نکل جائے، تو کیا حکم ہے؟

۴۹۵-سوال: ہمارے گھر کے احاطے کے پیچھے ایک کنواں ہے، اس کا پانی پینے، نہانے اور دھونے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس میں چند دنوں پہلے ایک کتا گر گیا تھا، مگر اس کو زندہ ہی باہر نکال دیا گیا، اس کے بعد اس میں سے تین سو ساٹھ ڈول پانی نکالا گیا؛ پھر اس کا پانی غیر مسلم حضرات کے پینے اور ان کے دوسرے کام؛ مثلاً: ان کے تعمیری کام کے لیے استعمال ہوا، اب کنویں کا پانی مسلمانوں کے پینے اور ان کے استعمال کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اس پانی کو نہانے، دھونے اور پینے میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

غلام محمد یوسف لمبادا

الجواب حامداو مصلیا:

کتے کے بدن پر اگر کوئی ناپاکی لگی ہوئی ہو، یا اس کا منہ پانی کے اندر ایک مرتبہ بھی پہنچ گیا ہو، تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ [۱]

کنواں ناپاک ہو جائے، تو اس کو پاک کرنے کے لیے پورا پانی نکالنا ضروری ہوتا ہے، مثلاً کنویں میں اگر پانچ ہزار ڈول پانی تھا، مسلم اور غیر مسلم سب نے مل کر اپنے تعمیری کام اور کھیت کی سینچائی وغیرہ کے لیے پانچ ہزار ڈول پانی نکال دیا ہے، تو کنواں پاک ہو جائے گا؛ تھوڑا تھوڑا کر کے اگر الگ الگ دنوں میں پانی نکالا ہے، تب بھی کنواں پاک ہو جائے گا؛ خلاصہ یہ ہے کہ پورا پانی نکالنا ضروری ہے؛ جب تک پورا پانی نہیں نکالا جائے گا، کنواں پاک نہیں ہوگا۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۷] ''گرگٹ'' کنویں میں ملے، تو کیا حکم ہے؟

۴۹۶-سوال: ہمارے یہاں گاؤں کے کنویں میں جمعرات کو شام کے تقریباً ساڑھے چھ بجے

---

(۱) واعلم أنه (ليس الكلب بنجس العين) عند الإمام وعليه الفتوى...ولو أخرج حيا ولم يصب فمه الماء لا يفسد ماء البئر. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۰۸، كتاب الطهارة، باب المياة، فرع ما يخرج من دار الحرب كسنجاب إن علم دبغه بطاهر، ط: دار الفكر-بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء)

(۲) لو أخرج حيا وليس بنجس العين ولا به حدث أو خبث لم ينزح شيء إلا أن يدخل فمه الماء فيعتبر بسؤره، فإن نجسا نزح الكل وإلا لا هو الصحيح. (حوالہ سابق: ۱/ ۲۱۳، كتاب الطهارة، فصل في البئر)

ایک گرگٹ دیکھا گیا، دیکھنے والے شخص نے دوتین آدمیوں کو اطلاع دی؛ البتہ یہ لوگ دوسروں کو بتانا بھول گئے، اس کنویں کا پانی مسجد کی ٹنکی میں بھی آتا ہے، ٹنکی میں تھوڑا پانی پہلے سے ہوتا ہے؛ البتہ جیسے جیسے اس میں پانی کم ہوتا ہے، اس میں تھوڑا تھوڑا پانی کنواں سے آتا رہتا ہے اور ٹنکی بھرتی رہتی ہے، اس ٹنکی کے پانی سے لوگوں نے وضو کر کے مغرب، عشاء، فجر اور ظہر وغیرہ کی متعدد نمازیں پڑھی ہیں، اس کنویں کا پانی لوگوں کے گھروں میں بنی ہوئی ٹنکیوں میں بھی جاتا رہتا ہے، انہوں نے بھی اس پانی سے وضو اور غسل کیا ہے، اور دوسرے کاموں میں بھی استعمال کیا ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس پانی سے وضو اور غسل کر کے جو نمازیں ادا کی گئی ہیں، اور جن کپڑوں کو دھویا گیا ہے، ان کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداومصلیا:

حضرات صاحبین کے مسلک کے مطابق کنویں میں مرا ہوا جانور جس وقت سے دیکھا گیا ہے، اس وقت سے کنویں کے ناپاک ہونے کا حکم لگایا جائے گا؛ اس لیے کنویں میں گرگٹ دیکھنے سے پہلے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ نہیں کیا جائے گا، اسی طرح اس پانی کے ذریعہ کیے گئے غسل صحیح اور دھوئے گئے کپڑے پاک ہوں گے؛ البتہ گرگٹ کے گرنے کا جب علم ہوا، اس وقت سے پانی ناپاک سمجھا جائے گا، اس کے بعد بھی اگر لوگوں نے وضو یا غسل کیا ہے، یا کپڑے دھونے میں اس پانی کو استعمال کیا ہے، تو نہ وضو اور غسل صحیح ہوگا اور نہ ہی کپڑے پاک ہوں گے، اور اس وضو یا غسل سے جتنی نمازیں ادا کی گئی ہیں، ان سب کا اعادہ ضروری ہوگا۔

اگر مرے ہوئے گرگٹ کے دیکھنے کے بعد مسجد اور گاؤں کے لوگوں کی ٹنکیوں میں اس کنویں کا پانی نہ آیا ہو، تو ان کی ٹنکیاں پاک رہیں گی، ان کو اپنے غسل اور نمازوں کے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے، گرگٹ دیکھنے کے بعد اگر پانی ٹنکیوں میں آیا ہو، تو وضو، غسل اور نمازوں کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا۔ لوگوں کی آسانی کی خاطر حضرات صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر فتوی دیا گیا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۴/ ۲/ ۱۹۷۷ء)

---

(۱) (ويحكم بنجاستها) مغلظة (من وقت الوقوع إن علم، وإلا فمذ يوم وليلة إن لم ينتفخ ولم يتفسخ) وهذا (في حق الوضوء) والغسل؛... أما في حق غيره كغسل ثوب فيحكم بنجاسته في الحال. وقالا: من وقت العلم فلا يلزمهم شيء قبله، قيل وبه يفتى. قال ابن عابدين: (قوله قيل وبه يفتى) قائله صاحب الجوهرة. وقال العلامة قاسم في تصحيح القدوري: قال في فتاوى العتابي: قولهما هو المختار. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۹ - ۲۱۸، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

نوٹ: فقہاء کے یہاں گرگٹ (سام ابرص) وہ ہے جس کی دم دراز ہوتی ہے، اور جو مختلف طرح کے رنگ بدلتا رہتا ہے، یہ عموماً =

[۸] ناپاک کنویں کو پاک کرنے کی صورت

۴۹۷-سوال: ہمارے گاؤں میں ایک غیر آباد کنواں ہے، پہلے اس میں بقر عید کے موقع پر قربانی کے جانوروں کی ہڈیاں اور اوجھ وغیرہ ڈالی جاتی تھیں، مگر اب دو سال سے اس میں ہڈیاں اور اوجھ تو نہیں ڈالی جاتی ہیں، البتہ حیض ونفاس کے ناپاک کپڑے اور دوسری نجاستیں ابھی تک ڈالی جاتی ہیں، اس کنویں کو پاک کرنے کے لیے صرف اس میں سے پانی نکالا گیا ہے، کنویں کو صاف نہیں کیا گیا ہے، اور جو پانی نکالا گیا ہے، وہ بھی بدبودار ہے، پانی نکالنے کے بعد بھی کنویں میں ہڈی وغیرہ نظر آتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ کنواں محض پانی نکالنے سے پاک ہوجائے گا، یا اسے صاف بھی کرنا پڑے گا؟

الجواب حامداومصلیا:

نجاست کنویں میں گر جائے، اور اس کو نکالنے کے بعد کنویں کا پانی نکال دیا جائے، تو کنواں پاک ہوجاتا ہے۔ ہاں اگر کنویں کو صاف کرنا اور اس میں گری ہوئی اشیاء مثلاً ناپاک کپڑوں کو نکالنا دشوار ہو، تو کنویں کو صاف کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

صورت مسئولہ میں جب کنویں کا پورا پانی نکالا گیا، تو اس کنویں میں ڈالی گئی نجس اشیاء کو بھی نکالنا ضروری تھا، سوال میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس کنویں میں اوجھ بھی ڈالی جاتی رہی ہے، جس میں نجاست بھری ہوئی ہوتی ہے؛ لہٰذا جب تک کنویں میں نجاست، مردہ جانور یا اس کا گوشت موجود ہوگا، اس وقت تک وہ کنواں ناپاک رہے گا، ہاں اگر ان نجاستوں کے گرنے پر اتنی مدت گذر گئی، کہ اب وہ ساری نجاستیں کیچڑ سے بدل چکی ہیں، (جس کی مقدار چھ مہینے ہے) تو کنواں صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہڈیاں جو کنویں میں رہ گئی ہیں، وہ پاک ہیں، البتہ پھر بھی نکال لینا بہتر ہے اور اگر نہ نکالی گئیں، تب بھی پانی نکالنے کے بعد

= جنگلوں میں رہتا ہے، یہ دموی جانور ہے، اور اس کے کنویں میں گرنے سے کنواں ناپاک ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور جانور ہے، جسے "وزغ" یعنی چھپکلی کہتے ہیں، اور یہ دو طرح کی ہوتی ہے، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، بڑی چھپکلی میں خون ہوتا ہے، بڑی چھپکلی کنویں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہوتا ہے، چھوٹی سے نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: منتہی الارب: ۴/ ۳۰۴، باب الواو، فصل الزاء، ادارہ اسلامیات، لاہور☆ غیاث اللغات: ۵۴۲، فصل واؤ مع زاء معجمہ)

فتاویٰ محمودیہ (۵/ ۱۵۱، ناشر: ادارہ صدیق، ڈابھیل، ۲۰۰۷ء) میں ہے: جو چھپکلی عامۃً ہمارے دیار میں چھت پر ہوتی ہے، وہ چھوٹی ہی ہے۔

کنواں پاک ہوجائے گا۔

پانی میں بدبو اگر نجاست کی وجہ سے ہو، تو نیا پانی بھی ناپاک ہوگا، تاہم کبھی کنویں کے ویران پڑے رہنے کی وجہ سے بھی بدبو پیدا ہوجاتی ہے، اگر پانی نکالنے کے بعد بھی اس قسم کی بدبو آرہی ہو، تو پانی پاک ہے۔

البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ ہڈیاں، کپڑے اور دوسری نجس اشیاء کنویں سے نکالنے کے بعد دوبارہ پانی نکال لیا جائے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] دوائی یا اس جیسی صاف کرنے والی دوسری چیز پانی میں ڈال کر کپڑے دھونا

۴۹۸-سوال: اگر پانی میں دوا، پٹرول، مٹی تیل یا اسپرٹ وغیرہ ڈال کر کپڑے دھوئے جائیں، تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوا، پٹرول، مٹی تیل، اسپرٹ یا اس جیسی کوئی دوسری چیز، جس سے مقصد صرف نظافت ہے، ان کو پانی میں ملا دیا جائے، پھر اس کے ذریعے کپڑے صاف کیے جائیں اور کپڑوں کا میل کچیل دور کیا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۷/۹/۱۹۸۶ء)

---

(۱) إذا وقعت نجاسة... في بئر دون القدر الكثير... أو مات فيها... حيوان دموي غير مائي وانتفخ... أو تفسخ... ينزح كل مائها، الذي كان فيها وقت الوقوع، ذكره ابن الكمال، بعد إخراجه، لا إذا تعذر كخشبة أو خرقة متنجسة، فينزح الماء إلى حد لا يملأ نصف الدلو يطهر الكل تبعا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۱۱-۲۱۲) وفي الشامية: وأشار بقوله متنجسة إلى أنه لا بد من إخراج عين النجاسة كلحم ميتة وخنزير. اهـ ح. قلت: فلو تعذر أيضا ففي القهستاني عن الجواهر: لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن إخراجه فمادام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم أنه استحال وصار حمأة، وقيل: مدة ستة أشهر. اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۲۱۲، فصل في البئر، باب المياه، كتاب الطهارة، ط: دار الفکر- بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء)

(۲) (يطهر المتنجس) ثوبا كان أو غير (عن) نجاسة (مرئية بزوال عينها و) زوال (أثرها) كاللون، والرائحة (إن لم يشق) عليه (زواله) بأن لا يحتاج إلى الصابون ونحوه فإن الآلة المعدة لقلع النجاسات هي الماء فإذا احتيج إلى شيء آخر يشق عليه ذلك (بالماء) متعلق بقوله بزوال (وبمائع مزيل) أي من شأنه الإزالة بأن يكون إذا عصر انعصر (كالخل ونحوه) كماء الورد (بخلاف نحو اللبن) كالدهن فإن فيه دسومة لا تنعصر عن الثوب فيبقى بنفسه في الثوب فلا يزيل غيره. (درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو =

[۱۰] حوض سے وضو کرنے میں حقارت محسوس کرنا

۴۹۹-سوال: اکثر لوگ حوض میں وضو کرنے میں حقارت محسوس کرتے ہیں؛ کیوں کہ مسجد کے شرعی حوض میں وضو کرتے وقت اکثر لوگ بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں، ان کے پاؤں کا میل، ریت کے چھینٹے، کلی کا پانی وغیرہ حوض میں جاتا ہے، تو حوض سے وضو کرنے میں حقارت محسوس کرنا کیسا ہے؟ اور جب شریعت نے حوض کو ایک مقام دیا ہے، تو حوض میں وضو کرنے کے کچھ فضائل بھی ہونے چاہیے، نیز کیا حوض میں وضو کی کوئی خصوصیت ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

حوض، نہر یا نل سے وضو کرنا سب برابر ہے، ثواب کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہاں نہر سے وضو کرنا اس حیثیت سے افضل ہے کہ اس کا پانی جاری ہے اور جاری پانی نجاست گرنے کے بعد بھی پاک رہتا ہے؛ کیوں کہ نجاست آگے بہہ کر ختم ہوجاتی ہے، حوض میں بھی ناپاکی کا خطرہ نہیں؛ کیوں کہ حوض کو اتنا بڑا بنایا جاتا ہے کہ نہر کی طرح ماء جاری کے حکم میں آجاتا ہے؛ لہٰذا اس میں اگر کوئی ناپاکی گرجائے، تو جب تک نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ کا اثر پانی میں ظاہر نہ ہو، اس وقت تک وہ پاک ہی شمار ہوگا۔ حوض کو گندگی سے بچانا بہتر ہے؛ لیکن لوگوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے وہ ناپاک نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس میں وضو کرنے کو حقیر سمجھنا ٹھیک نہیں۔ یہ معتزلہ کا عقیدہ ہے؛ اس لیے اہل سنت حوض سے وضو کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں، اور اہل سنت جس کام کو بہتر سمجھیں، اس کا کرنا بہتر ہے؛ لہٰذا حوض میں وضو کرنے سے کترانا ٹھیک نہیں، پانی کی ٹنکی چھوٹی ہوتی ہے، جس میں نجاست گرنے کی وجہ سے پانی کے ناپاک ہونے کا بھی احتمال ہوتا ہے، اگرچہ اس احتمال کا کوئی

=المولی-خسرو (م:۸۸۵ھ):۱/ ۳۴، کتاب الطهارة،باب تطهير الأنجاس،ط:دار إحياء الكتب العربية)
فأما إذا كان شيئا يطبخ الماء به أو يخلط لزيادة التطهير فإنه لا يمنع التوضي به وإن تغير لون الماء وطعمه وذلك نحو ماء الصابون وماء الأشنان إلا إذا صار غليظا لا يمكن تسييله على العضو فإنه لا يجوز لأنه زال عنه اسم الماء ومعناه وهذا كله في غير حالة الضرورة، فأما عند الضرورة فيجوز التوضي به. (تحفة الفقهاء-محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰ھ):۱/ ۶۷، كتاب الطهارة، باب النجاسات،ط: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان،طبع دوم: ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۴ء)
نوٹ: جب اس طرح کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے تو کپڑے دھونا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

اعتبار نہیں، مگر حوض میں ایسا کوئی احتمال نہیں۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] دہ دردہ حوض کا پانی ناپاک ہوگا؟

۵۰۰-سوال: مسجد کے کنویں سے نالی تقریبا ۲۵ رفٹ دور واقع ہے، اس کے باوجود اس کا پانی مسجد کے کنویں میں گرنے لگا ہے، گرچہ گرنے والے پانی کی مقدار زیادہ نہیں ہے، صرف بند نل سے پانی ٹپکنے کی طرح معمولی مقدار میں ہے۔

تحقیق اس طرح ہوئی کہ وضو کے نل کے پانی میں بدبو کا بعض لوگوں نے احساس کیا، جس کے نتیجے میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ نالی کا پانی کنویں میں گر رہا ہے۔ اس کنویں کا پانی حوض میں آتا ہے، مگر حوض کی مقدار دہ دردہ سے زیادہ (۱۵×۱۵=۲۲۵، مربع فٹ) ہے، جس کی وجہ سے اس میں بدبو ظاہر نہیں ہوئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ پانی کی ٹنکی کے ساتھ حوض کا پانی بھی ناپاک ہوگا یا نہیں؟

فی الحال نالی کو صاف کر کے پلاسٹر کر دیا گیا ہے اور کنویں کی دراڑیں بھی بند کر دی گئی ہیں، جس کی بنا پر نالی کا پانی بھی بند ہوگیا ہے، تو ایسی صورت میں کنویں سے کتنا پانی باہر نکالنا ہوگا؟ اور حوض کے پانی میں بدبو نہیں آتی ہے؛ لیکن درحقیقت پانی کنویں میں سے ہی آتا ہے؛ لہٰذا جب کنویں کا پانی ناپاک ہوگیا ہے۔ تو حوض کا پانی نکالنا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

جب تک حوض کے پانی کے اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو، مزہ) میں سے کوئی ایک وصف نہ بدل جائے، اس وقت تک حوض کا پانی پاک شمار ہوگا؛ لیکن جب ان اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف بدل جائے، تو حوض کا پانی ناپاک شمار ہوگا۔ [۲]

---

(۱) وفي فوائد الرستغفني: التوضؤ بماء الحوض أفضل من النهر؛ لأن المعتزلة لا يجيزونه من الحياض فنرغمهم بالوضوء منها اهـ.ــــــ وهذا إنما يفيد الأفضلية لهذا العارض ففي مكان لا يتحقق النهر أفضل كذا في فتح القدير. (البحر الرائق: ۱/۹۱، كتاب الطهارة، أحكام المياه، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ الدر المختار مع الرد: ۱/۱۸۶، باب المياه، مطلب في أن التوضؤ من الحوض أفضل رغما للمعتزلة، ط: بيروت)

(۲) (و) يجوز (بجار وقعت فيه نجاسة و) الجاري (هو ما يعد جاريا) عرفا، وقيل ما يذهب بتبنة، والأول أظهر، والثاني (وإن) وصلية (لم يكن جريانه بمدد) في الأصح، . . . (إن لم ير) أي يعلم (أثره) فلو فيه جيفة أو بال فيه=

کنواں چھوٹا ہو، پانی کم ہو، موٹر لگا کر یا ڈول سے کھینچ کر کنویں کو صاف کیا جا سکتا ہو، تو پورا پانی نکال کر صاف کرنا ضروری ہوگا، اگر کنویں کے پانی کا سوت زور سے ابلتا ہو، اوپر سے پانی کھینچتے ہی سوت کا پانی بڑھ جاتا ہو اور پورا پانی نکالنا ممکن نہ ہو، تو اب پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اولاً کنویں کے پانی کو ناپ لیا جائے، اگر کنویں میں دس فٹ پانی ہے اور ایک گھنٹہ موٹر کے ذریعہ کھینچنے سے دو فٹ پانی کم ہوا ہو، تو پانچ گھنٹہ موٹر چلا کر پانی کھینچ لیا جائے، اس صورت میں کنویں کا سارا پانی نکل جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] بارش کا پانی نجاست سے گذر کر کنویں میں گرا ہو، تو کنواں ناپاک نہ ہوگا

۵۰۱-سوال: ہماری مسجد کا کنواں جو ۶۰ فٹ گہرا ہے اور ۴×۴ چوڑا ہے، جس میں ہمیشہ ۱۵ سے ۲۰ فٹ پانی رہتا ہے، اس کے پاس سے ایک گندے پانی کی نالی بہتی ہے، جس میں پیشاب خانہ کا پانی اور پیشاب بھی بہتا ہے، اب بارش ہونے کی وجہ سے کیچڑ پیدا ہو کر وہ نالی بند ہوگئی اور نالی کے گندے پانی کے ساتھ بارش کا پانی مل کر کنویں میں چلا گیا، فی الحال اس کنویں میں ۴۵ سے ۵۰ فٹ تک پانی ہے، جس میں نالی کا ناپاک پانی بھی شامل ہے، تو کنویں کا پانی پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ صورت میں بارش کا پانی نالی سے ہو کر کنویں میں گرا ہے، تو وہ ماء جاری ہے، لہٰذا پانی ناپاک نہیں ہوا، اگرچہ بارش کا پانی پیشاب پر سے گذرا ہو یا پیشاب کو لے کر بہا ہو، ایسے پانی کے کنویں میں گرنے کی وجہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوا، اس کو خالی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر بارش کے پانی میں نجاست یا پیشاب کی بو آ رہی ہو، یا پانی کا مزہ بدلا ہوا ہو، ایسا پانی کنویں میں واقعی طور گرا ہو، تو وہ کنواں

=رجال فتوضأ آخر من أسفله جاز ما لم ير في الجرية أثره (وهو) إما (طعم أو لون أو ريح). (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۱۸۷-۱۸۸، كتاب الطهارة، باب المياة، ط: بيروت)

(ويتغير أحد أوصافه) من لون أو طعم أو ريح (ينجس) الكثير ولو جاريا إجماعا، أما القليل فينجس وإن لم يتغير. (الدر مع الرد: ۱/ ۱۸۵، كتاب الطهارة، باب المياه، ط: بيروت)

(۱) (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (ينزح كل مائها)... (بعد إخراجه)... (وإن تعذر نزح كلها لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۱۲-۲۱۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ناپاک ہے، اس کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے، اگر ۴۵ فٹ پانی ہو، موٹر کے ذریعہ پانی نکالنا ہو، تو اگر ایک گھنٹے میں مثلاً ۱۰ فٹ پانی نکلتا ہو تو ساڑھے چار گھنٹے پانی نکالنا چاہیے، اس کے بعد اگر کنویں میں پانی جاری ہونے کی وجہ سے پانی باقی رہ جائے، تب بھی وہ پاک شمار ہوگا۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] کنویں میں کافر داخل ہوجائے یا غیر ماکول اللحم جانور مرجائے، تو کیا حکم ہے؟

۵۰۲-سوال: ایک کنویں میں ایک جنگلی بلی گر گئی، وہ زندہ تھی، اس کو باہر نکالنے کے لیے ایک کافر کنویں میں اترا اور اس نے بلی کو مار کر باہر نکالا، تو کنویں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

صورت مسئولہ میں کنواں ناپاک ہوگیا، پہلی وجہ تو یہ کہ کافر کنویں میں اترا ہے، فتاویٰ شامی میں ہے کہ أن الکافر إذا وقع في البئر وهو حي نزح الماء."(جلد ا صفحہ ۱۹۷)[2]

دوسری وجہ یہ ہے کہ جنگلی بلی کو مارنے کی وجہ سے اس کا منہ پانی میں چلا گیا اور جنگلی بلی کا سؤر (جھوٹا) ناپاک ہے۔ (درمختار صفحہ ۲۰۶)[3] لہٰذا کنواں ناپاک ہوجائے گا، اور اس کا تمام پانی نکالنا پڑے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (و) یجوز (بجار وقعت فیه نجاسة)... (إن لم یر) أثره... (وهو) إما (طعم أو لون أو ریح). (الدر مع الرد: ۱/ ۱۸۷-۱۸۸)

(وإن تعذر) نزح كلها لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى، وقيل يفتى بمائة إلى ثلثمائة وهذا أيسر، وذاك أحوط. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۲۱۴-۲۱۵، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۲] [تتمة] نقل في الذخيرة عن كتاب الصلاة للحسن أن الكافر إذا وقع في البئر وهو حي نزح الماء. وفي البدائع: أنه رواية عن الإمام؛ لأنه لا يخلو من نجاسة حقيقية أو حكمية، حتى لو اغتسل فوقع فيها من ساعته لا ينزح منها شيء. أقول: ولعل نزحها للاحتياط، تأمل. (رد المحتار: ۱/ ۱۱۴، فصل في البئر، باب المياه، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۳] (و) سؤر (خنزير وكلب وسباع بهائم) ومنه الهرة البرية... (نجس) مغلظ. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۲۳، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۱۴] ناپاک پانی کنویں میں گرے، تو کنواں ناپاک ہوجائے گا

۵۰۳-سوال: ہمارے گاؤں کرنج میں ایک مسجد کے کنویں کا پانی وضو وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے، اس کے اندر سے کافی بدبو آنے لگی، لہٰذا اسے بند کر دیا۔ مذکورہ کنویں میں دو کچھوے اور ایک اس کا بچہ تھا، فی الحال وہ دکھائی نہیں دیتے، اس میں ایک بلی بھی داخل ہوگئی تھی، جس کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ مرگئی ہو، یا کسی حصے میں پھنس گئی ہو، ایک ہفتہ موٹر چلا کر اندازاً ۱۰۰۰ر (ایک ہزار) ڈول کے بہ قدر پانی نکال دیا گیا ہے، اب پانی مکمل صاف ہے اور بو بھی نہیں آتی ہے، تو کیا اس سے وضو کرنا جائز ہے؟

مذکورہ کنویں کے قریب تقریباً ۲۰-۲۲ رفٹ کے فاصلہ پر بیت الخلاء اور پیشاب خانہ کا کنواں ہے، پانی کی موٹر فٹ کرنے کے لیے جب مسجد کے کنویں کے اندرونی حصہ کو تھوڑا کندہ کیا گیا، تو پیشاب کے کنویں کا پانی مسجد میں ٹپکنے لگا، اب سوال یہ ہے کہ مسجد کے کنویں کا پانی شرعی اعتبار سے پاکی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

جو کچھوا پانی میں پیدا ہوا ہو اور اسی میں رہتا ہو، اس کے مرجانے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا؛ لیکن جو کچھوا بری و بحری دونوں میں رہتا ہے، اس کے مرنے سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔[۱]

حکم یہ ہے کہ جب کنواں ناپاک ہوجائے، تو اس کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے اور آپ نے کنویں کا پورا پانی نکال دیا ہے؛ اس لیے اب وہ پاک ہوگیا۔[۲]

(۱) (وإن مات فيه) أي الماء ولو قليلا (غير دموي كزنبور) وعقرب وبق: أي بعوض، ... (ومائي مولد) ولو كلب الماء وخنزيره (كسمك وسرطان) وضفدع إلا بريا له دم سائل، وهو ما لا سترة له بين أصابعه، فيفسد في الأصح كحية برية، إن لها دم وإلا لا ... (وينجس) الماء القليل (بموت مائي معاش بري مولد) في الأصح (كبط وإوز). [الدر المختار مع الرد: ۱/ ۱۸۳-۱۸۵، كتاب الطهارة، باب المياه، ط: بيروت]

ويتغير أحد أوصافه، من لون أو طعم أو ريح (ينجس) الكثير ولو جاريا اجماعا أما القليل فينجس وإن لم يتغير (الدر مع الرد: ۱/ ۱۸۵، كتاب الطهارة، باب المياة، ط: ايچ/ايم سعيد- پاكستان)

(۲) (إذا وقعت نجاسة) ... (في بئر دون القدر الكثير) ... (ينزح كل مائها) ... (بعد إخراجه) ... (وإن تعذر نزح كلها لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۱۲-۲۱۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

جو کچھوے کنویں کے اندر تھے اور مر کر ریزہ ریزہ ہو گئے، یا وہ بلی، جس کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ اسی میں مر کر ریزہ ریزہ ہو گئی، اور اس کی وجہ سے جو بو آرہی تھی، آپ نے اپنی استطاعت کے مطابق اسے تلاش کیا؛ لیکن ان میں سے کوئی چیز نہیں ملی اور نہ ہی دکھائی دیتی ہے؛ تو اس صورت میں کنویں کو پاک خیال کیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ پانی کے ساتھ اس کے سارے اجزاء نکل گئے۔[۳]

اگر پیشاب کے کنویں کا پانی مسجد کے کنویں میں ٹپکتا ہو، تو مسجد کا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔[۴] اور جب تک ناپاک پانی کا کنویں میں گرنا بالیقین معلوم نہ ہو اور رنگ، مزہ اور بو میں سے کوئی ایک وصف بھی نہ بدلا ہو، اس وقت تک کنویں کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔[۵]

پیشاب کے کنویں کو پانی کے کنویں سے اتنا دور رکھنا چاہیے، جس سے اس کا اثر کنویں میں نہ آئے، بعد و دوری کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔ زمین کی سختی و نرمی کے اعتبار سے بعد و دوری کی حد مختلف ہو سکتی ہے۔[۶]

اگر واقعی پیشاب کے کنویں کا پانی مسجد کے کنویں میں ٹپکتا ہو، تو پہلے اس جگہ کو پتھر اور سمینٹ وغیرہ سے بند کر دیا جائے، تاکہ پانی کا ٹپکنا بند ہو جائے، اس کے بعد کنویں کا پانی نکال لیا جائے، اس طرح کنواں پاک ہو جائے گا۔[۷] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۳) إذا وقعت في البئر نجاسة نزحت، وكان نزح ما فيها من الماء طهارة لها بإجماع السلف - رحمهم الله -. كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) دیکھیے حاشیہ نمبر ۲ و ۳۔

(۵) (وبتغير أحد أوصافه) من لون أو طعم أو ريح (ينجس) الكثير ولو جاريا إجماعا، أما القليل فينجس وإن لم يتغير. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۱۸۵، باب المياه، ط: بيروت)

(۶) في الدر المختار: [فرع] البعد بين البئر والبالوعة بقدر ما لا يظهر للنجس أثر. وقال ابن عابدين: (قوله البعد إلخ) اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية خمسة أذرع، وفي رواية سبعة. وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا ولو كان عشرة أذرع. وفي الخلاصة والخانية: والتعويل عليه وصححه في المحيط بحر. والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدره اعتبر حال أرضه. (رد المحتار مع الدر: ۱/ ۲۲۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الفكر - بيروت)

(۷) دیکھیے حاشیہ نمبر ۲ و ۳۔

[۱۵] نجاست کے احتمال کی وجہ سے کنواں ناپاک شمار ہوگا یا پاک؟

۵۰۴-سوال: ایک کنویں کا پانی استعمال نہیں ہوتا ہے، اور اس وجہ سے اُس میں درخت کے پتے، کپڑے اور دیگر کچڑے پڑے رہتے ہیں، جو پانی کی اوپری سطح پر تیرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اس کنویں کا پانی روزانہ دو یا تین ٹینکر نکال کر مکانات کی تعمیر میں استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح روزانہ تقریباً دو ہزار لیٹر پانی نکالا جاتا ہے، مفتیانِ کرام سے سنا گیا ہے کہ کنویں میں اگر چھوٹی ناپاکی گر جائے، تو دو سو سے تین سو ڈول پانی نکال دینے سے کنواں اور پانی پاک ہو جائیں گے، تو کیا اس قول کے مطابق ٹینکر کے ذریعہ پانی نکالے جانے کی وجہ سے یہ کنواں پاک شمار ہوگا یا ناپاک کہا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعتِ مطہرہ میں شکوک وشبہات کا کوئی اعتبار نہیں، جب تک ناپاکی کنویں میں نظر نہ آئے، اس وقت تک پانی پاک شمار ہوگا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] کنویں میں کوّا، گر کر مر جائے اور پھول جائے، تو کتنا پانی نکالا جائے گا؟

۵۰۵-سوال: مسجد کے احاطہ میں ایک کنواں ہے، جس کے پانی کا استعمال وضو اور استنجاء وغیرہ میں ہوتا ہے، اس کنویں میں ایک کوّا، گر کر مر گیا، بدبو آنے پر دیکھا گیا، تو وہ پھولا ہوا نکلا، اب تک پھٹا نہیں تھا، تو کیا اس کنویں کو پاک کرنے کے لیے اُس کا تمام پانی نکالنا ضروری ہے؟ یا کچھ مقدار میں پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوّا کنویں میں گرنے کے بعد مر کر پھول گیا ہو یا باہر مرنے کے بعد پھولا ہوا کوا کنویں میں گرا ہو،

---

(۱) ولو شك في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر، وتمامه في الأشباه. (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله: ولو شك إلخ) في التتارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والجباب الموضوعة في الطرقات ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار؛ وكذا ما يتخذه أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب اهـ ملخصا. (رد المحتار: ۱/۱۵۱، كتاب الطهارة، قبيل: مطلب في أبحاث الغسل، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

دونوں صورتوں میں کنویں کا پورا پانی نکالنا واجب ہے؛ لیکن اگر کنواں ایسا ہے کہ اس کا پورا پانی نکالنا مشکل ہے، تو دو ایسے دین دار آدمی، جن کو پانی کے باب میں صحیح اندازہ لگانے کی مہارت ہو، انہیں بلاکر اتنا پانی نکال دیا جائے، جتنا کنویں میں کوے کے پائے جانے کے وقت تھا، مثلاً جس وقت کوے کا مرکر پھول جانا معلوم ہوا، اُس وقت پچاس فٹ تک پانی تھا، تو اولاً کوے کو نکالنے کے بعد پچاس فٹ تک کا پانی نکالا جائے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ پہلی صورت کے مطابق پورا پانی خالی کر دیا جائے۔ (درمختار مع شامی: ۱/۱۵۶)[۱]
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] کنویں میں مرکر پھولا ہوا کوّا پایا جائے، تو کتنے دِن کی نماز کا اعادہ ضروری ہے؟

۵۰۶-سوال: ایک کنویں میں مرکر پھولا ہوا کوّا پایا گیا، تو اس کنویں کے پانی سے وضوء اور غسل کر کے جو نمازیں پڑھی گئی ہیں، اُن کے دہرانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

جانور مرکر پھول گیا ہے؛ اس لیے اگر اُس کے گرنے کا وقت معلوم ہو، تو اُس وقت سے، اور اگر گرنے کا وقت معلوم نہ ہو، تو تین دِن سے کنواں ناپاک سمجھا جائے گا؛ لہٰذا ان تین دِنوں کے دوران اُس پانی سے وضوء اور غسل کر کے جو نمازیں پڑھی گئی ہیں، اُن کا اعادہ ضروری ہے، نیز اُس پانی سے برتن یا کپڑے وغیرہ دھوئے گئے ہوں، تو اُن کو بھی پاک کرنا ضروری ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها) أو خارجها وألقي فيها ولو فأرة يابسة على المعتمد... كسقط (حيوان دموي) غير مائي لما مر (وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خارجها ثم وقع فيها(ينزح كل مائها) الذي كان فيها وقت الوقوع ذكره ابن الكمال (بعد إخراجه)... (وإن تعذر) نزح كلها؛ لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح ،قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى ،وقيل يفتى بمائة إلى ثلثمائة وهذا أيسر ، وذاك أحوط. (الدر مع الرد:۱/۲۱۱-۲۱۵ ، كتاب الطهارة ، فصل في البئر ،ط:دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) " وإن وجدوا في البئر فأرة أو غيرها، ولا يدري متى وقعت، ولم تنتفخ، ولم تتفسخ، أعادوا صلاة يوم وليلة، إذا كانوا توضئوا منها، وغسلوا كل شيء أصابه ماؤها، وإن كانت قد إنتفخت، أو تفسخت، أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله. وقالا: ليس عليهم إعادة شيء، حتى يتحققوا متى وقعت ". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر، الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن، برهان الدين (م:۵۹۳هـ):۱/۲۵، كتاب=

[۱۸] کنویں میں کوّا مر کر پھولا ہوا پایا جائے، تو کتنا پانی نکالا جائے گا؟

۵۰۷-سوال: ہمارے گاؤں کرنج کی مسجد کے کنویں میں ایک کوّا یا اُس کا بچہ مر کر پھولا ہوا پایا گیا، اُس کے کنویں میں گرنے کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے؛ اس لیے گاؤں کے لوگوں نے موٹر کے ذریعہ تقریباً پانچ یا چھ گھنٹے تک پانی نکالا، جس سے ۴۵؍منٹ میں ایک فٹ کے حساب سے پانی نکلا، مزید ستر ڈول پانی نکالے گئے؛ چوں کہ کنویں کی تہہ سے پانی مسلسل نکلتا رہتا ہے، اس لیے اُس کا مکمل خالی کرنا ممکن نہیں ہے، نیز کنواں بہت پرانا ہے اور اُس کی دیواریں کمزور ہیں، اس لیے بڑی موٹر کے ساتھ بڑا پائپ فٹ کر کے پانی نکالنے میں کنویں کی دیواریں ٹوٹ کر گر جانے اور کنویں کے ناقابلِ استعمال ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے جو پانی نکالا گیا، وہ کافی ہے؟ اور کیا اتنا پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا؟ یا کسی بھی شکل میں پورا پانی نکالنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مذکورہ کا اصل حکم شرعی تو یہی ہے کہ کوّا جب مر کر پھولا ہوا پایا گیا، تو پورا پانی نکال دیا جائے؛ چوں کہ پورا پانی نکالنا مشکل ہے، تو اب پانی نکالنے سے پہلے دو ایسے نیک اور صالح آدمیوں کو بلا کر اُن سے اندازہ کرنے کو کہا جائے جنہیں پانی کے باب میں تجربہ ہو، کہ کنویں میں پانی کتنا ہوگا؟ مثلاً جانور کے نکالنے کے بعد کنویں میں بیس فٹ پانی ہے؛ لیکن پورا پانی نکالنا مشکل ہے؛ اس لیے موٹر کے ذریعہ بیس فٹ پانی نکالا

=الطهارات، باب: الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز، فصل في البير، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت - لبنان ☆ الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/ ۱۹، كتاب الطهارة، الأغسال المسنونة، ط: المطبعة الخيرية ☆ البناية شرح الهداية - أبو محمد محمود بن أحمد، الحنفي، بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱/ ۳۶۱، كتاب الطهارات، فصل في البئر، حكم وقوع النجاسة في البئر، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۱/ ۱۳۰، قبيل التيمم، [التداوي ببول ما يؤكل لحمه]، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار: ۱/ ۲۱۸ - ۲۱۹، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: بيروت ☆ اللباب في شرح الكتاب - عبد الغني بن طالب، الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (م: ۱۲۹۸هـ): ۱/ ۲۸، قبيل باب التيمم، ت: محمد محيي الدين عبد الحميد، ط: المكتبة العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۲۰، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه ... إلخ، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، ط: دار الفكر)

جائے، سوال میں مذکور صورت کے اعتبار سے جب پونے گھنٹے میں ایک فٹ پانی نکلا، تو بیس فٹ کے برابر پانی نکالنے کے لیے پندرہ گھنٹے تک موٹر چلا کر پانی نکالنا ہوگا، اِس صورت میں بعض فقہاء نے تین سو ڈول پانی نکالنے کو کافی قرار دیا ہے، اگر اس طرح سے پانی نکال دیا جائے، تب بھی کافی ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (شامی: ۱/ ۱۵۶)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] اگر پانی میں بال گر جائے، تو کیا حکم ہے؟

۵۰۸-سوال: بہشتی زیور میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ بال کی جڑ ناپاک ہے، تو اگر جڑ والا بال ماءِ قلیل میں گر جائے، تو اُس کی وجہ سے پانی ناپاک شمار ہوگا یا پاک؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو بال بہ ذاتِ خود جھڑ جاتے ہیں، اُن کی جڑیں پاک ہیں۔[۲] البتہ ایسے بال، جنہیں اکھیڑا گیا ہو اور اُن کی جڑوں میں چربی کا حصہ لگا ہوا ہو، تو وہ ناپاک ہے، اگر اس طرح کے بال کی تری خشک نہ ہوئی ہو اور وہ تھوڑے پانی میں گر گئے ہوں، تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بال چمڑی کے خشک حصے کے ساتھ جھڑ گئے ہوں، جن میں بال کی جڑ بھی ہوتی ہے، اگر وہ ایک ناخن کی مقدار بھی پانی میں گر جائے، تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۱۵۲)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها) أو خارجها وألقي فيها ولو فأرة يابسة على المعتمد... كسقط (حيوان دموي) غير مائي لما مر (وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خارجها ثم وقع فيها (ينزح كل مائها) الذي كان فيها وقت الوقوع ذكره ابن الكمال (بعد إخراجه)... (وإن تعذر) نزح كلها؛ لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح، قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى، وقيل يفتى بمائة إلى ثلثمائة وهذا أيسر، وذاك أحوط. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۱۱ - ۲۱۵، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) (وشعر الإنسان) غير المنتوف..... (ودم سمك طاهر). [الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۲۰۷]

[۳] ويفسد الماء بوقوع قدر الظفر من جلده لا بالظفر. (المصدر السابق) ــــ وقال ابن عابدين: (قوله غير المنتوف) أما المنتوف فنجس. بحر، والمراد رءوسه التي فيها الدسومة. أقول: وعليه فما يبقى بين أسنان المشط ينجس الماء القليل إذا بل فيه وقت التسريح؛ لكن يؤخذ من المسألة الآتية كما قال أن ما خرج من الجلد مع الشعر إن لم يبلغ مقدار الظفر لا يفسد الماء، تأمل. (رد المحتار: ۱/ ۲۰۷، كتاب الطهارة، باب المياه، ط: دار الفكر)

[۲۰] کنواں سے بلی دو رات اور ایک دن کے بعد زندہ نکلے، تو کتنا پانی نکالا جائے؟

۵۰۹-سوال: کنویں میں بلی گر گئی اور اس میں دو رات اور ایک دن تک پڑی رہی، نکالنے کی کوشش کی گئی، تو وہ زندہ نکل آئی، اب ظاہری بات ہے کہ دو رات اور ایک دن تک جب اندر رہی، تو اُس نے اُس میں ضرور پیشاب و پاخانہ کیا ہوگا، تو اب کنویں سے کتنا پانی نکالنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس بات کا یقین ہے کہ بلی نے کنویں میں پیشاب و پاخانہ کیا ہے، تو کنویں کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے، اگر صرف پیشاب کیا ہو، تو معاف ہے؛ لیکن پھر بھی پورا پانی نکالنا بہتر ہے۔[1]

---

[۱] (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها) أو خارجها وألقي فيها ولو فأرة يابسة على المعتمد... كسقط (حيوان دموي) غير مائي لما مر (وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خارجها ثم وقع فيها (ينزح كل مائها) الذي كان فيها وقت الوقوع ذكره ابن الكمال (بعد إخراجه)... (وإن تعذر) نزح كلها؛ لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح، قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى، وقيل يفتى بمائة إلى ثلثمائة وهذا أيسر، وذاك أحوط. (الدر مع الرد: ۱/۲۱۱-۲۱۵، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

بلی کے پیشاب کی نجاست کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں، اکثر روایات سے اس کی نجاست کا پتہ چلتا ہے، البتہ بعض روایات میں ضرورت کی بناء پر اوانی مائعات (سیال اشیاء کے برتنوں) کے علاوہ (مثلاً: کپڑوں کے حق) میں اسے طاہر قرار دیا گیا ہے، علت بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ عموماً برتنوں کے ڈھانکنے کا رواج ہے؛ اس لیے اس میں ضرورت متحقق نہیں ہے، جب کہ دوسری چیزوں میں ایسا نہیں ہے، لہٰذا ان میں ضرورت کی بناء پر اسے طاہر قرار دیا جائے گا۔ اس علت کی بناء پر کنویں کو کپڑوں کے ساتھ لاحق کیا جانا چاہیے، جیسا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے کیا ہے، تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

واختلف التصحيح في بول الهرة، وقال الشيخ زين في قاعدة المشقة تجلب التيسير من الأشباه: الفتوى على أن بول الهرة عفو في غير أواني الماء، وهو قول الفقيه أبي جعفر، قال في الفتح: وهو حسن لعادة تخمير الأواني فلا ضرورة في ذلك بخلاف الثياب، وهو مروي عن محمد، فأنه قال في السنور يعتاد البول على الفراش بوله طاهر للضرورة وعموم البلوى، قال في الفتح: والحق صحة هذه الرواية اهـ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ هـ)، ص: ۱۵۴ - ۱۵۵، كتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة عنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

في الدر المختار: (ولا نزح) في بول فأرة في الأصح فيض. وقال ابن عابدين: (قوله في بول فأرة في الأصح) وسيذكر في الأنجاس أن عليه الفتوى، وأن خرأها لا يفسد ما لم يظهر أثره، وأن بول السنور عفو في غير أواني=

اور اگر یقین نہ ہو کہ اُس نے پیشاب کیا ہے؛ بل کہ صرف احتمال ہے، تو اُس شک کا اعتبار نہیں، اِس صورت میں صرف ساٹھ ڈول پانی نکال لیا جائے۔[۲]

=الماء وعليه الفتوى. اهـ. ـــــــــ أقول: وفي الخانية أن بول الهرة والفأرة وخرأهما نجس في أظهر الروايات يفسد الماء والثوب. اهـ ولعلهم رجحوا القول بالعفو للضرورة.(رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۲۲۰، فصل في البئر، فرع: وجد في ثوبه منيا أو بولا أو دما، ط: بيروت)

وقال ابن عابدين: اعلم أنه ذكر في الخانية أن بول الهرة والفأرة وخرأها نجس في أظهر الروايات يفسد الماء والثوب. ولو طحن بعر الفأرة مع الحنطة ولم يظهر أثره يعفى عنه للضرورة. وفي الخلاصة: إذا بالت الهرة في الإناء أو على الثوب تنجس، وكذا بول الفأرة، وقال الفقيه أبو جعفر: ينجس الإناء دون الثوب. اهـ. قال في الفتح: وهو حسن لعادة تخمير الأواني، وبول الفأرة في رواية لا بأس به، والمشايخ على أنه نجس لخفة الضرورة بخلاف خرئها، فإن فيه ضرورة في الحنطة. اهـ. ـــــــــ والحاصل أن ظاهر الرواية نجاسة الكل. لكن الضرورة متحققة في بول الهرة في غير المائعات كالثياب، وكذا في خرء الفأرة في نحو الحنطة دون الثياب والمائعات. وأما بول الفأرة فالضرورة فيه غير متحققة إلا على تلك الرواية المارة التي ذكر الشارح أن عليها الفتوى، لكن عبارة التتارخانية: بول الفأرة وخرؤها نجس، وقيل بولها معفو عنه، وعليه الفتوى. وفي الحجة الصحيح أنه نجس. اهـ. ولفظ الفتوى وإن كان آكد من لفظ الصحيح إلا أن القول الثاني هنا تأيد بكونه ظاهر الرواية فافهم، لكن تقدم في فصل البئر أن الأصح أنه لا ينجسه وقد يقال: إن الضرورة في البئر متحققة، بخلاف الأواني؛ لأنها تخمر كما مر فتدبر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۱۹، باب الأنجاس، ط: بيروت)

مزید دیکھیے: البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۱/ ۲۳۱ - ۲۳۲، باب الأنجاس، التطهير بالدهن، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۶۳، باب الأنجاس، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) ولو شك في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر، وتمامه في الأشباه. (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله: ولو شك إلخ) في التتارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والجباب الموضوعة في الطرقات ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار؛ وكذا ما يتخذه أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب اهـ ملخصا. (رد المحتار: ۱/ ۱۵۱، كتاب الطهارة، قبيل: مطلب في أبحاث الغسل، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

= بلی کے کنویں میں داخل ہو کر زندہ نکل جانے کی صورت میں استحبابا ساٹھ ڈول پانی نکالنے کی کوئی عبارت احقر کو نہیں ملی، ساٹھ ڈول تک نکالنے کا حکم اس صورت میں ہے، جب کہ وہ کنویں میں مرجائے اور فوراً سے نکال لیا جائے۔ (قال: "فإن ماتت فيها حمامة أو نحوها كالدجاجة والسنور نزح منها ما بين أربعين دلوا إلى ستين وفي الجامع الصغير أربعون أو خمسون" وهو الأظهر. الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/ ۲۳، فصل في البئر، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت) البتہ چالیس ڈول نکالنے کے سلسلے میں یہ عبارت صریح ہے: =

اگر پورا پانی نکالنے کی ضرورت ہو؛ لیکن کنویں کا چشمہ بڑا ہو اور پورا پانی نکالنا ممکن نہ ہو، تو اندازہ لگا کر بھی نکالا جاسکتا ہے، جس وقت بلی گری، اُس وقت جتنے فٹ پانی تھا، اُسی قدر پانی موٹر کے ذریعہ نکال لیا جائے، مثلاً بلی کے گرنے کے وقت دس فٹ پانی تھا، اور موٹر کے ذریعہ ایک گھنٹے میں ایک فٹ پانی نکلتا ہے، تو دس گھنٹے تک موٹر کے ذریعہ پانی نکال لیا جائے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] کنواں نجس اشیاء کے گرنے سے ہی ناپاک ہوگا

۵۱۰-سوال: ہماری بستی کی مسجد کا ایک چھوٹا سا کنواں ہے، جس کی گہرائی ایک فٹ اور چوڑائی تین فٹ ہے، کنویں کا تعمیری کام جاری ہے، جس کا ملبہ (سیمنٹ اور اینٹ کے ٹکڑے وغیرہ) کنویں کے پانی میں گرتا ہے، اور اسی پانی سے وضو اور غسل کیا جاتا ہے اور کھانا بھی پکایا جاتا ہے، کنویں میں چشمہ کا پانی ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ کنویں سے چشمہ کا پانی نکلتا ہے اور چشمہ کا پانی پاک ہے؛ لہٰذا کنویں کا پانی پاک ہوگا، جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ کنویں سے پانی نکلتا ہو یا نہ نکلتا ہو، کنواں صاف کرنے کے بعد ہی اس کا پانی غسل، وضو اور کھانا پکانے کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ کام کرنے والے مزدور احتیاط سے کام نہیں لیتے ہیں، تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداومصلیا:

کنواں چھوٹا ہو یا بڑا، اس کا پانی پاک ہے، اینٹ، ریت اور سیمنٹ وغیرہ پاک ہے، لہٰذا ان کے

=إذا وقع في البئر فأرة أو عصفور أو دجاجة أو سنور أو شاة وأخرجت منها حية لا ينجس الماء. ولا يجب نزح شيء منه، وهذا استحسان . . . ولكن مع هذا إن كان الواقع فأرة يستحب لهم أن ينزحوا عشرين دلواً. وإن كان الواقع سنوراً أو دجاجة مخلاة يستحب لهم أن ينزحوا أربعين دلواً؛ لأن سؤر هذه الحيوانات مكروه على ما يأتي بعد هذا إن شاء الله تعالى. (المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۱/۱۰۱، كتاب الطهارات، الفصل الرابع في المياه التي يجوز التوضؤ بها، والتي لا يجوز التوضؤ بها، ت: عبدالكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(والثاني ما يستحب فيه نزح الماء) إذا وقع في البئر فأرة يستحب نزح عشرين دلوا، وفي السنور والدجاجة المخلاة نزح أربعين؛ لأن سؤر هذه الحيوانات مكروه، والغالب أن الماء يصيب فم الواقع حتى لو تيقنا أن الماء لم يصب فم هذه الحيوانات لا ينزح شيء من الماء. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ، ط: دار الفكر)

(۳) ملاحظہ کیجیے، حاشیہ نمبر: ۱۔

کنویں میں گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

لیکن اگر ناپاکی گر جائے،[1] یا کافر اس میں غوطہ لگائے، تو پانی ناپاک شمار ہوگا۔[2]

جب تک کنویں کے پانی کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہوگی، وضوء اور غسل کرنا اور اس کا پانی دیگر ضروریات میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔ (فتاوی عالمگیری: ۱/ ۱۳، طحطاوی: ۱/ ۲۲، خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۱۱)[3] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] کتا اگر حوض سے پانی پی لے، تو کیا حکم ہے؟

۵۱۱-سوال: کتے نے حوض سے پانی پی لیا، تو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟ اگر پانی ناپاک ہو، تو حوض میں سے کس قدر پانی نکالنے سے وہ پاک ہو جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

حوض اگر دہ دردہ ہو، یعنی لمبائی اور چوڑائی میں دو سو پچیس (۱۵×۱۵=۲۲۵) فٹ یا اس سے زائد ہو، جسے فقہاء کثیر لکھتے ہیں، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں ناپاکی گر جائے، تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا، جب تک کہ پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو جائے، اگر پانی میں نجاست کا اثر ظاہر ہو گیا، تو پانی ناپاک

---

[۱] (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها)... (حيوان دموي) غير مائي لما مر (وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خارجها ثم وقع فيها (ينزح كل مائها). [الدر مع الرد: ۱/ ۲۱۱- ۲۱۳، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) اگر اس کو غسل کروا دیا جائے، پھر اسے کنویں میں اتارا جائے، تو ظاہر ہے کہ اب اس کے بدن پر کوئی نجاست نہیں ہے، اس لیے کنواں پاک ہوگا:

وروي عن أبي حنيفة أنه قال في الكافر إذا وقع في البئر: ينزح ماء البئر كله؛ لأن بدنه لا يخلو من نجاسة حقيقية أو حكمية، حتى لو تيقنا بطهارته بأن اغتسل، ثم وقع في البئر من ساعته لا ينزح منها شيء. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۷۴، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجسا، ط: دار الكتب العلمية)

(۳) قال: ومن شك في الحدث فهو على وضوئه، وإن كان محدثا فشك في الوضوء فهو على حدثه؛ لأن الشك لا يعارض اليقين، وما تيقن به لا يرتفع بالشك. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱/ ۸۶، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة-بيروت)

ہوجائے گا۔[1] اس لیے حوض کا پانی (جس سے کتے نے منہ ڈال کر پی لیا ہے) ناپاک نہیں ہوگا۔

ہاں اگر پانی کی وہ مقدار نہ ہو، جو اوپر تحریر کی گئی ہے، مثلاً ڈول، برتن یا لوٹا وغیرہ ہو اور اس میں کتا منہ ڈال دے، تو پانی اور برتن دونوں ناپاک ہوجائیں گے، پانی کو پھینک دیا جائے اور برتن تین بار دھویا جائے۔ (شامی، عالمگیری، وغیرہ)[2] اگر مٹی ہو تو مٹی سے مانجھنا اور پھر پانی سے دھونا سنت ہے۔ (حدیث)

---

[۱] جس جگہ نجاست گری ہے (موضع نجاست) اس کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ پاک ہے یا ناپاک؟ کیا نجاست کے مرئی وغیر مرئی ہونے کی وجہ سے بھی کوئی فرق پڑے گا؟ اس سلسلے کی نفیس اور عمدہ بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں درج ذیل عبارت:

(وكذا) -أي رفع الحدث- يجوز (براكد) كثير (كذلك) أي وقع فيه نجس لم ير أثره ولو في موضع وقوع المرئية، به يفتى بحر. ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: لم ير أثره) أي من طعم أو لون أو ريح، وهذا القيد لا بد منه . . . . (قوله: به يفتى) أي بعدم الفرق بين المرئية وغيرها، وعزاه في البحر إلى شرح المنية عن النصاب، . . . على أنه يشكل عليه ما في شرح المنية للحلبي عن الخلاصة أنه في المرئية ينجس موضع الوقوع بالإجماع. وأما في غيرها، فقيل كذلك: وقيل لا. اهـ. ومثله في الحلية، وكذا البدائع، لكن عبر بظاهر الرواية بدل الإجماع قال: ومعناه أن يترك من موضع النجاسة قدر الحوض الصغير ثم يتوضأ اهـ. وقيل يتحرى، . . . قال في الحلية: قلت هو الأصح اهـ وكذا جزم في الخانية بتنجس موضع المرئية بلا نقل خلاف، ثم نقل القولين في غير المرئية، وصحح في المبسوط أولهما، وصحح في البدائع وغيرها ثانيهما نعم. قال في الخزائن: والفتوى على عدم التنجس مطلقا إلا بالتغير بلا فرق بين المرئية وغيرها لعموم البلوى. وقال في الفتح: وعن أبي يوسف أنه كالجاري لا يتنجس إلا بالتغير، وهو الذي ينبغي تصحيحه، فينبغي عدم الفرق بين المرئية وغيرها؛ لأن الدليل إنما يقتضي عند الكثرة عدم التنجس إلا بالتغير من غير فصل. اهـ. فقد ظهر أن ما ذكره الشارح مبني على ظاهر هذه الرواية عن أبي يوسف حيث جعله كالجاري، وقدمنا عنه أنه اعتبر في الجاري ظهور الأثر مطلقا، وأنه ظاهر المتون وكذا قال في الكنز هنا، وهو كالجاري، ومثله في الملتقى. وظاهره اختيار هذه الرواية؛ فلذا اختارها في الفتح واستحسنها في الحلية لموافقتها لما مر عنه في الجاري. قال: ويشهد له ما في سنن ابن ماجه عن «جابر - رضي الله عنه - قال: انتهيت إلى غدير فإذا فيه حمار ميت فكففنا عنه حتى انتهى إلينا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقال: إن الماء لا ينجسه شيء فاستقينا وأروينا وحملنا» " اهـ وهذا وارد على نقل الإجماع السابق، والله أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۹۰- ۱۹۱، كتاب الطهارة، باب المياه، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

مزید دیکھیے: البحر الرائق شرح كنز الدقائق- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۱/ ۱۳۴ - ۱۳۵، سؤر الكلب والخنزير وسباع البهائم، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ البناية شرح الهداية- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱/ ۳۷۵، الوضوء بالماء الذي وقعت فيه نجاسة. و ۱/ ۴۷۰ - ۴۷۴، فصل في الأسآر وغيرها، سؤر الكلب، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) عن عطاء، عن أبي هريرة «أنه كان إذا ولغ الكلب في الإناء أهراقه وغسله ثلاث مرات». (سنن الدار قطني- أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد، ابن دينار البغدادي الدار قطني (م: ۳۸۵هـ): ۱/ ۱۱۰، رقم الحديث: ۱۹۷، كتاب =

[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] نابالغ کافر بچہ یا بالغ کافر مرد غسل کے لیے کنویں میں اترے، تو کیا حکم ہے؟

۵۱۲-سوال: مدرسہ میں پانی کی قلت ہے، جس کی وجہ سے کچھ طلبہ غسل کے لیے کنویں پر جاتے ہیں، سنا گیا ہے کہ اُس میں چرواہے بھی نہانے کے لیے اُترتے ہیں۔ (نہانے والے چرواہے نابالغ بچے ہوتے ہیں) لیکن کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے، تو اُن کے نہانے کی وجہ سے طلبہ کا غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اگر اُس میں بالغ غیر مسلم غسل کرے، تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً

کافر-نابالغ ہو یا بالغ-غسل کے لیے کنویں میں داخل ہو، تو کنواں ناپاک ہو جائے گا؛ کیوں کہ کافر کا بدن عموماً نجاست سے پاک نہیں ہوتا۔[۲]

=الطهارة، باب ولوغ الكلب في الإناء، ت: شعيب الارنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي، عبد اللطيف حرز الله، أحمد برهوم، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)

(و) سؤر (خنزير وكلب وسباع بهائم. . . نجس) مغلظ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۲۲۳، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: بيروت) ــــــــ أما القليل فينجس وإن لم يتغير. (المصدر السابق: ۱/ ۱۸۵، كتاب الطهارة، باب المياه، ط: بيروت) ــــــــ ويغسل الإناء من ولوغ الكلب ثلاثا، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۴، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ، ط: بيروت★الهداية في شرح البداية: ۱/ ۲۶، كتاب الطهارات، باب: الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز، فصل في الأسآر وغيرها، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

[۱] عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طهور إناء أحدكم إذا ولغ فيه الكلب، أن يغسله سبع مرات أولاهن بالتراب. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۳۷، رقم الحديث: ۹۱- (۲۷۹)، كتاب الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب، ط: مختار اينڈ كمپني- ديوبند)

(۲) حضرت مفتی محمود حسنؒ نے اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

اگر وہ (کافر) خوب غسل کر کے کنویں میں داخل ہوا ہے، تب تو پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر غسل کر کے اور پاک ہو کر داخل نہیں ہوا ہے، اور اس کے بدن پر کسی نجاست کا ہونا متعین نہیں، تو احتیاطاً کنویں کا تمام پانی نکالا جائے، اور اگر اس کے بدن پر نجاست تھی، تو تمام پانی کا نکالنا واجب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۱۲۶، سوال نمبر: ۱۹۰۰، کیا کنویں میں غیر مسلم کے اترنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے؟، ط: اشرفی بک ڈپو- دیوبند)

نقل في الذخيرة عن كتاب الصلاة للحسن أن الكافر إذا وقع في البئر وهو حي نزح الماء. وفي البدائع أنه رواية=

شریعتِ مطہرہ میں احکام کا دارومدار یقین پر ہے، شکوک وشبہات پر نہیں؛ اس لیے جب تک دین دار لوگ اُن غیر مسلمین کو کنویں میں غسل کرتے ہوئے نہ دیکھیں، اُس کنویں کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہوگا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] اگر کوئی غیر مسلم شراب پی کر کنویں میں گر جائے؟

۵۱۳-سوال: ایک غیر مسلم شراب پینے کے بعد کنویں میں گر گیا تو اس کنویں کا پانی ناپاک ہوا یا نہیں؟ اس کنویں سے غیر مسلم چار پانچ دن سے پانی بھر رہے ہیں، تقریباً ایک ہزار سے زیادہ ڈول پانی ان لوگوں نے بھرا ہوگا، تو اس سے کنواں پاک ہوا یا نہیں؟ المستفتی: اسماعیل پانچ بھایا لوہاروی

الجواب حامداً ومصلیاً:

کافر اگر کنویں میں گر جائے، تو اگرچہ اسے زندہ نکالا جائے، پھر بھی کنویں کا پورا پانی نکالا جائے گا؛ اس لیے کہ عموماً اس کا جسم ناپاک ہوتا ہے:

نقل في الذخيرة عن كتاب الصلاة للحسن أن الكافر إذا وقع في البئر وهو حي نزح الماء. وفي البدائع أنه رواية عن الإمام؛ لأنه لا يخلو من نجاسة حقيقية أو حكمية. [شامي: ۱/ ۱۴۷] (۲)

ایک ہی وقت میں پورا پانی نکالنا ضروری نہیں ہے، رفتہ رفتہ نکالا جائے، تب بھی کنواں پاک ہوجائے

=عن الإمام؛ لأنه لا يخلو من نجاسة حقيقية أو حكمية، حتى لو اغتسل فوقع فيها من ساعته لا ينزح منها شيء. أقول: ولعل نزحها للاحتياط تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۲۱۴، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۷۴، كتاب الطهارة، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجسا، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) ولو شك في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر، وتمامه في الأشباه. (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله: ولو شك إلخ) في التتارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والجباب الموضوعة في الطرقات ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار؛ وكذا ما يتخذه أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب اهـ ملخصا. (رد المحتار: ۱/ ۱۵۱، كتاب الطهارة، قبيل: مطلب في أبحاث الغسل، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۲۱۴، فصل في البئر، ط: بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۷۴، كتاب الطهارة، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجسا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

گا؛ اس لیے اندازہ لگایا جائے کہ غیر مسلم کے کنویں میں گرتے وقت جتنا پانی تھا، وہ نکل گیا یا نہیں؟ مثلاً اس میں چار ہزار ڈول پانی تھا، اور ابھی تک صرف ایک ہزار ڈول پانی نکالا جا سکا ہے، تو مزید تین ہزار ڈول نکالنا ضروری ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] کنویں میں جب کوئی مسلمان عورت گر کر مر جائے، تو کنواں کیسے پاک ہوگا؟

۵۱۴-سوال: تقریباً دو مہینہ پہلے ہمارے گاؤں کے کنویں میں ایک مسلمان عورت گر گئی تھی، گرنے کے ایک گھنٹے بعد اسے بہ حالت مردہ باہر نکالا گیا، پھر دو دن تک مشین کے ذریعہ پانی نکالا جاتا رہا، اندازاً آدھا پانی نکال دیا گیا، اب جو پانی کنویں میں باقی ہے، مشین اُس کو مکمل نہیں نکال سکتا؛ کیوں کہ پائپ کا وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔

اس واقعہ کے بعد سے اب تک جانوروں کو پلانے کے لیے اسی کنویں سے پانی نکالا جاتا رہا ہے، ادھر پندرہ بیس دنوں سے لوگ اُس پانی سے کپڑے بھی دھو رہے ہیں اور پینے میں بھی استعمال کر رہے ہیں، تو کیا اس سے کپڑے دھونا اور پینا جائز ہے؟ اگر اُس پانی کے ذریعہ دھوئے ہوئے کپڑے پہن کر لوگوں نے نماز ادا کی، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کنواں دہ در دہ نہ ہو، تو عورت کے گر کر مر جانے کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا، انتقال کے وقت جس قدر پانی کنویں میں موجود تھا، اُسے نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ [۲]

---

(۱) (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها) أو خارجها وألقي فيها ولو فأرة يابسة على المعتمد... كسقط (حيوان دموي) غير مائي لما مر (وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خارجها ثم وقع فيها (ينزح كل مائها) الذي كان فيها وقت الوقوع ذكره ابن الكمال (بعد إخراجه)... (وإن تعذر) نزح كلها؛ لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح، قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى، وقيل يفتى بمائة إلى ثلثمائة وهذا أيسر، وذاك أحوط. (الدر مع الرد: ۱/۲۱۱-۲۱۵، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) (إذا وقعت نجاسة... في بئر دون القدر الكثير) على ما مر، ولا عبرة للعمق على المعتمد (أو مات فيها) أو خارجها وألقي فيها... إلا الشهيد النظيف والمسلم المغسول... الخ. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله والمسلم المغسول) أما قبل غسله فنصوا على أنه يفسد الماء القليل ولا تصح صلاة حامله، وبذلك استدل في=

لگاتار (مسلسل) پانی نکالنا ضروری نہیں ہے، دو دن تک مسلسل پانی نکالا، پھر بعد میں پندرہ دن تک جانوروں کو پلانے کے لیے پانی نکلتا رہا، اگر یقین ہے کہ جتنا پانی کنویں میں تھا، سب نکل گیا ہے، تو اُس پانی سے کپڑے دھونا اور وضوء وغسل کرنا سب جائز ہے: لا یشترط التوالي، وهو المختار، كما في البحر والقهستاني. (شامي: ۱/ ۱۹۶)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] غیر مسلم عورت کنویں میں گر کر زندہ نکل آئے، تو کیا حکم ہے؟

۵۱۵-سوال: میرے گاؤں کے کنویں میں ۲۱/ ۴/ ۱۹۷۳ء کو، گیارہ بجے بھیلنی (ایک غیر مسلم قوم کی عورت)[۲] گر گئی تھی، گرنے کے بعد اُس نے پانی میں دو غوطے کھائے اور تیسرے غوطہ میں اُس کے ہاتھ میں پائپ آ گیا، جسے پکڑ کر وہ زندہ حالت میں باہر نکل گئی، تو اُس بھیلنی کے گرنے سے پانی پاک رہا یا ناپاک؟ اگر پانی ناپاک ہوا ہے، تو اُسے کتنی مقدار میں نکالنا ضروری ہے؟ مذکور کنویں سے جانوروں کے پلانے کے لیے پانی نکالتے ہیں، تو اس طرح پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ اس پانی سے کپڑے دھونا یا پینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً

بھیلنی کے کنویں میں گرنے سے پانی ناپاک ہو گیا۔ (اس لیے کہ عموماً اس کا جسم ناپاک رہتا ہے۔) واتفقوا على أن الكافر لا يطهر بالغسل. (شامی: ۱/ ۱۹۵)[۳] علماء نے لکھا ہے: وأما الكافر فينجسها مطلقا. (الدر المختار)[۴]

= المحيط على أن نجاسة الميت نجاسة خبث؛ لأنه حيوان دموي فينجس بالموت كغيره من الحيوانات لا نجاسة حدث، وصححه في الكافي، ونسبه في البدائع إلى عامة المشايخ كما في جنائز البحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۲۱۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) رد المحتار: ۱/ ۲۱۳، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

(۲) بھیلنی تانیثِ بھیل: (ا-ا-مذ) ہندوستان کی ایک قدیم نسل کے لوگ، جو راجپوتانہ کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ (فیروز اللغات: ۲۴۳، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹیڈ- لاہور)

(۳) رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۲۱۲، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

(۴) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۲۱۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

اب حکم یہ ہے کہ جب تک پورا پانی نکل نہ جائے، اُسے کسی بھی کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ [1]
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تقدم التخريج عن [الدر مع الرد: ۱/۲۱۱-۲۱۴، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: بيروت)

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

(۴-النساء:۴۳)

باب التیمم

[تیمم کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب التیمم

[تیمم کا بیان]

[۱] جو شخص پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو اس کا تیمم کرنا

۵۱۶-سوال: ایک شخص کے پورے پاؤں میں سیمنٹ کا پٹا بندھا ہوا تھا، چار پائی سے نیچے اترنے اور پانی استعمال کرنے سے ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا تھا، چناں چہ اس نے ڈاکٹر کے کہنے کی وجہ سے صرف تیمم کر کے ایک مہینہ تک نماز پڑھی، غسل کی جگہ بھی تیمم کیا، قبلہ رخ ہونے میں بھی تکلیف ہوتی تھی، اس لیے مجبوراً دوسری طرف رخ کر کے اشارے سے نماز پڑھی۔

اب وہ آدمی تندرست ہوگیا ہے، اور عذر کی حالت میں تیمم سے غیر قبلہ کی جانب پڑھی ہوئی ایک مہینے کی نمازوں کو لوٹانا چاہتا ہے، تو اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ تفصیلی جواب دیجیے۔

الجواب حامدا ومصلیا:

اگر چار پائی پر بیٹھ کر وضو کر سکتا تھا، یا پٹی پر مسح کی قدرت تھی اور دوسرے اعضاء وضو کو دھونا ممکن تھا، اس کے باوجود اس نے صرف تیمم کر کے نماز ادا کی ہے، تو یہ اس کے لیے جائز نہیں تھا، ایسی صورت میں نماز کا اعادہ ضروری ہے۔[۱] اگر وضو کرنے پر بالکل قدرت نہ ہو، تو تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں، اسی طرح غسل کی حالت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی، تب بھی اعادہ کی ضرورت نہیں، اعادہ کرلے، تو کوئی

---

(۱) وإذا كان بدن الجنب جريحاً أو أعضاء المحدث، فإنه يتيمم ولا يستعمل الماء فيما كان صحيحا، وإن كان على العكس فإنه يغسل، والمسح على الجراحة إن أمكنه أو فوق الخرقة إن كان المسح يضره، ولا يتيمم، وهو قول علمائنا. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني -أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ١/ ١٤٧-١٤٨، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في التيمم، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

حرج بھی نہیں ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] کیا پتھر پر تیمم کر سکتے ہیں

۵۱۷-سوال: پتھر پر تیمم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداومصليا:

پتھر پر تیمم کرنا جائز ہے، قرآن کریم میں ہے: فتيمموا صعيدا طيبا.[۲] بنیاد، کلمۂ ''صعید'' ہے، جس کا معنی ہے: وجه الأرض. یعنی زمین کا وہ حصہ، جس پر اگنے کی صلاحیت ہو، مٹی ہو یا پتھر: قلنا: الصعيد وجه الأرض ترابا كان أو غيره. وقال الزجاج: لا اعلم اختلافا بين أهل اللغة فيه. (کبیری: ۴۷)[۳]

---

(۱) ثم اختلف مشايخنا في حد الكثرة: فمنهم من اعتبر الكثرة من حيث عدد الأعضاء في الكثرة في نفس العضو، بيانه: إذا كان برأسه ووجهه وبدنه جراحة والرجل صحيح، فإنه يتيمم، سواء كان الأكثر من الأعضاء الجرحة جريحاً أو أقله، ومنهم من اعتبر الكثرة في نفس العضو، فقال: إن كان الأكثر من كل عضو من أعضاء الوضوء جريحاً كان كثير أبيح له التيمم. (المصدر السابق: ۱/ ۱۴۸)

(۲) ۴-النساء: ۴۳☆ و ۵-المائدة: ۶.

[۳] والأصل فيه قوله تعالى: فتيمموا صعيدا طيبا. فقال من شرط التراب والرمل أو التراب خاصة المراد بالصعيد التراب أو الرمل، وبالطيب المنبت نقلا عن ابن عباس. وقلنا: الصعيد وجه الأرض ترابا كان أو غيره. وقال الزجاج: لا أعلم اختلافا بين أهل اللغة فيه. وأما الطيب فلفظ مشترك يستعمل بمعنى المنبت، وبمعنى الحلال، وبمعنى الطاهر، وقد أريد به الطاهر إجماعا، فلايراد غيره، لأن المشترك لا عموم له. (غنية المستملي في شرح منية المصلي، المعروف بـالحلبي الكبيري- إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحَلَبي الحنفي (م: ۹۵۶هـ) ص: ۶۷، فصل في التيمم، ط: دار الكتاب- ديوبند)

والصعيد في كلام العرب على وجوه: فالتراب الذى على وجه الأرض يسمى صعيدا، ووجه الأرض يسمى صعيدا، والطريق يسمى صعيدا، وقد قال بعض الفقهاء: إن الصعيد وجه الأرض سواء كان عليه التراب أو لم يكن ويرى التيمم بوجه الصفاة الملساء جائزا وان لم يكن عليها تراب إذ يمسح بها المتيمم. (الزاهر في غريب ألفاظ الشافعي - محمد بن أحمد بن الأزهري الهروي، أبو منصور (م: ۳۷۰هـ)، ص: ۳۴، باب التيمم، ت: مسعد عبد الحميد السعدني، ط: دار الطلائع)

(ص ع د): (الصعيد) وجه الأرض ترابا كان أو غيره، قال الزجاج: ولا أعلم اختلافا بين أهل اللغة في ذلك، ومن قال هو فعيل بمعنى مفعول أو فاعل من الصعود ففيه نظر. (المغرب - ناصر بن عبد السيد أبي المكارم ابن علي، أبو الفتح، برهان الدين الخوارزمي المطَرِّزِىّ (م: ۶۱۰هـ)، ص: ۲۶۷، الصاد مع العين المعجمة، ط: دار الكتاب العربي)

حیث جاز التیمم علی الصخرة وإن لم یعلق بالید شيء. (کبیری: ۷۵)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] غنیة المستملي في شرح منیة المصلي، المعروف بـالحلبي الکبیري، ص ۶۷، فصل في التیمم.

عن المغيرة بن شعبة -رضي الله تعالیٰ عنه- قال: وضأت النبي صلى الله عليه وسلم فمسح على خفيه وصلى.

(صحیح البخاری:۳۸۸)

باب المسح على الخفين

[موزوں پر مسح کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب المسح على الخفين

[موزے پر مسح کا بیان]

[۱] بعض عرب کا نائلون اور سوتی موزوں پر مسح کو جائز کہنا

۵۱۸-سوال: کس طرح کے موزوں پر مسح درست ہے؟ کپڑے کے موزے پر مسح کرنے کو عرب علماء جائز کہتے ہیں، اور دلیل میں کہتے ہیں کہ: حدیث شریف میں صرف خفین کا لفظ آیا ہے، جس کے معنیٰ ''موزے'' کے ہیں، لہٰذا جس پر بھی موزے کا اطلاق ہوگا، اس پر مسح کرنا درست ہوگا اور ثخین (دبیز ہونا) کی قید تو صرف فقہ میں مذکور ہے، حدیث سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ ان کے اس استدلال کا کیا جواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوت یا اون کے موزے کو ''جورب'' کہا جاتا ہے، پھر جورب کے دونوں جانب اگر چمڑا لگا ہوا ہو، تو اسے ''مجلد'' کہتے ہیں، اور اگر صرف نچلے حصے میں چمڑا چڑھا ہوا ہو، تو اسے ''منعل'' کہتے ہیں۔[1] اور اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں، یعنی سوت وغیرہ کا ان میں کوئی دخل نہ ہو، تو ایسے موزوں کو

---

(۱) الجورب: نوع من الخف يكون من الغزل والشعر والجلد الرقيق. ولا يجوز المسح عليه إلا إذا كان مجلدا وهو الذي وضع الجلد على أعلاه وأسفله أو منعلا وهو الذي وضع الجلد على أسفله كالنعل. (دستور العلماء = جامع العلوم في اصطلاحات الفنون - القاضي عبد النبي بن عبد الرسول الأحمد نكري: ۱/۲۸۷، باب الجيم مع الواو، عرب عباراته الفارسية: حسن هاني فحص، ط: دار الكتب العلمية - لبنان - بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تاج العروس من جواهر القاموس - الزَّبيدي (م: ۱۲۰۵ھ): ۲/۱۵۶، مادہ: ج ر ب، ط: دار الهداية)

''خفین'' کہتے ہیں۔[۲] خفین، جوربین مجلدین، اور جوربین منعلین پر بالاتفاق مسح جائز ہے، اور اگر جوربین مجلد یا منعل نہ ہوں؛ لیکن ثخین ہوں،[۳] تو اس پر مسح کے سلسلے میں ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) اور احناف میں سے صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) فرماتے ہیں کہ اس پر بھی مسح جائز ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اولاً اس پر مسح کو ناجائز سمجھتے تھے، بعد میں انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا، گویا اب اس مسئلے پر اتفاق ہے کہ ایسے موزوں پر مسح جائز ہے۔ اگر جوربین مجلد یا منعل نہ ہوں اور رقیق ہوں یعنی اس میں ثخین کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں، تو ان پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے؛ لہٰذا نائلون یا سوت کے باریک موزوں پر مسح بالکل درست نہیں ہے۔[۴]

واضح رہے کہ مسح علی الجوربین کا جواز درحقیقت ''تنقیح مناط'' (علت) کے طریقے پر ہے، یعنی جن جوارب میں ثخین ہونے کی تین شرائط پائی جاتی ہوں، ان کو ''خفین'' ہی میں داخل کر کے ان پر جواز مسح کا حکم

---

(۲)(الخف) ...ما يلبس في الرجل من جلد رقيق. (المعجم الوسيط-مجمع اللغة العربية بالقاهرة (إبراهيم مصطفى / أحمد الزيات / حامد عبد القادر / محمد النجار): ۱/ ۲۴۷، باب الخاء، ط: دار الدعوة. ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: القاموس الفقهي لغة واصطلاحا- الدكتور سعدي أبو حبيب، ص:۱۱۸، حرف الخاء، ط: دار الفكر. دمشق-سورية، الطبعة الثانية ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء)

[۳] ثخین کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تین شرائط پائی جاتی ہوں: (۱) شفاف نہ ہو، یعنی اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پاؤں تک نہ پہنچے۔ (۲) مستمسك بغير الاستمساك ہو، یعنی کسی چیز سے باندھے بغیر خود بخود پاؤں پر ٹک جائے، لاسٹک وغیرہ کی ضرورت نہ پڑے۔ (۳) اس کو پہن کر تتابع مشی ممکن ہو، یعنی اسے پہن کر ایک فرسخ (تین میل) پیدل چلنا دشوار نہ ہو۔ قال الحصكفي: (الثخينين) بحيث يمشي فرسخا ويثبت على الساق ولا يرى ما تحته ولا يشف. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۲۶۹، كتاب الطهارة باب المسح على الخفين، ط: دار الفكر- بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء)

(۴) قال عامة العلماء بأن المسح على الخفين مشروع...وأما المسح على الجوربين فهو على أقسام ثلاثة إن كانا مجلدين أو منعلين جاز المسح بإجماع بين أصحابنا، وأما إذا كانا غير منعلين فإن كانا رقيقين بحيث يرى ما تحتهما لا يجوز المسح عليهما، وإن كانا ثخينين، قال أبو حنيفة: لا يجوز المسح عليهما، وقال أبو يوسف ومحمد: يجوز، وروي عن أبي حنيفة أنه رجع إلى قولهما في آخر عمره. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰ھ): ۱/ ۸۳-۸۶، كتاب الطهارة، باب المسح، ط: دار الكتب العلمية، بيروت- لبنان، الطبعة الثانية: ۱۴۱۴ھ- ۱۹۹۴ء ☆ مزید دیکھیے: بدائع الصنائع: ۱/ ۷-۱۰، فصل المسح على الخفين، دار الكتب العلمية- بيروت ☆ المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدين الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۱/ ۱۶۹- ۱۷۰، الفصل السادس في المسح على الخفين، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

لگایا گیا ہے، ورنہ جن روایات میں مسح علی الجوربین کا ذکر ہے، وہ سب ضعیف ہیں، یا کم از کم خبر واحد ہیں، جن سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی؛ بل کہ اس کا جواز مسح علی الخفین کی احادیث متواترہ سے ہی تنقیح مناط کے طور پر ثابت ہوا ہے۔[1]

بعض عرب دین سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ خفین کا اطلاق ہر قسم کے موزے پر ہوتا ہے، صحیح نہیں ہے؛ اس لیے نائلون یا سوتی موزوں پر مسح کے سلسلے میں ان کی بات لائق تسلیم نہیں ہے۔ ان سے نائلون اور سوت کے موزے پر مسح کے جواز کے متعلق کسی روایت کا ثبوت طلب کیجیے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] معذور شخص کا چمڑے کے موزے پہن کر اُس پر مسح کرنا

۵۱۹-سوال: معذور شخص چمڑے کا موزے پہن کر اُس پر مسح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال الحصکفي: أو جوربيه، ولو من غزل أو شعر. قال ابن عابدين: قوله ولو (من غزل أو شعر)... وخرج عنه ما كان من كرباس بالكسر: وهو الثوب من القطن الأبيض؛ ويلحق بالكرباس كل ما كان من نوع الخيط كالكتان والإبريسم ونحوهما. وأقول: الظاهر ... أنهم أخرجوه لعدم تأتي الشروط فيه غالبا. (رد المحتار مع الدر المختار: ۱/ ۲۶۹، كتاب الطهارة ، باب المسح علي الخفين، مطلب: مطلب إعراب قولهم إلا أن يقال، ط: دار الفكر-بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء)

مستفاد از: درس ترمذی: ۱/ ۳۳۴-۳۳۵، باب المسح علی الجوربین والنعلین، ط: مکتبہ رشیدیہ- سہارن پور۔

(۲) تفصیلی شرائط اور تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: بعض عرب کا نائلون اور سوتی موزوں پر مسح کو جائز کہنا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝۲۲۲
(۲-البقرۃ:۲۲۲)

باب الحیض والنفاس والاستحاضة

[حیض ونفاس اور استحاضہ کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الحیض والنفاس والاستحاضة

[حیض، نفاس اور استحاضہ کا بیان]

[۱] کم عمری میں فیملی پلاننگ کی خاطر آپریشن کرانے والی خاتون کے ''ایام حیض'' کا حکم

۵۲۰-سوال: بہت سی عورتیں فیملی پلاننگ کے لیے کم عمری (بیس پچیس سال کی عمر) ہی میں اپنی بچہ دانی کا آپریشن کرا لیتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کو حیض نہیں آتا ہے، حالاں کہ عورتوں کے لیے حیض کی مدت ہر ماہ ''تین سے دس روز تک'' رہتی ہے اور یہ عادت آپریشن کروا دینے سے ختم ہو جاتی ہے اور حیض بالکل نہیں آتا ہے، تو ''آپریشن کی وجہ سے منقطع ہونے والے حیض'' کو شرعی طور پر ایام حیض شمار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ان ایام میں حیض کے ایام کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟ یعنی ان ایام کی نمازیں، روزے وغیرہ کی ادائیگی اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہو، تو حیض کے ذریعے عدت کا گزارنا اور قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کے احکام حیض سے متعلق ہوں گے یا نہیں؟ کہ اگر معدوم حیض کو موجود مانا جائے، تو نماز کی ادائیگی درست نہ ہو، روزہ کی بعد میں قضا کرے، اس وقت روزہ رکھنا جائز نہ ہو، طلاق کی صورت میں تین حیض کی مدت کے ذریعے عدت پوری ہو، قرآن کریم کی تلاوت ان ایام میں جائز نہ ہو۔

واضح رہے کہ آپریشن کے بعد ان ایام میں خاتون کو دم حیض نہیں آتا ہے، مقام بالکل صاف رہتا ہے؛ تاہم اس کو حائضہ کے حکم میں شمار کیا جانا چاہیے؛ کیوں کہ اس نے اپنا یہ آپریشن جان بوجھ کر کروایا ہے اور اس کو آئسہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں؛ کیوں کہ عورت کا یہ زمانہ تو بوڑھاپے میں آتا ہے اور یہ عورت تو بوڑھی نہیں ہے؛ بل کہ بالکل جوان ہے۔ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑی عمر کے ہوجانے سے حیض کا خون بند ہوجائے یا کسی بیماری کی وجہ سے حیض نہ آئے یا حمل

ٹھہر جانے کی وجہ سے حیض نہ آئے یا بعض مانع حیض ادویات کا استعمال کرنے کی وجہ سے دم حیض نہ آئے، توان تمام صورتوں میں عورت پر حیض کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔[1]

فی زماننا بعض ایسی دوائیاں ایجاد ہوگئیں ہیں کہ اگران کی ایک گولی عورت کودی جائے، تواس کو عادت کے مطابق خون نہیں آتا ہے، بعض عورتیں تو اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے حج کے زمانے میں ایسی دوائیاں استعمال بھی کرتی ہیں، تاکہ حیض کے ایام مؤخر ہوجائیں اور وہ ارکان حج پاکی کی حالت میں ادا کرلیں؛ چاند کی ۹/ تاریخ سے لے کر ۱۵/ تاریخ تک جن عورتوں کوخون کی عادت ہوتی ہے، وہ عورتیں اور بالخصوص یو- کے، افریقہ، امریکہ اور کینیڈا جیسے ملکوں سے حج کے لیے آنے والی عورتیں اس طرح کی گولیاں استعمال کرتی ہیں، جس کی وجہ سے حیض کی عادت میں تھوڑی سی تاخیر واقع ہوجاتی ہے اور بجائے ۹/ تاریخ کے ۱۹/ تاریخ کو آتا ہے۔اس صورت میں عورتیں پاک گردانی جائیں گی اوران کے ارکان حج صحیح ہوجائیں گے۔

ٹھیک اسی طرح اپنی رضامندی سے اپنا آپریشن کروانے والی خاتون کوان کے ایام عادت میں جب دم حیض نہیں آئے گا، تو وہ بھی پاک گردانی جائے گی، اس کے لیے ہروقت کی نماز اور روزے ادا کرنا فرض ہوگا اوراس کی عدت طلاق کی تکمیل، بجائے تین حیض کے، تین مہینے سے ہوگی، تین مہینے کے گزرجانے سے اس کی طلاق کی عدت پوری ہوجائے گی۔

الغرض حیض کے احکام حقیقی طور پر حیض کے آنے کی صورت میں نافذ ہوں گے، صرف تاریخ کے

---

(۱) اعلم بأن حكم الحيض والنفاس والاستحاضة لا يثبت إلا بظهور الدم وبروزه وقد روي عن محمد - رحمه الله تعالى - في غير الأصول أن حكم الحيض والنفاس يثبت إذا أحست بالبروز، وإن لم يظهر وحكم الاستحاضة لا يثبت إلا بالظهور، وفرق بينهما فقال للحيض والنفاس وقت معلوم فيمكن إثبات حكمهما باعتبار وقتهما إذا أحست بالبروز، والاستحاضة حدث كسائر الأحداث، ليس له وقت معلوم لإثبات حكمه، فلا يثبت حكمه إلا بالظهور، والفتوى على القول الأول، لما روي أن امرأة قالت لعائشة - رضي الله عنها - إن فلانة تدعو بالمصباح ليلا لتنظر إلى نفسها فقالت: ما كانت إحدانا تتكلف لذلك على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، ولكنها تعرف ذلك، فهو بالمس، فهو إشارة منها إلى الظهور، ولأن ما لم يظهر، فهو في معدنه والشيء في معدنه لا يعطى له حكم الظهور ما لم يظهر. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل، شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱۵۱/۳، كتاب الحيض و النفاس، فصل حكم الحيض والنفاس والاستحاضة لا يثبت إلا بظهور الدم وبروزه، ط: دار المعرفة-بيروت، سن طباعت: ۱۴۱۴ھ- ۱۹۹۳ء)

اعتبار سے حائضہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسی وجہ سے حضرات علماء اور فقہائے عظام نے لکھا ہے کہ ''عورت کے حیض آنے کی عادت کبھی کبھی بدلتی بھی رہتی ہے۔''[۲]

آپ نے جو عقلی باتیں لکھی ہیں، وہ ماننے کے قابل نہیں ہیں، ان پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، حیض آنے سے عورت حائضہ گردانی جائے گی، محض تاریخ اور دن کے آنے سے نہ وہ حائضہ گردانی جائے گی اور نہ اس پر حائضہ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ (۱۹۸۶/۸/۳ء)

[۲] اسقاطِ حمل کے بعد نفاس کی مدت کا بیان

[۳] حالتِ نفاس میں عورت دعاء کرسکتی ہے؟

۵۲۱-سوال: عورت کا حمل اگر ساقط ہوگیا ہو اور پندرہ سولہ دن گزرجانے کے بعد وہ نہادھوکر کپڑے بدل کر نماز پڑھنا چاہے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہے، تو کیا اس کی اجازت ہے؟ یا چالیس روز پورے کرنا ضروری ہے، نیز ان دنوں میں وہ دعاء کس طرح کرے گی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حمل کا ساقط ہونا پانچ مہینوں پر ہوا ہو اور اس میں گوشت کے ٹکڑے جیسی کوئی چیز ظاہر ہوئی ہو، تو اس کے بعد جو خون خارج وظاہر ہوگا، وہ ''نفاس کا خون'' کہلائے گا۔[۱]

اگر اس عورت کو پہلے کوئی بچہ پیدا ہوا ہو، اس وقت جتنی مدت اس کو خون آیا تھا، اتنی مدت اِس وقت

---

(۲) (قال) وإذا كان حيضها خمسة أيام فزاد الدم عليها فالزيادة دم حيض معها إلى تمام العشرة لأن عادة المرأة في جميع عمرها لا تبقى على صفة واحدة بل تزداد تارة وتنقص أخرى بحسب اختلاف طبعها في كل وقت. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل، شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱۶/۲، باب صلاة المستحاضة، ط: دار المعرفة-بيروت، ۱۴۱۴-هـ ۱۹۹۳ء)

(۱) (وسقط) مثلث السين: أي مسقوط (ظهر بعض خلقه كيد أو رجل) أو أصبع أو ظفر أو شعر، ولا يستبين خلقه إلا بعد مائة وعشرين يوما (ولد) حكما (فتصير) المرأة (به نفساء والأمة أم ولد ويحنث به) في تعليقه، وتنقضي به العدة، فإن لم يظهر له شيء فليس بشيء. (الدر المختار مع الرد: ۳۰۲/۱-۳۰۳، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ فتح القدير: ۱۸۹/۱، كتاب الطهارات، فصل في النفاس، ط: زكريا-ديوبند)

بھی خون آجائے، پھر بند ہوجائے، تو وہ اسی وقت سے پاک سمجھی جائے گی، اس کے بعد وہ نہا دھو کر کپڑے بدل کر نماز پڑھے گی اور اس کے لیے تلاوت کرنا جائز ہوگا، اور اگر پہلی ہی مرتبہ خون آیا ہے، تو خون بند ہوجانے سے وہ پاک ہوجائے گی، اس کے بعد وہ نماز و روزے اور تلاوت شروع کردے، چالیس دن کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے۔[۲] لیکن وہ دعائیں تو ہر حال میں کرسکتی ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۱۷/۹/۱۹۸۶ء)

[۴] اسقاط حمل کے بعد کتنی مدت تک خون کا انتظار کرے؟

۵۲۲-سوال: ایک خاتون کو تین چار بچہ ہونے کے بعد تین چار مرتبہ اسقاط حمل ہو چکا ہے، ان اسقاط حمل کے موقع پر شرعاً کتنی مدت تک، نماز و روزہ کے لیے انتظار کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسقاط حمل کے بعد آنے والے خون کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اگر حمل میں بچے کے اعضاء بن چکے تھے، پھر اسقاط ہوا، اس صورت میں اسقاط کے بعد آنے والا خون ''نفاس کا خون'' کہلائے گا، جس کی مدت کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ دیکھا جائے گا کہ اگلے بچوں کی ولادت کے موقع پر اس کو کتنی مدت تک خون آیا تھا، اس کے مطابق اس پر نفاس کا حکم لگایا جائے گا، اگر سابقہ

---

(۲) "والسقط الذي استبان بعد خلقه ولد" حتى تصير المرأة به نفساء وتصير الأمة أم ولد به وكذا العدة تنقضي به "وأقل النفاس لا حد له ... وأكثره أربعون يوما والزائد عليه استحاضة" لحديث أم سلمة رضي الله عنها أن النبي عليه الصلاة والسلام وقت للنفساء أربعين يوما ... فإن جاوز الدم الأربعين وقد كانت ولدت قبل ذلك ولها عادة في النفاس ردت إلى أيام عادتها" لما بينا في الحيض "وإن لم تكن لها عادة فابتداء نفاسها أربعون يوما" لأنه أمكن جعله نفاسا ". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۳۵، كتاب الطهارات، فصل في النفاس، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)
مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الاختيار لتعليل المختار- عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۱/ ۳۰، كتاب الطهارة، فصل في أحكام النفساء، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ الجوهرة النيرة- أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/ ۳۵، كتاب الطهارة، باب الحيض، دم النفاس، ط: المطبعة الخيرية)

(۳) ويجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان ونحو ذلك في السراجية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۸، كتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الفكر -بيروت)

عادت کے موافق خون بند ہوگیا ہو، تو وہ نہادھوکر نماز ادا کرے گی۔ اگر خون چالیس دن سے تجاوز کر جائے، تب بھی وہ پچھلی عادت کے مطابق مثلاً ۲۵ ردن کے خون کو نفاس شمار کرے گی اور بقیہ خون استحاضہ کا شمار ہوگا، ہاں اگر خون سابقہ عادت سے تجاوز کر جائے، لیکن چالیس دن یا اس سے کم ہو، تو مکمل مدت، نفاس کی ہوگی اور یوں سمجھا جائے گا کہ اس کی نفاس کے تعلق سے عادت بدل گئی ہے۔[1]

(۲) اگر اسقاط حمل اس حال میں ہوا کہ بچے کا کوئی عضو نہیں بنا ہے، صرف خون ہی نظر آیا ہے، تو وہ خون حیض کا کہلائے گا، حیض کی جو عادت ہے، اتنے دن گزرنے کے بعد غسل کر کے نماز وغیرہ شروع کر دے گی، عادت سے بڑھ جائے اور دس دن سے بھی تجاوز کر جائے، تو عادت سے زائد جتنا بھی خون آیا ہے، سب استحاضہ کہلائے گا؛ لیکن دس دنوں کے اندر ہے، تو حیض کہلائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ حیض کے متعلق اس کی عادت بدل گئی ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۲/۱۰/۱۹۸۶ء

[۵] ایام حیض کے دوران ایک دن کے لیے خون بند ہو جائے، تو کیا حکم ہے؟

۵۲۳-سوال: حیض کے ایام میں اگر کسی عورت کو تھوڑی دیر کے لیے یا ایک دن کے لیے خون بند رہتا ہو، پھر جاری ہوتا ہو اور عادۃً ایسا ہوتا رہتا ہو، تو کیا وہ عورت اس وقت میں نماز ادا کرے گی؟

الجواب حامداومصلیا:

دو حیض کے درمیان کم از کم پندرہ دن کا فاصلہ ضروری ہے، اگر پندرہ دن کے فاصلہ کے بعد خون آنا شروع ہوا اور زیادہ سے زیادہ دس دن جاری رہا یا کم از کم تین دن رہا، تو اس کو حیض کہا جائے گا، ان ایام

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: اسقاط حمل کے بعد نفاس کی مدت کا بیان۔
وكذا النفاس فإن رأت لا على العادة ولم يجاوز الأربعين انتقلت. هكذا في المحيط وإذا جاوز الأربعين ولها عادة في النفاس ردت إلى أيام عادتها سواء كان ختم معروفها بالدم أو بالطهر عند أبي يوسف. هكذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۴۰، كتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) والمرئي حيض إن دام ثلاثا وتقدمه طهر تام وإلا استحاضة. (الدر المختار مع الرد: ۱/ ۳۰۳، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

میں نماز جائز نہیں، معاف ہے، اور روزہ بھی ممنوع ہے، مگر اس کی قضا واجب ہوگی۔[۱] اگر ان تین دن یا دس دن کے درمیان ایک دو دن خون بند رہے، تب بھی ان ایام کو حیض ہی کے حکم میں شمار کیا جائے گا۔[۲]
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٦] نفاس کے بند ہونے کے ایک ہفتہ بعد آنے والے خون کا حکم

۵۲۴-سوال: ایک عورت کو پہلی ولادت کے بعد چالیس دن تک خون آیا، پھر بند ہو گیا، ایک ہفتہ کے وقفے کے بعد دوبارہ خون جاری ہو گیا تو کیا اس حالت میں وہ نماز پڑھ سکتی ہے؟ اور اس خون کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولادت کے بعد چالیس دن سے زیادہ جو خون آیا، وہ بیماری کا ہے، اس کو استحاضہ کہتے ہیں۔[۳] اس کے احکام پاکی کی حالت جیسے ہیں، نفاس کے چالیس دن کے بعد اس عورت پر نماز فرض ہے؛ لہٰذا ان دنوں میں حسب معمول نماز پڑھے۔[۴] صرف ایک ہفتہ کے وقفہ کے بعد آنے والا خون حیض کا نہیں ہے، اگر پندرہ دن کا وقفہ ہو، تو حیض ہوگا۔[۵]
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)(وأقل الطهر) بين الحيضتين أو النفاس والحيض (خمسة عشر يوما) ولياليها إجماعا... (وما تراه) من لون ككدرة وتربية (في مدته) المعتادة (سوى بياض خالص) ... (ولو) المرئي (طهرا متخللا) بين الدمين (فيها حيض) ؛ لأن العبرة لأوله وآخره وعليه المتون فليحفظ.... (يمنع صلاة) مطلقا ولو سجدة شكر (وصوما) وجماعا (وتقضيه) لزوما دونها للحرج. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۸۵-۲۹۱، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) الطهر المتخلل بين الدمين والدماء في مدة الحيض يكون حيضا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۶، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، ط: مكتبه رشيديه-پاكستان)

(۳)(والنفاس) لغة: ولادة المرأة. وشرعا (دم) ... (يخرج) من رحمها... (عقب ولد) أو أكثره... (لا حد لأقله)... (وأكثره أربعون يوما) كذا رواه الترمذي وغيره... (والزائد) على أكثره (استحاضة) لو مبتدأة. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۹۹-۳۰۰، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۴)(ودم استحاضة) حكمه (كرعاف دائم) (لا يمنع صوما وصلاة) ولو نفلا (وجماعا). (الدر مع الرد: ۱/ ۲۹۸، كتاب الطهارة، باب الحيض)

(۵)(وأقل الطهر) بين الحيضتين أو النفاس والحيض (خمسة عشر يوما) ولياليها إجماعا. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۸۵، وفي الشامية: هذا إذا لم يكن في مدة النفاس. (رد المحتار: ۱/ ۲۸۵، كتاب الطهارة، باب الحيض)

[۷] عورت نفاس کا غسل کیسے کرے؟

۵۲۵-سوال: ولادت کے چالیس دن بعد عورت کے لیے نفاس کے غسل کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولادت کے بعد چالیس دنوں کے درمیان جب تک خون آتا رہے، اُس وقت تک عورت پر نماز فرض نہیں ہے، اور غسل بھی فرض نہیں ہے۔ [۱] لیکن عورت کو چاہیے کہ نظافت کے پیش نظر غسل کرتی رہے۔ [۲]

جب نفاس کا خون بند ہوجائے، گرچہ چالیس دن مکمل نہ ہوئے ہوں؛ تو اُس وقت سے عورت پر غسل اور نماز دونوں فرض ہوجائیں گے؛ لہٰذا اُسے چاہیے کہ وہ غسل کرلے اور نماز پڑھنا شروع کر دے۔ [۳] اگر چالیس دن مکمل ہوجانے کے بعد بھی خون جاری رہے، تو وہ بیماری کا خون کہا جائے گا، جو غسل اور نماز سے مانع نہیں ہے، لہٰذا چالیس دن مکمل ہوجانے کے بعد اُسے چاہیے کہ غسل کرلے اور نماز شروع کر دے اور اس حالت میں اُس پر روزے بھی فرض ہوں گے۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وأما) حكم الحيض والنفاس فمنع جواز الصلاة، والصوم، وقراءة القرآن. (بدائع الصنائع: ۱/ ۴۴، كتاب الصلاة، الاستحاضة وأحكامها، قبيل فصل التيمم، ط: دار الكتب العلمية- ديوبند)

(۲) (قوله ثم ذكر أحكامه) ... منها: أن يمنع صحة الطهارة إلا التي يقصد بها التنظيف كأغسال الحج، ولا يحرمها لقولهم يستحب لها أن تتوضأ كل صلاة وتقعد على مصلاها تسبح وتهلل وتكبر بقدر أدائها كي لا تنسى عادتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۲۹۰، كتاب الطهارة، باب الحيض)

(۳) ومنها: (أي من الأحكام التي يشترك فيها الحيض والنفاس ثمانية) وجوب الاغتسال عند الانقطاع. هكذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۹، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء الخ، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الفكر- بيروت)

[۴] (والنفاس) لغة: ولادة المرأة. وشرعا (دم) ... (يخرج) من رحمها ... (عقب ولد) أو أكثره ... (لا حد لأقله) ... (وأكثره أربعون يوما) كذا رواه الترمذي وغيره ... (والزائد) على أكثره (استحاضة) لو مبتدأة. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۹۹-۳۰۰، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

قال ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): (قوله: ولا حد لأقله) أي النفاس ... وذكر شيخ الإسلام في مبسوطه اتفق أصحابنا على أن أقل النفاس ما يوجد فإنها كما ولدت إذا رأت الدم ساعة ثم انقطع الدم عنها فإنها تصوم وتصلي وكان ما رأت نفاسا لا خلاف في هذا بين أصحابنا. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/ ۲۳۰، كتاب الطهارة، باب الحيض، أقل النفاس، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(ودم استحاضة) حكمه (كرعاف دائم) وقتا كاملا (لا يمنع صوما وصلاة) ولو نفلا (وجماعا) لحديث توضئي وصلي وإن قطر الدم على الحصير. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۹۸، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: بيروت)

[۸] حیض کے بند ہونے کے بعد عورت غسل کیسے کرے؟

۵۲۶-سوال: حیض کے بند ہونے کے بعد غسل کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ جہالت کی وجہ سے بہت سی عورتیں اس غسل میں غیر دینی رسوم و روایات کی پابندی کرتی ہیں، مثلاً یہ کہ غسل کے وقت قبلہ رُخ ہونا ضروری سمجھتی ہیں، پانی دم کروا کے پیتی ہیں، تو ان رسوم کے ساتھ غسل کرنے سے غسل صحیح ہوگا؟ اور ایسے غسل کے ذریعہ جو نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور تلاوت کی جاتی ہے، اُن کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

حیض کے بند ہونے کے بعد کا غسل بھی نفاس کے غسل کی طرح ہے، جس میں مسنون دعاؤں کے علاوہ کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ اس کے صرف تین فرائض ہیں: (۱) کلی کرنا، (۲) ناک میں پانی ڈالنا اور (۳) پورے بدن پر اس طرح پانی بہانا کی کوئی عضو خشک نہ رہ جائے۔[۱]

حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے، اگر اُس سے زائد خون جاری رہے، تو اسے بیماری (استحاضہ) کا خون کہا جائے گا، لہٰذا عورت کو چاہیے کہ دس دن کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے اور روزہ بھی رکھے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال الله تعالى: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا. (۵- المائدة:۶) و في الهداية: وفرض الغسل: المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن. (۱/۲۹، كتاب الطهارة، فصل في الغسل)

قال الكاساني: (وأما) ركنه فهو إسالة الماء على جميع ما يمكن إسالته عليه من البدن من غير حرج مرة واحدة، حتى لو بقيت لمعة لم يصبها الماء لم يجز الغسل، وإن كانت يسيرة، لقوله تعالى {وإن كنتم جنبا فاطهروا}، أي: طهروا أبدانكم، واسم البدن يقع على الظاهر والباطن، فيجب تطهير ما يمكن تطهيره منه بلا حرج، ولهذا وجبت المضمضة، والاستنشاق في الغسل. (بدائع الصنائع: ۱/۱۳۲، كتاب الطهارة، تفسير الغسل، ط: زكريا، ديوبند)

مزید دیکھیے: كنز الدقائق مع البحر: ۱/۸۶، كتاب الطهارة، ط: دار الکتاب دیوبند☆غنية المستملي في شرح منية المصلي: ۴۱، ط: دار الکتاب، دیوبند۔

(۲) و (أقله ثلاثة بلياليها) الثلاث، ... (وأكثره عشرة) بعشر ليال، كذا رواه الدارقطني وغيره. (والناقص) عن أقله (والزائد) على أكثره أو أكثر النفاس أو على العادة وجاوز أكثرهما. (وما تراه) صغيرة دون تسع على المعتمد وايسة على ظاهر المذهب (حامل) ولو قبل خروج أكثر الولد (استحاضة.) (وأقل الطهر) بين الحيضتين أو النفاس والحيض (خمسة عشر يوما) ولياليها إجماعا (ولا حد لأكثره). [الدر المختار مع الرد: ۱/۲۸۵-۲۸۴، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية- بيروت] =

[۹] خالص سفید پانی حیض نہیں ہے

۵۲۷-سوال: بعض عورتوں کو بیماری یا کسی عذر یا کمزوری کی بنا پر اکثر حیض آنے سے ایک دو دن قبل سفید پانی آنا شروع ہوجاتا ہے، تو ایسی حالت میں جماع کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

بالکل سفید پانی ہو، تو وہ حیض نہیں ہے، حیض کی مدت سے قبل یا حیض کی مدت کے بعد اس طرح پانی آتا ہے، تو ایسی حالت میں شرعی اعتبار سے وطی کرنا جائز ہے۔[۱] اس میں ذرا بھی کسی قسم کا رنگ ہو، تو وہ حیض شمار ہوگا۔[۲] حیض کے ایام میں وطی کرنا جائز نہیں ہے۔

حیض کی اقل مدت ۳/دن اور اکثر مدت ۱۰/دن ہے، اس سے کم یا زیادہ استحاضہ ہے، دو حیض کے درمیان کم از کم ۱۵/دن کا فاصلہ ہوتا ہے اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=ومنها: (أي من الأحكام التي يشترك فيها الحيض والنفاس ثمانية) وجوب الاغتسال عند الانقطاع. هكذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۱/۳۹، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء الخ، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) (وما تراه) من لون ككدرة وتربية (في مدته) المعتادة (سوى بياض خالص) قيل هو شيء يشبه الخيط الأبيض (ولو) المرئي (طهرا متخللا) بين الدمين (فيها حيض). [الدر المختار رد المحتار: ۱/۲۸۹-۲۹۰، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت]

(۲) اعلم أن ألوان الدماء ستة: هذان والسواد والحمرة والصفرة والخضرة. ثم الكدرة ما هو كالماء الكدر، والتربية نوع من الكدرة على لون التراب بتشديد الياء وتخفيفها بغير همزة نسبة إلى الترب بمعنى التراب، والصفرة كصفرة القز والتبن أو السن على الاختلاف، ثم المعتبر حالة الرؤية لا حالة التغير، كما لو رأت بياضا فاصفر باليبس أو رأت حمرة أو صفرة فابيضت باليبس. (رد المحتار: ۱/۲۸۹، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) و (أقله ثلاثة بلياليها) الثلاث، ... (وأكثره عشرة) بعشر ليال، كذا رواه الدارقطني وغيره. (والناقص) عن أقله (والزائد) على أكثره أو أكثر النفاس أو على العادة وجاوز أكثرهما. (وما تراه) صغيرة دون تسع على المعتمد وآيسة على ظاهر المذهب (حامل) ولو قبل خروج أكثر الولد (استحاضة.) (وأقل الطهر) بين الحيضتين أو النفاس والحيض (خمسة عشر يوما) ولياليها إجماعا (ولا حد لأكثره). [الدر المختار مع الرد: ۱/۲۸۵-۲۸۴، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت]

[۱۰] حیض کی اکثر مدت ختم ہونے کے بعد غسل سے قبل وطی کرنا

۵۲۸-سوال: کیا حائضہ عورت سے حیض کی اکثر مدت دس دن مکمل ہوجانے کے بعد، غسل سے قبل وطی کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

صورت مسئولہ میں ایسی عورت سے ہم بستری کرنا جائز ہے، البتہ مستحب ہے کہ غسل کے بعد کرے۔ (درمختار: جلد: ۱، صفحہ: ۱۵۶) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] اگر ولادت کے بعد خون نہ دکھائی دے

۵۲۹-سوال: ایک مسلم خاتون کو آپریشن سے بچے کی ولادت ہوئی، جس کی وجہ سے دم نفاس اگلی شرم گاہ سے ظاہر نہیں ہوا، تو ایسی عورت کے لیے نماز اور روزے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ عورت ''نفساء'' کہی جائے گی؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداو مصلیا:

بچے کی ولادت کی وجہ سے عورت ''نفساء'' کے حکم میں ہوگی؛ اس لیے غسل فرض ہوگا، اور اس دن کا روزہ صحیح نہ ہوگا: فلو لم تره هل تكون نفساء؟ المعتمد نعم. (درمختار مع شامی: ۱/ ۲۹۹) امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے۔ [۲]

---

(۱) (ويحل وطؤها إذا انقطع حيضها لأكثره) بلا غسل وجوبا بل ندبا. (الدر المختار مع الرد المحتار: ۱/ ۲۹۴، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: بيروت)

إذا مضى أكثر مدة الحيض وهو العشرة يحل وطؤها قبل الغسل مبتدأة كانت أو معتادة ويستحب له أن لا يطأها حتى تغتسل. هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۹، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة الخ...، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مزید دیکھیے: مراقي الفلاح ص: ۳۵، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) ولو ولدت، ولم تر دما، لا يجب الغسل عند أبي يوسف، وهو رواية عن محمد، قال في المفيد: هو الصحيح؛ لكن يجب عليها الوضوء بخروج النجاسة مع الولد. هكذا في التبيين، وعن أبي حنيفة - رحمه الله - يجب الغسل، وأكثر المشايخ أخذوا بقوله، وبه كان يفتي الصدر الشهيد. هكذا في المحيط، وقال أبو علي الدقاق وبه نأخذ. =

اس لیے بچہ پیدا ہونے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کردے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= كذا في المضمرات، وفي الفتاوى: هو الصحيح. هكذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ١/ ٣٧، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الثاني في النفاس، ط: دار الفكر - بيروت)

قوله: "وقدمنا لزوم غسلها احتياطا" وإن لم تكن نفساء، ويبطل صومها، وقيل: بل هي نفساء عنده؛ لعدم خلو الولد عن قليل دم غالبا، أو لأن نفس خروج النفس نفاس، وأكثر المشايخ على قول الإمام، وصححه أيضا في الفتاوي. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ١٢٣١هـ): ١/ ٤٠٠، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والإستحاضة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

والمعذور هو الذى لا يمضى عليه وقت صلاة إلا والحدث الذى ابتلى به موجود، حتى لو انقطع الدم وقتا كاملا خرج من أن يكون صاحب عذر من وقت الانقطاع. (الاختیار لتعلیل المختار: ۱/۳۰)

باب أحكام المعذورين

[معذورین کے احکام]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب أحکام المعذورین

[معذورین کے احکام]

[۱] معذور کے لیے وضو کا حکم

۵۳۰-سوال: مجھے خروج ریح کا مرض ہے، وضو کرتا ہوں؛ لیکن زیادہ دیر وضو نہیں رہتا ہے، کافی علاج کراچکا ہوں، مگر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ تمہارے معدے میں خرابی ہے؛ اس لیے تمہارا یہ حال ہے۔

اسی طرح مجھے شوگر (ذیابیطس) کا بھی مرض ہے، جس کی وجہ سے استنجاء کے بعد کبھی قطرہ دو قطرہ نکل جایا کرتا ہے، حالاں کہ بہت ہی احتیاط کرتا ہوں، مگر بیماری سے مجبور ہوں، تو ایسی صورت میں میرے لیے نماز، تلاوت ذکر وغیرہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے جو عذرِ خروج ریح اور پیشاب کا ذکر کیا ہے، اگر اس کے لیے کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہو اور اس کا روکنا قابو سے باہر ہو، تو پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ "عذر" ایک نماز کے پورے وقت تک برابر قائم رہے، یعنی اتنا وقت نہ ملے کہ اس میں طہارت کے ساتھ آپ فرض نماز پڑھ سکیں، تو شرعاً آپ "معذور" ہیں۔ [۱] اور معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت نیا وضو کرے، پھر اس وضو سے جس قدر نماز پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے، اب اس مرض کے پیش آنے کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ ــــــ اگر کسی شخص کو زخم ہو اور مسلسل رطوبت بہتی رہتی ہو یا عورت کو استحاضہ کا مرض ہو اور خون جاری رہتا ہو، یا کسی کو ریح خارج

---

(۱) والمعذور هو الذي لا يمضي عليه وقت صلاة إلا والحدث الذي ابتلي به موجود، حتى لو انقطع الدم وقتا كاملا خرج من أن يكون صاحب عذر من وقت الانقطاع. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود الموصلي (م: ۶۸۳ھ): ۱/۳۰، كتاب الطهارة، فصل أحكام أهل الأعذار، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ مزید دیکھیے: البحر الرائق: ۱/۳۷۶، كتاب الطهارة، باب الحيض: حيض المبتدأة ونفاسها. ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۳۰۵، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الفكر - بيروت، الطبعة الثانية: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

ہونے کی بیماری ہو، تو ان سب کے لیے بھی یہی حکم ہے، یعنی ان کا یہ عذر ایک نماز کے وقت کو گھیر لے اور اتنی بھی فرصت نہ ملے کہ طہارت کے ساتھ کم از کم فرض نماز ادا کر سکے، تو یہ شرعاً معذور ہیں، اب ان کو صرف ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنا ہوگا۔ نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جس عذر سے وہ معذور ہوئے ہیں، اس کے پیش آنے سے ان کا وضو نہ ٹوٹے گا، البتہ اس عذر کے علاوہ وضو کو توڑنے والی دوسری چیزوں کے پیش آنے سے وضو ٹوٹ جائے گا، جیسے پیشاب کے مریض کو ریح خارج ہوئی، تو ریح سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔[۲]

معذور کے لیے ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنا ضروری ہے، مثلاً غروب آفتاب کے بعد (مغرب کے لیے) اس نے وضو کیا، تو عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد عشاء کی نماز کے لیے دوسرا وضو ضروری ہوگا اور اگر غروب آفتاب سے پہلے مغرب کا وضو کیا، تو آفتاب غروب ہونے کے بعد وہ وضو ٹوٹ جائے گا، مغرب کا وقت داخل ہونے کے بعد دوسرا وضو کرنا لازم ہوگا۔

اور پھر ایک مرتبہ شرعی معذور بن جانے کے بعد اس عذر کے باقی رہنے کے لیے ہر نماز کے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ اس مرض کا پایا جانا ضروری ہے، اگر نماز کا کوئی وقت اس سے خالی گیا، یعنی اس میں ایک بار بھی وہ مرض نہیں پایا گیا، تو پھر اس کا شرعی معذور ہونا ختم ہوجائے گا، اور اس پر دوبارہ صاحب عذر کے احکام جاری ہونے کے لیے مذکورہ بالا شرط کا پایا جانا ضروری ہوگا۔[۳]

---

(۲) عن عدي بن ثابت عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال في المستحاضة: تدع الصلاة أيام أقرائها التي كانت تحيض فيها، ثم تغتسل وتتوضأ عند كل صلاة، وتصوم وتصلي. (سنن الترمذي: ۱/ ۳۳، رقم الحديث: ۱۲۶، باب ما جاء أن المستحاضة تتوضأ لكل صلاة، كتاب الطهارة، ط: مكتبة البدر - ديوبند)

المستحاضة ومن به سلسل بول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو رعاف دائم أو جرح لا يرقأ يتوضؤن لوقت كل صلاة، ويصلون به في الوقت ما شاؤا من فرض ونفل، ويبطل بخروجه فقط. (ملتقى الأبحر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحَلَبي الحنفي (م: ۹۵۶ هـ): ۱/ ۸۴، كتاب الطهارة، فصل: قبل باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية - لبنان/ بيروت، الطبعة الأولى: ۱۴۱۹هـ - ۱۹۹۸ء)

وقال الكاساني: فخروج النجس من هؤلاء لا يكون حدثا في الحال ما دام وقت الصلاة قائما... وإنما تبقى طهارة صاحب العذر في الوقت إذا لم يحدث حدثا آخر أما إذا أحدث حدثا آخر، فلا تبقى. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۲۷-۲۸، فصل بيان ما ينقض الوضوء، ط: دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية: ۱۴۰۶هـ - ۱۹۸۶ء)

(۳) فالحاصل أن صاحب العذر ابتداء من استوعب عذره تمام وقت صلاة ولو حكما، لأن الانقطاع اليسير ملحق بالعدم وفي البقاء من وجد عذره في جزء من الوقت وفي الزوال يشترط استيعاب الانقطاع حقيقة. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۱/ ۳۷۷، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتاب، ديوبند)

اور اگر کسی کا مرض اس قدر شدید نہ ہو کہ دو دو منٹ پر مثلاً خروج ریح یا پیشاب کا قطرہ ٹپکتا ہو؛ بل کہ وضو کر کے فرض نماز پڑھنے کا موقع مل جاتا ہو، تو ایسا شخص شرعاً معذور نہیں کہلائے گا، اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ پاکی کی حالت میں فرض نماز ادا کرے ــــــ اور پیشاب کا قطرہ ایک ہو یا دو، بہر حال اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] سلس البول کے مریض کے لیے طہارت کا حکم اور اس کا طریقہ

۵۳۱-سوال: ایک شخص کو پیشاب کی ایسی بیماری ہے کہ بار بار اس کا وضو ٹوٹتا رہتا ہے اور نماز میں اس کو بڑی تکلیف ہوتی ہے، تو اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیشاب کے قطرات اس کثرت سے آتے ہوں کہ نماز کا مکمل وقت اسی حالت میں گذر جائے اور اتنا بھی وقت نہ ملے کہ طہارت حاصل کر کے فرض نماز ادا کی جا سکے، تو ایسی صورت میں یہ شخص معذور کہلائے گا، اور معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت نیا وضو کرے، پھر اس وضو سے جس قدر نماز پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے، اب اس مرض کے پیش آنے کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، دوسری نماز کا وقت ہونے پر دوبارہ کپڑے اور بدن کی ناپاک جگہوں کا دھونا ضروری ہوگا اور دوبارہ وضو کر کے وہ نماز پڑھے گا، جب تک نماز کا وقت باقی ہے اس کا وضو رہے گا، نماز کا وقت نکل جانے پر اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، خواہ دوسرا کوئی ناقض وضو امر پیش آیا ہو یا نہ آیا ہو، ہر نماز کے لیے اسی طرح وہ کرتا رہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۱۷/۹/۱۹۸۶ء)

[۳] خروج ریح کے مریض کے لیے شرعی حکم

۵۳۲-سوال: ایک آدمی کو خروج ریح کی بیماری ہے، وہ چار رکعت نماز بھی نہیں پڑھ پاتا کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۱) منها [من نواقض الوضوء] ما يخرج من السبيلين من البول والغائط والريح الخارجة من الدبر. (الفتاوى الهندية: ۹/۱، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص جو وضو کرنے کے بعد چار رکعت نماز بھی نہیں پڑھ پاتا کہ خروج ریح ہو جاتا ہے، اس کو چاہیے کہ حتی الامکان طہارت کے ساتھ نماز پڑھنے کی کوشش کرے، مثلاً اگر کھڑے ہو کر پڑھنے سے خروج ہوتا ہے، تو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کر کے پڑھے، اگر اس سے بھی ریح خارج ہو جاتی ہے، تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے، لیکن کوشش ہو کہ خروج ریح نہ ہو؛ اس لیے کہ طہارت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے، بغیر طہارت کے نماز پڑھنے سے: كما في مراقي الفلاح: "ومن به عذر كسلس بول أو استطلاق بطن" وانفلات ريح ورعاف دائم وجرح لا يرقأ ولا يمكن حبسه بحشو من غير مشقة ولا بجلوس ولا بالإيماء في الصلاة فبهذا يتوضؤون "لوقت كل فرض" ... الخ (مراقي الفلاح، ص: ۸۰)[۱] وفي الدّر: يجب رد عذره أو تقليله بقدر قدرته ولو بصلاته موميا، وبرده لا يبقى ذا عذر بخلاف الحائض. (ج:۱،ص: ۲۰۴)[۲] وفي البحر: ومتى قدر المعذور على رد السيلان برباط أو حشو أو كان لو جلس لا يسيل ولو قام سال وجب رده، وخرج برده عن أن يكون صاحب عذر. (ج:۱،ص: ۲۱۶)[۳]

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حتی الامکان کوشش ہو عذر دفع کرنے کی، اور اگر عذر دفع ہو گیا، تو صاحب عذر نہ رہا؛ لیکن اگر کسی بھی صورت میں دفع نہ ہو تو یہ شخص صاحب عذر ہے؛ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت وضو کرے، اور اس وقت میں جتنی فرض، سنت اور نفل نماز پڑھنی چاہے، پڑھے؛ لیکن جب اس فرض نماز کا وقت نکل جائے، تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، یعنی صاحب عذر کا وضو اس وقت تک رہتا ہے، جب تک کہ اس نماز کا وقت نہ نکل جائے۔

فقہاء نے لکھا ہے: (وحكمه الوضوء... لكل فرض) اللام للوقت ... (ثم يصلي) به (فيه فرضا ونفلا) فدخل الواجب بالأولى (فإذا خرج الوقت بطل) أي: ظهر حدثه السابق. (الدر المختار، ج:۱/ص: ۲۸۱، ومثله في البحر الرائق: ج۱/ص: ۲۱۵، غنية ۱، ص: ۲۳۳، طحطاوی: ص ۸۰،

---

[۱] مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۹۳، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

[۲] الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۰۷-۳۰۸، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور ، ط: بيروت.

[۳] البحر الرائق شرح كنز الدقائق-زين الدين بن إبراهيم، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۱/ ۲۲۷، باب الحيض، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ملتقی مع شرحیہ: ج ۱ ص: ۵۶، وغیرہ)

لیکن اگر اس عذر کے علاوہ نواقض وضو میں سے کوئی دوسرا حدث لاحق ہو گیا، تو پھر اس حدثِ آخر کی وجہ سے دوبارہ، وضو کرنا پڑے گا، كما في أكثر الكتب الفقهية.[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] جس کو بار بار ریح خارج ہوتی رہتی ہو، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

۵۳۳-سوال: ایک شخص کو ہمیشہ ریح خارج ہوتی رہتی ہے، دوا، اور پرہیز سے بھی کام لیا؛ لیکن بیماری دور نہیں ہوئی، ایسا شخص کس طرح نماز ادا کرے؟ خروج ریح سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور بار بار وضوء کرنا پڑتا ہے، جس میں ناقابل برداشت پریشانی ہوتی ہے اور نماز میں کوشش بھی کی گئی کہ ریح کا خروج نہ ہو؛ لیکن ایسا ہو نہیں پاتا ہے، ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ شخص وضو کر کے نماز پوری کرے، اگر اسے اس قدر بھی وقت نہ ملتا ہو کہ وضو کر کے وقت میں نماز پڑھ سکے، تو شریعت کی اصطلاح میں اس کو ''معذور'' کہا جائے گا، ایسا شخص ہر وقت میں وضو کرے اور اُس سے جس قدر فرض ونفل اور واجب وغیرہ پڑھنا چاہے، اجازت ہے، اس کا یہ وضو ایک نماز کے وقت تک رہے گا، بشرطیکہ اُس میں اور کوئی دوسرا ناقض وضو امر نہ پیش آیا ہو۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] کیا معذور آدمی ہر نماز کے وقت نیا وضو کرے؟

۵۳۴-سوال: مجھے ریح خارج ہونے کی بیماری ہے اور یہ بیماری اس قدر پیش آتی ہے کہ جماعت کھڑی ہونے تک مجھے چار پانچ مرتبہ وضو کرنے کی نوبت آجاتی ہے، نیز سردی کے موسم میں گھر سے

---

(۱) وقال الكاساني: فخروج النجس من هؤلاء لا يكون حدثا في الحال ما دام وقت الصلاة قائما... وإنما تبقى طهارة صاحب العذر في الوقت إذا لم يحدث حدثا آخر أما إذا أحدث حدثا آخر، فلا تبقى. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين الكاساني الحنفي (م:۵۸۷ھ): ۱/ ۲۷-۲۸، فصل بيان ما ينقض الوضوء، ط: دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية: ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء)

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: خروج ریح کے مریض کے لیے شرعی حکم۔
تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

گرم پانی سے وضو کر کے جاتا ہوں اور مسجد میں پہنچتا ہوں کہ یہ تکلیف پیش آجاتی ہے۔ مجھے نس کے جکڑ جانے کی بھی بیماری ہے، جس کی وجہ سے پاؤں میں بھی سخت درد رہتا ہے، میری عمر ۷۳ رسال ہے، بڑھاپے کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے، تو کیا میں خروج ریح کے وقت ہر مرتبہ نیا وضوء کر کے نماز پڑھوں یا پھر ایک مرتبہ وضو کرنا کافی ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

خروج ریح کا مرض ہو، یا پیشاب کے قطرے ٹپکنے کی بیماری، اگر یہ مرض ایک مکمل نماز کے وقت کو گھیر لے، اس طور پر کہ اس میں وضو کر کے نماز پڑھنے کا موقع نہ مل سکے، تو اس کو شریعت کی زبان میں ''عذر'' کہا جاتا ہے اور جس کو یہ مرض لاحق ہوا سے معذور کہتے ہیں۔ مثلاً: ظہر کا وقت ۱۲:۴۰ سے ۴:۴۰ تک ہے، اس پورے وقت میں آپ کو اتنا وقت نہیں ملتا ہے کہ آپ طہارت حاصل کر کے نماز پڑھ سکیں، اس طور پر کہ اگر آپ کو نماز پڑھنے میں ۱۰ رمنٹ کا وقت لگتا ہو اور یہ عذر ہر ۱۰ رمنٹ سے قبل ہی پیش آجائے، تو آپ معذور ہیں، اور معذور کے لیے حکم یہ ہے کہ نماز کے وقت میں وضو کر کے اس وقت کے اخیر تک جتنی فرض و نوافل پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے۔

جب کسی کو معذور کا حکم لاحق ہو جائے، اس کے بعد یہ عذر ہر نماز میں ایک – دو مرتبہ پیش آئے، تو اسے معذور ہی سمجھا جائے گا؛ لیکن اگر ایک نماز کے کامل وقت میں ایک مرتبہ بھی یہ عذر پیش نہیں آیا، تو پھر وہ شخص معذور ہونے سے نکل جائے گا، دوبارہ تحقق عذر کے لیے کامل ایک وقت تک عذر کا پیش آنا ضروری ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] جسے بار بار پیشاب کے قطرات ٹپکتے ہوں، وہ کس طرح نماز ادا کرے

۵۳۵-سوال: ایک شخص جب پیشاب کرتا ہے، تو پیشاب کے کچھ قطرات پیشاب کی نالی میں رکے رہتے ہیں اور وقفے وقفے سے نکلتے رہتے ہیں، اور وہ شک میں مبتلا رہتا ہے کہ پیشاب کے تمام قطرے خارج ہوئے یا نہیں؟ اسی شک کی بنیاد پر شرم گاہ کو بار بار دیکھنے کی عادت سی بن گئی ہے؛ اور بار بار استنجاء کے لیے بھی جانا پڑتا ہے، کئی مرتبہ تو اسے درمیان میں ہی نماز ترک کردینی پڑتی ہے، اسی شک وشبہ کی وجہ سے

(۱) تفصیلی فتویٰ اور تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

غسل کے لیے بھی کافی دیر لگ جاتی ہے، بہت سی مرتبہ پیشاب سے فراغت کے بعد بھی اٹھتے بیٹھتے وقت قطرات نکل جاتے ہیں، تو ایسی مجبوری کی حالت اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اس بیماری کی وجہ سے وہ ''دماغی مرض'' کا بھی شکار ہو گیا ہے۔

(عبدالحنیف عبدالرزاق، ہند)

الجواب حامداً ومصلياً

اگر ایک مرتبہ نماز کا پورا وقت اس حالت میں گذر جائے کہ پیشاب کا قطرہ برابر آتا رہے، اتنا بھی وقت نہ ملے کہ طہارت حاصل کر کے وقتیہ نماز ادا کی جاسکے، تو ایسے شخص کو شرعاً معذور کہا جاتا ہے، جس کے احکام دوسرے ہیں۔[1] آپ کی ایسی کیفیت نہیں ہے؛ اس لیے آپ نماز کے لیے مستقل الگ کپڑے رکھیں، نماز سے پہلے پانی سے استنجاء کر کے لنگی یا ازار کو تبدیل کریں، پھر نماز پڑھیں۔[2]

اگر نماز سے پہلے پیشاب کی ضرورت ہو تو پندرہ' بیس منٹ پہلے فارغ ہو جایا کریں، تاکہ پیشاب کے جو قطرے باقی ہیں، وہ پیشاب کے بعد' پانچ دس منٹ میں خارج ہو جائیں، اس کے بعد پانی کے ذریعہ استنجاء کر کے نئی لنگی یا نیا ازار پہن کر نماز پڑھ لیں۔

شریعت میں عذر کے متحقق ہونے کے لیے بڑی کڑی' شرط ہے، آپ کی کیفیت ان شرائط کے مطابق نہیں ہے؛ اس لیے خواہ مخواہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر جماعت ترک نہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۷] وضو میں کلی کرتے وقت خون کا نکلنا عذر ہے یا نہیں؟

۵۳۶-سوال: پچھلے تین مہینے سے زید کو دانت سے خون نکلنے کی بیماری ہے، کافی علاج کروایا؛ لیکن اب تک افاقہ نہیں ہو سکا، وہ جب بھی وضوء کرنے کے لیے بیٹھتا ہے، تو کلی کرتے وقت دانتوں پر انگلی پھیرتے ہی خون نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور اس قدر نکلتا ہے کہ خون تھوک پر غالب ہو جاتا ہے، پانچوں نمازوں کے وقت وضوء میں یہی صورتِ حال رہتی ہے کہ وضوء کی ابتداء سے لے کر اخیری عضو کے دھونے

---

(۱) نوٹ: معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

(۲) (هي) ستة (طهارة بدنه) أي جسده لدخول الأطراف في الجسد دون البدن فليحفظ (من حدث) بنوعيه، وقدمه... (وخبث) مانع كذلك (وثوبه... {وثيابك فطهر} [المدثر: ۴]- فبدنه ومكانه أولى .الخ...(الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۴۰۲-۴۰۳، باب شروط الصلاة، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر-بيروت)

تک خون بہتا رہتا ہے، تو اس حالت میں زید معذور شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دانتوں کی بیماری کی وجہ سے خون بہتا ہے، تو کچھ دیر منہ میں ٹھنڈا پانی بھر کر رکھے، پھر جب خون بند ہو جائے، تب وضوء کر کے نماز پڑھے، اگر اس کے باوجود کلی کرنے کے بعد کئی گھنٹوں تک خون بند نہ ہوتا ہو، تو وضوء میں صرف کلی کو چھوڑ دے، کلی کرنا فرض نہیں ہے، اُس کے بغیر بھی وضوء درست ہو جائے گا اور بغیر کلی کے وضوء کر کے نماز پڑھ لے۔[1]

یہ شخص شرعاً معذور شمار نہیں ہوگا، البتہ اگر کلی کرنا چھوڑ دے اور صرف چہرہ دھونے سے بھی خون اتنی مقدار میں بہتا ہے کہ اُسے وضو کر کے ایک فرض نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، تو پھر یہ معذور کے حکم میں داخل ہوگا، اُس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ خون کے بہنے کی حالت میں ایک وضوء سے جس قدر نماز پڑھنا چاہے، پڑھے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] کیا معذور فجر کے وضوء سے بعد فجر تلاوتِ قرآن اور اشراق پڑھ سکتا ہے؟

۷۵۳ـسوال: میری عمر ستر (۷۰) سال کی ہے، وضو تھوڑی دیر بھی نہیں رہتا، چار رکعات کے درمیان تین یا چار مرتبہ ریح خارج ہو جاتی ہے، اب مجھے فجر کی نماز کے بعد اسی وضوء سے تلاوتِ قرآن اور اشراق پڑھنی ہے، تو کیا میں ایسا کر سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کا وضو اتنی دیر تک نہیں رہتا کہ وضو کر کے ایک نماز مکمل ادا کر سکیں، تو آپ شرعاً معذور ہیں اور معذور کا حکم یہ ہے کہ ایک نماز کے لیے اس نے جو وضو کیا ہے، اس سے نماز کا وقت ختم ہونے تک جتنی نمازیں پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے، اور تلاوت بھی کر سکتا ہے، البتہ جیسے ہی نماز کا وقت ختم ہوگا، اس کا وضو بھی

---

(۱) ترك السنة لا يوجب فسادا ولا سهوا بل إساءة لو عامدا غير مستخف. الخ. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين: (قوله لا يوجب فسادا ولا سهوا) أي بخلاف ترك الفرض فإنه يوجب الفساد، وترك الواجب فإنه يوجب سجود السهو. (قوله لو عامدا غير مستخف) فلو غير عامد فلا إساءة أيضا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۷۲، واجبات الصلاة، قبيل: مطلب في قولهم: الإساءة دون الكراهة، ط: بيروت)

(۲) معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

ٹوٹ جائے گا۔(۱)

لہٰذا آپ فجر کی نماز کے بعد اُسی وضو سے تلاوتِ قرآن کرسکتے ہیں؛ لیکن سورج نکلتے ہی آپ کا وضو ٹوٹ جائے گا، پھر اشراق کے لیے مستقل وضو کرنا ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] جن کو ودی کے قطرات ٹپکنے کی دائمی بیماری ہو، وہ کیا کرے؟

۵۳۸-سوال: اگر کسی شخص کو بہ حالت نماز ہی ودی کا قطرہ نکلنے لگے، تو کیا کرے؟ یہ دائمی تکلیف ہے۔

الجواب حامداومصلیا:

نماز شروع کرنے کے بعد اگر قطرات نکلے ہوں، تو وضو ٹوٹ جائے گا، نجاست کو دھوکر وضو کرے، پھر نماز پڑھے؛ لیکن اگر کسی آدمی کو ایسی بیماری ہے کہ ہر ۵، ۱۰ رمنٹ میں قطرات نکلتے رہتے ہیں، اور اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ آدمی طہارت کے ساتھ نماز پڑھ سکے، تو وہ شرعاً معذور ہوگا، ایسا شخص نماز کے وقت میں وضو کرلے اور ایک وقت میں جتنی چاہے، نمازیں پڑھے۔ کسی کے شرعاً معذور ہونے کے بعد بقاء عذر کے لیے نماز کے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ اس مرض کا پایا جانا ضروری ہے، اگر نماز کا کوئی وقت اس سے خالی گیا، یعنی اس میں ایک بار بھی وہ مرض نہیں پایا گیا، تو وہ شرعاً معذور نہیں رہے گا، اس مسئلہ کو کسی مفتی اور عالم سے پڑھوا کر سمجھ لیں۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] سلس البول کے معذور کی طہارت کا حکم

۵۳۹-سوال: میرے بھائی کو پیشاب کے قطرات کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے بار بار پیشاب کے لیے جانا پڑتا ہے اور طہارت بھی دیر تک باقی نہیں رہ پاتی، کپڑا بھی ناپاک ہوجاتا ہے، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(محمد حسین دیار)

الجواب حامداومصلیا:

اگر ایک مرتبہ نماز کا پورا وقت اس حالت میں گذر جائے کہ پیشاب کا قطرہ برابر آتا رہے، اتنا بھی

(۱-۲) معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

وقت نہ ملے کہ طہارت حاصل کر کے وقتیہ نماز ادا کی جا سکے، تو ایسی صورت میں آپ کے بھائی شرعاً معذور ہوں گے، ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے نماز پڑھ لینا کافی ہوگا، پیشاب کی وجہ سے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، اور کپڑے بدلنا بھی لازم نہیں ہوگا۔ آپ کے بھائی اس وقت تک معذور رہیں گے جب تک کہ نماز کا ایک کامل وقت اس عذر سے خالی نہ گذر جائے، یعنی معذور رہنے کے لیے مسلسل عذر کا رہنا ضروری نہیں ہے۔[1]

لیکن اگر یہ کیفیت نہیں ہے، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہو رہا ہے، تو لازم ہے کہ نماز کے لیے الگ کپڑا رکھیں، اور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے رہیں، اگر نماز کے دوران پیشاب کے قطرے ٹپک جائیں اور قدر درہم سے زیادہ کپڑے میں لگ جائیں، تو کپڑے کے اس حصے کا دھونا ضروری ہوگا، جہاں پیشاب کے قطرے لگ گئے ہیں، پورے کپڑے کا دھونا ضروری نہیں ہے۔[2]

نماز کے علاوہ دوسرے کپڑوں میں بھی جہاں تک ہو سکے، طہارت کا اہتمام کریں، اس کے باوجود بھی اگر کپڑے ناپاک ہو جائیں، تو گناہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] پیشاب کی تھیلی اور اس میں استنجاء کا حکم

۵۴۰-سوال: میرے ایک ساتھی نے پیٹ کا آپریشن کروایا ہے، آپریشن کے بعد پیشاب کی تھیلی لگا دی گئی ہے، صورت حال یہ ہے کہ مکمل پیشاب اسی تھیلی میں ہوتا ہے اور چوں کہ اس نے پینٹ پہن

---

(۱) لا یجب علی المعذور غسل الثوب ونحوه، إذا کان بحال لو غسله تنجس قبل الفراغ من الصلاة. (اللباب في شرح الکتاب- عبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهیم الغنیمي الدمشقي المیداني الحنفي (م: ۱۲۹۸ھ): ۱/ ۴۷، باب الحیض، ت: محمد محیي الدین عبد الحمید، ط: المکتبة العلمیة- بیروت)
نوٹ: معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ کریں: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

(۲) (وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن کره تحریما، فیجب غسله، وما دونه تنزیها فیسن، وفوقه مبطل. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۱۶، باب الأنجاس)

وفي الشامیة: وقدر الدرهم لا یمنع، ویکون مسیئا وإن قل، فالأفضل أن یغسلها ولا یکون مسیئا. (رد المحتار: ۱/ ۳۱۷، باب الأنجاس، ط: دار الفکر- بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء)

رکھا ہے؛ اس لیے وہ تھیلی باہر سے نظر نہیں آتی ہے، تو اس حالت میں وہ فرض نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور قرآن مجید کی تلاوت کرسکتا ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ پیشاب کے خاص مقام سے پیشاب نہیں اترتا ہے ؛بل کہ استنجاء کے لیے ایک مقام دوسرا بنا ہے، وہاں سے استنجا ہوتا ہے۔

الجواب حامداومصليا:

تھیلی میں بھی کوئی بھی نجاست اترے گی، خواہ وہ کہیں سے اترے، اس سے وضوٹوٹ جائے گا؛ کیوں کہ بدن کے کسی بھی حصے سے نجاست نکلے، وضوٹوٹ جاتا ہے، نماز پڑھنے سے پہلے اس تھیلی کو صاف کریں، مقام کی صفائی کریں، پھر وضو کر کے نماز پڑھیں۔[1] البتہ جس شخص کو، ہر پانچ دس منٹ پر قطرات ٹپکتے ہی رہتے ہوں اور اتنی بھی فرصت نہ ملے کہ طہارت حاصل کر کے فرض نماز ادا کر سکے، تو وہ معذور کہلائے گا، نجاست کو صاف کر کے وضو کر کے نماز پڑھتا رہے، نجاست نکلتی رہے گی، تب بھی وضو نہیں ٹوٹے گا، جب تک نماز کا وقت باقی ہے، اس کا وضو باقی رہے گا؛ لہٰذا وقت میں جتنی نمازیں خواہ فرض ہوں یا نوافل پڑھ سکتا ہے اور تلاوت بھی کرسکتا ہے، وقت گزر جانے کے بعد وضوٹوٹ جائے گا، گرچہ کوئی ناقض وضو امر پیش نہ آیا ہو۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) "المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السبيلين " لقوله تعالى: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنكُم مِنَ الْغَائِطِ﴾ [النساء: ۴۳] وقيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم ما الحدث؟ قال: " ما يخرج من السبيلين " وكلمة ما عامة، فتتناول المعتاد وغيره " والدم والقيح إذا خرجا من البدن فتجاوزا إلى موضع يلحقه حكم التطهير الخ. (الهداية في شرح بداية المبتدي- المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۱۷، فصل في نواقض الوضوء، كتاب الطهارات، باب الوضوء. ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

(۲) معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ کریں: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

نوٹ: ایسا شخص مسجد میں نہ آئے؛ کیوں کہ یہ حامل نجاست ہے۔

عن أبي هريرة - رضى الله تعالىٰ عنه - عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "أكثر عذاب القبر فى البول".

(مسند احمد: ۱۴/ ۷۷، حدیث نمبر: ۸۳۳۱)

باب الأنجاس

[نجاست کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الأنجاس

نجاست کا بیان

[۱] اگر کپڑے یا بدن پر نجاست لگ جائے، تو کس قدر معاف ہے؟

۵۴۱-سوال: بدن یا کپڑوں پر لگی ہوئی نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے؟

(ناصر پٹھان)

الجواب حامداو مصلیا:

نجاست کی مختلف قسمیں ہیں: نجاست غلیظہ، نجاست خفیفہ، پھر نجاست غلیظہ وخفیفہ میں بعض سائلہ (بہنے والی) نجاست ہیں اور بعض متجسدہ (ذی جرم)؛ ان تمام کے احکام الگ الگ ہیں۔ تفصیلی بیان "تعلیم الاسلام"[۱] اور "بہشتی زیور"[۲] میں موجود ہے۔ وہاں دیکھ لیں۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲) تعلیم الاسلام: ۳/ ۴۶، ط: کتب خانہ عزیزیہ، جامع مسجد۔ دہلی۔

(۳) بہشتی زیور (اختری): ۲/ ۳-۴، ط: کتب خانہ اختری، متصل مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور۔

(۴) نجاست کی دو قسمیں ہیں: غلیظ اور خفیف، نجاست غلیظ میں پتلی اور بہنے والی نجاست (خون، آدمی کا پیشاب وغیرہ) کپڑے یا بدن میں لگ جائے، تو پھیلاؤ میں مساحت کف یعنی ہتھیلی کے گڑھے (ایک روپے کے سکے) کے برابر یا اس کے کم معاف ہے، اگر اس کو دھوئے بغیر کوئی نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز ہو جائے گی؛ لیکن نہ دھونا اور اس کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا مکروہ اور برا ہے۔ اور اگر نجاست غلیظ میں سے گاڑھی چیز (پاخانہ، مرغی کی بیٹ وغیرہ) لگ جائے، تو وزن میں ساڑھے چار ماشہ یا اس سے کم معاف ہے۔ اور اگر نجاست خفیفہ ہو، تو بدن یا کپڑے کے جس حصے میں لگی ہے، اگر اس کے چوتھائی سے کم ہو، تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو، تو معاف نہیں ہے: (وعفي قدر الدرهم) وزنا في المتجسدة وهو عشرون قيراطا ومساحة في المائعة وهو قدر مقعر الكف داخل مفاصل الأصابع كما وفقه الهندواني وهو الصحيح فذلك عفو (من) النجاسة (المغلظة) فلا يعفى عنها إذا زادت على الدرهم مع القدرة على الإزالة (و) عفي قدر (ما دون ربع الثوب) الكامل (أو البدن) كله على الصحيح من الخفيفة لقيام الربع مقام الكل كمسح ربع الرأس. (مراقي الفلاح، ص: ۳۷، كتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة منه، ط: زكريا، ديوبند)

[۲] نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے؟

۵۴۲-سوال: ایک شخص کو مسا کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے کبھی کبھی اس کے کپڑے خون سے خراب ہو جاتے ہیں، غفلت میں یا عدم اطلاع کی وجہ سے کبھی خون سے آلودہ کپڑے میں ہی وہ نماز ادا کر لیتا ہے، تو کیا ایسے کپڑوں میں نماز ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت خون دکھائی دے گا، اس وقت سے کپڑے کی ناپاکی کا حکم لگایا جائے گا۔[1]

اگر ہتھیلی کی مقدار کے برابر یا اس سے کم حصہ خون سے آلودہ ہے، تو معاف ہے، اس حالت میں نماز ہو جائے گی، اس سے زائد معاف نہیں ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] انسان کے پاخانہ سے گیس حاصل کرنا اور اس سے کھانا پکانا

۵۴۳-سوال: حضرت مفتی صاحب! سوال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ''گیس گوبر'' کا پلان دو تین جگہ جاری ہے، (جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک کنواں کھود کر اس میں جانوروں کے فضلات ڈالتے ہیں اور اس سے گیس تیار کیے جاتے ہیں) اب بعض لوگ جانوروں کے گوبر کے ساتھ قریب میں بیت الخلاء بنا کر انسان کا پاخانہ بھی اس کنویں میں ڈالنے کا ارادہ کر رہے ہیں، تو ایسے گیس سے فائدہ اٹھانا اور اس سے کھانا پکانا' جو جانوروں اور انسان کے گوبر اور پاخانہ سے بنا ہو، شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اس گیس سے پکایا ہوا کھانا حلال ہوگا یا حرام؟ جواب عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان اور جانور کے فضلہ سے گیس حاصل کرنا اور اس سے کھانا پکانا جائز ہے، اس میں کوئی حرج

---

(۱) (ويحكم بنجاستها) مغلظة (من وقت الوقوع إن علم، وإلا فمذ يوم وليلة إن لم ينتفخ ولم يتفسخ) وهذا (في حق الوضوء) والغسل؛ ... أما في حق غيره كغسل ثوب فيحكم بنجاسته في الحال. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۲۱۹-۲۱۸، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الفكر -بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء)

(۲) تفصیلی مسئلہ اور تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: اگر کپڑے یا بدن پر نجاست لگ جائے تو کس قدر معاف ہے؟

نہیں، اور اس سے پکایا ہوا کھانا بھی حلال ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] اگر سالن میں سنڈاسیہ نامی کیڑا گر جائے، تو کیا حکم ہے؟

۵۴۴-سوال: پکے ہوئے سالن میں اگر سنڈاسیہ (ایک قسم کا کیڑا، جو گندگی میں رہتا ہے، لال رنگ کا ہوتا ہے، رائی کی پیداوار کے موسم میں بہ کثرت نظر آتا ہے) گر کر مر جائے اور آدھے گھنٹے تک سالن میں رہے، اس کے بعد اسے نکالا جائے، تو وہ سالن پاک رہے گا یا ناپاک ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کیڑے مکوڑے (حشرات الارض) میں دم مسفوح (بہنے والا خون) نہیں ہوتا ہے، وہ پاک ہے، اگر چہ وہ کیڑا ناپاکی سے پیدا ہوتا ہو، یعنی پانی وغیرہ سیال چیز میں اس کے گرنے سے وہ چیز ناپاک نہ ہوگی۔[۲] لہٰذا سنڈاسیہ نامی کیڑے میں اگر دم مسفوح نہیں ہے، تو سالن میں گر کر مر جانے سے وہ سالن ناپاک نہیں ہوگا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] الکحل آمیز سینٹ کا حکم

۵۴۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ: آج کل بیرونی ممالک کے تیار شدہ سینٹ بہ کثرت استعمال ہوتے ہیں، جن میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے، جسم پر چھڑکنے سے برودت بھی محسوس ہوتی ہے، جسم پر یا کپڑے پر داغ نہیں لگتا؛ بل کہ وہ بہت جلد اڑ جاتا ہے، البتہ خوشبو

---

(۱) الحمار أو الخنزير إذا وقع في المملحة فصار ملحا أو بئر البالوعة إذا صار طينا، يطهر عندهما خلافا لأبي يوسف - رحمه الله -. كذا في محيط السرخسي... جعل الدهن النجس في الصابون يفتى بطهارته؛ لأنه تغير. كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۴۵، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، ط: دار الفكر ☆ مزید دیکھیے: رد المحتار: ۱/ ۳۱۶، باب الأنجاس، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) وفي الوهبانية: دود القز وماؤه وبزره وخرؤه طاهر كدودة متولدة من نجاسة. (الدر مع الرد: ۱/ ۱۸۳، كتاب الطهارة: باب المياة، ط: دار الفکر- بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء)

(۳) لیکن اگر اس کے بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو اور اسی حالت میں وہ سالن میں گرا ہو، تو سالن ناپاک ہو جائے گا، چناں چہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: (قوله: كدودة متولدة من نجاسة) فإنها طاهرة ولو خرجت من الدبر، والنقض إنما هو لما عليها لا لذاتها. (رد المحتار: ۱/ ۱۸۳، كتاب الطهارة: باب المياة، ط: دار الفکر- بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء)

باقی رہتی ہے، یہ معلوم نہیں ہے کہ الکحل کس چیز سے تیار کی جاتی ہے، لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اس کا استعمال حرام ہے، شرعاً اس کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟ یا مشتبہ جان کر چھوڑ دینا صرف اولیٰ ہے، جو بھی ہو، حتمی جواب عنایت فرمائیں؛ کیوں کہ اس کے استعمال اور کاروبار کے سلسلے میں لوگ شک میں مبتلا ہیں۔

المستفتیان: ممبئی کے عطر فروش

الجواب حامداً ومصلیاً:

الکحل کی پاکی اور ناپاکی کا مدار اس کے اجزائے ترکیبی پر ہے۔ اگر ''الکحل'' انگور سے بنا ہے، تب تو اس کے شراب (خمر) اور ناپاک ہونے پر علماء کا اتفاق ہے؛ کیوں کہ انگور سے تیار ہونے والی منشیات 'خمر' ہیں، جو حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی۔[۱]

انگور کے علاوہ دوسرے نباتات سے اگر تیار کیا گیا ہو، تو اس کے بارے میں اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اگر نشہ آنے کے بہ قدر پیا جائے، تو حرام اور گناہ ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ خمر نہیں ہے؛ اس لیے نشہ کے بہ قدر اس کا پینا تو ناجائز ہے؛ لیکن وہ خمر کی طرح ناپاک نہیں، گویا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو ''الکحل'' انگور کے علاوہ کسی اور شئے سے حاصل کیا گیا ہو، وہ ناپاک نہیں ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک تمام نشہ آور کا حکم یکساں ہے اور سب خمر میں داخل ہیں اور ناپاک ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں اور حنفیہ کے یہاں فتویٰ بھی ان ہی کے قول پر ہے۔[۲]

---

(۱) أما الخمر فيتعلق بها أحكام؛ (منها) أنه يحرم شرب قليلها و كثيرها إلا عند الضرورة لأنها محرمة العين فيستوي في الحرمة قليلها و كثيرها...(ومنها) أنها نجسة غليظة حتى لو أصاب ثوبا أكثر من قدر الدرهم يمنع جواز الصلاة.(: بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع:۵/۱۱۲- ۱۱۳،بيان أحكام الأشربة،كتاب الأشربة،ط: دار الكتب العلمية،الطبعة الثانية:۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء)

(۲) قال الحصكفي:(وحرمها محمد) أي الأشربة المتخذة من العسل والتين ونحوهما قاله المصنف (مطلقا) قليلها وكثيرها.(وبه يفتى) ذكره الزيلعي وغيره،واختاره شارح الوهبانية،وذكر أنه مروي عن الكل...وفي طلاق البزازية: وقال محمد ما أسكر كثيره فقليله حرام، وهو نجس أيضا.قال ابن عابدين:(قوله وبه يفتى) أي بقول محمد، وهو قول الأئمة الثلاثة لقوله - عليه الصلاة والسلام - كل مسكر خمر وكل مسكر حرام، رواه مسلم، وقوله -عليه الصلاة والسلام-" «ما أسكر كثيره فقليله حرام» رواه أحمد وابن ماجة والدارقطني وصححه (قوله غيره) كصاحب الملتقى والمواهب والكفاية والنهاية والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقهستاني والعيني، حيث قالوا الفتوى في زماننا بقول محمد لغلبة الفساد.(رد المحتار مع الدر المختار:۶/۴۵۴،كتاب الأشربة،ط: دار الفكر -بيروت)

الغرض الکحل اگر انگور سے تیار شدہ ہے، تب تو وہ بالاتفاق حرام اور ناپاک ہے اور نجاست غلیظہ ہے، سینٹ کے طور پر اس کا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا؛ اگر جسم یا کپڑے پر درہم کے بہ قدر لگ جائے، تو اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہوگی۔

لیکن اگر الکحل انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے حاصل کیا گیا ہو، تو بھی وہ ناپاک ہی ہوگا، اور اس کا سینٹ کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا، تاہم اس کے پاک اور ناپاک ہونے میں اختلاف ہے، اس لیے یہ نجاست خفیفہ کے حکم میں ہوگا، اگر جسم یا کپڑے میں لگ جائے، تو جس عضو میں لگا ہو، اس عضو کی چوتھائی مقدار یا اس سے زائد ہو، تو اس کا دھونا ضروری ہوگا، یہ تو اصل مسئلہ ہے۔[۳]

لیکن تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ الکحل اور اسپرٹ شراب کے ماسوا دوسری چیزوں سے بھی بنائی جاتی ہے، خصوصاً انگور کئی ممالک میں کافی مہنگا ہوتا ہے؛ اس لیے غالب گمان ہے کہ سینٹ میں اس کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے۔ موجودہ دور میں کمپنی کے لیے اپنے پروڈکٹ کے اجزائے ترکیبی کی تفصیل حکومت کو پیش کرنا ضروری ہوتا ہے؛ اس لیے بمبئی کے تاجرانِ عطر، سینٹ کے اجزاءِ ترکیبیہ کو معلوم کریں، تاکہ حتمی فیصلہ کیا جاسکے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱ر جنوری، ۱۹۸۳ء

---

(۳) و بهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (AL COHALS) التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية، و العطور، و المركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر، فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، و إن اتخذت من غيرهما، فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة رحمه الله، و لا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، و لا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

و إن ان معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية و العطور و غيرهما لا تتخذ من العنب أو التمر، و إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول و غيره كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، و حينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى، والله سبحانه أعلم. (تكملة فتح الملهم: ۳/ ۶۰۸، كتاب الأشربة، باب تحريم الخمر . . . ، ط: مكتبة دار العلوم - كراتشي)

(۴) حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے الکحل سے سلسلے میں لکھا ہے: ابتدائی دور میں الکحل جوہر شراب یا روحِ شراب (شراب کی تلچھٹ) ہوتا تھا؛ اس لیے فقہاء نے اس کو شراب کا حکم دیا تھا، اور اس کا استعمال اور دوا میں بھی استعمال ناجائز قرار دیا تھا، مگر اب "الکحل" سائنٹفک طریقے سے بننے لگی ہے کہ وہ شراب نہیں رہتی؛ بل کہ سرکہ کے حکم میں ہو جاتی ہے؛ اس لیے جب تک دلائل شرعیہ سے یقین نہ ہو جائے کہ الکحل وہی شراب کا جوہر یا تلچھٹ ہے، اس وقت تک اس کے ناپاک وحرام ہونے کا اور اس کے دوا وغیرہ=

[۶] کپڑوں میں سینٹ کا اسپرے کرنا اور اُن کپڑوں میں نماز پڑھنا

۵۴۶-سوال: جب سینٹ کا کپڑوں پر اسپرے (چھڑکاؤ) کیا جاتا ہے، تو اُس کی اسپرٹ اور گیس کچھ ہی دیر میں ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے اور صرف خوشبو باقی رہ جاتی ہے، اس طرح کے اسپرے کیے ہوئے کپڑوں میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر انگور، منقی اور کھجور سے بنی ہوئی سینٹ کا اسپرے کیا گیا ہو، تو کپڑے ناپاک ہو جائیں گے، اس لیے اُس کا استعمال جائز نہیں ہے، اگر ان اشیاء کے سوا دوسری اشیاء سے سینٹ تیار ہوا ہے، جو عطر میں لگایا جاتا ہے، تو اُس کا استعمال جائز ہے اور اُن کپڑوں میں نماز بھی صحیح ہو جائے گی، بشرطیکہ سینٹ میں اور کوئی ناپاک چیز نہ گر جائے۔ (امداد الفتاوی)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] ہم بستری کے بعد پہنے گئے پاک کپڑوں کا حکم

۵۴۷-سوال: ٹھنڈی کے موسم میں میاں بیوی نے مجامعت (ہم بستری) کے بعد اپنے مخصوص

= میں استعمال کی ممانعت کا عدم جواز کا حکم نہیں دے سکتے اور نہ استعمال کے بعد یا جسم پر لگنے کے بعد تطہیر کا حکم دینا ضروری کہہ سکتے ہیں؛ البتہ تقویٰ الگ بات ہوگی اور تقاضائے احتیاط کہا جائے گا، نہ کہ فتویٰ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳؍۴۰۵، کتاب الحظر والاباحۃ، ایفا پبلی کیشنز، دہلی)

اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا نے اس سلسلے میں سیمینار کا انعقاد کیا تھا، بحث وتمحیص اور غور وخوض کے بعد جو تجویز منظور ہوئی، وہ یہ ہے:

۳-عطریات میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، فنی ماہرین کی تحقیق کے مطابق وہ نشہ آور نہیں ہے، اس لیے یہ ناپاک نہیں ہے۔ (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے: ۱۵۳، طبی مسائل۔ الکحل، ط: ایفا پبلی کیشنز، دہلی)

[۱] امداد الفتاوی (۱؍۱۳، کتاب الطہارت، تفصیل در حکم اسپرٹ، ط: مکتبہ دار العلوم، کراچی) میں ہے:

سوال: انگریزی دوا، جو پینے کی ہوتی ہے، اس میں عموماً اسپرٹ ملائی جاتی ہے۔ (یہ قسم ہے اعلیٰ درجے کے شراب کی، شراب کا ست ہے) تو جب اس امر کا یقین ہو چکا اور مسلم ہے، تو انگریزی (ہسپتال) کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: اسپرٹ اگر عنب وزبیب ورطب وتمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف، ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق۔

۲۱ محرم، ۱۳۳۴ھ (حوادث رابع، ص: ۶۲)

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان: الکحل آمیز سینٹ کا حکم۔

مقام اور نجاست (منی) کو کپڑے وغیرہ سے صاف کرلیا، پھر دونوں نے پاک کپڑے پہن لیے، تو کیا یہ پاک کپڑے مخصوص مقام یا موضع منی (جس جگہ منی لگی ہوئی تھی) سے لگنے کی وجہ سے ناپاک ہوجائیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میاں بیوی کسی بھی موسم میں ہم بستری سے فراغت کے بعد نجاست (منی) صاف کرکے پاک کپڑے پہن لیں اور وہ پاک کپڑا اس ناپاک جگہ پر لگ جائے، ناپاکی خشک ہو اور اس کا اثر اس پاک کپڑے پر نہ آیا ہو، تو وہ کپڑا ناپاک نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس صورت میں پاک کپڑے کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، البتہ عورت کو اس کی طرف خاص دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ مخصوص مقام کو صاف کرلینے کے بعد دوبارہ اس مقام سے کوئی رطوبت (نجاست) نکل کر پہنے ہوئے کپڑے پر نہ لگے، ورنہ کپڑا ناپاک ہوجائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ عرینہ کے چند لوگوں کو پیشاب پینے کے حکم کیوں دیا؟

۵۴۸-سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چند افراد مدینہ منورہ آئے تھے، ان کو وہاں کی آب و ہوا راس نہیں آئی، اور مرض الجواء (مرض استسقاء) لاحق ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بہ طور علاج اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا تھا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ حالاں کہ متعدد احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، اور پیشاب سے نہ بچنے والوں کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ عموماً عذاب قبر، اسی سے ہوتا ہے۔ تو یہ بات کیسے ممکن ہے کہ اتنی سخت وعیدوں کے باوجود آپ نے ان لوگوں کو پیشاب پینے کا حکم دیا ہو؟۔

الجواب حامداً ومصلیاً

یہ صحیح ہے کہ قبیلۂ عرینہ اور عکل کے چند لوگ مدینہ منورہ آئے، مدینہ کی آب وہوا ان کو راس نہیں آئی

---

(۱) إذا نام الرجل على فراش فأصابه مني وييبس فعرق الرجل وابتل الفراش من عرقه إن لم يظهر أثر البلل في بدنه لا يتنجس وإن كان العرق كثيرا حتى ابتل الفراش ثم أصاب بلل الفراش جسده فظهر أثره في جسده يتنجس بدنه كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۴۷، كتاب الطهارت الباب السابع في النجاسة وأحكامها- ط: دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية)

مزید دیکھیے: المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۱/ ۱۹۰، كتاب الطهارات، الفصل السابع في النجاسات وأحكامها، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية، بيروت- لبنان)

اوران کے پیٹوں میں بیماری پیدا ہوگئی، انہوں نے اس کی شکایت آپ ﷺ سے کی، تو آپ ﷺ نے ان کو اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا، انہوں نے پیا تو اللہ کے حکم سے وہ لوگ اچھے ہوگئے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کا کلمہ پڑھا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم مویشیوں والے تھے، کاشت کاری کرنے والے نہیں تھے۔ اور مدینہ کی آب وہوا ان لوگوں کو راس نہ آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لیے اونٹوں کا ایک گلہ اور چرواہا دیے جانے کا حکم دیا کہ ان جانوروں کے ساتھ رہیں اور ان کا دودھ اور پیشاب پئیں، وہ لوگ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب حرہ کے اطراف میں پہنچے تو مرتد ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کرڈالا اور اونٹوں کو لے بھاگے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو ان کے پیچھے چند آدمی بھیجے (جب وہ لوگ پکڑ کر لائے گئے) تو آپ ﷺ نے ان کے متعلق سزا کا حکم دیا، تو ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی اور ان کے ہاتھ کاٹ دیے گئے اور حرہ کے علاقہ میں چھوڑ دیے گئے، یہاں تک کہ سب کے سب اسی حال میں مر گئے اور جہنم رسید ہوگئے۔[1]

اس روایت میں اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا ہے، جب کہ ایک روایت میں ہے کہ پیشاب سے بچو؛ کیوں کہ عموماً عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔[2]

بہ ظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؛ حالاں کہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ انسان

---

(۱) أن ناسا من عکل و عرینة قدموا المدینة علی النبي -صلی اللہ علیه وسلم- وتکلموا بالإسلام، فقالوا یا نبي اللہ: إنا کنا أهل ضرع، ولم نکن أهل ریف، واستوخموا المدینة، فأمر لهم رسول اللہ -صلی اللہ علیه وسلم- بذود وراع، وأمرهم أن یخرجوا فیه فیشربوا من ألبانها وأبوالها. الخ (صحیح البخاري: ۲/ ۶۰۲، رقم: ۴۱۹۲ و ۵۷۲۷، باب قصة عکل وعرینة، کتاب المغازي، ط: دیوبند☆الصحیح لمسلم: ۲/ ۵۷، رقم الحدیث: ۹- ۱۶۷۱(۱۴)، باب حکم المحاربین والمرتدین، کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات، عن أنس رضی اللہ عنه)

(۲) ۱۔ عن أبي هریرة رضي اللہ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: استنزهوا من البول؛ فإن عامة عذاب القبر منه. قال الدار قطني: الصواب مرسل. (سنن الدار قطني: ۱/ ۲۳۳، رقم الحدیث: ۴۶۴، باب نجاسة البول والأمر بالتنزه منه، ط: مؤسسة الرسالة، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۴ء)

۲۔ عن أبي هریرة رضي اللہ تعالی عنه عن النبي صلی اللہ علیه وسلم قال: أکثر عذاب القبر في البول. (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ): ۱۴/ ۷۷، رقم الحدیث: ۸۳۳۱، ت: شعیب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، طبع اول: ۱۴۲۱ھ- ۲۰۰۱ء)

(خواہ بالغ ہو یا نابالغ ،لڑکا ہو یا لڑکی) اور جانور کا پیشاب ناپاک ہے۔[۳] گویا ''حدیث عرینہ'' جانور کے پیشاب کی نجاست کے سلسلے میں احناف کے خلاف ہے؛ اس لیے اس کا جواب حسب ذیل طریقوں سے دیا جاتا ہے:

(۱) یہ روایت [جس میں اونٹ (مراد: ماکول اللحم یعنی حلال جانور) کا پیشاب پینے کا حکم دیا گیا ہے] منسوخ ہے، پہلے ماکول اللحم کا پیشاب پاک تھا، بعد میں اس کو ناپاک قرار دے کر اس سے بچنے کا حکم دیا گیا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ: تم پیشاب سے بچو، کیوں کہ قبر کا اکثر عذاب پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مورخین کی تصریح کے مطابق عرنیین کا واقعہ سن چھ (۶) ہجری میں پیش آیا تھا، جب کہ حدیث "استنزهوا من البول" کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے سات ہجری میں اسلام قبول کیا ہے؛ اس لیے ان کی یہ روایت لازماً مذکورہ واقعہ کے بعد ہوگی، لہٰذا یہ روایت اُس واقعہ میں ثابت ہونے والے حکم کے لیے ناسخ ہوگی، نیز نسخ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اسی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے عرنیین کے مثلہ کا حکم دیا، حالاں کہ مثلہ باتفاق منسوخ ہے؛ اس لیے یہ حکم بھی منسوخ ہوگا۔ تاہم یہ جواب بہتر نہیں ہے۔[۴]

(۲) پیشاب کا اصل حکم تو یہی ہے کہ وہ ناپاک ہے، البتہ کوئی حاذق اور ماہر طبیب یہ کہے کہ تمہاری بیماری کی شفا پیشاب کے پینے میں ہے، تو اس کے کہنے پر پیشاب کا پینا جائز ہوگا؛ کیوں کہ حرام چیز سے یقینی صحت و شفاء کے وقت علاج ومعالجہ جائز ہے۔ اس واقعہ میں بھی نبی کریم ﷺ کو بہ ذریعہ وحی یہ بات بتلادی گئی تھی کہ ابوال ابل کو پیے بغیر ان کی شفا اور زندگی ممکن نہیں ہے، گویا کہ وہ لوگ مضطر کے حکم میں آگئے تھے اور مضطر کے لیے پیشاب کا پینا جائز ہے۔ اس جواب کو علامہ عینیؒ نے جواب شافی کہا ہے۔[۵]

---

(۳) قال العيني: وقال أبو حنيفة والشافعي وأبو يوسف وأبو ثور وآخرون كثيرون: الأبوال كلها نجسة. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م:۸۵۵ھ): ۳/ ۱۵۴، باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، كتاب الوضوء، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆

تفصیل کے لیے دیکھیے: بدائع الصنائع: ۱/ ۶۰-۶۱، فصل في الطهارة الحقيقية، كتاب الطهارة، ط: دار الكتب العلمية، ۱۹۸۶ء۔

(۴) درس ترمذی: ۱/ ۲۹۱، باب ماجاء في بول مايؤكل لحمه، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

(۵) والجواب المقنع في ذلك أنه - عليه الصلاة والسلام - عرف بطريق الوحي شفاهم، والاستشفاء بالحرام=

(۳) آپ ﷺ نے ان کو پیشاب پینے کی اجازت نہیں دی تھی؛ بل کہ پیشاب کو صرف بدن پر لگانے اجازت دی تھی۔[۱]

(۴) اللہ کے علم کے مطابق وہ لوگ حقیقت میں مسلمان نہیں تھے، اور نبی کریم ﷺ کو بہ ذریعہ وحی معلوم ہوگیا تھا کہ ان کی موت کفر کی حالت میں ہوگی، جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا تھا؛ اور اس بات کا امکان ہے کہ کافر کو حرام شئے سے شفا مل جاتی ہو؛ اس لیے آپ ﷺ نے انھیں پیشاب پینے کا حکم دیا تھا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ (۷/۱۰/۱۹۷۷ء)

[۹] شیر خوار بچے کا پیشاب ناپاک ہے

۵۴۹-سوال: شیر خوار بچے کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟ امام شافعیؒ کا کیا مسلک ہے؟ کیا ایسے کپڑے میں نماز صحیح ہو جائے گی، جس پر شیر خوار بچے نے پیشاب کیا ہو؟

الجواب حامداومصلیا:

شیر خوار بچے کا پیشاب ناپاک ہے۔[۳] امام شافعی نے بھی اس کو ناپاک قرار دیا ہے۔[۴] رسول اللہ

= جائز عند التيقن بحصول الشفاء، كتناول الميتة في المخمصة، والخمر عند العطش، وإساغة اللقمة، وإنما لا يباح مالا يستيقن حصول الشفاء به. وقال ابن حزم: صح يقينا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إنما أمرهم بذلك على سبيل التداوي من السقم الذي كان أصابه، وأنهم صحت أجسامهم بذلك، والتداوي منزلة ضرورة. وقد قال عز وجل: {إلا ما اضطررتم إليه} (الأنعام:۱۱۹) فما اضطر المرء إليه فهو غير محرم عليه من المآكل والمشارب. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م:۸۵۵هـ): ۳/ ۱۵۴-۱۵۵، باب أبوال الابل والدواب والغنم ومرابضها، كتاب الوضوء، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) وقال شمس الائمة: حديث أنس، رضي الله تعالى عنه، قد رواه قتادة عنه أنه رخص لهم في شرب ألبان الإبل. ولم يذكر الأبوال، وإنما ذكره في رواية حميد الطويل عنه، والحديث حكاية حال، فإذا دار بين أن يكون حجة أو لا يكون حجة سقط الاحتجاج به. (حوالہ سابق: ۳/ ۱۵۵)

(۷) أو لأنهم كانوا كفارا في علم الله تعالى ورسوله - عليه السلام - علم من طريق الوحي أنهم يموتون على الردة، ولا يبعد أن يكون شفاء الكافر بالنجس. (حوالہ سابق: ۳/ ۱۵۵)

(۱) في الدر المختار: وبول غير مأكول ولو من صغير لم يطعم. وقال ابن عابدين: (قوله: لم يطعم) بفتح الياء أي: لم يأكل فلا بد من غسله. (رد المحتار: ۱/ ۳۱۸، باب الأنجاس، ط: بيروت)

فالغليظة كخمر... بول ما لا يؤكل لحمه كالآدمي ولو رضيعا. (مراقي الفلاح) وقال الطحطاوي (م:۱۲۳۱هـ): =

ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ پیشاب سے نہ بچنا عذابِ قبر کا موجب ہے۔[1]

لہٰذا بدن یا کپڑے کے جس حصہ میں پیشاب معفوعنہ (قابلِ معافی) مقدار سے زائد لگا ہو، تو اس کو دھونا ضروری ہے، ورنہ نماز درست نہیں ہوگی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= (قوله: ولو رضيعا) لم يطعم، سواء كان ذكرا أو انثى. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۱۵۴، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت-لبنان)

(۲) بول الصبي والصبية اللذين لم يطعما الطعام نجس، كبول الذي يطعم الطعام، . . . إذا ثبت هذا: فلا خلاف على المذهب: أنه يجب الغسل منهما، ولكنهما مختلفان في كيفية الغسل: فيجزئ في بول الغلام الذي لم يطعم الطعام النضح، وهو: أن يبل موضعه بالماء، وإن لم ينزل عنه. وفي بول الصبية وجهان، ومنهم من يقول: هما قولان: أحدهما: يجزئ فيه النضح، كبول الغلام. والثاني: يجب غسله، كسائر الأبوال. وهو المشهور. (البيان في مذهب الإمام الشافعي-أبو الحسين يحيى بن أبي الخير بن سالم العمراني اليمني الشافعي (م: ۵۵۸ھ): ۱/ ۴۳۷، كتاب الطهارة، باب إزالة النجاسة، مسألة: بول الغلام الصغير، ت: قاسم محمد النوري، ط: دار المنهاج - جدة ☆ مزید دیکھیے: الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي وهو شرح مختصر المزني-أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (م: ۴۵۰ھ): ۲/ ۲۴۸، كتاب الصلاة، باب الصلاة بالنجاسة ومواضع الصلاة من مسجد وغيره، ت: الشيخ علي محمد معوض - الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ نهاية المطلب في دراية المذهب-عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين (م: ۴۷۸ھ): ۲/ ۳۱۲ و ۳۱۳، رقم المسئلة: ۱۰۸۸، كتاب الصلاة، باب الصلاة بالنجاسة، ت: أ. د/ عبد العظيم محمود الديب، ط: دار المنهاج ☆ أسنى المطالب في شرح روض الطالب - زكريا بن محمد بن زكريا الأنصاري، زين الدين أبو يحيى السنيكي (م: ۹۲۶ھ): ۱/ ۲۰، كتاب الطهارة، باب: بيان إزالة النجاسة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

اس صفحہ کا حاشیہ:

(۱) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "أكثر عذاب القبر في البول". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۴/ ۷۷، رقم الحديث: ۸۳۳۱، مسند أبي هريرة رضي الله عنه، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، قال المحقق: إسناده صحيح على شرط الشيخين)

مزید دیکھیے: مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار - أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (م: ۲۹۲ھ): ۱۶/ ۱۱۹، رقم: ۹۲۰۱، ط: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة.

☆ الشريعة - أبو بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الآجُرِّيُّ البغدادي (م: ۳۶۰ھ): ۳/ ۱۲۸۲، رقم: ۸۵۴، باب التصديق والإيمان بعذاب القبر، ت: د. عبد الله بن عمر بن سليمان الدميجي، ط: دار الوطن - الرياض / السعودية.

(۲) دیکھیے: حاشیہ نمبر: ۱۔

[۱۰] بیمار آدمی کا ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا، جس میں نجاست کا گمان ہو

۵۵۰-سوال: ایک بیمار آدمی ہے، جس کے کپڑے اور بستر وغیرہ کے ناپاک ہونے کا شک ہے، بدلنے میں تکلیف ہوتی ہے، تو کیا اسی ناپاک بستر میں نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

محض شک کی بنیاد پر نماز چھوڑنے کی ضرورت نہیں، غلبۂ ظن ناپاکی کا ہو، تو بستر اور کپڑے بدلنا ضروری ہے، ورنہ ضرورت نہیں، اگر بستر ناپاک ہو اور جگہ متعین ہو کہ بعض جگہ پر ناپاکی ہے، تو اگر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہو، تو صرف بیٹھنے کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، سو کر نماز پڑھ رہا ہو تو بستر کا جو حصہ بدن کے ساتھ لگ رہا ہو، اس کا پاک ہونا ضروری ہے، اگر ایسا نہ ہو، بل کہ پورا بستر ناپاک ہو، تو بستر کا بدلنا یا نماز کی جگہ پر موٹا کور (مصلّٰی) بچھا دینا کافی ہے، ناپاک جگہ پر نماز جائز نہیں ہے، بیمار کو اٹھا کر نیچے سے بستر بدل دینا چاہیے۔

پہنے ہوئے کپڑے اگر ناپاک ہیں، تو اتار لینا ضروری ہے، کپڑے میں نجاست، پیشاب، خون یا پاخانہ ہو، تو ایک ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار یعنی روپیہ کے بقدر ہو، تو نماز جائز نہیں اس سے کم ہو، تو جائز ہے، زیادہ ناپاک ہو اور اتارنے میں دقت ہو، تو محض تکلیف کی وجہ سے ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، کسی بھی طریقے سے اس کو اتارے، اگر اتارنا مشکل ہو، اور تہبند یا ازار پر نجاست ہو، تو اس کو اتار دے، اور دوسرا کپڑا بدن پر ڈال کر نماز پڑھ لے۔

کُرتے میں ناپاکی ہو، تو کرتا نکال لے، دونوں ناپاک ہوں اور نکال نہ سکے اور کپڑے کا چوتھائی حصہ پاک ہو، باقی کا حصہ ناپاک ہو، تو ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور اعادے کی کوئی ضرورت نہیں؛ لیکن احتیاط اس میں ہے کہ بیماری کے بعد موقع ملے، تو لوٹا لے۔ (عالم گیری: ۱/ ۵۸ ☆ رد المحتار: ۱/ ۴۱۲)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو شك في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر، وتمامه في الأشباه. (الدر المختار) وفي الشامية: في التتارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم يستيقن. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۵۱، كتاب الطهارة، قبيل فرض الغسل، ط: دار الفكر)

تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس هذ=

[۱۱] کپڑے ناپاک رکھنا گناہ ہے یا نہیں؟

۵۵۱-سوال: کپڑے ناپاک رکھنا گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

نماز کے وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں کپڑے ناپاک ہونا یا ناپاک کپڑے پہننا گناہ نہیں ہے۔[۱] البتہ پاک وصاف رہنا چاہیے؛ کیوں کہ پاکی نصف ایمان ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=إذا كانت النجاسة قدرا مانعا وأمكن إزالتها من غير ارتكاب ما هو أشد حتى لو لم يتمكن من إزالتها إلا بإبداء عورته للناس يصلي معها ولو أبداها للإزالة فسق. هكذا في البحر الرائق ويعتبر ظاهر البدن حتى لو اكتحل بكحل نجس لا يجب عليه غسل عينه. كذا في السراج الوهاج.——— النجاسة إن كانت غليظة وهي أكثر من قدر الدرهم فغسلها فريضة والصلاة بها باطلة وإن كانت مقدار درهم فغسلها واجب والصلاة معها جائزة وإن كانت أقل من الدرهم فغسلها سنة وإن كانت خفيفة فإنها لا تمنع جواز الصلاة حتى تفحش. كذا في المضمرات.——— ستر العورة شرط لصحة الصلاة إذا قدر عليه. كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۸، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: دار الفكر☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۷۳، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ط: زكريا ديوبند)

"وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ كالدم والبول والخمر وخرء الدجاجة وبول الحمار جازت الصلاة معه وإن زاد لم تجز"... "وإن كانت مخففة كبول ما يؤكل لحمه جازت الصلاة معه حتى يبلغ ربع الثوب"... "وإذا أصاب الثوب من الروث أو" من "أخثاء البقر أكثر من قدر الدرهم لم تجز الصلاة فيه عند أبي حنيفة رحمه الله". (الهداية: ۱/ ۷۴، كتاب الطهارات، باب الأنجاس وتطهيرها، ط: ياسر نديم اینڈ کمپنی - ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۴۵-۴۶، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في الأعيان النجسة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) الأصل في الأشياء الإباحة. (قواعد الفقه - محمد عميم الإحسان المجددي البركتي، ط: الصدف پبلشرز - كراتشي☆رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۰۵، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب المختار أن الأصل في الأشياء الإباحة، ط: بيروت)

قال الله تعالى: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ [۷۴-المدثر: ۴] وقال الله تعالى: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوا﴾ [۵-المائدة: ۶]
تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۸، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: بيروت☆الهداية: ۱/ ۴۵، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/ ۴۶، كتاب الصلاة، باب شروط صحة الصلاة، ط: المطبعة الخيرية)

(۲) عن أبي مالك الأشعري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطهور شطر الإيمان.... الحديث (الصحيح لمسلم: ...، رقم الحديث: ۱-۲۲۳، كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء، ط: البدر - ديوبند)

عن سلمان، قال: قيل له: قد علمكم نبيكم صلى الله عليه وسلم كل شيء حتى الخراءة قال: فقال: أجل، لقد نهانا أن نستقبل القبلة لغائط، أو بول، أو أن نستنجي باليمين، أو أن نستنجي بأقل من ثلاثة أحجار، أو أن نستنجي برجيع أو بعظم. (صحیح مسلم:۱/۱۳۰، حدیث نمبر:۲۶۲)

باب الاستنجاء

[استنجاء کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الاستنجاء

[استنجاء کا بیان]

[١] استنجاء میں کلوخ (ڈھیلے) کے بعد پانی استعمال نہ کرنے کا حکم

۵۵۲-سوال: ہمارے ایک دوست ہیں، جو تبلیغی جماعت سے منسلک ہیں، وہ ٹھنڈی کے زمانہ میں پیشاب کے بعد پانی کا استعمال نہیں کرتے ہیں، صرف ڈھیلے پر اکتفاء کرتے ہیں، تو کیا پانی کے ہوتے ہوئے محض ٹھنڈی کی وجہ سے اس کا استعمال نہ کرنا اور صرف ڈھیلے پر اکتفا کرنا درست ہے؟ ان کے وضو اور نماز کا کیا حکم ہوگا؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

اگر پیشاب، مخرج کے اردگرد ایک درہم (ہتھیلی کا گہرا حصہ) کے بہ قدر نہ پھیلا ہو، تو ڈھیلے کے بعد پانی کا استعمال کرنا محض مستحب ہے، واجب نہیں ہے؛ لہٰذا اس صورت میں ان کے لیے وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہوگا، اس میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔ اور اگر پیشاب، مخرج سے بہ قدر درہم تجاوز کر گیا ہو، تو پانی سے نجاست کو زائل کرنا واجب ہوگا، بہ شرطیکہ پانی کے استعمال میں کوئی عذر نہ ہو۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٢] استنجاء میں استبراء کی ایک تدبیر

۵۵۳-سوال: کیا استنجاء کے بعد پیشاب کے قطرات ٹپک سکتے ہیں؟ ایک شخص کو پیشاب کے

(١) والغسل... بعده أي الحجر بلا كشف عورة... سنة مطلقا، به يفتي، سراج. ويجب أي يفرض غسله إن جاوز المخرج نجس مائع، ويعتبر القدر المانع لصلاة فيما وراء موضع الاستنجاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/ ٥٤٩-٥٥١، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء ☆ مزید دیکھیے: مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ٤٤، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ١/ ٩٩، كتاب الطهارة، باب الأنجاس ☆ البحر الرائق: ١/ ٤١٩، كتاب الطهارة، باب الأنجاس)

بعد قطرہ ٹپکنے کا مرض ہے، اگر وہ استنجاء کے وقت کھڑا ہو کر کچھ قدم چلے، پھر شرم گاہ کو کھینچے اور نچوڑے، تو دل کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ تمام نجاست نکل چکی ہے، اس کے بعد قطرات نہیں ٹپکتے ہیں؛ سوال یہ ہے کہ اس طرح شرم گاہ کو پکڑنے اور کھینچنے میں گناہ تو نہیں ہوگا؟ رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

پیشاب کے بعد قطرات کا ٹپکنا عام بات ہے، اس لیے ایسی تدبیر اختیار کرنا چاہیے کہ دل کو اطمینان ہو جائے کہ نجاست اپنے مخرج سے مکمل طور پر نکل جائے۔ اس طرح کا اطمینان مختلف لوگوں کو مختلف طریقے سے حاصل ہوتا ہے، کسی کو دیر تک بیٹھنے سے، کسی کو زمین پر پیر مارنے سے، کسی کو زور لگانے سے اور کسی کو چند قدم چلنے یا کھانسنے سے۔ اس طرح کے اطمینان کے بعد ہی استنجاء کرے۔[1]

صورتِ مسئولہ میں جو تدبیر بیان کی گئی ہے، وہ بھی صحیح اور شرعاً جائز ہے، البتہ شرم گاہ کو اس طرح نہیں کھینچنا چاہیے کہ کسی قسم کا مرض پیدا ہو جائے۔

استبراء کے بعد کوئی شخص طہارت حاصل کرے، پھر پیشاب کا کوئی قطرہ ٹپک جائے، تو وضو ٹوٹ جائے گا، البتہ بسا اوقات مرض ہو جانے سے ہر ٦-٧ منٹ میں قطرہ ٹپکتا رہتا ہے، اگر کسی کی یہ حالت ہو، اور کوئی ایک نماز، مثلاً ظہر سے عصر تک اتنا وقت نہ ملے کہ پاکی کی حالت میں چار رکعت فرض نماز پڑھ سکے، تو ایسے شخص کو شریعت کی اصطلاح میں ''معذور'' کہتے ہیں اور اس کے احکام شریعت میں جداگانہ ہیں، لیکن صورتِ مسئولہ میں مذکورہ شخص کی یہ حالت نہیں ہے؛ اس لیے اس کے بیان کی کوئی حاجت نہیں ہے۔[2]

استنجاء کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے ڈھیلا وغیرہ کا استعمال کرے، اس کے بعد پانی سے طہارت حاصل کرے۔ (اس طریقہ سے استنجاء کرنا قطرات کے ٹپکنے کا ایک گونہ علاج بھی ہے، نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) (ويجب الاستبراء بالمشي أو التنحنح أو النوم) أي الاضطجاع على شقه الأيسر حتى يستقر قلبه على انقطاع العود كذا في الظهيرية (وقيل يكتفي بمسح الذكر واجتذابه ثلاث مرات)، والصحيح أن طباع الناس وعاداتهم مختلفة فمن في قلبه أنه صار طاهرا جاز له أن يستنجي لأن كل أحد أعلم بحاله كذا في التتارخانية. (درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى - خسرو (م:٨٨٥هـ) :١/ ٤٩-٥٠، كتاب الطهارة، فصل الاستنجاء، ط: دار إحياء الكتب العربية☆ مزید دیکھیے: مراقي الفلاح ص:٩، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء)

(۲) معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو باب المعذورین کا عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

اس عمل [جمع بین الأحجار و الماء] پر اہلِ قبا کی تعریف فرمائی ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] سردی اور گرمی کے زمانہ میں استنجاء کے متعلق تفصیل

۵۵۴-سوال: موسم سرما اور موسم گرما دونوں میں استنجا کس طرح کرنا چاہیے، مفصل بیان فرمائیں۔

الجواب حامداومصليا:

استنجاء سے مقصود انسان کا اعضاء مخصوصہ کو نجاست سے پاک کرنا ہے، جس طرح بھی پاکی حاصل ہو، درست ہے۔ ہاں پانی اور ڈھیلا دونوں سے استنجا کرنا سنت ہے۔ (عالمگیری: ۱/ ۳۰، ☆ شامی: ۱/ ۳۱۳)[2]

---

[1] عن محمد بن عبد الله بن سلام قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم علينا يعني قباء، قال: "إن الله عز وجل قد أثنى عليكم في الطهور خيرا، أفلا تخبروني؟" قال: يعني قوله: {فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين} [التوبة: ۱۰۸] قال: فقالوا: يا رسول الله! إنا نجده مكتوبا علينا في التوراة: الاستنجاء بالماء. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۳۸۳۳، حديث محمد بن عبد الله بن سلام، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى: ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱ء)

(والأفضل) في كل زمان (الجمع بين) استعمال (الماء والحجر) مرتبا (فيمسح) الخارج (ثم يغسل) المخرج؛ لأن الله تعالى أثنى على أهل قباء باتباعهم الأحجار الماء فكان الجمع سنة على الإطلاق في كل زمان، وهو الصحيح وعليه الفتوى. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي (م: ۱۰۶۹ھ): ۱۹، فصل في الاستنجاء، دار الكتب العلمية، بيروت، طبع دوم: ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۴ء)

[2] (الاستنجاء: إزالة نجس عن سبيل فلا يسن من ريح وحصاة ونوم وفصد (وهو سنة) مؤكدة مطلقا... (بنحو حجر) مما هو عين طاهرة قالعة لا قيمة لها كمدر (منق)؛ لأنه المقصود، فيختار الأبلغ والأسلم عن التلويث. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۳۵-۳۳۷، كتاب الطهارة، فصل الاستنجاء، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۴۸، كتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثالث في الاستنجاء، ط: بيروت)

"الاستنجاء سنة" لأن النبي عليه الصلاة والسلام واظب عليه "ويجوز فيه الحجر وما قام مقامه يمسحه حتى ينقيه" لأن المقصود هو الإنقاء فيعتبر ما هو المقصود. (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۳۸، باب الأنجاس و تطهيرها، فصل في الاستنجاء، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(والأفضل) في كل زمان (الجمع بين) استعمال (الماء والحجر) مرتبا (فيمسح) الخارج (ثم يغسل) المخرج؛ لأن الله تعالى أثنى على أهل قباء باتباعهم الأحجار الماء فكان الجمع سنة على الإطلاق في كل زمان، وهو الصحيح، وعليه الفتوى. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي (م: ۱۰۶۹ھ): ۱۹، فصل في الاستنجاء، دار الكتب العلمية، بيروت، طبع دوم: ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۴ء)

قرآن مجید میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں: {فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ}[۱]

جب یہ آیت نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ مسجد قبا کے گرد رہنے والے صحابہ کے پاس گئے اور پوچھا: تم کس طرح پاکی حاصل کرتے ہو؟ اللہ نے تمہاری تعریف کی ہے، تو انہوں نے بتایا کہ ہم ڈھیلے اور پانی دونوں کا استعمال کرتے ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ شریف)[۲]

استنجاء بالاحجار میں تین ڈھیلے کا استعمال مستحب ہے۔ یہ تب ہے، جب کہ ناپاکی مقعد سے تجاوز نہ کرے، ورنہ پانی سے دھونا فرض ہوگا۔ (عالمگیری ص ۳۰)[۳]

طریقہ: گرمی کے موسم میں یہ ہے کہ پہلے ڈھیلے کو پیچھے سے آگے، دوسرے کو آگے سے پیچھے اور تیسرے کو پیچھے سے آگے کی جانب استعمال کرے، تاکہ صفائی مکمل اور صحیح طور پر ہو جائے۔ چوں کہ مردوں کے خصیے گرمی میں لٹکتے رہتے ہیں؛ اس لیے آگے سے پیچھے لے جائے کہ نجاست خصیوں پر نہ لگ جائے۔

---

[۱] ۹-التوبة:۱۰۸.

[۲] عن أبي هريرة، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: " نزلت هذه الآية في أهل قباء: {فيه رجال يحبون أن يتطهروا} "قال: كانوا يستنجون بالماء، فنزلت فيهم هذه الآية. (سنن أبي داؤد:۱/۷، رقم الحديث: ۴۴، كتاب الطهارة، باب في الاستنجاء بالماء، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند☆ سنن الترمذي:۲/۱۴۱، رقم الحديث: ۳۱۰۰، أبواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة التوبة، ط: فيصل - ديوبند☆سنن ابن ماجه:۲۹، رقم الحديث: ۳۵۷، كتاب الطهارة وسننها، باب الاستنجاء بالماء، ط: اشرفي بكڈپو)

عن عويم بن ساعدة الأنصاري، أن النبي -صلى الله عليه وسلم- أتاهم في مسجد قباء فقال: إن الله عز وجل قد أحسن إليكم الثناء في الطهور في قصة مسجدكم فما هو الطهور الذي تطهرون به؟ قالوا: يا رسول الله ما نعلم شيئا إلا أنه كان لنا جيران من اليهود، فكانوا يغسلون أدبارهم من الغائط فغسلنا كما غسلوا. (المعجم الكبير -سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (م:۳۶۰هـ): ۱۷/۱۴۰، رقم الحديث: ۳۴۹، باب العين، من اسمه عويم، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة)

(۳) (وليس العدد) ثلاثا (بمسنون فيه) بل مستحب. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: بل مستحب) أشار إلى أن المراد نفي السنة المؤكدة لا أصلها، لما ورد من الأمر بالاستنجاء بثلاثة أحجار، ولم نقل إن الأمر للوجوب كما قال الإمام الشافعي؛ لأن قوله -عليه الصلاة والسلام- من استجمر فليوتر، فمن فعل فحسن، ومن لا فلا حرج، دليل على عدم الوجوب.____ فحمل الأمر على الاستحباب توفيقا، وتمام الكلام في الحلية وشرح الهداية للعيني. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۳۷، فصل في الاستنجاء، ط: بيروت)

خواتین کے لیے ہر دو موسم میں آگے سے پیچھے لیجانا چاہیے، تا کہ نجاست شرم گاہ کو نہ لگ جائے۔ (عالم گیری:۱/ ۳۰، ☆شامی:۱/ ۳۱۲، شرح وقایہ:۱/ ۱۴۳)[۱]

استنجا بائیں ہاتھ سے کرے، بلا عذر دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (درمختار:۱/ ۳۱۵)[۲]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ثم الاستنجاء بالأحجار إنما يجوز إذا اقتصرت النجاسة على موضع الحدث فأما إذا تعدت موضعها بأن جاوزت الشرج أجمعوا على أن ما جاوز موضع الشرج من النجاسة إذا كانت أكثر من قدر الدرهم يفترض غسلها بالماء ولا يكفيها الإزالة بالأحجار. (الفتاوى الهندية:۱/ ۴۸، كتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثالث في الاستنجاء، ط: بيروت☆الدر المختار مع رد المحتار:۱/ ۳۳۸، فصل في الاستنجاء، ط: بيروت)

(۲) وصفة الاستنجاء بالأحجار أن يجلس معتمدا على يساره منحرفا عن القبلة والريح والشمس والقمر ومعه ثلاثة أحجار يدبر بالأول ويقبل بالثاني ويدبر بالثالث، قال أبو جعفر: هذا في الصيف، أما في الشتاء فيقبل بالأول ويدبر بالثاني ويقبل بالثالث، والمرأة تفعل في جميع الأوقات مثل ما يفعل الرجل في الشتاء، ثم اتفق المتأخرون على سقوط اعتبار ما بقي من النجاسة بعد الاستنجاء بالحجر في حق العرق حتى إذا أصابه العرق من المقعدة لا يتنجس. (الفتاوى الهندية:۱/ ۴۸، كتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثالث في الاستنجاء، ط: بيروت)

مزید دیکھیے: رد المحتار:۱/ ۳۳۷، فصل في الاستنجاء، ط: بيروت☆شرح الوقاية:۱/ ۱۴۳، قبيل كتاب الصلاة)

[۲] عن سلمان، قال: قيل له: قد علمكم نبيكم صلى الله عليه وسلم كل شيء حتى الخراءة قال: فقال: أجل، لقد نهانا أن نستقبل القبلة لغائط، أو بول، أو أن نستنجي باليمين، أو أن نستنجي بأقل من ثلاثة أحجار، أو أن نستنجي برجيع أو بعظم. (الصحيح لمسلم:۱/ ۱۳۰، رقم الحديث: ۵۷-(۲۶۲)، باب الاستطابة، كتاب الطهارة، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند ☆ سنن أبي داؤد:۱/ ۳، رقم الحديث: ۷، كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند☆سنن الترمذي:۱/ ۱۰، رقم الحديث: ۱۶، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالحجارة، ط: فيصل - ديوبند)

(وكره) تحريما (بعظم وطعام وروث)... ويمين) ولا عذر بيسراه. (الدر المختار مع رد المحتار:۱/ ۳۳۹-۳۴۰، فصل في الاستنجاء، ط: بيروت)

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ (۴-النساء:۱۰۳)

باب المواقیت

[اوقاتِ نماز]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب المواقيت

[اوقات نماز]

[۱] فجر کی نماز کے لیے مستحب وقت

۵۵۵-سوال: فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کون سا وقت بہتر ہے؟ آج کل لوگ فجر کی نماز اندھیرے ہی میں پڑھ لیتے ہیں، تو حنفی مسلک کے مطابق اس نماز میں کوئی حرج لاحق ہوگا یا نہیں؟ جب کہ حدیث پاک سے تو یہ ثابت ہے کہ فجر کی نماز کے لیے امام صاحب اندھیرے میں کھڑے ہوں اور اجالے میں ختم کریں، مذکورہ صورت میں اس پر عمل نہیں ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفی مسلک کے مطابق اجالا ہوجانے کے بعد فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھنا مستحب ہے، کہ اگر کسی وجہ سے نماز میں فساد در آئے، تو دوبارہ قراءت مستحبہ کے ساتھ لوٹانا ممکن ہو۔[۱] اگر وقت ہوجانے کے بعد

---

(۱) عن رافع بن خديج، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (سنن الترمذي: ۱/ ۴۰، رقم الحديث: ۱۵۴، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإسفار بالفجر، ط: فيصل پبليكيشنز - ديوبند ☆المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۱/ ۲۷۲، رقم الحديث: ۵۴۸، كتاب المواقيت، الإسفار، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

يستحب تأخير الفجر ولا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس بل يسفر بها، بحيث لو ظهر فساد صلاته يمكنه أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة. كذا في التبيين، وهذا في الأزمنة كلها إلا صبيحة يوم النحر للحاج بالمزدلفة فإن هناك التغليس أفضل. هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۱-۵۲، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات، ط: دار الفكر)

اندھیرے ہی میں نماز پڑھ لی ہے، تب بھی نماز ہوجائے گی؛ البتہ اس وقت پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ظہر سے پہلے مکروہ وقت کی تعیین

۵۵۶-سوال: ایک پاکستانی شخص سے مسجد میں ملاقات ہوئی، اس کا کہنا ہے کہ زوال سے آدھا گھنٹہ پہلے اور زوال کے پندرہ منٹ کے بعد نماز پڑھی جاسکتی ہے، تو اس سلسلہ میں جاننا ہے کہ زوال سے کتنی دیر پہلے نماز پڑھنا ممنوع ہے؟ اور بعدِ زوال کتنی دیر کے بعد نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

نصف النہار کے وقت سورج کے ڈھلتے ہی فوراً ظہر کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے؛ لہٰذا زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے۔[2]

فقہاء کرام رحمہم اللہ کی صراحت کے مطابق اس وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے، جب کہ ''آفتاب'' آسمان کے درمیان میں آجائے۔ (یعنی سر کے اوپر، بالکل برابر میں آجائے) شریعت کی اصطلاح میں اس کو ''استواءِ شمس'' کہتے ہیں، استواءِ شمس کا وقت مشکل سے ڈیڑھ دو منٹ کا ہوتا ہے؛ لیکن اس کا مشاہدہ دشوار ہے؛ اس لیے اس وقت میں (اس کے آگے پیچھے وقت ملا کر کل) پندرہ بیس منٹ تک نماز نہیں پڑھنی چاہیے،

---

(۱) وقت الفجر من الصبح الصادق وهو البياض المنتشر في الأفق إلى طلوع الشمس. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۱، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الأول في أوقات الصلاة، ط: دار الفكر)

(۲) (وكره) تحريما، ... (صلاة) مطلقا... (مع شروق... واستواء). (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: واستواء) التعبير به أولى من التعبير بوقت الزوال؛ لأن وقت الزوال لا تكره فيه الصلاة إجماعا، بحر عن الحلية: أي لأنه يدخل به وقت الظهر كما مر. وفي شرح النقاية للبرجندي: وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۷۰-۳۷۱، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: بيروت)

أول وقت الظهر، فحين تزول الشمس بلا خلاف، لما روي عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: «أول وقت الظهر حين تزول الشمس». (بدائع الصنائع: ۱/۱۲۲، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، بيان وقت الفجر والظهر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

کہ اسی میں احتیاط ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] فجر کی نماز تنہا پڑھنے کے بعد دوسری جماعت میں شرکت

۵۵۷-سوال: ایک مسجد میں مقتدیوں کی تعداد بہت کم رہتی ہے، ایک مرتبہ فجر کی نماز میں اتفاق یہ ہوا کہ صرف ایک ہی مقتدی وقت پر حاضر ہوا، تو اُس نے یہ سمجھ کر تنہا فرض نماز پڑھ لی کہ اب کوئی نہیں آئے گا، پھر دو مقتدی آئے، اب اِن کو دو مقتدی ہونے کی حالت میں جماعت قائم کرنے کی ترتیب معلوم

---

(۱) عقبة بن عامر الجهني، يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا: »حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب«. (الصحيح لمسلم:۱/۲۷۶، رقم الحديث: ۲۹۳-(۸۳۱)، كتاب فضائل القران و ما يتعلق به، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، قبيل كتاب الجمعة، ط:مختار اينڈ كمپني- ديوبند ☆سنن أبي داود:۱/ ۴۵۴- ۴۵۵، رقم الحديث: ۳۱۹۲، كتاب الجنائز، باب الدفن عند طلوع الشمس وعند غروبها، ط:مختار اينڈ كمپني-ديوبند☆سنن الترمذي:۱/ ۲۰۰، رقم الحديث:۱۰۳۰، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها، ط:فيصل-ديوبند) ———— قال محمد فؤاد عبد الباقي: (حين يقوم قائم الظهيرة) الظهيرة حال استواء الشمس ومعناه حين لا يبقى للقائم في الظهيرة ظل في المشرق ولا في المغرب. (الصحيح لمسلم مع شرح محمد فؤاد عبد الباقي:۱/ ۵۶۸، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، ط:دار إحياء التراث العربي- بيروت)

وفي شرح النقاية للبرجندي: وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، وفي هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلاة فيه، فلعل أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان، أو المراد بالنهار هو النهار الشرعي وهو من أول طلوع الصبح إلى غروب الشمس، وعلى هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به. اهـ. إسماعيل ونوح وحموي. ———— القنية: واختلف في وقت الكراهة عند الزوال، فقيل من نصف النهار إلى الزوال لرواية أبي سعيد عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس. قال ركن الدين الصباغي: وما أحسن هذا؛ لأن النهي عن الصلاة فيه يعتمد تصورها فيه اهـ وعزا في القهستاني القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ما وراء النهر، وبأن المراد انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرى إلى الزوال إلى أئمة خوارزم. (رد المحتار على الدر المختار:۱/ ۳۷۱، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: بيروت ☆ الفتاوى الهندية:۱/ ۵۲، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر- بيروت)

نہیں تھی، اس لیے وہ شخص جو پہلے فرض نماز پڑھ چکا تھا، وہ بھی ان کے ساتھ جماعت میں شامل ہوگیا، تو یہ شخص جو اپنی فرض نماز تنہا پڑھ چکا ہے، اب جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا یا اُسے نفل نماز کا ثواب ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیا:

فجر کی نماز کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا صورتِ مذکورہ میں پہلے نماز سے فارغ ہونے والے شخص کا جماعت میں شامل ہونا درست نہیں، اُسے نفل کا ثواب نہیں ملے گا، البتہ اِن دو رکعت کی بعد میں قضا کرلے، تو نفل کا ثواب ملے گا۔ (رد المحتار: ۱/ ۳۷۳)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] وقت زوال کی تحدید اور اس میں نماز کا حکم

۵۵۸-سوال: زوال سے کتنا وقت پہلے اور بعد میں نماز پڑھنا درست ہے؟ یعنی کتنی دیر پہلے نماز نہ پڑھنی چاہیے اور کتنی دیر بعد نماز شروع کرنی چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوال کے بعد نفل، سنت، ادا، قضا جو بھی نماز پڑھے، جائز ہے: لأن وقت الزوال لا تکره فيه الصلاة إجماعا. (شامی: ۱/ ۳۴۴)[۲]

اور زوال سے پہلے جو وقت ہوتا ہے، جسے علماء نے: 'استواء شمس'، 'نصف النہار شرعی' اور 'الضحوۃ

---

(۱) واعلم أن الأوقات المکروهة نوعان: الأول الشروق والاستواء والغروب. والثاني ما بين الفجر والشمس، وما بين صلاة العصر إلى الاصفرار.

فالنوع الأول لا ينعقد فيه شيء من الصلوات التي ذكرناها إذا شرع بها فيه، وتبطل إن طرأ عليها إلا صلاة جنازة حضرت فيها... والنوع الثاني ينعقد فيه جميع الصلوات التي ذكرناها من غير كراهة، إلا النفل والواجب لغيره فإنه ينعقد مع الكراهة، فيجب القطع والقضاء في وقت غير مكروه اهـ ح مع بعض تغيير. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۷۳، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۲۹، كتاب الصلاة، بيان وقت المكروه، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الثالث في الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة، ط: زكريا - ديوبند)

[۲] رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۷۱، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: بيروت.

الکبریٰ' کے نام سے بیان کیا ہے، اس وقت کوئی بھی نماز پڑھنا جائز نہیں، یہ وقت زوال سے پہلے دو تین منٹ تک رہتا ہے، لیکن اس کا مشاہدہ دشوار ہے؛ اس لیے آگے پیچھے کل ملا کر ۱۰-۱۵ ر منٹ تک نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] زوال کے بعد وقتِ مکروہ کب تک ہے؟ اور کتنی دیر بعد اذان دے سکتے ہیں؟

۵۵۹-سوال: زوال کے بعد وقتِ مکروہ کتنے منٹ تک رہتا ہے؟ اور اذان کتنے منٹ بعد دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

وقتِ مکروہ 'استواء' کا وقت ہے، یعنی آفتاب بالکل سر پر آجائے، یہ وقت بہت قلیل ہوتا ہے، کیوں کہ آفتاب کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے؛ اس لیے اس کا مشاہدہ دشوار ہے؛ لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ استواء کے وقت کے بعد کم از کم دس پندرہ منٹ تک تاخیر کرے۔

زوال کے معنیٰ آفتاب ڈھلنے کے ہیں، جب مشرق کی جانب سے چڑھتا ہوا سورج بالکل سر پر آنے کے بعد ڈھلنے لگے، تو اُس وقت کو زوال کہتے ہیں، یعنی ظہر کے وقت کی ابتداء، اس لیے زوال سے متصلاً بھی نماز جائز ہو جاتی ہے، اِس وقت نمازِ ظہر کے لیے اذان کے انتظار کی ضرورت نہیں رہتی، اس لیے تقویم میں اگر زوال کا وقت لکھا ہے، تو یہ نماز کے جائز ہونے کا وقت ہے، پھر بھی چوں کہ زوال محسوس چیزوں میں سے نہیں ہے؛ اس لیے احتیاطاً پانچ دس منٹ تاخیر سے اذان دی جائے، تو بہتر ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] جمعہ کے دِن زوال کے وقت کا حکم

۵۶۰-سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ روزِ جمعہ کے علاوہ، ہر دن کے لیے ایک وقتِ زوال ہے، صرف جمعہ کے دِن کوئی وقت زوال کا نہیں ہوتا، تو کیا یہ صحیح ہے؟ نیز زوال کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

جمعہ کے دِن استواءِ شمس کے وقت سنن ونوافل پڑھنے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔[3]

(۱-۲) مسئلے کی تفصیل وتخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: ظہر سے پہلے مکروہ وقت کی تعیین۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: الموسوعة الفقهية الكويتية: ۷/ ۱۸۰، حرف الألف، أوقات الصلاة، أوقات الكراهة، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت.

مسلکِ حنفی کے مطابق طلوعِ شمس، غروبِ شمس اور استواءِ شمس کے تینوں اوقات میں علی الاطلاق کوئی نماز جائز نہیں، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی یہی حکم ہے، اور جمعہ کے دن بھی یہی حکم ہے۔ (۱)

زوال کا مطلب یہ ہے کہ سورج سر کی جانب سے مغرب کی سمت میں ڈھلنا شروع ہو، اُس کے بعد ظہر اور جمعہ کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے، اب کوئی بھی سنت ونفل نماز پڑھی جاسکتی ہے، ہمارے علاقے کی چھپی ہوئی تقویم (جنتری، اوقات نماز کے کیلنڈر) کے اعتبار سے زوال (یعنی ظہر کے وقت) سے دس منٹ پہلے کوئی بھی نماز نہیں پڑھنی چاہیے، کہ اسی میں احتیاط ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں

۵۶۱-سوال: کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نماز ممنوع نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس دن جہنم بھڑکائی نہیں جاتی ہے، ایسا مسئلہ ایک اہل حدیث کی کتاب کے مطالعہ کے

(۱) أما الذي يكره التطوع فيها لمعنى يرجع إلى الوقت فثلاثة أوقات: أحدها ما بعد طلوع الشمس إلى أن ترتفع وتبيض، والثاني عند استواء الشمس إلى أن تزول، والثالث عند تغير الشمس وهو احمرارها، واصفرارها إلى أن تغرب. ففي هذه الأوقات الثلاثة يكره كل تطوع في جميع الأزمان يوم الجمعة وغيره، وفي جميع الأماكن بمكة وغيرها، وسواء كان تطوعا مبتدأ لا سبب له، أو تطوعا له سبب كركعتي الطواف وركعتي تحية المسجد ونحوهما. وروي عن أبي يوسف أنه لا بأس بالتطوع وقت الزوال يوم الجمعة، وقال: الشافعي لا بأس بالتطوع في هذه الأوقات بمكة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۹۵-۲۹۶، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يكره من التطوع، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) أول وقت الظهر، فحين تزول الشمس بلا خلاف، لما روي عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: «أول وقت الظهر حين تزول الشمس». (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۲۲، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، بيان وقت الفجر والظهر، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

والزوال ظهور زيادة الظل لكل شخص في جانب المشرق. كذا في الكافي، وطريق معرفة زوال الشمس وفيء الزوال، أن تغرز خشبة مستوية في أرض مستوية، فما دام الظل في الانتقاص، فالشمس في حد الارتفاع، وإذا أخذ الظل في الازدياد علم أن الشمس قد زالت، فاجعل على رأس الظل علامة، فمن موضع العلامة إلى الخشبة يكون فيء الزوال، فإذا ازداد على ذلك، وصارت الزيادة مثلي ظل أصل العود سوى فيء الزوال، يخرج وقت الظهر، عند أبي حنيفة - رحمه الله - كذا في فتاوى قاضي خان وهذا الطريق هو الصحيح، هكذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۱، كتاب الصلاة، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الأول في أوقات الصلاة، ط: دار الفكر)

نوٹ: جمعہ کے دن بھی زوال کا وقت ہوتا ہے، البتہ بعض فقہاء، مثلاً امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے: وروي عن أبي يوسف أنه لا بأس بالتطوع وقت الزوال يوم الجمعة. (بدائع: ۱/ ۲۹۶)

دوران نظر سے گزرا ہے، تو حنفی مسلک کا اس بارے میں کیا قول ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک تین وقت میں کسی طرح کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ فرض نماز ہو یا واجب یا نفل، وہ تین وقت یہ ہیں: (۱) طلوع آفتاب کے وقت (۲) غروب آفتاب کے وقت (۳) استواء شمس کے وقت۔ البتہ غروب آفتاب کے وقت اس دن کی عصر کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] طلوع آفتاب کے بعد وقت مکروہ کی تحدید

۵۶۲-سوال: سورج طلوع ہونے کے بعد سے کب تک کا وقت مکروہ ہے؛ نیز سورج طلوع ہونے سے کتنے منٹ پہلے تک نماز پڑھنا مکروہ ہے اور سورج طلوع ہونے کے کتنے منٹ کے بعد نماز پڑھ سکتے ہیں؟ بعض جگہوں پر دس منٹ بتاتے ہیں اور بعض جگہوں پر بیس منٹ، آپ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

تقویم میں اندازے اور تخمین کے مطابق وقت لکھا جاتا ہے، پندرہ بیس منٹ کا وقفہ کر دیا جائے، یعنی پندرہ منٹ وقفہ رکھنا ضروری ہے اور بیس منٹ کا وقفہ احتیاطاً ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] وہ اوقات، جن میں قضاء نماز پڑھنا ممنوع ہے

۵۶۳-سوال: کن اوقات میں قضا نماز پڑھنا ممنوع ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

(۱) فرض، واجب، نفل، سنت خواہ ادا ہو کہ قضا، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر، کوئی بھی نماز ہو، تین اوقات میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جائز نہیں: (۱) طلوع آفتاب کے وقت تقریباً پندرہ منٹ۔ (۲) زوال آفتاب کے

---

(۱) انقدم تفصیلہ و تخریجہ تحت عنوان: ''جمعہ کے دن زوال کے وقت کا حکم''۔

(۲) أما الذي يكره التطوع فيها لمعنى يرجع إلى الوقت، فثلاثة أوقات: أحدها ما بعد طلوع الشمس إلى أن ترتفع وتبيض. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۹۵، فصل بيان ما يكره من التطوع، ط: دار الكتب العلمية)

مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک سورج بلند اور سفید نہ ہو جائے، اس وقت تک نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور عام طور پر مشاہدہ ہے کہ اس میں تقریباً ۲۰ منٹ لگ جاتے ہیں۔

وقت تقریبا دس پندرہ منٹ، اسی طرح (۳) غروب آفتاب کے وقت۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] وہ اوقات جن میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے

گذشتہ سے پیوستہ

۵۶۴-سوال: نفل نماز کون کون سے وقت میں پڑھنا منع ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

(۲) مذکورہ تینوں اوقات (سورج نکلنے کے وقت، استواء شمس کے وقت، سورج کے غروب ہونے کے وقت) میں کوئی بھی نفل نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، ان کے علاوہ صبح صادق کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ دوسری کوئی بھی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، نیز عصر کی فرض نماز کے بعد، مغرب کی اذان کے بعد تین رکعت فرض سے پہلے، خطیب کے خطبہ دینے کے لیے اپنی جگہ سے نکلنے کے وقت، خواہ جمعہ کا خطبہ ہو یا عیدین کا یا حج کا یا نکاح کا، عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں عیدگاہ میں کوئی بھی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، ہاں عید کی نماز کے بعد گھر آ کر کوئی بھی نفل نماز پڑھنا جائز ہے، نفل پڑھنے کی مدت میں اگر فرض کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو، تو ایسی حالت میں بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے، نیز جس وقت فرض نماز کے لیے اقامت کہی جا رہی ہو، اس وقت بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے، پیشاب پاخانے کی شدید حاجت کے باوجود ان کو دبا کر نفل بل کہ کوئی بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے، کھانا حاضر ہو اور شدید بھوک کا تقاضہ ہو، اس وقت بھی کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (طحطاوی: ۱۰۳، شامی: ۱/ ۳۴۴) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن عقبة بن عامر الجهني قال: "ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب" (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰۰، رقم الحدیث: ۱۰۳۰، كتاب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الصلاة على الجنازة، ط: البدر - دیوبند)

(وكره) تحريما... (صلاة) مطلقا (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلا أو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهو)... (مع شروق)... (واستواء)... (وغروب، إلا عصر يومه). (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۷۰-۳۷۲، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر)

(۲) (وكره) تحريما... (صلاة) مطلقا (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلا أو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهو)... مع شروق... (واستواء)... (وغروب، إلا عصر يومه) فلا يكره فعله لادائه كما وجب بخلاف الفجر... (وكذا)=

[۱۱] عصر کی نماز سے قبل نوافل کا حکم

۵۶۵-سوال: عصر کا وقت شروع ہوتے ہی اذان کے بعد نفل نماز، یا تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضوء پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصليا:

عصر کے وقت میں عصر کی فرض نماز سے قبل جتنی نوافل پڑھنا چاہیں، پڑھ سکتے ہیں، فرض عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ فرض نماز، جنازہ کی نماز، اسی طرح سجدہ تلاوت وغیرہ آفتاب کے زرد ہونے سے پہلے تک جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لا فرض وواجب لعينه (بعد طلوع فجر سوى سنته) لشغل الوقت به تقديرا، حتى لو نوى تطوعا كان سنة الفجر بلا تعيين (وقبل) صلاة (مغرب) لكراهة تأخيره إلا يسيرا (وعند خروج إمام) من الحجرة أو قيامه للصعود إن لم يكن له حجرة (لخطبة) ما وسيجيء أنها عشر (إلى تمام صلاته)... لحديث الصحيحين وغيرهما «إذا قلت لصاحبك أنصت والإمام يخطب فقد لغوت». " فإذا نهي عن الأمر بالمعروف وهو فرض فما ظنك بالنفل؟ وهذا قول الجمهور من أهل العلم... (وكذا يكره تطوع عند إقامة صلاة مكتوبة)... أطلقها مع أنه قيدها في الخانية والخلاصة، وأقره في الفتح وغيره من الشراح بيوم الجمعة... وقال: وأما في غير الجمعة فلا يكره بمجرد الأخذ بالإقامة ما لم يشرع الإمام في الصلاة ويعلم أنه يدركه في الركعة الأولى... (إلا سنة فجر إن لم يخف فوت جماعتها)... وكذا يكره غير المكتوبة عند ضيق الوقت (وقبل صلاة العيدين مطلقا، وبعدها بمسجد لا بيت) في الأصح... (وعند مدافعة الأخبثين) أو أحدهما أو الريح (ووقت حضور طعام تاقت نفسه إليه، و) كذا كل (ما يشغل باله عن أفعالها ويخل بخشوعها) كائنا ما كان. (الدر المختار مع رد المحتار :۱/۳۷۵-۳۷۸، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط:دار الفكر☆بدائع الصنائع:۲/۱۵-۱۹، كتاب الصلاة، الأوقات التي يكره فيها التطوع، ط:مكتبہ زكريا-ديوبند)

[۱] (وكره نفل) قصدا ولو تحية مسجد (وكل ما كان واجبا) لا لعينه بل (لغيره) وهو ما يتوقف وجوبه على فعله (كمنذور، وركعتي طواف) وسجدتي سهو (والذي شرع فيه) في وقت مستحب أو مكروه (ثم أفسده و) لو سنة الفجر (بعد صلاة فجر و) صلاة (عصر). [الدر المختار:۱/۳۷۴،۳۷۵]

قال ابن عابدين:(قوله: بعد صلاة فجر وعصر) متعلق بقوله وكره أي وكره نفل إلخ بعد صلاة فجر وعصر: أي إلى ما قبيل الطلوع والتغير بقرينة قوله السابق لا ينعقد الفرض إلخ، ولذا قال الزيلعي هنا: المراد بما بعد العصر قبل تغير الشمس، وأما بعده فلا يجوز فيه القضاء أيضا وإن كان قبل أن يصلي العصر. اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۷۵، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط:دار الفكر-بيروت)

[۱۲] عصر کی نماز کے وقت عصر کی ادائیگی سے پہلے ظہر کی قضا کرنا

۵۶۶-سوال: اگر عذر کی وجہ سے کسی شخص کی ظہر قضا ہوگئی، اور عصر کی اذان کے دوران وہ مسجد میں پہنچا، تو کیا وہ عصر کی ادائیگی سے قبل ظہر کی قضا نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عصر کی اذان کے دوران عصر کی ادائیگی سے قبل ظہر کی قضا پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ شخص صاحب ترتیب نہ ہو۔[۱] اگر صاحب ترتیب ہے، تو عصر کی ادائیگی سے قبل ظہر کی قضا کرنا واجب ہے، بشرطیکہ عصر کا مکروہ وقت داخل نہ ہوجائے، اور وہ سورج کے پیلا ہونا اور اُس کی روشنی میں تغیر کا پیدا ہوجانا ہے۔

یعنی جب سورج پیلا ہوجائے، اور عصر کا وقت مکروہ داخل ہوجائے، تو اب ظہر کی قضا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اب صرف عصر کی ادا نماز ہی پڑھ سکتا ہے، صاحب ترتیب سے اس صورت میں ترتیب ساقط ہوجائے گی۔ (شامی)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة) لف ونشر مرتب، وجميع أوقات العمر وقت للقضاء إلا الثلاثة المنهية كما مر. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله إلا الثلاثة المنهية) وهي الطلوع والاستواء والغروب ح وهي محل للنفل الذي شرع به فيها ثم أفسده ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۶/۲، باب قضاء الفوائت، ط: دار الفكر-بيروت)

عقبة بن عامر الجهني، يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (الصحيح لمسلم: ۲۷۶/۱، رقم الحديث: ۲۹۳-(۸۳۱)، كتاب فضائل القران وما يتعلق به، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، قبيل كتاب الجمعة، ط: مختار اينڈ كمپني-ديوبند)

[۲] (الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم) يفوت الجواز بفوته، للخبر المشهور «من نام عن صلاة» وبه يثبت الفرض العملي... (فلم يجز)... (فجر من تذكر أنه لم يوتر)... (إلا)... فلا يلزم الترتيب (إذا ضاق الوقت المستحب) (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله للخبر المشهور: من نام عن صلاة) تمام الحديث "أو نسيها فلم يذكرها إلا وهو يصلي مع الإمام فليصل التي هو فيها ثم ليقض التي تذكرها، ثم ليعد التي صلى مع الإمام"... (قوله المستحب) أي الذي لا كراهة فيه قهستاني. وقيل أصل الوقت، ونسبه الطحاوي إلى الشيخين، والأول إلى محمد. والظاهر أنه احترز عن وقت تغير الشمس في العصر،... ولذا قال في البحر: وتظهر ثمرته فيما لو تذكر الظهر وعلم أنه لو صلاه يقع قبل التغير ويقع العصر أو بعضه فيه، فعلى الأول يصلي العصر ثم=

[۱۳] فجر کی سنت سے پہلے یا بعد میں کوئی قضا نماز پڑھنا

۵۶۷-سوال: فجر کی سنت نماز سے پہلے یا سنت کے بعد قضا نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صبح صادق کے بعد سورج نکلنے تک فرض، قضا اور نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، اسی طرح عصر کی فرض نماز کے بعد- جب تک سورج پیلا نہ ہوجائے - قضا، فرض اور جنازے کی نماز پڑھ سکتے ہیں اور جنازہ ایسے وقت حاضر ہوا، جب کہ سورج پیلا ہو رہا تھا، تب بھی جنازے کی نماز جائز ہے۔ (شامی: ۱/ ۳۶۹) [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] جہاں سورج غروب ہونے کے بعد ڈیڑھ گھنٹے میں ہی طلوع ہوجاتا ہو، وہاں تراویح کا حکم

۵۶۸-سوال: سویڈن میں سورج غروب ہونے کے محض ڈیڑھ گھنٹے بعد طلوع ہوجاتا ہے،

= الظهر بعد الغروب، وعلى الثاني يصلي الظهر ثم العصر. واختار الثاني قاضي خان في شرح الجامع. وفي المبسوط أن أكثر مشايخنا على أنه قول علمائنا الثلاثة، وصحح في المحيط الأول.... (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۶، باب قضاء الفوائت، ط: دار الفكر - بيروت)

(وكره) تحريما... (صلاة) مطلقا (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلا أو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهو)... (مع شروق)... (واستواء)... (وغروب، إلا عصر يومه). (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۷۰ - ۳۷۲، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر)

مزید دیکھیے: الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۲، الباب الأول في مواقيت الصلاة، وما يتصل بها، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت.

[۱] واعلم أن الأوقات المكروهة نوعان: الأول الشروق والاستواء والغروب. والثاني ما بين الفجر والشمس، وما بين صلاة العصر إلى الاصفرار.

فالنوع الأول لا ينعقد فيه شيء من الصلوات التي ذكرناها إذا شرع بها فيه، وتبطل إن طرأ عليها إلا صلاة جنازة حضرت فيها... والنوع الثاني ينعقد فيه جميع الصلوات التي ذكرناها من غير كراهة، إلا النفل والواجب لغيره فإنه ينعقد مع الكراهة، فيجب القطع والقضاء في وقت غير مكروه اهـ ح مع بعض تغيير. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۷۳، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۲۹، كتاب الصلاة، بيان وقت المكروه، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الثالث في الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة، ط: زكريا - ديوبند)

اسی ڈیڑھ گھنٹے میں مغرب، عشاء اور فجر پڑھنی پڑتی ہے، تو اس حال میں تراویح کا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض نماز: مغرب عشاء اور فجر کا پڑھنا تو ضروری ہے۔[۱]

البتہ علماء کرام نے حدیث دجال میں -جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اس وقت ایک دن: ایک سال، ایک مہینہ اور ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، تو نمازوں کے متعلق صحابۂ کرام ؓ کے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، حساب لگا کر پڑھوگے- یہ بحث کی ہے کہ اس میں عشاء اور فجر میں نیت قضا کی کرے یا ادا کی؟ شامی (۱/ ۲۴۲) میں اس کی تفصیل موجود ہے۔[۲]

(۱) قلنا: یا رسول الله وما لبثه في الأرض؟ قال: أربعون یوما، یوم کسنة، ویوم کشهر، ویوم کجمعة، وسائر أیامه کأیامکم، قلنا: یا رسول الله فذلك الیوم الذي کسنة، أتکفینا فیه صلاة یوم؟ قال: لا، اقدروا له قدره. (الصحیح لمسلم: ۲/ ۴۰۱، رقم الحدیث: ۱۱۰-(۲۹۳۷)، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ذکر الدجال وصفته وما معه، ط: مختار اینڈ کمپنی- دیوبند ☆ سنن أبي داؤد: ۲/ ۵۹۳، رقم الحدیث: ۴۳۲۱، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ط: دیوبند)

وفاقد وقتهما کبلغار، فإن فیها یطلع الفجر قبل غروب الشفق في أربعینیة الشتاء، مکلف بهما فیقدر لهما. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۶۲، کتاب الصلاة، ط: دار الفکر- بیروت)

قال الأسنوي: ویقاس علیه الیومان التالیان واستظهر الکمال وجوب القضاء، استدلالا بحدیث الدجال، وتبعه ابن الشحنة، فصححه في ألغازه، وذکر في المنح أنه المذهب. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح: ۱/ ۱۷۸، کتاب الصلاة، مدخل، قبیل: فصل في الأوقات المکروهة، ت: محمد عبد العزیز الخالدي، ط: دار الکتب العلمیة)

(۲) ولا ینوي القضاء لفقد وقت الأداء، به أفتی البرهان الکبیر واختاره الکمال، وتبعه ابن الشحنة في ألغازه فصححه، فزعم المصنف أنه المذهب. (الدر المختار)

و قال ابن عابدین: هذه المسألة نقلوا فیها الاختلاف بین ثلاثة من مشایخنا وهم: البقالي والحلواني والبرهان الکبیر، فأفتی البقالي بعدم الوجوب، وکان الحلواني یفتي بوجوب القضاء، ثم وافق البقالي؛ لما أرسل إلیه الحلواني من یسأله عمن أسقط صلاة من الخمس أیکفر؟ فأجاب السائل بقوله: من قطعت یداه أو رجلاه کم فروض وضوئه؟ فقال له: ثلاث، لفوات المحل، قال فکذلك الصلاة، فبلغ الحلواني ذلك فاستحسنه ورجع إلی قول البقالي بعدم الوجوب. وأما البرهان الکبیر، فقال بالوجوب، لکن قال في الظهیریة وغیرها: لا ینوي القضاء في الصحیح لفقد وقت الأداء. واعترضه الزیلعي بأن الوجوب بدون السبب لا یعقل، وبأنه إذا لم ینو القضاء یکون أداء ضرورة، وهو أي الأداء فرض الوقت ولم یقل به أحد، إذ لا یبقی وقت العشاء بعد طلوع الفجر إجماعا. اهـ. وأیضا فإن من جملة بلادهم ما یطلع فیها الفجر کما غربت الشمس کما في الزیلعي وغیره، فلم یوجد وقت قبل الفجر یمکن فیه الأداء. إذا علمت ذلك ظهر لك أن من قال بالوجوب یقول به علی سبیل القضاء لا الأداء. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۳۶۲- ۳۶۳، کتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء کأهل بلغار، ط: دار الفکر- بیروت)

لہٰذا جو علماء قضا کی نیت سے پڑھنے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں تراویح نہیں پڑھی جائے گی؛ کیوں کہ تراویح سنت ہے۔[۱] اور سنت کی قضا نہیں ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] جہاں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد طلوع ہوجاتا ہو، وہاں نماز اور روزے کا حکم

گذشتہ سے پیوستہ

۵۶۹-سوال: ناروے میں ایک طرف سورج غروب ہوتا ہے اور دوسری طرف پندرہ منٹ میں نکل آتا ہے، تو وہاں نماز اور روزے وغیرہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز کے متعلق اوپر جو لکھا ہے، اس کے مطابق عمل ہوگا۔[۳] ابھی آپ امریکہ میں ہیں، جب ناروے جائیں، تو حالات کی مزید تحقیق کر کے سوال کریں، اس سوال میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ کیا ۱۲ر مہینے سورج کا یہ حال رہتا ہے یا مخصوص ایام میں؟ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعا.
(قوله سنة مؤكدة) صححه في الهداية وغيرها، وهو المروي عن أبي حنيفة. وذكر في الاختيار أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها وما فعله عمر، فقال: التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه، ولم يكن فيه مبتدعا؛ ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله - صلى الله عليه وسلم -. ولا ينافيه قول القدوري إنها مستحبة كما فهمه في الهداية عنه؛ لأنه إنما قال يستحب أن يجتمع الناس، وهو يدل على أن الاجتماع مستحب، وليس فيه دلالة على أن التراويح مستحبة، كذا في العناية. وفي شرح منية المصلي: وحكى غير واحد الإجماع على سنيتها، وتمامه في البحر. ــــــــ (قوله لمواظبة الخلفاء الراشدين) أي أكثرهم لأن المواظبة عليها وقعت في أثناء خلافة عمر - رضي الله عنه -، ووافقه على ذلك عامة الصحابة ومن بعدهم إلى يومنا هذا بلا نكير، وكيف لا وقد ثبت عنه - صلى الله عليه وسلم - «عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ» كما رواه أبو داود بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۳ - ۴۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) لا خلاف بين أصحابنا في سائر السنن سوى ركعتي الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لا تقضى سواء فاتت وحدها، أو مع الفريضة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۸۷، كتاب الصلاة، فصل: السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۳) مسئلہ اور اس کی تفصیل وتخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: جہاں سورج غروب ہونے کے بعد ڈیڑھ گھنٹے میں ہی طلوع ہوجاتا ہو، وہاں تراویح کا حکم۔

[۱۶] سفر میں نکلتے وقت ظہر کی اذان اول وقت میں دینا اور نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۵۷۰-سوال: زوال کے بعد ظہر کی نماز کا وقت ہوجاتا ہے، تو اگر سفر کی وجہ سے زوال کے فوراً بعد نماز پڑھنے کا اتفاق ہو، تو کیا اذان دینا ضروری ہوگا؟

کیا سفر سے پہلے سفر کی دو رکعت نماز ادا کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱-زوال کے فوراً بعد ظہر کی نماز جائز ہے؛ بل کہ اگر سفر میں جانے کا ارادہ ہو، تو وقت ہوجانے پر پہلے نماز پڑھ لے، پھر سفر کرے؛ کیوں کہ بسا اوقات گاڑی کے لیٹ ہوجانے سے نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔[1]

۲-دو رکعت نماز پڑھنا پھر سفر کرنا، اسی طرح سفر سے واپسی پر دو رکعت پڑھنا مندوب و مستحب ہے۔[2]

---

(۱) أول وقت الظهر، فحين تزول الشمس بلا خلاف؛ لما روي عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: «أول وقت الظهر حين تزول الشمس». (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۲۲، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، بيان وقت الفجر والظهر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۷۱، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۲، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) عن عبد الله بن مسعود قال: «جاء رجل إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - فقال: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج إلى البحرين في تجارة، فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: "صل ركعتين«. رواه الطبراني في الكبير، ورجاله موثقون. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد- أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (م: ۸۰۷هـ): ۲/ ۲۸۳، رقم الحديث: ۳۶۸۴، كتاب الصلاة، أبواب العيدين، باب الصلاة إذا أراد سفرا، ت: حسام الدين القدسي، ط: مكتبة القدسي، القاهرة☆مزید دیکھیے: تنبيه القارئ لتقوية ما ضعفه الألباني- عبد الله بن محمد بن أحمد الدويش (م: ۱۴۰۹هـ) ص: ۵۸، رقم الحديث: ۹۴، ط: دار العليان للنشر والنسخ والتصوير والتجليد، بريدة)

عن كعب بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم «كان لا يقدم من سفر إلا نهارا في الضحى، فإذا قدم بدأ بالمسجد، فصلى فيه ركعتين، ثم جلس فيه«. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۴۸، رقم الحديث: ۷۴- (۷۱۶)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب الركعتين في المسجد لمن قدم من سفر أول قدومه، ط: ديوبند)

ومن المندوبات ركعتا السفر والقدوم منه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۴، كتاب الصلاة، مطلب في ركعتي السفر، دار الفكر-بيروت)

۳- اور رہی اذان، تو وہ نماز کے لیے سنت ہے، اذان کے بغیر بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔[۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] کیا صبح صادق کے بعد فجر کی اذان میں دس منٹ کی تاخیر ضروری ہے؟

۱۷۵- سوال: صبح صادق کے ۵/منٹ بعد فجر کی اذان دی جاتی ہے، پھر بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے، کم از کم ۱۰/منٹ تاخیر سے اذان دینی چاہئے، تو اس سلسلے میں صحیح بات کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صبح صادق ہو جانے کے بعد فوراً فجر کی اذان دینا صحیح ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ بل کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک تو تہائی یا چوتھائی رات کے گذر جانے کے بعد اگر کوئی فجر کی اذان دے دے، تب بھی درست ہے۔

البتہ حنفی مذہب میں صبح صادق کے بعد ہی وقت ہوتا ہے؛ لیکن اس میں تاخیر کرنا ضروری نہیں ہے، بلا تاخیر کے فوراً اذان دی جائے، تب بھی صحیح ہے، مگر گھڑی کا ٹائم صحیح ہونا ضروری ہے، تاکہ طلوع صبح کا یقینی علم ہو سکے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وهو سنة) للرجال في مكان عال (مؤكدة) هي كالواجب في لحوق الإثم (للفرائض) الخمس (في وقتها ولو قضاء) لأنه سنة للصلاة. ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: للفرائض الخمس إلخ) دخلت الجمعة بحر، وشمل حالة السفر والحضر والانفراد والجماعة. قال في مواهب الرحمن ونور الإيضاح ولو منفردا أداء أو قضاء سفرا أو حضرا. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۸۴، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقتهما ما هو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه ويعيده إذا دخل الوقت في الصلوات كلها في قول أبي حنيفة ومحمد. ـــــــ وقد قال أبو يوسف: أخيرا لا بأس بأن يؤذن للفجر في النصف الأخير من الليل، وهو قول الشافعي. ـــــــ (واحتجا) بما روى سالم بن عبد الله بن عمر عن أبيه - رضي الله عنه - أن بلالا كان يؤذن بليل، وفي رواية قال: لا يغرنكم أذان بلال عن السحور، فإنه يؤذن بليل؛ ولأن وقت الفجر مشتبه، وفي مراعاته بعض الحرج بخلاف سائر الصلوات. ولأبي حنيفة ومحمد ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال لبلال: لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۴، كتاب الصلاة، فصل بيان وقت الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۱۸] تقویم میں درج شدہ وقت سے پہلے منوبر میں عشاء کی اذان

۵۷۲-سوال: رمضان شریف میں ہمارے یہاں ''وڈوا'' میں عشاء کی اذان کا وقت ۹ر بجے تھا، جب کہ قریب کے بڑے گاؤں منوبر میں عشاء کی اذان ۵۰-۸ کو ہوتی تھی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ تقویم میں تو عشاء کا وقت ۵۷-۸ لکھا ہوا ہے، اس کے باوجود کیا منوبر کے موافق ہم اذان دے سکتے ہیں؟ اور شرعاً وقت سے پہلے اذان دینے کی گنجائش ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفق ابیض کے غروب ہونے کے بعد عشاء کا وقت ہوتا ہے، جب کہ امام شافعیؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شفق احمر کے غروب کے بعد ہی سے عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔[1]

غروب شمس کے بعد شفق احمر کے غروب تک کا فاصلہ ایک گھنٹہ ۲۲ر منٹ سے ایک گھنٹہ ۳۵ر منٹ رہتا ہے، اب آپ سوچیں کہ ڈیڑھ گھنٹے کا بھی فاصلہ ہو، تو عشاء کا وقت ۵۰-۸ کو ہوجاتا ہے اور اگر ایک

---

(۱) (وأما) أول وقت العشاء فحين يغيب الشفق بلا خلاف بين أصحابنا؛ لما روي في خبر أبي هريرة - رضي الله عنه- وأول وقت العشاء حين يغيب الشفق، واختلفوا في تفسير الشفق، فعند أبي حنيفة هو البياض، وهو مذهب أبي بكر وعمر ومعاذ وعائشة - رضي الله عنهم -، وعند أبي يوسف ومحمد والشافعي هو الحمرة، وهو قول عبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر - رضي الله عنهم - وهو رواية أسد بن عمرو عن أبي حنيفة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۲۴، كتاب الصلاة، بيان وقت المغرب والعشاء، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆مزید دیکھیے: الأصل المعروف بالمبسوط- أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م: ۱۸۹ھ): ۱/ ۱۴۵، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، ت: أبو الوفا الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية - كراتشي ☆الحجة على أهل المدينة-أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م: ۱۸۹ھ): ۱/ ۸، اختلاف أهل الكوفة وأهل المدينة في الصلوات و المواقيت، ت: مهدي حسن الكيلاني القادري، ط: عالم الكتب - بيروت ☆المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱/ ۱۴۴ - ۱۴۵، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، ط: دار المعرفة - بيروت ☆كتاب الأم- الشافعي، أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس، القرشي المكي (م: ۲۰۴ھ): ۱/ ۹۳، كتاب الصلاة، جماع مواقيت الصلاة، وقت العشاء، ط: دار المعرفة- بيروت)

گھنٹہ ۳۵/ کا فاصلہ ہو، تب بھی وقت ہو جانے کی امید ہے، بالفرض اگر وقت نہیں بھی ہوتا ہے، تو اذان نماز کی سنت ہے اور سنت چھوٹ جانے سے نماز میں کوئی فساد نہیں آتا۔ (۱) اس لیے منوبر والے جو کچھ کرتے ہیں، ان پر اعتراض نہ کیا جائے، البتہ آپ کا جو عمل ہے، اسی کو جاری رکھیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] دارالعلوم ترکیسر اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی دائمی تقویم میں اختلاف کی حقیقت

گزشتہ سے پیوستہ

۵۷۳-سوال: ترکیسر سے طبع شدہ دائمی تقویم اور مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب کی دائمی تقویم میں تھوڑا سا فرق ہے، ۲۷/جون سے ۲۲/جولائی تک کے وقت میں دونوں تقویم میں اختلاف ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب کی تقویم کے مطابق ۲۷/جون میں عشاء کا وقت ۵-۹ (نو بج کر پانچ منٹ) پر ہوتا ہے، جب کہ ترکیسر کی تقویم کے موافق ۵۷-۸ (آٹھ بج کر ستاون منٹ) پر عشاء کا وقت ہو جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں میں صحیح کیا ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ ترکیسر کی دائمی تقویم پر عمل کر سکتے ہیں، تیسری تقویم سورت پٹنی ایجوکیشن کمیٹی، سرکی واڑ، سورت نمبر:۱، میں بھی عشاء کا وقت وہی مذکور ہے، جو ترکیسر کی تقویم میں ہے؛ لہٰذا آپ نو بجے عشاء کی اذان دے سکتے ہیں، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی جو تقویم ہے، وہ دہلی اور اس کے اطراف والوں کے لیے ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] منیار والوں کی شائع کردہ شمسی تقویم اور دائمی اوقات نامی تقویم میں سے کس پر عمل کیا جائے؟

۵۷۴-سوال: ہمارے گجرات میں منیار والوں نے شمسی تقویم شائع کی ہے، اور یوپی میں مولانا انس صاحب ادارۂ اشاعت دینیات پرائیوٹ لمیٹڈ حضرت نظام الدین نئی دہلی والے نے پورے ہندوستان کے لیے "دائمی اوقات الصلاۃ" نامی تقویم کتابی شکل میں شائع کی ہے، جو کمپیوٹر کی مدد سے تیار شدہ ہے۔

---

(۱) لأنه سنة للصلاة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۸۴، کتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفکر - بیروت)
(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: تقویم میں درج شدہ وقت سے پہلے منوبر میں عشاء کی اذان۔

مذکورہ دونوں تقویم میں گجرات کے لیے صبح صادق کا جو وقت لکھا گیا ہے، وہ حضرت مفتی کفایت اللہ کے فتویٰ کے بالکل ہی خلاف ہے، اور دہلی، دیوبند، سہارن پور کے لیے صبح صادق کا جو وقت لکھا ہے، وہ فتویٰ کے مطابق کچھ ٹھیک ہے اور مذکورہ تقویموں میں گجرات کے لیے جو وقت عشاء لکھا گیا ہے، اس میں وقت عشاء حنفی نہیں ہوتا؛ بل کہ اس وقت میں عشاء شافعی کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

الغرض مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ والی تقویم اور کمپیوٹر کی مدد سے تیار کی گئی تقویم میں فرق ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کن کی تقویم پر عمل کیا جائے۔ بینوا تو جروا۔

(۲) کمپیوٹر پر شرعاً اعتماد کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شمسی تقویم اور دہلی والی دائمی تقویم کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صبح اور طلوع آفتاب کے درمیان فاصلہ، اسی طرح غروب آفتاب اور عشاء کے وقت کے درمیان کا فاصلہ؛ دونوں میں برابر ہونا چاہیے۔

اب مفتی کفایت اللہؒ اور کمپیوٹر کی تحقیق پر مبنی تقویم کے درمیان اس قدر فرق رہتا ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے گجرات کے لیے جو فاصلہ بتلایا ہے، وہ زیادہ ہے۔ ان کے فتوی کے مطابق کم از کم فاصلہ ایک گھنٹہ اور اکیس منٹ اور زیادہ سے زیادہ فاصلہ ماہ جون میں ایک گھنٹہ اور اڑتیس منٹ ہوتا ہے۔ جب کہ مذکورہ دونوں تقویموں کے حساب سے یہ فاصلہ کم از کم ایک گھنٹہ چودہ منٹ، اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ تیئس منٹ یا چوبیس منٹ ہوتا ہے؛ اس لیے مختلف مہینوں میں شمسی تقویم اور حضرت مفتی کفایت اللہؒ صاحب کے نظام الاوقات میں ۷ رسے ۱۳ رمنٹ کا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً جنوری میں شمسی تقویم کے لحاظ سے ۷ رمنٹ پہلے عشاء کا وقت ہوتا ہے اور مفتی صاحب کے فتویٰ کے مطابق ۷ رمنٹ بعد ہوتا ہے اور شمسی تقویم کے لحاظ سے جنوری میں صبح صادق حضرت مفتی کفایت اللہ کے مطابق ۷ رمنٹ پہلے ہوتی ہے اور شمسی تقویم کے مطابق ۷ رمنٹ بعد ہوتی ہے، یہاں تک کہ جون میں یہ فاصلہ ۱۳ رمنٹ پر جا پہونچتا ہے، تیرہ منٹ پہلے عشاء کا وقت شمسی تقویم میں ہوجاتا ہے اور شمسی تقویم کے وقت کے تیرہ منٹ بعد حضرت مفتی صاحب کے یہاں وقت ہوتا ہے۔ تقویم والوں نے کمپیوٹر اور دیگر سائنسی آلات کے ذریعہ وقت تجویز کیا ہے، حضرت مفتی صاحب نے بھی قدیم آلات اسطرلاب [1] وغیرہ سے مدد لی ہوگی۔ کوئی بھی آلہ ہو، اس سے غالب گمان اور تخمین کی حد تک

---

(۱) ایک آلہ جس سے ستاروں کی بلندی مقام اور رفتار دریافت کرتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶، ط: فیروز اینڈ سنز-کراچی)

ہی علم حاصل ہوتا ہے۔

مذکورہ صورت میں حضرت مفتی کفایت اللہ کے فتوی کے مطابق عمل کرنا ہی ضروری ہے؛ اس لیے کہ عبادات میں احتیاط کے پہلو کو اختیار کیا جاتا ہے۔[1]

مذکورہ صورت میں شمسی تقویم پر عمل کی صورت میں بعض مہینوں میں شفق ابیض کے غائب ہونے سے پہلے عشاء کی اذان ہونے کا احتمال ہے اور جون میں احتمال قوی ہے کہ شفق ابیض کے ابتدائی وقت ہی میں عشاء کی اذان ہو جائے گی؛ کیوں کہ شفق احمر کے غائب ہونے اور شفق ابیض کی غیبوبت کے درمیان بارہ منٹ کا فاصلہ ہوتا ہے؛ اس لیے عشاء کی اذان حضرت مفتی صاحب کے وقت کے مطابق دینا ضروری ہے۔

اور صبح صادق شمسی تقویم کے مطابق دیر سے ہوتی ہے، جس سے احتمال ہوتا ہے کہ روزہ ہی نہ ہو؛ کیوں کہ آخر وقت میں سحری کھانے یا پانی پینے سے، صبح صادق کے بعد، کھانا پینا واقع ہوگا اور حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ کے مطابق صبح صادق کا وقت مقدم ہے؛ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ روزے کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کے بیان کردہ وقت کے مطابق عمل کیا جائے۔[2]

(۲) نمازوں کے اوقات کا مدار ایسے نشانات وعلامات ہیں کہ کوئی بھی شخص کسی بھی جگہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ نماز کا وقت ہوا ہے یا نہیں؛ لیکن اگر سہولت کی خاطر ایسے آلات سے مدد لی جائے، جن سے گمان غالب ہو جاتا ہو، تو اس پر عمل کرنا جائز ہوگا؛ اس لیے کمپیوٹر وغیرہ سے اگر ایسا وقت نکالا جائے، جس کے صحیح ہونے کا غالب گمان ہو، تو اس پر عمل کرنا جائز ہے، مگر ان آلات سے معلوم کردہ وقت

---

(۱) والثاني الاحتياط في باب الحرمات والعبادات. (أصول السرخسي- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۲/ ۳۲۰، فصل في تقسيم العلة، ط: دار المعرفة- بيروت)

والثالث: أن الصحابة عملوا على هذا الاحتياط في الدين لما فهموا هذا الأصل من الشريعة، وكانوا أئمة يقتدى بهم، فتركوا أشياء وأظهروا ذلك ليبينوا أن تركها غير قادح وإن كانت مطلوبة، فمن ذلك ترك عثمان القصر في السفر في خلافته. (الموافقات- إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي (م: ۷۹۰هـ): ۴/ ۱۰۲، كتاب الأدلة الشرعية، الفصل الخامس: في البيان والإجمال، المسألة السادسة، ت: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، ط: دار ابن عفان)

(۲) البتہ فجر کی اذان ونماز کی ابتدا کے سلسلے میں دہلی کی تقویم کے مطابق عمل کیا جائے، تا کہ دونوں (تقویم اور فتویٰ) کے مطابق اذان ونماز درست ہو۔

میں اختلاف ہو،تو تردد اور شک والی صورت کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے، جیسے مذکورہ صورت میں تردد ہوا ہے،تو احتیاط کی صورت پر عمل ضروری ہے۔(شامی،جلد ا صفحہ ٣٧٠)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٢١] غروبِ آفتاب کے بعد کب سے عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے؟

٥٧٥-سوال: غروب آفتاب کے بعد شفق کب تک باقی رہتی ہے؟ اور شفق کے غائب ہونے کے بعد کتنے وقت میں عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے؟ گرمی، سردی اور بارش کی تینوں فصلوں میں مغرب اور عشاء کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ راندیر کے مفتی صاحب، نیز جامعہ حسینیہ، دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، دار العلوم اشرفیہ راندیر اور جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مفتیانِ کرام کی تصدیق سے شائع شدہ شمسی تقویم کا ہم لوگ نماز اور روزہ وغیرہ میں اعتبار کرتے ہیں، چناں چہ اُس تقویم کے مطابق مارچ مہینے کی ابتدا میں غروبِ آفتاب چھ بج کر اکاون منٹ کو بتایا گیا ہے،جس میں پانچ منٹ کے اضافہ کے ساتھ چھ بج کر چھپن منٹ کو مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے، پھر عشاء کا وقت آٹھ بج کر پانچ منٹ کو بتایا گیا ہے،جس میں پانچ منٹ کے اضافہ کے ساتھ آٹھ بج کر دس منٹ کے بجائے ہم آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر اذان دیتے ہیں اور آٹھ بج کر تیس منٹ پر جماعت قائم ہوتی ہے،تو کیا ہمارا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ڈیڑھ گھنٹے کا فاصلہ ضروری ہے،تو ہم نے کہا کہ جب اتنے سارے مفتیانِ کرام نے تصدیق فرمائی ہے،تو وہ تقویم غلط تو نہ ہوگی، لہٰذا حضرت والا سے درخواست ہے کہ اِس باب میں شرعی فیصلہ کے ساتھ سال کی تمام فصلوں کے

---

(١) [تتمة] يشترط لصحة الصلاة دخول الوقت، واعتماد دخوله كما في نور الإيضاح وغيره، فلو شك في دخول وقت العبادة، فأتى بها، فبان أنه فعلها في الوقت لم يجزه كما في الأشباه في بحث النية، ويكفي في ذلك أذان الواحد لو عدلا، وإلا تحرى وبنى على غالب ظنه، لما صرح به أئمتنا من أنه يقبل قول العدل في الديانات، كالإخبار بجهة القبلة والطهارة والنجاسة والحل والحرمة، حتى لو أخبره ثقة ولو عبدا أو أمة، أو محدودا في قذف بنجاسة الماء، أو حل الطعام وحرمته قبل ولو فاسقا، أو مستورا يحكم رأيه في صدقه أو كذبه ويعمل به؛ لأن غالب الرأي بمنزلة اليقين، بخلاف خبر الذمي حيث لا يقبل اهـ ومثله الصبي والمعتوه العاقلان في الأصح، ولا يخفى أن الإخبار عن دخول الوقت من العبادات، فيجري فيه هذا التفصيل، والله أعلم. ثم رأيت في كتاب القول لمن عن معين الحكام ما نصه: المؤذن يكفي إخباره بدخول الوقت إذا كان بالغا عاقلا عالما بالأوقات مسلما ذكرا ويعتمد على قوله. اهـ. وفي صيام القهستاني: وأما الإفطار فلا يجوز بقول واحد بل بالمثنى. وظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلا صدقه إلخ. (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٣٧٠، كتاب الصلاة، قبل الأذان، أوقات الصلاة، ط: دار الفكر)

مطابق گھنٹے اور منٹ کے فاصلے بھی لکھ بھیجیں، ہمارا ضلع بلساڑ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غروبِ آفتاب اور شفق کے غائب ہونے کا فاصلہ پورے سال یکساں نہیں رہتا، بلکہ ہر موسم میں بدلتا رہتا ہے، کفایت المفتی، فتاویٰ دار العلوم، فتاویٰ رحیمیہ اور دیگر مفتیانِ کرام کے بیان کے مطابق یہ فاصلہ جون کے مہینے میں ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ تک پہنچتا ہے، اس سے زیادہ پھر کسی موسم میں نہیں رہتا، اور کم سے کم فاصلہ ستمبر کے مہینے میں ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا ہوتا ہے، لہٰذا مغرب اور عشاء کے مابین کم از کم ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ اور ستمبر میں ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا فاصلہ ہونا ضروری ہے۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس دن غروبِ شمس اور شفق کے غائب ہونے کے درمیان جتنا فاصلہ ہوتا ہے، اتنا ہی فاصلہ اُس دن کے صبحِ صادق اور طلوعِ آفتاب کے درمیان ہوتا ہے۔

سوال میں جس شمسی تقویم کا ذکر کیا گیا ہے اُس کا اعتبار ظہر اور عصر کی نماز میں کرلیا جائے، تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ عشاء اور صبحِ صادق میں کچھ احتیاط کر لینا ضروری ہے، کیوں کہ مذکورہ شمسی تقویم میں عشاء کا وقت مفتیانِ کرام کے بتائے ہوئے فاصلہ کے مقابلے میں دس سے تیرہ منٹ جلد بتایا گیا ہے، نیز دوسرے مہینوں میں سات منٹ کا فرق ہے، لہٰذا شمسی تقویم میں بتائے گئے وقت کے مطابق صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے مسلک کے موافق عشاء کی اذان درست شمار ہوگی؛ لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے موافق - جو کہ مفتیٰ بہ قول ہے- اذان وقت سے پہلے ہوگی، جو جائز نہیں ہے۔

نیز ماقبل میں بتائے گئے اصول کے مطابق ان دِنوں کے صبحِ صادق میں بھی فرق واقع ہوگا، لہٰذا شمسی تقویم میں ذکر کردہ صبحِ صادق کے وقت سے دس یا بارہ منٹ پہلے مفتیانِ کرام کے قول کے مطابق صبحِ صادق کا وقت ہوجاتا ہے، نیز دیگر مہینوں میں بھی تین سے لے کر سات منٹ قبل صبحِ صادق کا وقت ہوجاتا ہے، لہٰذا خصوصاً سحری کے وقت میں خوب احتیاط کی ضرورت ہے۔

بعض دیگر تقویمات اور مفتیانِ کرام کے اقوال کے مطابق ہر موسم میں صبحِ صادق اور طلوعِ آفتاب کے درمیان ہمیشہ ایک گھنٹے بیس منٹ ہی کا فاصلہ رہتا ہے، لیکن ماقبل میں جو قول بیان کیا گیا ہے، وہ علامہ ابن عابدین شامیؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا ذکر کردہ ہے کہ جس دِن غروب اور شفق کے غائب ہونے کے درمیان جو فاصلہ ہوگا، وہی فاصلہ صبحِ صادق اور طلوعِ آفتاب کے درمیان کا ہوگا۔ اس قاعدے کے مطابق صبح

صادق اور طلوعِ آفتاب کے درمیان کا فاصلہ ایک گھنٹہ اور اڑتیس منٹ تک پہنچتا ہے؛ لہٰذا روزہ اور نماز میں اس قول کے مطابق احتیاط بہتر ہے، شمسی تقویم کے اوقات میں بھی اگر احتیاط کے پیشِ نظر پانچ منٹ بڑھا دیے جائیں، تو بعض مہینوں میں دو منٹ اور بعض میں سات منٹ کا فرق رہتا ہے، اور مذکورہ بالا قول کے مطابق اگر احتیاطاً اُس میں پانچ منٹ کا اضافہ کیا جائے، تو شمسی تقویم کے اوقات سے بارہ یا تیرہ منٹ کا فرق ہوگا، شمسی تقویم غلط نہیں ہے؛ لیکن عشاء کے وقت میں فرق ہوجاتا ہے، مفتیانِ کرام نے لکھا ہے کہ شفق احمر اور شفق ابیض کے مابین بارہ منٹ کا فرق ہوتا ہے، چناں چہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بارہ منٹ کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے، جب کہ دیگر ائمہؒ کے نزدیک بارہ منٹ پہلے شروع ہوتا ہے، لہٰذا شمسی تقویم میں جو وقت طلوع وغروب کا بتایا گیا ہے، اُس میں احتیاط کے پیشِ نظر آخر میں مذکور قول کے مطابق جو اضافہ اُس میں ہونا چاہیے، اُسے حنفی مسلک کے مطابق مندرجۂ ذیل نقشہ میں لکھ دیا گیا ہے:

حنفی مسلک کے مطابق پورے سال میں عشاء کی نماز کے اوقات

تاریخ کے مطابق اضافہ	انگریزی مہینہ	فاصلہ باعتبار کیلومیٹر
سات منٹ کا اضافہ	جنوری	۷-۳۵
آٹھ منٹ کا اضافہ	فروری	۷-۵۳
آٹھ منٹ کا اضافہ	مارچ	۸-۰۵
نو منٹ کا اضافہ	اپریل	۸-۱۶
نو منٹ کا اضافہ	مئی	۸-۳۱
دس منٹ کا اضافہ	جون کی ۲۳ تاریخ سے پہلے تک	۸-۵۱
تیرہ منٹ کا اضافہ	۲۳ جون سے مہینہ کے ختم تک	۹-۰۲
نو منٹ کا اضافہ	جولائی	۸-۵۰
نو منٹ کا اضافہ	اگست	۸-۴۸

دس منٹ کا اضافہ	ستمبر کی ۲۱ تاریخ تک	۸-۲۱
دس منٹ کا اضافہ	اکتوبر کی ۲۳ تاریخ تک	۷-۴۹
دس منٹ کا اضافہ	نومبر	۷-۲۶
دس منٹ کا اضافہ	دسمبر	۷-۳۵

حنفی مسلک کے مطابق ظہر وعصر کے اوقات
اور عصر سے مغرب کے درمیان کا فاصلہ باعتبار کیلومیٹر

تاریخ کے مطابق اضافہ	انگریزی مہینہ	فاصلہ باعتبار کیلومیٹر

شمسی تقویم کے مطابق ظہر وعصر کے اوقات برابر ہیں، پہلے نقشہ میں عشاء کی اذان کا وقت لکھ دیا گیا ہے، جس کا سمجھنا آسان ہے، پہلی تاریخ کا وقت شمسی تقویم کے مطابق ہے، پھر دوسری اور تیسری تاریخ سے اخیر تک کمی بیشی کر لی جائے، مثلاً جنوری میں شمسی تقویم کے مذکورہ وقت سات بج کر پچیس منٹ پر سات منٹ کا اضافہ کیا گیا ہے، تو اُتنا ہی اضافہ ہر تاریخ میں کرلیا جائے، نیز سات بج کر پینتیس منٹ میں پانچ منٹ کے اضافہ کے ساتھ سات بج کر چالیس منٹ کو عشاء کی اذان دی جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا عشاء اور مغرب کے درمیان کا فاصلے کا نقشہ صرف ہندوستان کے لیے ہے یا دوسرے ممالک میں بھی اُس پر عمل کی گنجائش ہے؟

۵۷۶-سوال: حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے مغرب اور عشاء کے وقت کے درمیان کون سے مہینے میں کتنا فاصلہ رہتا ہے اُس کا پورا نقشہ تیار فرمایا ہے، جس کو فتاویٰ رحیمیہ جلد: ۳ میں نقل کیا گیا ہے، اور اُس کے نیچے نوٹ لکھ کر یہ زیادتی کی ہے کہ یہی فاصلہ تقریباً ان مہینوں کے طلوع آفتاب اور صبح صادق کے درمیان رہتا ہے۔

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مفیاروالوں کی شائع کردہ شمسی تقویم اور دائمی اوقات نامی تقویم میں سے کس پر عمل کیا جائے؟

سوال یہ ہے کہ اس نقشے میں جو وقت بتایا گیا ہے وہ صرف ہندوستان کے اوقات اور موسم کے لیے ہے یا سب ممالک میں اُس پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ اگر کچھ فرق ہوتا ہوتو خاص جزیرۂ موریشش کے متعلق لکھنے کی درخواست ہے کہ کون سے مہینے میں کتنا فرق پڑتا ہے؟

فی الحال یہاں (مئی ۱۹۸۶ میں) مندرجۂ ذیل ٹائم ٹیبل بنایا گیا ہے:

سحری: ۱۵-۵ (پانچ بج کر پندرہ منٹ پر)	جو رمضان کے اخیر تک زیادہ ہوکر ۵:۲۵ تک ہوتا ہے۔
افطاری: ۴۶-۵ (پانچ بج کر چھیالیس منٹ پر)	جو رمضان کے اخیر تک کم ہوکر ۵:۳۹ تک ہوتا ہے۔
طلوعِ آفتاب: ۳۰-۶ (چھ بج کر تیس منٹ پر ہے)	

محتاجِ دعا (محمد علی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: "رب المشارق و المغارب" مذکور آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ روزانہ سورج کے طلوع ہونے اور غروب ہونے کی جگہ الگ الگ ہے، اور سورج کی دوری اور اُس کی سمت ہر ملک کے اعتبار سے جداگانہ ہے، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے جو ٹائم ٹیبل تحریر فرمایا ہے، وہ ہر ملک کے لیے لازم نہیں ہے، آپ لوگوں میں جو شخص رصدگاہ (Observetry) کے علم کا ماہر ہو، اُس کی مدد سے صبحِ صادق اور طلوعِ آفتاب کا وقت متعین کریں۔

اُن کو پوچھنے کے بعد بھی روزہ کے لیے احتیاطاً دس منٹ پہلے سحری بند کردیں، جاپان نے اُس کے لیے گھڑیاں بنائی ہے، اُن سے بھی آپ حضرات مدد لے سکتے ہیں، اور اُس سے مدد لینے کی صورت میں بھی احتیاطاً دس منٹ پہلے سحری بند کردیں۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] عشاء کا وقت غروبِ آفتاب کے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟

۵۷۷- سوال: عشاء کا وقت غروبِ آفتاب کے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟

(۱) مزید دیکھیے عنوان: منیار والوں کی شائع کردہ شمسی تقویم اور دائمی اوقات نامی تقویم میں سے کس پر عمل کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عشاء کا وقت شروع ہونے کے لیے غروبِ آفتاب کے بعد کوئی ایک وقت طے نہیں ہے، ہر موسم میں یہ فاصلہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، اس بارے میں ایک قاعدۂ کلیہ، جو فقہاء کے ہاں معتبر ہے، اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ جس روز طلوعِ صبح صادق اور اور طلوعِ آفتاب کے درمیان جتنا فاصلہ ہوتا ہے اُس روز کی شام کو غروبِ آفتاب اور غروبِ شفقِ ابیض (احناف کے نزدیک عشاء کا وقت) کے درمیان اسی قدر فاصلہ ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/۳۵۹)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] جون کے مہینہ میں نماز کی دائمی تقویم پر عمل کرنا

۵۷۸-سوال: دائمی تقویم میں عشاء کی اذان کا وقت جون کے مہینے میں ۴۵-۸ کو ہوتا ہے، اور ہمارے یہاں ۰۰-۹ بجے اذان دی جاتی ہے، تو کچھ لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جون کے مہینے میں دائمی تقویم کے حساب سے اذان دینا صحیح نہیں ہے، اذان مزید تاخیر سے دینی چاہیے، تو اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دائمی تقویم کے حساب سے جون مہینے میں تمام اذانیں اپنے وقت میں اسی طرح عشاء کی اذان ۰۰-۹ بجے دینا صحیح ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، اس صورت میں غروب کے بعد ایک گھنٹہ ۳۵/ منٹ کا وقت رہتا ہے، جو ہمارے دیار میں مغرب اور عشاء کے درمیان کا زیادہ سے زیادہ وقت ہے، لہٰذا اس قدر ہو جانا کافی ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) [فائدة] ذكر العلامة المرحوم الشيخ خليل الكاملي في حاشيته على رسالة الأسطرلاب لشيخ مشايخنا العلامة المحقق علي أفندي الداغستاني أن التفاوت بين الفجرين وكذا بين الشفقين الأحمر والأبيض إنما هو بثلاث درج. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۵۹، كتاب الصلاة، مطلب في تعبده - عليه الصلاة والسلام - قبل البعثة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ اللباب في شرح الكتاب - عبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (م: ۱۲۹۸ھ): ۱/۵۶، كتاب الصلاة، تحقيق وتحشي: محمد محيي الدين عبد الحميد، ط: المكتبة العلمية، بيروت - لبنان)

تفصیل کے لیے دیکھیے: تقویم میں درج شدہ وقت سے پہلے منوبر میں عشاء کی اذان۔

(۲) قد تقدم تخريجه تحت عنوان: تقویم میں درج شدہ وقت سے پہلے منوبر میں عشاء کی اذان۔

[۲۵] جمعہ کی اذان کا وقت ۱۲:۳۰ (ساڑھے بجے) پورے سال کے لیے متعین کرنا

۵۷۹-سوال: ہماری بستی میں جمعہ کی اذان بارہ بج کر تیس منٹ پر ہوتی ہے، اور اذان کے فوراً بعد نمازی حضرات سنتیں ادا کر لیتے ہیں۔ ۱:۱۰ کو خطبہ ہوتا ہے اور ۱:۳۰ کو جماعت شروع ہوتی ہے۔ یہ مقررہ وقت پورے سال چلتا ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی ہے، تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز کہا جاتا ہے کہ ''جمعہ کے دن زوال نہیں ہوتا'' کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۲:۳۰ کا وقت پورے سال کے لیے مقرر کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ دسمبر، جنوری، فروری وغیرہ میں یہ وقت استوائے شمس کا ہوتا ہے، جس کو ''نصف نہار شرعی'' کہتے ہیں اور مذکورہ وقت میں اللہ کے رسول ﷺ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ حنفی مسلک میں مکہ مکرمہ ہو یا مدینہ منورہ، استوائے شمس کے وقت کسی قسم کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے؛ لہٰذا اس وقت میں اذان بھی صحیح نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ اذان وقت کی اطلاع کے لیے ہے، اگر قبل الوقت دی گئی، تو اعادہ واجب ہوگا۔[۱]

زوال روزانہ ہوتا ہے خواہ جمعہ ہو یا عید۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] حنفی حضرات کا عصر ایک مثل پر پڑھنا

۵۸۰-سوال: پورے امریکہ میں عصر ایک مثل پر پڑھی جاتی ہے؛ کیوں کہ عرب حضرات نے

---

(۱) وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقتهما ما هو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه، ويعيده إذا دخل الوقت في الصلوات كلها في قول أبي حنيفة ومحمد۔۔۔ ولأبي حنيفة ومحمد ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال لبلال: لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا، ومد يده عرضا، ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت، والإعلام بالدخول قبل الدخول كذب، وكذا هو من باب الخيانة في الأمانة، والمؤذن مؤتمن على لسان رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، ولهذا لم يجز في سائر الصلوات. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/ ۱۵۵، كتاب الصلاة، فصل بيان وقت الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) جمعہ کے دن بھی زوال کا وقت ہوتا ہے؛ البتہ بعض فقہاء، مثلاً امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے: وروي عن أبي يوسف أنه لا بأس بالتطوع وقت الزوال يوم الجمعة. (بدائع: ۱/ ۲۹۶)

ٹائم ٹیبل بنایا ہے، ان کی تعداد زیادہ ہے، جب کہ حنفی حضرات تعداد میں کم ہیں؛ اس لیے وہ بھی عربوں کی اقتدا میں ایک مثل ہی پر عصر پڑھتے ہیں، شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت کی بناء پر عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھنا جائز ہے، احناف حرمین شریفین میں عصر ایک مثل پر پڑھ لیتے ہیں؛ گرچہ امام ابوحنیفہؒ کی مفتیٰ بہ روایت یہی ہے کہ عصر کی نماز کا وقت مثل ثانی کے بعد شروع ہوتا ہے؛ لیکن صاحبین رحمہما اللہ کا قول یہ ہے کہ مثل اول تک ہی ظہر کا وقت رہتا ہے، اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، خود امام صاحبؒ کی ایک روایت یہی ہے۔ اور امام طحاویؒ نے فرمایا ہے: "و بقولهما نأخذ".[1] پس ایسے وقت میں - جب کہ عصر کی جماعت مثل اول پر ہی ہوتی ہو - صاحبین کے قول پر عمل کی

---

(۱) وفي حديث جبريل: عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أمني جبريل عند البيت مرتين، فصلى الظهر في الأولى منهما حين كان الفيء مثل الشراك، ثم صلى العصر حين كان كل شيء مثل ظله. (سنن الترمذي- محمد بن عيسى بن سَوْرة، الترمذي، أبو عيسى (م: ۲۷۹هـ): ۱/ ۳۸، رقم الحديث: ۱۴۹، كتاب الصلاة، باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله عليه وسلم، ط: فيصل - ديوبند☆سنن أبي داود: ۱/ ۵۶، رقم الحديث: ۳۹۳، كتاب الصلاة، باب في المواقيت، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

وأول وقت الظهر إذا زالت الشمس "لإمامة جبريل عليه السلام في اليوم الأول حين زالت الشمس"، وآخر وقتها عند أبي حنيفة رحمه الله إذا صار ظل كل شيء مثليه، سوى فيء الزوال، وقالا: إذا صار الظل مثله" وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله... وأول وقت العصر إذ خرج وقت الظهر على القولين. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۴۰، كتاب الصلاة، باب المواقيت، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆ر: بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۱۲۳، كتاب الصلاة، بيان وقت الفجر والظهر، شرائط أركان الصلاة ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشيخي زاده، و يعرف بـ"داماد أفندي" (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۶۹- ۷۰، كتاب الصلاة، وقت الظهر، ط: دار إحياء التراث العربي☆ المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، ط: دار المعرفة- بيروت)

قال الحصكفي: (ووقت الظهر من زواله) أي ميل ذكاء عن كبد السماء (إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله، وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة. قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ. وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به. وفي البرهان: وهو الأظهر. لبيان جبريل. وهو نص في الباب. وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۵۹، كتاب الصلاة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

گنجائش ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] سایہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھنا

۵۸۱-سوال: شوافع کے نزدیک عصر کا وقت، حنفی مسلک کے وقت سے پہلے ہوتا ہے، تو کیا حنفی مسلک والے، شوافع کے وقت پر عصر کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ کہیں ایسا پڑھا ہوا یاد آتا ہے کہ اگر شافعی امام کے پیچھے حنفی مقتدی نماز پڑھے گا، تو اس کی نماز ہو جائے گی، تو کیا منفرد بھی اگر عصر کی نماز شافعی مذہب کے مطابق ایک مثل پر پڑھ لے، تو اس کی نماز ہو جائے گی؟ عصر حنفی اور شافعی میں ایک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہوتا ہے، اور ایک شخص کو نماز کے بعد پانچ کیلومیٹر تک جانا پڑتا ہے، روز کا مسئلہ ہے، تو کیا وہ اس طرح عصر کی نماز، عصرِ شافعی کے مطابق پڑھ سکتا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت کے وقت عصر کی نماز اس وقت پڑھنا جائز ہے، جب کہ ہر چیز کا سایہ اپنے سایۂ اصلی سے ایک گنا (مثل) بڑھ جائے، یہ امام شافعی، امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کا مذہب ہے، حضرات صاحبین کا بھی یہی مسلک ہے، امام حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے اسی کے موافق ایک روایت نقل فرمائی ہے، اور امام زفرؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ضرورت کی بناء پر اس قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ (مجمع الانہر جلد ۱ صفحہ ۶۹)[2]

---

(۱) حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ (۱۹۳۲-۲۰۰۰ء) ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کے یہاں بھی دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ مثل دوم میں عصر کی نماز صحیح ہے؛ لہٰذا اگر کسی جگہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے ہوتی ہو تو وہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیے، دوسری مثل ختم ہونے کے انتظار میں جماعت کا ترک جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۱۰، عنوان: سایہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھنا، ط: نعیمیہ-دیوبند)

(۲) (ووقت الظهر من زوالها) أي زوال الشمس عن المحل الذي تم فيه ارتفاعها وتوجه إلى الانحطاط.... (إلى أن يصير ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال) وهو رواية محمد عن الإمام وبه أخذ الإمام.—— (وقالا إلى أن يصير مثلا) وهو رواية الحسن عن الإمام وبه أخذ زفر والشافعي وروى أسد بن عمرو عن الإمام إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فيء الزوال خرج وقت الظهر ولا يدخل وقت العصر حتى يصير ظل كل شيء مثليه فيكون بين وقت الظهر والعصر وقت مهمل قيل الأفضل أن يصلي صلاة الظهر إلى بلوغ الظل إلى المثل ولا يشرع في العصر إلا بعد بلوغ الظل إلى المثلين ولا يصلي قبله جمعا بين الروايات. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشيخي زاده، ويعرف بـ"داماد أفندي" (م:۱۰۷۸هـ): ۱/۶۹-۷۰، كتاب الصلاة، وقت الظهر، ط: دار إحياء التراث العربي)

لہٰذا آپ ضرورت کی وجہ سے ایک مثل کے بعد عصر کی نماز ادا کر سکتے ہیں، اگر اس سے پہلے ادا کی، تو جائز نہیں ہے۔

حاجی حضرات بھی حرمین شریفین میں مذکورہ وقت پر نماز ادا کرتے ہیں، اسی طرح شوافع کی مسجد میں جماعت کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے اس وقت نماز ادا کر لی، تو جائز ہے۔

ہاں! اگر معقول وجہ نہیں ہے، تو پھر بہتر یہی ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل ہونے سے پہلے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] حرم شریف میں شافعی یا حنبلی المسلک امام کی اقتدا

۵۸۲-سوال: حرم شریف میں اگر امام شافعی یا حنبلی المسلک ہوں، تو اُن کے پیچھے حنفی کی اقتدا صحیح ہوگی یا نہیں؟ نیز عصر کی نماز میں اگر امام شافعی المسلک ہیں، اور وہ اُن (حنفی) کے وقت کے موافق عصر کی نماز پڑھاتے ہیں، تو اُن کی اقتدا حنفی شخص کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

حنفی شخص کا، کہیں بھی، چاروں مسالک میں سے کسی بھی مسلک کے امام کی اقتدا کرنا صحیح ہے، لہٰذا حرم شریف میں بھی شافعی یا حنبلی المسلک امام کی اقتدا صحیح ہے۔ (۲) عصر کا وقت مسلکِ شافعی کے مطابق ہو،

---

(۱) مزید تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''حنفی حضرات کا عصر ایک مثل پر پڑھنا'' نیز دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ: ۵/۳۳۹۔

(۲) حضرت مفتی صاحبؒ نے اس سلسلے کے ایک جواب میں لکھا ہے کہ ''اگر شافعی یا مالکی یا حنبلی موضع اختلاف کی رعایت کرتے ہوں، تو ان کی اقتدا کرنا بلا کراہت جائز ہے'':

(قوله إن تيقن المراعاة لم يكره إلخ) أي المراعاة في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر. مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟

وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع، إنما اختلف في الكراهة. اهـ فقيد بالمفسد دون غيره كما ترى.

وفي رسالة [الاهتداء في الاقتداء] لمنلا علي القاري: ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف وإلا فلا. ــــــــــ والمعنى أنه يجوز في المراعي بلا كراهة وفي غيره معها. ثم المواضع المهملة للمراعاة أن يتوضأ من الفصد والحجامة والقيء والرعاف ونحو ذلك، لا فيما هو سنة عنده مكروه عندنا؛ كرفع اليدين في الانتقالات، وجهر البسملة وإخفائها، فهذا وأمثاله لا يمكن فيه الخروج عن عهدة الخلاف، فكلهم =

تب بھی اقتدا جائز ہے، علماءِ احناف میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مذہب عصر کے وقت کے سلسلے میں وہی ہے، جو امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، خود امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہی ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] عذر کی وجہ سے عصر کی نماز اذان سے پہلے پڑھ لینا

۵۸۳-سوال: سورت سے احمد آباد کی طرف جانے والی ٹرین شام کو ۴:۵۵ کو روانہ ہوتی ہے، جس میں کوسمبا اور اُس کے اطراف کے لوگ سفر کرتے ہیں، شہر کے اکثر لوگ کوسمبا پہنچنے پر عصر کی نماز

=يتبع مذهبه ولا يمنع مشربه اهـ ـــــــــــ وفي حاشية الأشباه للخير الرملي: الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة، إذا لم يتحقق منه مفسد. اهـ. ـــــــــــ وبحث المحشي أنه إن علم أنه راعى في الفروض والواجبات والسنن فلا كراهة، وإن علم تركها في الثلاثة لم يصح، وإن لم يدر شيئا كره لأن بعض ما يجب تركه عندنا يسن فعله عنده فالظاهر أن يفعله، وإن علم تركها في الأخيرين فقط ينبغي أن يكره لأنه إذا كره عند احتمال ترك الواجب فعند تحققه بالأولى، وإن علم تركها في الثالث فقط ينبغي أن يقتدي به لأن الجماعة واجبة فتقدم على تركه كراهة التنزيه اهـ وسبقه إلى نحو ذلك العلامة البيري في رسالته، حيث ادعى أن الانفراد أفضل من الاقتداء به قال: إذ لا ريب أنه يأتي في صلاته بما تجب الإعادة به عندنا أو تستحب، لكن رد عليه ذلك غيره في رسالة أيضا، وقد أسمعناك ما يؤيد الرد، نعم نقل الشيخ خير الدين عن الرملي الشافعي أنه مشى على كراهة الاقتداء بالمخالف حيث أمكنه غيره، ومع ذلك هي أفضل من الانفراد، ويحصل له فضل الجماعة، وبه أفتى الرملي الكبير، واعتمده السبكي والإسنوي وغيرهما.

قال الشيخ خير الدين: والحاصل أن عندهم في ذلك اختلافا، وكل ما كان لهم علة في الاقتداء بنا صحة وفسادا وأفضلية كان لنا مثله عليهم، وقد سمعت ما اعتمده الرملي وأفتى به، والفقير أقول مثل قوله فيما يتعلق باقتداء الحنفي بالشافعي والفقيه المنصف يسلم ذلك:

وأنا رملي فقه الحنفي. . . . . لا مرا بعد اتفاق العالمين

اهـ ملخصا، أي لا جدال بعد اتفاق عالمي المذهبين وهما رملي الحنفية يعني به نفسه ورملي الشافعية رحمهما الله تعالى، فتحصل أن الاقتداء بالمخالف المراعي في الفرائض أفضل من الانفراد إذ لم يجد غيره، وإلا فالاقتداء بالموافق أفضل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۳، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے باب الامامۃ کا عنوان: شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھنا۔

(۱) تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''حنفی حضرات کا عصر ایک مثل پر پڑھنا'' اور ''سایہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھنا''۔

اذان سے پہلے پڑھ لیتے ہیں، کبھی یہ ٹرین دیر سے بھی آتی ہے، چوں کہ اس ٹرین میں ازدحام کے سبب نماز پڑھنے کی جگہ نہیں مل سکتی، تو کیا عصر کی نماز ۱۵-۴ بجے پڑھ لیں، تو صحیح ہے؟ یا پھر مؤخر کر کے غروبِ شمس سے کچھ پہلے پڑھی جائے؟

محمد ابراہیم پنچلی والا

الجواب حامداو مصليا:

بغیر کسی عذرِ شرعی کے نماز کو قضاء کرنا بہت بڑا گناہ ہے، جس کے بارے میں بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ (۱) اور عصر کی نماز کے متعلق تو قرآن وحدیث میں خصوصی تاکید فرمائی گئی ہے، چناں چہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: {حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴿۲۳۸﴾} [۲]

یعنی تم تمام نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہو اور خصوصاً درمیانی نماز کو۔ اکثر مفسرین عظام نے "الصلوٰة الوسطیٰ" کی تفسیر عصر کی نماز سے فرمائی ہے۔ (۳)

---

(۱) قال الله تعالى: إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴿﴾ (۴-النساء:۱۰۳) وقال تعالى: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴿﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴿﴾ (۱۰۷-الماعون:۵-۴) و قال تعالى: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴿﴾ (۲-البقرة:۲۳۸)

وفي حديث أبي قتادة: قال (رسول الله صلى الله عليه وسلم): أما إنه ليس في النوم تفريط، إنما التفريط على من لم يصل الصلاة حتى يجيء وقت الصلاة الأخرى. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۹، رقم الحديث: ۳۱۱-(۶۸۱) كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة، واستحباب تعجيل قضائها، ط: ديوبند ☆ سنن أبي داؤد: ۱/۶۴، رقم الحديث: ۴۴۱، كتاب الصلاة، باب في من نام عن الصلاة، أو نسيها، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/۴۳، رقم الحديث: ۱۷۷، أبواب الصلاة، باب ما جاء في النوم عن الصلاة، ط: فيصل - ديوبند)

عن ابن عباس، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد أتى بابا من أبواب الكبائر. (سنن الترمذي: ۱/۴۶، رقم الحديث: ۱۸۸، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين، ط: ديوبند)

[۲] ۲-البقرة: ۲۳۸.

(۳) عن علي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الأحزاب: شغلونا عن الصلاة الوسطى، صلاة العصر، ملأ الله بيوتهم وقبورهم نارا، ثم صلاها بين العشاءين، بين المغرب والعشاء. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۲۷، رقم الحديث: ۲۰۵-(۶۲۷)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطى هي صلاة العصر، ط: البدر - ديوبند)

الثاني - أنها العصر؛ لأن قبلها صلاتي نهار وبعدها صلاتي ليل. قال النحاس: وأجود من هذا الاحتجاج أن يكون إنما قيل لها وسطى؛ لأنها بين صلاتين إحداهما أول ما فرض، والأخرى الثانية مما فرض. وممن قال إنها وسطى علي بن أبي طالب، وابن عباس، وابن عمر، وأبو هريرة، وأبو سعيد الخدري، وهو اختيار أبي حنيفة وأصحابه، وقاله =

عصر کی نماز کا وقت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر چیز کا سایہ اُس کے سایۂ اصلی کو چھوڑ کر دو مثل ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے، جب کہ امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر چیز کا سایہ اُس کے سایۂ اصلی کو چھوڑ کر ایک مثل ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔[1]

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ضرورت کے وقت اگر ۴:۱۵ بجے سایہ ایک مثل ہو جاتا ہے، تو اس کے بعد عصر کی نماز کے لیے گنجائش ہے، اس لیے کہ اس وقت نہ پڑھنے کی صورت میں یا تو نماز بالکلیہ قضاء ہوگی یا مکروہ ہوگی؛ لیکن گرمی کے موسم میں سایہ ایک مثل ہونے میں دیر لگتی ہے؛ لہٰذا اگر ۴:۱۵ بجے تک سایہ ایک مثل نہیں ہوا ہے، تو عصر کی نماز درست نہ ہوگی، اس صورت میں کوسمبا کے بعد پانولی یا کیم پہنچنے تک بھی عصر کا وقت مکروہ شروع نہیں ہوگا؛ لہٰذا وہاں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۵۱، مجمع الانھر: ۱/۷۱)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] حالتِ سفر میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر کا حکم

۵۸۴-سوال: حالتِ سفر میں عرب حضرات جمع بین الصلاۃ کی بات کہتے ہیں اور جمع تقدیم یا جمع تاخیر پر اصرار کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

=الشافعي، وأكثر أهل الأثر، وإليه ذهب عبد الملك بن حبيب، واختاره ابن العربي في قبسه، وابن عطية في تفسيره، وقال: وعلى هذا القول الجمهور من الناس وبه أقول. واحتجوا بالأحاديث الواردة في هذا الباب، خرجها مسلم وغيره، وأنصها حديث ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الصلاة الوسطى صلاة العصر" خرجه الترمذي، وقال: حديث حسن صحيح. (الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي - أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر، شمس الدين القرطبي (م: ۶۷۱هـ): ۳/ ۲۱۰، البقرة: ۲۳۸، ت: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، ط: دار الكتب المصرية - القاهرة)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: جامع البيان في تأويل القرآن - محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰هـ): ۵/ ۱۶۸، البقرة: ۲۳۸، ت: أحمد محمد شاكر، ط: مؤسسة الرسالة.

(۱) دیکھیے عنوان: ''حنفی حضرات کا عصر ایک مثل پر پڑھنا'' کا حاشیہ نمبر: ۱۔

[۲] مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشيخي زاده، ويعرف بـ "داماد أفندي" (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۶۹ - ۷۰، كتاب الصلاة، وقت الظهر، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۱، كتاب الصلاة، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الأول في أوقات الصلاة، ط: دار الفكر.

الجواب حامداً ومصلیاً:

احناف کے نزدیک حج کے ایام میں، عرفات میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے، اس کے علاوہ کہیں جائز نہیں، چناں چہ جمع تقدیم کی صورت میں نماز کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی اور تاخیر کی صورت میں نماز کو اس کے وقت سے مؤخر (قضاء) کرنے کا گناہ لازم آئے گا۔[1]

اور حدیث شریف میں جہاں ''جمع بین الصلاتین'' کا ذکر آیا ہے،[2] امام ابوحنیفہؒ دوسری حدیثوں

---

(١) قال الله تعالى: إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝ (٣-النساء:١٠٣) وقال تعالى: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۝ (١٠٧-الماعون:٤-٥) و قال تعالى: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۝ (٢-البقرة:٢٣٨)

وفي حديث أبي قتادة: قال (رسول الله صلى الله عليه وسلم): أما إنه ليس في النوم تفريط، إنما التفريط على من لم يصل الصلاة حتى يجيء وقت الصلاة الأخرى. (الصحيح لمسلم: ١/٢٣٩، رقم الحديث: ٣١١-(٦٨١) كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة، واستحباب تعجيل قضائها، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند ☆سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٤٤١، كتاب الصلاة، باب في من نام عن الصلاة، أو نسيها ☆سنن الترمذي: ١/٤٣، رقم الحديث: ١٧٧، أبواب الصلاة، باب ماجاء في النوم عن الصلاة، ط: فيصل - ديوبند)

عن ابن عباس، عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد أتى بابا من أبواب الكبائر. (سنن الترمذي: ١/٤٦، رقم الحديث: ١٨٨، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين، ط: فيصل - ديوبند)

قال أصحابنا: إنه لا يجوز الجمع بين فرضين في وقت أحدهما إلا بعرفة والمزدلفة فيجمع بين الظهر والعصر في وقت الظهر بعرفة، وبين المغرب والعشاء في وقت العشاء بمزدلفة. اتفق عليه رواة نسك رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أنه فعله، ولا يجوز الجمع بعذر السفر والمطر. (بدائع الصنائع -علاء الدين، الكاساني الحنفي (م: ٥٨٧هـ): ١/١٢٦، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، الجمع بين الصلاتين، ط: دار الكتب العلمية)

(فإن جمع فسد لو قدم) الفرض على وقته (وحرم لو عكس) أي أخره عنه (وإن صح) بطريق القضاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/٣٨٢، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(٢) عن ابن عباس، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- جمع بين الصلاة في سفرة سافرها في غزوة تبوك، فجمع بين الظهر والعصر، والمغرب والعشاء. ———— عن معاذ، قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك، فكان يصلي الظهر والعصر جميعا، والمغرب والعشاء جميعا. (الصحيح لمسلم: ١/٢٤٦، رقم الحديث: ٥١-(٧٠٥) و ٥٢-(٧٠٦)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

عن معاذ بن جبل، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- كان في غزوة تبوك إذا زاغت الشمس قبل أن يرتحل، جمع =

کے پیش نظر اس کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ: جمع تقدیم سے مراد ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھنا اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے، اسی طرح جمع تاخیر کا مطلب ہے: مغرب کو اس کے آخری وقت میں پڑھنا اور عشا کو اس کے اول وقت میں پڑھنا، اس کو ''جمع صوری'' اور ''جمع فعلی'' بھی کہا جاتا ہے۔ [۳]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دو نماز کو ایک ہی وقت میں پڑھنا مراد نہیں ہے۔ البتہ تینوں ائمہ کے نزدیک جمع سے ''جمع حقیقی'' مراد ہے، یعنی ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کو پڑھنا اور وہ اس کو سفر، بارش اور دیگر عوارض کی بنیاد پر جائز کہتے ہیں۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=بين الظهر والعصر، وإن يرتحل قبل أن تزيغ الشمس، أخر الظهر، حتى ينزل للعصر، وفي المغرب مثل ذلك، إن غابت الشمس قبل أن يرتحل، جمع بين المغرب والعشاء، وإن يرتحل قبل أن تغيب الشمس، أخر المغرب حتى ينزل للعشاء ثم جمع بينهما ". (سنن أبي داود: ۱/ ۱۷۲، رقم الحديث: ۱۲۰۸، كتاب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين، ط: فيصل - ديوبند)

(۳) ثم هو مؤول وتأويله أنه جمع بينهما فعلا لا وقتا، بأن أخر الأولى منهما إلى آخر الوقت، ثم أدى الأخرى في أول الوقت، ولا واسطة بين الوقتين فوقعتا مجتمعتين فعلا، كذا فعل ابن عمر - رضي الله عنهما - في سفر وقال: هكذا كان يفعل بنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - دل عليه ما روي عن ابن عباس - رضي الله عنهما - أن النبي - صلى الله عليه وسلم - جمع من غير مطر ولا سفر، وذلك لا يجوز إلا فعلا، وعن علي - رضي الله عنه - أنه جمع بينهما فعلا ثم قال: هكذا فعل بنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وهكذا روي عن أنس بن مالك أنه جمع بينهما فعلا ثم قال: هكذا فعل بنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم -. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۲۷، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، الجمع بين الصلاتين، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۸۲، قبيل باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

[۴] (يجوز الجمع بين الظهر والعصر تقديما) في وقت الأولى (وتأخيرا) في وقت الثانية، والجمعة كالظهر في جمع التقديم كما نقله الزركشي واعتمده كجمعهما بالمطر بل أولى، ويمتنع تأخيرا لأن الجمعة لا يتأتى تأخيرها عن وقتها (و) بين (المغرب والعشاء كذلك) أي تقديما في وقت الأولى، وتأخيرا في وقت الثانية (في السفر الطويل) المباح للاتباع. (مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج - شمس الدين، محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي (م: ۹۷۷هـ): ۱/ ۵۲۹، باب صلاة المسافر، فصل في الجمع بين الصلاتين، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ ر: شرح الزُّرقاني على مختصر سيدي خليل - عبد الباقي بن يوسف بن أحمد الزرقاني المصري (م: ۱۰۹۹هـ): ۲/ ۴۸ - ۴۹، باب القصر والجمع، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر ☆ التلقين في الفقة المالكي - أبو محمد عبد الوهاب بن علي، الثعلبي البغدادي المالكي (م: ۴۲۲هـ): ۱/ ۵۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة والجماعة وقضاء الفوائت والنوافل وأوقات النهي ومواضعه والجمع وما يتصل بذلك، ت: أبو أويس محمد بو خبزة الحسني التطواني، ط: دار الكتب العلمية ☆ التاج والإكليل لمختصر خليل - محمد بن يوسف بن أبي القاسم بن يوسف =

[۳۱] رمضان کے علاوہ مغرب کی جماعت میں تاخیر جائز نہیں

۵۸۵-سوال: موجودہ زمانہ میں تقریباً تمام مسجدوں میں اذانیں لاؤڈ اسپیکر میں ہوتی ہیں اور لوگ اذان سن کر گھر سے نکلتے ہیں؛ اس لیے مغرب کی نماز کے متعلق بہت سے لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اذان ہوجانے کے دو چار منٹ کے بعد جماعت کھڑی کرنی چاہیے، تاکہ جماعت میں زیادہ لوگ شریک ہوسکیں، تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مغرب کی نماز میں رمضان کے علاوہ میں حکم یہ ہے کہ موذن اذان سے فارغ ہوکر مسجد میں ٹھہرے بغیر اقامت شروع کردے۔ [1] البتہ رمضان شریف میں چوں کہ روزے دار افطار میں مشغول رہتے ہیں؛

= العبدري الغرناطي، أبو عبد الله المواق المالكي (م: ۸۹۷ھ): ۲/ ۵۱۰، كتاب الصلاة، باب في صلاة السفر، ط: دار الكتب العلمية ☆ الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي - أبو البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير (۱۲۰۱ھ): ۱/ ۳۶۸-۳۶۹، فصل في أحكام صلاة المسافر، ط: دار الفكر ☆ الكافي في فقه الإمام أحمد - أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد، ابن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (م: ۶۲۰ھ): ۱/ ۳۱۱، كتاب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) عن مرثد بن عبد الله، قال: لما قدم علينا أبو أيوب غازيا وعقبة بن عامر يومئذ على مصر، فأخر المغرب، فقام إليه أبو أيوب، فقال: له ما هذه الصلاة يا عقبة، فقال: شغلنا، قال: أما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: «لا تزال أمتي بخير» - أو قال: على الفطرة - ما لم يؤخروا المغرب إلى أن تشتبك النجوم". (سنن أبي داؤد: ۱/ ۶۰، رقم الحديث: ۴۱۸، كتاب الصلاة، باب وقت المغرب، ط: البدر - ديوبند)

مغرب کی اذان واقامت کے درمیان فصل لازم ہے۔ البتہ اس تحدید کا خیال رکھے، جو ہمارے اصحاب سے مروی ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ فصل اتنا ہوگا کہ اس میں ۳/ چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھ سکے، جب کہ صاحبین کے نزدیک یہ فصل اتنا ہوگا، جتنا دو خطبوں کے درمیان ہوتا ہے۔ (لیکن یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے) الغرض ہمارے ائمہ سے اسی قدر فصل ثابت ہے، اس سے زیادہ نہیں؛ اس لیے اس سے زیادہ فصل کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے:

وأما إذا كان في المغرب فالمستحب يفصل بينهما بسكتة يسكت قائما مقدار ما يتمكن من قراءة ثلاث آيات قصار. هكذا في النهاية فقد اتفقوا على أن الفصل لا بد منه فيه أيضا. كذا في العتابية. ـــــ واختلفوا في مقدار الفصل فعند أبي حنيفة - رحمه الله - المستحب أن يفصل بينهما بسكتة يسكت قائما ساعة ثم يقيم، ومقدار السكتة عنده قدر ما يمكن فيه من قراءة ثلاث آيات قصار أو آية طويلة، وعندهما يفصل بينهما بجلسة خفيفة مقدار الجلسة بين الخطبتين، وذكر الإمام الحلواني الخلاف في الأفضلية حتى إن عند أبي حنيفة - رحمه الله - إن جلس =

اس لیے ان کا خیال کر کے دو چار منٹ تک انتظار کرنا یا مصلیان اس سے زیادہ چھ سات منٹ ٹھہرنے کو کہیں، تو اس قدر ان کی رعایت کرنا بہتر ہے۔

کیوں کہ رسول اللہ کا فرمان ہے کہ: شام کا کھانا اور عشاء (مراد مغرب ہے) دونوں جمع ہو جائیں، تو عشاء کو بعد میں پڑھو اور پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔ (بخاری شریف: ۱/ ۹۲)[۲] پس اگر ایسا اتفاق پیش آتا ہے، مثلاً آدمی سفر سے آیا اور نماز کا وقت ہو گیا اور بہت سخت بھوک لگی ہوئی ہے، تو پہلے کھانے سے فارغ ہو جائے، پھر نماز پڑھے؛ اسی طرح رمضان شریف میں روزے داروں کا بھوک کی وجہ سے کھانے پینے کی جانب دھیان و میلان رہتا ہے، ؛ لہٰذا جو لوگ کچھ تاخیر کا کہتے ہیں، ان کی بات تسلیم کر لی جائے گی اور پانچ دس منٹ تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا، بل کہ یہ حدیث شریف کے موافق عمل ہے۔ (ہاں نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو، تو پہلے نماز پڑھ لے اس لیے کہ کراہت کے ساتھ نماز پڑھنا، قضاء کرنے سے بہتر ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسی حالت میں (یعنی نماز کے وقت کھانے کا بہت تقاضہ ہو) کھانے کے بعد نماز پڑھتے تھے۔[۳]

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ: انسان کی عقل وسمجھ کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھے، اس صورت میں سکون واطمینان سے نماز پڑھ سکے گا۔[۴] اسی بنا پر حکماء امت

= جاز والأفضل أن لا يجلس وعندهما على العكس. كذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۷، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما، ط: دار الفكر)

(ويجلس بينهما) بقدر ما يحضر الملازمون مراعيا لوقت الندب (إلا في المغرب) فيسكت قائما قدر ثلاث آيات قصار، ويكره الوصل إجماعا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۸۹-۳۹۰، كتاب الصلاة، باب الأذان)

(۲) عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إذا قدم العشاء، فابدءوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب، ولا تعجلوا عن عشائكم». (صحيح البخاري: ۱/ ۹۲، رقم الحديث: ۶۷۲ كتاب الاذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ط: البدر د-يوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۰۸، رقم الحديث: ۵۵۷، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال... الخ، ط: البدر-ديوبند)

(۳) عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة، فابدءوا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه» وكان ابن عمر: «يوضع له الطعام، وتقام الصلاة، فلا يأتيها حتى يفرغ، وإنه ليسمع قراءة الإمام». (صحيح البخاري: ۱/ ۹۲، رقم الحديث: ۶۷۳، كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام... الخ، ط: البدر-ديوبند)

(۴) قال أبو الدرداء: «من فقه المرء إقباله على حاجته حتى يقبل على صلاته وقلبه فارغ». (صحيح البخاري: ۱/ ۹۲، كتاب الاذان، باب إذا حضر الطعام... الخ، ط: البدر-ديوبند)

فرماتے ہیں کہ: ’’نماز کو کھانا بنایا جائے، اس سے بہتر ہے کہ کھانے کو نماز بنایا جائے۔‘‘ یعنی کھاتے وقت یہ خیال کرے گا کہ جلد فارغ ہوکر نماز پڑھوں اور یہ حقیقت ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والا، نماز میں ہوتا ہے، تو اس طرح کھانا حکما نماز ہوگیا اور بھوک کی حالت میں نماز پڑھے گا، تو نماز میں کھانے کی طرف دھیان ہوگا، تو یہ ایسا ہوگیا کہ اس نے نماز کو کھانا بنالیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] چاشت کی نماز کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے؟

۵۸۶-سوال: چاشت کی نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے؟ زوال سے پہلے کب تک وقت باقی رہتا ہے؟ مثلاً: اگر زوال ۱۲:۲۵ (بارہ بج کر پچیس منٹ) پر ہوتا ہے، تو کیا پچیس منٹ پہلے تک باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

صحیح یہ ہے کہ چاشت کی نماز کا وقت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کے کل وقت کا چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے، اور زوال تک رہتا ہے، مثلاً: صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کا مکمل وقت اس وقت ۱۳ گھنٹہ ہے، تو صبح صادق سے سوا تین گھنٹے گزرنے کے بعد چاشت کا وقت شروع ہوجائے گا۔[1]

اس سلسلے میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد مکروہ وقت نکل جانے پر چاشت کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اشراق کی نماز کے بعد چاشت کی نماز پڑھ لی جائے، تو چاشت کی نماز کا ثواب مل

---

(۱)(و) ندب (أربع فصاعدا في الضحى) على الصحيح من بعد الطلوع إلى الزوال، ووقتها المختار بعد ربع النهار. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله ووقتها المختار) أي الذي يختار ويرجح لفعلها وهذا عزاه في شرح المنية إلى الحاوي، وقال: لحديث زيد بن أرقم أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال «صلاة الأوابين حين ترمض الفصال» رواه مسلم. وترمض بفتح التاء والميم: أي تبرك من شدة الحر في أخفافها. اهـ. (رد المحتار: ۲/ ۲۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب سنة الضحى، ط: دار الفكر)

(ومن المندوبات صلاة الضحى) وأقلها ركعتان وأكثرها ثنتا عشرة ركعة ووقتها من ارتفاع الشمس إلى زوالها. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۲، الباب التاسع في النوافل، من المندوبات صلاة الضحى، ط: دار الفكر)

جائے گا۔ (طحطاوی: ۲۱۶)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳۳] اشراق کی نماز کا آخری وقت کیا ہے اور چاشت کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

۵۸۷-سوال: اشراق کی نماز سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے کے بعد سے کب تک پڑھ سکتے ہیں؟ اور چاشت کی نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صبح کی نماز کے بعد اپنی جگہ ٹھہر کر سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے کے بعد دو رکعت یا چار رکعت پڑھنا بڑی فضیلت رکھتا ہے، عام طور پر اشراق کی نماز کا مصداق یہی ہے۔[2]

---

(۱) "و" ندب صلاة الضحى على الراجع وهي "أربع" ركعات لما رويناه قريبا عن عائشة رضي الله عنها أنه عليه السلام كان يصلي الضحى أربع ركعات ويزيد ما شاء فلذا قلنا ندب أربع "فصاعدفي" وقت "الضحى" وابتداؤه من ارتفاع الشمس إلى قبل زوالها. (مراقي الفلاح)

قوله: "وندب صلاة الضحى" الضحوة إرتفاع النهار والضحى بالضم والقصر فوق ذلك وبالفتح والمد إذا علت الشمس إلى ربع السماء... قوله: "وابتداؤه من إرتفاع الشمس" ووقتها المختار إذا مضى ربع النهار لحديث زيد بن أرقم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "صلاة الأوابين حين ترمض الفصال" رواه مسلم، وترمض بفتح التاء والميم أي تبرك من شدة الحر في أخفافها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ)، ص: ۳۹۵، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ت: محمد عبدالعزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »من صلى الغداة في جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة« ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »تامة تامة تامة«. (سنن الترمذي: ۱/ ۱۳۰، رقم الحديث: ۵۸۶، أبواب السفر، باب ذكر ما يستحب من الجلوس في المسجد بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس، ط: البدر - ديوبند)

ولأن في الإسفار تكثير الجماعة وفي التغليس تقليلها وما يؤدي إلى التكثير أفضل وليسهل تحصيل ما ورد عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من صلى الفجر في جماعة ثم قعد يذكر الله تعالى حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة تامة وعمرة تامة" حديث حسن. (مراقي)

قال الطحطاوي: قوله: "ثم صلى ركعتين" ويقال لهما ركعتا الإشراق وهما غير سنة الضحى قوله: "تامة" أي كل منهما أي غير ناقص ثوابهما بارتكاب نحو محظور إحرام أو فساد والمراد الحج النفل والتأكيد يفيد أن له ذلك=

ابوداؤد شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی جگہ بیٹھا رہے، یہاں تک کہ چاشت کی دو رکعت پڑھ لے، خیر کے سوا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نہ کہے، اور ذکر اللہ میں مشغول رہے، تو اُس کے گناہ بخش دیے جائیں گے، خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ (ابوداؤد شریف: ۲/ ۲۷۲)[۱]

اِس لیے نمازِ اشراق یا چاشت کی یہ فضیلت تو اُس کو حاصل ہوگی، جو مذکورہ عمل پر قائم رہے، اگر کوئی شخص اِس پر عمل نہیں کرتا؛ لیکن سورج چڑھنے کے بعد نماز پڑھ لیتا ہے، تو کہا جائے گا کہ اُس نے اشراق پڑھی، اور اُس کو دوسرے فضائل حاصل ہو جائیں گے، اشراق کا وقت کم رہتا ہے، اگر زیادہ دھوپ چڑھے سورج کے مائل بہ تیزی ہونے کے بعد پڑھی، تو یہ چاشت کا وقت مشترک ہے، درمختار میں مذکور ہے کہ اشراق کا وقت زوال تک باقی رہتا ہے، اگر اشراق میں تاخیر ہوگئی، تو اب یہ نماز اشراق ضحیٰ کہلائے گی، اور ضحیٰ کی فضیلت حاصل ہوجائے گی، ہاں، نمازِ فجر سے اشراق کے وقت تک بیٹھنے اور نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (درمختار: ۲/ ۲۴)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الأجر حقيقة وليس من قبيل الترغيب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح-أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:۱۲۳۱ھ)،ص:۱۸۱، كتاب الصلاة، مدخل،ت:محمد عبد العزيز الخالدي،ط:دار الكتب العلمية بيروت)

[۱] عن سهل بن معاذ بن أنس الجهني، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: من قعد في مصلاه حين ينصرف من صلاة الصبح، حتى يسبح ركعتي الضحى، لا يقول إلا خيرا، غفر له خطاياه، وإن كانت أكثر من زبد البحر. (سنن أبي داود:۱/ ۱۸۲، رقم الحديث:۱۲۸۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الضحى، ط:البدر-ديوبند)

[۲] (و) ندب (أربع فصاعدا في الضحى) على الصحيح من بعد الطلوع إلى الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار. وفي المنية: أقلها ركعتان وأكثرها اثني عشر، وأوسطها ثمان وهو أفضلها كما في الذخائر الأشرفية. (الدر المختار)
قال ابن عابدين: (قوله وفي المنية أقلها ركعتان) نقل الشيخ إسماعيل مثله عن الغزنوية والحاوي والشرعة والسمرقندية، وما ذكره المصنف مشى عليه في التبيين والمفتاح والدرر. ودليل الأول، أنه-صلى الله عليه وسلم-أوصى أبا هريرة بركعتين، كما في صحيح البخاري. ودليل الثاني: أنه-صلى الله عليه وسلم-كان يصلي الضحى أربعا ويزيد ما شاء الله، رواه مسلم وغيره. والتوفيق ما أشار إليه بعض المحققين أن الركعتين أقل المراتب والأربع أدنى الكمال (قوله وأكثرها اثنا عشر) لما رواه الترمذي والنسائي بسند فيه ضعف أنه-صلى الله عليه وسلم-قال: من صلى الضحى ثنتي عشرة ركعة بنى الله له قصرا من ذهب في الجنة، وقد تقرر أن الحديث الضعيف يجوز العمل به في الفضائل شرح المنية. وقيل أكثرها ثمانية، وعزاه في الحلية إلى الإمام أحمد، وعزاه بعض الشافعية إلى الأكثرين. (رد المحتار:۲/ ۲۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب سنة الضحى، ط:دار الفكر)

[۳۴] رات اور دن کا اطلاق کب سے کب تک ہوتا ہے؟

۵۸۸-سوال: رات اور دن کا وقت کہاں سے کہاں تک شمار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ اور دیگر احکام میں شرعی طور پر دن کا اطلاق ''صبح صادق سے غروب آفتاب تک'' پر ہوتا ہے۔ [۱] اور غروب آفتاب سے صبح صادق تک رات کا وقت شمار کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص عشاء اور وتر کی نماز رات کے ابتدائی حصے میں نہ پڑھ سکا ہو، تو صبح صادق سے پہلے جب بھی ادا کرے گا، وہ ادا ہی شمار ہوگی۔ [۲] اس کے بعد قضا شمار ہوگی۔

صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کا جو وقت ہے، اس کے نصف کو ''نصف نہار شرعی'' کہا جاتا ہے، اگر کسی نے نصف نہار شرعی سے پہلے روزہ کی نیت کر لی ہو، تو اس کا اعتبار ہوگا، اس کے بعد نیت کی ہو، تو اعتبار نہیں ہوگا۔

اور طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کا جو وقت ہے، اس کے نصف کو ''نصف نہار عرفی'' کہا جاتا ہے۔ [۳] نماز کے سلسلے میں نصف نہار عرفی کا اعتبار ہے، چناں چہ اس وقت (استوائے شمس کے وقت) نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) أما الذي يرجع إلى أصل الوقت: فهو بياض النهار وذلك من حين يطلع الفجر الثاني إلى غروب الشمس. (بدائع الصنائع: ۲/ ۷۷، كتاب الصوم، شرائط الصوم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص:۳۴۶، كتاب الصوم، المكتبة الاشرفية- ديوبند)

اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۷۷، كتاب الصوم، ط: دار الفكر)

(۲) وأول وقت العشاء إذا غاب الشفق على القولين، وآخره مالم يطلع الفجر أي الجزء الذي قبيل طلوع الفجر من الزمان، ووقت الوتر ما هو وقت العشاء، هذا عند أبي حنيفة، وعندهما وقتها بعد صلاة العشاء. (حلبي كبير ص: ۲۰۱، بحث فروع في شرح الطحاوي، ط: دار الكتاب- ديوبند)

[۳] (صح صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل إلى الضحوة الكبرى لا عندها) فإن النهار الشرعي من الصبح إلى الغروب، والضحوة الكبرى منتصفه فوجب أن توجد النية قبلها لتكون موجودة في أكثر النهار فتوجد في كله حكما، وهذا هو الأصح لا ما قيل إلى الزوال؛ لأنه منتصف نهار اعتبر من طلوع الشمس إلى غروبها. (درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى- خسرو (م:۸۸۵هـ): ۱/ ۱۹۷، كتاب الصوم، ط: دار إحياء الكتب العربية☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۷۷، كتاب الصوم، ط: دار الفكر- بيروت)

قال معاوية: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقا يوم القيامة.

(مسلم شریف: ۱/ ۱۶۷، رقم الحدیث: ۳۸۷)

باب الأذان والإقامة

[اذان واقامت کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الأذان والإقامة

اذان واقامت کا بیان

[۱] اذان کی ابتداء کس طرح ہوئی؟

۵۸۹-سوال: اذان کا حکم کب ہوا اور کس طرح ہوا؟ اذان کے متعلق کس صحابی نے خواب دیکھا تھا؟ اور سب سے پہلے اسلام میں کس نے اذان دی؟ جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکہ مکرمہ میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ نماز پڑھ لیتے تھے، جماعت کے ساتھ نماز نہیں ہوتی تھی؛ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ فروکش ہوئے اور مدینہ منورہ ''دارالاسلام'' بن گیا اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی منظم ہوئی، تو نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کی جانے لگی، ایسے میں ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب آنے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ تجویز کیا جائے، تاکہ تمام حضرات جماعت میں بہ یک وقت شریک ہو جائیں، یکے بعد دیگرے آنے کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ ہو، اور جماعت کے ثواب سے بھی کوئی محروم نہ رہ جائے۔

چناں چہ ہجرت کے پہلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں مشورے کے لیے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا، کسی نے کہا: اس کے لیے بہ طور علامت کوئی جھنڈا بلند کرنا چاہیے، لوگوں کی نگاہ جب اس پر پڑے گی، تو ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں گے۔ کسی نے رائے دی کہ: کسی بلند جگہ پر آگ روشن کرنی چاہیے، کسی نے مشورہ دیا کہ: یہود کے عبادت خانوں میں نرسنگا بجایا جاتا ہے، ہمیں بھی نرسنگا بجانا چاہیے۔ کسی نے

نصاریٰ کے ناقوس کی تجویز پیش کی ؛ لیکن حضور اکرم ﷺ نے ان میں سے کسی بات پر اطمینان ظاہر نہیں فرمایا؛ بل کہ بعض تجاویز یہ فرما کر رد کردیں کہ یہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے۔

آخر میں حضرت عمرؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ نماز کا وقت ہونے پر کوئی آدمی بھیجا جائے، جو محلہ محلہ گھوم کر "الصلاۃ جامعۃ" (نماز تیار ہے) کا اعلان کرے، چوں کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، اس لیے اس تجویز پر عمل کرنا کوئی دشوار کن نہیں تھا، چناں چہ آپ ﷺ نے یہ تجویز پسند فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے منتخب فرمایا، مگر کسی وجہ سے اس تجویز پر فوری عمل شروع نہ ہوسکا، البتہ اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی غیر معمولی فکر مندی نے بہت سے صحابہ کرام کو فکر مند کردیا، چناں چہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان سے متعلق خواب دیکھا، مگر کسی وجہ سے انہوں نے آں حضور ﷺ سے اپنے خواب کا تذکرہ نہ کیا، یہاں تک کہ ایک انصاری صحابی حضرت عبد اللہ بن زید بن عبدربہؓ نے اذان کے متعلق خواب دیکھا۔

حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا، جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے تھا، میں نے اس سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تم یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے کہا: تم اس کا کیا کروگے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعہ اعلان کر کے لوگوں کو نماز کے لیے اکٹھا کریں گے، اس نے کہا: کیا تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں، جو اس کام کے لیے نقارہ سے بہتر ہے؟ میں نے کہا: ہاں! ضرور بتاؤ، پھر اس نے اذان کہی الخ ـــــــ یہ خواب دیکھ کر میں خوش ہوگیا اور جلدی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلاؤ، ان کی آواز تم سے بلند ہے، ان کے آنے پر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تم ان کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ اور کلمات اذان ان کو بتلاؤ، وہ بلند آواز سے پکاریں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی، اذان کے کلمات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً چادر گھسیٹتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: قسم ہے اس ذات پاک کی، جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا، جیسا عبد اللہ نے دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: الحمد للہ! مگر تم نے اس وقت جب عبد اللہ نے خواب بیان کیا تھا، اپنے خواب کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ عبد اللہ نے یہ فضیلت آگے بڑھ کر حاصل کرلی، اس لیے مجھے تذکرہ کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی، اسی دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوگیا، جو آج تک اسلام

اور مسلمانوں کا خاص شعار ہے۔ (مستفاد: بخاری، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث)[۱]

اور ترمذی: ۱/ ۲۶ کے حاشیہ نمبر: ۶ میں لکھا ہے کہ مذکورہ خواب دس سے زائد صحابۂ کرام ؓ نے دیکھا تھا۔[۲] بعض کتابوں میں ہے کہ یہ واقعہ ۱۶/ سے زائد صحابۂ کرام ؓ کو خواب میں دکھایا گیا تھا۔[۳] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) أن ابن عمر، كان يقول: كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلاة ليس ينادى لها، فتكلموا يوما في ذلك، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصارى، وقال بعضهم: بل بوقا مثل قرن اليهود، فقال عمر: أو لا تبعثون رجلا ينادي بالصلاة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »يا بلال قم فناد بالصلاة. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۵، رقم الحديث: ۶۰۴، كتاب الأذان، باب بدء الأذان، ط: رشيدية- دهلي ☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۶۴، رقم الحديث: ۱-۳۷۷، كتاب الصلاة، باب بدء الأذان، ط: مختار اينڈ كمپني-ديوبند)

عن محمد بن عبد الله بن زيد بن عبد ربه، قال: حدثني أبي عبد الله بن زيد، قال: لما أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به للناس لجمع الصلاة طاف بي وأنا نائم رجل يحمل ناقوسا في يده، فقلت: يا عبد الله أتبيع الناقوس؟ قال: وما تصنع به؟ فقلت: ندعو به إلى الصلاة، قال: أفلا أدلك على ما هو خير من ذلك؟ فقلت له: بلى، قال: فقال: تقول: الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن محمدا رسول الله، حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، قال: ثم استأخر عني غير بعيد، ثم، قال: وتقول: إذا أقمت الصلاة، الله أكبر الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، حي على الصلاة، حي على الفلاح، قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة، الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله، فلما أصبحت، أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخبرته، بما رأيت فقال: إنها لرؤيا حق إن شاء الله، فقم مع بلال فألق عليه ما رأيت، فليؤذن به، فإنه أندى صوتا منك، فقمت مع بلال، فجعلت ألقيه عليه، ويؤذن به، قال: فسمع ذلك عمر بن الخطاب، وهو في بيته فخرج يجر رداءه، ويقول: والذي بعثك بالحق يا رسول الله، لقد رأيت مثل ما رأى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فلله الحمد. (سنن أبي داود: ۱/ ۷۱، رقم الحديث: ۴۹۹، كتاب الصلاة، باب كيف الأذان، ط: تهانوي- ديوبند ☆سنن الترمذي: ۱/ ۴۸، رقم الحديث: ۱۸۹، أبواب الصلاة، باب ما جاء في بدء الأذان، ط: فيصل-ديوبند)

(۲) ... أنه رأى الأذان في المنام تلك الليلة أحد عشر رجلا من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم-. (حاشية مشكاة المصابيح، ص: ۶۳، حاشیہ نمبر: ۸، باب الاذان كتاب الصلاة، ط: ياسر نديم اينڈ كمپنی، ديوبند)

(۳) ... "أن عبد الله بن زيد هو أذن أولا وأنه رأى الأذان في المنام معه بضعة عشرة صحابيا". (خلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۱/ ۲۷۷- ۲۷۸، كتاب الأذان، باب ابتدائه وفضله، فصل في ضعيفه، ت: حسين إسماعيل الجمل، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)

[۲] خطبہ سے پہلے اذان کیوں؟

۵۹۰-سوال: جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے، اس کی کیا اہمیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ سننا واجب ہے، خطبہ سے قبل اذان اس لیے دی جاتی ہے کہ اس سے مسجد میں موجود حضرات کو متوجہ کرنا ہوتا ہے کہ امام صاحب جو خطبہ دیں گے، اس کو غور سے سننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ [۱] کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی خطبۂ جمعہ کے وقت بات کرے۔ [۲]

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہی خطبہ کی اذان تھی، دوسری اذان -جو جمعہ کا وقت ہونے پر دی جاتی ہے اور موجودہ ترتیب کے اعتبار سے پہلی ہے- اس کا اضافہ خلیفۂ راشد

---

(۱) أي أذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالاقامة لإعلام الحاضرين، صرح به جماعة من الفقهاء. (السعاية: ۲/ ۳۸، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

(۲) عن أبي هريرة، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: " إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب، فقد لغوت ". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۷-۱۲۸، رقم الحديث: ۹۳۴، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب، ط: مكتبة البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۸۱، رقم الحديث: ۱۱- ۸۵۱، كتاب صلاة الجمعة، باب في الإنصات يوم الجمعة في الخطبة، ط: ديوبند)

وفي المجتبى: الاستماع إلى خطبة النكاح والختم وسائر الخطب واجب، والأصح الاستماع إلى الخطبة من أولها إلى آخرها، وإن كان فيها ذكر الولاة اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-زين الدين بن إبراهيم، المعروف بـ"ابن نجيم المصري" (م: ۹۷۰ هـ): ۲/ ۱۶۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(قوله وإذا خرج الإمام فلا صلاة، ولا كلام) لما رواه ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي وابن عباس وابن عمر - رضي الله عنهم - كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام، وقول الصحابي حجة، ولأن الكلام يمتد طبعا فيخل بالاستماع والصلاة قد تستلزمه أيضا.... وأجمعوا أن الخروج قاطع للصلاة....وفسر الشارح الخروج بالصعود على المنبر وهكذا في المضمرات وذكر في السراج الوهاج يعني خرج من المقصورة وظهر عليهم وقيل صعد المنبر، فإن لم يكن في المسجد مقصورة يخرج منها لم يتركوا القراءة والذكر إلا إذا قام الإمام إلى الخطبة اهـ. (البحر الرائق: ۲/ ۱۶۷، باب صلاة الجمعة، كتاب الصلاة)

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کیا گیا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] جب نماز لوٹائی جائے، تو کیا دوبارہ اقامت کہی جائے گی؟

۵۹۱-سوال: اگر امام صاحب کی نماز فاسد ہوجائے، اور اس کا اعادہ کیا جائے، تو دوبارہ اقامت کہی جائے گی یا پہلی اقامت کافی ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

پہلی بار اقامت ہوگئی ہے، نماز فاسد ہونے کی وجہ سے دوبارہ اقامت کی ضرورت نہیں ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] کیا عیدین کی نماز کے لیے اذان دینا مشروع ہے؟

۵۹۲-سوال: عیدین کی نماز کے لیے متعدد گاؤں میں اذان دی جاتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عیدین کی نماز کے لیے اذان مشروع نہیں ہے؛ اس لیے اذان نہ دی جائے، البتہ دو تین دن پہلے

---

(۱) عن الزهري، قال: سمعت السائب بن يزيد، يقول: إن الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس الإمام، يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر رضي الله عنهما، فلما كان في خلافة عثمان بن عفان رضي الله عنه، وكثروا، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۵، رقم الحديث: ۹۱۶، كتاب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، وانظر رقم: ۹۱۲، باب الأذان يوم الجمعة، ط: ديوبند)

(۲) قال الحصكفي: [فروع] صلى السنة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعدها لا يعيدها بزازية. وينبغي إن طال الفصل أو وجد مايعد قاطعا كأكل أن تعاد. (الدر المختار) وقال ابن عابدين: (قوله: وينبغي إلخ) البحث لصاحب النهر. أقول: قال في آخر شرح المنية: أقام المؤذن ولم يصل الإمام ركعتي الفجر يصليهما ولا تعاد الإقامة؛ لأن تكرارها غير مشروع إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير مما يقطع المجلس في سجدة التلاوة اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۰۰، كتاب الطهارة، باب الاذان، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

نوٹ: بلا تاخیر نماز شروع کرے، تو اقامت کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، پہلی اقامت کافی ہے، اور اگر تاخیر ہوگئی ہو تو دوبارہ اقامت کہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/ ۹۵، اعادۂ نماز کے لیے دوبارہ اقامت کہی جائے یا نہیں؟ سوال نمبر: ۱۴۷، ط: دار الاشاعت، پاکستان)

بورڈ پر لکھ کر اطلاع کردیں کہ نماز اتنے بجے ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] اذان واقامت میں ''أشھد أن محمداً رسول اللہ'' پر انگوٹھے چومنا

۵۹۳-سوال: بعض حضرات اذان واقامت میں ''اشہد ان محمداً رسول اللہ'' پر اپنے ہاتھ کے انگوٹھے چومتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیا:

اذان واقامت میں ''اشہد ان محمداً رسول اللہ'' پر انگوٹھے چومنا بدعت ہے۔[2] واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن جابر بن سمرة، قال: »صليت مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- العيدين، غير مرة ولا مرتين، بغير أذان ولا إقامة«. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۹۰، كتاب صلاة العيدين، فصل في الصلاة قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة، ط: البدر-ديوبند)

قلت أرأيت صلاة العيدين هل فيهما أذان وإقامة قال ليس فيهما أذان ولا إقامة. (الأصل المعروف بالمبسوط-أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م:۱۸۹ھ): ۱/ ۳۷۴، باب صلاة العيدين، ت: أبو الوفا الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية-كراتشي ☆بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م:۵۸۷ھ): ۱/ ۲۷۶، كتاب الصلاة، فصل شرائط وجوب وجواز صلاة العيدين، ط: دار الكتب العلمية ☆الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي، الزَّبِيدِيّ، الحنفي (م:۸۰۰ھ): ۱/ ۹۳، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ط: المطبعة الخيرية)

(۲) انگوٹھے چومنا کسی صحیح مرفوع روایت سے ثابت نہیں ہے، اس سلسلے میں دیلمی کی مسند الفردوس کا حوالہ دیا جاتا ہے، اس میں اس سلسلے کی ایک روایت موجود ہے؛ لیکن وہ صحیح نہیں ہے، علامہ شامیؒ نے اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے، وہ رقم طراز ہیں:

يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة: صلى الله عليك يا رسول الله، وعند الثانية منها: قرت عيني بك يا رسول الله، ثم يقول: اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفري الإبهامين على العينين؛ فإنه -عليه السلام- يكون قائدا له إلى الجنة، كذا في كنز العباد. اهـ. قهستاني، ونحوه في الفتاوى الصوفية. وفي كتاب الفردوس: من قبل ظفري إبهامه عند سماع أشهد أن محمدا رسول الله في الأذان، أنا قائده ومدخله في صفوف الجنة، وتمامه في حواشي البحر للرملي عن المقاصد الحسنة للسخاوي، وذكر ذلك الجراحي وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. ونقل بعضهم أن القهستاني كتب على هامش نسخته أن هذا مختص بالأذان، وأما في الإقامة فلم يوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع. (رد المحتار على الدر المختار-ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م:۱۲۵۲ھ): ۱/ ۳۹۸، باب الأذان، ط: دار الفكر-بيروت)

اس سلسلے کی تمام احادیث کے لیے دیکھیے: المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة-شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوي (م:۹۰۲ھ): ۱/ ۶۰۴، رقم الحديث: ۱۰۲۱، ت: محمد=

[۲] تکبیر میں افراد اور اذان میں ترجیع احناف کے یہاں سنت نہیں

۵۹۴-سوال: اذان یا تکبیر میں مؤذن "اللہ أکبر" دوبار، "أشھد أن لا إلہ إلا اللہ" ایک بار، "أشھد أن محمداً رسول اللہ" ایک بار، "حی علی الصلاۃ" ایک بار اسی طرح "حی علی الفلاح" ایک بار کہے، تو جائز ہے یا نہیں؟ یا اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور طریقہ اذان کا نہیں ہے؛ بل کہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کے مطابق صرف تکبیر کا ہے، کہ مکبر "اللہ أکبر" دوبار، "أشھد أن لا إلہ إلا اللہ" ایک بار، "أشھد أن محمداً رسول اللہ" ایک بار، "حی علی الصلاۃ" ایک بار، "حی علی الفلاح" ایک بار اور "قد قامت الصلاۃ" دوبار کہے گا۔[1]

جب کہ اذان میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مؤذن شہادتین میں ترجیع کرے گا، ترجیع کا مطلب ہے: شہادتین (اشھد ان لا الہ الا اللہ' اور 'اشھد ان محمد أرسول اللہ) کو آہستہ آواز سے کہنے کے بعد دوبارہ بلند آواز سے کہنا، یعنی پہلے چار کلمات کو ہلکی آواز سے کہے گا، پھر بلند آواز سے کہے گا۔[2]

=عثمان الخشت، ط: دار الکتاب العربي - بیروت☆مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی: ۳۲۵/۴، أوائل کتاب الکراهیة، زکریا - دیوبند.

الغرض جب مؤذن "أشھد أن محمداً رسول اللہ" کہے، اس وقت انگوٹھا چومنا بدعت ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔

(۱) وأما الإقامة، فإنها إحدی عشرة کلمة: الله أکبر الله أکبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمداً رسول الله، حي علی الصلاة، حي علی الفلاح، قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة، الله أکبر الله أکبر، لا إله إلا الله. (المهذب في فقه الإمام الشافعي - أبو اسحاق إبراهیم بن علي بن یوسف الشیرازي (م: ۴۷۶ھ): ۱۱۱/۱، کتاب الصلاة، باب الأذان والإقامة، ط: دار الکتب العلمیة☆التنبیه في الفقه الشافعي - الشیرازي، ص: ۲۷، باب الأذان، ط: عالم الکتب ☆ منهاج الطالبین وعمدة المفتین في الفقه - أبو زکریا محیي الدین یحیی بن شرف النووي (م: ۶۷۶ھ)، ص: ۲۳، کتاب الصلاة، مدخل، ت: عوض قاسم أحمد عوض، ط: دار الفکر☆المغني لابن قدامة - أبو محمد موفق الدین عبد الله بن أحمد، ابن قدامة الجماعیلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهیر بابن قدامة المقدسي (م: ۶۲۰ھ): ۲۹۴/۱، رقم المسئلة: ۵۵۶، ط: مکتبة القاهرة☆ کشاف القناع عن متن الإقناع - منصور بن یونس بن صلاح الدین ابن حسن بن إدریس البهوتي الحنبلي (م: ۱۰۵۱ھ): ۲۳۶/۱، باب الأذان والاقامة، ط: دار الکتب العلمیة)

(۲) والأذان تسع عشرة کلمة: الله أکبر الله أکبر، الله أکبر الله أکبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمداً رسول الله، أشهد أن محمداً رسول الله، ثم یرجع فیمد صوته فیقول أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله=

احناف کے نزدیک اذان واقامت؛ دونوں میں تمام کلمات کو دو، دو بار کہے، سوائے اللہ اکبر کے، کہ اس کو چار مرتبہ کہے گا، نیز فجر کی اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" کا اور اقامت میں "قد قامت الصلاۃ" کا اضافہ کرے۔[۳]

احناف کے نزدیک ترجیع نہ کرے؛ لیکن یہ صرف اولیٰ وغیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] اذان کے وقت تلاوت جاری رکھنا اور اذان کا جواب نہ دینا

۵۹۵-سوال: اذان کے دوران ایک شخص قرآن شریف یا کوئی دینی کتاب پڑھ رہا تھا، اس سے

= أشهد أن محمداً رسول الله، أشهد أن محمداً رسول الله، حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله. (المهذب في فقه الإمام الشافعي: ١/١٠٩، كتاب الصلاة، باب الأذان والإقامة، ☆التاج والإكليل لمختصر خليل-محمد بن يوسف بن أبي القاسم، أبو عبد الله المواق المالكي (م: ٨٩٧هـ): ٢/ ٧٤، باب في الأذان والإقامة، فصل في حكم الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية)

(٣) عن الأسود، عن بلال، أنه كان يثني الأذان، ويثني الإقامة. (شرح معاني الآثار - أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة ، الأزدي ، المصري المعروف بـ"الطحاوي" (م: ٣٢١هـ): ١/١٠١، رقم الحديث: ٨٢٦ -٨٢٨، كتاب الصلاة، باب الاقامة كيف هي، مكتبة ملت- ديوبند)

" وصفة الأذان معروفة" وهو كما أذن الملك النازل من السماء " ولا ترجيع فيه " . . . " ويزيد في أذان الفجر بعد الفلاح، الصلاة خير من النوم مرتين " . . . " والإقامة مثل الأذان إلا أنه يزيد فيها بعد الفلاح، قد قامت الصلاة، مرتين " هكذا فعل الملك النازل من السماء وهو المشهور. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ٥٩٣هـ): ١/ ٤٣، كتاب الصلاة، باب الأذان، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ٩٧٠هـ): ١/ ٤٥-٤٤٢، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب - ديوبند☆بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ١/ ١٤٧، كتاب الصلاة، فصل بيان كيفية الأذان، ط: دار الكتب العلمية☆رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ١٢٥٢هـ): ١/ ٣٨٦، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

[٤] (ولا ترجيع) فإنه مكروه ملتقى. الدر المختار. ــــ قال ابن عابدين: (قوله: فإنه مكروه ملتقى) ومثله في القهستاني، خلافا لما في البحر من أن ظاهر كلامهم أنه مباح لا سنة ولا مكروه. قال في النهر: ويظهر أنه خلاف الأولى. وأما الترجيع بمعنى التغني فلا يحل فيه اهـ وحينئذ فالكراهة المذكورة تنزيهية. (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٣٨٧، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

کہا گیا کہ اذان ہو رہی ہے، پڑھنا موقوف کر دینا چاہیے اور اذان کا جواب دینا چاہیے؛ لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں کی اور پڑھنا جاری رکھا، تو شرعاً ایسا شخص گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

بہتر یہ ہے کہ اذان کے وقت قرآن کریم کی تلاوت بند کر دے اور اپنے محلے کی مسجد کی اذان کا جواب دے؛ چوں کہ اذان کا قولاً جواب دینا مستحب ہے اور عملاً یعنی اذان سن کر مسجد کے لیے جانا واجب ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص مسجد میں ہو، تو چوں کہ وہ واجب کو بجالایا ہے، اس کو قرآن شریف بند کر کے اذان کا جواب دینا ضروری نہیں، وہ قرآن کی تلاوت جاری رکھ سکتا ہے۔[1] اور اگر گھر میں تلاوت کر رہا ہو اور وقت پر نماز کے لیے چلا جاتا ہے اور اس کی جماعت ترک نہیں ہوتی، تب بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر اس کی وجہ سے ترک جماعت کا اندیشہ ہو، تو تلاوت بند کر کے مسجد جانا واجب ہے، ورنہ ترک جماعت کا گناہ ہوگا، تاہم چوں کہ زبان سے جواب دینا صرف مستحب ہے، قرآن پڑھتا رہے گا اور اذان کا جواب نہیں دے گا، تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) "وإذا سمع المسنون منه" أي الأذان وهو ما لا لحن فيه ولا تلحين "أمسك" حتى عن التلاوة ليجيب المؤذن ولو في المسجد وهو الأفضل، وفي الفوائد يمضي على قراءته إن كان في المسجد. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ) ص:۸۰، باب الأذان، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں ہو تب بھی تلاوت بند کر دینا افضل ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۲) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه، عذر، قالوا: وما العذر؟، قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التي صلى. (سنن أبي داود:۱/۸۱، رقم الحديث:۵۵۱، باب في التشديد في ترك الجماعة، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

ولا ينبغي أن يتكلم السامع في خلال الأذان والإقامة ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة. (الفتاوى الهندية:۱/۵۷، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما، مايتصل بذلك. ط: دار الفكر)

(ويجيب) وجوبا، وقال الحلواني ندبا، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنبا لا حائضا ونفساء وسامع خطبة وفي صلاة جنازة وجماع، ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه، بخلاف قرآن. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: وقال الحلواني ندبا إلخ) أي قال الحلواني: إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هي الإجابة بالقدم.... (قوله: وتعليم علم) أي شرعي فيما يظهر، ولذا عبر في الجوهرة بقراءة الفقه. ـــــ (قوله: بخلاف قرآن) لأنه لا يفوت، جوهرة، ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلا يفوت بالإجابة، بخلاف التعلم، فعلى هذا=

[۸] اذان کے دوران سراً یا جہراً تلاوت کرنا

۵۹۶-سوال: جس وقت اذان ہو رہی ہو، اُس دوران جہراً یا سراً تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے دوران تلاوت نہ کرنی چاہیے، اگر تلاوت میں مشغول تھا اور پھر اذان شروع ہو جائے، تو اس شخص کو چاہیے کہ تلاوت موقوف کردے اور اذان کو سن کر اُس کا جواب دے، بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے، اذان کا جواب یہ ہے کہ مؤذن جو کلماتِ اذان میں کہہ رہا ہے، اُن ہی کلمات کو دہرائے، **حي على الصلاة** اور **حي على الفلاح** کے جواب میں **"لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم"** کہے، اور فجر کی اذان میں **"الصلاة خير من النوم"** کے جواب میں **"صدقت وبررت"** کہے۔ (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۵)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=لو يقرأ تعليما أو تعلما لا يقطع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۶، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد ☆بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۵، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يجب على السامعين عند الأذان)

[۱] عن أبي سعيد الخدري: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما يقول المؤذن. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۶، رقم الحديث: ۶۱۱، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي، ط: البدر- ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۶۶، رقم الحديث: ۱۰- (۳۸۳)، كتاب الصلاة، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يسأل له الوسيلة، ط: البدر- ديوبند)

وأما بيان ما يجب على السامعين عند الأذان، فالواجب عليهم الإجابة، لما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: أربع من الجفاء: من بال قائما، ومن مسح جبهته قبل الفراغ من الصلاة، ومن سمع الأذان ولم يجب، ومن سمع ذكري ولم يصل علي.

والإجابة: أن يقول مثل ما قال المؤذن؛ لقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: من قال مثل ما يقول المؤذن غفر الله ما تقدم من ذنبه وما تأخر. فيقول مثل ما قاله إلا في قوله: "حي على الصلاة، حي على الفلاح" فإنه يقول مكانه لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم؛ لأن إعادة ذلك تشبه المحاكاة والاستهزاء، وكذا إذا قال المؤذن: "الصلاة خير من النوم" لا يعيده السامع لما قلنا، ولكنه يقول: صدقت وبررت، أو ما يؤجر عليه.

ولا ينبغي أن يتكلم السامع في حال الأذان والإقامة، ولا يشتغل بقراءة القرآن، ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة. كذا قالوا في الفتاوى. والله أعلم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/ ۱۵۵، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يجب على السامعين عند الأذان، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۵-۶۹، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۷، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، ط: دار الفكر)

[۹] مؤذن کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا اقامت کہنا

۵۹۷-سوال: ہمارے یہاں مسجد کا مؤذن اذان کے بعد اکثر محلہ میں چلا جاتا ہے اور نماز کھڑی ہونے کے موقع پر آتا ہے، کبھی وقت پر نہیں پہنچتا ہے، جس کی وجہ سے دوسرا کوئی مقتدی تکبیر کہہ دیتا ہے، تو اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مؤذن کی اجازت سے دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے، جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا، البتہ مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہنے سے اس کا دل دکھتا ہو، تو دوسرے کو اقامت کہنا مکروہ ہے۔ (شامی)[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] مؤذن کے علاوہ کوئی شخص تکبیر کہے، تو کیا حکم ہے؟

۵۹۸-سوال: کیا یہ بات ضروری ہے کہ جو شخص اذان کہے، وہی تکبیر بھی کہے؟ اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے نے تکبیر کہہ دی، تو کیا یہ صحیح نہیں ہے؟

---

(۱) عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي: ۱/ ۵۰، رقم الحديث: ۱۹۹، باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم، ط: فيصل - ديوبند ☆ سنن ابن ماجة: ۱/ ۵۲، رقم الحديث: ۷۱۷، كتاب الأذان، والسنة فيه، باب السنة في الأذان، ط: ديوبند)

(أقام غير من أذن بغيبته) أي المؤذن (لا يكره مطلقا) وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: مطلقا) أي لحقه وحشة أو لا. (قوله: كره إن لحقه وحشة) أي بأن لم يرض به، وهذا اختيار خواهر زاده، ومشى عليه في الدرر والخانية لكن في الخلاصة: إن لم يرض به يكره، وجواب الرواية أنه لا بأس به مطلقا. اهـ. قلت: وبه صرح الإمام الطحاوي في مجمع الآثار معزيا إلى أئمتنا الثلاثة. وقال في البحر: ويدل عليه إطلاق قول المجمع: ولا نكرهها من غيره. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۵، باب الأذان، قبيل: مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد)

(ومنها) -أي من سنن الأذان- أن من أذن فهو الذي يقيم، وإن أقام غيره: فإن كان يتأذى بذلك يكره؛ لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به لا يكره. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۱، كتاب الصلاة، فصل بيان سنن الأذان، ط: دار الكتب العلمية ☆ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۷۹، مسائل الأذان، كتاب الصلاة، ط: زكريا، ديوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرے آدمی کے تکبیر کہنے کی وجہ سے اگر مؤذن ناراض ہوتا ہو، تو مکروہ ہے اور مؤذن اگر خود خوشی سے اس کی اجازت دیتا ہو، تو کوئی حرج نہیں ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] جو اذان دے، وہی اقامت کہنے کا زیادہ حق دار ہے

۵۹۹-سوال: اقامت کون کہے گا؟ کیا اذان کہنے والے کا اقامت کہنا ضروری ہے؟ مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا اقامت کہنا کیسا ہے؟ اگر کسی نے موذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہی اور مؤذن اقامت کا ارادہ رکھتا ہو، تو کیا وہ اس کو درمیان میں روک سکتا ہے؟ اور روکنے کے باجود اگر وہ نہ رکے اور مؤذن دوسری اقامت شروع کر دے، تو کیسا ہے؟ جماعت کا وقت ہو گیا اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے اذان دی، تو ایسے وقت میں کیا کرنا چاہیے؟ کیا مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہہ دے، یا اعلان کر کے پتہ لگائے، اس کے بعد اقامت کہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے اذان دی ہے، اقامت بھی وہی شخص کہے گا؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اذان دے وہی اقامت کہے۔(۲) لہٰذا اقامت کا حق مؤذن کا ہے، اگر کوئی دوسرا مؤذن کی اجازت سے اقامت کہے، یا بغیر اجازت کے کہے؛ لیکن اس سے مؤذن کو تکلیف نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح اذان دینے والا موجود نہیں ہے، یا وقت ہونے کے بعد بھی ایک دو منٹ زائد ہو گئے اور مؤذن نے اقامت نہیں کہی، تو بھی دوسرے کا اقامت کہنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ اگر چہ دوسرے کے اقامت کہنے سے اس کو تکلیف ہو، تو بھی جائز ہے؛ کیوں کہ وہ حاضر نہیں ہے اور اس کے انتظار میں دوسروں کو تکلیف ہوگی؛ اس لیے دیگر مصلیان کی رعایت کر کے دوسرے کا اقامت کہنا جائز ہے۔

(۱) قد تقدم تخريجه تحت عنوان: ''مؤذن کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا اقامت کہنا''۔

(۲) عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي: ۱/۵۰، رقم الحديث: ۱۹۹، باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم، ط: فيصل-ديوبند☆سنن ابن ماجة: ۱/۵۲، رقم الحديث: ۷۱۷، كتاب الأذان، والسنة فيه، باب السنة في الأذان، ط: أشرفي-ديوبند)

لیکن مؤذن کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے نے اقامت کہی اور مؤذن ناراض ہو، تو یہ جائز نہیں ہے۔ (شامی جلد ا صفحہ ۳۶۹ ☆ عالمگیری جلد ا صفحہ ۱۹)[۱]

علامہ شامیؒ نے یہاں ''افضل'' کا لفظ لکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مستحب ہے؛ لہٰذا جو شخص اذان دے، وہی اقامت کہے، یہ بہتر ہے، واجب اور ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا کوئی شخص نادانی کی وجہ سے اقامت کہہ دے، تو اس کی بے عزتی نہ کی جائے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسے مسئلہ سمجھا دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ ایک افضل کام کے لیے مسجد کو لڑائی جھگڑے کا گھر بنا دیا جائے؛ اس لیے مؤذن کو چاہیے کہ اقامت کہتے وقت اس کو نہ روکے یہی بہتر ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] اذان دینے والے شخص ہی کا اِقامت کہنا ضروری ہے؟

۷۰۰-سوال: کیا ایسی کوئی روایت ہے، جس میں یہ بات ہو کہ جو شخص اذان دے، وہی

---

[۱] (أقام غير من أذن بغيبته) أي المؤذن (لا يكره مطلقا) وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة. (الدر المختار)
قال ابن عابدين: (قوله: مطلقا) أي لحقه وحشة أو لا. (قوله: كره إن لحقه وحشة) أي بأن لم يرض به، وهذا اختيار خواهر زاده، ومشى عليه في الدرر والخانية لكن في الخلاصة: إن لم يرض به يكره، وجواب الرواية أنه لا بأس به مطلقا. اهـ. قلت: وبه صرح الإمام الطحاوي في مجمع الآثار معزيا إلى أئمتنا الثلاثة. وقال في البحر: ويدل عليه إطلاق قول المجمع: ولا نكرهها من غيره. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۵، باب الاذان، قبيل: مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد)
وإن أذن رجل وأقام آخر إن غاب الأول جاز من غير كراهة وإن كان حاضرا ويلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره وإن رضي به لا يكره عندنا. كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۴، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر)
(ومنها) -أي من سنن الاذان- أن من أذن فهو الذي يقيم، وإن أقام غيره: فإن كان يتأذى بذلك يكره؛ لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به لا يكره. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۱، كتاب الصلاة، فصل بيان سنن الأذان، ط: دار الكتب العلمية ☆ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۷۹، مسائل الاذان، كتاب الصلاة، ط: زكريا، ديوبند)
(۲) وقال في البحر: ويدل عليه إطلاق قول المجمع: ولا نكرهها من غيره، فما في شرحه لابن ملك من أنه لو حضر ولم يرض يكره اتفاقا فيه نظر. اهـ. وكذا يدل عليه إطلاق الكافي معللا بأن كل واحد ذكر، فلا بأس بأن يأتي بكل واحد رجل آخر، ولكن الأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم اهـ أي لحديث "من أذن فهو يقيم"، وتمامه في حاشية نوح. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۵، باب الاذان، قبيل: مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد)

اقامت بھی کہے؟ کیا یہ لزوم شوافع کے نزدیک ثابت ہے؟ کیوں کہ بعض عرب ممالک میں امام اذان بھی دیتا ہے، اقامت بھی کہتا ہے، پھر نماز بھی وہی پڑھاتا ہے، کیا اس طرح کرنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق بھی مستحب یہ ہے کہ مؤذن اقامت کہے اور امامت بھی کرے، چناں چہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مؤذن سمجھ دار، نیک، متقی اور عالم بالسنہ ہونا چاہیے، نیز صاحب شوکت ہونا چاہیے، جس کی لوگوں پر ہیبت ہو، جو لوگوں کے احوال سے باخبر رہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اور بے نمازی اور جماعت میں غیر حاضر رہنے والوں کو تنبیہ کرے، ہمیشہ اذان دے اور اپنی اذان پر آخرت کے ثواب کا طالب ہو، کوئی اُجرت نہ لے، اور بہتر یہ ہے کہ نماز میں امام بھی وہی ہو۔ (عالمگیری: ۱/ ۵۴)[۱]

اور حدیث شریف میں بھی ترمذی کی روایت سے ثابت ہے کہ: "من أذن فهو يقيم".[۲] یعنی جو شخص اذان دے، وہی اقامت کہے، یعنی اقامت کا حق مؤذن کا ہے، اگر مؤذن دوسرے کو اجازت دے یا مؤذن موجود نہ ہو، تو دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے۔[۳]

اِس پوری تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ حکم اُس اذان واقامت کا ہے، جس پر اُجرت نہ لی جائے، اور آدمی اپنی خوشی سے اذان کہے اور امامت بھی کرے۔

(۱) وينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا، صالحا، تقيا، عالما بالسنة. كذا في النهاية، وينبغي أن يكون مهيبا، ويتفقد أحوال الناس، ويزجر المتخلفين عن الجماعات. كذا في القنية، وأن يكون مواظبا على الأذان. هكذا في البدائع، والتتارخانية، وأن يكون محتسبا في أذانه. كذا في النهر الفائق، والأحسن أن يكون إماما في الصلاة. كذا في معراج الدراية والأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية-لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۵۳-۵۴، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۱۴۹-۱۵۴، فصل بيان سنن الأذان، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ البناية شرح الهداية-أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى، الغيتابي الحنفي، بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۲/ ۹۷، صفة الأذان، شروط المؤذن، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم.... والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم: أن من أذن فهو يقيم". (سنن الترمذي: ۱/ ۵۰، رقم الحديث: ۱۹۹، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم، ط: البدر-ديوبند)

(۳) دیکھیے عنوان "جو اذان دے، وہی اقامت کہنے کا زیادہ حق دار ہے" کا حاشیہ نمبر: ۲۔

آج کل مؤذن تنخواہ لیتے ہیں، اور مسلم عوام بھی کم سے کم تنخواہ پر جاہل مؤذن کا تقرر کرتے ہیں، مزید برآں مسجد و محلہ کی اور بھی بہت سی ذمہ داریاں اُس کے سپرد ہوتی ہیں، جس کی بنا پر ہمارے معاشرہ میں مؤذن کی حیثیت نہایت پست ہوتی ہے، اس عظیم منصب کے لیے ایسے شخص کو مقرر کرتے ہیں، جو کسی کام کا نہ ہو، یہاں تک کہ کوئی شریف آدمی مؤذن بننے سے بھی شرماتا ہے، ایسے مؤذن کے لیے یہ مسئلہ نہیں ہے کہ وہی امام بھی ہو، ورنہ منصب امامت کی قدر و منزلت بھی کم ہوجائے گی۔

حدیث پاک میں مؤذن کا درجہ بھی بہت بلند بتایا گیا ہے۔[1] اس لیے اُس درجہ کو بھی اس طرح گھٹانا ٹھیک نہیں ہے، اذان کے لیے مستقل آدمی ہونا چاہیے اور دیگر کاموں کے لیے علاحدہ خادم ہونا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] امام کے مصلیٰ پر پہنچتے ہی تکبیر کہنا لازم نہیں

۲۰۱-سوال: ایک صاحب کا کہنا ہے کہ امام صاحب جب مصلیٰ پر نماز پڑھانے کے لیے آئیں، اسی وقت تکبیر (اقامت) کہنا چاہیے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر امام صاحب مسجد میں حاضر ہوں، مگر مصلیٰ پر نہ آئے ہوں، تو تکبیر کہنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ امام مصلیٰ پر آجائیں، تب تکبیر کہی جائے، تاہم امام کے مصلیٰ پر آنے سے پہلے بھی تکبیر کہنا جائز ہے، جب کہ امام مصلیٰ کے قریب ہوں، تاکہ تکبیر سن کر مصلیٰ پر آجائیں، اگر مسجد سے باہر ہوں، تو اس وقت تک تکبیر نہ کہی جائے، جب تک کہ وہ مسجد میں داخل نہ ہوجائیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن طلحة بن يحيى، عن عمه، قال: كنت عند معاوية بن أبي سفيان، فجاءه المؤذن يدعوه إلى الصلاة، فقال معاوية: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقا يوم القيامة. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۶۷، رقم الحديث: ۱۴-(۳۸۷)، كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، ط: البدر-ديوبند)

عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أذن سبع سنين محتسبا كتبت له براءة من النار. (سنن الترمذي: ۱/ ۵۱، رقم الحديث: ۲۰۶، أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل الأذان، ط: البدر-ديوبند)

(۲) عن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه، قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: إذا أقيمت الصلاة، فلا تقوموا حتى تروني. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۸، رقم الحديث: ۶۳۷، كتاب الأذان، باب: متى يقوم الناس، إذا رأوا الإمام عند=

[۱۴] ڈاڑھی منڈے کی اذان واقامت

۶۰۲-سوال: ڈاڑھی منڈے شخص نے اقامت (تکبیر) کہی ہو، تو اس اقامت سے پڑھی گئی نماز درست ہوئی یا نہیں، یا پھر سے دوہرانی ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"محلوق اللحية" (ڈاڑھی منڈے شخص) کی اذان واقامت مکروہ تحریمی ہے۔ (۱) البتہ ایسے شخص کی اذان واقامت سے جو نماز پڑھی جائے گی، وہ ادا ہوجائے گی اور اس کا اعادہ نہیں ہے۔ (۲) واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] ڈاڑھی منڈے کی اقامت کا حکم

۶۰۳-سوال: ڈاڑھی منڈا شخص اقامت کہے، تو نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا پھر سے نماز پڑھنا ضروری ہوگا؟

=الإقامة، ط: رشيدية- دهلي، وانظر رقم: ۹۳۸، ☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۲۰، رقم الحديث: ۱۵۶- (۶۰۴)، باب متى يقوم الناس للصلاة، ط: مختار- ديوبند)

قال ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): وفيه جواز الإقامة والإمام في منزله إذا كان يسمعها وتقدم إذنه في ذلك. (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۲/ ۱۲۰، باب لا يقوم إلى الصلاة مستعجلا وليقم إليها بالسكينة والوقار، ط: دار المعرفة- بيروت)

(والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل: حي على الفلاح)... (إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر.) [الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۴۷۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة]

(۱) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم وليؤمكم قراؤكم. (سنن أبي داود: ۱/ ۸۷، رقم الحديث: ۵۹۰، باب من أحق بالإمامة، ط: ديوبند☆سنن ابن ماجة: ۱/ ۵۳، رقم الحديث: ۷۲۶، كتاب الأذان والسنة فيه، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين، ط: أشرفي- ديوبند)

(ويكره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه) على المذهب. (و) أذان (امرأة) وخنثى (وفاسق). (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۹۲، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) (قوله: ويعاد أذان جنب إلخ) زاد القهستاني: والفاجر والراكب والقاعد والماشي، والمنحرف عن القبلة. وعلل الوجوب في الكل بأنه غير معتد به والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص، قال وهو الأصح كما في التمرتاشي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۳، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر- بيروت)

ومنها- أي من سنن الأذان- أن يكون تقيا لقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، والأمانة لا يؤديها إلا التقي. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۰، كتاب الصلاة، فصل بيان سنن الأذان، ط: دار الكتب العلمية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈاڑھی منڈا شخص فاسق ہے، اور فاسق کا اذان دینا اور اس کا اقامت کہنا مکروہ ہے۔ (در مختار مع الشامی: ۱/ ۲۶۳)[1]

البتہ اقامت صحیح ہو جائے گی، دوسرے شخص کا دوبارہ اقامت کہنا درست نہیں ہے، اور جب اقامت صحیح ہے، تو نماز بھی صحیح ہو جائے گی نماز کا اعادہ واجب نہیں۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] صحن مسجد میں اذان دینا

۶۰۴-سوال: بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ مسجد کے صحن میں اذان دینا جائز نہیں؛ بل کہ صحن سے بالکل باہر کے حصے میں اذان دینی چاہیے، یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان مسجد کے باہر کہنا سنت ہے، اس لیے اگر صحن، مسجد میں داخل ہے، تو ایسے صحن میں اذان دینا بہتر نہیں، اور بار بار ایسے صحن میں اذان دینے سے یعنی اس پر اصرار کرنے سے قباحت و کراہت پیدا ہوگی، البتہ وہ صحن، جو مسجد میں داخل نہیں، اس میں اذان دینا بلا کسی حرج کے جائز ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۹۲، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر- بيروت.

(۲) تفصیلی تخریج گذر چکی ہے، ملاحظہ فرمائیں عنوان: ''ڈاڑھی منڈے کی اذان و اقامت'' کا حاشیہ نمبر: ۲۔

(۳) وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۸، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: زكريا- ديوبند☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۶۹، فصل في بيان سنن الأذان، ط: زكريا- ديوبند☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۸، باب الأذان، ط: زكريا- ديوبند)

نوٹ: مفتی صاحبؒ نے جو کچھ لکھا ہے، عموماً فقہی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، تاہم اصل مسئلہ یہ ہے کہ:

مسجد کے اندر اذان دینا جائز ہے، اس میں کچھ کراہت نہیں ہے، اگر اذان کی آواز لوگوں تک پہنچ جائے، تو جمعہ کی پہلی اذان نیز اور نمازوں کی اذانیں مسجد میں کہنا مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ مسجد سے باہر اذان کہنے کا حکم تبلیغ صوت (آواز پہنچانے) کی غرض سے ہے، حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اس کا تو پورا اہتمام کیا جاتا تھا کہ اذان ایسی جگہ کہی جائے، کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اذان کی آواز پہنچ جائے، مگر مسجد یا خارج مسجد کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، طبقات ابن سعد میں ہے: أخبرنا محمد بن عمر. حدثني معاذ بن محمد عن يحيى بن عبد الله بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة قال: أخبرني من سمع النوار أم زيد بن ثابت تقول: كان بيتي أطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنى رسول الله مسجده. فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره. (الطبقات الكبرى- ابن سعد=

[۱۷] اذان کے لیے آلہ مکبر الصوت کا استعمال

۶۰۵-سوال: کیا آلہ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینا جائز ہے؟

الجواب حامداو مصليا:

اذان کا مقصود اعلان ہے، جو لاؤڈ اسپیکر سے بہ درجہ اولی حاصل ہو جاتا ہے؛[1] اس لیے اس سے اذان کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہاں اگر اس طرح اذان دینے میں فتنہ کا اندیشہ ہو کہ کوئی اللہ یا مسجد کے بارے میں زبان درازی کرتے ہوئے گالی گلوچ کرتا ہو، تو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان دینے سے بچنا

=(م:۰۲۳۰ھ): ۸/ ۳۰۹، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے اُم زید کے مکان پر اذان ہوتی تھی، پھر مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد مسجد کی چھت پر اذان ہونے لگی، اور ظاہر ہے کہ مسجد کی چھت تمام احکام میں مسجد کی طرح ہے، پس جس طرح مسجد کی چھت پر اذان کہنا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح مسجد کے اندر بھی اذان کہنا مکروہ نہیں، بل کہ ابن ماجہ کی ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی اذان مسجد ہی میں کہی گئی تھی: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن صاحبكم قد رأى رؤيا، فاخرج مع بلال إلى المسجد فألقها عليه، وليناد بلال، فإنه أندى صوتا منك، قال: فخرجت مع بلال إلى المسجد، فجعلت ألقيها عليه وهو ينادي بها. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۲۳۲، رقم الحديث: ۷۰۶، باب بدء الأذان، ت: محمد فؤاد عبد الباقي، ط: دار إحياء الكتب العربية)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اسلام میں سب سے پہلی اذان مسجد نبوی میں ہوئی تھی، پس مسجد میں اذان دینا بلا کراہت جائز ہے، فتاوی دار العلوم جدید میں ہے: کوئی اذان مسجد میں مکروہ نہیں ہے، خصوصا اذان خطبۂ جمعہ مسجد میں خطیب کے سامنے مسنون ہے۔

فتاوی دار العلوم (قدیم) میں ہے: اذان کی وجہ مشروعیت کتب احادیث سے اسی قدر ثابت ہے کہ نمازیوں کو اوقات نماز کی اطلاع ہو جائے، اور مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کریں، اذان کے کلمات پر غور کرو، تو صرف ذکر اللہ ہے، یا ذکر اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے، ان کلمات کو نہ مسجد سے کسی قسم کی منافات اور نہ خارج مسجد سے خاص مناسبت، بل کہ بہ ظاہر تو معاملہ برعکس ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، کہ مساجد کی بنا، نماز و ذکر کے لیے ہے؛ لیکن چوں کہ اذان سے مقصود اعلام و اطلاع ہے، اس لیے بلند جگہ پر اذان دینا اولی ہوا، چناں چہ حضور ﷺ کے زمانے میں بلند مقام پر اذان دینے کا اہتمام تھا، لیکن مسجد یا خارج مسجد کا کوئی التزام نہ تھا، حضور ﷺ کے زمانۂ مقدس میں مسجد اور خارج مسجد دونوں جگہ اذان دینا ثابت ہے۔ (آداب اذان و اقامت، ص: ۷۳-۷۵، از: مفتی محمد امین پالن پوری، الامین کتابستان - دیو بند) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۱) لأن الأصل في مشروعية الأذان الإعلام بدخول الوقت ... وفي السراج: وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، ويرفع صوته، ولا يجهد نفسه؛ لأنه يتضرر. اهـ بحر. (رد المحتار: ۱/ ۳۸۲ - ۳۸۳، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

چاہیے، [۲] کہ دفع مضرت اولیٰ ہے جلب منفعت سے۔ [۳] چناں چہ رسول اللہ ﷺ جب قرآن شریف بلند آواز سے تلاوت فرماتے تھے، تو کفار، اللہ تعالیٰ، رسول ﷺ، قرآن کریم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو گالیاں دیتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا﴾ [۴] یعنی اے نبی (ﷺ)! آپ بہت آواز سے اور نہ ہی بالکل آہستہ؛ بل کہ معتدل آواز میں تلاوت فرمایا کیجیے۔ [۵]

الغرض اگر مذکورہ صورت لازم نہ آتی ہو، تو مائک سے اذان دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بل کہ اولیٰ اور مطلوب ہے کہ اس سے مقصود اذان احسن طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] نابالغ کی اذان کا حکم

۶۰۶-سوال: کیا بالغ اور نابالغ دونوں اذان دے سکتے ہیں؟ اگر نابالغ نے اذان دے دی، تو اس کی اذان سے پڑھی جانے والی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

---

(۲) ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾. (۶-الأنعام: ۱۰۸)

(۳) "درء المفاسد أولى من جلب المصالح. ــــــــ فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا، لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات، ولذا قال عليه السلام {إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه}، وروى في الكشف حديثا {لترك ذرة مما نهى الله عنه أفضل من عبادة الثقلين} ومن ثم جاز ترك الواجب دفعا للمشقة، ولم يسامح في الإقدام على المنهيات، خصوصا الكبائر. (الاشباه و النظائر: ۸۷، القاعدة الخامسة: "درء المفاسد أولى من جلب المصالح، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية، بيروت ☆التحبير شرح التحرير في أصول الفقه- علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي الصالحي الحنبلي (م:۸۸۵ھ): ۳۸۵۱/۸، باب الاستدلال، ت: د. عبد الرحمن الجبرين، د. عوض القرني، د. أحمد السراح، ط: مكتبة الرشد- السعودية/الرياض)

(۴) ۱۷-الإسراء: ۱۱۰.

(۵) وكان -صلى الله عليه وسلم- يجهر بالقرآن في الصلاة كلها ابتداءا... وكان المشركون يؤذونه ويسبون من أنزل ومن أنزل عليه، فأنزل الله تعالى: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ أي لا تجهر بها كلها ولا تخافت بها كلها وابتغ بين ذلك سبيلا بأن تجهر بصلاة الليل و تخافت بصلاة النهار. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۳۳/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: يجهر الإمام، ط: دار المعرفة- بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ سمجھ دار، مراہق لڑکا اگر اذان دے، تو جائز ہے؛ لیکن کسی بالغ آدمی کا اذان دینا مستحب ہے۔ (عالم گیری: ۱/ ۴۱)[۱] ـــــــــ نابالغ کی اذان سے پڑھی جانے والی نماز صحیح ہوگی؛ کیوں کہ اذان کے بغیر بھی نماز صحیح ہوجاتی ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] امرد اور نامرد کی اذان وتکبیر کا حکم

۶۰۷-سوال: امرد اور نامرد اگر نماز کے لیے اذان اور تکبیر کہیں، تو ان کی اذان وتکبیر کا کیا حکم

---

(۱) أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية، ولكن أذان البالغ أفضل، وأذان الصبي الذي لا يعقل لا يجوز، ويعاد، وكذا المجنون. هكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۴، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۱، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر)

(۲) اس میں اختلاف ہے کہ اذان سنت ہے یا واجب، تاہم اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ شعائر میں سے ہے، جس کی بڑی تاکید آئی ہے، اس وجہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی شہر کے تمام افراد اذان کے ترک پر متفق ہوجائیں، تو ان سے قتال کیا جائے۔ تاہم یہ نماز کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے، اس لیے بلا اذان پڑھی گئی نماز درست ہوگی:

(وأما) الأول فقد ذكر محمد ما يدل على الوجوب فإنه قال: إن أهل بلدة لو اجتمعوا على ترك الأذان لقاتلتهم عليه، ولو تركه واحد ضربته وحبسته، وإنما يقاتل ويضرب ويحبس على ترك الواجب، وعامة مشايخنا قالوا: إنهما سنتان مؤكدتان، لما روى أبو يوسف عن أبي حنيفة أنه قال في قوم صلوا الظهر أو العصر في المصر بجماعة بغير أذان ولا إقامة: فقد أخطئوا السنة وخالفوا وأثموا، والقولان لا يتنافيان لأن السنة المؤكدة والواجب سواء خصوصا السنة التي هي من شعائر الإسلام، فلا يسع تركها، ومن تركها فقد أساء؛ لأن ترك السنة المتواترة يوجب الإساءة، وإن لم تكن من شعائر الإسلام فهذا أولى، ألا ترى أن أبا حنيفة سماه سنة، ثم فسره بالواجب حيث قال: أخطئوا السنة وخالفوا وأثموا؟ والإثم إنما يلزم بترك الواجب. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۴۶- ۱۴۷، كتاب الصلاة، فصل واجبات الصلاة، دار الكتب العلمية- بيروت)

وقوله ولو لم يعد أجزأه: يعني الصلاة؛ لأنها جائزة بدون الأذان والإقامة. (العناية شرح الهداية- البابرتي (م: ۷۸۶هـ): ۱/ ۲۵۲، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر)

البتہ بلا اذان واقامت باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے:

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة. كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۴، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر)

ہے؟ اور یہ لوگ مسجد میں کس طرف کھڑے ہوں گے؟ جواب عنایت فرمائیں۔
غلام حسین گنگات، کونڈھ

الجواب حامداو مصلیا:

(۱) بالغ شخص کا اذان وتکبیر کہنا مستحب ہے؛ البتہ امرد اگر سمجھ دار ہو، تو اس کا اذان واقامت کہنا جائز ہے، اسی طرح سے نامرد کی اذان واقامت بھی صحیح ہے۔[۱]

(۲) اگر ایک لڑکا ہو، اور وہ مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہے، تو کوئی حرج نہیں، ایک سے زائد ہوں، تو سنت یہ ہے کہ وہ مردوں کے پیچھے کھڑے رہیں۔ (شامی: ۱/ ۳۶۴، عالمگیری: ۱/ ۴۱)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] بارہ یا تیرہ سالہ لڑکے کا اذان دینا

۴۰۸-سوال: کیا بارہ یا تیرہ سال کا لڑکا اذان دے سکتا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

نیک، عقل مند، بالغ آدمی کے لیے اذان دینا مستحب ہے، لیکن اگر نابالغ بچہ جو عقل وشعور رکھتا ہو اذان دے تو جائز ہے۔ (عالمگیری: جلد اول، صفحہ: ۵۴)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية، ولكن أذان البالغ أفضل، وأذان الصبي الذي لا يعقل لا يجوز، ويعاد، وكذا المجنون. هكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۴، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۱، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر)

المؤذن يكفي إخباره بدخول الوقت إذا كان بالغا عاقلا عالما بالأوقات مسلما ذكرا ويعتمد على قوله. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۴، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) ويصف اى يصفهم الامام بان يأمرهم بذلك... (الرجال) ظاهره يعم العبد (ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحدا دخل الصف. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: وكذا لو كان المقتدي رجلا وصبيا يصفهما خلفه لحديث أنس «فصففت أنا واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا». (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۸-۵۷۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۱/ ۶۱۶-۶۱۷، كتاب الصلاة، باب الامامة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۳) أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية، ولكن أذان البالغ أفضل، وأذان الصبي الذي لا يعقل لا يجوز، ويعاد، وكذا المجنون. هكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۴، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۱، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر) ـــــــــــ مزید دیکھیے عنوان: ''امرد اور نامرد کی اذان وتکبیر کا حکم''۔

[۲۱] مائک بند ہونے کی وجہ سے مؤذن کو اذان سے روک دینا

۶۰۹-سوال: اذان کے لیے مائک کا نظم تھا، بجلی بھی موجود تھی، مؤذن نے مائک کا بٹن دبایا، مگر بٹن دبانے میں کوئی کمی رہ گئی، جس کی وجہ سے اذان کی آواز باہر صاف نہیں آرہی تھی۔ ایک دوسرے شخص نے یہ سمجھا کہ بجلی تو ہے، شاید صحیح طور پر بٹن نہیں دبایا گیا ہے؛ اس لیے مائک بند رہ گیا ہے، اس نے یہ سوچتے ہوئے مؤذن کو درمیان ہی میں روک دیا، کہ اذان کی آواز باہر نہیں پہنچے گی، تو لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع نہ ہو سکے گی اور وہ نماز نہیں پڑھ سکیں گے، پھر مائک صحیح کر کے دوبارہ اذان دینے کو کہا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس طرح سے اذان موقوف کروانا جائز ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اذان کا مقصد غائبین کو نماز کے وقت کی اطلاع دینا ہے، جب مؤذن سے بٹن دبانے میں چوک ہوگئی، تو بہتر تھا کہ اذان پوری ہونے کے بعد دوبارہ مائک پر اذان دی جاتی۔ [۱]

مؤذن کو روک کر دوبارہ مائک پر اذان دینے کا مکلف بنانا بھی درست ہے؛ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، سنت ادا ہو جائے گی، روکنے والا گنہ گار نہیں ہوگا۔ [۲] مسجد کی ایک جانب اذان دینے کی وجہ سے اگر دوسری جانب آواز نہ پہنچے، تو اس جانب کے لیے دوسرے مؤذن کا رکھنا بھی جائز ہے۔ [۳] دو اذان ایک ہی وقت میں دینا بھی جائز ہے۔ چوں کہ روکنے سے مقصود بہتر طریقے سے اعلام و اعلان کو یقینی بنانا ہے؛ اس لیے روکنے والا گنہ گار نہ ہوگا۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)... لأن المقصود منه الإعلام، ولا يحصل بالإخفاء فصار كسائر كلماته. (البحر الرائق: ۱/ ۲۴۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۲) لأن تكرار الأذان مشروع دون الإقامة. (البحر الرائق: ۱/ ۲۴۸، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۴۴، كتاب الصلاة، باب الأذان، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ رد المحتار: ۱/ ۳۸۹، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳)... والظاهر أن أهل كل محلة سمعوا الأذان ولو من محلة أخرى يسقط عنهم لا إن لم يسمعوا. (رد المحتار: ۱/ ۳۸۴، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴)... الأصل في مشروعية الأذان الإعلام بدخول الوقت. (رد المحتار: ۱/ ۳۸۳، كتاب الصلاة، باب الأذان)

[۲۲] تکبیر میں قد قامت الصلاۃ کو وصل کے ساتھ پڑھنا

۶۱۰-سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ تکبیر میں قد قامت الصلاۃ (وصل کے ساتھ) نہ کہنا چاہیے؛ کیوں کہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

اس سے معنیٰ میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا'' قد قامت الصلاۃ، قد قامت الصلاۃ'' بغیر وقف کے بھی پڑھنا درست ہے، مگر افضل یہ ہے کہ قد قامت الصلاۃ (وقف کے ساتھ) پڑھے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] مؤذن نے ''حی علی الفلاح'' پہلے پڑھ لیا تو اذان کا دہرانا ضروری ہے یا نہیں؟

۶۱۱-سوال: مؤذن صاحب نے غلطی سے اذان میں حی علی الصلوٰۃ کی جگہ حی علی الفلاح پہلے

---

(١) ويجزم الراء في التكبير، ويسكن كلمات الأذان والإقامة في الأذان حقيقة، وينوي الوقف في الإقامة، لقوله صلى الله عليه وسلم: "الأذان جزم، والإقامة جزم، والتكبير جزم". (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:١٠٦٩هـ) ص:٧٨، باب الأذان، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

وفي الإمداد: ويجزم الراء أي يسكنها في التكبير. قال الزيلعي: يعني على الوقف، لكن في الأذان حقيقة، وفي الإقامة ينوي الوقف اهـ أي للحدر، وروي ذلك عن النخعي موقوفا عليه، ومرفوعا إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال «الأذان جزم، والإقامة جزم، والتكبير جزم». اهـ.

قلت: والحاصل أن التكبيرة الثانية في الأذان ساكنة الراء للوقف ورفعها خطأ، وأما التكبيرة الأولى من كل تكبيرتين منه وجميع تكبيرات الإقامة، فقيل محركة الراء بالفتحة على نية الوقف، وقيل بالضمة إعرابا، وقيل ساكنة بلا حركة على ما هو ظاهر كلام الإمداد والزيلعي والبدائع وجماعة من الشافعية. والذي يظهر الإعراب لما ذكره الشارح عن الطلبة، ولما قدمناه، ولما في الأحاديث المشتهرة للجراحي أنه سئل السيوطي عن هذا الحديث، فقال: هو غير ثابت كما قال الحافظ ابن حجر، وإنما هو من قول إبراهيم النخعي، ومعناه كما قال جماعة منهم الرافعي وابن الأثير أنه لا يمد...

وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من "الله أكبر" الأول أو يصلها بـ "الله أكبر" الثانية، فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة؛ لأن طلب الوقف على "أكبر" الأول صيره كالساكن أصالة فحرك بالفتح. (رد المحتار على الدر المختار: ٣٨٦/١، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث: الأذان جزم، ط: دار الفكر-بيروت)

پڑھ لیا، تو اذان کا دہرانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلماتِ اذان کے درمیان ترتیب ضروری ہے، اگر ترتیب کے خلاف ہو جائے اور اذان ہی میں یاد آجائے تو اُسے اذان کے درمیان دہرا لینا چاہیے، اگر دورانِ اذان غلطی کا علم نہیں ہوا؛ بل کہ نماز کے بعد ہوا، تو نماز ادا ہو جائے گی، البتہ اگر نماز سے پہلے یاد آجائے، تو اذان کا دہرانا افضل ہے، اگر اذان نہیں دہرائی گئی تب بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ (فتاویٰ عالم گیری: ۱/۵۶)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] مسجد میں ایک ہی مصلی ہو، تو وہ پست آواز سے اقامت کہے گا

۶۱۲-سوال: ایک مسجد میں اذان ہوگئی، جماعت کا مقررہ وقت بھی ہوگیا، اس کے باوجود کوئی دوسرا مقتدی نہیں آیا، اور فرض نماز تنہا ادا کرنے کی نوبت آگئی، ایسی صورت میں کیا تکبیر کہی جائے گی، اور کہی جائے گی، تو کس قدر آواز کے ساتھ؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے بعد مسجد میں کوئی مصلی تنہا نماز ادا کرے، تو اقامت زور سے نہ کہے؛ بل کہ پست آواز سے کہے کہ اقامت کا مقصود حاضرین کو اطلاع دینا ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] جماعت ثانیہ کے لیے تکبیر کہنا

۶۱۳-سوال: جماعت ثانیہ کے لیے تکبیر کہنا کیسا ہے؟

---

[۱] ویرتب بین کلمات الأذان والإقامة کما شرع. کذا في محیط السرخسي. وإذا قدم في أذانه أو في إقامته بعض الکلمات علی بعض، نحو أن یقول: أشهد أن محمدا رسول الله قبل قوله: أشهد أن لا إله إلا الله فالأفضل في هذا أن ما سبق علی أوانه لا یعتد به، حتی یعیده في أوانه وموضعه، وإن مضی علی ذلك جازت صلاته کذا في المحیط. (الفتاوی الهندیة: ۱/۵۶، کتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في کلمات الأذان والإقامة وکیفیتهما، ط: دار الفکر)

(۲) والضابطة عندنا أن کل فرض أداء کان أو قضاء یؤذن له ویقام سواء أداه منفردا أو بجماعة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۵۵، کتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفکر☆ البحر الرائق: ۱/۴۵۵، کتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الکتاب - دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد کے باہر صحن میں جماعت ہو رہی ہو، تو تکبیر کہنا چاہیے، اذان کی ضرورت نہیں ہے۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] اگر مؤذن خلاف فطرت کام کرواتا ہو؟

۶۱۴-سوال: میں ایک مسجد کا متولی ہوں، ہماری مسجد کے مؤذن صاحب خلاف فطرت کام کے گناہ میں مبتلا ہیں، ہم چار لوگوں نے مسجد کے کمرے میں ان کو خلاف فطرت عمل کرواتے دیکھا ہے، اس بنا پر ہم نے ان کو مؤذن کے عہدے سے معزول کر دیا ہے، مگر وہ مسجد کا مکان نہیں چھوڑ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے معاف کر دیجیے، میں معافی دیے جانے کے قابل ہوں، تو اب کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فعل سخت عذاب کا موجب ہے، اگر کسی جگہ پر یہ کام ہو رہا ہو، اور وہاں کے لوگوں کو علم ہو، اس کے باوجود اس کو روکنے اور بند کرنے کی تدبیر نہ کریں، تو سب پر عذاب کا اندیشہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ قبیح مرض عام ہو گیا تھا، تو اللہ نے اس بستی کو تہ و بالا کر دیا، جس کا پورا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔[2]

---

(۱) (وكره تركهما) معا (لمسافر) ولو منفردا (وكذا تركها) لا تركه لحضور الرفقة (بخلاف مصل) ولو بجماعة (وفي بيته بمصر) أو قرية لها مسجد، فلا يكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه (أو) مصل (في مسجد بعد صلاة جماعة فيه) بل يكره فعلهما وتكرار الجماعة إلا في مسجد على طريق فلا بأس بذلك جوهرة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: في بيته) أي فيما يتعلق بالبلد من الدار والكرم وغيرهما قهستاني. وفي التفاريق: وإن كان في كرم أو ضيعة يكتفي بأذان القرية أو البلدة إن كان قريبا وإلا فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۴-۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

أهل المسجد إذا صلوا بأذان وجماعة يكره تكرار الأذان والجماعة فيه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۴، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر)

یہ حکم اس صورت میں ہے، جب کہ جماعت ہیئت اولیٰ کے موافق ہو، اگر جماعت ہیئت اولیٰ کے خلاف ہو، تو تکبیر کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی، کیوں کہ اس صورت میں کراہت تکبیر کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حاشیہ عنوان: ''مسجد میں ایک ہی مصلی ہو تو وہ پست آواز سے اقامت کہے گا''۔

(۲) وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ قَالُوْا لَقَدْ=

اس لیے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ جو آدمی ایسے فعل بد کی عادت رکھتا ہو، اس کو اونچے پہاڑ سے اوندھے منھ گرا کر ہلاک کر دینا چاہیے۔ اسلامی حکومت ہو، تو ایسے آدمی کو بادشاہ تعزیراً قتل کر دے گا، یا کم از کم جیل میں تو ڈال ہی دے گا؛ یہاں تک کہ وہ سچی توبہ کر لے، ایسے بدکاروں کی سزا شہر بدر کرنا بھی مذکور ہے۔[1]

اس لیے مذکورہ مؤذن کو ہرگز مسجد کے وقف مکان میں نہ رہنے دیا جائے۔ دوسری سزائیں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں؛ لیکن اتنی بات ہمارے اختیار میں ہے کہ مسجد کے مکان میں نہ رہنے دیں؛ بل کہ ممکن ہو، تو اپنے شہر میں نہ رہنے دیا جائے، ورنہ دوسرے لوگوں کو بھی خراب کرے گا۔ ایسے آدمی کی بات کا بھروسہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

-عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ۝ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ۝ قَالُوا يٰلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ۝ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْضُودٍ۝ (۱۱-ھود:۷۷-۸۲)

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۝ (۸-الانفال:۲۵)

(۱) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط، فاقتلوا الفاعل، والمفعول به. (سنن أبي داود: ۲/ ۶۱۳، رقم الحديث: ۴۴۶۲، كتاب الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/ ۲۷۰، رقم الحديث: ۱۴۵۶، أبواب الحدود، باب ما جاء في حد اللوطي، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن ابن ماجه: ۱/ ۱۸۴، رقم الحديث: ۲۵۶۱، كتاب الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، ط: البدر - ديوبند)

. . . أنه ليس بزنا لاختلاف الصحابة في موجبه من الإحراق بالنار، وهدم الجدار، والتنكيس من مكان مرتفع باتباع الأحجار، وغير ذلك. (الهداية: ۲/ ۳۴۶، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۵/ ۱۸، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(قوله ومن أتى امرأة) أي أجنبية (في الموضع المكروه) أي دبرها (أو عمل عمل قوم لوط فلا حد عليه عند أبي حنيفة ولكنه يعزر) ويسجن حتى يموت أو يتوب، ولو اعتاد اللواطة قتله الإمام محصنا كان أو غير محصن سياسة، أما الحد المقدر شرعا فليس حكما له وقالا هو كالزنا، وهذه العبارة تفيد اعترافهما بأنه ليس من نفس الزنا بل حكمه حكم الزنا فيحد جلدا إن لم يكن أحصن ورجما إن أحصن. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ 'ابن الهمام' (م: ۸۶۱ھ): ۵/ ۲۶۲، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه، ط: دار الفكر)

وَالَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا ۖ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا۝ (۴-النساء:۱۶)

[۲۷] نفاس کی حالت میں ماں کا بچہ کے کان میں اذان وتکبیر کہنا

۶۱۵-سوال: بچہ کی پیدائش کے وقت ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں تکبیر کہی جاتی ہے، تو کیا یہ مرد کے بجائے عورت کہہ سکتی ہے؟ نیز خود بچہ کی ماں بھی ناپاکی کی حالت میں کہہ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

بچہ کی پیدائش کے وقت جو اذان بچے کے کان میں کہی جاتی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے بچہ کے کان میں اور اس کے دل ودماغ میں جو آواز پہونچے، وہ اللہ کی یاد اور شیطان کی نفرت پیدا کرنے والی ہو، گویا اس موقع کی ''اذان'' اور ''تکبیر'' ایک ذکر ہے؛ لہٰذا عورت بھی بچہ کے کان میں اذان دے سکتی ہے اور خود ماں بھی دے سکتی ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ماں نفاس کی حالت میں یہ الفاظ نہ کہے، ہاں دوسرا کوئی آدمی موجود نہ ہو، تو چوں کہ نفاس کی حالت میں ذکر جائز ہے؛ اس لیے اذان بھی بچہ کے کان میں دے سکتی ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں ہے، اعادہ مسنون ہے

۶۱۶-سوال: اذان کو قصداً اس کے وقت سے ۲-۳ منٹ پہلے دینا جائز ہے یا نہیں؟ ایک

---

(۱) عن أبي رافع، قال: رأيت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (سنن أبي داود: ۲/۶۹۶، رقم الحديث: ۵۱۰۵، كتاب الأدب، باب في المولود يؤذن في أذنه، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/۲۷۸، رقم الحديث: ۱۵۱۴، أبواب الأضاحي، باب الأذان في أذن المولود، ط: فيصل - ديوبند)

(ومنها) حرمة قراءة القرآن لا تقرأ الحائض والنفساء والجنب شيئا من القرآن والآية وما دونها سواء في التحريم على الأصح إلا أن لا يقصد بما دون الآية القراءة مثل أن يقول الحمد لله يريد الشكر أو بسم الله عند الأكل أو غيره فإنه لا بأس به. هكذا في الجوهرة النيرة، ولا تحرم قراءة آية قصيرة تجري على اللسان عند الكلام، كقوله تعالى {ثم نظر} [المدثر] أو {ولم يولد} [الإخلاص] . هكذا في الخلاصة....ويجوز للجنب والحائض الدعوات، وجواب الأذان، ونحو ذلك في السراجية. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۳۸، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الفكر ☆ الجوهرة النيرة: ۱/۲۸، الحيض، ط: نعمانية ☆ البحر الرائق: ۱/۳۴۶، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتاب - ديوبند)

بستی والے ایسا سمجھتے ہیں کہ اذان کے وقت روزہ افطار کرنا ادب کے خلاف ہے؛ اس لیے اس بستی میں اذان وقت سے پہلے ہوتی ہے اور اذان کے بعد افطار کرتے ہیں اور اگر اذان، وقت پر دی جائے تو پھر افطار کا وقت روزہ میں داخل ہو کر روزہ لمبا ہو جاتا ہے، تو کیا اذان کے وقت افطار کرنا ادب کے خلاف ہے؟ باتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اذان، نماز کے وقت کی اطلاع کے لیے ہے؛ لہٰذا دخولِ وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں ہے، اگر وقت سے پہلے دے دی گئی، تو اعادہ مسنون ہے، ورنہ نماز سنت کے خلاف ہوگی۔ [1] رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سحری کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے بھی اذان دی جاتی تھی اور نماز فجر کے لیے از سرِ نو اذان دی جاتی تھی۔ (بخاری شریف) [2]

رمضان المبارک میں وقت سے قبل مغرب کی اذان دینے کا دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ لوگ یوں سمجھیں گے کہ اذان غروبِ شمس کی وجہ سے دی جاتی ہے، گویا سورج غروب ہو گیا، اور اس کی وجہ سے وہ روزہ افطار کر لیں گے، نتیجۃً تمام کا روزہ خراب ہوگا؛ اس لیے وقت پر ہی اذان دی جائے، اس سے پہلے اذان نہ دی جائے۔

---

(۱) وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقتهما ما هو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه، ويعيده إذا دخل الوقت في الصلوات كلها في قول أبي حنيفة ومحمد۔۔۔ ولأبي حنيفة ومحمد ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال لبلال: لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا، ومد يده عرضا؛ ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت، والإعلام بالدخول قبل الدخول كذب، وكذا هو من باب الخيانة في الأمانة، والمؤذن مؤتمن على لسان رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، ولهذا لم يجز في سائر الصلوات. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/ ۱۵۵، كتاب الصلاة، فصل بيان وقت الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية)

[۲] عن عبد الله بن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن بلالا ينادي بليل، فكلوا واشربوا حتى ينادي ابن أم مكتوم. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۷، رقم الحديث: ۶۲۰، كتاب الأذان، باب الأذان بعد الفجر، ط: البدر - ديوبند)

عن عبد الله بن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يمنعن أحدكم - أو أحدا منكم - أذان بلال من سحوره، فإنه يؤذن - أو ينادي بليل - ليرجع قائمكم، ولينبه نائمكم، وليس أن يقول الفجر - أو الصبح -، وقال بأصابعه ورفعها إلى فوق وطأطأ إلى أسفل حتى يقول هكذا، وقال زهير: بسبابتيه إحداهما فوق الأخرى، ثم مدها عن يمينه وشماله. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۷، رقم الحديث: ۶۲۱، كتاب الأذان، باب الأذان قبل الفجر، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۴۹، رقم الحديث: ۳۹- (۱۰۹۳)، كتاب الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر... الخ، ط: البدر - ديوبند)

رہ گئی یہ بات کہ اذان کے وقت روزہ افطار کرنا ادب کے خلاف ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے؛ اسلامی شریعت آسان ہے، اس میں تنگی نہیں ہے، کچھ ناقص العقل لوگوں نے اس کو مشکل بنادیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: عشاء کا کھانا اور نماز دونوں موجود ہوں، تو کھانے سے ابتدا کرو، جب کہ دل اس کی طرف مائل ہوخواہ جماعت ترک ہوجائے۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۹۲) [۳] تو مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ بھوک کی شدت کی بناء پر جماعت- جوکہ واجب ہے- کوترک کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

الغرض اذان وقت پر ہی دی جائے اور افطار کرنے والے کچھ کھاپی کر جماعت میں شریک ہوں، جماعت کچھ تاخیر سے شروع کی جائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] فاسق وفاجر شخص کواذان واقامت کے لیے رکھنا مکروہ تحریمی ہے

۶۱۷-سوال: انکلیشور کی ایک مسجد میں ایک صاحب مؤذن ہیں، جو اپنی نوعمری میں لوٹ مار کیا کرتے تھے، لوگوں کو دھوکہ دینا، ان کا پیشہ تھا۔ اب- جب کہ کمزور اور بڑی عمر کے ہوگئے ہیں، تو- اپنی روزی روٹی کے لیے اذان دیتے ہیں، اس کی یہ عادتیں تھیں: زنا کاری کرنا، رمضان کا روزہ نہ رکھنا، مسجد میں

---

[۳] عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قدم العشاء، فابدءوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب، ولا تعجلوا عن عشائكم. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۲، رقم الحديث: ۶۷۲، كتاب الأذان، باب: إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ط: البدر - ديوبند)

وكان ابن عمر: يبدأ بالعشاء. وقال أبو الدرداء: من فقه المرء إقباله على حاجته حتى يقبل على صلاته وقلبه فارغ. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۲، رواه تعليقا)

عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قدم العشاء، فابدءوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب، ولا تعجلوا عن عشائكم. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۲، رقم الحديث: ۶۷۲، كتاب الأذان، باب: إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ط: البدر - ديوبند)

عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة، فابدءوا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه. وكان ابن عمر: يوضع له الطعام، وتقام الصلاة، فلا يأتيها حتى يفرغ، وإنه ليسمع قراءة الإمام. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۷۳)

عن ابن عمر، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا كان أحدكم على الطعام، فلا يعجل حتى يقضي حاجته منه، وإن أقيمت الصلاة. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۷۴)

(۴) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں، عنوان: ''رمضان کے علاوہ مغرب کی جماعت میں تاخیر جائز نہیں'' (اوقات نماز)

بیڑی وغیرہ پینا۔

آج بھی یہ حالت ہے کہ مسجد میں صفائی کا خیال نہیں رکھتے ہیں، خود بھی صفائی کا اہتمام نہیں کرتے، تبلیغی جماعت کو بدعتی خیال کرتے ہیں، مسجد کے صحن میں- جہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں- مٹی کے تیل والے چولہے سے چائے وغیرہ بناتے ہیں۔ ۹۵ رفی صد لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں؛ لیکن متولی حضرات کی اس جانب کوئی توجہ نہیں ہے، وہ (مؤذن صاحب) امام کی عدم موجودگی میں امامت بھی کراتے ہیں۔ صاحب نصاب ہونے کے باوجود لوگوں سے زکاۃ، فطرہ اور صدقہ لیتے ہیں اور حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں رکھتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے موذن کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

جو شخص مسجد میں بیڑی پیتا ہے، پاکی وناپاکی کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے نزدیک حلال وحرام کی تمیز بھی نہیں ہے، اور پاک وصاف نہیں رہتا ہے، اس کو موذن بنانا مکروہ ہے؛ کیوں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے منھ سے بدبو آتی ہو، وہ مسجد میں نہ آئے۔ (حدیث)[1]

جو شخص مسجد کا احترام نہ کرے، اس کو صاف صفائی کے لیے رکھنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ مؤذن کو

(۱) عن جابر، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن أكل البصل والكراث، فغلبتنا الحاجة، فأكلنا منها، فقال: من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تأذى، مما يتأذى منه الإنس. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۰۹، رقم الحديث: ۷۴- (۵۶۳)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب نهي من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها، ط: البدر- ديوبند)

عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم وليؤمكم قراؤكم. (سنن أبي داود: ۱/ ۸۷، رقم الحديث: ۵۹۰، باب من أحق بالإمامة، ط: مختار اينڈ كمپني- ديوبند☆سنن ابن ماجه: ۱/ ۵۳، رقم الحديث: ۷۲۶، كتاب الأذان، والسنة فيه، باب فضل الأذان، وثواب المؤذنين، ط: أشرفي- ديوبند)

المؤذن يكفي إخباره بدخول الوقت إذا كان بالغا عاقلا عالما بالأوقات مسلما ذكرا ويعتمد على قوله. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۴، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر- بيروت)

(قوله: ويعاد أذان جنب إلخ) زاد القهستاني: والفاجر والراكب والقاعد والماشي، والمنحرف عن القبلة. وعلل الوجوب في الكل بأنه غير معتد به والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص، قال وهو الأصح كما في التمرتاشي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۳، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر- بيروت)

ومنها- أي من سنن الأذان- أن يكون تقيا لقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: »الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن«، والأمانة لا يؤديها إلا التقي. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۰، كتاب الصلاة، فصل بيان سنن الأذان، ط: دار الكتب العلمية)

ذمہ داری سے الگ کر دینا ضروری ہے، اور ایسے شخص کو امامت کی ذمہ داری سونپنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔[۱] البتہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی وجہ سے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ کی اذان معتبر نہیں ہے

۶۱۸-سوال: کیا اگر کوئی شخص ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو کی اذان پر اکتفاء کرے، تو جائز ہے؟ یا پھر انسان کو خود اذان دینی پڑے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصليا:

ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ کی اذان سے سنت ادا نہیں ہوگی، اس کے لیے انسان کو خود اذان دینی پڑے گی۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت)

لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبی کبیر-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:... والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۱/ ۳۴۳، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر- ديوبند☆ سنن الدار قطني (م: ۳۸۵ھ): ۲/ ۴۰۴، رقم الحديث: ۱۷۶۸، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد، لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۳) ولا تجب إذا سمعها من طير هو المختار... وإن سمعها من الصدى لا تجب عليه كذا في الخلاصة. (الفتاوى=

[۱۳۱] لاؤڈ اسپیکر میں اذان کے بعد کی دعاء پڑھنا

۶۱۹-سوال: مؤذن اگر اذان دینے کے بعد لاؤڈ اسپیکر میں اذان کے بعد کی دعاء اس غرض سے پڑھے کہ لوگوں کو یاد ہوجائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مؤذن کا اذان کے بعد لاؤڈ اسپیکر میں جہراً اذان کی دعاء پڑھنا بہتر نہیں ہے؛ اس لیے کہ ہر دعاء اور ذکرِ مسنون کے جہراً یا سراً پڑھے جانے میں ایک خاص طریقہ ہے، جسے سنت کہا جاتا ہے، اور اذان کے بعد کی دعاء میں حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابۂ کرامؓ کا معمول اُسے سراً پڑھنے کا رہا ہے، نبی اکرم ﷺ اور خلفاءِ راشدین کے زمانے میں، جب کہ لوگ دن بہ دن اسلام قبول کر رہے تھے، اُس وقت تعلیم کی اشد ضرورت تھی، تاہم اُنہوں نے اذان کے بعد کی دعاء کو جہراً نہیں پڑھا؛ لہٰذا ہمیں بھی کوئی حق نہیں ہوگا کہ ہم اس طریقے کو بدل دیں۔ اگر یہ دعاء جہراً پڑھی جائے گی، تو اس میں سراً پڑھنے کا سنت طریقہ فوت ہوجائے گا، اسی لیے ہمارے بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ جب کوئی بدعت رائج ہوتی ہے، تو ایک سنت ختم ہوجاتی ہے۔[۱]

جلیل القدر تابعی حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک مسجد میں گیا، جس میں اذان ہوچکی تھی، ہم نماز کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ مؤذن نے تثویب شروع کی، (اذان کے بعد جماعت قائم ہونے سے کچھ دیر پہلے یہ اعلان کرنا کہ نماز کے لیے آجاؤ، اُسے ''تثویب'' کہا جاتا ہے) اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد سے باہر نکل گئے اور فرمانے لگے کہ مجھے اس بدعتی کی مسجد سے باہر نکالو، اور آپؓ نے اُس مسجد میں نماز ادا نہیں فرمائی۔ (ترمذی: ۱/ ۵۰)[۲]

=الهندية: ۱/ ۱۳۲، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

ولو سمع آية السجدة من حيوان صرحوا بعدم وجوبها على المختار لعدم أهلية القارئ بخلاف ما إذا سمعها من جنب، أو حائض. (الأشباه والنظائر على مذهب أبي حنيفة النعمان- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بـ'ابن نجيم المصري' (م: ۹۷۰هـ) ص: ۴۷، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، خاتمة، قبيل القاعدة الثالثة، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) قوله تعالى: ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (۷-الأعراف: ۵۵) وقوله تعالى: إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ (۱۹-مريم: ۳-۴)

(۲) وروي عن مجاهد، قال: دخلت مع عبد الله بن عمر مسجدا وقد أذن فيه، ونحن نريد أن نصلي فيه، فثوب=

اس واقعہ سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرات صحابہؓ کرامؓ اتباع سنت کو کس درجہ اہمیت دیتے تھے، کہ اذان کے بعد نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکلنا مکروہ ہونے کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے تثویب کی بدعت کو اس قدر ناپسند کیا کہ اُس مسجد میں نماز پڑھے بغیر نکل گئے؛ لہٰذا تعلیم کی غرض سے بھی اذان کے بعد کی دعاء جہراً نہیں پڑھی جائے گی، اور رہا لوگوں کے دعاء یاد کرنے کا مسئلہ،تو جولوگ اذان اور نماز کی اہمیت جانتے ہیں، وہ ضرور اذان کے بعد کی دعاء یاد کرلیں گے، اور جسے اذان سننے کی فرصت نہ ہو، اسے یاد کرنے کی ضرورت ہی کہاں ہوگی؟؟؟؟ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] اذان کے بعد کی دعاء میں چند کلمات کی زیادتی

۶۲۰-سوال: اذان کے بعد کی دعاء میں :آت محمد الوسیلة کی بجائےآت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الوسیلة لکھ سکتے ہیں یانہیں؟ نیز اس طرح اضافے سے ساتھ اسے پڑھ سکتے ہیں یانہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

اذان کا ''زبان'' سے جواب دینا مستحب ہے۔(شامی:۱/۳۶۸)[۱] اوراذان پوری ہوجانے کے بعد درود شریف کا پڑھنا مستحب ہے۔(شامی:۱/۳۷۰)[۲]

=المؤذن، فخرج عبدالله بن عمر من المسجد، وقال: »اخرج بنا من عند هذا المبتدع« ولم يصل فيه. وإنما كره عبد الله التثويب الذي أحدثه الناس بعد. (سنن الترمذي:۱/۵۰،تحت رقم الحديث:۱۹۸، أبواب الصلاة، باب ما جاء في التثويب في الفجر، ط: البدر- ديوبند)

وهو نوعان قديم وحادث، فالأول: الصلاة خير من النوم، وكان بعد الأذان إلا أن علماء الكوفة ألحقوه بالأذان. والثاني أحدثه علماء الكوفة بين الأذان والإقامة "حي على الصلاة" مرتين "حي على الفلاح" مرتين وأطلق في التثويب، فأفاد أنه ليس له لفظ يخصه بل تثويب كل بلد على ما تعارفوه، إما بالتنحنح، أو بقوله: الصلاة الصلاة، أو قامت قامت؛ لأنه للمبالغة في الإعلام. (البحر الرائق:۱/۲۷۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۱] (قوله: لا بلسانه) أي لأن الإجابة به مندوبة. (رد المحتار:۱/۳۹۸، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر)

[۲] عن عبد الله بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن، فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها منزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة. (الصحيح لمسلم:۱/۱۶۶، رقم الحديث:۱۱-۳۸۴، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ثم يصلي على النبي صلى الله=

جو شخص درود شریف کے بعد اذان کے بعد کی دعاء پڑھے گا، وہ آپ کی شفاعت کا مستحق ہوگا، بخاری شریف میں اذان کے بعد کی دعاء ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن جابر بن عبد الله: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من قال حين يسمع النداء: اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة، والصلاة القائمة، آت محمدا الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة".[۳]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اذان سنتے وقت یہ دعا پڑھے: ''اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة، والصلاة القائمة، آت محمدا الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته.'' تو اس کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۳۰۷، طحطاوی: ۱۱۱)[۴]

اس حدیث میں سیدنا اور صلی اللہ علیہ وسلم وارد نہیں ہوا ہے اور حدیث کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ جو الفاظ اس میں منقول ہیں، ان میں کمی بیشی جائز نہیں کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسی بات کو منسوب کرنا لازم آئے گا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے؛[۵] اس لیے لکھنا جائز نہیں ہے؛ البتہ دعاء پڑھتے وقت اگر زبان سے پڑھ لے، تو کوئی حرج نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=عليه وسلم، ثم يسأل له الوسيلة، ط: البدر - ديوبند)

ويدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: ويدعو إلخ) أي بعد أن يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۸، باب الأذان)

(۳) صحيح البخاري: ۱/ ۸۶، رقم الحديث: ۶۱۴، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ط: البدر - ديوبند)

(۴) عن سلمة، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من يقل علي ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۱، رقم الحديث: ۱۰۹، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم)

قال الكشميري: وينبغي لمن أراد أن يستن بسنة النبي صلى الله عليه وسلم أن يكتفي بتلك الكلمات، ولا يزيد عليها، إلا ما ثبت في نسخة الكشميهني من زيادة: إنك لا تخلف الميعاد، في آخره، قاله ابن دقيق العيد، وعند البيهقي أيضا. ــــــــ وأما زيادة: والدرجة الرفيعة، بعد قوله: والوسيلة والفضيلة. فلم تثبت عندي في حديث، فلا يزاد بها؛ لأنها زيادة في خلال الكلمات، ومن كان لا بد له أن يزيد في تلك الكلمات، ففي الآخر كما ثبت عن ابن عمر رضي الله عنه: أنه كان يزيد في تلبيته في الآخر: لبيك وسعديك ... إلخ. (فيض الباري على صحيح البخاري- (أمالي) محمد أنور شاه بن معظم شاه الكشميري الهندي ثم الديوبندي (م: ۱۳۵۳هـ): ۲/ ۲۱۴، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ت: محمد بدر عالم الميرتهي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۳۳] اذان کے بعد فوراً ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

۶۲۱-سوال: کیا اذان کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

دیگر دعاؤں کی طرح اذان کے بعد کی دعاء کے لیے ہاتھ اٹھانا مستحب نہیں ہے، اذان کے بعد کی دعاء از قبیل اذکار ہے، جس طرح کھانے، پینے، سونے، بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے وغیرہ کی دعائیں از قبیل اذکار ہیں، اسی طرح اذان کے بعد کی دعاء بھی ایک قسم کا ذکر ہے؛ اس لیے اُس میں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔[1] لیکن اگر کوئی شخص اذان کے بعد کی دعاء کے ساتھ دوسری دعائیں بھی مانگنا چاہتا ہو، تو اُس کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا مستحب ہے، حدیث پاک میں مروی ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت دعاء کے قبول ہونے کا وقت ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والمسنون في هذا الدعاء ألا ترفع الأيدي، لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم رفعها، والتشبث فيه بالعمومات بعدما ورد فيه خصوص فعله صلى الله عليه وسلم لغو؛ فإنه لو لم يرد فيه خصوص عادته صلى الله عليه وسلم لنفعنا التمسك بها، وأما إذا نقل إلينا خصوص الفعل، فهو الأسوة الحسنة لمن كان يرجو الله والدار الآخرة، وينبغي لمن أراد أن يستن بسنة النبي صلى الله عليه وسلم أن يكتفي بتلك الكلمات، ولا يزيد عليها، إلا ما ثبت في نسخة الكشميهني من زيادة: »إنك لا تخلف الميعاد« في آخره، قاله ابن دقيق العيد، وعند البيهقي أيضا. (فيض الباري على صحيح البخاري- محمد أنور شاه بن معظم شاه الكشميري الهندي ثم الديوبندي (م: ۱۳۵۳هـ): ۲/ ۲۱۳، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ت: محمد بدر عالم الميرتهي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »لا يرد الدعاء بين الأذان والإقامة«. (سنن أبي داود: ۱/ ۷۷، رقم الحديث: ۵۲۱، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الدعاء بين الأذان والإقامة، ط: البدر- ديوبند)

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ لا وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ط. (۷۳-المزمل:۲۰)

باب صفة الصلاة

[شرائط وارکان اور آداب کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صفة الصلاة

[شرائط وارکان اورآداب کابیان]

[۱] وضو کے بغیر نماز پڑھنا

۶۲۲-سوال: ہم چند ساتھی حج کے لیے گئے ہوئے تھے،نویں ذی الحجہ کوعرفات پہنچے اور مسجد میں داخل ہو گئے، جماعت میں اچھا خاصہ وقت تھا، اس لیے مسجد میں سو گئے، جب نیند سے بیدار ہوئے، تو ہجوم زیادہ تھا،جس کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکے، اور بغیر وضو کے نماز ادا کر لی، اور بعد میں باہر نکل کر وضو کر کے نماز ادا نہیں کی، تو کیا بغیر وضو کے ادا کی گئی نماز ہو گئی؟ اور کیا ایسے موقع پر صف (جائے نماز) پر تیمم کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصليا:

تیمم کی اس وقت اجازت ہوتی ہے، جب کہ پانی موجود نہ ہو، یا پانی موجود ہو،لیکن اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو،صورت مسئولہ میں شرائطِ تیمم مفقود ہیں؛اس لیے تیمم کی اجازت نہیں ہوگی۔[1]

---

(۱) وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا (۴-النساء:۴۳)

"ومن لم يجد ماء وهو مسافر أو خارج المصر بينه وبين المصر نحو ميل أو أكثر يتيمم بالصعيد" لقوله تعالى: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [النساء] وقوله عليه الصلاة والسلام "التراب طهور المسلم ولو إلى عشر حجج ما لم يجد الماء" والميل هو المختار في المقدار؛ لأنه يلحقه الحرج بدخول المصر، والماء معدوم حقيقة، والمعتبر المسافة دون خوف الفوت؛ لأن التفريط يأتي من قبله" ولو كان يجد الماء إلا أنه مريض يخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه يتيمم". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳هـ) :۱/۲۷،باب التيمم،ت:طلال يوسف،ط:دار احياء التراث العربي-بيروت)

عرفات کی مقدس سرزمین پر حکومت اور معلمین حضرات پانی کا انتظام کرتے ہیں؛ آپ کے ساتھیوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیے بغیر نماز ادا کرلیا، اس صورت میں نماز ادا نہیں ہوئی۔[۱] اس نماز کی قضا واجب ہوگی، لیکن آپ کے حج کی ادائیگی میں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] مسبوق امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھے گا یا نہیں؟

۶۲۳-سوال: مسبوق یعنی ایسا شخص جس کی جماعت کی نماز میں ایک یا چند رکعات چھوٹ گئی ہوں، وہ (امام کے) آخری قعدہ میں صرف تشہد پڑھے گا یا درود شریف بھی پڑھے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کے لیے یہ آخری قعدہ ہے، مسبوق کی تو ابھی نماز باقی ہے، اس کا یہ آخری قعدہ نہیں ہے؛ لہٰذا وہ اس میں صرف التحیات پوری کرے، درود شریف اور دعا نہ پڑھے، بہتر یہ ہے کہ وہ اس قدر ٹھہر ٹھہر کر پڑھے کہ امام کی فراغت کے ساتھ اس کے تشہد کی تکمیل ہو، اس کے باوجود اگر امام کے فارغ ہونے سے پہلے التحیات مکمل ہوجائے، تو "أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا عبده و رسوله" مکرر پڑھتا رہے۔[۳]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن همام بن منبه، أنه سمع أبا هريرة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقبل صلاة من أحدث حتى يتوضأ. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۵، رقم الحديث: ۱۳۵، كتاب الوضوء، باب: لا تقبل صلاة بغير طهور، ط: البدر- ديوبند ☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۱۹، رقم الحديث: ۲- (۲۲۵)، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ط: ديوبند)

(۲) کیوں کہ موانع حج میں سے کوئی مانع نہیں پایا گیا۔

[۳] (ومنها) أن المسبوق ببعض الركعات يتابع الإمام في التشهد الأخير، وإذا أتم التشهد لا يشتغل بما بعده من الدعوات، ثم ماذا يفعل؟ تكلموا فيه: وعن ابن شجاع أنه يكرر التشهد، أي قوله: أشهد أن لا إله إلا الله، وهو المختار. كذا في الغيائية، والصحيح أن المسبوق يترسل في التشهد حتى يفرغ عند سلام الإمام. كذا في الوجيز للكردري، وفتاوى قاضي خان، وهكذا في الخلاصة، وفتح القدير. (الفتاوى الهندية-لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۹۱، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، ط: دار الفكر)

وهل يأتي بها المسبوق مع الإمام؟ قيل: نعم وبالدعاء، وصححه في المبسوط، وقيل: يكرر كلمة الشهادة، واختاره ابن شجاع، وقيل يسكت، واختاره أبو بكر الرازي، وقيل: يسترسل في التشهد، وصححه قاضيخان، وينبغي الإفتاء به كما في البحر: وهو الصحيح، خلاصة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح-أحمد=

[٣] امام صاحب کا قعدۂ اولیٰ میں دیر لگانا

٦٢٤-سوال: ہمارے یہاں مسجد میں امام صاحب ماشاء اللہ خوب اطمینان سے نماز پڑھاتے ہیں، یہاں تک کہ قعدۂ اولیٰ میں بعض مرتبہ اتنی دیر لگاتے ہیں کہ مقتدی حضرات التحیات کے بعد درود شریف اور دعائے ماثورہ سے بھی فارغ ہو جاتے ہیں، تو کیا اس قدر اطمینان کے ساتھ قعدۂ اولیٰ کرنا درست ہے؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اطمینان سے نماز پڑھنا بہتر ہے، اسی طرح التحیات اطمینان سے پڑھی جائے اور اُس میں دیر لگے، تو کوئی حرج نہیں۔[1] البتہ التحیات اطمینان سے پڑھنے کے بعد تاخیر بالکل درست نہیں، اگر امام صاحب التحیات اطمینان سے پڑھتے ہیں، تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ بھی اطمینان سے پڑھیں، پھر اگر کوئی مقتدی قعدۂ اولیٰ میں امام سے پہلے التحیات پڑھ کر فارغ ہو جائے، تو اُسے چاہیے کہ وہ خاموش بیٹھا رہے، اُس وقت درود شریف یا دعائے ماثورہ نہ پڑھے۔[2] اور امام صاحب کو چاہیے کہ وہ قعدۂ اولیٰ میں حد سے زیادہ تاخیر نہ

=بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:١٢٣١هـ):١/٢٧١، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار:١/٥١١، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(١) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رجلا دخل المسجد، ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس في ناحية المسجد، فصلى ثم جاء فسلم عليه، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: وعليك السلام، ارجع فصل فإنك لم تصل، فرجع فصلى ثم جاء فسلم، فقال: وعليك السلام، فارجع فصل، فإنك لم تصل، فصلى، ثم جاء فسلم، فقال وعليك السلام فارجع، فصل فإنك لم تصل، فقال في الثانية، أو في التي بعدها: علمني يا رسول الله، فقال: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة فكبر، ثم اقرأ بما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تستوي قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم افعل ذلك في صلاتك كلها، وقال أبو أسامة، في الأخير: حتى تستوي قائما. (صحيح البخاري:٢/٩٢٣، رقم الحديث:٦٢٥١، كتاب الاستئذان، باب من رد فقال: عليك السلام، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم:١/١٧٠، رقم الحديث:٤٥-(٣٩٧)، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، وإنه إذا لم يحسن الفاتحة، ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها، ط: البدر - ديوبند)

(٢) ولو فرغ المؤتم قبل إمامه سكت اتفاقا، وأما المسبوق فيترسل ليفرغ عند سلام إمامه، وقيل يتم، وقيل يكرر =

کریں؛ بل کہ جلد فارغ ہو جائیں، یہی بہتر ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] عورتوں کے لیے رکوع اور سجدے کا طریقہ

۶۲۵-سوال: کیا عورتوں کو نماز میں رکوع کی حالت میں سر، کمر اور سرین کو برابر رکھنا چاہیے، جیسا کہ مرد رکھتے ہیں؟ اسی طرح گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے، جیسا کہ مرد پکڑتے ہیں؟ یا عورتوں کے لیے کوئی الگ حکم ہے؟

نیز سجدے میں عورتوں کو ہاتھ اندر رکھنا چاہیے یا باہر؟ اگر عورت ہاتھ اندر رکھتی ہے، تو پیٹ اور ران کا ملاپ نہ ہوگا، تو ان کے لیے اصل حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کی نماز مرد کی نماز سے پچیس طریقوں سے مختلف ہے- کیوں کہ عورت چھپانے کی چیز ہے، اس کو اپنا بدن اور اعضاء نماز میں بھی اس طریقے سے رکھنا چاہیے کہ ظاہر نہ ہوں- ان مختلف طریقوں میں من جملہ یہ ہیں: (۱) وہ اپنے ہاتھ چادر اور دوپٹہ وغیرہ میں رکھے، باہر نہ رکھے۔[۱] ـــــ (۲) اپنے ہاتھ صرف کندھوں تک اٹھائے۔[۲] ـــــ (۳) تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ پر پستان کے نیچے ہاتھ باندھے۔[۳]

=كلمة الشهادة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۱۱، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱/۱۸۱، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، ط: المطبعة الكبرى الاميرية، ببولاق، مصر)

[۱] فمنها [أي من آدابها] "إخراج الرجل كفيه من كميه عند التكبير" للإحرام لقربه من التواضع إلا لضرورة كبرد. والمرأة تستر كفيها حذرا من كشف ذراعيها. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۱۰۳، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، فصل: من آدابها، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

[۲] (وكيفيتها) إذا أراد الدخول في الصلاة كبر ورفع يديه حذاء أذنيه حتى يحاذي بإبهاميه شحمتي أذنيه وبرءوس الأصابع فروع أذنيه. كذا في التبيين. . . والمرأة ترفع حذاء منكبيها هو الصحيح. كذا في الهداية والتبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۳)

[۳] (ووضع يده اليمنى على اليسرى تحت السرة) كما فرغ من التكبير. هكذا في المحيط ناقلا عن الإمام خواهر زاده وهكذا في النهاية والمرأة تضعهما على ثدييها. كذا في المنية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۳، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، ط: دار الفكر)

ــــــ (۴) رکوع میں مرد کی طرح نہ جھکے، بل کہ صرف اس طرح جھکے، جس میں اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ ـــــ (۵) رکوع میں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا اس کے لیے سنت نہیں ہے۔ ـــــ (۶) رکوع میں ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ رکھنا بھی مسنون نہیں ہے۔ ـــــ (۷) رکوع میں اپنے ہاتھوں پر زیادہ سہارا نہ دے۔ ـــــ (۸) رکوع میں اپنے گھٹنوں کو بالکل سیدھا نہ رکھے، بل کہ کسی قدر جھکانا مستحب ہے۔ [۴]

اور سجدے میں: (۹) ہاتھوں کو اندر رکھے اور بازؤں کو پہلوؤں سے ملائے رکھے۔ ـــــ (۱۰) سجدے میں پیٹ کو رانوں سے ملا ہوا رکھے، یعنی پیٹ کو رانوں پر بچھا دے۔ ـــــ (۱۱) اور کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھے۔ [۵]

پس ان طریقوں کے مطابق عورت کو رکوع وسجدہ کرنا چاہیے کہ ان میں اس کے لیے زیادہ ستر ہے، مردوں کی طرح اس کو رکوع وسجدہ نہیں کرنا چاہیے؛ لیکن عورت نے اپنے ہاتھوں کو اوڑھنی وغیرہ سے باہر رکھا، ان کو چھپایا نہیں، تو دیکھا جائے گا کہ پہنچوں تک آستین ہے، جس کی وجہ سے ہاتھ ڈھکے ہوئے ہیں، تو نماز ہوجائے گی، اور اگر آستین بالکل نہیں ہے یا نصف آستین ہے اور کہنیوں سے پہنچوں تک چوتھائی حصہ - تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بہ قدر - کھل گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی، کیوں کہ چہرہ، دو ہتھیلیاں، اور دونوں قدم کے علاوہ عورت کا پورا بدن ستر ہے، اس کا چھپانا فرض ہے، ان پانچ اعضاء کے علاوہ اس کے بدن کا کوئی بھی حصہ (بہ قدر چوتھائی عضو) تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار میں کھلا رہا، تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، یہ اس صورت میں ہے جب کہ بلا ارادہ ستر کھل گیا ہو، اگر بالارادہ جان بوجھ کر ستر کھولا ہے، تو کھلتے ہی فوراً نماز فاسد ہوجائے گی، اس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے یعنی رکن کے بہ قدر کی مہلت نہیں ہے۔ [۶] (مستفاد: طحطاوی: ۱۴۱-۱۴۴، عمدۃ الفقہ: ۵۴-۱۱۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۴] والمرأۃ تنحني في الرکوع یسیرا ولا تعتمد ولا تفرج أصابعها ولکن تضم یدیها وتضع علی رکبتیها وضعا وتحني رکبتیها ولا تجافي عضدیها. کذا في الزاهدي. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۷۴)

[۵] والمرأۃ تخفض "فتضم عضدیها لجنبیها" وتلزق بطنها بفخذیها" لأنه أستر لها. (مراقی الفلاح: ۱۰۷)

فأما المرأۃ فینبغي أن تفترش ذراعیها وتنخفض ولا تنتصب کانتصاب الرجل وتلزق بطنها بفخذیها لأن ذلك أستر لها. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۰، کتاب الصلاۃ، سنن الصلاۃ، دار الکتب العلمیة)

[۶] (ویمنع) حتی انعقادها (کشف ربع عضو) قدر أداء رکن بلا صنعه (من) عورۃ غلیظة أو خفیفة علی المعتمد. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدین: (قوله قدر أداء رکن) أي بسنته منیة. قال شارحها: وذلك قدر ثلاث =

[۵] آنے والے کے لیے امام کا قراءت یا رکوع کو لمبا کرنا

۶۲۶-سوال: مسجد میں جماعت شروع ہوئی، اس موقع پر امام صاحب نے دیکھا کہ کچھ لوگ وضو کر رہے ہیں، ان وضو کرنے والوں کو جماعت مل جائے؛ اس لیے وہ لمبی سورت پڑھتے ہیں، تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ اسی طرح امام رکوع میں ہوتے ہیں، اس درمیان انھیں آہٹ سے محسوس ہوتا ہے کہ کچھ لوگ جماعت میں شریک ہورہے ہیں، تو وہ یہ سوچتے ہوئے کہ انھیں رکوع مل جائے؛ مزید تھوڑی دیر رکوع میں رہتے ہیں، اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان آئے گا یا نہیں؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

آنے والا کون ہے؟ اگر امام کو اس کی اطلاع نہ ہو، تو قراءت و رکوع کو اس قدر دراز کرنا کہ مقتدیوں کو تکلیف نہ ہو، جائز ہے، البتہ کسی خاص شخص کے لیے مثلاً سیٹھ صاحب، مال دار شخص، یا متولی وغیرہ کے لیے قراءت یا رکوع کو لمبا کرے، تو ان کا یہ عمل مکروہ ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=تسبيحات اهـ وكأنه قيد بذلك حملا للركن على القصير منه للاحتياط، وإلا فالقعود الأخير والقيام المشتمل على القراءة المسنونة أكثر من ذلك، ثم ماذكره الشارح قول أبي يوسف. واعتبر محمد أداء الركن حقيقة، والأول المختار للاحتياط كما في شرح المنية، واحترز عما إذا انكشف ربع عضو أقل من قدر أداء ركن فلا يفسد اتفاقا؛ لأن الانكشاف الكثير في الزمان القليل عفو، كالانكشاف القليل في الزمن الكثير، وعما إذا أدى مع الانكشاف ركنا فإنها تفسد اتفاقا. قال: واعلم أن هذا التفصيل في الانكشاف الحادث في أثناء الصلاة، أما المقارن لابتدائها فإنه يمنع انعقادها مطلقا اتفاقا بعد أن يكون المكشوف ربع العضو. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۰۸، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) وكره تحريما إطالة ركوع أو قراءة لإدراك الجائي: أي إن عرفه وإلا فلا بأس به، ولو أراد التقرب إلى الله تعالى لم يكره اتفاقا لكنه نادر وتسمى مسألة الرياء، فينبغي التحرز عنها. (الدر المختار)

علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ پر بڑی مفید اور تفصیلی بحث نقل کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(قوله أي إن عرفه) عزاه في شرح المنية إلى أكثر العلماء أي لأن انتظاره حينئذ يكون للتودد إليه، لا للتقرب والإعانة على الخير. (قوله وإلا فلا بأس) أي وإن لم يعرفه فلا بأس به؛ لأنه إعانة على الطاعة، لكن يطول مقدار ما لا يثقل على القوم، بأن يزيد تسبيحة أو تسبيحتين على المعتاد، ولفظة لا بأس تفيد في الغالب أن تركه أفضل. وينبغي أن يكون هنا كذلك، فإن فعل العبادة لأمر فيه شبهة عدم إخلاصها لله تعالى لا شك أن تركه أفضل؛ لقوله - عليه الصلاة والسلام - دع ما يريبك إلى ما لا يريبك، ولأنه وإن كان إعانة على إدراك الركعة ففيه إعانة على التكاسل وترك المبادرة والتهيؤ للصلاة قبل حضور وقتها، فالأولى تركه شرح المنية. (قوله ولو أراد التقرب إلى الله تعالى)=

[۶] امام سے پہلے یا ساتھ میں سلام پھیرنا

۶۲۷-سوال: عرب حضرات کہتے ہیں کہ: امام کے سلام پھیر لینے کے بعد ہی سلام پھیرنا چاہیے، اس سے پہلے جائز نہیں، تو اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مقتدی کو امام کے ساتھ یا اس کے بعد رکن کو ادا کرنا چاہیے، جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ امام کے بعد ہی رکن ادا کرنا چاہیے، وہ دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو مقتدی، امام سے سبقت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے جیسا بنا دیں گے''۔ (بخاری شریف)[1] پس امام کا بدن بھاری ہو، اور اٹھنے بیٹھنے میں تھوڑی بہت دیر ہو جاتی ہو، تو احتیاط یہ ہے کہ مقتدی اس کے بعد ہی ارکان ادا کریں، تاہم ساتھ ساتھ ادا کرنا بھی جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= أي خاصة من غير أن يتخالج قلبه شيء سوى التقرب حتى ولا الإعانة على إدراك الركعة، فيكون حينئذ هو الأفضل، لكنه في غاية الندرة. ــــــــــ ويمكن أن يراد بالتقرب الإعانة على إدراك الركعة لما فيه من إعانة عباد الله على طاعته فيكون الأفضل تركه لما فيه من الشبهة التي ذكرناها شرح المنية ملخصا.

أقول: قصد الإعانة على إدراك الركعة مطلوب، فقد شرعت إطالة الركعة الأولى في الفجر اتفاقا وكذا في غيره على الخلاف إعانة للناس على إدراكها؛ لأنه وقت نوم وغفلة، كما فهم الصحابة ذلك من فعله - عليه الصلاة والسلام -. وفي المنية: ويكره للإمام أن يعجلهم عن إكمال السنة. ونقل في الحلية عن عبد الله بن المبارك وإسحاق وإبراهيم والثوري أنه يستحب للإمام أن يسبح خمس تسبيحات ليدرك من خلفه الثلاث. اهـ. فعلى هذا إذا قصد إعانة الجائي فهو أفضل بعد أن لا يخطر بباله التودد إليه ولا الحياء منه ونحوه، ولهذا نقل في المعراج عن الجامع الأصغر أنه مأجور، - {وتعاونوا على البر والتقوى} [المائدة: ۲] - وفي أذان التتارخانية قال: وفي المنتقى أن تأخير المؤذن وتطويل القراءة لإدراك بعض الناس حرام، هذا إذا مال لأهل الدنيا تطويلا وتأخيرا يشق على الناس. ــــــ فالحاصل أن التأخير القليل لإعانة أهل الخير غير مكروه. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۹۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن محمد بن زياد، سمعت أبا هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أما يخشى أحدكم - أو: لا يخشى أحدكم - إذا رفع رأسه قبل الإمام، أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار". (صحيح البخاري: ۱/۹۶، رقم الحديث: ۶۹۱، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام، كتاب الأذان، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۱، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶-(۴۲۷)، كتاب الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أو سجود ونحوهما، ط: ديوبند)

(۲) ولو أتمه قبل إمامه فتكلم جاز وكره. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله لو أتمه إلخ) أي لو أتم =

[۷] نماز کے بعد کی تسبیحات سے قبل امام کا دعا کرانا

۶۲۸-سوال: عرب حضرات کہتے ہیں کہ امام کو سلام کے بعد دعا نہیں کرنی چاہیے؛ بل کہ نماز سے فراغت کے بعد ہی دعا کرنی چاہیے، تو کیا نماز کے بعد متصلاً دعا نہیں کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

کتب احادیث میں سلام کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنا ثابت ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=المؤتم التشهد، بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أو قيام جاز: أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان . . . وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلا عذر، فلو به كخوف حدث أو خروج وقت جمعة أو مرور مار بين يديه فلا كراهة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۲۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: زكريا - ديوبند☆البحر الرائق: ۱/ ۵۱۲-۵۲۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

اختلفوا في تسليم المقتدي، قال الفقيه أبو جعفر المختار أن ينتظر إذا سلم الإمام عن يمينه يسلم المقتدي عن يمينه وإذا فرغ عن يساره يسلم المقتدي عن يساره. كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۷، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن ثوبان، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثا وقال: اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام، قال الوليد: فقلت للأوزاعي: "كيف الاستغفار؟ قال: تقول: أستغفر الله، أستغفر الله". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۱۸، رقم الحديث: ۱۳۵-(۵۹۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ط: البدر - ديوبند)

عن عائشة - رضي الله تعالى عنها -، قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول: »اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام، وفي رواية ابن نمير: يا ذا الجلال والإكرام. [حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۳۶-(۵۹۲)]

عن وراد، مولى المغيرة بن شعبة، قال: كتب المغيرة بن شعبة إلى معاوية، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من الصلاة وسلم، قال: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. [حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۳۷-(۵۹۳)]

تاہم جن نمازوں کے بعد سنن مؤکدہ ہیں، ان میں مختصر وماثور دعا کرنی چاہیے، کہ سنت کو فرض سے زیادہ مؤخر کرنا مکروہ ہے:

إذا فرغ الإمام من الصلاة، فلا يخلو إما أن كانت صلاة لا تصلى بعدها سنة: أو كانت صلاة تصلى بعدها سنة: فإن كانت صلاة لا تصلى بعدها سنة كالفجر والعصر فإن شاء الإمام قام، وإن شاء قعد في مكانه يشتغل بالدعاء؛ لأنه لا =

[۸] نماز کے بعد دعاء کرنا

۶۲۹-سوال: نماز کے بعد دعاء کرنا کیسا ہے، سنت ہے یا بدعت؟

الجواب حامدا ومصليا:

فرض نماز کے بعد دعاء کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض کے بعد " لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد." (بخاری شریف، کتاب الصلاۃ)[1] پڑھا کرتے تھے۔

= تطوع بعد هاتين الصلاتين فلا بأس بالقعود، إلا أنه يكره المكث على هيئته مستقبل القبلة لما روي عن عائشة - رضي الله عنها - أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان إذا فرغ من الصلاة لا يمكث في مكانه إلا مقدار أن يقول: اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام....

(وإن) كانت صلاة بعدها سنة يكره له المكث قاعدا، وكراهة القعود مروية عن الصحابة - رضي الله عنهم - روي عن أبي بكر وعمر - رضي الله عنهما - أنهما كانا إذا فرغا من الصلاة قاما كأنهما على الرضف. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۹-۱۶۰، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يستحب للإمام أن يفعله عقيب الفراغ من الصلاة، ط: دار الكتب العلمية)

ويكره تأخير السنة إلا بقدر اللهم أنت السلام إلخ. قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد واختاره الكمال. قال الحلبي: إن أريد بالكراهة التنزيهية ارتفع الخلاف قلت: وفي حفظي حمله على القليلة؛ ويستحب أن يستغفر ثلاثا، ويقرأ آية الكرسي والمعوذات، ويسبح، ويحمد، ويكبر ثلاثا وثلاثين؛ ويهلل تمام المائة ويدعو ويختم بسبحان ربك. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: وأما ما ورد من الأحاديث في الأذكار عقيب الصلاة، فلا دلالة فيه على الإتيان بها قبل السنة، بل يحمل على الإتيان بها بعدها؛ لأن السنة من لواحق الفريضة وتوابعها ومكملاتها فلم تكن أجنبية عنها، فما يفعل بعدها يطلق عليه أنه عقيب الفريضة. ـــــــ وقول عائشة بمقدار لا يفيد أنه كان يقول ذلك بعينه، بل كان يقعد بقدر ما يسعه ونحوه من القول تقريبا، فلا ينافي ما في الصحيحين من "أنه - صلى الله عليه وسلم - كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد". وتمامه في شرح المنية، وكذا في الفتح من باب الوتر والنوافل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۳۰، باب صفة الصلاة، مطلب هل يفارقه الملكان، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱] صحيح البخاري: ۱/۱۱۷، رقم الحديث: ۸۴۴، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۱۸، رقم الحديث: ۱۳۷-(۵۹۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ط: البدر - ديوبند)

حضرت ابوسعید سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کیا آپ نے وہ کلمات یاد کیے ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے، تو انہوں نے جواب دیا کہ: جی ہاں! آں حضرت ﷺ ''**سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين**'' پڑھا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد)[۲]

آں حضرت ﷺ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کون سی دعاء قبول ہوتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: رات کے آخری حصے اور ہر فرض نماز کے بعد کی دعاء قبول ہوتی ہے۔[۳] ایک دوسری حدیث میں آں حضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ سے یہ فرمایا کہ تم کبھی بھی نماز کے بعد اس دعاء کو مت چھوڑو: "**اللهم أعني على ذكرك، وشكرك، وحسن عبادتك**".[۴] ان کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث میں فرض نماز کے بعد دعاء کرنا ثابت ہے، مگر آہستہ دعاء کرنا مستحب ہے۔[۵] ہاں جہراً دعاء کرنے میں مسبوق کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو، تو مکروہ ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] نماز کا وقت ہوجانے پر قبرستان میں وقتیہ نماز پڑھنا

۶۳۰-سوال: ہمارے یہاں قبرستان میں نماز پڑھنے کے لیے جگہ مختص ہے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ میت کی تدفین کے بعد عصر کی نماز کا وقت ہوجاتا ہے، تو کیا عصر کی نماز قبرستان کی اس جگہ میں پڑھ سکتے ہیں؟

---

[۲] عن أبي هارون قال: قلنا لأبي سعيد: هل حفظت عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - شيئا كان يقوله بعد ما سلم؟ قال: نعم كان يقول: "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين".
رواه أبو يعلى ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد- أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (م: ۸۰۷هـ): ۲/ ۱۴۷، رقم الحديث: ۲۸۹۱، كتاب الصلاة، باب ما يقول من الذكر والدعاء عقيب الصلاة، ت: حسام الدين القدسي، ط: مكتبة القدسي، القاهرة)

(۳) عن أبي أمامة، قال: قيل يا رسول الله: أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر، ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي: ۲/ ۱۸۷، رقم الحديث: ۳۴۹۹، أبواب الدعوات، باب بعد: باب ما جاء في عقد التسبيح باليد)

(۴) عن معاذ بن جبل، أن الرسول صلى الله عليه وسلم أخذ بيده، وقال: يا معاذ، والله إني لأحبك، والله إني لأحبك، فقال: "أوصيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلاة تقول: اللهم أعني على ذكرك، وشكرك، وحسن عبادتك". (سنن أبي داود: ۱/ ۲۱۳، رقم الحديث: ۱۵۲۲، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، ط: البدر - ديوبند)

(۵) ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ. (۷-الأعراف: ۵۵)
وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ. (۷-الأعراف: ۲۰۵)

الجواب حامداً ومصلیاً

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میرے لیے اور میری امت کے لیے زمین کے ہر حصہ کو مسجد بنایا گیا ہے۔ (بخاری: ۱/ ۴۸)[۱] اس لیے اگر زمین پاک ہو اور سامنے قبر نہ ہو، تو قبرستان میں بھی فرض نماز پڑھنا جائز ہے۔[۲] آپ کی تحریر کے مطابق جب نماز کے لیے جگہ متعین کر دی گئی ہے اور پاک ہونے کا یقین ہے، تو وقت ہو جانے پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] تکبیرات انتقالیہ کا ابتدائی اور انتہائی وقت

۶۳۱-سوال: امام تکبیرات انتقالیہ کب شروع کرے اور کب ختم کرے؟

الجواب حامداومصلیا:

ایک رکن ادا کر کے دوسرے رکن کی طرف جاتے ہی تکبیرات انتقالیہ (اللہ أکبر، سمع اللہ لمن حمدہ) شروع کر دینی چاہیے اور دوسرا رکن شروع ہوتے ہی ختم کر دینی چاہیے۔[۳] فقط اللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، فأيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل، وأحلت لي المغانم ولم تحل لأحد قبلي، وأعطيت الشفاعة، وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس عامة". (صحيح البخاري: ۱/ ۴۸، رقم الحديث: ۳۳۵، كتاب التيمم، قبل باب اذا لم يجد ماء أو لا ترابا، وانظر رقم: ۴۳۸، ط: البدر -ديوبند ☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۹۹، رقم الحديث: ۳-(۵۲۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، قبل: باب تحويل القبلة من القدس إلى الكعبة، ط: البدر -ديوبند)

(۲) إلا إذا غسل موضعا منه ولا تمثال; أو صلى في موضع نزع الثياب، أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة ولا قبر ولا نجاسة فلا بأس كما في الخانية. اهـ... وفي القهستاني: لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه; بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه كما في جنائز المضمرات. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۵۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنة والمكروه، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''عیدگاہ میں نماز جنازہ اور جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا''۔

[۳] (ثم) كما فرغ (يكبر) مع الانحطاط (للركوع) [الدر المختار] ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله مع الانحطاط) أفاد أن السنة كون ابتداء التكبير عند الخرور وانتهاله عند استواء الظهر، وقيل إنه يكبر قائما، والأول هو الصحيح كما في المضمرات وتمامه في القهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۹۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۴-۷۵، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سننها وآدابها... الخ، ط: زكريا -ديوبند)

[۱۱] سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کی حیثیت

۶۳۲-سوال: نماز میں قراءت فرض ہے؛ لیکن واجبات صلوۃ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ کسی سورت کو ملانا ہے، تو پھر ان دونوں میں کون سی قراءت فرض ہے؟

الجواب حامداومصليا:

نفس قراءت فرض ہے، پورے قرآن مجید میں سے جہاں سے بھی پڑھا جائے، فرضیت ادا ہوجائے گی۔[1]

احناف کے یہاں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مستقل واجب ہے، اسی طرح اس کے ساتھ کسی سورت کا ملانا بھی مستقل واجب ہے۔ کسی سورت کو ملائے یا کسی بھی جگہ سے تین چھوٹی آیات پڑھے، واجب ادا ہوجائے گا، مقتدی کے لیے احناف کے مذہب کے مطابق امام کے پیچھے قراءت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[2]

خلاصہ یہ کہ پورے قرآن مجید میں سے جہاں کہیں سے بھی پڑھے گا، فرضیتِ قراءت ادا ہوجائے گی، البتہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اس کے بعد کسی سورت کا ملانا یا کم از کم ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات کا اس طور پر پڑھنا لازم ہے کہ ان میں کم از کم تیس حروف ہوں، جیسے: ثُمَّ نَظَرَ ۝۲۱ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝۲۲ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝۲۳ اس طرح قراءت کی فرضیت بھی ادا ہوجائے گی اور وجوب بھی۔

الغرض نفس قراءت فرض ہے اور سورۂ فاتحہ اور ضم سورت واجب، سورۂ فاتحہ یا ضم سورت کے ضمن میں فرضیت خود بہ خود ادا ہوجاتی ہے۔

---

(۱) قوله تعالى: فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا. (۷۳-المزمل: ۲۰)
(من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحريمة) قائما... (ومنها القراءة). [الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار-علاء الدين الحصكفي الحنفي (م: ۱۰۸۸ھ): ۱/ ۶۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ت: عبد المنعم خليل إبراهيم، ط: دار الكتب العلمية]

(۲) وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (۷-الأعراف: ۲۰۴)
وتكره القراءة خلف الإمام عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى. هكذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۹، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، ط: دار الفكر)
قال في الخزائن: وفي الكافي: ومنع المؤتم من القراءة مأثور عن ثمانين نفرا من كبار الصحابة، منهم المرتضى والعبادلة وقد دون أهل الحديث أساميهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۴۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع يجب الاستماع للقراءة مطلقا، قبيل: مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، ط: دار الفكر-بيروت)

اگر کوئی فرض چھوٹ جائے، تو نماز کا اعادہ ضروری ہے؛ لیکن اگر واجب چھوٹ جائے، تو اس کی سجدۂ سہو سے تلافی ہوجاتی ہے، الا یہ کہ واجب کو جان بوجھ کر ترک کردیا ہو، تو اس صورت میں سجدۂ سہو سے تلافی نہیں ہوتی، گرچہ اصل فرضیت ساقط ہوجاتی ہے، تاہم نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] ظہر کی سنن قبلیہ کی چوتھی رکعت میں ضم سورت کا حکم

۶۳۳-سوال: ظہر کی سنن قبلیہ کی چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت ملائی یا نہیں؟ ایسا شک رکوع میں جانے کے بعد ہوا تو کیا کرے؟ یا واقعی سورت ملانا ہی بھول گیا، رکوع اور سجدہ کرلیا اور قعدہ میں یاد آیا، تو کیا کرے؟

الجواب حامداو مصليا:

شک کی وجہ سے کوئی حکم نہیں لگے گا اور نماز صحیح ہوجائے گی۔ [۲] قعدہ میں یاد آیا کہ سورت ملانا بھول گیا، تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقا آثما، وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها.... (وهي)... (قراءة فاتحة الكتاب) فيسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها، لكن في المجتبى: يسجد بترك آية منها، وهو أولى.... (وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامها، وهو ثلاثة آيات قصار، نحو: ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثا قصارا. ذكره الحلبي (في الاولين من الفرض)... (و) في (جميع) ركعات (النفل). [حوالہ سابق: ۱/ ۶۴ ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۶۹ و ۷۱، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، و الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زكريا - ديوبند]

(۲) اليقين لا يزول بالشك. (الاشباه و النظائر - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۴۷، القاعدة الثالثة، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆شرح القواعد الفقهية - أحمد بن الشيخ محمد الزرقا (۱۲۸۵ھ - ۱۳۵۷ھ): ۷۹، ت: مصطفى أحمد الزرقا، ط: دار القلم - دمشق /سوريا ☆قواعد الفقه - محمد عميم الإحسان المجددي البركتي (م: ۱۳۹۵ھ): ۱۴۳، رقم: ۴۲۱، ط: الصدف ببلشرز - كراتشي)

(۳) (ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقا آثما.... (وهي)... (وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامها، وهو ثلاثة آيات قصار، نحو: ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثا قصارا. ذكره الحلبي (في الاولين من الفرض)... (و) في (جميع) ركعات (النفل). [الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار - علاء الدين الحصكفي الحنفي (م: ۱۰۸۸ھ): ۱/ ۶۴، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ت: عبد المنعم خليل إبراهيم، ط: دار =

[۱۳] مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا

۶۳۴-سوال: جو شخص امام کے ساتھ ظہر یا عصر کی نماز پڑھے، تو اس کے لیے آخری دو رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامدا ومصليا:

مسلکِ حنفی کے مطابق وہ تمام نمازیں جو امام کے پیچھے پڑھی جائیں، خواہ اُن میں قرأت سراً (آہستہ) ہو، یا جہراً (آواز سے) ہو، دونوں صورتوں میں مقتدی تکبیر تحریمہ کے بعد صرف ثناء پڑھے، اور اگر جہری قراءت شروع ہو چکی ہو، تو پھر ثناء بھی نہ پڑھے، لہٰذا مقتدی کا امام کے پیچھے قراءت کرنا جائز نہیں ہے:

وتكره القراءة خلف الإمام عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى. هكذا في الهداية. (عالم گیری)[۱]

(والمؤتم لا يقرأ مطلقا) ولا الفاتحة في السرية اتفاقا، وما نسب لمحمد ضعيف كما بسطه الكمال. (فإن قرأ كره تحريما) وتصح في الأصح. (درمختار)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] واجبات، سنن اور نوافل کی ہر رکعت میں اور فرض کی پہلی دو رکعات میں قراءت کی حکمت

۶۳۵-سوال: واجبات، سنن اور نوافل کی تمام رکعات میں قراءت ہوتی ہے، جب کہ فرض نماز کی صرف پہلی دو رکعت میں قراءت کا حکم ہے، اس کی حکمت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شریعتِ مطہرہ کے تمام احکام کا مدار اطاعت پر ہے، قرآنِ کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

=الكتب العلمية ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۶۹ و ۷۱، الفصل الأول في فرائض الصلاة و الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زكريا-ديوبند)

[۱] الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۹، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، ط: دار الفكر-بيروت.

[۲] الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۴۵، باب صفة الصلاة، باب في القراءة، ط: دار الفكر.

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝[۱]

ترجمہ: اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں، اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

بخاری اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں، تو تم سے جس قدر ہو سکے، اُس پر عمل پیرا رہو، اور جس چیز سے میں تمہیں منع کروں اُسے چھوڑ دو، اس لیے کہ تم سے پہلے بہت سی اُمتیں اُن کے نبی کے سامنے غیر ضروری سوالات کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں۔[۲]

قرآنِ پاک کی مذکورہ آیت اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ احکامِ شریعت میں اطاعت ہی مطلوب ہے، بلا چوں وچرا احکامِ الٰہی کو تسلیم کرنا ہی بندے کی شان ہے، خواہ بندہ اُن احکام کی حکمت جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، دنیا میں ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ حکومت کی جانب سے جب کوئی فرمان جاری کیا جاتا ہے تو رعایا فوراً اُس پر عمل شروع کر دیتی ہے، کوئی اُس قانون کی حکمت نہیں پوچھتا، اور حکمت نہ جاننے کے باوجود، خواہی نہ خواہی اُس پر عمل کرنا ہی پڑتا ہے، بصورتِ دیگر سزا ہوتی ہے، پھر بسا اوقات قانون کے ماہرین اور وکلاء اُس قانون کی حکمت معلوم کر لیتے ہیں، اور کبھی اُن کی رسائی حکمت تک نہیں بھی ہوتی، تاہم قانون پر تو ہر حال میں عمل ضروری ہوتا ہے، علاوہ ازیں ہر شخص کی عقل ہر بات کی حکمت کا ادراک کر لے یہ بھی ضروری نہیں۔

بالکل اسی طرح فرامینِ خداوندی کے بارے میں کسی بندے کو حکمت معلوم کرنے کا کوئی حق نہیں، اور نہ تو عمل کرنا حکمت کے معلوم ہونے پر موقوف ہے، ہاں یہ بات اور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے

[۱] ۵۹-الحشر: ۷.

(۲) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: دعوني ما تركتكم، إنما هلك من كان قبلكم بسؤالهم واختلافهم على أنبيائهم، فإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه، وإذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم. (صحيح البخاري: ۲/ ۱۰۸۲، رقم الحديث: ۷۲۸۸، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲/ ۲۶۲، رقم الحديث: ۱۳۰-۷۱۳۳، كتاب الفضائل، باب توقيره صلى الله عليه وسلم، وترك إكثار سؤاله عما لا ضرورة إليه، أو لا يتعلق به تكليف وما لا يقع، ونحو ذلك، ط: البدر - ديوبند)

بندے، جن کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین سے نوازا ہوتا ہے، اُن پر احکام شریعت کی حکمتیں اور اسرار، بفضلہٖ تعالیٰ کھلتے ہیں، لیکن ایسے ماہر علماء وفقہاء کی تعداد بھی بہت کم ہے، لہٰذا حِکَم واَسرار اُن کی کتابوں سے جانے جاسکتے ہیں، آپ نے جن حکمتوں کے متعلق سوال کیا ہے، اُن کی کچھ تفصیل پیش خدمت ہے:

مسلکِ احناف کے مطابق فرض نماز کی پہلی دو رکعت میں قراءت کی جاتی ہے، وجہ اُس کی یہ ہے کہ قرآن کریم کا حکم اِس سلسلے میں مطلق ہے: "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ". [۳] یعنی قرآن کریم میں سے جو تم بہ آسانی پڑھ سکتے ہو، اُسے پڑھو۔

اِس حکم کے پیش نظر تو صرف ایک رکعت میں بھی قراءت کر لی جاتی، تو کافی تھا؛ مگر احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نماز کی پہلی دو رکعت حکم کے اعتبار سے بعد والی دو رکعت سے کچھ مختلف ہیں، جیسا کہ حالتِ سفر میں چار رکعات والی نماز میں قصر کیا جاتا ہے، تو پہلی دو رکعت پڑھی جاتی ہے اور بعد والی دونوں ساقط ہو جاتی ہیں، نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نماز جب ابتدا میں فرض ہوئی، تو دو، دو رکعات تھیں، پھر حالتِ سفر میں اُن دو کو باقی رکھا گیا، اور حالتِ اقامت میں دو کا اضافہ کیا گیا۔ [۴]

اِس سے معلوم ہوا کہ بعد والی دو رکعات جن کا اضافہ ہوا ہے وہ پہلی دو رکعات سے کچھ مختلف ہیں، لہٰذا پہلی دونوں رکعات میں قراءت کی جائے گی، اور بعد والی دو رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع: ۱/۱۱۱، فصل ارکان الصلاۃ، ط: دار الکتب العلمیۃ - بیروت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: فرض نماز کی وہ رکعات، جو کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوتیں، وہ کل گیارہ رکعات ہیں، اسی طرح تہجد کے ساتھ وتر ملا کر کل گیارہ رکعات ہیں، یہ ایک بابرکت اور معتدل عدد ہے، ایسا کثیر بھی نہیں کہ لوگوں کے لیے اُس پر عمل کرنا دشوار ہو، اور اتنا قلیل بھی نہیں کہ نماز کا مقصد حاصل نہ ہو، چناں چہ ابتداءِ اسلام میں اسی پر عمل کروایا گیا، پھر جب ہجرت کے بعد دین اسلام کو تقویت حاصل ہوئی، اطاعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، دین میں لوگوں کی رغبت بڑھ گئی، تو ظہر، عصر اور

---

(۳) ۷۳-المزمل: ۲۰.

(۴) عن عائشة أم المؤمنين، قالت: فرض الله الصلاة حين فرضها، ركعتين ركعتين، في الحضر والسفر، فأقرت صلاة السفر، وزيد في صلاة الحضر. (صحيح البخاري: ۱/۵۱، رقم الحديث: ۳۵۰، كتاب الصلاة، باب: كيف فرضت الصلاة في الإسراء؟ ط: البدر - ديوبند)

عشاء میں چھ رکعات کا اضافہ کیا گیا، اور سفر کی نماز کو حسب سابق برقرار رکھا گیا، ان ساری تفاصیل کا خلاصہ یہ نکلا کہ فرض نماز میں جن رکعات کا اضافہ کیا گیا ہے، اُن میں قراءت نہیں ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ۲/ ۶)[۱]
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] فجر، مغرب اور عشاء میں جہری اور ظہر وعصر میں سری قراءت کی حکمت

۶۳۶-سوال: فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قراءت جہری ہوتی ہے، جب کہ ظہر اور عصر میں قراءت سری ہوتی ہے، اُس کی کیا حکمت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظہر اور عصر کی نماز کے اوقات ایسے ہیں کہ اُن میں تمام لوگ اپنی مشغولیات میں ہوتے ہیں، بازار وغیرہ میں شور و ہنگامے ہوتے ہیں، تو ان اوقات میں دل کو مزید خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ حاصل ہو سکے؛ اس لیے سری قراءت کا حکم دیا گیا ہے، اور ان اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں عام طور فضا پر سکون ہوتی ہے، اور لوگ اطمینان سے آرام کرتے ہیں، اس لیے جہری قراءت کا حکم ہوا، تاکہ لوگوں کو اللہ کی یاد دلائی جائے، کہ وہ ان اوقات میں ذکر اللہ سے غفلت نہ برتیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

[۱] أقول الأصل في عدد الركعات أن الواجب الذي لا يسقط بحال إنما هو أحدى عشر ركعة، وذلك لأنه اقتضت حكمة الله ألا يشرع في اليوم والليلة إلا عددا مباركا متوسطا لا يكون كثيرا جدا، فيعسر إقامته على المكلفين جميعا، ولا قليلا جدا، فلا يفيد لهم ما أريد من الصلاة، وقد علمت فيما سبق أن الأحد عشر من بين الأعداد أشبهها بالوتر الحقيقي، ثم لما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم واستقر الإسلام، وكثر أهله، وتوفرت الرغبات في الطاعة زيدت ست ركعات، وأبقيت صلاة السفر على النمط الأول. (حجة الله البالغة-أحمد بن عبد الرحيم بن الشهيد وجيه الدين بن معظم بن منصور المعروف بـ 'الشاه ولي الله الدهلوي' (م:١١٧٦هـ): ٢/ ١١، الأمور التي لا بد منها في الصلاة، ت: السيد سابق، ط: دار الجيل-بيروت)

[۲] والسر في مخالفته الظهر والعصر أن النهار مظنة الصخب واللغط في الأسواق والدور، وأما غيرهما فوقت هدوء الأصوات والجهر أقرب إلى تذكر القوم واتعاظهم. (حجة الله البالغة-أحمد بن عبد الرحيم بن الشهيد وجيه الدين بن معظم بن منصور المعروف بـ 'الشاه ولي الله الدهلوي' (م:١١٧٦هـ): ٢/ ١٥، أذكار الصلاة وهيأتها المندوب إليها، ت: السيد سابق، ط: دار الجيل-بيروت)

[۱۶] نماز میں زائد دعاؤں کے پڑھنے کا حکم

۷۶۳-سوال: نماز فرض، نفل اور سنت میں "ربنا لك الحمد" کے بعد "حمداً كثيراً طيباً مباركا فيه" پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور سجدے میں "سبحان ربي الأعلى" کے بعد "سبوح قدوس، ربنا ورب الملائكة والروح" پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دونوں سجدے کے درمیان جلسے میں "اللهم اغفر لي وارحمني وعافني واهدني وارزقني واجبرني وارفع عني" پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مذکورہ دعائیں امام کے ساتھ اور علاحدہ؛ ہر دو صورت میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رکوع، سجدے اور جلسے میں جو ذکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، انہی کو پڑھنا سنت ہے؛ اس لیے رکوع میں "سبحان ربي العظيم" اور سجدے میں "سبحان ربي الأعلى" پڑھنا چاہیے۔ [۱] دونوں سجدوں کے درمیان اگر امام پڑھے گا، تو مقتدیوں پر بوجھ بنے گا اور مقتدی پڑھے گا، تو اپنے امام کی اقتدا نہیں کر سکے گا؛ لہٰذا منفرد اگر سوال میں مذکور دعائیں دونوں سجدوں کے درمیان، رکوع اور سجدے میں اور رکوع

---

(۱) ويقول "سبحان ربي العظيم ثلاثا، وذلك أدناه" لقوله عليه الصلاة والسلام "إذا ركع أحدكم فليقل في ركوعه سبحان ربي العظيم ثلاثا، وذلك أدناه" أي أدنى كمال الجمع"، ثم يرفع رأسه، ويقول سمع الله لمن حمده، ويقول المؤتم ربنا لك الحمد ولا يقولها الإمام عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا: يقولها في نفسه "لما روى أبو هريرة رضي الله عنه أن النبي عليه الصلاة والسلام كان يجمع بين الذكرين..." ويقول في سجوده سبحان ربي الأعلى ثلاثا وذلك أدناه" لقوله عليه الصلاة والسلام" وإذا سجد أحدكم فليقل في سجوده سبحان ربي الأعلى ثلاثا وذلك أدناه" أي أدنى كمال الجمع.

ويستحب أن يزيد على الثلاث في الركوع والسجود بعد أن يختم بالوتر لأنه عليه الصلاة والسلام كان يختم بالوتر وإن كان إماما لا يزيد على وجه يمل القوم حتى لا يؤدي إلى التنفير ثم تسبيحات الركوع والسجود سنة لأن النص تناولهما دون تسبيحاتهما فلا يزاد على النص. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن، برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۵۰- ۵۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

سے کھڑے ہونے کے بعد پڑھنا چاہے، تو پڑھ سکتا ہے۔[۲] ان دعاؤں کا ثبوت بھی احادیث کی کتابوں سے ملتا ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) (وليس بينهما ذكر مسنون، وكذا) ليس (بعد رفعه من الركوع) دعاء، وكذا لا يأتي في ركوعه وسجوده بغير التسبيح (على المذهب) وما ورد محمول على النفل. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: قوله وليس بينهما ذكر مسنون) قال أبو يوسف: سألت الإمام أيقول الرجل إذا رفع رأسه من الركوع والسجود اللهم اغفر لي؟ قال: يقول ربنا لك الحمد وسكت، ولقد أحسن في الجواب إذ لم ينه عن الاستغفار نهر وغيره.ـــــ أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه إذ لو كان مكروها لنهى عنه كما ينهى عن القراءة في الركوع والسجود وعدم كونه مسنونا لا ينافي الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة؛ بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجا من خلاف الإمام أحمد؛ لإبطاله الصلاة بتركه عامدا ولم أر من صرح بذلك عندنا، لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، والله أعلم.ــــــــ (قوله وما ورد إلخ) فمن الوارد في الركوع والسجود ما في صحيح مسلم، أنه - صلى الله عليه وسلم - كان إذا ركع قال: اللهم لك ركعت وبك آمنت ولك أسلمت خشع لك سمعي وبصري ومخي وعظمي وعصبي، وإذا سجد قال: اللهم لك سجدت وبك آمنت ولك أسلمت، سجد وجهي للذي خلقه وصوره وشق سمعه وبصره تبارك الله أحسن الخالقين، والوارد في الرفع من الركوع أنه كان يزيد ،ملء السماوات والأرض وملء ما شئت من شيء بعد أهل الثناء والمجد أحق ما قال العبد وكلنا لك عبد لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. رواه مسلم وأبو داود وغيرهما.ــــ وبين السجدتين "اللهم اغفر لي وارحمني وعافني واهدني وارزقني". رواه أبو داود، وحسنه النووي وصححه الحاكم، كذا في الحلية.ــــــــ (قوله محمول على النفل) أي تهجدا أو غيره خزائن.

وكتب في هامشه: فيه رد على الزيلعي حيث خصه بالتهجد. اهـ. ثم الحمل المذكور صرح به المشايخ في الوارد في الركوع والسجود، وصرح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة وقال على أنه إن ثبت في المكتوبة فليكن في حالة الانفراد، أو الجماعة والمأمومون محصورون لا يتثقلون بذلك كما نص عليه الشافعية، ولا ضرر في التزامه وإن لم يصرح به مشايخنا فإن القواعد الشرعية لا تنبو عنه، كيف والصلاة والتسبيح والتكبير والقراءة كما ثبت في السنة. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٥٠٥-٥٠٦، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر)

(۳) عن رفاعة بن رافع الزرقي، قال: "كنا يوما نصلي وراء النبي صلى الله عليه وسلم، فلما رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده "، قال رجل وراءه: ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه، فلما انصرف، قال: من المتكلم؟ قال: أنا، قال: رأيت بضعة وثلاثين ملكا يبتدرونها أيهم يكتبها أول. (صحيح البخاري: ١/ ١١٠، رقم الحديث: ٧٩٩، كتاب الأذان، باب فضل اللهم ربنا لك الحمد، ط: البدر - ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ١/ ٢١٩، رقم الحديث: ١٣٩-(٦٠٠)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، وباب ما يقال بين تكبيرة الإحرام والقراءة، ط: ديوبند)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: " كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول في ركوعه وسجوده: سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفر لي". (صحيح البخاري: ١/ ١٠٩، رقم الحديث: ٧٩٤، كتاب الأذان، باب الدعاء في الركوع)

[۱۷] نماز کے بعد طلب رزق کی دعا اخلاص کے منافی نہیں

۶۳۸-سوال: علماء کرام فرماتے ہیں کہ نماز کے ذریعہ رزق طلب نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ نماز کا اخلاص یہی ہے کہ وہ صرف رضائے الٰہی کے لیے پڑھی جائے، اس کے ذریعہ کوئی حاجت طلب نہ کی جائے، تو سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت اور ضرورت کے مطالبہ کی دوسری شکل کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فرض ہو یا نفل یا صلاۃ الحاجۃ، اس کو اللہ کی عبادت کے طور پر اور اللہ کے دربار میں عاجزی کے ساتھ ادا کرنی چاہیے، اس خیال اور توجہ سے پڑھنی چاہیے کہ وہ خالق اور مالک ہے اور میں اس کا بندہ ہوں، دنیا اور آخرت کی بھلائی کا میں محتاج ہوں اور خصوصاً حالت نماز میں یہی سوچنا چاہیے کہ میں اللہ کی بندگی کرتا ہوں؛ کیوں کہ وہ میرا رب ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہیں کرتا ہوں، جب اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا، پھر نماز کے بعد کسی بھی حاجت کا مطالبہ کرے گا، تو یہ مناسب درخواست ہوگی اور ان شاء اللہ قبول ہوگی؛ بہر حال نماز میں اخلاص ایک الگ چیز ہے اور نماز کے بعد اپنی حاجت کا مطالبہ الگ چیز ہے، حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ جب کوئی مصیبت آجائے، تو نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] اگر امام پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو، اور مقتدی اقتدا نہ کرے، تو کیا حکم ہے؟

۶۳۹-سوال: ظہر کی فرض نماز میں امام صاحب چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھے، پانچویں رکعت کو

---

(۱) ﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (۲۰-طٰہٰ:۱۴)

عن أبي هريرة، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم بارزا يوما للناس، فأتاه رجل فقال: ما الإيمان؟ قال: الإيمان أن تؤمن بالله وملائكته، وكتبه، وبلقائه، ورسله وتؤمن بالبعث. قال: ما الإسلام؟ قال: "الإسلام: أن تعبد الله، ولا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة، وتؤدي الزكاة المفروضة، وتصوم رمضان". قال: ما الإحسان؟ قال: «أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲، رقم الحديث: ۵۰، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان، والإسلام، والإحسان، وعلم الساعة، و انظر: رقم: ۴۷۷۷، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۷، رقم الحديث: ۵-(۹)، كتاب الإيمان، باب: الإيمان ماهو وبيان خصاله، ط: البدر - ديوبند)

چوتھی رکعت سمجھ کر کھڑے ہو گئے، بعض مقتدی حضرات نے لقمہ دیا؛ لیکن امام مکمل کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ پانچویں رکعت بھی مکمل کرادی، اب ہوا یہ کہ بعض مقتدی نے امام کی پیروی کی اور بعض چوتھی رکعت کے قعدے میں بیٹھ گئے اور بالآخر سلام پھیر دیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ چوتھی رکعت پر بیٹھے رہنے والوں کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصليا:

جو مقتدی حضرات بیٹھے رہے، ان کی بھی نماز درست نہیں ہوئی، اعادہ لازم ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۵۷)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] سنت نماز میں اس طرح نیت کرنا کہ: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی نماز پڑھتی ہوں"

۶۴۰- سوال: ایک خاتون ہر نماز کی سنتوں میں اس طرح نیت کرتی ہے کہ: "نیت کرتی ہوں میں نماز کی، نماز پڑھتی ہوں میں واسطے اللہ کے، چار رکعت نماز سنت، رسول اللہ کے نام کی۔" خاتون کا عقیدہ ہے کہ سنت تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، تو نیت میں بھی سنت کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کرنی چاہیے؟ کیا اس طرح نیت کرنا شرک ہوگا؟

الجواب حامدا ومصليا:

اگر اس کی مراد یہ ہے کہ میں نماز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حیثیت سے پڑھتی ہوں، تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن اگر اس کی "چار رکعت نماز سنت، رسول اللہ کے نام کی" سے مراد یہ ہے کہ یہ چار رکعت رسول اللہ

---

[۱] کیوں کہ امام کی نماز کا فساد، مقتدی کی نماز کے فساد کو مستلزم ہے، بصورت مسئولہ میں امام کی نماز فرض ادا نہیں ہوئی، تو مقتدی کی بھی نماز فرض ادا نہیں ہوگی:

(ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد (ما لم يقيدها بسجدة) لأن ما دون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود (وإن قيدها) بسجدة عامدا أو ناسيا أو ساهيا أو مخطئا (تحول فرضه نفلا برفعه) الجبهة عند محمد، وبه يفتى. (الدر المختار)

(قوله عامدا أو ناسيا) أشار إلى ما في البحر من أنه لا فرق في عدم البطلان عند العود قبل السجود والبطلان إن قيد بالسجود بين العمد والسهو، ولذا قال في الخلاصة: فإن قام إلى الخامسة عامدا أيضا لا تفسد ما لم يقيد الخامسة بالسجدة عندنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۸۵، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر☆ البحر الرائق: ۲/ ۱۷۹ تا ۱۸۱، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الكتاب- ديوبند)

ﷺ کی عبادت کے لیے پڑھتی ہوں، تو شرک ہے، لیکن اس کے اس جملے سے کہ "واسطے اللہ کے" سے اس مراد کی نفی ہوتی ہے، الغرض جیسی مراد ہوگی، اس کے مطابق حکم ہوگا۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] نماز میں صرف دو آیتیں پڑھنا

۶۴۱-سوال: امام صاحب نے تراویح کے بعد وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۂ بلد کی آخری دو آیتیں پڑھی، رکوع کیا اور نماز مکمل کی، تو ایک صاحب نے کہا کہ نماز وتر ادا نہیں ہوئی؛ چناں چہ وتر کی نماز لوٹائی گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلی مرتبہ پڑھی گئی وتر کی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

سورۂ بلد کی آخری دو آیت "و الذین کفروا" سے پڑھی، تو نماز درست ہوگئی ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (درمختار)[۲]

---

(۱) الاعتبار للمعنى لا للألفاظ، صرحوا به في مواضع. (الأشباه و النظائر على مذهب أبي حنيفة - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ)، ص: ۱۷۳، الفن الثاني في الفوائد، كتاب البيوع، أحكام الحمل، حواشي و تخريج: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول- محمد بن علي بن محمد، الشوكاني اليمني (م: ۱۲۵۰هـ): ۹۲/۲، الأدلة من القرآن الكريم، ت: أحمد عزو عناية، الناشر: دار الكتب العربي)

[۲] (من فرائضها) التي لا تصح بدونها... (ومنها القراءة) لقادر عليها. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ومنها القراءة) أي قراءة آية من القرآن، وهي فرض عملي في جميع ركعات النفل و الوتر و في ركعتين من الفرض... وأما قراءة الفاتحة و السورة أو ثلاث آيات فهي واجبة أيضا. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۴۶/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مبحث القراءة، ط: دار الفكر- بيروت)

(وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامها، هو ثلاث آيات قصار، نحو {ثُمَّ نَظَرَ} [المدثر: ۲۱] {ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ} [المدثر: ۲۲] {ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ} [المدثر: ۲۳] و كذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثا قصارا ذكره الحلبي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۵۸/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة. ☆الفتاوى الهندية: ۶۹/۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، ط: زكريا- ديوبند)

و تجب قراءة الفاتحة و ضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة كذا في النهر الفائق و في جميع ركعات النفل و الوتر. هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۷۱/۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زكريا- ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کی حیثیت۔

یہ دوسری بات ہے کہ کسی بھی سورت کی صرف آخری دو تین آیتیں پڑھنا مناسب نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] رکوع کے بارے میں فقہاء کی عبارت ''نصب ساق'' کا مطلب

۶۴۲-سوال: رکوع کے سلسلے میں فقہاء کی عبارتوں میں ''نصب ساق'' کا لفظ ملتا ہے۔[2] اور ''احنائہما تشبہ القوس مکروہ''[3] یہ عبارت بھی ملتی ہے تو ان دونوں جملوں کا مطلب کیا ہے؟ گھٹنوں کو سیدھا رکھ کر سخت کیا جائے گا، یا قبلہ کی جانب گھٹنوں کے آگے والے حصہ کو بڑھایا جائے گا؟ براہِ کرم وضاحت فرمائیں کہ گھٹنوں کو آگے قبلے کی جانب بڑھانے کی صورت میں ''احناء'' کا تحقق ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

گھٹنوں کو سخت کر کے پشت سیدھی رکھی جائے گی۔ (درمختار)[4] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أو من آخر سورة وقرأ في الركعة الأخرى من وسط سورة أخرى أو من آخر سورة أخرى لاينبغي له أن يفعل ذلك على ماهو ظاهر الرواية ولكن لو فعل ذلك لا بأس به. كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۸، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، ط: زكريا-ديوبند)

(۲-۳) "و" يسن "نصب ساقيه" لأنه المتوارث، وإحناؤهما شبه القوس مكروه. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۹۹، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، فصل في سننها، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۴۹۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر)

[۴] اس طرح نصب بھی ہو جائے گا اور کمان کی شکل بھی نہیں بنے گی۔ گھٹنوں کو آگے کی جانب نکالنے کی صورت میں احناء کا تحقق ہوتا ہے، جو کہ مکروہ ہے:

(ويضع يديه) معتمدا بهما (على ركبتيه ويفرج أصابعه) للتمكن. ويسن أن يلصق كعبيه. وينصب ساقيه (ويبسط ظهره) ويسوي ظهره بعجزه (غير رافع ولا منكس رأسه)

وفي الشامية: وكان ينبغي أن يذكر لفظ يسن عند قوله ويضع يديه ليعلم أن الوضع والاعتماد والتفريج والإلصاق والنصب والبسط والتسوية كلها سنن كما في القهستاني.

قال: وينبغي أن يزاد مجافيا عضديه مستقبلا أصابعه فإنهما سنة كما في الزاهدي. اهـ. . . . (قوله وينصب ساقيه) فجعلهما شبه القوس كما يفعله كثير من العوام مكروه بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۹۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر)

(قوله وركع ووضع يديه على ركبتيه وفرج أصابعه) . . . وفي فتح القدير ويعتمد بيديه على ركبتيه ناصبا ساقيه، وإحناؤهما شبه القوس كما يفعل عامة الناس مكروه، ذكره في روضة العلماء، وإنما يفرج بينهما؛ لأنه أمكن من=

[۲۲] تشہد میں انگلیوں کا حلقہ کب تک باقی رکھا جائے؟

۶۴۳-سوال: تشہد میں شہادت کی انگلی حلقہ بنا کر اٹھائی جاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ حلقہ کو اسی حالت پر سلام پھیرنے تک باقی رکھنا سنت ہے، یا حلقہ بنانے کے فوراً بعد کھول دینا چاہیے؟ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ حلقہ فوراً کھول دینا چاہیے، اس سلسلے میں صحیح بات کیا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

انگلیوں کا حلقہ سلام تک باقی رکھنا سنت ہے۔ (۱) لہٰذا انگلی کے حلقے کو سلام تک باقی رکھنے کے سلسلے میں سنت کہنے والے کی بات درست اور حق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حلقہ بنا کر اشارہ کرے، پھر فوراً حلقہ چھوڑ دے، یہ بھی ایک قول ہے، مگر فتویٰ اس پر نہیں ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الأخذ بالركب، ولا يندب إلى التفريج إلا في هذه الحالة... (قوله وبسط ظهره وسوى رأسه بعجزه) فإنه سنة كما صح عنه - صلى الله عليه وسلم - فلهذا لا يرفع رأسه ولا يخفضه، وفي المجتبى والسنة في الركوع إلصاق الكعبين واستقبال الأصابع للقبلة. (البحر الرائق: ۱/ ۵۵۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب- ديوبند)

(۱) عن ابن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۱۶، رقم الحديث: ۱۱۵-۵۸۰، كتاب الصلاة، باب صفة الجلوس في الصلاة، ط: البدر- ديوبند)

وصفتها: أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة الإبهام والوسطى، ويقبض البنصر والخنصر، ويشير بالمسبحة، أو يعقد ثلاثة وخمسين بأن يقبض الوسطى والبنصر والخنصر، ويضع رأس إبهامه على حرف مفصل الوسطى الأوسط. ويرفع الأصبع عند النفي ويضعها عند الإثبات اهـ... وفي القهستاني، وعن أصحابنا جميعا أنه سنة. (رد المحتار: ۱/ ۵۰۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر)

والأصل بقاء الشيء على ما عليه واستصحابه... إلى آخر الأمر اهـ. (تقريرات الرافعي على رد المحتار: ۱/ ۶۳ كتاب الصلاة، فصل في بيان صفة الصلاة، ط: ايچ، ايم، سعيد، پاكستان)

(۲) والذي تحصل من كلام البرهان قول ملفق من القولين، وهو الإشارة مع بسط الأصابع بدون عقد، وقد علمت أنه خلاف المنقول في كتب المذهب، وأن ما نقله الشارح عن درر البحار وشرحه خلاف الواقع، ولعله قول غريب لم نر من قاله، فتبعه في البرهان ومشى عليه الناس في عامة البلدان. (رد المحتار: ۱/ ۵۰۳، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر- بيروت)

[۲۳] کثرتِ ازدحام کی وجہ سے اگلی صف کے مصلی کے پیر پر سجدہ کرنا

۶۴۴-سوال: مکہ مکرّمہ میں حرم شریف میں حج کے ایام کے دوران ازدحام زیادہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ یہاں تک نوبت آجاتی ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہوتا ہے، تو اُس کے سجدہ کی جگہ ہی میں دوسرا آدمی کھڑا ہو جاتا ہے، اب سجدہ کرتے وقت پیچھے والے مصلی کا سجدہ آگے کھڑا ہونے والے شخص کے پیروں پر یا دونوں پیر کے درمیان ہوتا ہے، تو اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مذکورہ میں کثرتِ ازدحام اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے اگر مصلی کے پیروں کے اوپر یا پیروں کے درمیان یا اُس کی پیٹھ پر سجدہ کرنا پڑے، تب بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ (درمختار)[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

(۱) "إلا" أن يكون ذلك "لزحمة سجد فيها على ظهر مصل صلاته" للضرورة فإن لم يكن ذلك المسجود عليه مصلياً أو كان في صلاة أخرى لايصح السجود. (مراقي)

قال الطحطاوي: قوله: "على ظهر مصل صلاته الخ" وشرط في الكفاية كون ركبتي الساجد على الأرض، وشرط في المجتبى سجود المسجود عليه على الأرض، فجملة الشروط خمسة، بل ستة، بزيادة الزحام، لكن في القهستاني عن الأصل أنه يجوز ولو على ظهر غير المصلي، ونقل الزاهدي جوازه على ظهر كل مأكول، وفي القهستاني عن صدر القضاة أنه يجوز وإن كان سجود الثاني على ظهر الثالث، وفيه أنه في هذه الحالة يكون الساجد الثالث في صفة الراكع، أو أزيد، ونقل عن الجلابي أنه يستحب التأخير حتى يزول الزحام اهـ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ) ص: ۲۳۲، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ط: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆النهر الفائق شرح كنز الدقائق- سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵هـ): ۱/ ۲۱۷، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فرع، ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية☆رد المحتار على الدر المختار- ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۱/ ۵۰۲-۵۰۳، باب صفة الصلاة، قبل: مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد، ط: دار الفكر- بيروت☆البحر الرائق: ۱/ ۳۳۸، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى- خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/ ۷۲، باب صفة الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

[۲۴] سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

۶۴۵-سوال: سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے اپنے چہرے کو داہنی طرف اتنا پھیرے کہ پیچھے والا مقتدی اس کے چہرہ کا داہنی طرف والا حصہ دیکھ لے، اور سلام پھیرنے میں جب کہ مقتدی امام کے برابر میں پیچھے ہو، تو وہ اپنے امام، دونوں طرف کے مقتدیوں، دونوں طرف کے فرشتوں اور دونوں طرف کے صالح جنات کی نیت کرے؛ اور اگر امام کے دائیں بائیں ہو، تو جس طرف امام ہو، اس طرف تو (مذکورہ تمام چیزوں کی نیت کے ساتھ) امام کی نیت کرے اور جس طرف امام نہ ہو، اس طرف (امام کے سلام) نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ اور امام دونوں طرف کے سلام میں اپنے مقتدیوں، فرشتوں اور صالح جنات کی نیت کرے؛ اور مقتدی حضرات دونوں سلام میں صرف فرشتوں کی نیت کریں گے؛ اور منفرد صرف فرشتوں کی نیت کرے۔ (شامی: ۱/ ۴۹۳)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] حالت سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ زمین پر بچھا دینا

۶۴۶-سوال: سجدے میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھا دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سجدے کی حالت میں دونوں ہاتھ زمین پر بچھا دینا مکروہ ہے؛ سجدے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کی انگلیاں قبلہ سمت رکھی جائیں، پیٹ کو رانوں سے الگ، دونوں بازؤں کو پہلو سے جدا،

[۱] (وسلم مع الإمام كالتحريمة عن يمينه ويساره، ناويا القوم، والحفظة، والإمام في الجانب الأيمن أو الأيسر أو فيهما لو محاذيا)... وقد ورد في حديث ابن مسعود "أنه - صلى الله عليه وسلم - كان يسلم عن يمينه حتى يرى بياض خده الأيمن وعن يساره حتى يرى بياض خده الأيسر". (البحر الرائق: ۱/ ۳۵۱، كتاب الصلاة، آداب الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۲۶، ۵۲۷، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

اور دونوں ہاتھوں کی کہنیوں کو زمین سے بلند رکھے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] جمعہ کی نماز میں اگر حدث لاحق ہو جائے، تو کیا کرے؟

۶۴۳-سوال: جمعہ کی نماز میں کسی مقتدی کا وضو ٹوٹ گیا، وضو کر کے آنے کے بعد امام کو دوسری رکعت میں پایا، یا قعدۂ اخیرہ میں پایا، اس کے بعد امام صاحب نے سلام پھیر دیا، تو اب وہ کیا کرے؟

الجواب حامدا و مصلیا:

مذکورہ شخص نے امام کے پیچھے نماز پوری پڑھنے کی نیت سے اقتداء کی تھی، اس لیے صورت مسئولہ میں وضو کے بعد وہ امام کو دوسری رکعت میں پائے، یا قعدہ اخیرہ میں یا سجدۂ سہو کے بعد قعدہ اخیرہ میں پائے، شیخینؒ کے نزدیک بہر صورت وہ جمعہ کی نماز پوری کرے گا۔ (الجوھرۃ النیرۃ: ۱/ ۹۲)[۲]

---

(۱) (قوله، ثم كبر ووضع ركبتيه، ثم يديه) . . . وأبدى ضبعيه وجافى بطنه عن فخديه ووجه أصابع رجليه نحو القبلة. . . وعبارة الحاوي في سنن السجود: وتوجيه أصابع اليدين وأنامل الرجلين إلى القبلة، وفي القهستاني: انحراف أصابعهما عن القبلة مكروه . . . أن النبي - صلى الله عليه وسلم - «كان إذا سجد فرج بين يديه حتى يبدو بياض إبطيه» ولحديث مسلم «إذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك». (البحر الرائق: ۱/ ۳۳۵-۳۳۸، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار: ۱/ ۵۰۱، ۵۰۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) ومن أدرك الإمام يوم الجمعة صلى معه ما أدرك وبنى عليها الجمعة وإن أدركه في التشهد أو في سجود السهو بنى عليها الجمعة عند أبي حنيفة وأبي يوسف وقال محمد: إن أدرك معه أكثر الركعة الثانية بنى عليها الجمعة وإن أدرك أقلها بنى عليها الظهر. (مختصر القدوري - أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان أبو الحسين القدوري (م: ۴۲۸ھ)، ص: ۴۰، باب صلاة الجمعة، ت: كامل محمد محمد عويضة، ط: دار الكتب العلمية)

وفي الجوهرة: (قوله: ومن أدرك الإمام يوم الجمعة صلى معه ما أدرك وبنى عليها الجمعة) فإذا قام هذا المسبوق إلى قضائه كان مخيرا في القراءة إن شاء جهر وإن شاء خافت. (قوله: وإن أدركه في التشهد أو في سجود السهو بنى عليها الجمعة) وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف وظاهر هذا أنه يسجد للسهو في صلاة الجمعة والعيدين والمختار عند المتأخرين أنه لا يسجد في الجمعة والعيدين لتوهم الزيادة من الجهال. (قوله: وقال محمد إن أدرك معه أكثر الركعة الثانية بنى عليها الجمعة) يعني إذا أدركه قبل أن يركع أو في الركوع. (قوله: وإن أدرك أقلها) بأن أدركه وقد رفع رأسه من الركوع بنى عليها الظهر إلا أنه ينوي الجمعة إجماعا. (الجوهرة النيرة- أبو بكر بن علي، الحدادي العبادي الزَّبِيدِي اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/ ۹۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: المطبعة الخيرية)

اگر امام نے سلام پھیر بھی دیا ہو، تب بھی وہ جمعہ کی نماز پڑھے گا؛ کیوں کہ وہ ابتداء میں امام کے ساتھ شریک تھا؛ اس لیے وہ وضو کے بعد باقی ماندہ رکعت پڑھے گا، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''بناء صلاۃ'' کہا جاتا ہے؛ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس دوران اس نے بات چیت نہ کی ہو اور کوئی منافی صلاۃ فعل نہ کیا ہو۔ اگر اس نے منافی صلاۃ فعل کرلیا، تو اب بناء کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ (۱)

بناء کرنے کی صورت میں مابقیہ رکعت بغیر قراءت کے مکمل کرے گا؛ اس لیے کہ اس نے اپنی نماز امام کے ساتھ پورا کرنے کا عہد کیا تھا؛ لیکن وہ عارض کی وجہ سے مکمل نہ کرسکا؛ الغرض وہ جمعہ ہی پڑھے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] مقتدی کے بعض مسائل

۶۴۸-سوال: کیا مقتدی کے لیے نماز کی ابتدا سے انتہا تک کی تمام تکبیرات لازم ہیں؟

(۲) امام تکبیر کہہ کر رکوع یا سجدہ میں جائے، تو کیا مقتدیوں کو بھی تکبیر کہنا ضروری ہے؟

(۳) تکبیر تحریمہ کے بعد مقتدی کو صرف ثناء پڑھ کر خاموش ہوجانا چاہیے یا استعاذہ وبسملہ بھی پڑھنا چاہیے؟

(۴) دوسری، تیسری یا چوتھی رکعت میں امام صاحب سجدہ سے کھڑے ہوں، تو قیام میں مقتدیوں کو خاموش کھڑے رہنا چاہئے یا بسملہ پڑھنا چاہیے؟

(۵) جب امام رکوع سے کھڑے ہوکر تسمیع (سبحان ربي الأعلی) کہے، تو مقتدیوں کو صرف تحمید (ربنا ولك الحمد) کہنا چاہیے یا دونوں؟

---

(۱) من سبقه حدث توضأ وبنی. كذا في الكنز.... (ثم لجواز البناء شروط):
(منها) أن يكون الحدث موجبا للوضوء ولا يندر وجوده وأن يكون سماويا لا اختيار للعبد فيه ولا في سببه. هكذا في البحر الرائق.... (ومنها) أن لا يفعل بعد الحدث فعلا منافيا للصلاة لو لم يكن أحدث إلا ما لا بد منه أو كان من ضرورات ما لا بد منه أو من توابعه وتتماته حتی إذا سبقه الحدث ثم تكلم أو أحدث متعمدا أو قهقه أو أكل أو شرب أو نحو ذلك لا يجوز له البناء... الخ. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۹۳-۹۴، الباب السادس في الحدث في الصلاة، ط: دار الفكر- بيروت ☆ البحر الرائق: ۱/ ۶۴۳-۶۴۴، كتاب الصلاة، الحدث في الصلاة، ط: دار الكتاب- ديوبند ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۲، باب الاستخلاف، ط: زكريا- ديوبند)

(۶) جب امام سلام پھیرے، تو کیا مقتدیوں کے لیے بھی السلام علیکم کہنا ضروری ہے؟

(۷) ہر رکعت میں تکبیر، تسمیع تحمید وغیرہ میں امام اپنی زبان سے مذکورہ الفاظ کا تلفظ کرے، تو مقتدیوں کو ساتھ میں ہی کہنا چاہیے، یا امام کے کہنے کے بعد؟

(۸) فجر کی دو رکعت سنت پڑھنے سے فجر کی جماعت فوت ہوجاتی ہو، تو فجر کی سنت نماز کے بعد فوراً ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر فوراً ادا نہیں کر سکتے، تو کون سے وقت میں ادا کرنا چاہیے۔

عصر کی چار رکعت سنت نماز فوت ہوگئی ہو، تو اس کو کب ادا کرنا چاہیے؟

فجر اور عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد سنت ادا کرنے کے لیے کس طرح نیت کرنی چاہیے؟

(۹) جس گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے، ایک شخص نے بہ اصرار کہا کہ جمعہ کی نماز شروع کی جائے۔ اس کی بات نہیں مانی گئی، تو اب وہ شخص پانچوں وقت کی نماز منفرداً پڑھتا ہے، جماعت سے نہیں پڑھتا، تو اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

جب اس کو سمجھایا جاتا ہے کہ جمعہ یہاں نہیں ہوسکتی اور جمعہ پڑھنے سے ظہر کے ثواب سے بھی محرومی ہوتی ہے، تو وہ جواب دیتا ہے کہ جمعہ نہیں ہوتی تو پھر عید کی نماز بھی صحیح نہیں ہونی چاہیے؟ آپ حضرات عید کی نماز کیوں پڑھتے ہیں؟

الجواب حامداومصليا:

(۱) تکبیر تحریمہ فرض ہے باقی تکبیریں سنت ہیں۔[1]

(۲) رکوع اور سجدہ کی تکبیر نیز دیگر تکبیرات انتقالیہ سنت ہیں۔[2]

(۱) (من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحريمة) قائما (وهي شرط) في غير جنازة على القادر به يفتى. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله من فرائضها) جمع فريضة أعم من الركن الداخل الماهية والشرط الخارج عنها.... (قوله التي لا تصح بدونها) صفة كاشفة إذ لا شيء من الفروض ماتصح الصلاة بدونه بلا عذر (قوله التحريمة) المراد بها جملة ذكر خالص. مثل: الله أكبر.... (قوله في غير جنازة) أما فيها فهي ركن اتفاقا كبقية تكبيراتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۴۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فرائض الصلاة، مطلب قد يطلق الفرض على مايقابل الركن وعلى ماليس بركن ولا شرط، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] (سننها)... وتكبير الركوع وتسبيحه ثلاثا ... وتكبير السجود والرفع، وكذا الرفع نفسه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۲، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، ط: دار الفكر ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۷۰-۱۷۳، باب صفة الصلاة، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) صرف ثنا پڑھ کر خاموش رہے، استعاذہ وبسملہ وہ شخص پڑھے گا جس کو قراءت کرنی ہے۔ (یعنی امام ومنفرد)[۳]

(۴) خاموش کھڑے رہنا ہے، مقتدی کو کچھ بھی پڑھنا نہیں ہے۔[۴]

(۵) مقتدی کو صرف تحمید (ربنا لک الحمد) کہنا ہے، تسمیع نہیں۔[۵]

(۶) قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔[۶] اور السلام علیکم دو مرتبہ کہنا واجب ہے، ''ورحمۃ اللہ'' کہنا واجب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام نے جب السلام علیکم کہہ دیا، اس کے بعد مقتدی نے اقتداء کی،

---

[۳] ثم يقول: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك، سواء كان إماما أو مقتديا أو منفردا هكذا ذكر في ظاهر الرواية... ثم يتعوذ بالله من الشيطان الرجيم، في نفسه، إذا كان منفردا أو إماما....

وأما من يسن في حقه التعوذ، فهو الإمام والمنفرد، دون المقتدي في قول أبي حنيفة ومحمد، وعند أبي يوسف هو سنة في حقه أيضا، ذكر الاختلاف في السير الكبير وحاصل الخلاف راجع إلى أن التعوذ تبع للثناء أو تبع للقراءة فعلى قولهما تبع للقراءة؛ لأنه شرع لافتتاح القراءة صيانة لها عن وساوس الشيطان فكان كالشرط لها، وشرط الشيء تبع له وعلى قوله تبع للثناء؛ لأنه شرع بعد الثناء وهو من جنسه وتبع الشيء كاسمه ما يتبعه.______

ويتفرع على هذا الأصل ثلاث مسائل، إحداها أنه لا تعوذ على المقتدي عندهما لأنه لا قراءة عليه، وعنده يتعوذ؛ لأنه يأتي بالثناء فيأتي بما هو تبع له... الخ. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۴۷۲-۴۷۳، كتاب الصلاة، الكلام في الاستعاذة، قبل: فصل بيان ما يستحب في الصلاة وما يكره، ط: زكريا-ديوبند☆ فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۸۷-۸۸، باب افتتاح الصلاة، ط: زكريا-ديوبند)

[۴] (والمؤتم لا يقرأ مطلقا) ولا الفاتحة في السرية اتفاقا... (فإن قرأ كره تحريما) وتصح في الأصح.... (بل يستمع) إذا جهر (وينصت) إذا أسر، لقول أبي هريرة-رضي الله عنه- كنا نقرأ خلف الإمام فنزل- {وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا}. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۴۵، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۴۷۳، الكلام في الاستعاذة، قبل: فصل بيان ما يستحب في الصلاة وما يكره، ط: زكريا-ديوبند)

[۵] (و) يكتفي (بالتحميد المؤتم) وأفضله: اللهم ربنا ولك الحمد، ثم حذف الواو، ثم حذف اللهم فقط. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۴۵، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة)

[۶] والقعدة الأخيرة فرض في الفرض والتطوع حتى لو صلى ركعتين ولم يقعد في آخرهما وقام وذهب تفسد صلاته. كذا في الخلاصة وأما الخروج بصنع المصلي فليس بفرض هو الصحيح. هكذا في التبيين والعيني شرح الكنز وأكثر الكتب. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۱، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة)

تو اقتدا صحیح نہیں ہوگی۔ [۷]

(۷) امام سے پہلے کہنے سے گنہ گار رہوگا؛ لہٰذا امام کے بعد کہنا چاہیے۔ [۸]

(۸) فرض نماز پڑھ لی، تو پھر سنت کی قضا نہیں ہے، (صرف فجر کی سنت میں اختلاف ہے کہ اس کی قضا بعد میں کی جائے گی یا نہیں، اگر قضا کی گئی، تو سنت فجر شمار ہوگی یا مستقل نفل۔) [۹]

(۹) اس شخص کا کہنا صحیح ہے کہ جہاں جمعہ صحیح نہیں، وہاں عید کی نماز بھی صحیح نہیں ہے؛ لیکن اس کی بات نہ مان کر جمعہ قائم نہ کرنے کی صورت میں اس پنج وقتہ نماز کی جماعت ترک نہیں کرنی چاہیے، صورت مسئولہ میں جماعت ترک کرنے کا گناہ ہوگا۔ جن لوگوں کے اوپر جمعہ واجب نہیں، ان کے ذمہ ظہر باقی رہے گی؛ لہٰذا اس شخص کو سمجھایا جائے؛ کیوں کہ وہ جماعت ترک کرے گا، تو گنہ گار رہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۷] (ثم يسلم عن يمينه ويساره) حتى يرى بياض خده... وتنقطع به التحريمة بتسليمة واحدة، برهان وقد مر وفي التتارخانية ما شرع في الصلاة مثنى فللواحد حكم المثنى، فيحصل التحليل بسلام واحد كما يحصل بالمثنى وتتقيد الركعة بسجدة واحدة كما تتقيد بسجدتين (مع الإمام)... (كتحريمة) مع الإمام. وقالا: الأفضل فيهما بعده (قائلا السلام عليكم ورحمة الله) هو السنة. (الدر المختار: ۱/ ۵۲۴- ۵۲۶، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل)

(ولفظ السلام) مرتين فالثاني واجب على الأصح برهان، دون عليكم، وتنقضي قدوة بالأول قبل عليكم على المشهور عندنا وعليه الشافعية خلافا للتكملة. (الدر المختار)

(قوله دون عليكم) فليس بواجب عندنا ... (قوله وتنقضي قدوة بالأول) أي بالسلام الأول. قال في التجنيس: الإمام إذا فرغ من صلاته فلما قال السلام جاء رجل واقتدى به قبل أن يقول عليكم لا يصير داخلا في صلاته لأن هذا سلام، ألا ترى أنه لو أراد أن يسلم على أحد في صلاته ساهيا فقال السلام ثم علم فسكت تفسد صلاته. اهـ. رحمتي (قوله خلافا للتكملة) أي لشارح التكملة حيث صحح أن التحريمة إنما تنقطع بالسلام الثاني كما وجد قبله في بعض النسخ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۶۸، واجبات الصلاة، ط: دار الفكر- بيروت ★ الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۲، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة)

(۸) ... (كتحريمة) مع الإمام. وقالا: الأفضل فيهما بعده. (الدر المختار: ۱/ ۵۲۴- ۵۲۶، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل)

(۹) لا خلاف بين أصحابنا في سائر السنن سوى ركعتي الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لا تقضى سواء فاتت وحدها، أو مع الفريضة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۶۴۳، فصل السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا، ط: زكريا- ديوبند)

سنت فجر کی قضاء کے سلسلے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان: ''تنہا فجر کی سنت کی قضاء کرنا'' (نوافل و وتر کا بیان)

[۲۸] سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر ہاتھ ناک پیشانی رکھے اور اٹھتے وقت اس کے برعکس کرے

۶۴۹-سوال: سجدہ میں جاتے وقت پہلے داہنا گھٹنا، پھر بایاں پھر داہنا ہاتھ، پھر بایاں ہاتھ اور بہ حالت سجدہ دونوں پاؤں ملائے رکھنا اور اٹھنے کے وقت اس کے برعکس کرنا سنت ہے یا مستحب؟

الجواب حامداو مصلیا:

مذکور طریقہ سنت ہے، سجدہ میں جاتے وقت سب سے پہلے دونوں گھٹنے، پھر ناک پھر پیشانی کو زمین پر رکھے، یہ سنت ہے اور اٹھتے وقت سب سے پہلے پیشانی، ناک، ہاتھ پھر گھٹنوں کو اٹھانا سنت ہے، البتہ عذر کی وجہ سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، تو بھی جائز ہے۔ (شامی و عالم گیری)[1] دونوں پاؤں ملانا عورت کے لیے مسنون ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) (ثم يكبر) مع الخرور (ويسجد واضعا ركبتيه) أولا لقربهما من الأرض (ثم يديه) إلا لعذر (ثم وجهه) مقدما أنفه لما مر (بين كفيه) اعتبارا لآخر الركعة بأولها ضاما أصابع يديه لتتوجه للقبلة (ويعكس نهوضه...) [الدر المختار]

قال ابن عابدين: (قوله مع الخرور) بأن يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخرور وانتهاؤه عند انتهائه شرح المنية، ويخر للسجود قائما مستويا، لا منحنيا لئلا يزيد ركوعا آخر ... (قوله واضعا ركبتيه ثم يديه)... ويضع اليمنى منهما أولا ثم اليسرى كما في القهستاني، لكن الذي في الخزائن واضعا ركبتيه ثم يديه إلا أن يعسر عليه لأجل خف أو غيره فيبدأ باليدين ويقدم اليمنى. اهـ. ومثله في البدائع والتتارخانية والمعراج والبحر وغيرها، ومقتضاه أن تقديم اليمنى إنما هو عند العذر الداعي إلى وضع اليدين أولا، وإنه لاتيامن في وضع الركبتين، وهو الذي يظهر لعسر ذلك.... (قوله ويعكس نهوضه) أي يرفع في النهوض من السجدة وجهه أولا ثم يديه ثم ركبتيه وهل يرفع الأنف قبل الجبهة: أي على القول بأنه يضعه قبلها قال في الحلية: لم أقف على صريح فيه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۹۷-۴۹۸، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر)

(ثم إذا استوى قائما كبر وسجد). كذا في الهداية ويكبر في حالة الخرور... قالوا إذا أراد السجود يضع أولا ما كان أقرب إلى الأرض فيضع ركبتيه أولا ثم يديه ثم أنفه ثم جبهته.________ وإذا أراد الرفع يرفع أولا جبهته ثم أنفه ثم يديه ثم ركبتيه قالوا هذا إذا كان حافيا أما إذا كان متخففا فلا يمكنه وضع الركبتين أولا فيضع اليدين قبل الركبتين ويقدم اليمنى على اليسرى كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۵، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، ط: دار الفكر)

(۲) ولا تحني ركبتيها، وتنضم في ركوعها وسجودها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۰۴، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، مطلب في إطالة الركوع للجائي، ط: دار الفكر)

[۲۹] سجدے میں پہلے گھٹنے زمین پر رکھنا

۶۵۰-سوال: نماز کے دوران سجدے میں جاتے وقت سب سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے جائیں، کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟ اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا تھا؟ جو لوگ سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ، پھر گھٹنے رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حدیث میں اسی طرح مذکور ہے کہ اونٹ کی طرح بیٹھو، یعنی جس طرح اونٹ اپنے اگلے پیر زمین پر پہلے رکھتا ہے، پھر پچھلے پیر، اسی طرح نماز میں پہلے ہاتھ، پھر گھٹنے زمین پر رکھے جائیں۔ لہٰذا اگر سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے جائیں، تو اس میں کوئی حرج یا قباحت ہے؟ ایسا کرنا سنت کے خلاف ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

سجدے میں جاتے وقت سب سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے جائیں؛ کیوں کہ گھٹنے زمین کے زیادہ قریب ہیں۔ پھر ہاتھ پھر پیشانی دونوں ہاتھوں کے بیچ رکھنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اسی طرح تھا۔ چناں چہ حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا سجد یضع رکبتیه قبل یدیه، وإذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه. (ترمذي شریف)[۱]

اور کبیری میں ہے: ویضع رکبتیه أولاً، ثم یدیه، ثم وجهه بین کفیه علی الأرض. (ص: ۳۱۲)

مجمع الأنهر (۱/ ۹۸)[۲] پر لکھا ہے: (ویسجد) مجاز أي یمیل إلی السجدة (فیضع) علی الأرض (رکبتیه) ویقدم الیمنی علی الیسری والفاء لعطف المفصل علی المجمل (ثم یدیه) أي یضع یده الیمنی ثم الیسری (ثم) یضع. (وجهه بین کفیه ضاما أصابع یدیه).

لیکن اگر تکلیف ہو یا کمزوری وضعف ہو، تو مجبوری کے درجہ میں پہلے ہاتھ رکھنا جائز ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ص: ۱/ ۶۱، رقم الحدیث: ۲۶۸، أبواب الصلاة، باب ما جاء في وضع الرکبتین قبل الیدین في السجود، ط: البدر - دیوبند. قال أبو عیسی: والعمل علیه عند أکثر أهل العلم، یرون أن یضع الرجل رکبتیه قبل یدیه، وإذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه». (حوالہ سابق)

[۲] ۱/ ۹۸، کتاب الصلاة، فصل صفة الشروع في الصلاة، ط: دار إحیاء التراث العربي.

(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان سابق: ''سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر ہاتھ تاک پیشانی رکھے اور اٹھتے وقت اس کے برعکس کرے''۔

[۳۰] ڈیوٹی کے دوران نماز کس طرح ادا کرے؟

۶۵۱-سوال: میں ایک ریلوے اسٹیشن پر "اسٹیشن ماسٹر" کی حیثیت سے ملازمت کرتا ہوں، جب میری شام کی ڈیوٹی ہوتی ہے، تو عصر و مغرب قضا ہو جاتی ہے، دوسری نمازیں بھی باجماعت ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا، شام کے علاوہ دوسرے وقت کی ڈیوٹی میں بھی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ اب اگر میں ڈیوٹی کے درمیان ۱۵-۲۰ رمنٹ نکال کر گھر نماز کے لیے جاتا ہوں، تو نماز پڑھتے ہوئے میرا دھیان اسٹیشن کی طرف چلا جاتا ہے، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ نماز شروع کی اور دربان بلانے آگیا کہ چلو! گاڑی آرہی ہے، سگنل دینا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسی طرح بار بار وقت نکال کر گھر جانا، دیانت داری کے خلاف ہے، اگر میں آفس میں نماز پڑھتا ہوں، تو کبھی فون کی رنگ بجتی ہے، اور ذہن اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ کر خشوع خضوع ختم ہو جاتا ہے۔ نیز مجھے یہ وہم بھی ہوتا ہے کہ میں لوگوں کو دکھلانے کے لیے نماز پڑھتا ہوں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ آفس کے کام کو چھوڑ کو دوسرے کام میں مشغول ہونا، دیانت داری کے خلاف ہے؛ اس لیے کہ نوکری کے وقت میں آفس میں حاضری ضروری ہے؛ لہٰذا آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ وقت پر نماز پڑھنے کا کوئی طریقے مجھے بتلائیں؟

الجواب حامداومصليا:

آپ کو آفس میں وضوء اور مصلی وغیرہ کے ساتھ تیار رہنا چاہیے اور وقت ملتے ہی فوراً نماز فرض، واجب، سنت مؤکدہ ادا کر لینی چاہیے۔[1] ریاء کا جو خیال دل میں گذرتا ہے، وہ شیطان کا دھوکہ ہے، اس کو آپ نظر انداز کر دیں۔[2]

---

(۱) إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴-النساء: ۱۰۳)

عن أبي الدرداء، قال: أوصاني خليلي صلى الله عليه وسلم أن: لا تشرك بالله شيئا، وإن قطعت وحرقت، ولا تترك صلاة مكتوبة متعمدا، فمن تركها متعمدا، فقد برئت منه الذمة، ولا تشرب الخمر، فإنها مفتاح كل شر. (سنن ابن ماجه، ص: ۲۹۲، رقم الحديث: ۴۰۳۴، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، ط: البدر-ديوبند)

(۲) عن مالك أنه بلغه أن رجلا سأل القاسم بن محمد فقال: إني أهم في صلاتي. فيكثر ذلك علي. فقال القاسم بن محمد " امض في صلاتك. فإنه لن يذهب عنك، حتى تنصرف وأنت تقول: ما أتممت صلاتي ". (موطأ الإمام مالك: ۱/۱۰۰، رقم: ۳، كتاب السهو، باب العمل في السهو، ت: محمد فؤاد عبد الباقي، ط: دار إحياء التراث=

نماز کے لیے کچھ وقت نکالنے کو آپ خیانت سمجھتے ہیں، اس سلسلے کی وضاحت یہ ہے کہ نوکری کے وقت آپ قضاء حاجت کے لیے جاتے ہیں، وقت نکال کر یا وقت آگے پیچھے کر کے آپ کھاتے پیتے ہیں، اسی طرح اگر آپ آفس میں نماز پڑھیں گے، تو دس بارہ منٹ میں آپ فارغ ہو جائیں گے، البتہ اس کا خاص خیال رکھیں کہ آپ کی جو ذمہ داری ہے، اس میں خلل نہ ہو، وقت ذرا آگے پیچھے کرلیا کریں۔ (۳)

فرض، واجب یا سنت مؤکدہ پڑھنے کے دوران اگر فون بجتا ہو اور اس کا جواب دینا ضروری ہو تو آپ نماز ترک کر کے جواب بھی دے سکتے ہیں؛ لہٰذا نماز میں تاخیر کرنا یا قضاء کر دینا، نماز کی روح اور خشوع وخضوع کو ختم کرنا ہے۔ اس طرح کرنا جائز نہیں ہے۔ چیکنگ کرنے والا اگر سمجھدار ہوگا، تو وہ آپ کو آفس میں نماز پڑھتے دیکھ کر خوش ہوگا اور کوئی قانونی کارروائی بھی نہیں کرے گا۔ اور اگر آفسر آپ کو نماز کے لیے وقت دینے سے انکار کرتا ہے، تو پھر اس طرح کی نوکری کرنا جائز نہیں ہے۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات

=العربي-بيروت)

قال الملاعلي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): (فقال له: امض في صلاتك): سواء كانت الوسوسة خارج الصلاة، أو داخلها، ولا تلتفت إلى موانعها (فإنه لن يذهب ذلك عنك) . . . والمعنى لا يذهب عنك تلك الخطرات الشيطانية، (حتى تنصرف) أي: تفرغ من الصلاة (وأنت تقول): للشيطان صدقت (ما أتممت صلاتي): لكن ما أقبل قولك، ولا أتمها إرغاما لك، ونقضا لما أردته مني، وهذا أصل عظيم لدفع الوساوس، وقمع هواجس الشيطان في سائر الطاعات، والحاصل أن الخلاص من الشيطان إنما هو بعون الرحمن، والاعتصام بظواهر الشريعة، وعدم الالتفات إلى الخطرات، والوساوس الذميمة، ولاحول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۱/ ۱۴۷، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، ط: دار الفكر، بيروت-لبنان)

(۳) الضرورات تقدر بقدرها. (قواعد الفقه، ص: ۸۹، دار الكتاب-ديوبند)

(۴) عن علي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث جيشا، وأمر عليهم رجلا، فأوقد نارا، وقال: ادخلوها، فأرادوا أن يدخلوها، وقال الآخرون: إنما فررنا منها، فذكروا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال للذين أرادوا أن يدخلوها: لو دخلوها لم يزالوا فيها إلى يوم القيامة، وقال للآخرين قولا حسنا، وقال: لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف. (صحيح البخاري: ۲/ ۱۰۷۷، رقم الحديث: ۷۲۵۷، كتاب أخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق في الأذان والصلاة والصوم والفرائض والأحكام، ط: البدر- ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۲۵، رقم الحديث: ۳۹- (۱۸۴۰)، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في المعصية، ط: البدر-ديوبند، واللفظ لمسلم)

[۳۱] امام کا فرض نماز پڑھاتے وقت عمامہ باندھنا

۶۵۲-سوال: اگر امام صاحب صرف فرض نماز پڑھانے کے لیے عمامہ باندھتے ہیں، تو اسکا کیا حکم ہے؟ کیا اُس میں امام کی نیت کا کچھ دخل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام عمامہ کو ضروری سمجھے، یا لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے باندھے، تو بدعت شمار ہوگا، اگر اِس نیت سے عمامہ باندھا جائے کہ اللہ کے حضور کھڑا ہو رہا ہوں؛ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے عمامہ باندھ کر کھڑا ہوتا ہوں، تو یہ جائز ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] مصلیٰ کو کیسے بند کیا جائے؟

۶۵۳-سوال: میری اہلیہ کچھ پڑھی لکھی ہے، اُن کا کہنا ہے کہ مصلیٰ سیدھا بند کرنا سنت ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اِس باب میں شرعی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جناب نبیٔ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ وہ بغیر مصلیٰ ہی کے نماز پڑھتے تھے۔[۲] اور یہی افضل ہے۔[۳] البتہ حضورِ اکرم ﷺ سے مصلیٰ کا استعمال ثابت ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ

(۱) والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۹، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۱/ ۲۶۸، كتاب الصلاة، شروط الصلاة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۲) عن جابر بن عبد الله قال: كنت أصلي الظهر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فآخذ قبضة من الحصى لتبرد في كفي أضعها لجبهتي أسجد عليها لشدة الحر. (سنن أبي داود: ۱/ ۵۸، رقم الحديث: ۳۹۹، كتاب الصلاة، باب في وقت صلاة الظهر، ط: البدر - ديوبند)

(۳) وكان ابن مسعود لا يصلي على شيء إلا على الأرض. وروي عن أبي بكر الصديق، أنه رأى قوما يصلون على بسط، فقال لهم: أفضوا إلى الأرض. وفي إسناده نظر. وروي عن ابن عمر، أنه كان يصلي على الخمرة ويسجد على الأرض. ونحوه عن علي بن الحسين. وقال النخعي في السجود على الحصير: الأرض أحب إلي. وعنه، أنه قال: لا بأس أن يصلي الحصير، لكن لا يسجد عليه. (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن رجب، الحنبلي (م: ۷۹۵ھ): ۳/ ۱۹، باب الصلاة على الحصير، ط: مكتبة الغرباء الأثرية - المدينة النبوية. =

عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ مسجد میں تھے، وہیں سے فرمایا کہ میرا مصلّی (جو گھر میں تھا) دے دو، میں نے کہا کہ میں حائضہ ہوں، (مصلّی دینے کے لیے مسجد میں ہاتھ کیسے بڑھاؤں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے حیض کا اثر تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (یعنی آپ ﷺ اُس وقت اعتکاف میں تھے؛ اس لیے ہاتھ حجرہ سے مسجد میں دراز کرنا پڑتا تھا؛ اس لیے فرمایا کہ اُس میں کوئی حرج نہیں) (مسلم شریف: ۱/ ۱۴۳)[1]

حدیث پاک میں مصلّی کے لیے لفظ "خمرہ" استعمال ہوا ہے، جو چٹائی یا گھاس کا ہوتا ہے۔[2]

= الصلاة على الأرض أفضل ثم على ما أنبتته ذكره المرغيناني وغيره لأن الصلاة سرها التواضع والخشوع وذلك في مباشرة الأرض أظهر وأتم إلا لضرورة حر أو برد أو نحوهما ويلحق بها ما أنبتته لهذا المعنى ذكره ابن أمير حاج. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ هـ): ۲۶۸، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(عن أبي سعيد الخدري قال: دخلت على النبي - صلى الله عليه وسلم -): وفي نسخة على رسول الله (- صلى الله عليه وسلم - فرأيته يصلي على حصير): في الفائق فيه دليل على جواز الصلاة على شيء يحول بينه وبين الأرض، سواء نبت من الأرض أم لا، قلت: لا دلالة فيه على العموم، وقال القاضي عياض: الصلاة على الأرض أفضل إلا لحاجة، كحر أو برد أو نجاسة. وفي شرح المنية: الصلاة على الأرض وما أنبتته الأرض كالحصير أفضل؛ لأنه أقرب إلى التواضع. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲/ ۶۳۸، رقم الحديث: ۷۶۸، كتاب الصلاة، باب الستر، الفصل الثالث، ط: دار الفكر - بيروت)

[1] عن عائشة قالت: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: ناوليني الخمرة من المسجد، قالت فقلت: إني حائض، فقال: إن حيضتك ليست في يدك. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۴۳، رقم الحديث: ۱۱- (۲۹۸)، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها...... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۲) قوله: (على الخمرة)، بضم الخاء المعجمة وسكون الميم: سجادة صغيرة تعمل من سعف النخل وترمل بالخيوط. قيل: سميت خمرة لأنها تستر وجه المصلي عن الأرض. ومنه سمي الخمار الذي يستر الرأس. وقال ابن بطال: الخمرة مصلى صغير ينسج من السعف، فإن كان كبيرا قدر طول الرجل أو أكثر فإنه يقال له حينئذ: حصير، ولا يقال له خمرة، وجمعها: خمر. وفي حديث ابن عباس: (جاءت فأرة فأخذت تجر الفتيلة فجاءت بها فألقتها بين يدي رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، على الخمرة التي كان قاعدا عليها، فأحرقت منها مثل موضع درهم). وهذا ظاهر في إطلاق الخمرة على الكبيرة من نوعها. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (المتوفى: ۸۵۵هـ): ۴/ ۱۰۸، باب الصلاة على الحصير، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ 'شرح النووي'- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۳/ ۲۰۹، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهارة سؤرها... الخ، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

البتہ دوسری روایات سے کپڑے کا مصلی بھی ثابت ہے۔[۱]

بہر حال مصلی بند کرنا سنت ہے یا نہیں؟ اور کس طرح بند کرنا سنت ہے؟ تو یہ سب مباحث دائرۂ سنت سے خارج ہیں، ہاں، اُسے بند کرنے میں کون سی صورت بہتر رہے گی؟ تو اس کا جواب مصلی کی بناوٹ اور نماز کی جگہ پر موقوف ہے، لہٰذا مصلی اگر ایسی چیز کا بنا ہوا ہو، جسے سیدھا ہی بند کیا جائے، نیچے کی طرف سے بند کرنے میں نقصان ہونے کا اندیشہ ہو تو سیدھا بند کرنا چاہیے، اور اگر کسی موٹی چیز کا بنا ہوا ہے، جیسے چٹائی وغیرہ ہو، تو اُسے کھلا ہی چھوڑ دینا بہتر ہوگا، کیوں کہ بند کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہے، اور اگر کپڑے وغیرہ کا ہے، تو نیچے سے بند کرنا چاہیے، تاکہ سیدھی جانب میل کچیل سے بچ جائے۔

جس جگہ مصلی بچھایا گیا ہے، وہ اگر گندی یا پانی وغیرہ سے نم ہے اور نیچے سے اوپر کی طرف بند کرنے میں نیچے کا کوڑا کرکٹ مصلی سے لگ جانے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں اوپر سے نیچے کی طرف بند کیا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] دوران نماز دو پیروں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا

۶۵۴-سوال: تعلیم الاسلام جلد ۳ر میں پڑھا ہے کہ نماز میں دو پیر کے درمیان چار انگلیوں جتنا فاصلہ رہنا چاہیے۔ نیز (اسی طرح) بہت سے حضرات بھی یہی کہتے ہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا نمازوں میں دو پیروں کے درمیان اس سے زیادہ فاصلہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

نماز میں مناسب یہ ہے کہ دو پیروں کے درمیان چار انگل جتنا فاصلہ ہو؛ کیوں کہ اس طرح کرنا خشوع اور عاجزی میں اضافہ کرتا ہے؛ لہٰذا چار انگل جتنا فاصلہ رہنا چاہیے۔ وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع، هكذا روي عن أبي نصر الدبوسي إنه كان يفعله كذا في الكبرى. (شامی: ۱ر ۴۴۴)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة على الحصير (۱ر ۵۵، رقم الحديث: ۳۸۰) باب الصلاة على الخمرة (۱ر ۵۵، رقم الحديث: ۳۸۱) باب الصلاة على الفراش (۱ر ۵۵-۵۶، رقم الحديث: ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴) باب السجود على الثوب في شدة الحر (۱ر ۵۶، رقم الحديث: ۳۸۵)

[۲] باب صفة الصلاة، فرائض الصلاة، مطلب قد يطلق الفرض على ما يقابل الركن وعلى ما ليس بركن ولا شرط، ط: دار الفكر -بيروت.

[۳۴] اگر نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے؟

۶۵۵-سوال: میں امام کے ساتھ فرض نماز با جماعت پڑھ رہا تھا، دوران نماز کسی بنا پر میرا وضو ٹوٹ گیا۔ میں نے کسی کے ساتھ بات چیت کیے بغیر سیدھے جا کر وضو کیا اور پھر جماعت میں شامل ہو گیا، تو مجھے چھوٹی ہوئی رکعتیں پھر سے ادا کرنی پڑیں گی، یا امام کے ساتھ سلام پھیر دینی چاہیے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر نماز میں حدث پیش آ جائے، تو بہتر یہ ہے کہ از سرِ نو نماز ادا کر لی جائے۔ لیکن اگر کوئی پڑھی ہوئی نماز کے بعد ہی اپنی نماز جاری رکھنا چاہے، تو اسے اصطلاح میں ''بنا'' کہتے ہیں۔[1]

اس کے لیے فقہاء نے دو طریقے لکھے ہیں: پہلا طریقہ یہ ہے کہ جو رکعات امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ گئی ہوں، اس کو پہلے بغیر قراءت کے ادا کر لے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی رہ گئی رکعات بغیر قراءت کے ادا کر لے۔ مجمع الانہر (۱/۱۱۴) میں لکھا ہے: وفي شرح الطحاوي يشتغل أولا بقضاء ما سبقه الإمام بغير قراءة لأنه لاحق ثم يقضي آخر صلاته ولو تابع الإمام أولا جاز ويقضي ما فاته لأن ترتيب أفعال الصلاة ليس بشرط عندنا.[2]

ان دونوں طریقوں میں سے جس کے مطابق نماز ادا کی جائے، درست ہو جائے گی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أصابه قيء أو رعاف أو قلس أو مذي، فلينصرف، فليتوضأ ثم ليبن على صلاته، وهو في ذلك لا يتكلم. (سنن ابن ماجه: ۸۵، رقم الحديث: ۱۲۲۱، كتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها، باب ما جاء في البناء على الصلاة، ط: البدر - ديوبند)

من سبقه حدث توضأ وبنى. كذا في الكنز. والرجل والمرأة في حق حكم البناء سواء. كذا في المحيط... والاستئناف أفضل. كذا في المتون وهذا في حق الكل عند بعض المشايخ، وقيل هذا في حق المنفرد قطعا وأما الإمام والمأموم إن كانا يجدان جماعة فالاستئناف أفضل أيضا وإن كانا لا يجدان فالبناء أفضل صيانة لفضيلة الجماعة وصحح هذا في الفتاوى كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۳، كتاب الصلاة، الباب السادس في الحدث في الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۵، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، ط: دار إحياء التراث العربي.

[۳۵] امام کا سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد ذرا توقف کرنا

۶۵۶-سوال: ایک امام صاحب ہیں، وہ جب رکوع سے اٹھتے ہیں، تو سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد ذرا سا توقف کرتے ہیں، جس کی وجہ سے مقیم مقتدی کے علاوہ، نئے مقتدی امام سے آگے ہو جاتے ہیں، تو کیا امام صاحب کا توقف کرنا صحیح ہے؟ جواب جلد از جلد مرحمت فرمائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ امام داعی بھی ہیں اور دعوت وتبلیغ کی فکر ان کی رگ و پے میں رچی بسی ہے، اور وہ امامت چھوڑ دینے کا ارادہ کر رہے ہیں؛ لیکن مقتدی کسی بھی حالت میں ان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مقتدی ان سے خوش ہیں، نیز ہماری بستی کے ذمہ دار اور کاٹھیاواڑ کے ذمہ دار کا مشورہ بھی یہی ہے کہ وہ امامت جاری رکھیں؛ کیوں کہ ان کی امامت سے دین کا بہت فائدہ ہوتا ہے، اور نئے نئے نوجوان دعوت کے کام سے جڑتے ہیں اور امام صاحب بھی امامت کے ترک کردینے پر مکمل مطمئن نہیں ہیں، لہٰذا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

جب امام متقی اور پرہیزگار ہیں، دین کا کام بہ حسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، اور لوگ ان سے خوش ہیں، تو ایسے امام کو امامت سے نہ تو برطرف کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کو امامت سے دست بردار ہونے دینا چاہیے۔ اگر ان کی کوئی ضرورت ہو، تو اہل مسجد کو اسے پوری کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

امام صاحب کے سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد توقف کا سبب کیا ہے؟ لکنت ہے، تو مجبوری ہے۔ اور اگر زبان میں لکنت نہیں ہے، تو امام صاحب کو اپنی غلطی کی اصلاح کر لینی چاہیے۔[1] مقتدیوں کے امام سے پہلے

---

[1] ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہنے کے بعد اگر امام صاحب اس مقصد سے ایک رکن کے بہ قدر توقف کرتے ہیں کہ تعدیل ارکان کا تحقق ہو جائے، تو یہ عین مطلوب ہے، اس صورت میں اگر مقتدی عُجلت کے ساتھ سجدہ میں چلے جاتے ہوں، تو قابل اصلاح مقتدی ہیں، انہیں امام صاحب کی تکبیر سن کر سجدہ میں جانا چاہیے۔ ایک سوال کے جواب میں فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ رقم طراز ہیں:

جب رکوع سے سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں، کہ تمام اعضاء معتدل ہو جائیں، تو قومہ ادا ہو جاتا ہے، اس سے فساد نماز کا حکم نہ ہوگا، کچھ قدر قلیل وقفہ کر لیا کریں۔ جس میں مقتدی ''ربنا ولك الحمد'' پڑھ لیں، تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۷، باب صفۃ الصلاۃ، الفصل الثالث فی واجبات الصلاۃ، تعدیل ارکان کی مقدار، سوال نمبر: ۲۳۴۷، ط: دار المعارف- دیوبند)

(وتعديل الأركان) أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع والسجود، وكذا في الرفع منهما على ما=

رکوع یا سجدے میں چلے جانے پر رسول اللہ ﷺ نے وعید بیان فرمائی ہے کہ ان کا سر گدھے کا سر بن جائے گا۔ (بخاری)[1] لہٰذا مقتدیوں کو چاہیے کہ کسی بھی رکن میں امام سے آگے بڑھنے سے اجتناب کریں۔

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=اختاره الكمال. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله وتعديل الأركان) هو سنة عندهما في تخريج الجرجاني، وفي تخريج الكرخي، واجب حتى تجب سجدتا السهو بتركه كذا في الهداية وجزم بالثاني في الكنز والوقاية والملتقى، وهو مقتضى الأدلة كما يأتي قال في البحر: وبهذا يضعف قول الجرجاني (قوله وكذا في الرفع منهما) أي يجب التعديل أيضا في القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين، وتضمن كلامه وجوب نفس القومة والجلسة أيضا لأنه يلزم من وجوب التعديل فيهما وجوبهما. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۶۴، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قد يشار إلى المثنى باسم الإشارة الموضوع للمفرد، ط: دار الفكر-بيروت)

[1] عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أما يخشى أحدكم -أو: لا يخشى أحدكم- إذا رفع رأسه قبل الإمام، أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار". (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۶۹۱، كتاب الأذان، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام☆ الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۴۲۷، كتاب الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أو سجود ونحوهما)

عن أبي مسعود الأنصاري، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله. فإن كانوا في القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة. فإن كانوا في السنة سواء، فأقدمهم هجرة. فإن كانوا في الهجرة سواء، فأقدمهم سلما. ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه. (مسلم شریف: ۱/۲۳۶، رقم الحدیث: ۶۷۳)

باب الإمامة

[امامت کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الإمامة

[امامت کا بیان]

[۱] ایسے شخص کو امام بنانا، جسے نماز کے فرائض کا علم نہ ہو

۶۵۷-سوال: ہمارے امام صاحب کو یہ نہیں پتہ کہ نماز کی شرائط کیا ہیں اور اس کے فرائض کتنے ہیں؟ تو اُسے امام بنانے والے ذمہ دار حضرات گنہ گار رہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص جسے مسائل نماز کا علم نہ ہو، اُس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، دوسرے علماء کی موجودگی میں ایسے شخص کو امام بنانے والا گنہ گار ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۵۵۹)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (والأحق بالإمامة) تقديما بل نصبا مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات. (الدر المختار) ــــــــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله تقديما) أي على من حضر معه. (قوله بل نصبا) أي للإمام الراتب. (قوله بأحكام الصلاة فقط) أي وإن كان غير متبحر في بقية العلوم، وهو أولى من المتبحر، كذا في زاد الفقير عن شرح الإرشاد. (قوله بشرط اجتنابه إلخ) كذا في الدراية عن المجتبى. وعبارة الكافي وغيره: الأعلم بالسنة أولى، إلا أن يطعن عليه في دينه؛ لأن الناس لا يرغبون في الاقتداء به. (قوله قدر فرض) أخذه تبعا للبحر من قول الكافي قدر ما تجوز به الصلاة، بناء على أن تجوز بمعنى تصح لا بمعنى تحل.

(قوله وقيل واجب) ذكره في البحر بحثا لكن يمكن أخذه من كلام الكافي؛ لأن الجواز يطلق بمعنى الحل؛ بل قال الشيخ إسماعيل: ينبغي حمل الجواز المذكور على ما يشمل عدم الكراهة، وحينئذ فيرجع إلى القول الثالث. (قوله وقيل سنة) قائله الزيلعي، وهو ظاهر المبسوط كما في النهر؛ ومشى عليه في الفتح. قال: وهو الأظهر لأن هذا التقديم على سبيل الأولوية؛ فالأنسب له مراعاة السنة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت) =

[۲] نماز میں اس شخص کی اقتدا کرنا، جس کی قراءت صحیح نہ ہو

۶۵۸-سوال: ایک صاحب ہیں، جو بہت امانت دار اور بزرگ ہیں، انہوں نے قرآن شریف صرف ناظرہ تک اور کچھ اردو، عربی پڑھ رکھی ہے؛ لیکن مکمل عالم نہیں ہیں، اور باقاعدہ قراءت بھی انہوں نے نہیں سیکھی ہے، جس کی وجہ سے قرآن شریف پڑھتے وقت حروف ان سے صحیح ادا نہیں ہوتے ہیں، تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کوئی کراہت تو نہیں پیدا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ امام قرأت میں ایسی غلطیاں کرے، جس سے معانی ہی بدل جائیں، حالاں کہ مقتدی میں کوئی دوسرا آدمی صحیح قراءت کرنے والا موجود ہو، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، لیکن وہ ایسی غلطی کرتا ہے کہ معنیٰ میں تغیر پیدا نہیں ہوتا، تو ان کی اقتداء مکروہ ہے؛ کہ بہتر اور صحیح پڑھنے والا موجود ہے۔[1] تاہم جماعت

=لو قدموا فاسقا يأثمون بناءاً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلّبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۵۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

(۱) إذا أم أمي أميا و قارئا فصلاة الجميع فاسدة عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - و قالا: صلاة القارئ وحده، و أما إذا صلوا وحدانا فقيل: إنه على الخلاف و قيل: يصح و هو الصحيح. هكذا في شرح مجمع البحرين للمصنف. . . .

و لا يصح اقتداء القارئ بالأمي و بالأخرس و كذا لا يصح اقتداء الأمي بالأخرس و الكاسي بالعاري و المسبوق في قضاء ما سبق بمثله. كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۵-۸۶، الباب الخامس في الإمامة و فيه سبعة فصول، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر)

(ومنها اللحن في الإعراب) إذا لحن في الإعراب لحنا لا يغير المعنى بأن قرأ لا ترفعوا أصواتكم برفع التاء لا تفسد صلاته بالإجماع و إن غير المعنى تغييرا فاحشا بأن قرأ وعصى آدم ربه بنصب الميم و رفع الرب و ما أشبه ذلك مما لو تعمد به يكفر. إذا قرأ خطأ فسدت صلاته في قول المتقدمين و اختلف المتأخرون: قال محمد بن مقاتل و أبو نصر محمد بن سلام و أبو بكر بن سعيد البلخي و الفقيه أبو جعفر الهندواني و أبو بكر محمد بن الفضل و الشيخ الإمام الزاهد و شمس الأئمة الحلواني لا تفسد صلاته. و ما قاله المتقدمون أحوط؛ لأنه لو تعمد يكون كفرا و ما يكون كفرا لا يكون من القرآن و ما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب و إعراب. كذا في فتاوى قاضي خان و هو الأشبه. كذا في المحيط و به يفتى. كذا في العتابية و هكذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۱، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا - ديوبند)

و منها الوقف و الوصل و الابتداء في غير موضعها . . . و منها ترك التشديد و المد في موضعهما . . . و منها ترك=

سے نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا؛ بل کہ اگر ایسے امام کو معزول کرنے پر قدرت نہ ہو، تو پھر کراہت بھی نہیں آئے گی، کیوں کہ مقتدی اس سلسلہ میں معذور شمار ہوں گے۔ (۲)

ہاں اگر اسی جیسے دیگر مقتدی بھی ہوں، کوئی صحیح قراءت کرنے والا موجود نہ ہو، تو نماز بلا کراہت درست ہوگی۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] دائمی امام کی غیر حاضری میں عارضی امام نیت کس طرح کرے؟

۶۵۹-سوال: پنج وقتہ نماز کا دائمی امام اگر کسی وجہ سے حاضر نہ ہو اور نماز کا وقت ہو جائے اور اس نے کسی کو نماز پڑھانے کی خبر بھجوائی ہو، تو اب اس کے لیے نماز پڑھانے کا طریقہ کیا ہوگا؟ وہ نیت کس طرح کرے گا؟ نیت کے الفاظ کیا ہوں گے؟ بیان فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

نماز پڑھانے کا اصل حق ''امام راتب'' کا ہے، اگر وہ کسی کو نماز پڑھانے کو کہتا ہے، تو اس کی اجازت ہے۔ اس مقرر کردہ امام کے لیے نماز کی کوئی خاص نیت لازم نہیں ہے؛ بل کہ وہ صرف اس بات کی نیت

=الإدغام والإتيان به... ومنها الإمالة في غير موضعها. (المصدر السابق)

الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا-ديوبند☆ بدائع الصنائع-علاء الدين الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط:: دار الكتب العلمية☆ تحفة الفقهاء-أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰ھ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۳) وإمامة الأمي قوما أميين جائزة. كذا في السراجية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۵، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر-بيروت)

کرے کہ وہ کون سی نماز پڑھا رہا ہے؛ البتہ اگر اس کی اقتداء میں عورتیں بھی ہوں، تو یہ نیت کرے گا کہ میں مردوں اور عورتوں کو نماز پڑھاتا ہوں، اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کی، تو عورتوں کا اقتدا کرنا درست نہیں ہوگا۔[1]

نیت دل سے پختہ عہد کرنے کو کہتے ہیں، زبان سے بولنا ضروری نہیں، البتہ متاخرین حضرات نے عوام کی غفلت کے پیش نظر زبان سے نیت کے کلمات ادا کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، نیز اس لیے بھی، تاکہ زبان کی دل سے موافقت ہوجائے۔ نیت کے الفاظ یہ ہیں، مثلاً: ''اللہ تعالیٰ کے لیے میں ظہر کی چار رکعت پڑھتا ہوں'' بس یہ کہہ کر تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ باندھ لے۔[2] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (ولا تدخل في صلاته بلا نيته إياها) أي لا تدخل المرأة في صلاة الرجل إلا أن ينويها الإمام. ــــــ وقال زفر: تدخل بغير نية كالرجل، ولنا أنه يلحقه من جهتها ضرر على سبيل الاحتمال بأن تقف في جنبه فتفسد صلاته فكان له أن يحترز عن ذلك بترك السنة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ داماد أفندي (م:۱۰۷۸ھ):۱/۱۱۱، كتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة، أولى الناس بالإمامة، ط:دار إحياء التراث العربي☆الاختيار لتعليل المختار-عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م:۶۸۳ھ):۱/۵۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

ویسے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ مطلقاً عورتوں کی صحت اقتدا کے لیے امام کی نیت ضروری ہے یا اس صورت میں نیت ضروری ہے، جب کہ وہ کسی مرد کے محاذات میں کھڑی ہوجائے، صاحب بدائع کی تصریح ملاحظہ فرمائیں:

ويجوز اقتداء المرأة بالرجل إذا نوى الرجل إمامتها، وعند زفر نية الإمامة ليست بشرط على ما مر، وروى الحسن عن أبي حنيفة أنها إذا وقفت خلف الإمام جاز اقتداؤها به وإن لم ينو إمامتها، ثم إذا وقفت إلى جنبه فسدت صلاتها خاصة لا صلاة الرجل، وإن كان نوى إمامتها فسدت صلاة الرجل وهذا قول أبي حنيفة الأول. (بدائع الصنائع: ۱/۱۴۰، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(وإن أم نساء، فإن اقتدت به) المرأة (محاذية لرجل في غير صلاة جنازة، فلابد) لصحة صلاتها (من نية إمامتها) لئلا يلزم الفساد بالمحاذاة بلا التزام (وإن لم تقتد محاذية اختلف فيه) فقيل يشترط وقيل لا كجنازة إجماعا، وكجمعة وعيد على الأصح خلاصة وأشباه، وعليه إن لم تحاذ أحدا تمت صلاتها وإلا لا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۴۲۵، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة، ط: دار الفكر - بيروت☆مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الاشباه و النظائر - ابن نجيم المصري: ۱/۷۷-۷۸، رقم المسئلة: ۱۵، ت: محمد يوسف التاؤلوي، ط: مكتبة فقيه الأمة - ديوبند)

(۲) والنية هي الإرادة، والشرط أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي، أما الذكر باللسان فلا معتبر به ويحسن ذلك لاجتماع عزيمته، ثم إن كانت الصلاة نفلا يكفيه مطلق النية، وكذا إن كانت سنة في الصحيح، وإن كانت فرضا فلا=

[۴] سوال سے توبہ کرنے والے فقیر کا نماز میں امام بننا

۶۶۰-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

میں ایک فقیر کا لڑکا ہوں، میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جڑ گیا ہوں، اور میں نے لوگوں سے بھیک مانگنا (پیشۂ گداگری) بند کر دیا ہے، اس بات کو بیس سال ہو گئے ہیں۔ میں میت کو غسل بھی دیتا ہوں، جس وقت میں سوال کرتا تھا، اس وقت تو لوگ میرے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھتے تھے؛ لیکن اب میرے گاؤں کے ایک مولانا نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جو شخص میت کو غسل دیتا ہے، اس کے پیچھے فرض نماز نہیں ہوتی ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں، فی الحال میں نے سوال کرنا چھوڑ دیا ہے، تو کیا میں نماز پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

اللہ تعالیٰ رزق کا مالک ہے؛ اس لیے روزی اللہ ہی سے مانگنی چاہیے، لوگوں سے مانگنا چھوڑ کر آپ نے بہت اچھا کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر استقامت نصیب فرمائیں۔[1]

=بد من تعيين الفرض، كالظهر مثلا، لاختلاف الفروض ". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳ھ):۱/۹۶، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها، ط:اشرفی-دیوبند)

(النية) بالإجماع (وهي الإرادة) المرجحة... الخ، (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) ... (والتلفظ عند الإرادة (بها مستحب) هو المختار... وفي المحيط يقول: اللهم إني أريد أن أصلي صلاة كذا فيسرها لي وتقبلها مني. (الدر المختار مع رد المحتار:۱/۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶، بحث النية، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) عن قبيصة بن مخارق الهلالي، قال: تحملت حمالة، فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أسأله فيها، فقال: أقم حتى تأتينا الصدقة، فنأمر لك بها، قال: ثم قال: " يا قبيصة إن المسألة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل، تحمل حمالة، فحلت له المسألة حتى يصيبها، ثم يمسك، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله، فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش - أو قال سدادا من عيش - ورجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوي الحجا من قومه: لقد أصابت فلانا فاقة، فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش - أو قال سدادا من عيش - فما سواهن من المسألة يا قبيصة سحتا يأكلها صاحبها سحتا ". (الصحيح لمسلم:۱/۳۳۴، رقم الحديث:۱۰۹- ۱۰۴۴، باب من تحل له المسألة، ط: البدر-ديوبند)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سأل الناس أموالهم تكثرا، فإنما يسأل جمرا فليستقل أو ليستكثر. (حوالہ سابق:۱/۳۳۳، حدیث نمبر:۱۰۵-۱۰۴۱، باب كراهة المسألة للناس)

جس شخص نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ: میت کو غسل دینے والے کے پیچھے فرض نماز صحیح نہیں ہے، وہ ناواقف ہے، ان کو صحیح مسئلہ معلوم نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اگر گاؤں میں بہت سارے لوگ ہوں، تو میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے اور اگر ایک ہی شخص ہو، تو اس کے لیے میت کو غسل دینا فرض عین ہے۔[۲] اور فرض کفایہ اور فرض عین کو ادا کرنے سے ثواب ملتا ہے، گناہ نہیں ہوتا، کہ جس کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہ ہو، البتہ فرض کفایہ کے وقت غسل کرانے کے پیسے لینا جائز ہے اور فرض عین کے وقت غسل کرانے کے پیسے لینا جائز نہیں۔[۳] میت کو غسل دینا بڑے ثواب کا کام ہے۔ حضرت ابو شفیع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص میت کو غسل دے اور اس کے عیب کو چھپائے، تو اللہ تعالیٰ اس کے چالیس بڑے گناہ معاف فرمادیں گے۔ (طبرانی کبیر)[۴]

دوسری رایت میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ چالیس مرتبہ اس کو معاف فرمائیں گے۔ (حاکم)[۵]

---

(۲) اعلم بأن غسل الميت واجب، وهو من حق المسلم على المسلم قال - عليه الصلاة والسلام -: للمسلم على المسلم ستة حقوق، وفي جملته أن يغسله بعد موته ولكن إذا قام به بعض المسلمين سقط عن الباقين لحصول المقصود. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل، شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲/ ۵۸، كتاب الصلاة، باب غسل الميت، ط: دار المعرفة - بيروت☆بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۰، كتاب الصلاة، فصل بيان كيفية وجوب غسل الميت، ط: دار الكتب العلمية☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/ ۶۸، كتاب الصلاة، أحكام الغسل، ط: دار الكتاب الإسلامي☆رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۷، كتاب الصلاة، سنن الغسل، ط: دار الفكر)

(۳) ينبغي أن يكون المغسل طاهرا ويكره أن يكون جنبا أو حائضا والأفضل أن يكون غسل الميت مجانا، وإن ابتغى الغاسل أجرا، فإن كان هناك غيره يجوز أخذ الأجرة وإلا لا. (حاشية الشرنبلالي مع درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۱/ ۱۶۱، باب الجنائز، مايفعل بالمحتضر، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۴) عن علي بن رباح، قال: سمعت أبا رافع، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا فكتم عليه غفر له أربعين كبيرة، ومن حفر لأخيه قبرا حتى يجنه فكأنما أسكنه مسكنا مرة حتى يبعث. (المعجم الكبير - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۱/ ۳۱۵، رقم الحديث: ۹۲۹، باب الألف، علي بن رباح اللخمي، عن أبي رافع، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة)

(۵) عن أبي رافع، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا فكتم عليه غفر له أربعين مرة، ومن كفن ميتا كساه الله من السندس، وإستبرق الجنة، ومن حفر لميت قبرا فأجنه فيه أجري له من الأجر كأجر مسكن أسكنه إلى يوم القيامة. (المستدرك على الصحيحين - أبو عبد الله الحاكم النيسابوري (م: ۴۰۵ھ): ۱/ ۵۰۵، رقم الحديث: ۱۳۰۷، كتاب الجنائز، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میت کو غسل دے، وہ گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا، گویا کہ وہ آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ (طبرانی اوسط)[۶]

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص میت کو غسل دے اور اس کے عیب کو چھپائے، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ (طبرانی کبیر)[۷]

اسی طرح اس قسم کی دوسری روایات حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ (ترغیب ترہیب: ۶/ ۳۴-۳۵)[۸]

مذکورہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ میت کو غسل دینا ثواب کا کام ہے، کیوں کہ غسل دینے والے کو موت کی یاد آئے گی، دل نرم ہوگا، توبہ اور استغفار کی توفیق ہوگی؛ اس لیے جو میت کو غسل دے، وہ نماز میں امام بن سکتا ہے، جب کہ وضو، غسل اور نماز کے مسائل جانتا ہو اور قرآن کی سورتیں (حفظ) یاد ہوں، تو فرض، نفل اور عیدین کی نماز میں اس کو امام بنانا جائز ہے۔ جس شخص نے مذکور مسئلہ بیان کیا ہے، وہ بالکل غلط ہے اس پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا۔[۹] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۶) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا فأدى فيه الأمانة، يعني: ستر ما يكون عند ذلك، كان من ذنوبه كيوم ولدته أمه. (المعجم الأوسط: ۴/ ۴۸، رقم الحديث: ۳۵۷۵، باب الدال، من اسمه داؤد، ط: دار الحرمين، القاهرة)

(۷) عن أبي أمامة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا، فكتم عليه طهره الله من ذنوبه. (المعجم الكبير: ۸/ ۲۸۱، رقم الحديث: ۸۰۷۸، باب الصاد، أبو غالب صاحب المحجن، واسمه حزور، ط: مكتبة ابن تيمية القاهرة)

(۸) الترغيب والترهيب- قوام السنة (م: ۵۳۵هـ): ۳/ ۱۵۵- ۱۵۶، رقم الحديث: ۲۲۸۰- ۲۲۸۲، باب في الترغيب في غسل الجنابة وغسل الحيض وغسل الميت، ت: أيمن بن صالح بن شعبان، ط: دار الحديث - القاهرة۔ ـــ نوٹ: اس باب میں احقر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت نہیں مل سکی۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۹) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق، هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين، ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا- ديوبند ☆بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: : دار الكتب العلمية☆تحفة الفقهاء- أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰هـ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۵] شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھنا

۶۶۱-سوال: ہمارے یہاں مسجد میں حنفی امام ہے، گزشتہ کل ان کی عدم موجودگی میں مؤذن-جوکہ شافعی ہے- نے نماز پڑھائی اور پیچھے سب مقتدی حنفی تھے، توان حنفیوں کی شافعی امام کے پیچھے نماز بلا کراہت صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر شافعی امام، مذہب حنفی کی رعایت کرتا ہو، اس طور پر کہ وہ ان چیزوں سے بچتا ہو، جو حنفی مسلک کے مطابق مفسدات صلاۃ میں سے ہیں، مثلاً: احناف کے یہاں منہ بھر کرقے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، تو وہ اس کا خیال رکھتا ہو، کہ ایسا ہونے پر وہ وضو کر لیتا ہو، تو حنفیوں کی نماز اس کے پیچھے بلا کراہت ہو جائے گی، اس میں شک کی ضرورت نہیں۔[1] بمبئی جامع مسجد کے امام صاحب شافعی المسلک ہیں، اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے امام صاحبان بھی حنبلی و مالکی ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] وتر کی نماز میں حنفی شخص کا شافعی کی اقتدا کرنا

۶۶۲-سوال: ہم یہاں دبئی میں رمضان شریف میں شافعی امام کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں، تراویح کے بعد جب وتر کا وقت ہوتا ہے، تو حنفی حضرات انفراداً یا مسجد کے صحن میں باجماعت وتر ادا کرتے ہیں

---

(۱) وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع، إنما اختلف في الكراهة. اهـ فقيد بالمفسد دون غيره كما ترى. وفي رسالة [الاهتداء في الاقتداء] لمنلا علي القاري: ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف وإلا فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۳، كتاب الصلاة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟)

والاقتداء بشافعي المذهب إنما يصح إذا كان الإمام يتحامى مواضع الخلاف بأن يتوضأ من الخارج النجس من غير السبيلين كالفصد وأن لا ينحرف عن القبلة انحرافا فاحشا. هكذا في النهاية والكفاية في باب الوتر. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۴، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا، ديوبند)

مزید تفصیل ملاحظہ کریں: البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۲/ ۵۰، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ منحة الخالق مع البحر الرائق: ۲/ ۵۰، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب الإسلامي.

،شافعی امام کے پیچھے وتر نہیں پڑھتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ کیا حنفی حضرات کا شافعی امام کے پیچھے وتر کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے؟ امید ہے کہ مفصل ومدلل جواب عطا فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعت ایک سلام سے پڑھنا واجب ہے۔(۱) اور امام شافعیؒ کے نزدیک وتر کو دو سلام سے پڑھنا سنت ہے، اور شوافع میں بعض وتر ایک سلام سے بھی پڑھنے کے قائل ہیں۔(۲)

---

(۱) أما الأول فعند أبي حنيفة فيه ثلاث روايات، روى حماد بن زيد عنه أنه فرض، وروى يوسف بن خالد السمتي أنه واجب، وروى نوح بن أبي مريم المروزي في الجامع عنه أنه سنة وبه أخذ أبو يوسف ومحمد والشافعي - رحمهم الله - وقالوا: إنه سنة مؤكدة آكد من سائر السنن المؤقتة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۰، كتاب الصلاة، فصل في أنواع الصلاة الواجبة ومنها صلاة الوتر، ط: دار الكتب العلمية)

(هو فرض عملا وواجب اعتقادا وسنة ثبوتا) بهذا وفقوا بين الروايات. (الدر المختار) ــــ قال ابن عابدين: (قوله بين الروايات) أي الثلاث المروية عن أبي حنيفة، فإنه روي عنه أنه فرض وأنه واجب وأنه سنة، والتوفيق أولى من التفريق، فرجع الكل إلى الوجوب الذي مشى عليه في الكنز وغيره. قال في البحر: وهو آخر أقوال الإمام، وهو الصحيح محيط والأصح خانية، وهو الظاهر من مذهبه مبسوط. اهـ. ثم قال: وأما عندهما فسنة عملا واعتقادا ودليلا، لكنها آكد سائر السنن المؤقتة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر-بيروت)

والكلام فيه في فصول: (أحدها) أن الوتر ثلاث ركعات لا يسلم إلا في آخرهن عندنا. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱/ ۱۶۴، كتاب الصلاة، أحكام الوتر، الفصل الأول عدد ركعات الوتر، ط: دار المعرفة-بيروت)

"الوتر واجب عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا سنة"... قال: "الوتر ثلاث ركعات لا يفصل بينهن بسلام". (الهداية في شرح بداية المبتدي-المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۶۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

(۲) الوتر سنة. ويحصل بركعة، وبثلاث، وبخمس، وبسبع، وبتسع، وبإحدى عشرة، فهذا أكثره على الأصح. وعلى الثاني: أكثره ثلاث عشرة. ولا يجوز الزيادة على أكثره على الأصح. فإن زاد، لم يصح وتره. وإذا زاد على ركعة، فأوتر بثلاث فأكثر موصولة، فالصحيح: أن له أن يتشهد تشهدا واحدا في الأخيرة، وله تشهد آخر في التي قبلها. وفي وجه: لا يجزئ الاقتصار على تشهد واحد. وفي وجه: لا يجوز لمن أوتر بثلاث، أن يتشهد تشهدين بتسليمة. فإن فعل، بطلت صلاته، بل يقتصر على تشهد أو يسلم في التشهدين. وهذان الوجهان منكران، والصواب جواز ذلك كله. (روضة الطالبين وعمدة المفتين-أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۱/ ۳۲۸، كتاب الصلاة، فصل قبل: فصل في النوافل التي يسن فيها الجماعة، ت: زهير الشاويش، ط:=

اسی بنا پر در مختار میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شافعی المسلک امام، وتر کو ایک سلام سے پڑھاتا ہے، تو حنفی کا اس کی اقتدا کرنا درست ہے، ورنہ (یعنی دو سلام سے پڑھاتا ہو) تو حنفی شخص کی نماز درست نہ ہوگی: (وصح الاقتداء فيه) ففي غيره أولى إن لم يتحقق منه ما يفسدها في الأصح . . . (بشافعي) مثلا (لم يفصله بسلام) لا إن فصله (على الأصح). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۴۴، مکتبہ زکریا دیوبند)[۱]

لہٰذا آپ کے امام صاحب اگر ایک سلام سے وتر پڑھاتے ہوں، تو الگ جماعت کرنے یا انفراداً وتر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، ان ہی کی اتباع میں وتر پڑھ لینی چاہیے، اور اگر دو سلام سے پڑھاتے ہوں، تو علاحدہ پڑھ لیا کریں۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] امرد کی امامت کا حکم

۶۶۳-سوال: اگر لڑکے کی عمر ۱۶-۱۷ سال کی ہوگئی ہو؛ لیکن اس کی ڈاڑھی اور مونچھ نہ نکلی ہو، یعنی امرد ہو، تو کیا اس کی امامت جائز نہیں ہے؟ اگر وہ تراویح پڑھائے، تو تراویح درست ہوگی یا نہیں ؟ یا امرد کے پیچھے نماز درست نہیں ہے؟ مفصل جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صلوات مفروضہ (فرض نمازیں) اور تراویح وغیرہ میں امامت کے لیے امام کا بالغ ہونا شرط ہے۔[۳] اس لیے اگر لڑکے کی عمر جب ۱۶-۱۷ سال کی ہے، تو اس کے پیچھے نماز درست ہے، جب کہ امامت

= المكتب الإسلامي- بيروت ☆الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي وهو شرح مختصر المزني- أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (م:۴۵۰ھ): ۲/ ۲۹۳، باب صلاة التطوع وقيام رمضان، مسألة: القول في عدد الركعات، ت: الشيخ علي محمد معوض - الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۷-۸، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر.

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: البحر الرائق: ۲/ ۶۸، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنفل، ط: دار الکتاب-دیوبند)

(۳) ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي "... . وأما الصبي فلأنه متنفل فلا يجوز اقتداء المفترض به، وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ رحمهم الله ولم يجوزه مشايخنا رحمهم الله... والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر، المرغيناني، برهان الدين (م:۵۹۳ھ): ۱/ ۵۷، باب الإمامة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

کی دیگر شرائط اس میں موجود ہوں۔ [۱] البتہ امامت میں اس ترتیب کی رعایت کرنی چاہیے، جو حدیث پاک سے ثابت ہے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] ایسے آدمی کے پیچھے فرض نماز پڑھنا جن کی داڑھی نہیں نکلی ہے

۶۶۴-سوال: ایک شخص عاقل وبالغ، مسائل کا جاننے والا اور قرآن مجید کو صحیح پڑھنے والا ہے؛ لیکن اس کی داڑھی نہیں نکلی ہے، تو کیا ایسے شخص کے پیچھے فرض نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر عمر کے لحاظ سے بالغ ہے، اور ابھی ڈاڑھی نہیں نکلی ہے، تو اس کی امامت صحیح ہے، اسی طرح جس شخص کی قدرتی طور پر ڈاڑھی نہیں ہے، اس کی بھی امامت صحیح ہے، امامت کے جواز کے لیے ڈاڑھی کا نکلنا شرط نہیں ہے، بل کہ شرط یہ ہے کہ امام بالغ ہو، نابالغ کی امامت درست نہیں ہے۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) سوال: لڑکا اگرچہ بالغ ہوگیا، مگر امرد ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے، مگر غیر امرد اس سے مقدم ہے، خاص کر جب کہ وہ امرد صبیح وملیح ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶/ ۳۱۴-۳۱۵، باب الامامۃ)

(وكذا تكره خلف أمرد) الظاهر أنها تنزيهية أيضا... والظاهر أن المراد به الصبيح الوجه، لأنه محل الفتنة... وفي حاشية المدني عن الفتاوى العفيفية: سئل العلامة الشيخ عبد الرحمن بن عيسى المرشدي عن شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره، فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية، وخصوصا وقد نبت له شعرات في ذقنه تؤذن بأنه ليس من مستديري اللحى، فهل حكمه في الإمامة كالرجال الكاملين أم لا أجاب: سئل العلامة الشيخ أحمد بن يونس المعروف بابن الشلبي من متأخري علماء الحنفية عن هذه المسألة. ـــــ فأجاب بالجواز من غير كراهة، وناهيك به قدوة، والله أعلم. وكذلك عنها المفتي محمد تاج الدين القلعي فأجاب كذلك. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمرد، ط: دار الفكر)

(۲) عن أبي مسعود الأنصاري، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا في السنة سواء، فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء، فأقدمهم سلما، ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه. قال الأشج في روايته: مكان سلما سنا. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۳۶، رقم الحديث: ۲۹۰-(۶۷۳)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة، ط: البدر - ديوبند☆سنن أبي داود ۱/ ۸۶، رقم الحديث: ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، باب من أحق بالإمامة ☆سنن الترمذي: ۱/ ۵۵، رقم الحديث: ۲۳۵، باب من أحق بالإمامة، ط: البدر - ديوبند)

(۳) وفي حاشية المدني عن الفتاوى العفيفية: سئل العلامة الشيخ عبد الرحمن بن عيسى المرشدي عن شخص =

[۹] پندرہ سالہ بچے کی امامت

۶۶۵-سوال: ایک بچے کی عمر اسلامی تاریخ کے اعتبار سے ۲۶ رشعبان المعظم کو پندرہ سال ہوجائے گی، تو کیا یہ بچہ اس کے بعد ماہِ رمضان میں تراویح اور دیگر فرض نمازیں پڑھا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے عند الاحناف امام کا بالغ ہونا ضروری ہے، اگر علاماتِ بلوغ بچے میں معلوم نہ ہوں، تو پندرہ سال مکمل ہونے پر اس پر بلوغ بالسن کا حکم لگایا جائے گا، لہٰذا حسبِ تحریر، امامت کی گنجائش ہے۔[1]

لیکن امامت چوں کہ ایک اہم ذمہ داری ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی ایسے شخص کو امام

=بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره، فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية، وخصوصا وقد نبت له شعرات في ذقنه تؤذن بأنه ليس من مستديري اللحى، فهل حكمه في الإمامة كالرجال الكاملين أم لا أجاب: سئل العلامة الشيخ أحمد بن يونس المعروف بابن الشلبي من متأخري علماء الحنفية عن هذه المسألة. فأجاب بالجواز من غير كراهة، وناهيك به قدوة، والله أعلم. وكذلك عنها المفتي محمد تاج الدين القلعي فأجاب كذلك. اهـ (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٥٦٢، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت ☆البحر الرائق: ١/ ٦٢٨، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب ديوبند)

(١) ربط صلاة المؤتم بالإمام بشروط عشرة: نية المؤتم الاقتداء، واتحاد مكانهما وصلاتهما... الخ. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله بشروط عشرة) هذه الشروط في الحقيقة شروط الاقتداء، وأما شروط الإمامة، فقد عدها في نور الإيضاح على حدة، فقال: وشروط الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام، والبلوغ، والعقل والذكورة، والقراءة، والسلامة من الأعذار كالرعاف، والفأفأة، والتمتمة، واللثغ، وفقد شرط كطهارة وستر عورة. اهـ. احترز بالرجال الأصحاء عن النساء الأصحاء فلا يشترط في إمامهن الذكورة؛ وعن الصبيان فلا يشترط في إمامهم البلوغ، وعن غير الأصحاء فلا يشترط في إمامهم الصحة، لكن يشترط أن يكون حال الإمام أقوى من حال المؤتم أو مساويا. (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٥٥٠، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) لقصر أعمار أهل زماننا. (الدر المختار مع رد المحتار: ٦/ ١٥٣، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ط: دار الفكر- بيروت)

بنانا بہتر ہے، جو عالم بالسنۃ ہو اور مسائل کا جاننے والا ہو؛ لہٰذا مذکورہ بچے کو سنن ونوافل وغیرہ میں امام بنایا جائے۔ اسی طرح تراویح کے لیے بھی کوئی عالم بالسنۃ امام مل جائے تو بہتر ہے، ورنہ مذکورہ بچہ بالغ بالسن ہونے کی وجہ سے پڑھائے، تو جائز ہے، شرعی اعتبار سے کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی ☆ عالمگیری)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] پندرہ سالہ بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

۶۶۶-سوال: ایک بچے کی عمر پندرہ سال ہو چکی ہے، لیکن اب تک علاماتِ بلوغ اُس میں ظاہر نہیں ہوئیں، تو کیا ایسا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پندرہ سال پورے ہو چکے ہوں؛ لیکن علاماتِ بلوغ ظاہر نہ ہوئی ہوں، تو بھی ایسے لڑکے کے لیے تراویح پڑھانا جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] تیرہ یا چودہ سالہ نابالغ بچے کی اِمامت

۶۶۷-سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ کسی لڑکے کی عمر تیرہ چودہ سال کے درمیان ہے، ابھی تک وہ بالغ نہیں ہوا ہے، کیا وہ لوگوں کی فرض نماز میں اِمامت کرا سکتا ہے؟ اگر وہ حافظ ہو تو نمازِ تراویح میں اِمام بن سکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

---

[۱] (والأحق بالإمامة) تقديما بل نصبا، مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا، بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة، (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات.... (ثم الأسن) أي الأقدم إسلاما، فيقدم شاب على شيخ أسلم، وقالوا: يقدم الأقدم ورعا. وفي النهر عن الزاد: وعليه يقاس سائر الخصال، فيقال: يقدم أقدمهم علما ونحوه، وحينئذ فقلما يحتاج للقرعة (ثم الأحسن خلقا) بالضم ألفة بالناس (ثم الأحسن وجها) أي أكثرهم تهجدا...الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الباب الخامس في الإمامة، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) قد تقدم تخريجه تحت عنوان: "پندرہ سالہ بچے کی امامت"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیرہ یا چودہ سالہ لڑکے پر اگر علاماتِ بلوغ ظاہر ہو گئے ہوں، مثلاً: بال ریش و مونچھ یا زیر ناف نکل آئے ہوں، تو وہ بالغ ہے، ورنہ نہیں۔[۱] اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی ہو اور احتلام بھی نہ ہوا ہو، تو وہ نابالغ ہے۔ ہاں، پندرہ سال پورے ہو جائیں تو بالغ شمار ہوگا، اگرچہ کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی ہو۔[۲]

نابالغ بچہ اگرچہ قریب البلوغ (مراہق) ہو، تب بھی اُس کے لیے تراویح میں بالغین کی امامت جائز نہیں ہے، یہی صحیح ہے۔ (عالم گیری)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) علامات بلوغ میں موئے ریش ولحیہ اور زیر ناف کا ذکر، غیر روایۃ الاصول یا امام ابو یوسف کی روایت پر مبنی ہے، تاہم متون وشروح کی روایات میں ان علامتوں کا ذکر نہیں ہے؛ بل کہ ان (موئے ریش ولحیہ اور زیر ناف) کے علامت بلوغ نہ ہونے کی تصریح منقول ہے:

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) [الدر المختار] ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: فإن لم يوجد فيهما) أي في الغلام والجارية شيء مما ذكر إلخ مفاده: أنه لا اعتبار لنبات العانة خلافا للشافعي، ورواية عن أبي يوسف، ولا اللحية، وأما نهود الثدي فذكر الحموي أنه لا يحكم به في ظاهر الرواية، وكذا ثقل الصوت كما في شرح النظم الهاملي أبو السعود وكذا شعر الساق والإبط والشارب. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۱۵۳، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ط: دار الفكر - بيروت)

قوله: (وقال أبو يوسف ومحمد: إذا تم للغلام، والجارية خمس عشرة سنة فقد بلغا) ولا معتبر بنبات العانة، وعن أبي يوسف: أنه اعتبر نباتها الخشن بلوغا، وهو الذي يحتاج في إزالته إلى حلق، وأما نهود الثدي فلا يحكم به بلوغا في ظاهر الرواية، وقال بعضهم يحكم به كذا في الخجندي، وأما شعر الإبط والشارب فقد قيل على الخلاف في شعر العانة وقيل لا عبرة به، وأما الزغب وهو الشعر الضعيف وثقل الصوت فلا اعتبار به. (الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/ ۲۴۵، كتاب الحجر، ط: المطبعة الخيرية ☆ حاشية الشلبي على تبيين الحقائق (شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيّ (م: ۱۰۲۱ ھ): ۵/ ۲۰۳، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العينى (م: ۸۵۵ھ): ۱۱/ ۱۰۹، كتاب الحجر، فصل في حد البلوغ، علامات بلوغ الغلام والجارية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ کیجیے عنوان: ''پندرہ سالہ بچے کی امامت'' کا حاشیہ نمبر: ۱۔

[۳] وإمامة الصبي المراهق لصبيان مثله يجوز. كذا في الخلاصة، وعلى قول أئمة بلخ يصح الاقتداء بالصبيان في التراويح والسنن المطلقة. كذا في فتاوى قاضي خان، المختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها. كذا في الهداية وهو الأصح. هكذا في المحيط وهو قول العامة وهو ظاهر الرواية. هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۵، =

[۱۲] لڑکا اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم عمر

۶۶۸-سوال: میرا بھائی ریاض الدین اس سال رمضان میں ہمارے گاؤں اون میں تراویح، فرض اور وتر کی نمازیں، امام صاحب کی اجازت وخوشی سے پڑھاتا ہے، اس کی تاریخ ولادت ۱۰/ ۳/ ۱۹۶۸ء ہے، انگریزی تاریخ کے لحاظ سے پہلی رمضان کو اس کی عمر ۱۷ سال ۲/ مہینہ ۱۰/ دن تھی، بعض لوگ اس کو نابالغ سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ مذکورہ شخص تراویح پڑھا سکتا ہے، فرض اور وتر کی نماز نہیں۔

سوال یہ ہے کہ ابن آدم بالغ کب ہوتا ہے؟ کیا اس وقت جب مونچھ کے بال آچکے ہوں؟ اور میرا بھائی ریاض الدین اس سال تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ برائے کرم بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

لڑکا کے بالغ ہونے کی کم سے کم عمر بارہ (۱۲) سال ہے، صحت اچھی ہو اور غذا اچھی ہو، تو بارہ (۱۲) سال میں بالغ ہوسکتا ہے؛ اس لیے اس بات کا شرعاً امکان ہے کہ ۲۵/ سال کی عمر میں آدمی دادا اور ساڑھے بارہ سال کی عمر میں باپ بن جائے؛ کیوں کہ حمل کی اقل مدت ۶/ مہینہ ہے۔

اسی طرح اس بات کا امکان ہے کہ نو (۹) سال میں لڑکی بالغ ہوجائے، ساڑھے نو سال میں ماں بن جائے اور انیس سال کی عمر میں نانی۔[1]

= كتاب الصلاة، باب في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر - بيروت)

(ولا يصح اقتداء رجل بامرأة) وخنثى (وصبي مطلقا) ولو في جنازة ونفل على الأصح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۷۶-۵۷۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۱/ ۶۲۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۱) (وأقله ستة أشهر لقوله تعالى {وحمله وفصاله ثلاثون شهرا} [الأحقاف: ۱۵] ثم قال {وفصاله في عامين} [لقمان: ۱۴] فبقي للحمل ستة أشهر) وهذا تأويل أخرجه ابن عباس، ذكره في المبسوط، فقال: روي أن رجلا تزوج امرأة فولدت ولدا لستة أشهر، فهم عثمان برجمها، فقال ابن عباس: أما إنها لو خاصمتكم بكتاب الله لخصمتكم، قال الله تعالى {وحمله وفصاله ثلاثون شهرا} [الأحقاف: ۱۵] وقال تعالى {وفصاله في عامين} [لقمان: ۱۴] فإذا ذهب للفصال عامان لم يبق للحمل إلا ستة أشهر، فدرأ عثمان الحد عنها، وأثبت النسب من الزوج. (العناية شرح الهداية-محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين، الرومي البابرتي (م: ۷۸۶هـ): ۴/ ۳۶۳، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، اكثر مدة الحمل، ط: دار الفكر ☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۴/ ۳۶۳، باب ثبوت النسب، ط: دار الفكر)

اگر لڑکے کو احتلام نہ ہوا ہو، تو وہ پندرہ سال کی عمر میں بالغ مانا جائے گا؛ آپ کی تحریر کے مطابق آپ کے بھائی کی عمر سترہ (۱۷) سال ہے، لہٰذا وہ بالغ ہے، فرض نماز کے لیے دیگر صلاحیت ہو، تو اس کی امامت جائز ہے، لوگوں کا اعتراض صحیح نہیں۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] عورت کا نماز میں امام بننا

۶۶۹-سوال: اگر کوئی عورت نماز میں امام ہو اور اس کے پیچھے اس کے گھر کی خواتین نماز ادا کرتی ہوں، تو ان کے ساتھ کوئی مرد جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ اس لیے اگر کوئی مرد موجود ہو اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوئی ضرورت ہو، تو مرد امامت کرے۔[۲] عورت کو امام نہ بنایا جائے، اگر کہیں عورت کی جماعت ہو رہی ہو، اور عورت ہی امامت کر رہی ہو، تو مرد کے لیے اس کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے۔[۳] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وأدنى مدة يصدق الغلام فيها على البلوغ اثنتا عشرة سنة، والجارية تسع سنين، وقيل غير ذلك، وهذا هو المختار. (الاختيار لتعليل المختار - ابن مودود الموصلي (م: ۶۸۳هـ): ۲/۹۵-۹۶، كتاب الحجر، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)
تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ کیجیے، عنوان: "پندرہ سالہ بچے کی امامت" کا حاشیہ نمبر: ۱۔

(۲) عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن أبيه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم «أقبل من نواحي المدينة يريد الصلاة، فوجد الناس قد صلوا، فمال إلى منزله، فجمع أهله، فصلى بهم». (المعجم الأوسط - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰هـ): ۵/۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۱، باب العين، من اسمه عبدان، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة)

" ويكره للنساء أن يصلين وحدهن الجماعة " لأنها لا تخلو عن ارتكاب محرم وهو قيام الإمام وسط الصف فيكره كالعراة " فإن فعلن قامت الإمام وسطهن " ... ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي ". (الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۳) لا يصح اقتداء الرجل بالمرأة. (خلاصة الفتاوی: ۱/۱۴۶، كتاب الصلاة، في صحة الاقتداء، ط: اشرفيه - ديوبند)

[۱۴] مرد کا صرف عورتوں کی امامت کرنا

۶۷۰-سوال: جماعت کی نماز میں صرف ایک مرد امام ہو اور کوئی مرد نہ ہو اور پیچھے عورتیں اقتدا کریں، تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیچھے محرم عورتیں: ماں، بہن وغیرہ ہوں، تو جائز ہے، تنہا غیر محرم عورتوں کی امامت کرنا مکروہ ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] دوسرے مقتدی کے آنے پر خود امام کا آگے بڑھ جانا

۶۷۱-سوال: امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی اس کی داہنی جانب تھا، جب دوسرا مقتدی آیا، تو وہ پیچھے نہیں ہٹا، جس کی وجہ سے امام صاحب خود آگے چلے گئے، تو اس طرح امام صاحب کے آگے چلے جانے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

(۲) مقتدی کا کہنا ہے کہ امام صاحب جب سجدہ کی جگہ سے آگے چلے جائیں، تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، تو امام نے پھر سے نماز پڑھائی، تو دونوں نمازوں میں سے کون سی نماز صحیح ہوئی؟

(۳) اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو، پھر دوسرے مقتدی کے آنے کا علم ہو، تو امام کو آگے جانا چاہیے یا نہیں؟ اگر آگے جانے کی اجازت ہے، تو اس کی کیا شرط ہے؟

(۴) اگر پہلی نماز صحیح ہوگئی ہے، تو بعد والی نماز کی وجہ سے کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) تکره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه) كأخته (أو زوجته أو أمته، أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر ... لا) يكره، بحر. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله ليس معهن رجل غيره) ظاهره أن الخلوة بالأجنبية لا تنتفي بوجود امرأة أجنبية أخرى وتنتفي بوجود رجل آخر تأمل (قوله كأخته) من كلام الشارح كما رأيته في عدة نسخ، وكذا بخطه في الخزائن كتبه بالأسود وأفاد أن المراد بالمحرم ما كان من الرحم، لما قالوا من كراهة الخلوة بالأخت رضاعا والصهرة الشابة تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶۶/۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دار الفكر -بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) بعد میں آنے والا مقتدی پہلے سے اقتدا کرنے والے کو آگے سے پیچھے کھینچ لے اور دونوں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کریں، یہ طریقہ سنت کے موافق ہے، البتہ مقتدی مسئلہ نہ جانتا ہو اور امام خود آگے بڑھ جائے، اور دونوں مقتدی پیچھے کھڑے رہیں، تو یہ صورت بھی جائز ہے، صف بندی مسنون طریقہ پر ہوگئی، لہٰذا امام کے آگے بڑھ جانے میں اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا، اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی؛ بل کہ سنت کے موافق ہوئی۔ (شامی: ۱/ ۵۳۱)[۱]

(۲) سجدہ کی جگہ تک جانا چاہیے تھا، البتہ اگر اس سے آگے بھی بڑھ گیا، تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۵۳۱)[۲]

(۳) بہتر یہ ہے کہ بعد میں آنے والا پیچھے کھڑا ہو، اور پہلا مقتدی پیچھے ہٹ جائے، یا آنے والا اس کو پیچھے کھینچ لے، ورنہ امام خود آگے بڑھ جائے۔ (شامی: ۱/ ۵۳۱)[۳]

[۱-۲-۳] عن جابر في الحديث الطويل ... ثم جئت حتى قمت عن يسار رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخذ بيدي فأدارني حتى أقامني عن يمينه، ثم جاء جبار بن صخر فتوضأ، ثم جاء فقام عن يسار رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدينا جميعا، فدفعنا حتى أقامنا خلفه، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يرمقني وأنا لا أشعر، ثم فطنت به، فقال هكذا، بيده - يعني شد وسطك - فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: يا جابر، قلت: لبيك، يا رسول الله قال: إذا كان واسعا فخالف بين طرفيه، وإذا كان ضيقا فاشدده على حقوك. (الصحيح لمسلم: ۲/ ۴۱۷، رقم الحديث: ۳۰۱۰، كتاب الزهد والرقائق، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر، ط: ديوبند ☆سنن أبي داود: ۱/ ۹۳، رقم الحديث: ۶۳۴، كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقا يتزر به، ط: ديوبند)

تتمه: إذا اقتدى بإمام، فجاء آخر يتقدم الإمام موضع سجوده، كذا في مختارات النوازل. ـــــــ وفي القهستاني عن الجلابي أن المقتدي يتأخر عن اليمين إلى خلف إذا جاء آخر. اهـ ــــ وفي الفتح: ولو اقتدى واحد بآخر فجاء ثالث، يجذب المقتدي بعد التكبير، ولو جذبه قبل التكبير لا يضره، وقيل يتقدم الإمام اهـ ومقتضاه أن الثالث يقتدي متأخرا، ومقتضى القول بتقدم الإمام أنه يقوم بجنب المقتدي الأول. والذي يظهر أنه ينبغي للمقتدي التأخر إذا جاء ثالث، فإن تأخر وإلا جذبه الثالث إن لم يخش إفساد صلاته، فإن اقتدى عن يسار الإمام يشير إليهما بالتأخر، وهو أولى من تقدمه؛ لأنه متبوع؛ ولأن الاصطفاف خلف الإمام من فعل المقتدين لا الإمام، فالأولى ثباته في مكانه وتأخر المقتدي، ويؤيده ما في الفتح عن صحيح مسلم: قال جابر: سرت مع النبي - صلى الله عليه وسلم - في غزوة فقام يصلي فجئت حتى قمت عن يساره فأخذ بيدي فأدارني عن يمينه، فجاء ابن صخر حتى قام عن يساره فأخذ بيديه جميعا فدفعنا حتى أقامنا خلفه. اهـ وهذا كله عند الإمكان وإلا تعين الممكن. (رد المحتار: ۱/ ۵۶۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) علم حاصل کرنے میں کوتاہی کا گناہ ہوگا، جو رکعتیں صحیح ہوگئیں، وہ فرض شمار ہوں گی۔ علماء کا اس سلسلہ میں مختلف وجوہات کی بناء پر اختلاف ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] مشق شدہ سورتیں ہی نماز میں پڑھنا

۶۷۲-سوال: بہت سے ائمہ چند سورتوں کی مشق کر لیتے ہیں اور اسی کو بار بار پڑھتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ بینواتوجروا

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے؛ لیکن دوسری سورتوں کو بھی پڑھنا چاہیے، البتہ اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا، ہاں اگر مشق والی سورتوں کو بار بار پڑھنے کی وجہ سے عوام یہ سمجھنے لگیں کہ ان ہی سورتوں کو پڑھنا ضروری ہے، یا خود امام ان سورتوں کو پڑھنا ضروری سمجھتا ہو، تو مکروہ ہے، اگر آسانی اور سہولت کے لیے پڑھتا ہو، تو جائز ہے، حرج نہیں۔ (شامی: ۱/ ۵۰۸)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] عمامہ کے بغیر نماز پڑھانا

۶۷۳-سوال: کیا ائمہ حضرات کے لیے عمامہ باندھنا ضروری ہے؟ اور عمامہ (پگڑی) کے بغیر نماز پڑھانا مکروہ ہے؟ بینواتوجروا۔

---

[۱] (ولا يتعين شيء من القرآن لصلاة على طريق الفرضية) بل تعين الفاتحة على وجه الوجوب (ويكره التعيين) [الدر المختار] ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويكره التعين إلخ) ... لأن الشارع إذا لم يعين عليه شيئا تيسيرا عليه كره له أن يعين، وعلله في الهداية بقوله: لما فيه من هجر الباقي وإيهام التفضيل ... وفي فتح القدير: لأن مقتضى الدليل عدم المداومة، لا المداومة على العدم ... وأيضا فإن إيهام هجر الباقي يزول بقراءته في صلاة أخرى. وأيضا ذكر في وتر البحر عن النهاية أنه لا ينبغي أن يقرأ سورة متعينة على الدوام لئلا يظن بعض الناس أنه واجب اهـ فهذا يؤيد ما في الفتح أيضا ـــــــ هذا، وقيد الطحاوي والإسبيجابي الكراهة بما إذا رأى ذلك حتما لا يجوز غيره، أما لو قرأه للتيسير عليه أو تبركا بقراءته -عليه الصلاة والسلام- فلا كراهة لكن بشرط أن يقرأ غيرها أحيانا لئلا يظن الجاهل أن غيرها لا يجوز. (رد المحتار: ۱/ ۵۴۴، كتاب الصلاة، قبيل باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت) ـــــ مزید تفصیل دیکھیے: فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ'ابن الهمام' (م: ۸۶۱هـ): ۱/ ۳۳۷، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر.

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔[1] مسجد جاتے وقت زینت لازم پکڑو۔ یعنی اچھی حالت میں اچھے کپڑے پہن کر، ستر چھپا کر پاک صاف ستھرے ہونے کی حالت میں مسجد میں جاؤ، اور ممکن ہو تو خوشبو بھی لگاؤ۔

اسی لیے رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: لہسن پیاز کھا کر ہماری مسجد میں کوئی نہ آئے۔ (بخاری شریف)[2] بیڑی اور سگریٹ کا بھی یہی حکم ہے، پس بیڑی سگریٹ پی کر منہ کی بدبو، دور کیے بغیر مسجد جانا مکروہ تحریمی ہے، اسی کے حکم میں تیلی، قصائی اور ایسا مزدور بھی ہے، جن کے کپڑوں سے بو آتی ہو، یعنی ان کو اسی حالت میں مسجد میں آنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ ان کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہوگی۔

اسی بنا پر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ ’’ثیاب بذلہ‘‘ یعنی معمولی کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور ’’ثیاب بذلہ‘‘ وہ ہے، جن کو پہن کر بزرگوں یا دوستوں کی محفل میں جاتے ہوئے شرم محسوس ہو۔[3]

---

(۱) ۷-الاعراف: ۳۱۔

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في غزوة خيبر: من أكل من هذه الشجرة - يعني الثوم - فلا يقربن مسجدنا. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۱۸، رقم الحديث: ۸۵۳، كتاب الأذان، باب ما جاء في الثوم النيء والبصل والكراث، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۰۹، رقم الحديث: ۶۸-۵۶۱، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب نهي من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها، ط: البدر - ديوبند)

(۳) "و" "تكره "الصلاة في ثياب بذلة" بكسر الباء وسكون الذال المعجمة ثوب لا يصان عن الدنس ممتهن وقيل ما لا يذهب به إلى الكبراء ورأى عمر رضي الله عنه رجلا فعل ذلك فقال: أرأيت لو كنت أرسلتك إلى بعض الناس أكنت تمر في ثيابك هذه؟ فقال: لا. فقال عمر رضي الله عنه: الله أحق أن تتزين له. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ص: ۱۳۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل في المكروهات، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

قال الطحطاوي: قوله: "وتكره الصلاة في ثياب البذلة" الظاهر أن الكراهة للتنزيه كما في البحر وفي القهستاني إن الكراهة للفعل في هذه الأشياء أي إيقاع الصلاة فيها إلا الصلاة وفي الجلابي أنها تكره بسبب هذه الأفعال اهـ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ): ۳۵۹، فصل في المكروهات، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۴۱-۶۴۰، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر - ديوبند.

ان تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص عمامہ باندھے بغیر دوستوں کی محفل میں نہ جاتا ہو، یا شیروانی پہنے بغیر نہ نکلتا ہو، تو اس کا بغیر شیروانی پہنے یا عمامہ باندھے مسجد جانا مکروہ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص صرف ٹوپی پہنتا ہو، اور عمامہ اسی حالت میں دوستوں کی محفل میں آتا جاتا ہو، تو صرف ٹوپی پہن کر مسجد جانا اس کے لیے بلا کراہت جائز ہوگا، عمامہ باندھنا لازم نہیں ہوگا، اور اس حالت میں اس کی پڑھائی ہوئی نماز بلا کراہت جائز ہوگی۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] امام صاحب یا مدرس کا بیل بوٹے والا لباس پہننا

۶۷۴-سوال: (۱) امام صاحب نماز پڑھاتے وقت بیل بوٹے والی پینٹ پہن کر نماز پڑھاتے ہیں، تو ان کے پیچھے نماز صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) مکتب کے استاذ - جو عالم صاحب اور حافظ صاحب ہیں - کا بیل بوٹے والا لباس پہننا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱-۲) نیک لوگ جو لباس پہنتے ہوں، ایسا لباس پہننا مستحب ہے، بیل بوٹے والا لباس جائز ہے، حرام نہیں ہے، نماز صحیح ہو جائے گی۔ [۱] لیکن قوم کے رہبروں کو ایسا لباس نہیں پہننا چاہیے، اس سے اجتناب

---

(۱) والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة. أما لو صلى في ثوب واحد متوشحا به تجوز صلاته من غير كراهة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۹، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: زكريا - ديوبند ☆ المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۱/ ۳۷۷، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الاختيار لتعليل المختار - ابن مودود الموصلي (م: ۶۸۳ھ): ۱/ ۴۵، كتاب الصلاة، باب ما يفعل قبل الصلاة، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ البحر الرائق: ۱/ ۲۸۳، باب شروط الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة، ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، وكذا ما اشتهر أن المؤتم لو كان معتما بعمامة والإمام مكتفيا على القلنسوة يكره. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/ ۱۶۹، كتاب الصلاة، سعيديه - پاكستان)

(۲) فإن الإسلام... لم يقرر للإنسان نوعا خاصا أو هيئة خاصة من اللباس ولا اسلوبا خاصا للمعيشة، وإنما وضع مجموعة من المبادي والقواعد الأساسية يجب المسلم أن يحتفظ بها في أمر لباسه... الخ. (تكمله فتح الملهم - محمد تقي العثماني): ۴/ ۸۷، كتاب اللباس والزينة، ط: مكتبه دار العلوم كراتشي) =

کرنا چاہیے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] حنفی امام کا شافعی مذہب کے موافق نماز پڑھانا

۶۷۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے متعلق کہ: کوئی حنفی امام، شافعی مسلک کے موافق نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حنفی مسلک کے مقلد کے لیے لازم اور ضروری ہے کہ وہ ہر معاملہ میں مذہب احناف کی اقتدا کرے، اس کا نام تقلید شخصی ہے، جو بہ اتفاق علماء واجب ہے، اس کے برعکس بعض امور میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر، بعض میں امام مالکؒ کے مسلک پر اور بعض میں امام ابوحنیفہ کے مسلک پر عمل کرنا، جسے "تلفیق" کہا جاتا ہے، ناجائز ہے، کیوں کہ جب کسی ایک امام کی اقتدا کرلی، تو اب دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کرنا درحقیقت دین کو اپنی خواہش کے تابع بنانا ہے۔[۱]

=فأما هيئة اللباس فتختلف باختلاف عادة كل بلد. (فتح الباري: ۱۰/ ۳۳۲، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، ط: دار المعرفة-بيروت)

(۲) (وعنه): أي عن ابن عمر (قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - (من تشبه بقوم): أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار. (فهو منهم): أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-علي بن (سلطان) محمد، الملا، القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۷/ ۲۷۸۳، رقم الحديث: ۴۳۴۷، كتاب اللباس، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱] (الثالثة) هل يجوز للعامي أن يتخير ويقلد أي مذهب شاء، قال الشيخ: ينظر إن كان منتسبا إلى مذهب بيناه على وجهين حكاهما القاضي حسين في أن العامي هل له مذهب أم لا؟ أحدهما لا مذهب له، لأن المذهب لعارف الأدلة، فعلى هذا له أن يستفتي من شاء من حنفي وشافعي وغيرهما.

والثاني وهو الأصح عند القفال: له مذهب فلا يجوز له مخالفته، وقد ذكرنا في المفتي المنتسب ما يجوز له أن يخالف إمامه فيه، وإن لم يكن منتسبا، بني على وجهين حكاهما ابن برهان في أن العامي هل يلزمه ان يتمذهب بمذهب معين؟ يأخذ برخصه وعزائمه؟ أحدهما لا يلزمه، كما لم يلزمه في العصر الأول أن يخص بتقليده عالما بعينه، فعلى هذا هل له أن يستفتي من شاء أم يجب عليه البحث عن أشد المذاهب وأصحها أصلا ليقلد أهله. فيه وجهان مذكوران، ... والثاني يلزمه وبه قطع أبو الحسن إلكيا، وهو جار في كل من لم يبلغ رتبة الاجتهاد من الفقهاء وأصحاب سائر العلوم: ووجهه أنه لو جاز اتباع أي مذهب شاء لأفضى إلى أن يلتقط رخص المذاهب متبعا هواه=

ہاں کسی مسئلہ میں ضرورت کے وقت مذہب کے مقتدا اور مجتہدین علماء کرام اپنے مسلک کے علاوہ کسی اور مسلک پر عمل کرنے کا فتویٰ دیں، تو اس کی اجازت ہے، اس کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت اقدس تھانویؒ کی کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ''۔ (۲)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی حنفی امام کے لیے اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ امام شافعی کے مسلک کے مطابق نماز پڑھائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] قراءت میں غلطی امام کے لیے موجب ملامت نہیں

۶۷۶-سوال: مؤرخہ ۲-۵-۱۹۸۳ء بروز پیر، نماز مغرب میں ہمارے یہاں امام صاحب نے سورۂ البینۃ (لم یکن) شروع کی، پہلی رکعت میں پانچ آیات پڑھ کر رکوع میں چلے گئے، اب دوسری رکعت میں چھٹی آیت سے شروع کرنا لازم تھا؛ لیکن امام صاحب نے چھٹی آیت کو ترک کر کے ساتویں آیت سے دوسری رکعت کو شروع کر کے نماز مکمل کی۔

=ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز وذلك يؤدي إلى انحلال ربقة التكليف، بخلاف العصر الأول فإنه لم تكن المذاهب الوافية بأحكام الحوادث مهذبة وعرفت: فعلى هذا يلزمه أن يجتهد في اختيار مذهب يقلده على التعيين. (المجموع شرح المهذب -أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:٦٧٦هـ):١/ ٥٤- ٥٥، مقدمة، فصل في آداب المستفتي وصفته وأحكامه، ط: دار الفكر☆فتاوى ابن الصلاح- عثمان بن عبد الرحمن، أبو عمرو، تقي الدين المعروف بـ'ابن الصلاح' (م: ٦٤٣هـ):١/ ٨٧، فرعان، ت: د. موفق عبد الله عبد القادر، ط: مكتبة العلوم والحكم، عالم الكتب -بيروت☆فتح المعين بشرح قرة العين بمهمات الدين (هو شرح للمؤلف (زين الدين أحمد بن عبد العزيز المعبري المليباري الهندي-[م:٩٨٧هـ] على كتابه هو المسمى قرة العين بمهمات الدين):١/ ٦١٤، باب القضاء، ط: دار بن حزم)

وأن الحكم الملفق باطل بالإجماع. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله: وأن الحكم الملفق) المراد بالحكم الحكم الوضعي كالصحة. — مثاله: متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلى فإن صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفيق باطل، فصحته منتفية. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار:١/ ٧٥، مقدمة، قبيل مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه، ط: دار الفكر -بيروت)

تلفیق بین المذاہب اور تقلید شخصی کے تفصیلی مباحث ودلائل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: اسی کتاب کی جلد اول، ص: ۴۸۴-۵۰۰۔

(۲) دیکھیے: ص: ۲۴-۲۶، ضرورت شدیدہ میں دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ دینا، دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ دینے کی بعض شرائط، ط: مکتبہ رضی-دیوبند۔

سوال یہ ہے کہ اس میں امام صاحب سے جو غلطی ہوئی، اس سے کلام پاک کی توہین ہوئی یا نہیں؟ اور جو شخص اتنی چھوٹی سورت میں غلطی کرسکتا ہے، اس کا کیا اعتبار؟ اور کیا ایسا شخص امامت کا مستحق ہے یا نہیں؟ حوالہ کے ساتھ جواب دیں گے، شکریہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں نماز ہوجائے گی؛ کیوں کہ نماز میں سورۂ فاتحہ اور کم از کم تین آیات کا پڑھنا واجب ہے اور امام صاحب نے تین آیات پڑھ لی ہے۔[1]

صورت مسئولہ میں کلام پاک کی توہین کچھ نہیں ہوئی؛ کیوں کہ امام صاحب سے ایک آیت بھول سے ترک ہوگئی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "رفع عن أمتي الخطاء والنسیان" میری امت سے خطاء اور غلطی کا گناہ اٹھالیا گیا ہے۔[2]

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت میں غلطی واقع ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے بعض لوگ طہارت اچھی طرح حاصل نہیں کرتے ہیں، اس کا اثر مجھ پر ہوتا ہے" (حدیث)[3]

---

[۱] (وفرض القراءة آیة علی المذهب)... أقلها ستة أحرف ولو تقدیرا، کـ "لم یلد"، إلا إذا کان کلمة، فالأصح عدم الصحة، وإن کررها مرارا إلا إذا حکم حاکم فیجوز ذکره القهستاني. ولو قرآیة طویلة في الرکعتین فالأصح الصحة اتفاقا؛ لأنه یزید علی ثلاث آیات قصار قاله الحلبي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۳۷، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفکر - بیروت ☆ الفتاوی الهندیة: ۱/ ۷۱، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زکریا - دیوبند)

(۲) وقال النبي - صلی الله علیه وسلم - رفع عن أمتي الخطأ والنسیان. قال في الفتح: ولم یوجد بهذا اللفظ في شيء من کتب الحدیث؛ بل الموجود فیها "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسیان وما استکرهوا علیه. رواه ابن ماجه وابن حبان والحاکم، وقال: صحیح علی شرطهما ح. (قوله علی رفع الإثم) وهو الحکم الأخروي، فلا یراد الدنیوي وهو الفساد لئلا یلزم تعمیم المقتضی. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۶۱۵، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، ط: دار الفکر - بیروت)

(۳) عن شبیب أبي روح، عن رجل من أصحاب النبي صلی الله علیه وسلم، عن النبي صلی الله علیه وسلم أنه صلی صلاة الصبح، فقرأ الروم فالتبس علیه، فلما صلی قال: ما بال أقوام یصلون معنا لا یحسنون الطهور، فإنما یلبس علینا القرآن أولئك. (المجتبی من السنن = السنن الصغری للنسائي - أبو عبد الرحمن، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۲/ ۱۵۶، رقم الحدیث: ۹۴۷، کتاب الافتتاح، القراءة في الصبح بالروم، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مکتب المطبوعات الإسلامیة - حلب)

ذرا سوچیے! جب مقتدی سے اعلیٰ درجے کی طہارت میں کمی واقع ہوگئی، تو اس کا اثر رسول اللہ ﷺ کی قراءت پر ہوا، تو موجودہ دور میں بھلا امام اس سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں، جب کہ مقتدیوں کی سنت کے مطابق شکل وصورت نہیں، سنت کے مطابق لباس نہیں، اور طہارت کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، صورت حال یہ ہے کہ سگریٹ پی کر لوگ مسجد میں آتے ہیں، جس سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے اور انتہائی کم عمر کے معصوم بچے ساتھ لاتے ہیں، جو مسجد میں آکر شور وغل کرتے ہیں اور ان کے اولیا اور ذمہ دار اس سے روکتے نہیں ہیں، بھلا ان غیر شرعی امور کی وجہ سے امام اور مقتدیوں پر کیا کچھ اثر نہ پڑے گا؟ پھر بھی حال یوں ہے کہ امام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے، ان پر لعنت وملامت کی جاتی ہے، جو بالکل صحیح نہیں ہے۔

تیسری بات: قراءت میں بھول چوک کا پایا جانا امام کی امامت کی عدم اہلیت پر دلالت نہیں کرتا؛ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے بھی قراءت میں اور دوسرے ارکان میں بھول ہوئی ہے، جس کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ [۴] اگرچہ رسول اللہ ﷺ پر نسیان اس لیے طاری کیے گئے ہیں، تاکہ نسیان کے مسائل کے سلسلے میں آپ ﷺ کا عمل واضح طور پر موجود رہے۔

الغرض صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوئی ہے، نیز امام صاحب امامت کے اہل اور لائق ہیں، خواہ مخواہ ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] نائب امام کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟

۶۷۷-سوال: ایک مسجد میں کتنے نائب امام رکھے جاسکتے ہیں، چار پانچ نائب امام رکھے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

---

(۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم انصرف من اثنتين، فقال له ذو اليدين: أقصرت الصلاة، أم نسيت يا رسول الله؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أصدق ذو اليدين؟ فقال الناس: نعم، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى اثنتين أخريين، ثم سلم، ثم كبر، فسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶۴، رقم الحديث: ۱۲۲۸، كتاب التهجد، باب من لم يتشهد في سجدتي السهو، ط: ديوبند، و انظر أيضا رقم: ۴۸۲- ۷۱۴- ۷۱۵- ۱۲۲۷- ۱۲۲۹- ۶۰۵۱- ۷۲۵۰ ☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۱۳، رقم الحديث: ۹۷-۹۹- (۵۷۳)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت میں نائب امام کی کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے، حسب ضرورت کم وبیش رکھ سکتے ہیں، متولی اور ٹرسٹیوں کی صواب دید پر مبنی ہے، اگر ایک نائب امام سے کام چل جاتا ہو، تو ایک ہی کافی ہے، ورنہ دو یا تین جیسی ضرورت ہو، رکھ لیں، تعداد کوئی طے نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کرنے والے کی امامت

۶۷۸-سوال: جس شخص نے عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کر رکھا ہو، اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عیسائی عورت کا آسمانی کتاب کے موافق عقیدہ ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔[2] اور جب نکاح جائز ہے، تو امامت بھی جائز ہوگی، بہ شرطیکہ اس میں دیگر شرائط امامت موجود ہوں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] امام کا تقرری کے وقت بدعات سے متعلق شرائط منظور کرنا اور صلح حدیبیہ سے استدلال کرنا

۶۷۹-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ہماری بستی کا ماحول دین کے اعتبار سے ایسا ہے کہ جمعہ کے روز خطبہ اردو وعربی میں پڑھا جاتا ہے

---

(۱) الضرورات تقدر بقدرها (قواعد الفقه- محمد عميم الإحسان المجددي البركتي (م: ۱۳۹۵ھ)، ص: ۸۹، قاعده نمبر: ۱۷۱، ط: الصدف ببلشرز - كراتشي ☆ شرح القواعد الفقهية- أحمد بن الشيخ محمد الزرقا (م: ۱۳۵۷ھ)، ص: ۱۸۷، القاعدة الحادية والعشرون، المادة: ۲۲، ت: مصطفى أحمد الزرقا، ط: دار القلم- دمشق/سوريا)

(۲) وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ (۵-المائدة: ۵)

و كل من يعتقد دينا سماويا و له كتاب منزل كصحف إبراهيم - عليه السلام - وشيث وزبور داود - عليه السلام- فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم، وأكل ذبائحهم، كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۸۱، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم السابع المحرمات بالشرك، ط: دار الفكر)

اہل کتاب عورت سے مسلمان مرد کی شادی کی گنجائش ہے، لیکن اس میں مفاسد ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے [اپنے عہد خلافت میں] اس سے منع فرمایا تھا، اس لیے جہاں تک ہو سکے ایسا قدم نہ اٹھایا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/ ۴۵۳، باب المحرمات، عیسائی لڑکی سے نکاح، ط: اشرفی بک ڈپو- دیوبند)

اور میت کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے، پھر میت کے گھر جا کر بھی فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور محرم الحرام میں پنچایت اور بستی والے بھی تعزیہ بناتے ہیں اور دس روز تک مرثیہ خوانی ہوتی ہے، علاوہ ازیں بستی میں میلادیں بھی پڑھی جاتی ہیں اور اس میں کھڑے ہوکر تعظیم کرتے ہیں اور سلام پڑھتے ہیں اور محرم میں تیسرے دن تیجہ بھی کرتے ہیں اور گیارہویں شریف میں نیاز وغیرہ بھی ہوتی ہے، اب اس ماحول کے خلاف کوئی حکم شرعی بتائے تو جھگڑا ہونے کا ڈر رہتا ہے اور کئی مرتبہ جھگڑا ہوگیا ہے۔ بستی والوں نے ایک عالم صاحب کو مدرسہ میں تعلیم دینے اور مسجد میں امامت کے لیے چند شرطوں کے ساتھ رکھا ہے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) اردو و عربی میں خطبہ پڑھانا ہوگا۔ (۲) میلادیں پڑھنی ہوں گی اور تعظیم بھی کرنی ہوگی۔ (۳) محرم الحرام میں دس روز مرثیہ خوانی میں جانا ہوگا۔ مجلس میں روایت پڑھنا ہوگا۔ (۴) دفن کے بعد چالیس قدم پر فاتحہ اور پھر گھر جا کر فاتحہ اور محرم الحرام کے تیسرے دن کا تیجہ؛ یہ سب کرنا ہوگا۔ (۵) بستی کے ماحول میں مولوی صاحب کو ڈھلنا ہوگا، بستی کا جو ماحول ہے، اس کے خلاف کچھ بھی بولنے کی ممانعت ہوگی۔

ان تمام شرائط کو مولوی صاحب نے منظور کرتے ہوئے امامت کرلی، اب مولوی صاحب وہ ہر کام کررہے ہیں، جن کا اوپر ذکر ہوا اور اس کے خلاف بولتے بھی نہیں ہیں، جب کہ وہ اہل حق میں سے ہیں، ان کی اس ملازمت کو قریب پانچ ماہ ہوگئے ہیں، ہم نے ان سے بات کی تو انہوں نے چند دلائل دیے، مثلاً: صلح حدیبیہ میں بھی رسول اللہ ﷺ نے چند شرائط منظور کی تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کیا، پھر ہم نے پوچھا کہ کیا ائمہ اربعہ کے نزدیک اور بہ طور خاص امام اعظمؒ کے نزدیک ان شرائط پر امامت کرنا-اس امید کے ساتھ کہ کام سے آہستہ آہستہ اصلاح ہوگی- صحیح ہے؟ تو مولوی صاحب نے جواب نہیں دیا۔ اب آپ فرمائیں کہ کیا ایسا کرنا صحیح ہے، جب کہ شرط نمبر ۵ / بہت سخت ہے، اللہ اور رسول ﷺ کا کیا حکم ہے؟ کیا ہم ایسا طریقہ اصلاح کے لیے اختیار کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

(۱) جمعہ خطبہ عربی میں ہوگا، عربی کے ساتھ اردو خطبہ ملانا جائز نہیں، مکروہ تحریمی ہے۔[1]

(۱) چوں خطب آں حضرت ﷺ وخلفاء وعلم جرا ملاحظہ کرویم، تتبع آں وجود چند چیز است: حمد وشہادتین، وصلاۃ بر آں حضرت ﷺ، وامر بتقوی، وتلاوت قرآن پاک، ودعائے مسلمین ومسلمات، وعربی بودن خطبہ، وعربی بودن نیز بجہت عمل مستمرہ مسلمین، در مشارق ومغارب، باوجود آں کہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند۔ (مصفّی شرح موطا، ص: ۱۵۴، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر، ط: کتب خانہ رحیمیہ، سنہری مسجد، دھلی، بہ حوالہ: فتاویٰ محمودیہ: ۸/ ۲۳۷-۲۳۸، باب صلاۃ الجمعۃ) =

(۲) میلاد، فاتحہ خوانی، قیام، تیجہ، محرم کا مرثیہ وغیرہ؛ تمام چیزیں بدعت ہیں۔ بدعت کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی، جو دین میں سے نہیں ہے، تو وہ مردود ہے۔ (متفق علیہ، مشکوۃ: ۲۷)[۲]

نیز حدیث پاک میں ہے کہ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی ہدایت دی اور فرمایا کہ اگر ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہوگے، تو گمراہی سے محفوظ رہوگے۔ (رواہ فی موطا، مشکوۃ: ۲۱)[۳]

ایک اور روایت میں آپ ﷺ فرمایا کہ: میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، سب کے سب جہنمی ہوں گے، صرف ایک فرقہ جہنم سے نجات پائے گا اور یہ وہ فرقہ ہوگا، جو میرے اور میرے اصحاب کے طریق کو اختیار کرے گا۔ (ترمذی، مشکوۃ: ۳۰)[۴]

= ... فانه لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي -صلى الله عليه وسلم- والصحابة، فيكون مكروها تحريما. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/ ۲۰۰، كتاب الجمعة، باب الجمعة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۲) عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۷۷، رقم الحديث: ۱۷ - (۱۷۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ط: فيصل - ديوبند ☆ مشكاة المصابيح: ۲۷، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ياسر نديم - ديوبند)

(۳) مالك، أنه بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنة نبيه. (الموطأ - مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (م: ۱۷۹ھ): ۵/ ۱۳۲۳، رقم الحديث: ۳۳۳۸/ ۶۷۸، كتاب القدر، النهي عن القول بالقدر، ت: محمد مصطفى الأعظمي، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية - أبو ظبي - الإمارات ☆ مشكاة المصابيح: ۳۱، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۴) عن عبد الله بن عمرو، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليأتين على أمتي ما أتى على بني إسرائيل، حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية، لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة، قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي. (سنن الترمذي: ۲/ ۹۲، رقم الحديث: ۲۶۴۱، أبواب الإيمان، ما جاء في افتراق هذه الأمة، ط: البدر - ديوبند ☆ مشكاة المصابيح: ۳۰، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول)

مذکورہ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بدعت جہنم تک پہنچانے والی شئے ہے اور بدعت کا مرتکب گمراہی کی راہ پر گامزن ہے۔ اُن خلاف شرع باتوں پر کسی شخص کا دنیوی مال ومتاع کے لیے تیار ہونا، اس کی گمراہی کی علامت ہے۔

وہ ان ناجائز شرائط کے منظور کرنے پر واقعۂ صلح حدیبیہ سے استدلال کرتا ہے اور اس سے دلیل پکڑتا ہے، یہ مزید گمراہ کن ہے؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود صاحب شریعت ہیں اور ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح نامہ حدیبیہ میں کون سی بات ایسی ہے، جو قرآن کریم کی آیات کے خلاف ہے؛ بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح تو عین موافق قرآن ہے، جس کی واضح اور صاف دلیل یہ ہے کہ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے خود اس کو ''فتح مبین''[۵] سے تعبیر فرمایا ہے؛ اس لیے صلح حدیبیہ کے واقعہ پر قیاس کرنا کم عقلی کی بات ہے، مولوی صاحب کا جواب بالکل گمراہ کن ہے، اگر ان کی غرض ان شرائط کو منظور کر کے لوگوں میں انفرادی طور پر دینی ذہن ومزاج بنا کر شدہ شدہ اصلاح کرنے کی ہوتی، تو کسی درجہ میں گنجائش تھی، مگر وہ تو شرائط غیر شرعیہ کی منظوری اور تصدیق میں صلح حدیبیہ کو پیش کر رہے ہیں، جو حیلہ باز اور گمراہ کن کا شیوہ ہے۔

امت محمدیہ کے لیے روشنی اور ہدایت کے منار: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ؛ دو ہی چیزیں ہیں اور سوال میں مذکورہ چیزیں (میلاد، فاتحہ خوانی اور تیجہ وغیرہ) کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف ہیں اور اب وہ مولوی صاحب اہل حق میں سے تو کیا ہوتے، باطل کے اہل کار ہیں، ان گمراہ کن افکار وخیالات اور فاسد نظریات کو پھیلانے کا ایک موثر ذریعہ ہیں۔[۶] واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] ولد الزنا کے پیچھے نماز کا حکم

۶۸۰-سوال: ایک شخص کو ہندو سماج کی ایک لڑکی کے ساتھ محبت ہوگئی، وہ دونوں اپنے گھر سے بھاگ گئے، اور ایک ساتھ رہنے لگے، نکاح وغیرہ کی کوئی صورت اختیار نہیں کی، حتیٰ کہ لڑکی کو حمل ٹھہر گیا اور اس حمل سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جب وہ لڑکا بڑا ہوا، تو اس کو ایک مدرسہ میں داخل کر کے حافظ بنایا گیا، اس وقت وہ

(۵) إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ (۴۸-الفتح: ۱، ۲)

(۶) سوال میں مذکور تیجہ، فاتحہ خوانی اور اس طرح کی خرافات وبدعات کی تفصیل کے لیے فتاویٰ فلاحیہ کی پہلی جلد: (۳۶۱-۴۸۲) کے متعلقہ ابواب دیکھیے۔

مکمل حافظ قرآن ہے، اور ظاہراً پرہیز گار بھی ہے، تو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والا [بچہ] اگر حافظ قرآن ہو، متقی اور پرہیز گار ہو، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ (عالمگیری: ۱/ ۶۷، شامی: ۱/ ۵۲۵)[1]

مذہب اسلام میں عزت وذلت کا مدار نسب اور خاندان نہیں؛ بل کہ تقوی اور پرہیز گاری ہے؛ اس لیے جب یہ لڑکا حافظ قرآن ہے اور عاقل و بالغ ہے، نیک اور پرہیز گار بھی ہے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہونا چاہیے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] امام کی تقرری کے لیے متولی کن چیزوں کا خیال رکھے؟

۶۸۱-سوال: امام متعین کرنے کے لیے متولی صاحب کی کیا ذمہ داری ہے؟

---

(۱) وتجوز إمامة الأعرابي والأعمى والعبد، وولد الزنا والفاسق. كذا في الخلاصة إلا أنها تكره. هكذا في المتون. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۵، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر - بيروت)

"ولد الزنا کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، جب کہ اس سے افضل امام موجود ہو"۔ عام متون میں یہی ہے۔ کراہت کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ ولد الزنا چوں کہ شفقت پدری سے محروم رہتا ہے، اس لیے عموماً جاہل اور ناخواندہ رہتا ہے، دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عموماً اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر ولد الزنا متقی و پرہیز گار ہو اور حفظ قرآن اور علم دین کی دولت سے مالا مال ہو، تو کراہت کی دونوں وجہ اس کے حق میں ختم ہو جائے گی؛ لہٰذا اس کی امامت بلا کراہت جائز ہونی چاہیے:

(وولد الزنا) هذا إن وجد غيرهم وإلا فلا كراهة بحر بحثا. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله وولد الزنا) إذ ليس له أب يربيه ويؤدبه ويعلمه فيغلب عليه الجهل بحر، أو لنفرة الناس عنه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. (۴۹-الحجرات: ۱۳)

عن أبي نضرة، حدثني من سمع خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم في وسط أيام التشريق، فقال: "يا أيها الناس، ألا إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا أحمر على أسود، ولا أسود على أحمر، إلا بالتقوى. (مسند أحمد بن حنبل: ۳۸/ ۴۷۴، رقم الحديث: ۲۳۴۸۹، حديث رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ط: مؤسسة الرسالة)

الجواب حامداو مصلیا:

متولی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ امامت کے عظیم منصب کے لیے کسی عالم، متبع سنت، نیک، متقی اور پرہیزگار شخص کو متعین کرے، کسی فاسق وفاجر اور بدعتی کو یہ ذمہ داری حوالہ کرے گا، تو گنہ گار ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] میت کو غسل دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

۶۸۲–سوال: ''میت کو غسل دینے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے''، پھر بھی بعض گاؤں میں امام کو گاؤں کے کام کرنے کی شرط کے ساتھ امامت پر رکھتے ہیں، گاؤں کے کام سے مراد میت کو غسل دینا وغیرہ ہے، تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی؟

الجواب حامداو مصلیا:

میت کو غسل دینا ثواب اور فضیلت کا کام ہے۔[2] ''میت کو غسل دینے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے'' یہ بات غلط ہے۔

---

(۱) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا-ديوبند☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية☆ تحفة الفقهاء- أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰ھ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

(۲) عن علي بن رباح، قال: سمعت أبا رافع، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا فكتم عليه غفر له أربعين كبيرة، ومن حفر لأخيه قبرا حتى يجنه فكأنما أسكنه مسكنا مرة حتى يبعث. (المعجم الكبير - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۱/ ۳۱۵، رقم الحديث: ۹۲۹، باب الألف، علي بن رباح اللخمي، عن أبي رافع، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية- القاهرة)

قال الهيثمي (م: ۸۰۷ھ): ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۲۱/۳، رقم الحديث: ۴۰۶۷، كتاب الجنائز، باب تجهيز الميت وغسله والإسراع بذلك، ت: حسام الدين القدسي، ط: مكتبة القدسي- القاهرة)

تاہم یہ حقیقت ہے کہ آج کل مؤذن کے ذمے اذان کے علاوہ ایسے کام سپرد کر دیے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے سماج میں ان کی کوئی عزت ووقعت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح میت کو غسل دینے والے کے ذمہ ایسے کام ہوتے ہیں، جن کی بناء پر ان کی کوئی قدر نہیں ہوتی، سماج میں لوگ اس کو گھٹیا اور کم درجہ کا تصور کرتے ہیں، حالاں کہ میت کو غسل دینے والے[۲] اور اذان دینے والے[۳] کا شریعت میں بہت اونچا مقام ہے؛ لیکن دوسرے کاموں کی وجہ سے وہ گھٹیا شمار ہوتا ہے اور اس کا رہن سہن بھی سماج میں معمولی درجے کا ہوتا ہے، طہارت ونظافت کی طرف توجہ بھی کم ہوتی ہے؛ حالاں کہ امامت کے لیے متقی، پرہیزگار، نماز کے مسائل سے واقف، صحت کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے والے، باعزت آدمی کی ضرورت ہے؛ لہذا اگر میت کو غسل دینے والا شخص ایسا بے پرواہ، جاہل ہو کہ پاکی ناپاکی کا خیال نہ رکھتا ہو اور ایسے امور انجام دیتا ہو، جن کی وجہ سے سماج میں اس کی کوئی حیثیت نہ ہو، تو ایسے آدمی کی امامت مکروہ ہوگی۔ جیسا کہ کسی ان پڑھ گنوار آدمی کو دوسرے اچھے لوگوں کی موجودگی میں امام بنانا مکروہ ہے۔ (درمختار مع شامی: ۱/ ۵۵۰)[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من غسل ميتا، فأدى فيه الأمانة، ولم يفش عليه ما يكون منه عند ذلك، خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه"، قال: "ليله أقربكم منه إن كان يعلم، فإن كان لا يعلم فمن ترون أن عنده حظا من ورع وأمانة". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱هـ): ۴۱/ ۳۷۴، رقم الحديث: ۲۴۸۸۱، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة☆ المعجم الأوسط - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰هـ): ۴/ ۳۷، رقم الحديث: ۳۵۷۵، باب الدال، من اسمه داود، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة)

(۳) عن طلحة بن يحيى، عن عمه، قال: كنت عند معاوية بن أبي سفيان، فجاءه المؤذن يدعوه إلى الصلاة فقال معاوية: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقا يوم القيامة. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۶۷، رقم الحديث: ۱۴- (۳۸۷)، كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، ط: ديوبند)

(۴) ربط صلاة المؤتم بالإمام بشروط عشرة: نية المؤتم الاقتداء، واتحاد مكانهما وصلاتهما... الخ. (الدر المختار)
قال ابن عابدين: (قوله بشروط عشرة) هذه الشروط في الحقيقة شروط الاقتداء، وأما شروط الإمامة، فقد عدها في نور الإيضاح على حدة، فقال: وشروط الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام، والبلوغ، والعقل والذكورة، والقراءة، والسلامة من الأعذار كالرعاف، والفأفأة، والتمتمة، واللثغ، وفقد شرط كطهارة وستر عورة. اهـ. احترز بالرجال الأصحاء عن النساء الأصحاء فلا يشترط في إمامهن الذكورة، وعن الصبيان فلا يشترط في إمامهم البلوغ، وعن غير الأصحاء فلا يشترط في إمامهم الصحة، لكن يشترط أن يكون حال الإمام أقوى من حال المؤتم أو مساويا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲۷] دوران صلاۃ اگر کسی امام کا وضوٹوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟

۶۸۳-سوال: نماز پڑھاتے ہوئے اگر کسی امام صاحب کی ریح خارج ہوجائے تو اب وہ کیا کرے؟ کیا وہ کسی کو اپنا نائب بنائے یا پھر تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائے گی؟

الجواب حامداومصليا:

اگر نماز کی حالت میں کسی امام کا وضوٹوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ اپنا خلیفہ بنائے اور خلیفہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ رکوع کی کیفیت میں جھکا ہوا پیچھے ہٹ کر مقتدی میں سے کسی کو آگے کرکے امام بنادے، امام بناتے وقت امام اول کو بولنے کی بھی ضرورت نہیں، اگر وہ بولے گا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، بات چیت کیے بغیر خاموشی کے ساتھ پیچھے والے کا کپڑا کھینچ کر اس کو آگے کردے، وہ خود بخود امام بن جائے گا۔[1] واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] امام صاحب کی اجازت کے بغیر امامت کرانا جائز نہیں

۶۸۴-سوال: نان پورا، گولندازمحلہ کی ملا عابد نامی مسجد میں، امام ومتولی کے ساتھ درج ذیل واقعہ پیش آیا ہے:

ہمارے امام صاحب ۴۰/سال سے نماز پڑھاتے ہیں اور اخیری ۶/۵ سال سے رمضان میں تراویح کی نماز بھی وہی پڑھاتے ہیں اور زیادہ تر تراویح کے وقت عشاء کی نماز کی امامت بھی وہی کرتے ہیں، کبھی کبھی تراویح پڑھانے والے حفاظ کرام عشاء کی نماز امام صاحب کی اجازت لے کر پڑھاتے تھے۔ اس سال امام صاحب عشاء کی چار رکعت فرض پڑھانے کے لیے جارہے تھے، تو ایک متولی نے ان کو روکا اور کہا کہ آپ عشاء کی نماز نہیں پڑھائیں گے، اب سے تراویح پڑھانے والے حفاظ کرام ہی عشاء کی نماز پڑھائیں گے، تب پیش امام

(۱) (سبق الإمام حدث) سماوي، لا اختيار للعبد فيه ولا في سببه ... (غير مانع للبناء) (استخلف) أي جاز له ذلك ولو في جنازة بإشارة أو جر لمحراب، ولو لمسبوق، ويشير بأصبع لبقاء ركعة، وبأصبعين لركعتين ويضع يده على ركبته لترك ركوع، وعلى جبهته لسجود، وعلى فمه لقراءة، وعلى جبهته ولسانه لسجود تلاوة أو صدره لسهو. (الدر المختار) ـــــــ قال الشامي: (قوله بإشارة) متعلق بقوله استخلف. قال في الفتح: والسنة أن يفعله محدودب الظهر آخذا بأنفه يوهم أنه رعف. (رد المحتار: ۱/۶۰۱، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف، دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۵۲۲-۵۲۳، کتاب الصلاۃ، فصل فی الاستخلاف، ط: مکتبہ زکریا-دیوبند)

نے کہا کہ فرض پڑھانے کے لیے میری اجازت ضروری ہے، تو متولی صاحب نے کہا کہ میں اجازت دیتا ہوں، میری اجازت سے حفاظ کرام فرض نماز پڑھائیں گے، بالآخر پیش امام ناراض ہو گئے۔

اس واقعے میں آپ سے چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) کیا عشاء کی چار رکعت پڑھانے کے لیے پیش امام کی اجازت ضروری ہے؟

(۲) متولی دینی بات میں (نماز کے لیے) اپنی من مانی کرتا ہے، تو کیا اس کا یہ رویہ درست ہے؟

(۳) ناراض ہونے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) شریعت نے ایک نظام قائم کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ آپس میں میل محبت پیدا ہو، حق دار کو اس کا حق ملے اور ذمہ داری کا احساس کر کے ہر شخص اپنی ذمے داری کو نبھاتا رہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ: جس کو امامت کی ذمے داری سپرد کی گئی ہے، وہی شخص امامت کا حق دار ہوگا، حتی کہ اگر کوئی اس سے علم وفضل اور تقویٰ وطہارت میں بڑھا ہوا شخص آ جائے، تو بھی اسی اصل امام کا حق ہے۔ (شامی جلد ۱، ص: ۵۲۲)[1]

اب سوچیے! کہ یہاں تو امام صاحب چالیس سال سے متعین ہیں؛ لہٰذا امام صاحب کی بات صحیح ہے، متولی نے جہالت اور اپنے مقام ومرتبہ کا ناجائز فائدہ اٹھا کر، جو برتاؤ امام صاحب کے ساتھ کیا ہے، بہت ہی برا اور ناپسندیدہ ہے، اسے چاہیے کہ امام صاحب سے معافی مانگے؛ البتہ وہ نمازیں جو امام صاحب کی اجازت کے بغیر حافظ صاحب نے پڑھائی ہیں، وہ بلا شبہ صحیح ہو جائیں گی، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، متولی نے حافظ کو امامت کے لیے کہا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فقط حافظ ہی ہیں عالم نہیں، جب کہ امام صاحب عالم بھی ہیں، یہ چیز بھی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ امامت کے حق دار امام صاحب ہی ہیں نہ کہ وہ، جن کو متولی صاحب نے اجازت دی ہے۔

---

(۱) فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم؛ ولو قدموا غير الأولى أساءوا بلا إثم.... (و) اعلم أن (صاحب البيت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولى بالإمامة من غيره) مطلقا. قال في التتارخانية: ولو أن رجلين في الفقه والصلاح سواء إلا أن أحدهما أقرأ فقدم القوم الآخر فقد أساءوا وتركوا السنة، ولكن لا يأثمون؛ لأنهم قدموا رجلا صالحا. (قوله مطلقًا) أي وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الامامة، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر - عبد الرحمان بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۱۶۲، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ہاں! اگر امام صاحب اپنی مرضی سے دوسرے کسی لائق حافظ، قاری، عالم کو امامت کے لیے کہیں، تو دوسرا شخص امامت کرا سکتا ہے، متولی حضرات کا اس میں کسی قسم کی دخل اندازی کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) من مانی کرنے کے لیے اب صرف مسجد اور مدرسے ہی باقی رہ گئے ہیں، ان کے علاوہ کہیں پر اب کسی بھی طبقے کی من مانی نہیں چلتی ہے، اگر چل سکتی ہے تو صرف مساجد و مدارس اور ان کے بھولے بھالے ائمہ اور مدرسین پر، یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے۔

متولیان کرام کا خود شریعت سے دور ہو کر، قرآن وحدیث سے دور ہو کر، من مانی کرنا شرعی اعتبار سے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے؛ اچھی طرح یاد رکھیں، ان ائمہ اور مدرسین کی بے عزتی کرنا، ان کو نگاہ حقارت سے دیکھنا، خود اپنی عاقبت تباہ کرنا اور اپنے اعمال کو اکارت کرنے کے مترادف ہے۔

(۳) آپ کا تیسرا سوال یہ تھا کہ: ناراض ہونے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ جواب یہ کہ نماز تو صحیح ہو جائے گی؛ البتہ مقتدی حضرات کو چاہیے کہ اپنے امام صاحب کو راضی رکھیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] پیش امام کی اجازت کے بغیر نائب امام کا امامت کرانا

۶۸۵-سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد کے دو امام ہیں، ایک پیش امام، اور ایک نائب امام۔ ظہر کی نماز ۱:۳۰ بجے کھڑی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب مؤذن صاحب اقامت کے لیے کھڑے ہوئے، اور امام صاحب موجود نہیں تھے، تو مؤذن صاحب نے نائب امام کو نماز پڑھانے کا اشارہ کیا، چناں چہ ہمارے نائب امام صاحب نے پیش امام کا انتظار کیے بغیر امامت کرائی، جب نماز مکمل ہوئی، تو پیش امام نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر نائب امام نے نماز پڑھائی ہے؛ لہٰذا تم میں سے کسی کی نماز درست نہیں ہوئی اور مقتدیوں میں سے بعض نے کہا کہ نماز صحیح ہو گئی۔ امام صاحب بھی چوں کہ کوئی عالم نہیں ہیں، امام صاحب نے عوام کو نماز کے بارے میں شک میں ڈال دیا ہے، اس لیے آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا امام صاحب کی بات صحیح ہے یا نہیں؟ نیز نائب امام نے پیش امام کی غیر حاضری (یعنی: پیش امام صاحب وضو کر رہے تھے) میں ان کی اجازت کے بغیر نماز پڑھائی، تو کیا ان کا نماز پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

امامت ایک دینی منصب ہے، اس کا ادب و احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔[۱] (۲) نائب امام کی ذمے داری یہ ہے کہ امام کی غیر حاضری میں امامت کرائے۔[۲] (۳) اور اگر امام ہو، تو کچھ شرائط کے ساتھ ذمے داری رہے گی۔[۳]

آپ کی تحریر کے مطابق امام صاحب موجود نہیں تھے، نائب امام کو مؤذن نے اشارہ کیا اور نائب امام نے امامت کرائی؛ لہٰذا اس صورت میں نماز بغیر کسی کراہت کے درست ہوگئی۔ اگر پیش امام موجود ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر نائب امام کے لیے امامت کرانا مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ ان کا حق ہے، اس کے باجود نائب امام کی پڑھائی ہوئی نماز ہوجائے گی، اعادے کی کوئی حاجت نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] قوله تعالى: إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا. (۲- البقرة: ۱۲۴) فإن الإمام من يؤتم به في أمور الدين من طريق النبوة و كذلك سائر الأنبياء أئمة عليهم السلام لما ألزم الله تعالى الناس من اتباعهم و الائتمام بهم في أمور دينهم فالخلفاء أئمة لأنهم رتبوا في المحل الذي يلزم الناس اتباعهم وقبول قولهم وأحكامهم و القضاة و الفقهاء أئمة أيضا و لهذا المعنى الذي يصلي بالناس يسمى إماما لأن من دخل في صلاته لزمه الاتباع له و الائتمام به وقال النبي صلى الله عليه وسلم (إنما جعل الإمام إماما ليؤتم به فإذا ركع فاركعوا وإذا سجد فاسجدوا) وقال (لا تختلفوا على إمامكم)... وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكرناه فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك ثم العلماء و القضاة العدول ومن ألزم الله تعالى الاقتداء بهم ثم الإمامة في الصلاة ونحوها. (أحكام القرآن- أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰ھ): ۱/ ۸۴، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

[۲] (و) اعلم أن (صاحب البيت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولى بالإمامة من غيره) مطلقًا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الامامة، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۱۰۷، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۳] (والأحق بالإمامة)... (الأعلم بأحكام الصلاة)... صحة وفسادًا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، (ثم الأحسن تلاوةً) وتجويدًا (للقراءة، ثم الأورع) (ثم الأسن) (ثم الأحسن خلقًا) (ثم الأحسن وجهًا) (ثم الأشرف نسبًا) (فإن استووا يقرع) بين المستويين (أو الخيار إلى القوم) فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم؛ ولو قدموا غير الأولى أساءوا بلا إثم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: مكتبه زكريا- ديوبند)

[۳۰] مہینے میں چار یا پانچ مرتبہ امام صاحب کی جماعت فجر کا فوت ہوجانا
[۳۱] اگر امام صاحب کی صبح میں آنکھ نہ کھلے، تو انہیں جگانا کیسا ہے؟

۶۸۶-سوال: ہمارے امام صاحب سے ایک مہینے میں چار یا پانچ مرتبہ فجر کی جماعت فوت ہوجاتی ہے، جب اُن سے اس بارے میں دریافت کیا جاتا ہے، تو کبھی وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ غسل کی حاجت تھی، اور کبھی عذر بیان کرتے ہیں کہ آنکھ لگ گئی تھی، تو کیا اُن کا یہ عذر معتبر ہوگا؟

ہماری مسجد میں تین یا چار مقتدی ہوتے ہیں، پھر امام صاحب فرماتے ہیں کہ آپ حضرات مجھے جگادیا کریں، تو کیا مقتدیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُنھیں جگائیں؟

بعض مرتبہ امام صاحب کو بیدار ہوکر آنے میں دیر ہوجاتی ہے، تو امام صاحب کے ازخود آنے تک انتظار کرنا بہتر ہے یا اُن کو جگانے کے لیے کسی ایک مقتدی کو بھیجنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز باجماعت کا پابند ہو، خصوصاً جب کہ امامت کے ذمہ داری سنبھالی ہو، تو اُس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، لہٰذا امام صاحب کو چاہیے کہ نماز کے وقت سے پہلے جاگنے کا مکمل انتظام کریں، مثلاً گھڑی میں الارم رکھیں، یا کسی سے جگانے کے لیے کہہ دیں، یا مقتدی حضرات اُنھیں جگانے کی ذمہ داری اٹھالیں، اگر امام صاحب مہینے میں چار یا پانچ مرتبہ جماعت کے فوت ہوجانے پر کوئی عذرِ معقول پیش کرتے ہیں، علاوہ ازیں وہ نوجوان ہیں، تو اُن کا عذر معقول ہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ مہینے کے دوسرے دِنوں میں جماعت کی پابندی کرتے ہوں، تو یہ اُن کی دین داری کی علامت ہے۔[1] اگر مقتدی

---

(۱) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... (وقيل واجبة وعليه العامة) أي عامة مشايخنا وبه جزم في التحفة وغيرها. قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (فتسن أو تجب) ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرة (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)... إلا إذا واظب تكاسلا فلا يعذر، ويعزر ولو بأخذ المال يعني بحبسه عنه مدة ولا تقبل شهادته إلا بتأويل بدعة الإمام أو عدم مراعاته. (الدر المختار: ۱/ ۵۵۲-۵۵۶) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله قال في البحر إلخ) وقال في النهر: هو أعدل الأقوال وأقواها ولذا قال في الأجناس: لا تقبل شهادته إذا تركها استخفافا ومجانة، إما سهوا، أو بتأويل، ككون الإمام من أهل الأهواء أو لا يراعي مذهب المقتدي فتقبل. اهـ... (قوله بتركها مرة) أي بلا عذر، وهذا عند العراقيين، وعند=

حضرات اُن کے جگانے کا کام خود کر لیں، تو یہ بھی تبلیغ دین میں شامل ہے، جس پر اُن کو ثواب ملے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ بھی جب فجر کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے، تو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے، تاکہ انھیں بیدار کریں۔ [۲] نیز دوسری ایک حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص نماز کے وقت سویا رہا، (اور اس کے جاگنے کا پختہ ارادہ تھا) یا نماز کا وقت بھول گیا، تو اُسے چاہیے کہ جاگنے کے بعد جب اُسے یاد آئے قضا کرلے۔ [۳]

علماء نے لکھا ہے کہ نماز باجماعت پڑھنے کا پختہ ارادہ تھا، پھر کوشش کے باوجود نہیں جاگ سکا، تو وہ

=الخراسانيين إنما يأثم إذا اعتاده كما في القنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۴، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆بدائع الصنائع: ۱/ ۳۸۴، صلاة الجماعة، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر بباب فاطمة ستة أشهر إذا خرج إلى صلاة الفجر يقول: الصلاة يا أهل البيت {إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا}. (سنن الترمذي: ۲/ ۱۵۶، رقم الحديث: ۳۲۰۶، أبواب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب: ومن سورة الأحزاب، ط: البدر - ديوبند ☆مسند أبي داود الطيالسي - أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصرى (م: ۲۰۴هـ): ۳/ ۵۳۹، رقم الحديث: ۲۱۷۱، وما أسند أنس بن مالك الأنصاري، ت: د. محمد بن عبد المحسن التركي، ط: دار هجر - مصر)

عن أبي الحمراء، قال: شهدت النبي صلى الله عليه وسلم ثمانية أشهر، كلما خرج إلى الصلاة - أو قال: إلى صلاة الفجر -، مر بباب فاطمة فيقول: " السلام عليكم أهل البيت: {إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا} [الأحزاب] (مسند ابن أبي شيبة - أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۲/ ۳۳۲، رقم الحديث: ۲۰۷و ۲۲۷، حديث أبي الحمراء، ت: عادل بن يوسف العزازي وأحمد بن فريد المزيدي، ط: دار الوطن - الرياض)

(۳) عن عبد الله بن رباح الأنصاري، حدثنا أبو قتادة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان في سفر له فمال رسول الله صلى الله عليه وسلم وملت معه، قال: انظر، فقلت: هذا راكب، هذان راكبان، هؤلاء ثلاثة، حتى صرنا سبعة، فقال: احفظوا علينا صلاتنا - يعني صلاة الفجر - فضرب على آذانهم فما أيقظهم إلا حر الشمس فقاموا فساروا هنية ثم نزلوا فتوضئوا وأذن بلال فصلوا ركعتي الفجر، ثم صلوا الفجر وركبوا، فقال بعضهم لبعض: قد فرطنا في صلاتنا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إنه لا تفريط في النوم، إنما التفريط في اليقظة فإذا سها أحدكم عن صلاة، فليصلها حين يذكرها، ومن الغد للوقت. (سنن أبي داود: ۱/ ۶۳، رقم الحديث: ۴۳۷، كتاب الصلاة، باب في من نام عن الصلاة، أو نسيها، ط: البدر - ديوبند)

گنہگار نہیں ہوگا، لہٰذا مذکورہ امام صاحب کا عذر صحیح ہے، ماننے کے قابل ہے۔[۱]

اگر دو چار مقتدی ہیں، تو کسی ایک کو چاہیے کہ وہ نماز کے وقتِ مستحب کا خیال کرتے ہوئے امام صاحب کو جگا دے، تا کہ وقتِ مقررہ پر نماز ادا ہو سکے، لیکن ایک ہی وقتِ متعین پر جماعت قائم کریں، ورنہ فتنہ کا اندیشہ ہے، سوائے یہ کہ کسی بڑے عالم کی تشریف آوری ہو، تو اُن کے لیے کچھ دیر انتظار جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] دار العلوم میں پڑھنے والے طلبہ کے پیچھے نماز پڑھنا

۶۸۷-سوال: ہمارے گاؤں کے بہت سے بچے دار العلوم میں داخلہ لے کر دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اُن کے پیچھے گاؤں کے بہت سے علماء اور مفتیان کرام نماز پڑھتے ہیں، تو ان کی نماز ادا ہوگی یا اُس میں کوئی کمی رہ جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اِمامت کا ترجیحی بنیاد پر زیادہ مستحق وہ شخص ہے، جو مسائل نماز سے بہ خوبی واقف ہو، اگرچہ نماز کے علاوہ دوسرے مسائل کی واقفیت میں کمزور ہو، علاوہ ازیں اُس کا دین دار ہونا ضروری ہے، کہ اس معاملے میں متہم نہ ہو، گناہ کے کاموں سے دور رہتا ہو، اور صحیح تلاوتِ قرآن کرسکتا ہو۔ (عالمگیری: ۱/ ۸۳)[۲]

اگر مدارسِ عربیہ میں پڑھنے والے طلبہ میں ذکر کردہ اوصاف پائے جاتے ہوں، تو اُن کے پیچھے نماز

---

(۱) "وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها المبيحة للتخلف" وكانت نيته حضورها لولا العذر الحاصل "يحصل له ثوابها" لقوله صلى الله عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ مانوى" (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح – حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ص: ۱۱۳، باب الإمامة، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

[۲] الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية.

ويجتنب الفواحش الظاهرة وإن كان غيره أورع منه. كذا في المحيط وهكذا في الزاهدي وإن كان متبحرا في علم الصلاة لكن لم يكن له حظ في غيره من العلوم فهو أولى. كذا في الخلاصة. . . .

دخل المسجد من هو أولى بالإمامة من إمام المحلة فإمام المحلة أولى. كذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: دار الفكر)

درست ہے، مذکورہ بالا اوصاف کا اعتبار امام کے منتخب کرنے کے لیے ہوگا، اگر کسی مسجد میں امامِ مؤظف (تنخواہ دار امام) مقرر ہے، اور اُس سے زیادہ علم وتقویٰ والا کوئی دوسرا شخص آئے، تب بھی مقرر امام نماز پڑھانے کا زیادہ حق دار ہے، لیکن اگر مقرر کردہ امام فاسق وفاجر ہو، تو اُسے معزول کر کے دوسرا عالم اور متقی امام منتخب کرنا مسجد کے ذمہ داروں پر لازم ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] امام صاحب کی سخت کلامی کی وجہ سے اُن کو معزول کرنا

۶۸۸-سوال: ہمارے شہر ولساڑ میں ایس۔ٹی۔ڈپو سے قریب ایک مسجد ہے، جس کے امام صاحب کی سخت کلامی کی وجہ سے ایک بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے، مختصراً اُس کی تفصیل یہ ہے کہ امام صاحب کو چند وجوہات کی بنیاد پر معزول کیا گیا ہے، جن میں سے ایک یہ کہ وہ مدرسہ میں بچوں کو صحیح ڈھنگ سے تعلیم نہیں دیتے تھے، اس پر اگر ٹرسٹی حضرات کچھ باز پرس کرتے، تو امام صاحب انہیں یہ جواب دیتے کہ: ''آپ لوگ ٹرسٹی بننے کے قابل ہی نہیں ہیں''۔ یہ بھی کہتے تھے کہ: ''جمعہ کے دن جو کچھ چندہ تمہارے ڈبے میں آتا ہے، وہ صرف میری وجہ سے آتا ہے''۔

امام صاحب کی بیوی بھی وقتاً فوقتاً ٹرسٹی حضرات کے ساتھ جھگڑتی رہتی تھی، پھر یہ کہ امام صاحب کو متعدد مرتبہ منع کیا گیا کہ تم مرغیاں اور بکریاں پالنا چھوڑ دو، اس لیے کہ مسجد قریب ہے، مرغی اور بکری کی وجہ سے مسجد کے اندر گندگی ہونے کا اندیشہ ہے۔ (ایک مرتبہ ایسا ہوا بھی کہ اُن کی بکری جماعت خانہ میں آ گئی) لیکن امام صاحب بالکل اِس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، آخری تین سال سے اس طرح منازعت جاری تھی، بالآخر اُنھیں ٹرسٹی حضرات نے معزول کر دیا، تو کیا یہ اقدام شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

سوال میں ذکر کردہ شکایتیں اگر درست ہوں، تو امام صاحب کو معزول کرنے کا حق ٹرسٹی حضرات کو حاصل ہے، لیکن ایک عالم دین کی توہین نہ ہو، اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، امام صاحب سے میں مؤدبانہ درخواست کروں گا کہ اگر ٹرسٹی حضرات کے ساتھ نباہ نہ ہو رہا ہو، تو اپنی جانب سے استعفیٰ پیش کر دینا چاہیے،

لو قدموا فاسقا يأثمون بناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص:۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

اور کوئی ایسی حرکت ہرگز نہیں کرنی چاہیے، جو علماء کی شان کے خلاف ہو۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] حرم شریف میں تعمیر شدہ اونچے مکانات میں رہ کر امام کی اقتدا کرنا

۶۸۹-سوال: حرم شریف کے اِردگرد چھ، سات یا دس منزلہ اونچے مکانات بنے ہوئے ہیں، جن میں حجاجِ کرام حج کے دوران رہتے ہیں، اگر کوئی شخص اِن مکانات میں کھڑا ہو کر اِمام کی اقتدا کی نیت کرے، تو اُس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ایسا معذور ہو کہ اُس کو نیچے اترنے اور اوپر آنے میں دشواری ہو، تو اُس کے لیے اِن مکانات میں سے اقتدا کا حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مسجد کی جماعت کی صفیں تعمیر سے متصل ہوں، اور بیچ میں کوئی راستہ وغیرہ حائل نہ ہو، تو اُس تعمیر کے ہر منزلہ میں اقتدا صحیح ہوگی، لیکن اوپری منزلہ میں اقتدا کے صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ نیچے والے منزلہ میں بھی کچھ لوگ اِمام کی اقتدا کر رہے ہوں، اگر جماعت کی صفوں کا سلسلہ تعمیر کے ساتھ متصل نہ ہو؛ بلکہ بیچ میں کوئی راستہ وغیرہ حائل ہے، جس میں لوگوں کا اور سواریوں کا گزر ہوتا ہو، تو اقتدا صحیح نہیں ہے، اور اقتدا کے باب میں بیمار اور تندرست شخص ایک ہی حکم میں ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/ ۸۷)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك، ثم العلماء و القضاة العدول و من ألزم الله تعالى الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلاة و نحوها. (أحكام القرآن- أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰هـ): ۱/ ۸۳، الحث على نظافة البدن و الثياب، سورة البقرة، ت: عبد السلام محمد علي شاهين، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه و سلم أنه قال: " إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۰۰، رقم الحديث: ۷۲۲، كتاب الأذان، باب: إقامة الصف من تمام الصلاة، ط: البدر- ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۷۷، رقم الحديث: ۸۶-(۴۱۴)، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، ط: البدر- ديوبند)

(۲) المانع من الاقتداء ثلاثة أشياء.

(منها) طريق عام يمر فيه العجلة و الأوقار هكذا في شرح الطحاوي إذا كان بين الإمام و بين المقتدي طريق إن كان ضيقا لا يمر فيه العجلة و الأوقار لا يمنع و إن كان واسعا يمر فيه العجلة و الأوقار يمنع. كذا في فتاوى قاضي خان و الخلاصة هذا إذا لم تكن الصفوف متصلة على الطريق أما إذا اتصلت الصفوف لا يمنع الاقتداء. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۷، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء و ما لا يمنع، ط: زكريا- ديوبند ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۳۰ تا ۳۳۵، باب الإمامة، كتاب الصلاة، ط: زكريا- ديوبند)

[۳۵] ایسے شخص کا اِمامت کرنا، جسے ریح کے خارج ہونے کا عذر ہو

۶۹۰- سوال: مجھے ریح کے خارج ہونے کی تکلیف ہے، تو ایسی صورت میں میں امامت کر سکتا ہوں یا نہیں؟ اگر نہیں کر سکتا تو رمضان میں تراویح پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ اگر اس تکلیف کے ہوتے ہوئے نماز پڑھا دی، تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

اگر آپ کو اتنا وقت مل جاتا ہے کہ آپ وضوء کر کے فرض نماز پڑھا سکیں اور دورانِ نماز کوئی ایسی شکایت پیدا نہیں ہوتی کہ جس سے نماز فاسد ہو جائے، تو نماز پڑھانا جائز ہے، اگر یہ اندیشہ رہتا ہے کہ دوران صلاۃ عذر پیش آ جائے گا اور اس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی، تو بہتر یہ ہے کہ آپ امامت نہ کریں، اگر امامت کی اور نماز کے دوران ریح خارج نہیں ہوئی، تو نماز درست ہو جائے گی، تراویح کا بھی یہی حکم ہے۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] سفید داغ والے شخص کی امامت

۶۹۱- سوال: ہماری مسجد کے پیش امام پچھلے بیس سالوں سے نماز پڑھاتے ہیں؛ لیکن اب

---

(۱) (وكذا لا يصح الاقتداء... (ولا طاهر بمعذور) هذا (إن قارن الوضوء الحدث أو طرأ عليه) بعده (وصح لو توضأ على الانقطاع وصلى كذلك). [الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۷۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت]

(قوله وطاهر بمعذور) أي وفسد اقتداء طاهر بصاحب العذر المفوت للطهارة؛ لأن الصحيح أقوى حالا من المعذور والشيء لا يتضمن ما هو فوقه والإمام ضامن بمعنى تضمن صلاته صلاة المقتدي، وقيد المعذور في المجتبى بأن يقارن الوضوء الحدث أو يطرأ عليه للاحتراز عما إذا توضأ على الانقطاع وصلى كذلك فإنه يصح الاقتداء به؛ لأنه في حكم الطاهر. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/ ۳۸۱، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي) مزید دیکھیے: النهر الفائق شرح كنز الدقائق: ۱/ ۲۵۱، كتاب الصلاة، فرع قبل: باب الحدث في الصلاة، ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۱۱۱، أولى الناس بالإمامة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵ھ): ۱/ ۸۸، فصل في الإمامة، جماعة النساء وحدهن، ط: دار إحياء الكتب العربية.

اُن کی چمڑی پر کسی بیماری کی وجہ سے سفید داغ نکل آئے ہیں، تو اب ان کے لیے نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

چمڑی پر سفید داغ والے شخص کی امامت درست ہے، اُس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اگر اس سے مقتدی کو گھن محسوس نہ ہو۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] حافظِ قرآن شخص کا جمعہ کے دن تقریر، خطبہ اور نماز پڑھانا

۶۹۲- سوال: ایک شخص حافظِ قرآن ہے، اور اُس نے کچھ سال درسِ نظامی کی تعلیم بھی حاصل کی ہے، اور وہ ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، تو کیا یہ شخص جمعہ کی تقریر کر سکتا ہے؟ نیز خطبہ اور نمازِ جمعہ بھی پڑھا سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ شخص اگر مسائلِ نماز سے واقف ہو، تو اُس کے لیے جمعہ میں وعظ، خطبہ اور نماز پڑھانا جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۸] ناظرہ پڑھے ہوئے شخص کی امامت

۶۹۳- سوال: ہمارے محلہ میں مستقل امام نہیں ہیں، جس کی بناء پر ایک آدمی جس نے صرف

---

(۱) وكذا تكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج، وأبرص شاع برصه. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ومفلوج وأبرص شاع برصه) وكذلك أعرج يقوم ببعض قدمه، فالاقتداء بغيره أولى تتارخانية، وكذا أجذم برجندي، ومجبوب وحاقن، ومن له يد واحدة فتاوى الصوفية عن التحفة. والظاهر أن العلة النفرة، ولذا قيد الأبرص بالشيوع ليكون ظاهرا ولعدم إمكان إكمال الطهارة أيضا في المفلوج والأقطع والمجبوب. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية على مراقي الفلاح: ۱/ ۳۰۲، فصل في بيان الأحق، ط: المطبعة الكبرى الاميرية، بولاق، مصر)

(۲) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة، وإن كان غيره أورع منه. كذا في المحيط وهكذا في الزاهدي وإن كان متبحرا في علم الصلاة لكن لم يكن له حظ في غيره من العلوم فهو أولى. كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: دار الفكر)

ناظرہ کیا ہوا ہے، بلا تنخواہ، فی سبیل اللہ اپنے محلہ کے جماعت خانہ میں امامت کرتے ہیں؛ چوں کہ امام صاحب صرف ناظرہ پڑھے ہوئے ہیں، اس وجہ سے سورۃ الضحیٰ سے سورۃ الناس تک کی سورتیں نماز میں تلاوت کرتے ہیں، اگر اس جماعت خانے میں نماز پڑھنے کے لیے کوئی حافظ قرآن یا عالم دین آجاتے ہیں، تو مذکورہ شخص، آئے ہوئے حافظ و عالم سے نماز پڑھانے کی درخواست کرتے ہیں؛ لیکن گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ آئے ہوئے حافظ صاحب یا عالم صاحب نماز پڑھانے سے انکار کر دیتے ہیں، تب وہ خود امامت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں ان کے لیے امامت کرنا جائز ہے یا ناجائز، مسئلہ کو تفصیل سے سمجھا کر مہربانی فرمائیں۔

نیز یہ بھی بتائیں کہ مذکورہ شخص (جس نے صرف ناظرہ کیا ہوا ہے) امامت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امامت کی ذمہ داری کے لیے متولی یا ذمہ دار کو چاہیے کہ وہ مسائل سے باخبر متقی عالم کو منتخب کریں، عالم نہ مل سکے، تو حافظ قرآن کا انتخاب کریں۔ اہل محلہ میں وسعت نہ ہو، تو ایسا ناظرہ پڑھا ہوا شخص، جو دین کے ضروری عقائد و مسائل سے باخبر ہو، اس کو بھی امام بنالیں جماعت کا ثواب مل جائے گا، نماز صحیح ہو جائے گی۔(۱)

آپ کے جماعت خانے میں جو شخص نماز پڑھاتے ہیں، ان کی امامت جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۹] ایسے حافظ کی امامت، جو مسائل نماز سے واقف نہ ہو

۶۹۴- سوال: متعدد افراد ایسے دیکھے گئے ہیں، جو حافظ قرآن ہیں؛ لیکن طہارت و نجاست اور امامت وغیرہ کے مسائل سے ناواقف ہیں، تو ایسوں کو امام بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طہارت و نجاست اور نماز کے ضروری مسائل کا جاننا ضروری ہے، اس لیے جو شخص ان مسائل سے

---

(۱) (والأحق بالإمامة) تقديما بل نصبا مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات. والتقوى: اتقاء المحرمات (ثم الأسن)... [الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت]

باخبر ہو، اس کو امام بنانا چاہیے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۰] امامت کا زیادہ مستحق کون ہے؟ مسائل جاننے والا غیر حافظ یا بے خبر حافظ قرآن

۶۹۵- سوال: ایک شخص ناظرہ پڑھا ہوا ہے اور دوسرا شخص حافظ قرآن ہے، جو ناظرہ پڑھا ہوا ہے، وہ نماز، امامت، طہارت اور نجاست وغیرہ مسائل سے باخبر ہے اور جو شخص حافظ قرآن ہے، وہ ان مسائل سے بے خبر ہے، تو کس کو امام بنانا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو امام طہارت ونجاست اور نماز کے مسائل سے باخبر ہے، اس کو امام بنانا چاہیے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۱] ایسے شخص کی امامت، جس کے ہاتھ اور پیر میں نقص ہو

۶۹۶- سوال: اگر کسی شخص میں کسی حادثہ کی وجہ سے یا پیدائشی طور پر دست و پا میں کمی ہو، تو اس کو امام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہ آسانی رکوع، سجدہ اور قعدہ کر سکتا ہو، تو اس کی امامت جائز ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے عنوان: "ناظرہ پڑھے ہوئے شخص کی امامت"۔

(۲) (والأحق بالإمامة) تقديما بل نصبا مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات. والتقوى: اتقاء المحرمات (ثم الأسن)... [الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت]

[۳] (قوله ومفلوج وأبرص شاع برصه) وكذلك أعرج يقوم ببعض قدمه، فالاقتداء بغيره أولى تتارخانية، وكذا أجذم، برجندي،... ومن له يد واحدة فتاوى الصوفية عن التحفة. والظاهر أن العلة النفرة، ولذا قيد الأبرص بالشيوع ليكون ظاهرا ولعدم إمكان إكمال الطهارة أيضا في المفلوج والأقطع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمرد، ط: دار الفكر - بيروت)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله-صلى الله عليه وسلم-:
الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا وإن
عمل الكبائر. (ابوداود:۱/ ۳۴۳، حدیث نمبر: ۲۵۳۳ ☆ سنن الدارقطنی: ۲/ ۴۰۴، بیروت)

باب أمامة الفاسق

[فاسق کی امامت کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب إمامة الفاسق

[فاسق کی امامت کا بیان]

[۱] ڈاڑھی منڈوانے والے کی امامت

۶۹۷-سوال: ڈاڑھی منڈوانے والے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈاڑھی منڈوانے والے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ نماز ہوجاتی ہے، فریضہ ذمہ سے ساقط جاتا ہے، اگر ایسے امام کے ہٹانے پر قدرت نہ ہو اور مجبوری میں اس کی اقتدا کرنی پڑتی ہو، تو ثواب میں بھی ان شاء اللہ کمی نہ ہوگی، جماعت کا ثواب ملے گا، البتہ مقتدی اس قدر ثواب کا حق دار نہ ہوگا، جتنا وہ کسی متقی و پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنے سے مستحق ہوتا۔[1] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ويكره تنزيها إمامة... فاسق. (الدر المختار) ــــــ فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: حاشية الشِّلْبِيِّ مع تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (م: ۱۰۲۱ھ): ۱/ ۱۳۴ - ۱۳۵، كتاب الصلاة، الأحق بالإمامة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة☆البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵): ۲/ ۳۳۳، باب في الإمامة، إمامة العبد والفاسق والأعمى وولد الزنا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت

[۲] چار چھ مہینے بیوی سے دور رہنے والے کی امامت

۶۹۸-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس بابت کہ:

زید سند یافتہ عالم ہیں، چوڑی باؤلی، نورانی مسجد میں امام ہیں، ''پارولہ'' شہر میں عربی مدرسہ میں چار سال سے معلم ہیں؛ ڈاڑھی چھوٹی ہے، ایک کان کا بیرونی حصہ پیدائشی طور پر مڑا ہوا ہے (چھوٹا ہے) مگر سماعت میں کوئی کمی نہیں، گوشت کا کام بھی انجام دیتے ہیں، بہار کے رہنے والے ہیں؛ اس لیے چار یا چھ مہینے میں گھر جاتے ہیں، اخلاق و کردار میں بہت ہی بہتر ہیں، شہر میں دینی معاملات میں ان سے بہتر کوئی نہیں؛ لیکن ہمارے شہر کے چند اشخاص کا کہنا ہے کہ بیوی سے اتنا عرصہ علاحدہ رہنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں، تو کیا زید کی امامت درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

ایک شخص بیوی کی رضامندی سے اپنے علاقے سے چار یا چھ ماہ دور رہتا ہے، معاش کا کوئی بہتر ذریعہ اور وسیلہ خود اس کے گاؤں یا قصبہ یا شہر میں نہیں ہے؛ اس لیے دور دراز بیوی بچوں کے نان نفقہ کی ذمہ داری ادا کرنے کی خاطر رہتا ہے، تو وہ گنہ گار اور فاسق نہیں ہوگا؛ لہٰذا امامت کا عہدہ ایسے شخص کے حوالے کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔[1]

اور جب کہ آپ کی بستی ''پارولہ'' میں اس جیسا دوسرا کوئی عالم موجود نہیں ہے، تو اس عالم کو امامت کا حق ہے، ایسے شخص کے پیچھے پڑھی گئی نماز ہو جائے گی۔[2] البتہ اگر اس کی ڈاڑھی چھوٹی ہے، تو لازم ہے کہ

---

(۱) ویسقط حقها بمرة ویجب دیانة أحیانا ولا یبلغ الإیلاء إلا برضاها، ویؤمر المتعبد بصحبتها أحیانا. (الدر المختار)
قال ابن عابدین: (قوله ویسقط حقها بمرة) قال في الفتح: واعلم أن ترك جماعها مطلقا لا یحل له، صرح أصحابنا بأن جماعها أحیانا واجب دیانة، لکن لا یدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولی ولم یقدروا فیه مدة. ویجب أن لا یبلغ به مدة الإیلاء إلا برضاها وطیب نفسها به. اهـ. (رد المحتار علی الدر المختار: ۳/ ۲۰۲، کتاب النکاح، باب القسم بین الزوجات، ط: دار الفکر - بیروت)
(۲) ویکره تنزیها إمامة... فاسق. (الدر المختار) ــــــــ فإن أمکن الصلاة خلف غیرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولی من الانفراد. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر)

وہ اپنی ڈاڑھی کو ایک مشت سنت کے موافق بڑھائیں۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] اِمام کا ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا

۶۹۹-سوال: ہمارے گاؤں کے اِمام صاحب حافظ اور قاری ہیں، قرآنِ پاک اچھا پڑھتے ہیں؛ لیکن داڑھی ایک مشت سے کم رکھتے ہیں، ایسے اِمام کے پیچھے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر مکروہ ہو تو کراہت کس قسم کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

ایک مشت داڑھی رکھنا سنتِ مؤکدہ ہے، بعض ائمہ نے اُس کو واجب فرمایا ہے، ایک مشت سے زیادہ ہو، تو اُسے کتر کر ایک مشت تک کرنے کی اجازت ہے، ایک مشت سے کم کرنا اور بالکل نہ رکھنا؛ دونوں گناہ کے اعتبار سے یکساں ہیں۔ [۲] ایسے شخص کو فاسق کہا جاتا ہے، اور فاسق کی اِمامت مکروہِ تحریمی ہے، اگر

(۱) عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خالفوا المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ۲/۸۷۵، رقم الحديث: ۵۸۹۲، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ط: ديوبند، ☆الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، رقم الحديث: ۵۴-(۲۵۹)، و ۵۵-(۲۶۰)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

حدثنا مروان يعني ابن سالم المقفع، قال: رأيت ابن عمر يقبض على لحيته، فيقطع ما زاد على الكف. (سنن أبي داود: ۱/۳۲۱، رقم الحديث: ۲۳۵۷، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، ط: ديوبند)

عن أبي زرعة، قال: كان أبو هريرة يقبض على لحيته، ثم يأخذ ما فضل عن القبضة. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة، العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۵/۲۲۵، رقم الحديث: ۲۵۴۸۱، كتاب الأدب، ما قالوا في الأخذ من اللحية، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

عن الحسن، قال: كانوا ير خصون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤخذ منها. (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ۲۵۴۸۴)

ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة... ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار)—— قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. محيط اهـ ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة... ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار)—— قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. =

ایسا فاسق امام منتخب کیا گیا ہے اور مقتدی حضرات ان کی اقتدا کرنی پڑے، تو نماز درست ہوگی؛ البتہ اُسے امام بنانے والے گنہگار رہوں گے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا افضل ہے، اگر قرب وجوار میں کوئی مسجد ہو، تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہاں نماز پڑھیں، بہ صورت دیگر اسی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیں، لیکن جماعت چھوڑ کر تنہا نماز نہ پڑھیں۔ (شامی: ۶/۴۰۷)[۲] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۴] فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام

۷۰۰-سوال: (۱) زید تھوڑا سا علم رکھتا ہے، قرآن شریف بالکل غلط پڑھتا ہے، نیز زکاۃ، صدقۂ فطر وغیرہ لیتا ہے، خرید وفروخت کی دلالی کرتا ہے اور حلال وحرام میں کوئی تمیز نہیں کرتا ہے، چغلی وغیبت اس کی عادت ہے، مسائل کے علم سے کوسوں دور ہے، وہ شہر پارولہ کے بڑے محلہ کا امام ہے، تو کیا اس کی امامت درست ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

(۲) اسی طرح خالد شہر کا پہلا قاضی تھا، دینی علم بالکل نہیں رکھتا ہے، نماز نہیں پڑھتا ہے، صرف عیدین کی نماز پڑھتا ہے، اپنے کاروبار کے لیے سودی پیسے لیتا ہے، موٹر کا بزنس ہے، اس کا فائنانس ساہوکار سے کرواتا ہے اور بینک سے بھی کرواتا ہے، مزید برآں سینما دیکھتا ہے، تاش کھیلتا ہے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جلد جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امامت کا عہدہ ترجیحی بنیاد پر ایسے شخص کے حوالے کرنا چاہیے، جو قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو، صالح

=محيط اهـ ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر- بيروت)

عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خالفوا المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ۲/۸۷۵، رقم الحديث: ۵۸۹۲، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، رقم الحديث: ۵۴-(۲۵۹)، و ۵۵-(۲۶۰)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: ديوبند)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری، اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

اور نیک ہو، گناہوں سے اجتناب کرتا ہو، نیز نماز کی صحت وفساد کے مسائل سے واقف ہو۔ (۱)

جو شخص جب قرآن شریف صحیح نہیں پڑھتا ہے، حرام کاموں میں ملوث ہے، احکام ومسائل سے نابلد ہے، تو وہ فاسق کے زمرے میں آتا ہے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، جب کہ اس سے زیادہ متبع شریعت شخص موجود ہو۔ (۲) اس لیے متولیان مسجد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے برطرف کردیں، اگر ذمہ دار حضرات اس کو برطرف نہیں کریں گے، تو وہ گنہ گار ہوں گے۔ (۳)

لیکن محلہ والوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ امام جیسا بھی ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**صلوا خلف کل بر وفاجر**" ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ (دار قطنی) (۴)

اسلام اجتماعیت کی تعلیم دیتا ہے اور نزاع وفساد سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین کرتا ہے، پس عوام کو

---

(۱) الأولی بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا - ديوبند☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط:: دار الكتب العلمية☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰ھ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل.... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۵۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

(۴) سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر، البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۲/ ۴۰۴، رقم الحديث: ۱۷۶۸، كتاب العيدين، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، ت: شعيب الارنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت.

چاہیے کہ امام جیسا بھی فاسق وفاجر ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں، ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ (۵)

اور امام کے لیے ضروری ہے کہ جب دینی امور کی وجہ سے لوگ ان سے ناراض ہیں، تو وہ خود امامت سے کنارہ کشی اختیار کرلیں، ورنہ وہ اس سلسلہ میں گنہگار ہوں گے۔ (۶) اور اگر امام مستعفی نہ ہوں، تو متولیان مسجد اسے امامت کے عہدے سے الگ کردیں، ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

صورت مسئولہ میں امام کی جو صفات ذمیمہ بیان کی گئی ہیں، اگر واقعتاً ایسا ہی ہے، تو اسے فوراً امامت سے علاحدگی اختیار کرلینی چاہیے، ورنہ متولیان کے لیے ایسے فاسق وفاجر کو امامت سے علاحدہ کردینا ضروری ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت

[۶] نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری

۷۰۱-سوال: (۱) امام کی بیوی بے پردہ گھومتی ہے اور دوکان چلاتی ہے، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اسی طرح امام سودی لین دین کرتا ہو، تو کیا حکم ہے؟

(۲) ہمارے یہی امام تقریباً ۱۲؍سال سے ہیں، لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے کراہیت محسوس کرتے ہیں، تو کیا کیا جائے؟

(۳) ان امام صاحب نے تاریخ ۳۱-۱۰-۸۱ء کو تنخواہ لے کر کہا: میں کل سے مستعفی ہوں، ایک دن امامت اور مدرسہ سے الگ رہے، اور دوسرے دن ۲؍تاریخ سے کام شروع کردیا، اس وقت لوگوں نے

---

(۵) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد، لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۶) عن ابن عباس، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رءوسهم شبرا: رجل أم قوما وهم له كارهون، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وأخوان متصارمان". (سنن ابن ماجه، ص ۶۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: البدر - ديوبند)

کہا: آپ نماز نہ پڑھائیں، صرف مدرسہ میں پڑھائیں، کمیٹی نے بھی یہی فیصلہ کیا اور کہا: مدرسہ کی ۲۰۰/ روپے تنخواہ آپ کو دی جائے گی؛ لیکن یہ امام صاحب صرف مدرسہ کی تنخواہ لینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے امامت اور مدرسہ دونوں کی تنخواہ ملنی چاہیے، اور وہ عدالت (کورٹ) میں جانا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں آپ شریعت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) متولی اور ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ منصب امامت نیک اور متقی انسان کے حوالہ کریں۔[1] فاسق وفاجر کو امام بنانا مکروہ ہے۔[2] البتہ لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں، تو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔[3] وبال متولی اور ٹرسٹیوں پر ہوگا، جنہوں نے ایسے شخص کو امام بنایا ہے۔[4]

جس امام کی بیوی بے پردہ گھومتی ہو، دوکان چلاتی ہو اور غیر محرم سے بے پردہ باتیں کرتی ہو، اور امام ان تمام حرکتوں کو جاننے کے باوجود منع نہ کرتا ہو، تو وہ فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔[5] البتہ

(۱) الأولی بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين، ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا- ديوبند ☆بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولی بها، ط:: دار الكتب العلمية☆تحفة الفقهاء-أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰هـ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء علی أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ هـ) ص: ۵۱۳، كتاب الصلاة، الأولی بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

(۳) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولی من الانفراد. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولی من الانفراد، لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۴) حاشیہ نمبر: ۲ ملاحظہ کریں۔

(۵) قال ابن عابدين: (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل.... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفی أنه إذا كان =

اگر امام اپنی بیوی کو ان سب کاموں سے منع کرتا ہو، مگر عورت مانتی ہی نہ ہو اور طلاق دینے کی صورت میں بیوی کے بغیر صبر مشکل ہو، یا کوئی اور مجبوری ہو، تو ایسی صورت میں وہ امام فاسق شمار نہ ہوگا، اور اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہوگی۔ (۶)

(۲) متولی کی ذمہ داری یہ ہے کہ ایسے امام کو اپنا فرض منصبی یاد دلائیں، اگر نہ مانیں تو معزول کر دیں اور کسی دین دار امام کا تقرر کریں۔ (۷)

(۳) آپ سب لوگوں کا فیصلہ اور کمیٹی کا فیصلہ شریعت کے موافق ہے اور بالکل صحیح فیصلہ ہے، جب لوگ اس امام کی بد دینی کی وجہ سے ناراض ہیں، تو اس کو الگ کر دینا جائز ہے۔ (۸) امام صاحب کو چاہیے کہ

=أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۶) قال الله تعالى: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ. (۳۵-فاطر: ۱۸)

له امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر لا يجب تطليقها كذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۷۲، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات، ط: دار الفكر - بيروت)

وفي المجتبى من آخر الحظر والإباحة: لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. اهـ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۳/ ۱۱۵، كتاب النكاح، ط: دار الكتاب الإسلامي☆الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۵۰، كتاب النكاح، قبيل باب الولي☆النهر الفائق شرح كنز الدقائق - سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵هـ): ۲/ ۱۹۹، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية)

(۷) عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۷۹، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر - ديوبند)

(۸) أبو أمامة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم: العبد الآبق حتى يرجع، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وإمام قوم وهم له كارهون". (سنن الترمذي: ۱/ ۸۳، رقم الحديث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند☆سنن أبي داود: ۱/ ۸۸، رقم الحديث: ۵۹۳، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند☆سنن ابن ماجه: ۱/ ۶۹، رقم الحديث: ۹۷۰، ۹۷۱، باب من أم قوما وهم له كارهون، ط: أشرفي - ديوبند)

مسجد سے علاحدہ ہوکر صرف مدرسہ پڑھائیں اور اسی کی تنخواہ لیں، یہی صلح کا راستہ ہے۔[9] اور علماء کی شان کے خلاف ہے کہ وہ غیر شرعی کام کر کے عدالت کا سہارا لیں۔[10] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا، جس کی بیوی الیکشن کی امیدوار ہو

۷۰۲-سوال: ایک شخص برسوں سے امام ہے، اس کی بیوی پردہ کا اہتمام نہیں کرتی ہے، نیز وہ الیکشن میں امیدوار بھی ہے، اور ظاہراً دو، چار عام خاص مجلسوں میں حاضری بھی دے چکی ہے،، جن میں اس نے پردے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا، تو کیا ایسی عورت کا شوہر نماز پڑھا سکتا ہے؟ کیا ایسا شخص امامت کے لائق ہے؟ اس کے پیچھے پڑھی گئی نماز قبول ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصليا:

ہر آزاد عورت کے لیے منہ، دونوں ہاتھ کی ہتھیلی اور دونوں پاؤں کے علاوہ پورا بدن چھپانا ضروری ہے، چہرہ کھلا رکھنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لیے فقہاء نے اس کو چھپانا بھی ضروری قرار دیا ہے۔[1]

---

(۹) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلح جائز بين المسلمين، زاد أحمد، إلا صلحا أحل حراما، أو حرم حلالا، وزاد سليمان بن داود، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلمون على شروطهم. (سنن أبي داود: ۲/ ۵۰۶، رقم الحديث: ۳۵۹۴، كتاب الأقضية، باب في الصلح، ط: ديوبند)

(۱۰) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا. (۴-النساء: ۵۹)

(۱) قال: (وجميع بدن الحرة عورة) قال - عليه الصلاة والسلام -: الحرة عورة مستورة.

قال: (إلا وجهها وكفيها) لقوله تعالى: {ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها} [النور: ۳۱] قال ابن عباس: الكحل والخاتم. ومن ضرورة إبداء الزينة إبداء موضعها، فالكحل زينة الوجه، والخاتم زينة الكف، ولأنها تحتاج إلى كشف ذلك في المعاملات فكان فيه ضرورة.

(وفي القدم روايتان) الصحيح أنها ليست بعورة في الصلاة، وعورة خارج الصلاة. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ): ۱/ ۴۶، كتاب الصلاة، باب ما يفعل قبل الصلاة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

بدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها. كذا في المتون وشعر المرأة ما على رأسها عورة وأما المسترسل ففيه روايتان الأصح أنه عورة. كذا في الخلاصة وهو الصحيح وبه أخذ الفقيه أبو الليث وعليه الفتوى. كذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۸، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: دار الفكر)=

الغرض عورت کے لیے پردہ لازمی حکم ہے، الیکشن میں امیدوار بننے کی وجہ سے شریعت کے اس حکم کی پاسداری نہیں ہو سکے گی؛ کیوں کہ جب بھی مجلسیں منعقد ہوں گی، بے پردہ بیٹھنا پڑے گا، اجنبی مردوں کے سامنے بے پردہ بیٹھ کر باتیں کرنی ہوگی؛ یہ تمام گناہ کے کام ہیں، اور کوئی شخص گناہ کا کام ہوتا دیکھے اور روکنے کی استطاعت ہو، تو اس کے لیے روکنا ضروری ہے۔ [۲]

صورت مسئولہ میں شوہر- جو کہ امام ہیں- دین کے اونچے مقام پر فائز ہیں، ان پر اپنی بیوی کو بے پردہ نکلنے سے روکنا ضروری ہے، اگر یہ ذمہ داری امام صاحب ادا نہیں کریں گے، تو مرتکب کبیرہ ہو کر گنہ گار ہوں گے، جس کو شریعت میں ''فاسق'' کہا جاتا ہے۔ [۳] اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ تاہم قوم کی ذمہ داری ہے کہ مذکورہ امام کے پیچھے ہی نماز ادا کریں، ان کو باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔ [۴]

البتہ امام اور متولی حضرات گنہ گار ہوں گے؛ کیوں کہ متولیوں کی ذمہ داری تھی کہ کسی نیک، متقی شخص کو

=وكشف العورة من غير ضرورة لمعنى الشهوة لا يجوز. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱۰/ ۱۵۶، كتاب الاستحسان، النظر إلى الأجنبيات، ط: دار المعرفة- بيروت)

(۲) قال أبو سعيد (الخدري): سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۱، رقم الحديث: ۷۸-(۴۹)، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، الخ، ط: البدر- ديوبند)

(۳) قال ابن عابدين: (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل.... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۴) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة) =

امامت کی ذمہ داری سپرد کرتے، نااہل کو ذمہ، سپرد کرنے کی وجہ سے وہ گنہ گار ہوں گے۔ (۵)

البتہ اگر امام عورت کو نصیحت کرتا ہے؛ لیکن وہ نہیں مانتی، پردہ میں نہیں رہتی ہے اور طلاق دینے سے امام صاحب کے پریشانی میں مبتلا ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے، یا طلاق دینے کی وجہ سے دنیوی قانون کے موافق عدالت کے چکر کاٹنے پڑیں گے، جس کی وہ اپنے اندر ہمت نہیں پاتا، تو وہ فاسق نہیں ہوگا اور اس کی امامت کسی کراہت کے بغیر جائز ہے۔ (۶) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] امام ومدرّس کی بیوی بے پردہ رہے، تو اُن کی امامت مکروہ ہوگی یا نہیں؟

۷۰۳-سوال: ہمارے یہاں ایک عالم قرآنِ پاک پڑھاتے ہیں اور ایک مسجد میں امامت بھی کرتے ہیں، اُن کے یہاں بعض نوجوان لڑکوں کی آمد ورفت رہتی ہے، جو اُن کے گھر میں اندر تک بلا جھجک چلے جاتے ہیں، اُن کی بیوی کے ساتھ بیٹھ کر بے محابا باتیں کرتے ہیں، حالاں کہ یہ نوجوان لڑکے اُن کی بیوی کے محرم بھی نہیں ہیں، اُن نوجوانوں میں سے ایک کی امام صاحب کے ساتھ دور کی رشتہ داری ہے؛ لیکن محرم وہ بھی نہیں ہے، اپنی بیوی کی اس بے حجابی کا مذکورہ مدرّس کو علم بھی ہے، پھر بھی اُنھیں اس بات کا گویا کوئی احساس ہی نہیں ہے، ہاں! یہ بات ہے کہ اُن کی بیوی گھر سے باہر آمد ورفت میں برقع پہنتی ہے، تو ایسے امام کی امامت کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ اُن کی امامت مکروہ تحریمی شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت پر واجب ہے کہ وہ ہر غیر محرم سے پردہ میں رہے، جو بھی عورت اس پر عمل پیرا نہیں ہوگی تو وہ

(۵) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير- إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ هـ) ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

(۶) قال الله تعالى: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ. (۳۵-فاطر: ۱۸)

له امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر لا يجب تطليقها كذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۴۷، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات، ط: دار الفكر - بيروت)

وفي المجتبى من آخر الحظر والإباحة: لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۳/ ۱۱۵، كتاب النكاح، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۵۰، كتاب النكاح، قبيل باب الولي ☆ النهر الفائق شرح كنز الدقائق- سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵ هـ): ۲/ ۱۹۹، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية)

سخت گنہ گار ہوگی۔[1] مسئلہ مذکورہ میں نوجوان لڑکوں کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس طرح کی آمدورفت رکھیں۔[2] اگر امام صاحب اُن کی اس آمدورفت سے باخبر ہونے کے باوجود کوئی باز پرس نہیں کرتے، تو وہ بھی گنہ گار رہوں گے، اگر وہ اس سے توبہ نہ کریں، تو اُن کی امامت مکروہِ تحریمی ہوگی۔[3]

لیکن جب کہ امام صاحب اپنی بیوی کو گھر سے باہر آمدورفت کے لیے پردہ کرنے کو کہتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ ان کی بیوی برقعہ پہن کر باہر نکلتی ہے، تو اُن کے بارے میں اس طرح کا حسن ظن رکھا جاسکتا ہے کہ وہ قصداً گھر میں بے پردگی سے راضی نہیں ہوں گے، ہوسکتا ہے کہ بے احتیاطی کی بنیاد پر مذکورہ بے حجابی ہورہی ہو، تو اس صورت میں اُن کی امامت میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر وہ مذکورہ مسئلہ جانتے ہیں، اور اُنہیں اس منکر کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، پھر بھی وہ اس پر کوئی اقدام نہیں کررہے ہیں، تو اُن کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہوگی۔ (ردالمحتار: ۱/ ۵۶۰، ۵۶۲)[4] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قوله تعالى: وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ. (۳۳-الاحزاب: ۵۳)

(۲) قوله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾ (۲۴-النور: ۲۷)

عن عقبة بن عامر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والدخول على النساء، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله، أفرأيت الحمو؟ قال: الحمو الموت. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۸۷، رقم الحديث: ۵۲۳۲، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم، والدخول على المغيبة، ط: البدر - ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۲۱۵، رقم الحديث: ۲۰-(۲۱۷۲)، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ط: البدر - ديوبند)

عن أم سلمة، قالت: كنت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وعنده ميمونة، فأقبل ابن أم مكتوم وذلك بعد أن أمرنا بالحجاب، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: احتجبا منه، فقلنا: يا رسول الله، أليس أعمى لا يبصرنا، ولا يعرفنا؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أفعمياوان أنتما، ألستما تبصرانه. (سنن أبي داؤد: ۲/ ۵۶۷، رقم الحديث: ۴۱۱۲، كتاب اللباس، باب في قوله عز وجل: {وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن}، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۲/ ۱۰۶، رقم الحديث: ۲۷۷۸، أبواب الأدب، باب ما جاء في احتجاب النساء من الرجال، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۷۹، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر - ديوبند)

(۴) دیکھیے عنوان: ''ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا، جن کی بیوی الیکشن کی امیدوار ہو'' کا حاشیہ نمبر: ۳۔

[۹] عید میلاد اور مشاعرہ وغیرہ میں پیش پیش رہنے والے حافظ کے پیچھے نماز

۷۰۴-سوال: ہماری بستی لاج پور میں ہر سال عید میلاد النبی کا جلسہ ہوتا ہے، جس میں حسب ذیل پروگرام ہوتے ہیں: پہلے دن عالم صاحبان کی تقریر، دوسرے روز مشاعرہ اور تیسرے روز اسی اسٹیج پر قوالوں کی قوالی۔ قوالی میں ایک مرد اور ایک عورت گاتی ہے، اس پروگرام کی کمیٹی میں ایک حافظ صاحب بھی ہیں، جو لوگوں کو ترغیب وتحریص دلا کر اس کے پروگرام کی جانب مائل کرتے ہیں، اس کام کے لیے چندہ بھی مانگا جاتا ہے، ہمیں اس کا چندہ دینا چاہیے یا نہیں؟ اور ایسے حافظ صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سیرت مبارکہ کا جلسہ، جو افراط وتفریط، فضول خرچی واسراف اور رسوم ورواجات سے پاک ہو، بلا شبہ جائز ہے۔[1] میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسہ کے نام پر مشاعرہ اور قوالی کرانا اور اس کے لیے لوگوں سے جبرا

---

(۱) عن أنس، قال: قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: لا يؤمن أحدكم، حتى أكون أحب إليه من والده، وولده، والناس أجمعين. (صحيح البخاري ۱/۶-۷، باب: حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، كتاب الإيمان، رقم: ۱۵، ط: البدر - ديوبند ☆ صحيح مسلم: ۱/۴۹، كتاب الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أكثر من الأهل والولد والوالد، ط: البدر - ديوبند)

امداد الفتاویٰ میں ہے: ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے، اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو۔ (۵/۲۴۹، کتاب البدعات، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

تاہم یہ اسی وقت درست ہے، جب کہ دن، تاریخ اور مہینہ کی تعیین نہ ہو، لیکن فی زماننا احتراز اولی اور احوط ہے؛ کیوں کہ اس کو واجب اور فرض کا درجہ دے دیا گیا ہے، اور اس قسم کی محفل منعقد نہ کرنے والوں اور اس میں شریک نہ ہونے والوں پر لعن و طعن کی بوچھار کی جاتی ہے؛ بل کہ ان کو کافر تک کہنے سے گریز نہیں کیا جاتا ہے، جب کہ کسی امر مباح کو اس کے درجے سے بڑھا دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے، شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (م: ۸۵۲ھ) رقم طراز ہیں: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة، لكن لما خشي بن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. والله أعلم. (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۲/۳۳۸، كتاب الصلاة، باب الانفتال والانصراف عن اليمين، ط: دار المعرفة - بيروت)

نوٹ: اس سلسلے کے تمام فتاویٰ اور ان کی تخریج کے لیے دیکھیے، فتاویٰ فلاحیہ کی جلد اول، ص: ۳۶۵-۳۷۵۔

چندہ جمع کرنا اور گانا سننا اور باجہ وغیرہ بجانا حرام ہے۔ [٢] جو کمیٹی ان امور کو انجام دیتی ہے، اس کا تعاون کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [٣] نیکی اور تقویٰ کے کام میں مدد کرو اور ظلم اور گناہ کے کام میں مدد نہ کرو۔

لہٰذا ان گناہ کے کاموں پر مدد کرنا حرام ہے۔

جو حافظ ان گناہوں کے کام میں مددگار ہے، وہ فاسق ہے، اس کو امام بنانا مکروہ ہے۔ [٤] متولیان کی ذمہ داری ہے ایسے امام کو معزول کردیں، اگر متولی حضرات معزول نہ کریں، تو فاسق کے پیچھے نماز ہوجائے گی، نماز پڑھنے والے کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٠] امام کا ڈاڑھی کٹانا اور اپنی بیوی کو میلے میں بے پردہ گھمانا

٧٠٥-سوال: (١) ایک امام صاحب عالم ہیں، ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھتے ہیں، تو اتنی

(٢) عن ابن مسعود، قال: " الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع، والذكر ينبت الإيمان في القلب كما ينبت الماء الزرع ". (السنن الكبرى-أبو بكر البيهقي (م:٤٥٨هـ): ١٠/ ٣٧٧، رقم الحديث: ٢١٠٠٧، باب: الرجل يغني فيتخذ الغناء صناعة، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ و روى أبو داود شطره الأول برقم: ٤٩٢٧، في باب كراهية الغناء والزمر)

قال إبراهيم: الغناء ينبت النفاق في القلب. قال: وقال مجاهد: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث} [لقمان: ٦]: الغناء. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م:٢٣٥هـ): ٤/ ٣٦٨، رقم الحديث: ٢١١٣٨، في هذه الآية: ومن الناس من يشتري لهو الحديث، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد-الرياض)

قال الله تعالى: ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم. الآية (النساء: ٢٩) وقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند الإمام أحمد: ٣٤/ ٢٩٩، رقم: ٢٠٦٩٥، ت: شعيب أرناؤط، ط: مؤسسة الرسالة عام ١٤٢١هـ ☆ ومسند أبو يعلى: ٣/ ١٤٠، رقم: ١٥٠٧، ت: حسين سليم، ط: دار المأمون للتراث-دمشق عام ١٤٠٤هـ)

قال المظهري في تفسير "الباطل" أي بوجه ممنوع شرعاً، كالغصب، و السرقة، و الخيانة، والقمار، والرباء، والعقود الفاسدة. (التفسير المظهري: ٢/ ٢٩٨، ت: أحمد عزو عناية، ط: زكريا-ديوبند)

(٣) ٥-المائدہ: ٢۔

(٤) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری کے حواشی۔

ڈاڑھی رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ ان کے پیچھے مقتدیوں میں سے بہت سوں کی مکمل ڈاڑھی ہوتی ہے۔اور ایسے امام کو مقرر کرنے میں متولی اور کمیٹی والوں کی کوئی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ نیز یہ عالم بہت پرزور بیان بھی کرتے ہیں۔

(۲) چند دنوں پہلے مذکورہ امام صاحب ایک میلے میں اپنی بیوی کو بے پردہ لے کر گئے تھے، اس سلسلہ میں لوگوں میں کافی چہ میگوئیاں ہوئیں، ان کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی کہ میرے میلے میں جانے اور ڈاڑھی سے متعلق لوگ تبصرہ کر رہے ہیں، تو انتہائی غصہ کے عالم میں خطاب کیا اور دوران خطاب کہا کہ ''ایسی بات کہنے والے یزید کی ذریت اور ابولہب کی اولاد ہیں''۔انہوں نے مزید کہا کہ لوگوں کو اپنے امام کے متعلق کچھ بولنے کا حق نہیں ہے، اور استدلال میں واقعہ بیان کیا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ ایک مرتبہ ایک رنڈی کے کوٹھے پر گئے تھے، تو لوگوں میں اس کا چرچہ ہوا، تو ان کے بعض مریدوں نے لوگوں کو سمجھایا اور کہا کہ شیخ کے متعلق ہمیں اس طرح کا گمان نہیں رکھنا چاہیے؛ بل کہ کہو''الحمد اللہ''، ہمارا شیخ مرد ہے! اس بات پر انہوں نے واقعہ ختم کر دیا، جب کہ لوگ الجھن میں مبتلا ہو گئے کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ اس رنڈی کے پاس کیوں گئے تھے؟ ان امام کی بات سے تو کچھ اور ہی ثابت ہوتا ہے، جو حضرتؒ کی شان کے خلاف ہے، بہر حال انہوں نے اپنے آپ کو پاک صاف بتلایا اور قصوروار، مقتدی حضرات کو ٹھہرایا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک امام کی مذکورہ حرکت اور لوگوں کے ساتھ ان کا ایسا رویہ کہ ان کو یزید کی ذریت، ابولہب کی اولاد تک کہنا- جب کہ مجمع میں نوجوان اور بہت سے سفید ریش بزرگ بھی تھے- شرعاً کیسا ہے؟ تفصیل سے تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداًو مصلياً:

متولی اور ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ امامت کا منصب نیک، صالح و متقی شخص کے حوالہ کریں، اگر فاسق وفاجر کو یہ منصب دیں گے، تو وہ گنہگار ہوں گے۔[1] اور اس طور پر ڈاڑھی کٹانا کہ ایک مشت بھی باقی نہ رہے، گناہ

---

(۱) لو قدموا فاسقا يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير- إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ٩٥٦هـ) ص: ٣١٥، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی- لاہور☆ فتح القدير: ١/ ٣٠٤، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: رشيدية- كراتشي)

کبیرہ ہے، اور اس طرح ڈاڑھی تراشنے والا فاسق وفاجر ہے۔[۲] ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

مقتدی کی داڑھی ہو یا نہ ہو، امام کے لیے ایک مشت ڈاڑھی رکھنا سنت ہے۔[۳] نیز لازم ہے کہ وہ شریعت کے تمام احکام کا پابند ہو، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا، تو سخت گنہگار ہوگا، خواہ وہ امام بیان کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، اگر بیان بھی کرتا ہو اور خود سنن کی اور شعائر دین کی پابندی نہ کرتا ہو، تو وہ سخت غلطی میں ہے۔[۴] ایسے شخص کو امامت سے الگ کردینا ضروری ہے، ورنہ متولی وٹرسٹیان گنہگار ہوں گے۔

(۲) صورت مسئولہ میں امام کے تعلق سے درج ذیل قباحتیں ہیں:

۱- ہندؤوں کے میلے میں جانا، جو حرام ہے۔[۵]

(۲-۳) عن ابن عمر، عن النبي صلی اللہ علیه وسلم قال: "خالفوا المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۷۵، رقم الحديث: ۵۸۹۲، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۲۹، رقم الحديث: ۵۴-(۲۵۹)، و ۵۵-(۲۶۰)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: ديوبند)

حدثنا مروان يعني ابن سالم المقفع، قال: رأيت ابن عمر يقبض على لحيته، فيقطع ما زاد على الكف. (سنن أبي داود: ۱/ ۳۲۱، رقم الحديث: ۲۳۵۷، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، ط: ديوبند)

عن أبي زرعة، قال: كان أبو هريرة يقبض على لحيته، ثم يأخذ ما فضل عن القبضة. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة، العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۵/ ۲۲۵، رقم الحديث: ۲۵۴۸۱، كتاب الأدب، ما قالوا في الأخذ من اللحية، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد-الرياض)

عن الحسن، قال: كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤخذ منها. (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ۲۵۴۸۴)

ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة... ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. محيط اهـ ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر-بيروت)

(۴) عن صفوان بن محرز، عن جندب، قال: قال رسول الله صلی اللہ علیه وسلم: مثل الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه مثل مصباح يضيء للناس ويحرق نفسه. (كتاب الأمثال في الحديث النبوي-أبو محمد عبد الله بن محمد بن جعفر بن حيان الأنصاري المعروف بـ'أبي الشيخ الأصبهاني' (م: ۳۶۹هـ): ۱/ ۳۲۴، رقم الحديث: ۲۷۶، ذكر قوله صلی اللہ علیه وسلم: مثل الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: الدار السلفية-بومباي)

(۵) عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلی اللہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داود: ۲/ ۵۵۹، رقم الحديث: ۴۰۳۱، كتاب اللباس، فصل في لبس الشهرة، ط: مكتبة الاتحاد-ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتاویٰ فلاحیہ: ۱/ ۳۰۷، عنوان: غیر مسلموں کے مذہبی میلوں میں شرکت اور خرید وفروخت۔

۲-عورت کو بے پردہ گھر سے باہر جانے دینا، جو حرام ہے۔ (۶)

۳-شوہر کا اپنے ساتھ عورت کو میلے میں گھمانا، جو گناہ کا کام ہے۔ (۷)

۴-امام کو احساس ذمہ داری دلانے والوں کو یزید کی ذریت، ابولہب کی اولاد وغیرہ الفاظ سے خطاب کرنا، جو حرام ہے۔ (۸)

۵-گناہ پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے آپ کو بزرگوں کے ساتھ غلط تشبیہ دینا، جو حرام ہے۔

کہاں بایزید بسطامی اور کہاں یہ امام!

۶-شیخ اور مریدوں کے احکام الگ ہوتے ہیں اور امام اور مقتدیوں کے احکام جداگانہ۔ مرید تو اپنے ارادہ کو ختم کر کے شیخ کے تابع ہو جاتا ہے، جب کہ امام شیخ نہیں ہے کہ اس پر روک ٹوک کی بالکل گنجائش نہ ہو۔

۷-ضعیفوں، عالموں اور نیک نوجوانوں کو برے ناموں سے خطاب کرنا حرام ہے، جب مذکورہ امام گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور روکنے والوں پر دشنام طرازیاں کرتا ہے، تو اس کو تاکیداً امامت سے الگ

---

(۶) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ (۳۳-الأحزاب-۵۹)

(۷) وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ (۳۳-الأحزاب: ۳۳-۳۴)

(۸) وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ (۴۹-الحجرات: ۱۱)

عن أبي ذر رضي الله عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه، إن لم يكن صاحبه كذلك. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۹۳، رقم الحديث: ۶۰۴۵، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، ط: ديوبند)

أبو جبيرة بن الضحاك، قال: فينا نزلت هذه الآية في بني سلمة ﴿ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان﴾ قال: قدم علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس منا رجل إلا وله اسمان أو ثلاثة، فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يقول: يا فلان، فيقولون: مه يا رسول الله، إنه يغضب من هذا الاسم، فأنزلت هذه الآية ﴿ولا تنابزوا بالألقاب﴾. (سنن أبي داود: ۲/ ۶۷۸، رقم الحديث: ۴۹۶۲، كتاب الأدب، باب في الألقاب، ط: ديوبند)

کر دینا چاہیے، ورنہ متولی گنہگار ہوں گے۔

نوٹ: امام کو الگ کرنے کی ذمہ داری متولی اور ٹرسٹیوں کی ہے، اگر وہ الگ نہیں کرتے ہیں، تو گنہ گار ہوں گے، مگر مقتدیوں کو چاہیے کہ اس امام کے پیچھے نماز ادا کریں، جماعت کا ثواب مل جائے گا، الگ سے نماز پڑھنے کی کی کوشش نہ کریں، ورنہ جماعت چھوڑنے کا گناہ ہوگا۔ [۹] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۰۶-سوال: ایک شخص ہے، اس میں ایسا بھرم ہے کہ گویا اس کے علاوہ کوئی دوسرا دین کا مسئلہ جانتا ہی نہیں، وہ امامت کراتا ہے؛ لیکن بعض مرتبہ شراب بھی پیتا ہے اور غیر قوموں کے مذہبی امور میں بھی شرکت کرتا ہے، جیسے ''نوراتری'' کے موقع پر ان کی محفل میں شریک ہونا وغیرہ، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز میں اقتدا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ یعنی اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے، تو جو نماز پڑھی جا چکی ہے، کیا اس کا لوٹانا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص کے عقائد درست ہوں، تو کراہت کے ساتھ اس کی اقتدا میں نماز ہو جائے گی اور مقتدیوں کو جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا، البتہ متولی کی ذمہ داری ہے کہ نماز پڑھانے کے لیے کسی دین دار شخص کا تقرر کرے، شرابی، اور دوسری قوم کے تہواروں میں شرکت کرنے والے کو امامت سے دور رکھے، ورنہ ذمہ دار حضرات گنہ گار ہوں گے۔

اگر اس امام کے عقائد درست نہ ہوں، تو اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوگی۔ [۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۹) وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)
تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری'' کے حواشی۔

(۱) (ويكره) تنزيها (إمامة عبد) ... (وفاسق) ... (ومبتدع) اى صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة وكل من كان من قبلتنا ... (وإن) أنكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر بها) كقوله إن الله تعالى جسم كالأجسام وإنكاره صحبة الصديق (فلا يصح الاقتداء به أصلا) فليحفظ (وولد الزنا) هذا إن وجد غيرهم وإلا فلا كراهة بحر بحثا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۹-۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱۲] أيضاً

۷۰۷-سوال: ہمارے گاؤں میں ایک شخص ہے، اس کی ڈاڑھی تو ہے، لیکن پانچ وقت کی نماز پابندی سے نہیں پڑھتا ہے، غیبت میں بھی مبتلاء ہے، سینما (فلم) دیکھنے بھی جاتا ہے، وہ بعض مرتبہ- جب امام صاحب نہیں ہوتے- جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہماری نماز صحیح ہوجائے گی یا نہیں؟ گاؤں کے لوگ جاہل ہیں، ان کو مسئلہ معلوم نہیں ہے، جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امامت کا منصب بہت اہم ہے، ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے ایسے شخص کو امام مقرر کریں، جو نیک اور دین دار ہو، فاسق شخص- جو ڈاڑھی منڈواتا ہو یا کترواتا ہو، سینما دیکھتا ہو، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، البتہ مقتدیوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ امام فاسق ہو، تب بھی اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں، ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا، کیوں کہ اسلام اتفاق واتحاد کی تعلیم دیتا ہے، پس مقتدیوں کو چاہیے کہ کوئی ایسا کام نہ کریں، جس سے اختلاف وانتشار ہو۔ مگر ٹرسٹیوں اور کمیٹی والوں پر لازم ہے کہ ایسا شخص جس سے دینی بنیاد پر لوگ ناراض ہوں، اس کو امامت کا منصب سپرد نہ کریں۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] ڈاڑھی منڈے کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۰۸-سوال: ڈاڑھی منڈوانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی اور ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ امامت کا عہدہ متقی اور متشرع شخص کے حوالہ کریں، اگر وہ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے یا ایک مشت سے کم رکھنے والے شخص کو امامت کا عہدہ دیتے ہیں، تو گنہگار رہوں گے، البتہ محلہ والوں کا فریضہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے- جب تک اس کا عقیدہ کفر تک نہ پہنچا ہو- نماز پڑھ لیں، مجبوراً ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا؛ لیکن متولی اور ٹرسٹیوں سے مشورہ

---

(۱) مسئلہ اور اس کی تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری'' کے حواشی۔

کر کے ایسے امام کو معزول کرنے کی کوشش کریں، البتہ اس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں، مصلیوں کی صرف اس قدر ذمہ داری ہے کہ بغیر کوئی فتنہ کیے اس امام کو معزول کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور جماعت سے نماز پڑھتے رہیں جماعت کا ثواب مل جائے گا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] شرابی- جس نے فی الحال توبہ کی ہے- کا امام بننا

۷۰۹-سوال: ایک شخص حافظ ہے؛ لیکن اس کی بداعمالیاں بہت ہیں؛ حتی کہ شراب بھی پیتا تھا ؛لیکن فی الحال اس نے شراب ترک کردی ہے، تو ایسے شخص کے پیچھے تراویح یا فرض نماز پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً

گناہ کبیرہ کے ارتکاب یا گناہ صغیرہ پر مداومت سے انسان فاسق ہوجاتا ہے، اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔[2] شراب، تاڑی وغیرہ پینا گناہ کبیرہ ہے۔[3] جو شخص شراب پیتا ہو، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، البتہ شراب پینے والے اور دیگر فسق کے کاموں کا ارتکاب کرنے والے نے اگر سچی توبہ کرلی ہو

---

(۱) مسئلہ اور اس کی تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری'' کے حواشی۔

(۲) قال ابن عابدين: (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل. . . . وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، . . . مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿ (۵-المائدۃ:۹۰)

قال أبو هريرة رضي الله عنه: إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن، ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن، ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۳۶، رقم الحديث: ۵۵۷۸، كتاب الأشربة، باب قول الله تعالى: {إنما الخمر والميسر والأنصاب . . . الآية *الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۵، رقم الحديث: ۱۰۰ (۵۷)، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ط: البدر - ديوبند)

اور گناہوں سے اجتناب کرنے لگا ہو، تو اب اس کو امام بنانا کسی کراہت کے بغیر جائز ہے، خواہ نماز فرض ہو یا تراویح؛ اس کی امامت جائز ہوگی۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] بیان میں ایک بات کہنے کے بعد مکر جانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۱۰۷-سوال: امام صاحب نے چار سو پانچ سو آدمی کے سامنے یہ بیان دیا تھا کہ محرم کا شربت پینا اور پلانا جائز نہیں ہے، اب امام صاحب اور ان کے بعض ساتھیوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا ہے۔ حالاں کہ امام صاحب نے حقیقتاً ایسا کہا تھا، اگرچہ وہ اب اس سے منع کرتے ہوں، بہت سے لوگ اس پر گواہ ہیں، تو ایسے جھوٹے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

رسم و رواج کے طور پر محرم میں شربت پلایا جاتا ہے، لوگوں نے اس کو ضروری سمجھ لیا ہے، پس یہ جائز نہیں ہے اور امام صاحب کا یہ بیان کرنا بھی صحیح ہے۔ (۲)

---

(۱) وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (۲۰-طٰہٰ:۸۲)

عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل مخمر خمر، وكل مسكر حرام، ومن شرب مسكرا بخست صلاته أربعين صباحا، فإن تاب تاب الله عليه.... الحديث. (سنن أبي داود: ۲/۵۱۸، رقم الحديث: ۳۶۸۰، كتاب الأشربة، باب باب ما جاء في المسكر، ط: البدر-ديوبند)

... فإن العبد إذا اعترف بذنبه، ثم تاب تاب الله عليه. (صحيح البخاري: ۱/۳۶۵، رقم الحديث: ۲۶۶۱، كتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهن بعضا، عن عائشة رضي الله عنها، ط: البدر ☆ الصحيح لمسلم: ۲/۳۶۶، رقم الحديث: ۵۶-۲۷۷۰، كتاب التوبة، باب في حديث الإفك وقبول توبة القاذف، ط: البدر-ديوبند)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب، كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، ص: ۳۱۳، رقم الحديث: ۴۲۵۰، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، ط: البدر ديوبند)

عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوابون. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۴۲۵۱)

مزید تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ داڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری'' کے حواشی۔

(۲) حضرت مفتی بیات صاحبؒ نے اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں رقم فرمایا ہے: لوگوں کو شربت، کھچڑا، زردہ، یا بریانی کھلانا، دن اور مہینے کی تعیین و تخصیص کے بغیر ثواب کا کام ہے۔ میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے جو بھی صدقہ کیا جائے، میت کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت حسینؓ کو ثواب پہنچانا بھی جائز ہے۔ البتہ..... شربت پلانے کو صرف یوم عاشورہ کے ساتھ خاص کر لینا اور اس =

امام صاحب نے شربت پینے کو ناجائز کہا تھا، اب وہ انکار کر رہے ہیں کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کو یاد نہ ہو کہ کیا کہا تھا، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یاد ہونے کے باوجود جان بوجھ کر منع کر رہے ہوں، تاکہ لوگوں میں فتنہ اور کسی قسم کا اختلاف نہ ہو، (چوں کہ ان کا جھوٹ بولنا واضح نہیں ہے، صرف امکان کے درجے میں ہے) اس لیے ان کو فی الحال ان کے منصب پر رہنے دیں، اگر دوسری بار جھوٹ بولیں، تو معزول کر دیں، نیز ان کی کسی بھی طرح کی بے عزتی نہ کریں، ان کا مکمل ادب واحترام ملحوظ رکھیں۔

جہاں تک نماز کا تعلق ہے، تو ان کے پیچھے بلا کسی کراہت کے نماز جائز ہے، ان کی امامت میں کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں اگر ان کا فسق (جھوٹ بولنا) دو دو، چار کی طرح واضح ہو جائے، تو اس صورت میں ان کو امام بنانا مکروہ ہوگا، تاہم ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز ہو جائے گی۔[1]

لوگوں نے امام صاحب کی- باوجود صحیح مسئلہ بتانے کے- جو بے عزتی کی ہے، تو اس کے لیے وجہ جواز کیا ہے؟ آپ نے اس سلسلہ میں اپنے سوال میں اس کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے، واضح رہے کہ جن لوگوں نے امام صاحب کی محرم کے موقع پر شربت پلانے کے مسئلہ میں بے عزتی کی ہے، ان کے لیے امام صاحب سے معافی مانگنا ضروری ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= دن اس عمل کی انجام دہی کو ضروری سمجھنا جائز نہیں ہے۔ یہ سمجھنا کہ حضرت حسینؓ بھوکے پیاسے شہید کیے گئے تھے؛ اس لیے اس دن شربت پلا کر ان کو ثواب پہنچایا جائے، یہ غلط ہے۔ شربت پینے پلانے والے' نماز روزے سے غافل ہو کر ثواب کا عنوان دے کر ایک قسم کا ڈھونگ کرتے ہیں؛ اس لیے حدیث کی روشنی میں ان کاموں سے لوگوں کو منع کیا جاتا ہے۔ مباح امر کو ضروری سمجھ کر اس میں اس قدر دل چسپی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ فرائض تک سے انسان غافل ہو جاتا ہے، اگر کوئی اس پر نکیر کرے، تو لوگ اس سے جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ (فتاویٰ فلاحیہ: ۱/ ۴۲۶-۴۲۷)

مسئلے کی مزید تفصیل اور تخریج کے لیے مطالعہ کریں عنوان: محرم میں لوگوں کو شربت پلانا۔ (۱/ ۴۲۶-۴۲۷)

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری'' کے حواشی۔

(۲) عن أبي بكرة، ذكر النبي صلى الله عليه وسلم قال: فإن دماءكم وأموالكم... وأعراضكم، عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا... الخ. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۱، رقم الحديث: ۱۰۵، كتاب العلم، باب: ليبلغ العلم الشاهد الغائب، ط: البدر- ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۶۰، رقم الحديث: ۲۹- ۱۶۷۹، كتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، ط: البدر- ديوبند)

عبد الله بن عمر، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة، ويقول: ما أطيبك وأطيب ريحك، ما أعظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده، لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك، ماله، ودمه، وأن نظن=

[۱۶] امام کا ظہر کی چار سنت پڑھے بغیر امامت کرانا

۱۷۱-سوال: ظہر سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ہے؛ لیکن اگر کوئی امام تاخیر سے پہنچنے کی بنا پر ان چار رکعت کو پڑھے بغیر فرض نماز پڑھانا شروع کردے، تو اس کی امامت میں کوئی کراہیت آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاشبہ ظہر سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ہے؛ اس لیے امام جماعت سے قبل سنتوں سے فراغت کا اہتمام کرے۔[1] لیکن اگر کسی وجہ سے عین جماعت کے وقت پہنچے، اور سنت مؤکدہ پڑھنے میں مشغول ہوجائے، تو جماعت میں تاخیر ہوگی، جس کی وجہ سے فتنہ کا اندیشہ ہے، اور فتنہ سے بچنا اور بچانا ضروری ہے۔

=به إلا خيرا. (سنن ابن ماجه: ۲۸۲، رقم الحديث: ۳۹۳۲، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، ط: ديوبند)
عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء، فليتحلله منه اليوم، قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم تكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۳۱، رقم الحديث: ۲۴۴۹، أبواب المظالم والقصاص، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحللها له، هل يبين مظلمته، ط: البدر - ديوبند)
قوله: (له مظلمة) أي قد ظلم أحدا بقول أو فعل.... (فليتحلله) يطلب منه العفو والمسامحة أو يؤدي إليه مظلمته. (فحمل عليه) ألقي على الظالم عقوبات سيئات المظلوم. (صحيح البخاري مع شرح مصطفى ديب البغا: ۳/ ۱۲۹، رقم: ۲۴۴۹، ط: دار طوق النجاة)

[۱] (والأربع قبل الظهر يقضيها بعدها) قالت عائشة: كان رسول الله - عليه الصلاة والسلام - إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاها بعد الظهر، ولأن الوقت وقت الظهر وهي سنة الظهر، ثم عند أبي يوسف يقضيها قبل الركعتين؛ لأنها شرعت قبلها، وعند محمد بعدها؛ لأنها فاتت عن محلها، فلا يفوت الثانية عن محلها أيضا، وهذا بخلاف سنة العصر؛ لأنها ليست مثلها في التأكيد، ولنهيه - عليه الصلاة والسلام - عن الصلاة بعد العصر. (الاختيار لتعليل المختار -: ابن مودود الموصلي (م: ۶۸۳هـ): ۱/ ۶۵، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۱۲ - ۵۱۳، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ط: زكريا - ديوبند)

(والأحق بالإمامة) تقديما؛ بل نصبا، مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات. والتقوى: اتقاء المحرمات. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۳، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا - ديوبند)

نیز اس سنت کی، فرض نماز کے بعد ادائیگی درست ہے، لہٰذا اگر گاہے سنت پڑھے بغیر امام نماز پڑھا دے، تو نماز بلا کراہت جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] کسی امام سے سنتِ مؤکدہ چھوٹ جائے، تو اُس کو امامت پر برقرار رکھا جائے گا یا نہیں؟

۱۲ ۷- سوال: ہمارے گاؤں کے امام صاحب حافظ، قاری اور مولوی ہیں، قرآن صحیح اور صاف پڑھتے ہیں، اُن کے اخلاق بھی بہت اچھے ہیں؛ لیکن اُن سے اکثر ظہر سے پہلے کی چار رکعات سنتِ مؤکدہ چھوٹ جاتی ہے، بعض مرتبہ بہ غرضِ تجارت سفر کی وجہ سے اور کبھی نیند کے غلبہ کی وجہ سے اِس طرح ہوتا ہے؛ لیکن فرض نماز کے بعد اِن چار رکعات کو وہ پڑھ لیتے ہیں، تو ایسے امام کو امامت پر برقرار رکھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامدا و مصليا:

ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعات سنتِ مؤکدہ ہے۔ اگر امام صاحب سے سفر یا نیند کے غلبہ کی وجہ سے یہ سنتیں کبھی کبھی چھوٹ جاتی ہیں، تو اس میں حرج نہیں، اور اس کی وجہ سے وہ تارکِ سنت نہیں کہے جائیں گے؛ کیوں کہ وہ فرض کے بعد اِن سنن کو پڑھ لیتے ہیں؛ لیکن سنت کو اکثر اوقات میں اُس کے صحیح وقت پر نہ پڑھنا کسی امام کو زیب نہیں دیتا، سنتِ مؤکدہ کو چھوڑنا واجب کو چھوڑنے کے برابر ہے، اور ظہر کی سنت مؤکدہ جان بوجھ کر چھوڑنے کی عادت بنا لینے والا قابلِ ملامت ہے۔ (البحر الرائق: ۱/ ۷۶ ☆ رد المحتار: ۴۹۶)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ترك السنة لا يوجب الفسق إلا إذا تركه رغبة عن السنة. (الاختيار لتعليل المختار: ۲/ ۱۹۰، كتاب الشهادات، ط: دار الكتب العلمية- بيروت، الطبعة الثالثة: ۱۴۲۶ هـ)

[۲] وفي القنية واختلف في آكد السنن بعد سنة الفجر فقيل الأربع قبل الظهر والركعتان بعده والركعتان بعد المغرب كلها سواء، والأصح أن الأربع قبل الظهر آكد اهـ. ـــــــــ وهكذا صححه في العناية والنهاية؛ لأن فيها وعيدا معروفا قال - عليه الصلاة والسلام - : من ترك أربعا قبل الظهر لم تنله شفاعتي، وفي التجنيس والنوازل والمحيط: رجل ترك سنن الصلوات الخمس، إن لم ير السنن حقا، فقد كفر؛ لأنه ترك استخفافا، وإن رأى حقا، منهم من قال: لا يأثم، والصحيح: أنه يأثم؛ لأنه جاء الوعيد بالترك اهـ.
وتعقبه في فتح القدير بأن الإثم منوط بترك الواجب وقد قال - صلى الله عليه وسلم - للذي قال والذي بعثك بالحق لا أزيد على ذلك شيئا أفلح إن صدق اهـ. ـــــــــ ويجاب عنه بأن السنة المؤكدة بمنزلة الواجب في الإثم بالترك كما صرحوا به كثيرا (البحر الرائق: ۲/ ۸۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب- ديوبند) =

[۱۸] بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت

۷۱۳-سوال: ہمارے گاؤں کے امام صاحب غریب اور مزدوری کرنے والی بھولی قوم سے، ان کا راشن کارڈ ایک سال کے لیے پانچ دس روپے میں خرید لیتے ہیں، اس کے بعد ہر مہینے "سستے اناج کی دوکان" سے ان راشن کارڈز کے ذریعہ سستا اور مناسب قیمت کا اناج (شکر، تیل وغیرہ) خرید کر جمع کرتے رہتے ہیں، اور مناسب موقع پر اس کو بلیک مارکٹ کرتے ہیں، یعنی دو تین گنا زیادہ قیمت لے کر بیچتے ہیں، امام صاحب کی اس حرکت کا علم مسجد کے متولی و ٹرسٹی سمیت گاؤں کے تمام لوگوں کو ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے امام کے پیچھے جو نمازیں ادا کی گئیں ہیں، کیا ان کے جواز و عدم جواز میں کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے؟ اگر نمازیں قبول نہ ہوئیں، تو ذمہ دار کون ہوگا؟ امام، متولی، ٹرسٹیان یا راشن کارڈ فروخت کرنے والے یا گاؤں کے رہنما حضرات؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

غریب ومزدور طبقہ سے راشن کارڈ خریدنا اور ان سے مال خرید کر بلیک مارکیٹ کرنا جائز نہیں ہے۔ (۱)

=(وسن) مؤكدا (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع (بعدها بتسليمة)... (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله وسن مؤكدا) أي استنانا مؤكدا؛ بمعنى أنه طلب طلبا مؤكدا زيادة على بقية النوافل، ولهذا كانت السنة المؤكدة قريبة من الواجب في لحوق الإثم كما في البحر، ويستوجب تاركها التضليل واللوم كما في التحرير: أي على سبيل الإصرار بلا عذر كما في شرحه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في السنن والنوافل، ط: دار الفكر-ديوبند)

(والأربع قبل الظهر يقضيها بعدها) قالت عائشة: كان رسول الله -عليه الصلاة والسلام- إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاها بعد الظهر، ولأن الوقت وقت الظهر وهي سنة الظهر، ثم عند أبي يوسف يقضيها قبل الركعتين؛ لأنها شرعت قبلها، وعند محمد بعدها؛ لأنها فاتت عن محلها، فلا يفوت الثانية عن محلها أيضا، وهذا بخلاف سنة العصر؛ لأنها ليست مثلها في التأكيد، ولنهيه -عليه الصلاة والسلام- عن الصلاة بعد العصر. (الاختيار لتعليل المختار-: ابن مودود الموصلي (م: ۶۸۳هـ): ۱/ ۶۵، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي -القاهرة ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۱۲-۵۱۳، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ط: زكريا-ديوبند)

(۱) راشن کارڈ، حکومت کی جانب سے غریب کو ملنے والا رعایتی "حق" ہے، جس کے ذریعے کارڈ ہولڈر کو راشن (شکر اور تیل وغیرہ) خریدنے کا اختیار رہتا ہے، حکومتی قانون کے مطابق اس کا کسی دوسرے کو منتقل کرنا درست نہیں ہے؛ ورحقیقت یہ حقوق مجردہ کی قبیل سے ہے؛ اس لیے اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہونی چاہیے: =

ناجائز امر کا ارتکاب کرنے والے کو شریعت کی اصطلاح میں ''فاسق'' کہا جاتا ہے، جس کو امام بنانا مکروہ ہے۔[۲]

متولی کی ذمہ داری ہے کہ امامت کے لیے متقی اور پرہیزگار شخص کا انتخاب کرے، اگر یہ ذمہ داری فاسق کو دیں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔[۳] تاہم فاسق امام کے پیچھے نماز ہو جائے گی؛ کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔[۴]

ایسے امام کو خود الگ ہو جانا چاہیے، جس کی امامت سے مقتدی (کسی دینی بنیاد پر) خوش نہ ہوں۔[۵] اگر امام صاحب خود علاحدہ نہ ہوتے ہوں، تو خوش اسلوبی سے انہیں علاحدہ کر دیا جائے، فتنہ وفساد کو ہوا نہ دی جائے، اور جب تک امام کو ان کے منصب سے علاحدہ نہ کیا جاتا ہو، اسی کے پیچھے نماز پڑھی جائے، ان شاء اللہ مقتدی حضرات کو باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=وفي الأشباه لا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة وعلى هذا لا يجوز الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۵۱۸، كتاب البيوع، مطلب في بيع الجامكية، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل.... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

(۳) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۵۱۳، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

(۴) سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر، البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۲/ ۴۰۴، رقم الحديث: ۱۷۶۸، كتاب العيدين، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، ت: شعيب الارنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت.

(۵) عن ابن عباس، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رءوسهم شبرا: رجل أم قوما وهم له كارهون، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وأخوان متصارمان". (سنن ابن ماجة: ص ۶۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: البدر - ديوبند)

(۶) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

[۱۹] پردے کے متعلق تاویل کرنے والے کی امامت

۱۴۷-سوال: زید سند یافتہ عالم ہے، عوام کو احکام شرعیہ، فضائل اور وعیدیں بڑے زور وشور سے سناتا ہے اور اپنی ولولہ انگیز تقریروں میں عوام کو خوب لتاڑتا ہے؛ لیکن ان کے گھر کی عورتوں میں پردہ- جو کہ لازم وضروری ہے- کو اہم نہیں سمجھا جاتا، یوں کہا جاتا ہے کہ: بے پردگی میں کوئی مضائقہ نہیں، وہ لوگ پردے کی فرضیت کی نفی کرتے ہیں، جس کا اظہار خود ان کی اہلیہ محترمہ بازاروں اور پورے گاؤں میں بے پردہ گھوم کر کرتی ہے اور اللہ رب العزت کے حکم کی کھلے طور پر خلاف ورزی کرتی ہے، یہ عالم صاحب تماشائی بن کر دیکھتے رہتے ہیں، اگر کوئی پردے کے فوائد اور بے پردگی کے نقصانات بیان کر کے ان کو اس جانب متوجہ کرتا ہے، تو وہ عالم صاحب تاویلات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور ایسے عالم کو شرعاً امامت کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

اگر کسی امام صاحب کی اہلیہ بے پردہ گلی کوچوں میں گھومتی ہے اور امام صاحب اپنی بیوی کو نصیحت نہیں کرتے اور نہ ہی پردے میں رہنے کی تلقین کرتے ہیں، تو دینی اعتبار سے ان کو "فاسق" سمجھا جائے گا، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

امام صاحب اپنی بیوی کو نصیحت کرتے ہوں، مگر وہ نہ مانتی ہو اور پردہ نہ کرتی ہو، تو امام صاحب اگر اس پوزیشن میں ہوں کہ ایسی نافرمان بیوی کو طلاق دے کر دوسری جگہ شادی کر لیں، اور اس عورت کے بغیر زندگی گذاریں، تو ان کو اس طرح کر لینا چاہیے؛ لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہ ہو، تو (مَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ۚ)[1] کے پیش نظر ان کی امامت مکروہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ امام صاحب نے فرمان رسول اللہ ﷺ: من رأى منكم منكرا

---

(۱) ۱۷-الاسراء: ۱۵۔ ـــــــ ترجمہ: جو شخص (دنیا میں) راہ پر چلتا ہے، وہ اپنے نفع کے لیے راہ پر چلتا ہے اور جو شخص بے راہی کرتا ہے، سو وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لیے بے راہ ہوتا ہے، اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ (ترجمہ تھانویؒ)

فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان.[۱] کے موافق اپنی ذمہ داری ادا کردی ہے۔

ہاں! کوئی امام -معاذ اللہ- حالات سے متأثر ہو کر صراحۃً پردے کا انکار کر دے، تو اب وہ امامت کا بالکل اہل نہیں ہے، بلا تاخیر اس کو منصب امامت سے علاحدہ کرنا ضروری ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۲۰] میراث نہ ادا کرنے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۷۱۵-سوال: ہمارے ایک امام صاحب ہیں، جن کے پاس دوسرے ورثاء کا مال ہے، جب ورثاء مال طلب کرتے ہیں، تو امام صاحب جواب دیتے ہیں کہ میراث چاہیے، تو کورٹ سے وصول کرلو، یعنی میراث کا مال دینے سے انکار کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ میرا اس مال پر پرانا قبضہ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداو مصليا:

ملک غیر پر قبضہ سے کوئی -امام ہو یا کوئی اور- مالک نہیں ہو جاتا، کہ اس کے لیے اس مال میں تصرف جائز ہو۔[۳]

---

(۱) عن طارق بن شهاب، قال: أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان. فقام إليه رجل، فقال: الصلاة قبل الخطبة، فقال: قد ترك ما هنالك، فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۰، رقم الحديث: ۷۸-۴۹، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، و... أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجبان، ط: البدر - ديوبند)

(۲) پردہ کا صراحۃً انکار، درحقیقت قرآنی آیات کا انکار ہے، جس کی وجہ سے آدمی کے کفر کا اندیشہ ہے: ولا نكفر أحدا من أهل القبلة بذنب ما لم يستحله. (عقيدة الطحاوي-أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة، الأزدي، المصري المعروف بـ'الطحاوي' (م: ۳۲۱ھ) ص: ۶۰، شرح وتعليق: محمد ناصر الدين الألباني، ط: المكتب الإسلامي - بيروت)
تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

(۳) لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۲۰۰، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف... الخ، ط: دار الفكر - بيروت) =

اس لیے امام صاحب کے لیے لازم ہے کہ صاحب حق ورثاء کو ان کا حق دے دیں۔ [۲]

کسی کے مال پر ناحق قبضہ جمالینا اور دینے سے انکار کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور مرتکب کبیرہ فاسق ہے، اگر واقعی امام ورثاء کو ان کا حق نہ دیتا ہو، تو وہ مرتکب کبیرہ ہو کر فاسق قرار پائے گا، جس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، البتہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لی، تو ہو جائے گی، اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ [۳]

ایک مسلمان کی ہدایت کے لیے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے، دنیوی عدالت اور غیر شرعی کورٹ میں اپنی مرضی سے جانا یا جانے پر کسی کو مجبور کرنا ناجائز اور حرام ہے، ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے، اس لیے عدالت اور کورٹ میں جانے سے بچنا ضروری ہے۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. . . ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا، إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند الإمام أحمد: ۳۴/۲۹۹، رقم الحديث: ۲۰۶۹۵، مسند البصريين، حديث عم أبي حرة الرقاشي ☆ مسند أبي يعلى - أبو يعلى أحمد بن علي بن المثنى، الموصلي (م: ۳۰۷ھ): ۳/۱۴۰، رقم الحديث: ۱۵۷۰، مسند عم أبي حرة الرقاشي، ت: حسين سليم أسد، ط: دار المأمون للتراث - دمشق ☆ السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۶/۱۶۶، رقم الحديث: ۱۱۵۴۵، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله في سفينة أو بنى عليه جدارا، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

عبد الله بن السائب بن يزيد، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعبا أو جادا، فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه. (سنن الترمذي: ۲/۳۹، رقم الحديث: ۲۱۶۰، أبواب الفتن، باب ما جاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلما، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۲/۶۸۳، رقم الحديث: ۵۰۰۳، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيء من مزاح، ط: البدر - ديوبند ☆ شرح السنة - محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود، البغوي الشافعي (م: ۵۱۶ھ): ۱۰/۲۶۳، رقم الحديث: ۲۵۷۲، كتاب قتال أهل البغي، باب لا يحل لمسلم أن يروع مسلما، ت: شعيب الأرنؤوط - محمد زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامي - دمشق ☆ مشكاة المصابيح، ص: ۲۵۵، رقم الحديث: ۲۹۴۸، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۲) إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۔ (۴-النساء: ۵۸)

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ داڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

(۴) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (۳۳-الأحزاب: ۳۶)

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا (۴-النساء: ۵۹)

[۲۱] میراث ہڑپ کر لینے والے کو امامت سے علاحدہ کرنا

گذشتہ سے پیوستہ

۷۱۶-سوال: میراث ہڑپ کر لینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہ ہو، تو متولی کو ایسے امام کو علاحدہ کر دینا چاہیے یا نہیں؟ چوں کہ میراث ادا نہ کرنا، درحقیقت قرآن وحدیث کے فرمان کو ٹھکرانا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

متولی اور ٹرسٹیان کی ذمہ داری ہے کہ وہ امامت کے لیے نیک اور صالح آدمی مقرر کریں، فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ جماعت کا ثواب مل جائے گا، تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لینا بہتر ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] امام متہم کے پیچھے نماز کا حکم

۷۱۷-سوال: گاؤں کے پیش امام پر ایک آدمی محض شک کی بنیاد تہمت لگا کر اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے، نماز کے مکمل ہو جانے کے بعد وہ اپنی نماز ادا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں اس شخص کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

---

(۱) وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت)

لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی مسلمان پر محض شک کی بنیاد پر تہمت لگانا جائز نہیں، حرام ہے؛ جس کے متعلق قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں؛ اس لیے شک کر کے اپنے امام صاحب کی عزت و آبرو کو نیلام کرنا سخت گناہ کی بات ہے۔[1]

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز ادا کرلو۔[2] اس لیے مقتدی کو چاہیے کہ ہر حال میں امام کے پیچھے نماز پڑھے، ان شاء اللہ اس کو

---

(۱) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ (۴۹-الحجرات:۱۲)

قال ابن كثير: يقول تعالى ناهيا عباده المؤمنين عن كثير من الظن، وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثما محضا، فليجتنب كثير منه احتياطا. (تفسير القرآن العظيم-أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۴ھ): ۳۷۷/۷، الحجرات: ۱۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

عن أبي بكرة، ذكر النبي صلى الله عليه وسلم قال: «فإن دماءكم وأموالكم... وأعراضكم، عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا... الخ. (صحيح البخاري: ۲۱/۱، رقم الحديث: ۱۰۵، كتاب العلم، باب: ليبلغ العلم الشاهد الغائب، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۶۰/۲، رقم الحديث: ۲۹-۱۶۷۹، كتاب القسامة، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، ط: البدر - ديوبند)

عبد الله بن عمر، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة، ويقول: ما أطيبك وأطيب ريحك، ما أعظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده، لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك، ماله، ودمه، وأن نظن به إلا خيرا. (سنن ابن ماجه: ۲۸۲، رقم الحديث: ۳۹۳۲، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، ط: ديوبند)

عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، ولا تباغضوا، وكونوا عباد الله إخوانا. (صحيح البخاري: ۸۹۶/۲، رقم الحديث: ۶۰۶۴، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۳۱۶/۲، رقم الحديث: ۲۸-(۲۵۶۳)، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظن... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۳۴۳/۱، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر - ديوبند☆ سنن الدار قطني (م: ۳۸۵ھ): ۴۰۴/۲، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ (۳)

البتہ متولی کی ذمہ داری ہے کہ نیک، متقی اور پرہیزگار شخص کو امامت کے منصب پر فائز کرے، اگر اس نے کسی ایسے شخص کو امام بنایا، جو فاسق وفاجر ہے اور دینی امور کے سلسلے میں لاپرواہی سے کام لیتا ہے، تو متولی گنہ گار ہوگا۔ (۴)

مذکورہ شخص کا جماعت کی نماز کو چھوڑ کر تنہا نماز ادا کرنا گناہ کا کام ہے، جس سے بچنا سخت ضروری ہے۔ (۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] أيضـــاً

۷۱۸-سوال: اگر واقعۃً پیش امام نے غلط کام کیا ہے اور گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مقتدی حضرات ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں، تو ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟

---

(۳) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۴) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶هـ) ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

[۵] (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب إلا في جمعة وعيد فشرط. وفي التراويح سنة كفاية، وفي وتر رمضان مستحبة على قول. (الدر المختار)

(قوله قال الزاهدي إلخ) توفيق بين القول بالسنية والقول بالوجوب الآتي، وبيان أن المراد بهما واحد أخذا من استدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وفي النهر عن المفيد: الجماعة واجبة، وسنة لوجوبها بالسنة اهـ وهذا كجوابهم عن رواية سنية الوتر بأن وجوبها ثبت بالسنة، قال في النهر: إلا أن هذا يقتضي الاتفاق على أن تركها مرة بلا عذر يوجب إثما مع أنه قول العراقيين. والخراسانيون على أنه يأثم إذا اعتاد الترك كما في القنية. اهـ ـــــــ وقال في شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب، من أن تاركها بلا عذر يعزر وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه، وقد يوفق بأن ذلك مقيد بالمداومة على الترك. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام اگر چہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، تب بھی ان کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے مصلین کو نماز با جماعت کا ثواب مل جائے گا؛ اس لیے ہر حال میں -خواہ امام صاحب گناہوں سے اجتناب کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں- جماعت سے نماز پڑھنی چاہیے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] شک کی بنیاد پر امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے والے کا حکم

۷۱۹-سوال: شک کی بنیاد پر جو شخص اپنے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا؛ بل کہ وہ تنہا نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس پر گناہ عائد ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز تو ادا ہو جائے گی؛ البتہ جماعت چھوڑنے کا اس پر گناہ عائد ہوگا۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۱/ ۳۴۳، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر- ديوبند☆ سنن الدار قطني (م: ۳۸۵هـ): ۲/ ۴۰۴، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)

(۲) عن عثمان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أدركه الأذان في المسجد، ثم خرج، لم يخرج لحاجة، وهو لا يريد الرجعة، فهو منافق. (سنن ابن ماجة: ۵۳، رقم الحديث: ۷۳۴، كتاب الأذان والسنة فيه، باب إذا أذن وأنت في المسجد فلا تخرج، ط: البدر- ديوبند)

(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب إلا في جمعة وعيد فشرط. وفي التراويح سنة كفاية، وفي وتر رمضان مستحبة على قول. (الدر المختار)

(قوله قال الزاهدي إلخ) توفيق بين القول بالسنية والقول بالوجوب الآتي، وبيان أن المراد بهما واحد أخذا من استدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وفي النهر عن المفيد: الجماعة واجبة، وسنة لوجوبها بالسنة اهـ وهذا كجوابهم عن رواية سنية الوتر بأن وجوبها ثبت بالسنة. قال في النهر: إلا أن هذا يقتضي الاتفاق على أن تركها مرة بلا عذر يوجب إثما مع أنه قول العراقيين. والخراسانيون على أنه يأثم إذا اعتاد الترك كما في القنية. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر- بيروت)

[٢٥] خلاف شرع بال رکھنے اور داڑھی کتروانے والے کی امامت

٧٢٠-سوال: ایک شخص مسجد میں امامت کے منصب پر فائز ہے، اس کے بال حضور ﷺ کے بالوں کی طرح نہیں ہیں، وہ خلاف شرع انگلش اسٹائل کے بال رکھے ہوئے ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اس کو انتہائی نرمی سے اس جانب متوجہ کیا گیا، اس کے باوجود وہ اپنے طرز کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہے، متولی کو اس امام کی بار بار شکایت کی گئی، اس کے باوجود وہ اس امام کو اس کے منصب سے علاحدہ نہیں کرتے ہیں، ایسے متولی کا کیا حکم ہے؟ کیا متولی پر لازم نہیں ہے کہ ایسے امام کو علاحدہ کردیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو امام انگریزی بال رکھتا ہو اور ایک مشت سے کم ہونے کے باوجود اپنی داڑھی بھی کترواتا ہو، تو چوں کہ یہ دونوں امر خلاف سنت ہیں، اگر امام اس پر مداومت اختیار کیے ہوئے ہو، اور اپنی اس غلط روش کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہ ہو، تو اس کے ''فاسق'' ہونے میں شبہ نہیں ہے۔[1]

---

(١) عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خالفوا المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ٢/ ٨٧٥، رقم الحديث: ٥٨٩٢، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ط: ديوبند ☆الصحيح لمسلم: ١/ ١٢٩، رقم الحديث: ٥٣-(٢٥٩)، و ٥٥-(٢٦٠)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: ديوبند)

حدثنا مروان يعني ابن سالم المقفع، قال: رأيت ابن عمر يقبض على لحيته، فيقطع ما زاد على الكف. (سنن أبي داود: ١/ ٣٢١، رقم الحديث: ٢٣٥٧، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، ط: ديوبند)

عن أبي زرعة، قال: كان أبو هريرة يقبض على لحيته، ثم يأخذ ما فضل عن القبضة. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة، العبسي (م: ٢٣٥هـ): ٥/ ٢٢٥، رقم الحديث: ٢٥٤٨١، كتاب الأدب، ما قالوا في الأخذ من اللحية، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد-الرياض)

عن الحسن، قال: كانوا ير خصون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤ خذ منها. (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ٢٥٤٨٤)

ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة. . . ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. محيط اهـ ط. (رد المحتار على الدر المختار: ٦/ ٤٠٧، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر-بيروت)

عن ابن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع، قال: قلت لنافع وما القزع قال: يحلق بعض رأس =

اس لیے اگر اس امام کے مقابلہ میں زیادہ نیک اور متقی دوسرا کوئی شخص موجود ہو، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ البتہ مقتدیوں کو اپنی جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ (۲)

متولی اور ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ کسی متقی اور پرہیزگار آدمی کو امامت کی ذمہ داری حوالہ کریں، ورنہ وہ گنہ گار ہوں گے؛ بعض لوگ اپنی ذاتی لڑائی جھگڑوں کی بنیاد پر بھی امام کو غلط طریقہ سے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس سے بھی بچنے کی سخت ضرورت ہے، آپ نے متولیوں اور امام کو سمجھا دیا، آپ نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے، آپ ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں، آپ کو جماعت کا ثواب مل جائے گا اور جو لوگ اس کے حقیقی سبب ہیں، ان سے سوال ہوگا، اور وہی گنہ گار ہوں گے۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] فاسق امام کے پیچھے نماز اور تراویح کا حکم

۷۲۱-سوال: میں مہووتج گاؤں کے مدرسہ کی کمیٹی کا ممبر ہوں، درج ذیل صورت میں میرے لیے کیا حکم ہے؟

ابھی حال ہی میں ہمارے مدرسہ میں ایک مدرس کا تقرر کیا گیا ہے، جو حافظ قرآن ہیں، تاہم پنج وقتہ نماز نہیں پڑھتے ہیں، ریڈیو پر گانا بھی سنتے ہیں، سنیما بھی دیکھتے ہیں اور بدکاری میں بھی ملوث ہیں، کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھاتے ہیں، اس وقت میں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہوں، نماز سے فراغت کے بعد لوگ مجھے اکیلا نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ تم اکیلے نماز کیوں پڑھتے ہو؟ اس وقت میں لوگوں کو اس نو منتخب مدرس کی ساری حقیقت بتاتا ہوں، اس کے باوجود بھی گاؤں کے لوگ اس کو امام بناتے ہیں۔

اس سال ان کے پیچھے گاؤں کے لوگ تراویح بھی پڑھنے والے ہیں؛ تو اس امام کے پیچھے ہماری

=الصبي ويترك بعض. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۷۷، رقم الحديث: ۵۹۲۰، ۵۹۲۱، كتاب اللباس، باب القزع، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۲۰۳، رقم الحديث: ۱۱۳ - (۲۱۲۰)، كتاب اللباس و الزينة، باب كراهة القزع، ط: البدر - ديوبند)

(۲) ويكره تنزيها إمامة... فاسق. (الدر المختار) ——— فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

تراویح کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

متولیان اور ٹرسٹیان کی ذمہ داری ہے کہ منصب امامت کے لیے کسی لائق اور عالم آدمی کا تقرر کریں جو دین دار بھی ہو؛ اگر عالم نہ ہو، تو کم از کم حافظ قرآن تو ضرور ہو۔ (عالمگیری)[۱]

آپ کی تحریر کے مطابق وہ حافظ دین دار نہیں ہیں، تو ایسے شخص کو امامت کی ذمہ داری سپرد کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر ٹرسٹیان اور متولیان ان کو منصب امامت پر فائز کریں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔[۲]

البتہ ٹرسٹیان جس کسی آدمی کو بھی امامت کی ذمہ داری سپرد کردیں، محلے اور گاؤں والوں کے لیے اسی امام کے پیچھے نماز پڑھنا ضروری ہے، ان کو اپنی نماز باجماعت کا ثواب مل جائے گا؛ اور امام اور ٹرسٹیان گنہ گار ہوں گے؛ اس لیے آپ کی ذمہ داری تو بس یہی ہے کہ آپ اسی امام کے پیچھے اپنی نماز پڑھتے رہیں، جماعت کی نماز کو چھوڑ کر انفراداً اپنی نماز پڑھنا گناہ کا باعث ہوگا۔[۳] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا-ديوبند☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية☆تحفة الفقهاء- أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰ھ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل. . . . وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

(۳) عن عثمان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أدركه الأذان في المسجد، ثم خرج، لم يخرج لحاجة، وهو لا يريد الرجعة، فهو منافق. (سنن ابن ماجه: ۵۳، رقم الحديث: ۷۳۴، أبواب الأذان والسنة فيها، باب إذا أذن وأنت في المسجد فلا تخرج، ط: البدر-ديوبند)

=

[۲۷] اِمام کا کسی اجنبیہ سے ناجائز تعلقات رکھنا

۷۲۲-سوال: ہمارے اِمام صاحب نوجوان ہیں، پچیس سال کی عمر ہے، اب تک شادی نہیں کی ہے، ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ عشق بازی میں مبتلا ہیں، ایسے شخص کو اِمام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اُس کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجنبیہ کے ساتھ غلط تعلقات رکھنے والا، یا بدنظری کرنے والا، گنہ گار ہے، اگر غلط تعلقات رکھتا ہے، تو زانی اور فاسق ہے، ایسے شخص کو کسی بھی حال میں امام نہ بنایا جائے، اُس کو اِمام بنانے والے گنہگار ہوں گے؛ لیکن اگر بہ درجۂ مجبوری ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی گئی، تو نماز درست ہوگی۔ (رد المحتار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب إلا في جمعة وعيد فشرط. وفي التراويح سنة كفاية، وفي وتر رمضان مستحبة على قول. (الدر المختار)

(قوله قال الزاهدي إلخ) توفيق بين القول بالسنية والقول بالوجوب الآتي، وبيان أن المراد بهما واحد أخذا من استدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وفي النهر عن المفيد: الجماعة واجبة، وسنة لوجوبها بالسنة اهـ وهذا كجوابهم عن رواية سنية الوتر بأن وجوبها ثبت بالسنة، قال في النهر: إلا أن هذا يقتضي الاتفاق على أن تركها مرة بلا عذر يوجب إثما مع أنه قول العراقيين. والخراسانيون على أنه يأثم إذا اعتاد الترك كما في القنية. اهـ. (رد المختار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱] قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۝

عن سهل بن سعد، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من يضمن لي ما بين لحييه وما بين رجليه أضمن له الجنة. (صحيح البخاري: ۲/ ۹۵۸، رقم الحديث: ۶۴۷۴، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ط: البدر-ديوبند)

(قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل.... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت)

[۲۸] سود کھانے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرعی حکم

۷۲۳-سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اور علمائے دین متین حسب ذیل مسئلہ میں:

زید نامی طالب علم، اپنے والد اور دادا کے ساتھ ایک گھر میں رہتا ہے، گھر کا مکمل نظم ونسق اس کے دادا کے ہاتھ میں ہے، اس کے والد کا گھر میں کسی قسم کا کوئی رول ودخل نہیں ہے، دادا کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کو سود پر پیسے دیتا ہے، اب یہ طالب علم یا اس کے والد لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو ان کی اقتدا کرنے والوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اگر نماز صحیح نہ ہو، تو اب تک جو نمازیں ان کے پیچھے پڑھی گئیں ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ کیا ان کا اعادہ لازم ہوگا؟ نیز اس طالب علم کا ان پیسوں سے پڑھنا اور تعلیم حاصل کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، جس سے بچنا لازم وضروری ہے؛[1] اس لیے لازم ہے کہ باپ اور بیٹا دونوں مل کر اپنے دادا کو سودی کاروبار سے منع کریں۔

---

(۱) اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (۲-البقرة:۲۷۵)

اور جو لوگ سود کھاتے ہیں، نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص، جس کو شیطان خبطی بنادے لپٹ کر (یعنی حیران ومدہوش) یہ سزا اس لیے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے۔ پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا، تو جو کچھ پہلے (لینا) ہو چکا ہے، وہ اسی کا رہا اور (باطنی) معاملہ اس کا خدا کے حوالہ رہا، اور جو شخص پھر عود کرے، تو یہ لوگ دوزخ میں جاویں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (ترجمہ تھانوی)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله وما هن؟ قال: الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۸۸، رقم الحديث: ۲۷۶۶، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالى: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتامى ظلما...﴾، ط: البدر - ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۶۴، رقم الحديث: ۱۴۵ - (۸۹)، كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، ط: البدر - ديوبند)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون حوبا، أيسرها أن ينكح الرجل أمه. (سنن ابن ماجة: ۱۶۴، رقم الحديث: ۲۲۷۴، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ط: البدر - ديوبند)

اگر باپ اور بیٹا کے منع کرنے کے باوجود دادا نے اس کاروبار کو بند نہ کیا ہو، تو باپ اور بیٹے؛ دونوں ان شاء اللہ گنہ گار نہ ہوں گے، اور ضرورت کی وجہ سے اگر بہ قدر کفاف سودی مال کو استعمال بھی کرلیا ہو، تب بھی ان کی امامت بلا کراہت جائز ہوگی۔[1]

لیکن اگر وہ دونوں دادا کے فعل پر راضی ہیں، تو فسق کی وجہ سے ان کی امامت مکروہ ہوگی، لیکن بہ ہر دو صورت مقتدی کی نماز ہو جائے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔[2]

طالب علم کا سود کے پیسوں سے علم حاصل کرنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ علم دین کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، جب کہ سود سے بچنا فرض عین۔[3]

اگر آمدنی کا صحیح اور حلال ذریعہ موجود ہو، تو اس طالب علم اور اس کے باپ کے لیے لازم ہے کہ دادا کی کمائی سے بالکل کوئی چیز استعمال نہ کریں۔

ہاں! اگر ان کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو تو بہ قدر کفاف استعمال کی گنجائش ہے۔ بہ طور خاص اس صورت میں، جب کہ سود کے علاوہ دادا کے پاس دوسرے ذرائع بھی موجود ہوں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] سودی کاروبار کرنے والے امام اور مؤذن کی امامت واذان کا حکم

۴۲۷-سوال: ایک مسجد کے امام اور مؤذن اگر سودی کاروبار کرتے ہوں اور [مثلاً] ایک روپیہ دے کر ایک مہینہ کے بعد اس کے عوض سوا روپیہ وصول کرتے ہوں، تو ایسے امام اور مؤذن کی امامت واذان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

سودی لین دین کا معاملہ کرنا بہت بڑے گناہ کا کام ہے۔[4] ایسا شخص فاسق ہے، جو سودی کاروبار میں

(۱) مسئلے کی تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے عنوان: بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت۔
(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔
(۳) درء المفاسد أولی من جلب المنافع. (قواعد الفقہ ص: ۸۱، قاعدہ نمبر: ۱۳۳، ط: دار الکتاب - دیوبند)
(۴) اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (۲-البقرة: ۲۷۵)

ملوث ہو، اور فاسق کی اذان اور اس کی امامت مکروہ ہے؛ اس لیے اس سے زیادہ اچھا اور بہتر کوئی دوسرا آدمی اذان اور امامت کی ذمہ داری قبول کرسکتا ہو تو اس کو اس منصب پر فائز کرنا چاہیے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] غیر شرعی وضع قطع والے امام کی امامت حکم

۷۲۵-سوال: مسجد کے امام صاحب انگلش طرز کے بال کٹواتے ہیں اور چست کپڑے پہنتے ہیں، اگر ان کو کوئی اس جانب توجہ دلاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ میں تو اسی طریقہ سے رہوں گا، گویا وہ اس سلسلے میں کسی کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

غلام حسین گنگات کونڈھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

انگلش طرز کے بال رکھنا، درحقیقت یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے؛ اس لیے سنت

= عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله وما هن؟ قال: الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات. (صحيح البخاري: ۱/۳۸۸، رقم الحديث: ۲۷۶۶، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالى: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتامى ظلما...﴾، ط: البدر - ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/۶۴، رقم الحديث: ۱۴۵-(۸۹)، كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، ط: البدر - ديوبند)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون حوبا، أيسرها أن ينكح الرجل أمه. (سنن ابن ماجه ۱۶۴، رقم الحديث: ۲۲۷۴، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ط: البدر - ديوبند)

(۲) قال الحصكفي: ويكره... إمامة عبد... وأعرابي... وفاسق. (الدر المختار)

(قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل.... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ داڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

کے موافق بال کٹوانا چاہیے، انگلش طرز کے بال کٹوانا جائز نہیں۔ [1] اگر کوئی اس طرز کے موافق بال کٹوائے، تو تشبہ بالفساق کی وجہ سے وہ فاسق قرار پائے گا، جس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ تاہم اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی، اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا، ان شاء اللہ۔

متولی حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی نیک اور دین دار عالم کو امامت کی ذمہ داری سپرد کریں، فاسق و فاجر کو امامت کا منصب حوالے کریں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] داڑھی کٹوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۷۲۶-سوال: ہمارے گاؤں کے امام صاحب اپنی داڑھی کٹواتے ہیں، ڈاڑھی کو ایک مشت کی مقدار تک نہیں بڑھاتے ہیں، اور ازار بھی ٹخنوں سے نیچے پہنتے ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس حوالے سے مصلیوں میں تشویش، بل کہ ناراضگی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

ایسے شخص کو امامت کا منصب سپرد کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ جو اپنی داڑھی کترواتا ہو، اور ازار یا تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے بلا عذر لٹکا کر پہنتا ہو۔

وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں کام: ڈاڑھی کٹوانا، اور بلا عذر ٹخنوں سے نیچے ازار کو لٹکا کر پہننا گناہ کبیرہ ہے، اور مرتکب کبیرہ ''فاسق'' کہلاتا ہے، جس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

---

(۱) حدثنا الحجاج بن حسان، قال: دخلنا على أنس بن مالك، فحدثتني أختي المغيرة، قالت: وأنت يومئذ غلام ولك قرنان، أو قصتان، فمسح رأسك، وبرك عليك، وقال: احلقوا هذين - أو قصوهما - فإن هذا زي اليهود. (سنن أبي داود: ۲/۵۷۷، رقم الحديث: ۴۱۹۷، كتاب الترجل، باب ماجاء في الرخصة، قبل: باب في أخذ الشارب)

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليس منا من تشبه بغيرنا، لا تشبهوا باليهود ولا بالنصارى... الحديث. (سنن الترمذي: ۲/۹۹، رقم الحديث: ۲۶۹۵، أبواب الاستئذان والآداب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في كراهية إشارة اليد في السلام، ط: البدر - ديوبند)

مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است۔ (مالابد منہ: ۱۳۱)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

حدیث شریف میں "إعفاء اللحیة" یعنی ڈاڑھی بڑھانے کو خصال فطرت میں شمار کیا گیا ہے۔[1]
اس لیے ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے پہلے کٹوانا ناجائز ہے۔[2]

بلا عذر ٹخنوں سے نیچے اپنا ازار یا تہہ بند لٹکانا مکروہ ہے، آں حضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:
تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ رب العزت ان سے کلام نہیں فرمائیں گے اور ان کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے [وہ تین یہ ہیں]:
(۱) اپنے ازار اور تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔ (۲) احسان جتلانے والا۔ اور (۳) جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے مال کو فروخت کرنے والا۔ (مسلم شریف: ۱/ ۷۱)[3]

---

(۱) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، و السواك، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۲۹، رقم الحديث: ۵۶-(۲۶۱)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خالفوا المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۷۵، رقم الحديث: ۵۸۹۲، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۲۹، رقم الحديث: ۵۲-۲۵۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: البدر - ديوبند)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انهكوا الشوارب، وأعفوا اللحى. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۷۵، رقم الحديث: ۵۸۹۳، كتاب اللباس، باب إعفاء اللحى)

ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة... ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. محيط اهـ ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر - بيروت)

وقص اللحية من صنع الأعاجم وهو اليوم شعار كثير من المشركين كالإفرنج والهنود، ومن لا خلاق له في الدين من الطائفة القلندرية. (مرقاة المصابيح: ۱/ ۳۹۶، رقم الحديث: ۳۷۹، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول، ط: دار الفكر - بيروت)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (فتح القدير - ابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۲/ ۳۴۸، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، ط: دار الفكر)

[۳] عن أبي ذر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة، ولا ينظر إليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم، قال: فقرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث مرارا، قال أبو ذر: خابوا وخسروا، من هم يا رسول الله؟ =

الغرض وہ امام جو ڈاڑھی کاٹتا ہو، اور ٹخنے سے نیچے ازار لٹکاتا ہو، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ امام کے لیے لازم ہے کہ اپنی بری عادتوں سے باز آجائے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں جاتی (یعنی اللہ رب العزت ان کی نماز قبول نہیں فرماتے، وہ تین آدمی یہ ہیں): [۱] وہ غلام، جو اپنے آقا سے بھاگ گیا ہو۔ [۲] وہ عورت جس نے رات اس حال میں گزاری ہو کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔ [۳] وہ امام، جس نے لوگوں کی امامت کی اور لوگ اس کی امامت سے ناخوش ہوں۔ (ترمذی شریف)[۴]

صورت مسئولہ میں امام صاحب سے ان کے مقتدی حضرات اس لیے ناراض ہیں کہ امام صاحب اپنی داڑھی کٹواتے ہیں، اور لباس کی سنت کی پابندی نہیں کرتے، گویا اسلامی تعلیم کے خلاف کام کرتے ہیں؛ اس لیے امام کے لیے لازم ہے کہ اپنے منصب امامت سے دست بردار ہوجائیں، امام صاحب اگر خود سے علاحدگی اختیار نہ کریں، تو متولی صاحبان ان کو علاحدہ کردیں، لیکن جب تک علاحدگی کا عمل مکمل نہ ہو، مقتدی کے لیے لازم ہے کہ وہ اسی امام کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہیں، ان شاء اللہ ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تم لوگ ہر نیک اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ (ابوداود شریف، مشکوۃ شریف: ۱/ ۱۰۰)[۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=قال: المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۷۱، رقم الحديث: ۱۷۱ - (۱۰۶)، كتاب الإيمان، باب بيان تحريم إسبال الإزار... الخ، ط: البدر - ديوبند)

الحديث الصحيح أن الإسبال يكون في الإزار والقميص والعمامة وأنه لايجوز إسباله تحت الكعبين إن كان للخيلاء، فإن كان لغيرها فهو مكروه. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ "شرح النووي" - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۱۴/ ۶۲، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم جر الثوب خلاء، وبيان حد مايجوز إرخاؤه إليه ومايستحب، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۴) عن أبي أمامة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم: العبد الآبق حتى يرجع، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وإمام قوم وهم له كارهون". (سنن الترمذي: ۱/ ۸۳، رقم الحديث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۱/ ۸۸، رقم الحديث: ۵۹۳، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند)

(۵) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۱/ ۳۴۳، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الدار قطني (م: ۳۸۵هـ): ۲/ ۴۰۴، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

[۳۲] جھگڑالو، بدزبان اور جھوٹے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۲۷۷-سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب کا حال یہ ہے کہ وہ فرائض کے تعلق سے لاپرواہی برتتے ہیں، مصلیوں کے ساتھ وقتاً فوقتاً لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں، متولی صاحب کے ساتھ لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ تک کرتے ہیں، ان امور کی بنیاد پر جب ان کو منصب امامت سے الگ کیا گیا، تو انہوں نے تنخواہ کے نام پر ملنے والی مسجد کی ایک رقم کو اپنے اثر و رسوخ سے بند کروادیا، اور متولی کے خلاف ایک آدمی کا سہارا لے کر کورٹ میں مقدمہ دائر کیا، دوران سماعت کورٹ کے اندر جج کے سامنے بھی متولی کے خلاف سراسر جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیا۔

بعد میں اس شرط پر صلح ہوگئی اور امام صاحب کو ان کے منصب پر بحال کرلیا گیا کہ وہ زبان درازی نہیں کریں گے اور جس جگہ سے تنخواہ رکوائی ہے، اسے دوبارہ فہمائش کے بعد شروع کرادیں گے اور مقدمہ واپس لے لیں گے، ایسا ہی ہوا؛ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ ان کے پیچھے مصلی حضرات نماز پڑھنے کے لیے راضی نہیں ہیں، فی الحال محلہ کا کوئی بھی آدمی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے؛ بل کہ ہر آدمی قریب کی ایک دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے، نتیجتاً مسجد بالکل ویران ہورہی ہے، تو ایسے امام صاحب کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ ایسے امام کو امامت کرنا جائز ہے؟ مسجد کی مدد کرنے والے لوگ اس طرح کا دباؤ کرکے اس کی مدد بند کردیں، تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

امامت بہت ہی اہم اور عظیم منصب ہے، اس لیے متولی اور ٹرسٹیان حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لیے ایسے آدمی کا تقرر کریں، جو عالم، متبع سنت، متقی، پرہیزگار اور گناہوں سے دور رہنے والا ہو، تاکہ اس کی برکتوں سے مقتدیوں میں جوڑ، لگاؤ اور تعلق پیدا ہوسکے۔ وہ (امام) اسلامی تعلیمات پر عمل کرکے قوم کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہو؛ اس لیے جو باتیں سوال میں لکھی گئی ہیں، اگر وہ درست ہیں، اور آپ کے امام کے اندر واقعتاً وہ ساری باتیں پائی جاتی ہیں، تو اس کے فسق میں کلام نہیں، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لازم تھا کہ وہ خود امامت کے منصب سے دست بردار ہوجاتے، اگر اس نے ایسا نہیں کیا، تو متولی کی ذمہ

داری ہے کہ اسے امامت کے منصب سے علاحدہ کردے۔ (۱)

البتہ متولی اگر ٹرسٹ کے مال میں خیانت کرتا ہو، دھوکہ بازی سے کام لیتا ہو، بار بار سمجھانے کے باوجود بھی وہ سمجھنے کے لیے تیار نہ ہو؛ اس وجہ سے امام صاحب نے مجبور ہو کر کورٹ کچہری کا سہارا لیا ہو، تو اس نے اپنی ذمہ داری ادا کی ہے، اس بنا پر اگر متولی امام صاحب سے ناراض ہے، تو وہ (متولی) گنہ گار ہوگا۔

اگر امام صاحب کے اندر کوئی خلاف شرع بات ہے، اس وجہ سے ناراض ہو کر لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے ہیں، تو اس کو امامت سے اجتناب کرنا ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایسے امام کی نماز اس کے کانوں سے اوپر نہیں چڑھتی۔ (مشکوۃ شریف) [۲] لیکن اگر محلے والے اس کے باوجود اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے، تو نماز صحیح ہوجائے گی اور ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: تم ہر نیک اور فاجر کے پیچھے اپنی نماز پڑھ لیا کرو۔ (۳)

کسی دینی وجہ سے اگر مقتدی حضرات اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے ہیں، تو امام کے لیے بھی مناسب نہیں کہ وہ ان کی امامت کرے؛ امداد کرنے والوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اچھی طرح سے اس بات کی تحقیق کرلیں کہ اس معاملہ میں کس کا قصور ہے، اگر متولی اور ٹرسٹیان کا قصور ثابت ہوجائے، تو امام کے لیے اپنی امداد بند نہ کریں۔ ہاں! اگر قصور امام کا ثابت ہوجائے، تو پھر اس کی طرف داری کرتے ہوئے

---

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ داڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

[۲] (ولو أم قوما وهم له كارهون، إن) الكراهة (لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره) له ذلك تحريما؛ لحديث أبي داود: لا يقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون. (وإن هو أحق لا) والكراهة عليهم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

عن أبي أمامة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم: العبد الآبق حتى يرجع، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وإمام قوم وهم له كارهون". (سنن الترمذي: ۱/ ۸۳، رقم الحديث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۱/ ۸۸، رقم الحديث: ۵۹۳، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۱/ ۳۴۳، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الدار قطني (م: ۳۸۵ھ): ۲/ ۴۰۴، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

متولیان پر دباؤ ڈالنا اور نہ ماننے کی صورت میں اپنی امداد بند کرنے کی دھمکی دینا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] گالی دے کر معافی مانگنے والے شخص کی امامت

۷۲۸-سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد میں ایک امام صاحب ہیں جو تقریباً پینتیس سال سے امامت کا فریضہ بہ حسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، ابھی کچھ دنوں قبل وہ بیمار ہوئے، مرض ایسا تھا کہ رات کو انھیں نیند نہیں آتی تھی، کافی علاج ومعالجہ کرایا؛ تب جا کر ٹھیک ہوئے، دوران مرض ذہنی اعتبار سے وہ کافی ٹینشن میں تھے، کہ متولی صاحب کے ساتھ ان کا جھگڑا ہو گیا، گالم گلوچ تک کی نوبت آگئی، امام صاحب سے بھی نہ رہا گیا اور انہوں نے بھی غصہ میں آکر متولی صاحب کو گالیاں دے دی۔

جھگڑا مسجد سے باہر محلے میں ہو رہا تھا، محلے کے بیشتر لوگوں نے اس مکروہ منظر کو دیکھا، بعد میں امام

---

(۴) خلاصہ یہ کہ اصحاب خیر کسی بھی حال میں اپنی امداد بند نہ کریں، خواہ غلطی ٹرسٹیان کی ہو، یا امام صاحب کی؛ کیوں کہ وہ در حقیقت مسجد کا تعاون کرتے ہیں، نہ کہ کسی مخصوص آدمی کا:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾ (۲۴-النور: ۲۲)

قال ابن كثير القرشي: وهذه الآية نزلت في الصديق، حين حلف ألا ينفع مسطح بن أثاثة بنافعة بعدما قال في عائشة ما قال، كما تقدم في الحديث. فلما أنزل الله براءة أم المؤمنين عائشة، وطابت النفوس المؤمنة واستقرت، وتاب الله على من كان تكلم من المؤمنين في ذلك، وأقيم الحد على من أقيم عليه، شرع تبارك وتعالى، وله الفضل والمنة، يعطف الصديق على قريبه ونسيبه، وهو مسطح بن أثاثة، فإنه كان ابن خالة الصديق، وكان مسكينا لا مال له إلا ما ينفق عليه أبو بكر، رضي الله عنه، وكان من المهاجرين في سبيل الله، وقد ولق ولقة تاب الله عليه منها، وضرب الحد عليها. وكان الصديق- رضي الله عنه- معروفا بالمعروف، له الفضل والأيادي على الأقارب والأجانب. فلما نزلت هذه الآية إلى قوله: ﴿ألا تحبون أن يغفر الله لكم والله غفور رحيم﴾ أي: فإن الجزاء من جنس العمل، فكما تغفر عن المذنب إليك نغفر لك، وكما تصفح نصفح عنك. فعند ذلك قال الصديق: بلى، والله إنا نحب -يا ربنا- أن تغفر لنا. ثم رجع إلى مسطح ما كان يصله من النفقة، وقال: والله لا أنزعها منه أبدا، في مقابلة ما كان قال: والله لا أنفعه بنافعة أبدا، فلهذا كان الصديق هو الصديق [رضي الله عنه وعن بنته]. (تفسير القرآن العظيم المعروف بتفسير ابن كثير- أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۴هـ): ۳۱/۶، النور: ۲۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، تو انہوں نے متولی صاحب کے پاس جا کر معافی بھی مانگ لی، گاؤں کے بڑے سرکردہ حضرات کے سامنے بھی انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور یہ کہا کہ غصہ کی حالت میں زبان کی گالی نکل گئی تھی، اسلامی نقطۂ نظر سے میرے اس کرتوت کی جو بھی سزا ہو سکتی ہو، میں اس کو بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔

امام صاحب ویسے اپنے رہن سہن، رفتار و گفتار اور کردار وغیرہ ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہیں؛ لیکن چوں کہ انہوں نے سب کے سامنے گالی دی تھی؛ اس لیے متولی صاحب اور دیگر مصلیان کا یہ کہنا ہے کہ ایسے گالی دینے والے امام کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوتی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ''ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوتی''۔ شرعاً ایسے امام صاحب کا اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گالی گلوچ اور جھگڑا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔[1] جو شخص گالی گلوچ کرتا ہو اور جھگڑنے کا عادی ہو، وہ شرعاً فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

صورت مسئولہ میں اگر امام نے خود گالی دینے میں پہل کی ہو، تو ان کی امامت مکروہ ہوگی؛ اگر متولی کی طرف سے گالی کی ابتدا ہوئی اور اس کے جواب میں امام صاحب نے بھی ان کو گالی دی ہے، تو اس صورت میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ گالی دینا ہر حال میں امام کی شان کے خلاف ہے۔

جب امام صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگتے ہیں، تو اسلامی تعلیم یہ ہے کہ متولی صاحب ان کو معاف کر دیں؛ کیوں کہ احادیث میں معاف کرنے والوں کے بڑے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں اور بالخصوص اس وقت، جب کہ ان کے اندر بہت ساری خوبیاں ہیں اور دوسرے نقائص نہیں ہیں۔[2]

---

(۱) اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۝ (۲-البقرۃ:۱۹۷)

عن عبد الله أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر. (صحيح البخاري:۱/۱۲، رقم الحديث: ۴۸، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم:۱/۵۸، رقم الحديث:۱۱۶-(۶۴)، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، ط: البدر - ديوبند)

(۲) الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝ (۳-آل عمران:۱۳۴) =

جب فاسق امام کے پیچھے بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے؛ تو ان مذکورہ امام کا فسق چوں کہ ظاہر نہیں ہے؛ اس لیے ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا، ہاں! ان کے اندر اس کے علاوہ دوسرے بھی نقائص موجود ہوں؛ مثلاً: ان کے فسق کی وجہ سے اہل محلہ ان سے ناراض رہتے ہوں، محلہ میں وقتاً فوقتاً لڑائی کرواتے رہتے ہوں، ان کی امامت کی وجہ سے محلہ میں فتنہ وفساد بھڑکنے کا اندیشہ ہو اور وہ اپنی ذمہ داری بھی ٹھیک سے ادا نہ کرتے ہوں، تو ان وجوہات کی بنا پر متولی ان کو منصب امامت سے الگ کرنا چاہے، تو کر سکتا ہے، جائز ہے، لیکن محض ایک وجہ سے الگ کرنا بہتر نہیں ہے۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے والے کی امامت

۷۲۹-سوال: ہمارے امام صاحب عالم دین ہیں؛ لیکن ان میں بعض خرابیاں بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ: ان کی دو بیویاں ہیں: نئی بیوی کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں، جب کہ پرانی کو اپنے وطن میں، اور پرانی بیوی کے ساتھ بین طور پر ناانصافی کرتے ہیں، شب باشی میں انصاف سے کام نہیں لیتے، ان کا کوئی حق اس سلسلے میں ادا نہیں کرتے، امام صاحب بہت دور کے رہنے والے ہیں، ان کی نئی بیوی شادی سے قبل خود ان ہی کے پاس پڑھنے کے لیے آیا کرتی تھی، دو سال تک تو اس کے ساتھ محبت و پیار کا معاملہ رہا، اس کے بعد انہوں نے پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح سے پہلے انہوں نے جو اس کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھے ہیں اور گناہوں میں ملوث ہوئے ہیں، نیز اپنی پرانی بیوی کے ساتھ انصاف نہیں کرتے ہیں، تو کیا ان کی پیچھے نماز

عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا كان يوم القيامة ينادي مناد فيقول: أين العافون عن الناس؟ هلموا إلى ربكم خذوا أجوركم، وحق على كل مسلم إذا عفا أن يدخله الله الجنة". (الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك-ابن شاهين (م: ۳۸۵ھ): ۱/۱۴۹، رقم الحديث: ۵۱۹، باب ما ذكر في فضل من عفا عن أخيه المؤمن، ت: محمد حسن محمد حسن إسماعيل، ط: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان☆مكارم الأخلاق للطبراني (مطبوع مع مكارم الأخلاق لابن أبي الدنيا): ۱/۳۳۱، رقم الحديث: ۵۵، باب فضل العفو عن الناس، ط: دار الكتب العلمية☆حلية الأولياء وطبقات الأصفياء-أبو نعيم الأصبهاني (م: ۴۳۰ھ): ۶/۱۸۷، ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، غالب القطان ومنهم المتعبد اليقظان... الخ، ط: السعادة - بجوار محافظة مصر)

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

پڑھنا جائز ہے؟ کیا ہماری نمازیں صحیح ہوں گی؟

امام صاحب نے گاؤں میں کچھ ناخواندہ لوگوں کو اپنے گروپ میں شامل کرلیا ہے، یہ لوگ وقتاً فوقتاً امام صاحب کی طرف داری کرتے ہوئے مسجد میں آکر متولی صاحب کے ساتھ جھگڑا کرتے رہتے ہیں، اکثر ٹرسٹیان بے نمازی ہیں، تو ایسے مولوی کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے، میں نے خود تو اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے، میں دوسری مسجد میں نماز پڑھتا ہوں، تو میرا یہ عمل کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت حاصل کرنا لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کا معاملہ مردوں کے سپرد فرمایا ہے اور متعدد (بہ یک وقت چار تک) نکاح کی اجازت دی ہے۔ (۱)

بغیر گواہوں کے کسی آدمی پر غلط کاری اور زنا کی تہمت لگانا جائز نہیں۔ (۲)

---

(۱) قوله تعالى: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُولُوا ﴿۳﴾ (۴-النساء:۳)

(۲) وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمٰنِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا ۚ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵﴾ (۲۴-النور:۵-۴)

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾ (۴۹-الحجرات:۱۲)

قال ابن كثير: يقول تعالى ناهيا عباده المؤمنين عن كثير من الظن، وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثما محضا، فليجتنب كثير منه احتياطا. (تفسير القرآن العظيم-أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۴هـ): ۷/۳۷۷، الحجرات: ۱۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

عن أبي بكرة، ذكر النبي صلى الله عليه وسلم قال: فإن دماءكم وأموالكم... وأعراضكم، عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا... الخ. (صحيح البخاري: ۱/۲۱، رقم الحديث: ۱۰۵، كتاب العلم، باب: ليبلغ العلم الشاهد الغائب، ط: البدر- ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲/۶۰، رقم الحديث: ۲۹- ۱۶۷۹، كتاب القسامة و المحاربين والقصاص والديات، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، ط: البدر-ديوبند)

عبد الله بن عمر، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة، ويقول: ما أطيبك وأطيب ريحك، ما أعظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده، لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك، ماله، ودمه، وأن نظن به إلا خيرا. (سنن ابن ماجه: ۲۸۲، رقم الحديث: ۳۹۳۲، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، ط: ديوبند)

عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا =

''پرانی بیوی اپنے باپ کے مکان پر کیوں چلی گئی'' اس کی تفصیل آپ نے نہیں لکھی ہے، اگر وہ عورت بغیر کسی شرعی وجہ کے اپنے شوہر کی نافرمانی کرتے ہوئے چلی گئی ہے، تو شب باشی میں انصاف اور عدم انصاف کی بات بے معنیٰ ہے؛ اس لیے میاں بیوی کے معاملے میں پرانی بیوی سے کوئی بات پوچھے بغیر کچھ بھی نہیں لکھا جاسکتا، آپ کا اس مسئلے کو چھیڑنا، مناسب نہیں، گناہ کا کام ہے۔

البتہ امام صاحب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھے اخلاق کا برتاؤ کریں، سب کے ساتھ اتحاد اور اتفاق قائم رکھیں، اختلاف پیدا کرنا اور کرانا جائز نہیں، حرام ہے۔[۳]

اگر امام کا مشغلہ ہی جھگڑا لڑائی اور پارٹی بندی ہو، جو حرام اور کارِ فسق ہے، تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، لڑائی جھگڑے کے بغیر اگر امام کو بدلا جاسکتا ہو، تو بدلنا ضروری ہے، ورنہ آپ کو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا، آپ کو اپنے محلے کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانے کی بجائے اپنی ہی مسجد میں نماز پڑھنی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تم ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ (الحدیث)[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] أیضـــــــاً

گذشتہ سے پیوستہ

۷۳۰-سوال: ۲۸/۱۰/۱۹۷۷ء کے جواب میں جو ۹/۱۰/۱۹۷۷ء کے روز پوچھا گیا تھا، اس سلسلے میں مزید عرض ہے کہ پہلی بیوی کے بھائی کا بیان ہے کہ: ''پیش امام صاحب نئی بیوی کو وہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور پرانی کو اپنے وطن میں، شب باشی میں اس کو کوئی حق نہیں دیتے اور اس کے ساتھ انصاف بھی

=تجسسوا، ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، ولا تباغضوا، وکونوا عباد اللہ إخوانا. (صحیح البخاري: ۲/۵۹۶، رقم الحدیث: ۶۰۶۴، کتاب الأدب، باب ما ینھی عن التحاسد والتدابر، ط: البدر- دیوبند☆الصحیح لمسلم: ۲/۳۱۶، رقم الحدیث: ۲۸-(۲۵۶۳)، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظن... الخ، ط: البدر-دیوبند)

(۳) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۖ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝ (۲۹- الحجرات: ۱۲)

(۴) مسئلہ اور حدیث کی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''داڑھی کٹوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم'' اور ''جھگڑالو، بدزبان اور جھوٹے امام کے پیچھے نماز کا حکم''۔

نہیں کرتے۔''

الغرض گواہوں کے ذریعے ان کا اپنی بیوی کے ساتھ ناانصافی کرنا ثابت ہے، اس لیے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ہماری نمازیں صحیح ہوں گی؟ اور کتنے سالوں سے تو یہ مولانا صاحب اپنے وطن میں بھی نہیں جاتے ہیں، آپ سے اس سلسلے میں جواب درکار ہے۔

الجواب حامداومصلیا:

امام صاحب کی دوسری بیوی اپنے وطن میں رہتی ہے، تواس سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ وہ بیوی کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کرتے ہیں؛ بل کہ ممکن ہے کہ بیوی نے اپنی باری اوراپنے حق کو معاف کردیا ہو، ایسی صورت میں امام گنہ گار نہیں ہوگا؛ جیسا کہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ - جوآں حضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں- نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کودے دی تھی ؛ اس لیے حضرت عائشہؓ کے یہاں آپ ﷺ دودن گزارتے تھے اوردوسری ازواج کے یہاں ایک دن۔ (۱)

الغرض امام صاحب کی دوسری شادی کرلینے اورنئی بیوی کواپنے ساتھ رکھنے کی وجہ سے ان پر صراحۃً ناانصافی کرنے کا حکم لگانا درست نہیں ہے۔ (۲)

البتہ امام صاحب اگر فاسق ہوں اور گناہ کبیرہ کاارتکاب کرتے ہوں، توان کو امامت کے منصب

---

(۱) وفي شوال من هذه السنة- سنة: ۱۰/ من النبوة- تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم سودة بنت زمعة، كانت ممن أسلم قديما، وهاجرت الهجرة الثانية إلى الحبشة، وكان زوجها السكران بن عمرو، وكان قد أسلم وهاجر معها، فمات بأرض الحبشة، أو بعد الرجوع إلى مكة، فلما حلت خطبها رسول الله صلى الله عليه وسلم وتزوجها، وكانت أول امرأة تزوجها بعد وفاة خديجة، وبعد عدة أعوام وهبت نوبتها لعائشة. (الرحيق المختوم- صفي الرحمن المباركفوري (م: ۱۴۲۷هـ) ص: ۱۰۵، الدور المكي، المرحلة الثانية، عام الحزن، الزواج بسودة رضي الله عنها، ط: دار الهلال- بيروت)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ (۴۹- الحجرات: ۱۲)

قال ابن كثير: يقول تعالى ناهيا عباده المؤمنين عن كثير من الظن، وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثما محضا، فليجتنب كثير منه احتياطا. (تفسير القرآن العظيم- أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۴هـ): ۷/ ۳۷۷، الحجرات: ۱۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

سے متولی علاحدہ کردے، اگر بلا عذر علاحدہ نہ کرے، تو گنہ گار ہوگا۔ [1]

لڑائی جھگڑا کرنا بڑا گناہ ہے، اس لیے مصلحت سے کام لیا جائے، کسی کا فاسق ہونا ظاہر ہو جائے، اس صورت میں بھی اس کے پیچھے پڑھی گئی نماز ہو جاتی ہے، تو جن کا فسق ظاہر اور یقینی نہ ہو، ان کے پیچھے تو بلا کراہت نماز درست ہوگی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] تصویر کھینچوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۷۳۱-سوال: مدرسہ صدر مدرس صاحب نے عید میلاد النبی کے جلسے میں علی الاعلان تصویر کھینچوائیں، حالاں کہ بلا ضرورت تصویر کھینچوانا حرام ہے، اس کے باوجود انہوں نے ایسا کیا، وہ نماز بھی پڑھاتے ہیں، تو کیا ان کے پیچھے نماز صحیح ہو جائے گی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

بلا ضرورت تصویر کھینچوانا حرام اور گناہ کا کام ہے۔ [2] البتہ حرام کا ارتکاب کرنے کے باوجود اگر کوئی نماز پڑھاتا ہو تو اس کی اقتداء میں پڑھی گئی نماز کراہت کے ساتھ ہو جائے گی۔ [3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] سید نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سید کہلانے والے کی امامت

گذشتہ سے پیوستہ

۷۳۲-سوال: ہمارے مدرسہ کے صدر مدرس صاحب- جو امام مسجد بھی ہیں- اپنے آپ کو سید ظاہر کرتے ہیں، حالاں کہ وہ سید خاندان سے تعلق نہیں رکھتے، ان کے گاؤں کے قریب کی بستی کے رہنے والے

---

(۱) تقدم تخریجه غیر مرة.

(۲) عن مسلم، قال: كنا مع مسروق، في دار يسار بن نمير، فرأى في صفته تماثيل، فقال: سمعت عبد الله، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاري: ۸۸۰/۲، رقم الحديث: ۵۹۵۰، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ط: البدر- ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۲۰۱/۲، رقم الحديث: ۲۱۰۹، كتاب اللباس والزينة، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة، ط: البدر- ديوبند)

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ وہ سید نہیں ہیں، تو کیا حقیقی نسب کو چھپانے اور دوسرے اعلیٰ خاندان کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرنے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور اگر نماز پڑھ لی، تو ان نمازوں کا کیا حکم ہوگا؟

صدر مدرس صاحب بہ کثرت جھوٹ بھی بولتے ہیں، تو ایسے امام صاحب کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ ان کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیے؟ ان کی مخالفت ہورہی ہے، اس کے باوجود وہ ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔

الجواب حامداو مصلیا:

اپنے حقیقی خاندان اور نسب کی جانب نسبت نہ کر کے دوسرے خاندان کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرنا ہونے حرام ہے؛ اس لیے اگر امام صاحب سید نہیں ہیں، تو ان کے لیے اپنے آپ کو سید کہنا حرام ہے۔ (مسلم شریف: ۱/ ۵۷)[1]

جھوٹ بولنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔[2] اور مرتکب کبیرہ کو ''فاسق'' کہا جاتا ہے۔

الغرض کسی شخص کا اپنے خاندان کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کی جانب منسوب کرنا اور جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ اور عمل فسق ہے، ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس امام کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہوجائے گی، تاہم متولیان مسجد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے فاسق امام کو بدل دے، ورنہ گنہ گار ہوں گے۔ ہاں! اگر گاؤں کے بعض جاہلوں کی لڑائی، جھگڑے اور فتنہ وفساد برپا کرنے کے اندیشے

---

(۱) عن أبي ذر رضي الله عنه، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم، يقول: ليس من رجل ادعى لغير أبيه - وهو يعلمه - إلا كفر، ومن ادعى قوما ليس له فيهم، فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۹۸، رقم الحديث: ۳۵۰۸، كتاب المناقب، باب، بعد: باب نسبة اليمن إلى إسماعيل، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۷، رقم الحديث: ۱۱۲-(۶۱)، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ط: البدر - ديوبند)

(۲) وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ. (۲۲- الحج: ۳۰)

عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن أبيه رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "أكبر الكبائر: الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، وشهادة الزور، وشهادة الزور - ثلاثا - أو: قول الزور" فما زال يكررها حتى قلنا: ليته سكت. (صحيح البخاري: ۲/ ۱۰۲۲، رقم الحديث: ۶۹۱۹، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب إثم من أشرك بالله، وعقوبته في الدنيا والآخرة، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۶۴، رقم الحديث: ۱۴۳-(۸۷)، كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، ط: البدر - ديوبند)

سے امام کے بدلنے پر متولیان قادر نہ ہوں، تو وہ گنہ گار نہیں ہوں گے، پورا گناہ امام کی ناحق، طرف داری کرنے والوں کے سر ہوگا؛ کہ وہ غلط امر کی حمایت کررہے ہیں۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۸] ڈھول باجا بجوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

گذشتہ سے پیوستہ

۷۳۳-سوال: مسجد کے قریب ہی اس امام صاحب نے اپنے حکم سے کسی کی شادی بیاہ کے موقع پر ڈھول اور باجہ بجوایا تھا اور کھیل تماشہ کروایا تھا اور ڈھول بجانے اور تماشہ کرنے والوں کو انہوں نے نقد رقم انعام بھی دیا تھا، تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی نماز ہوجائے گی؟

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ ایسے امام صاحب کو رکھنے والے ٹرسٹیان ہی گنہ گار ہوں گے، ہماری نمازیں تو صحیح ہوجائیں گی، تو کیا یہ نظریہ صحیح ہے؟ کیوں کہ ٹرسٹیوں کو معلوم ہے، اس کے باوجود بھی انہوں نے ایسے امام کو منصب امامت پر برقرار رکھا ہے۔

دراصل اس مسجد کے زیادہ ٹرسٹیان بے نمازی ہیں، ان کو نماز کی قدروقیمت کیا معلوم؟ میں ان کو مختلف طریقے سے سمجھاتا ہوں؛ لیکن وہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، ان کو تو صرف مسجد کے ٹرسٹیان کی فہرست میں اپنا نام چاہیے، بڑا اور ذمہ دار بننے کا شوق ہے اور بس۔

الجواب حامداومصلیا:

ڈھول باجا بجانا یا اس کا سننا سنانا سب حرام ہے۔[۱] امام صاحب نے بجانے کا حکم دیا، مزید برآں

---

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

(۱) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [۳۱-لقمان: ۶]

قال ابن جرير: ... عن أبي الصهباء البكري، أنه سمع عبد الله بن مسعود - وهو يسأل عن هذه الآية: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله} - فقال عبد الله: الغناء، والله الذي لا إله إلا هو، يرددها ثلاث مرات. ——

وكذا قال ابن عباس، وجابر، وعكرمة، وسعيد بن جبير، ومجاهد، ومكحول، وعمرو بن شعيب، وعلي بن بذيمة.

وقال الحسن البصري: أنزلت هذه الآية: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم} في الغناء والمزامير. (تفسير القرآن العظيم - ابن كثير القرشي (م: ۷۷۴ھ): ۶/ ۳۳۰-۳۳۱، لقمان: ۶، ت: سامي=

اس پر انعام بھی تقسیم کیے ؛ یہ سب افعال گناہ اور معصیت کے ہیں اور حرام ہیں ؛ اور ان کا مرتکب فاسق ہے، جن کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا متولی حضرت کی ذمہ داری ہے کہ اس امام کو نصیحت و خیر خواہی کے جذبے سے سمجھائے، اگر امام صاحب توبہ کرلے، تو ٹھیک، ورنہ ان کو منصب امامت سے علاحدہ کردیا جائے۔ اگر متولی و ٹرسٹیان امام کے فسق کو جاننے کے باوجود انہیں منصب امامت پر برقرار رکھیں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔ (۲)

البتہ اتنی بات ضرور یاد رکھیں کہ آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا، دین کی بات دوسروں تک پہنچانا اور نصیحت و خیر خواہی ہے، تبلیغ کے کام میں مخاطب کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنا روا نہیں، اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہیں، اللہ رب العزت آپ کو اپنے کام میں کامیابی عطا فرمائے گا۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۳۹] امام صاحب کا ریڈیو کے ذریعہ گانے سننا اور اُن گانوں کے طرز پر نعت پڑھنا

۷۳۴-سوال: ہمارے امام صاحب ریڈیو پر گانے سنتے ہیں، پھر اُن گانوں کے نغمہ کے

= بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

عن ابن عباس، قال: هو الغناء والاستماع له، يعني قوله: (ومن الناس من يشتري لهو الحديث)....

جابر في قوله: (ومن الناس من يشتري لهو الحديث) قال: هو الغناء والاستماع له. (جامع البيان في تأويل القرآن- أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰هـ): ۲۰/ ۱۲۸، لقمان: ۶، ت: أحمد محمد شاكر، ط: مؤسسة الرسالة)

(۲) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير- إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحَلَبي (م: ۹۵۶هـ) ص: ۵۱۳، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد، لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۳) قوله تعالى: ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾. (۱۶-النحل: ۱۲۵)

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (۵-المائدة: ۲)

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾. (۵-المائدة: ۶۷)

مطابق نعت رسول ﷺ پڑھتے اور لکھتے ہیں، کیا ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز صحیح ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) ''گانا'' سننا جائز نہیں؛ حرام ہے۔[1] اور اس گناہ میں مبتلا شخص فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ منصب امامت فاسق کے حوالہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر متولیانِ مسجد ایسے امام کو سبک دوش نہیں کرتے، تو وہ گنہگار رہوں گے، لیکن ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرنے سے نماز ادا ہوجائے گی، اگر قریب میں دوسری مسجد ہے، تو وہیں نماز ادا کرنی چاہیے، بہرصورت امام کے فاسق وفاجر ہونے کی وجہ سے جماعت چھوڑنے کا معمول بنانا درست نہیں ہے۔ (شامی)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

(۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ [۳۱-لقمان:۲]

قال ابن جرير: . . . عن أبي الصهباء البكري، أنه سمع عبد الله بن مسعود - وهو يسأل عن هذه الآية: {ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله} - فقال عبد الله: الغناء، والله الذي لا إله إلا هو، يرددها ثلاث مرات.

وكذا قال ابن عباس، وجابر، وعكرمة، وسعيد بن جبير، ومجاهد، ومكحول، وعمرو بن شعيب، وعلي بن بذيمة. وقال الحسن البصري: أنزلت هذه الآية: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم} في الغناء والمزامير. (تفسير القرآن العظيم - ابن كثير القرشي (م: ۷۷۴ھ): ۶/ ۳۳۰-۳۳۱، لقمان: ۶، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

عن ابن عباس، قال: هو الغناء والاستماع له، يعني قوله: (ومن الناس من يشترى لهو الحديث) . . . .

جابر في قوله: (ومن الناس من يشترى لهو الحديث) قال: هو الغناء والاستماع له. (جامع البيان في تأويل القرآن - أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰ھ): ۲۰/ ۱۲۸، لقمان: ۶، ت: أحمد محمد شاكر، ط: مؤسسة الرسالة)

(۲) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبی كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۵۱۳، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

[۴۰] ڈھول تاشے کی نذر کو حضرت خدیجہؓ کی جانب منسوب کرنے والے کی امامت

۷۳۵-سوال: امام صاحب نے اپنی ایک تقریر اور بیان میں یہ کہا تھا کہ: حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے یہ نذر مانی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ اگر جہاد سے فتح حاصل کر کے صحیح سلامت واپس تشریف لائیں گے تو میں آپ کے سامنے ڈھول تاشے بجاؤں گی، چناں چہ اللہ کے رسول ﷺ صحیح سلامت واپس تشریف لائے، تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے ڈھول تاشے بجا کر خوشی منائی تھی، کیا یہ بات صحیح ہے؟

امام صاحب کی تقریر کے بعد، دوسرے دن سے لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، بعضوں نے کہا کہ: یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی ہے، مولانا صاحب سے چوک ہوئی ہے؛ کیوں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جیسی پاک باز خاتون اس طرح کی نذر مان ہی نہیں سکتیں، اب جب امام صاحب کا گاؤں کے لوگوں نے پیچھا کیا اور اس سلسلے میں وضاحت چاہی، تو امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ایسا نہیں کہا؛ بل کہ یوں کہا تھا کہ: خادمہ نے ایسی منت مانی تھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پوری روایت کی کیا حقیقت ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈھول باجے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔[1] البتہ خوشی کے موقعہ پر دف بجانے کی اجازت ہے۔[2]

---

(۱) من الناس من يشتري إلخ، ولهو الحديث على ما روي عن الحسن كل ما شغلك عن عبادة الله تعالى وذكره من السمر والأضاحيك والخرافات والغناء ونحوها. (روح المعاني - شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰هـ): ۱۱/ ۶۶، لقمان: ۱-۱۱، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(قوله وكره كل لهو) أي كل لعب وعبث فالثلاثة بمعنى واحد، كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل، واستماعه كالرقص، والسخرية، والتصفيق، وضرب الأوتار: من الطنبور، والبربط، والرباب، والقانون، والمزمار، والصنج، والبوق: فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زي الكفار، واستماع ضرب الدف، والمزمار، وغير ذلك حرام، وإن سمع بغتة، يكون معذورا، ويجب أن يجتهد أن لا يسمع. قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۹۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

(۲) عن الربيع بنت معوذ رضي الله عنها، قالت: دخل علي النبي صلى الله عليه وسلم غداة بني علي، فجلس على فراشي كمجلسك مني، وجويريات يضربن بالدف، يندبن من قتل من آبائهن يوم بدر، حتى قالت جارية: وفينا نبي يعلم ما في غد. فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تقولي هكذا وقولي ما كنت تقولين. (صحيح البخاري: ۲/ ۵۷۰، رقم الحديث: ۴۰۰۱، كتاب المغازي، باب بعد: باب شهود الملائكة بدرا، ط: البدر - ديوبند)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا اظہار خوشی کے لیے ڈھول بجانا غیر معقول امر ہے؛ اس لیے امام صاحب نے جو بات ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی جانب منسوب کی ہے کہ ''انھوں نے ڈھول تاشے بجا کر خوشی منانے کی منت مانگی، اور نبی کریم ﷺ کی واپسی پر ڈھول تاشے بجا کر خوشی منائی''، یہ غلط نسبت ہے اور ان پر بہتان ہے، اور کسی کی جانب جان بوجھ کر ایسی چیز کی نسبت کرنا، جو اس نے نہ کہی ہو اور نہ کی ہو، ناجائز اور حرام ہے، جس کا مرتکب شرعاً فاسق ہوتا ہے، اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا جان بوجھ کر اگر اس امام نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی جانب مذکورہ بات منسوب کی ہو، تو اسے منصب امامت سے بہ عجلت ممکنہ علاحدہ کر دیا جائے۔ (۳)

حضرت خدیجہؓ کی وفات مکۃ المکرمہ میں ہجرت سے تین سال قبل ہو چکی تھی؛ یعنی نبوت کے دسویں سال آپ کی وفات ہو چکی تھی اور جہاد کی اجازت آیت شریفہ: ''أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا'' کے ذریعہ نبوت کے چودہویں سال مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد دی گئی، گویا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو جب جہاد کی اجازت دی گئی، اس وقت حضرت خدیجہؓ زندہ ہی نہیں تھیں؛ اس لیے ان کے اس طرح منت ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۴)

ان کی جانب ایسی بات منسوب کرنے والا شخص کوئی عالم معلوم نہیں ہوتا؛ بل کہ جاہل اور فاسق و فاجر

---

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

(۴) عن أبي حبيبة مولى الزبير قال: سمعت حكيم بن حزام يقول: توفيت خديجة بنت خويلد في شهر رمضان سنة عشر من النبوة وهي يومئذ بنت خمس وستين سنة. (الطبقات الكبرى-ابن سعد (م: ۲۳۰ھ): ۱۵/۸، ذكر خديجة بنت خويلد، رقم: ۴۰۹۶، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وقال محمد بن إسحاق: ماتت خديجة وأبو طالب في عام واحد. ــــ وقال البيهقي: بلغني أن خديجة توفيت بعد موت أبي طالب بثلاثة أيام. ــــ ذكره عبد الله بن منده في كتاب المعرفة، وشيخنا أبو عبد الله الحافظ. ــــ قال البيهقي: وزعم الواقدي أن خديجة وأبا طالب ماتا قبل الهجرة بثلاث سنين عام خرجوا من الشعب، وأن خديجة توفيت قبل أبي طالب بخمس وثلاثين ليلة. ــــ قلت: مرادهم قبل أن تفرض الصلوات الخمس ليلة الإسراء. (السيرة النبوية -ابن كثير القرشي (م: ۷۷۴ھ): ۱۳۲/۲، ذكر عزم الصديق على الهجرة إلى أرض الحبشة، ط: دار المعرفة-بيروت)

معلوم ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی پاک دامن ازواج اورامت کی ماؤں کی جانب غلط باتیں منسوب کرنے والا معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے اس کو جلد از جلد منصب امامت سے علاحدہ کر دیا جائے، تا کہ کوئی فتنہ رونما نہ ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۱] ڈھول تاشے کی نذر کو حضرت فاطمہؓ کی جانب منسوب کرنے والے کی امامت

گذشتہ سے پیوستہ

۷۳۶-سوال: :اس امام صاحب نے اپنی ایک تقریر اور بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ: حضرت فاطمہؓ نے یہ نذر مانی تھی کہ میرے والد اور اللہ کے رسول ﷺ اگر جہاد سے فتح حاصل کر کے صحیح سلامت واپس تشریف لائیں گے، تو میں آپ کے سامنے ڈھول تاشا بجاؤں گی، چناں چہ اللہ کے رسول ﷺ صحیح سلامت واپس تشریف لائے، تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے ڈھول تاشا بجا کر خوشی منائی تھی۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اس مولوی صاحب کی تقریر کے دوسرے دن سے لوگوں میں چہ میگویاں شروع ہوگئیں اور لوگوں نے یہ کہا کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہو سکتی ہے، مولانا صاحب سے چوک ہوئی ہے؛ کیوں ایسی پاک دامن خاتون حرام اور ناجائز امر کی نذر مان ہی نہیں سکتی۔ جب مولانا صاحب کا گاؤں کے لوگوں نے پیچھا کیا، تو مولانا صاحب نے کہا کہ: میں نے ایسا کہا ہی نہیں، میں نے تو یہ کہا تھا کہ: خادمہ نے ایسی منت مانی تھی، اس پوری روایت کی کیا حقیقت ہے؟ تفصیل سے جواب مطلوب ہے، اور ایسے پیش امام کے پیچھے کیا نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ نذر حضرت فاطمہؓ یا ان کی باندی دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں مانی ہے، ایسا کہنا گناہ کا کام ہے، ڈھول تاشا بجانا باعثِ گناہ اور حرام ہے۔ (۱) امام صاحب کو اپنے اس بیان سے توبہ کرنی چاہیے، جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور لوگوں میں غلط روایت بیان کرنا حرام ہے؛ اس لیے اس طرح کی بات بیان کرنے والے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ تاہم ان کے پیچھے نماز صحیح ہو جائے گی اور مقتدی کو جماعت کا ثواب بھی

---

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ڈھول تاشے کی نذر کو حضرت خدیجہؓ کی جانب منسوب کرنے والے کی امامت'' کا حاشیہ نمبر: ۱۔

مل جائے گا؛ لڑائی جھگڑے کے بغیر اگر ان کو علاحدہ کرنا ممکن ہو، تو متولیان مسجد ان کو منصب امامت سے علاحدہ کردیں، ورنہ گنہ گار ہوں گے۔ (۲) فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۴۲] اخلاق خراب ہونے کے باوجود امام کو منصب امامت پر برقرار رکھنا

۷۳۷-سوال: ہمارے گاؤں میں ایک صاحب نائب امام ہیں، جنہوں نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اس عورت کو ایک مرتبہ پانچ روپیہ اور دوسری مرتبہ دو روپیہ

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

ضروری وضاحت: مذکورہ دونوں سوال میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب اصل سوال سے مربوط ہے، سوال میں اس بات کا ذکر ہے کہ امام صاحب نے حضرت خدیجہؓ یا حضرت فاطمہؓ کے بارے میں یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر جہاد سے فتح حاصل کر کے صحیح سلامت واپس تشریف لائیں گے، تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھول تاشا بجاؤں گی، چناں چہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سلامت واپس تشریف لائے، تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھول تاشا بجا کر خوشی منائی تھی۔''

اصل میں امام ابوداودؒ نے بہ طریق: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ایک روایت ذکر کی ہے کہ ایک خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! میں نے نذر مانی ہے کہ آپ جہاد سے صحیح سالم فتح یاب ہو کر واپس آجائیں گے، تو میں (مارے خوشی کے) دف بجاؤں گی (کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح سے ہم کنار کیا اور صحیح سالم ہمارے درمیان تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: کہ آپ اپنی نذر پوری کریں۔ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن عمرو بن شعیب، عن أبیه، عن جده، أن امرأة، أتت النبي صلی اللہ علیه وسلم فقالت: یا رسول اللہ، إني نذرت أن أضرب علی رأسك بالدف، قال: أوفي بنذرك. (سنن أبي داود: ۲/ ۴۶۹، رقم الحدیث: ۳۳۱۲، کتاب الأیمان والنذور، باب مایؤمر به من الوفاء بالنذر، ط: البدر - دیوبند)

لازمی طور پر اس خاتون نے دف بجا کر خوشی کا اظہار کیا ہوگا، وہ خاتون (امرأة) کون ہیں؟ حضرت خدیجہؓ تو ہو نہیں سکتیں؛ کیوں کہ ان کا انتقال سن ۱۰ نبوی میں ہو چکا تھا، حدیث کا انداز بتا رہا ہے کہ حضرت فاطمہؓ بھی مراد نہیں ہیں، پھر کون ہیں؟ بذل المجہود میں ہے: ''لم أقف علی تسمیتها'' (۱۲/ ۲۶۳، ط: دار الکتب العلمیہ) اور ابوداود کے بین السطور میں بھی یہی مذکور ہے۔

الغرض جو واقعہ سوال میں مذکور ہے، وہ بے اصل نہیں ہے، البتہ دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اصل حدیث میں دف بجا کر خوشی کا اظہار کرنا مذکور ہے، جو کہ امر مباح ہے، جب کہ واقعہ بیان کرتے ہوئے امام صاحب سے یا سمجھنے میں مقتدی سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے دف کو ''ڈھول تاشہ'' سمجھ لیا، جو کہ ناجائز ہے، اور سوال کے مطابق ہی مفتی صاحبؒ نے جواب ذکر کیا ہے، اسی وجہ سے اس کی حضرت خدیجہؓ یا حضرت فاطمہؓ کی جانب نسبت کو حضرت مفتی صاحب نے بہتان سے تعبیر فرمایا ہے اور اسی کے موافق حکم بھی ذکر کیا ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

دیا ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ ابھی مدرسے میں نہیں سوتے ہیں؛ بل کہ کسی اور جگہ سوتے ہیں۔

مسجد کے پیش امام صاحب کو اصل واقعہ معلوم ہے، اس کے باوجود جب بھی وہ غیر حاضر ہوتے ہیں، تو امامت کی ذمہ داری ان ہی کو حوالے کر کے جاتے ہیں، جب گاؤں میں ان کے متعلق زیادہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں، تو پیش امام صاحب نے کہا کہ ان کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے۔

گاؤں کے سرکردہ حضرات نے ان کو سمجھایا کہ تم اپنی رضامندی سے اپنا استعفیٰ نامہ پیش کر دو، اس میں تمہاری عزت باقی رہے گی؛ لیکن وہ استعفیٰ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں اور مدرسہ اور مسجد کی کمیٹی بھی ان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے، اس صورت میں کمیٹی کے ممبران گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟ تفصیلی جواب درکار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثبوتِ زنا کے لیے شریعت نے کچھ اصول مقرر کیے ہیں، جن کے بغیر کسی کو ''زناکار'' کہنا حرام ہے؛ اگر اسلامی حکومت ہے، تو زنا کا الزام لگانے والے سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اس (زنا) کو چار گواہوں کے ذریعہ ثابت کرو، اگر چار گواہوں میں سے ایک گواہ بھی ٹوٹ جائے، اور وہ صراحۃً گواہی نہ دے سکے، تو الزام لگانے والے پر حدِ قذف (افتراء اور بہتان تراشی کی حد) لگائی جائے گی، جو ۸۰ اسی کوڑے ہیں؛ اس لیے اگر امام صاحب نے اس عورت کو پانچ روپے یا دس روپے دیے ہیں، تو اس سے ان کا زانی ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ (۱)

مسجد و مدرسے کے مکان میں نہ سونا اور کسی دوسرے کے مکان پر سونے کے لیے جانے سے بھی ان کا زانی ہونا ثابت نہیں ہوگا، نیز پیش امام کے یہ کہنے سے کہ ''ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔'' اس (نائب امام) کا زانی ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

ہاں! نائب امام صاحب غیر محرم عورتوں سے بے پردہ باتیں کرتے ہوں، ان سے ہنسی مذاق کرتے ہوں اور اس بات پر گواہ موجود ہوں، تو ان کا فسق ثابت ہوگا، اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ (۲)

لہٰذا مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر اگر آپ لوگ ان کا پیچھا کرنا چاہیں، تو کر سکتے ہیں؛ کمیٹی کے افراد اگر

---

(۱) قولہ تعالیٰ: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (النور: ۴، ۲۴)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ داڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

آپ کے مخالف ہوں اور ان کو منصب امامت پر برقرار رکھنے کے لیے مصر ہیں، تو اولاً آپ یا دوسرا کوئی شخص جا کر امام صاحب کو سمجھائے اور اپنی غلط حرکتوں سے باز رہنے کی تاکید کرے؛ اگر نائب امام توبہ واستغفار کرلے اور غیر محرم عورتوں سے دور رہنے اور ان سے بات چیت نہ کرنے کا پختہ ارادہ اور اللہ رب العزت سے پکا عہد کرلے، تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

اگر انہوں نے اس طرح توبہ کرلی ہے، تو بلا کسی کراہت کے ان کے پیچھے نماز صحیح ہو جائے گی، اور اس صورت میں ان کو علاحدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۳] مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت

۷۳۸-سوال: ایک امام صاحب نے مرض کی وجہ سے دو آپریشن کروائے ہیں، ان میں ایک آپریشن نس بندی کا بھی ہے، امام صاحب کی عمر اس وقت پچاس سال کی ہے، ان کی دو لڑکیوں کی شادی ہو چکی ہے، تو سوال یہ ہے کہ اتنی عمر میں کوئی امام صاحب اپنے کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کروائے، تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: دین آسان ہے۔[۱] اس لیے صحت اور بیماری دونوں

(۳) إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵﴾ (۲۴-النور:۵)
وقال الإمام النووي: التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزما جازما على أن لا يعود إلى مثلها أبدا، فإن كانت تتعلق بآدمي، لزم رد الظلامة إلى صاحبها، أو وارثه، أو تحصيل البراءة منه، وركنها الأعظم الندم. ———— وفي شرح المقاصد قالوا: إن كانت المعصية في خالص حق الله تعالى فقد يكفي الندم كما في ارتكاب الفرار من الزحف وترك الأمر بالمعروف، وقد تفتقر إلى أمر زائد كتسليم النفس للحد في الشرب، وتسليم ما وجب في ترك الزكاة، ومثله في ترك الصلاة، وإن تعلقت بحقوق العباد لزم مع الندم، والعزم، إيصال حق العبد أو بدله إليه، إن كان الذنب ظلما كما في الغصب والقتل العمد... الخ. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني - الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۱۴/ ۳۵۳، سورة التحريم (۶۶)، آیت نمبر: ۷-۱۲، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا، وأبشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۰، رقم الحديث: ۳۹، كتاب الإيمان، باب: الدين يسر، ط: البدر - ديوبند)

کے احکام شریعت میں الگ الگ ہیں۔

تندرست مرد و عورت اس خوف اور اندیشے کی وجہ سے نس بندی کرواتے ہوں کہ بچوں کو کہاں سے کھانا کھلائیں گے، کہاں سے کپڑے پہنائیں گے، تب تو باعث گناہ اور حرام ہے،(۲) جس کا مرتکب فاسق ہے، اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔(۳)

کسی مرض کی وجہ سے اگر آپریشن کرایا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، خواہ وہ امام ہو یا مقتدی، مثلاً: کسی رگ میں خرابی واقع ہوگئی ہو، اس میں کیڑے پڑ گئے ہوں، یا عورت کی بچہ دانی میں خرابی پیدا ہوگئی ہو؛ اور کسی ماہر ڈاکٹر یا حکیم نے آپریشن تجویز کیا ہو۔

اس لیے صورت مسئولہ میں امام صاحب کے پیچھے نماز بلا کسی کراہت کے جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۴] خاندانی منصوبہ بندی کروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۳۹-سوال: ایک صاحب نے خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کروائی ہے، تو کیا یہ گناہ

---

(۲) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (۱۷-الإسراء: ۳۱)
عن عبد الله، قال: قلت يا رسول الله، أي الذنب أعظم؟ قال: أن تجعل لله ندا وهو خلقك، قلت: ثم أي؟ قال: أن تقتل ولدك خشية أن يأكل معك، قال: ثم أي؟ قال: أن تزاني حليلة جارك... (صحيح البخاري: ۲/ ۸۸۷، رقم الحديث: ۶۰۰۱، كتاب الأدب، باب قتل الولد خشية أن يأكل معه، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۶۳، رقم الحديث: ۱۴۱، ۱۴۲-(۸۶)، كتاب الإيمان، باب كون الشرك أقبح الذنوب، وبيان أعظمها بعده، ط: البدر - ديوبند)
وَلا تَقْتُلُوا أَوْلادَكُم يعني البنات كما كانوا يفعلون خَشْيَةَ إِمْلاقٍ مخافة الفقر نهاهم عن القتل وضمن لهم أرزاقهم فقال نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كانَ خِطْأً. قرا ابن عامر برواية ابن ذكوان وابو جعفر بفتح الخاء والطاء مقصورا- وابن كثير بكسر الخاء وفتح الطاء ممدودا- والباقون بكسر الخاء وسكون الطاء- قال البغوي معنى الكل واحد اى الما كبيرا. (التفسير المظهري- المظهري، محمد ثناء الله (م: ۱۲۲۵هـ): ۵/ ۴۳۶، سورة الإسراء (۱۷): ۳۱، ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية - الباكستان)
إذا أراد الرجل أن يقطع إصبعا زائدة أو شيئا آخر، قال نصير - رحمه الله تعالى - إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك، فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۶۰، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات، ط: دار الفكر)
(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

نہیں ہے؟ اور اب وہ صاحب مکتب میں استاذ بن کر دینی تعلیم دے رہے ہیں، کیا ایسا آدمی اس کے لائق ہے؟ اور امامت بھی کرتے ہیں، تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرد کا نس بندی کرانا یا عورت کا ایسا آپریشن کروانا، جس سے مستقبل میں عورت کو کبھی بھی اولاد نہ ہو، ناجائز اور گناہ ہے، اس کے علاوہ اگر عارضی طور پر خاندانی منصوبہ بندی کروائی، تو اس کا مقصد کیا ہے؟ اس پر حکم کا دارومدار ہے، اگر تنگی اور مفلسی کے ڈر سے ایسا کیا ہے، تو جائز نہیں؛ لیکن اگر عورت کی طبیعت کی خرابی اور کمزوری کے پیش نظر ایسا کیا ہے، تو جائز ہے۔ (شامی جلد ۳ صفحہ ۱۷۶)[۱]

مدرسہ میں ان کو باقی رکھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر کسی عذر کی وجہ سے خاندانی منصوبہ بندی کروائی ہے، تو جائز ہے اور امامت بھی جائز ہے، اگر بلا عذر نس بندی کروالی ہے، تو گنہ گار ہوگا، توبہ کرلے تو نماز میں کوئی حرج نہیں۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۵] اپنی بیوی کی بچہ دانی نکلوا دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

۴۰۷-سوال: امام نے اپنی زوجہ کا آپریشن کروالیا ہے کہ بچے پیدا نہ ہوں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزی روٹی کا مالک اللہ ہے، خود اللہ نے مخلوق کی ذمہ داری لی ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ﴾[۳]

---

(۱)... [تنبیه] أخذ في النهر من هذا و مما قدمه الشارح عن الخانية و الكمال أنه يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عزله بغير إذنها.
قلت: لكن في البزازية أن له منع امرأته عن العزل. اهـ. نعم النظر إلى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين. فما في البحر مبني على ما هو أصل المذهب، وما في النهر على ما قاله المشايخ، والله الموفق. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/۱۷۶، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مطلب في حكم العزل، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: "کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت" کا حاشیہ نمبر: ۲۔

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

(۳) ۱۱-هود: ۶.

زمین پر چلنے والی جنتی بھی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ ان کی روزی کا ضامن ہے؛ لہٰذا امام صاحب ہوں یا اور کوئی، یہ سوچ کر کہ بچے کیا کھائیں گے؟ کہاں رہیں گے؟ مکان کہاں سے خریدیں گے؟ ان چیزوں کی وجہ سے نس بندی یا آپریشن کرواتا ہے، تو حرام ہے؛ بل کہ ایمان سے نکل جانے کا خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر ایمان نہیں ہے، ایسے لوگ درحقیقت نسل انسانی کو برباد کرنے والے ہیں، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے لوگ ہیں، اور جو کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے، وہ فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے۔[1] البتہ مقتدی حضرات کے لیے لازم ہوگا کہ جب تک کسی متبادل کا نظم نہ ہو، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں، ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا، متولیان کی ذمہ داری ہے کہ ایسے فاسق شخص کو امامت سے جلد علاحدہ کردیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۶] مجبوری میں بچہ دانی نکلوا دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

۱۴۱۷-سوال: عورت کی بچہ دانی میں خرابی پیدا ہوگئی ہے، اور ڈاکٹروں نے کہا کہ اگر بچہ دانی نہیں نکالی گئی، تو کینسر کی بیماری لاحق ہو جائے گی، جس کی وجہ سے عورت کی جان جا سکتی ہے؛ اس لیے شوہر (جو ایک مسجد کے امام ہیں) نے عورت کی بچہ دانی نکلوا دی، اب بچے نہیں ہو سکتے، تو ایسی صورت میں ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورت مسئولہ میں اگر عورت واقعۃً بیمار ہے، اور حاذق ماہر طبیب کہتا ہے کہ مستقبل میں بچے کی پیدائش سے جان کے ضائع اور ہلاک ہونے کا شدید خطرہ ہے، اس وجہ سے آپریشن کروایا ہے، تو امام صاحب گنہگار نہیں ہوں گے اور ان کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہوگی۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت'' کا حاشیہ نمبر: ۲۔

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

(۳) إذا أراد الرجل أن يقطع إصبعا زائدة أو شيئا آخر، قال نصير - رحمه الله تعالى - إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك، فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۶۰، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت''۔

[۴۷] وضع حمل کی تکلیف کی وجہ سے آپریشن کرانا

۴۴۲-سوال: وضع حمل میں بہت تکلیف ہو، تو آپریشن کرانا جائز ہے یا نہیں؟
ایسا امام، جس نے اپنی بیوی کا آپریشن کروایا ہو، وہ امامت کر سکتا ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

دنیا کے ہر کام میں تکلیف ہوتی ہے اور قرآن میں بھی وضع حمل کی تکلیف کا بیان ہے۔[1] اسی وجہ سے فرماں بردار کے لیے ماں کی قدموں میں جنت کا وعدہ ہے۔[2]

لہٰذا اس وجہ سے آپریشن کی اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ ماہر مسلمان ڈاکٹر مشورہ دے کہ آئندہ حمل رہے گا تو عورت کا انتقال ہوجائے گا یا عورت کا کوئی ہاتھ یا پاؤں معطل ہوجائے گا، تو مذکورہ شرعی عذر کی بنا پر آپریشن کرانا جائز ہے اور شوہر گنہ گار نہیں ہوگا۔

بغیر شرعی عذر کے آپریشن کرانے سے امام فاسق وفاجر شمار ہوگا اور ایسے آدمی کو امامت کی ذمہ داری دینا مکروہ ہے، البتہ شرعی عذر کی وجہ سے آپریشن کرانا جائز ہے اور ایسے آدمی کو امام بنانا بھی جائز ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قوله تعالى: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ (۳۱-لقمان: ۱۴)

(۲) عن ابن عباس، في قوله: {ولنبلونكم بشيء من الخوف والجوع} [البقرة: ۱۵۵] ونحو هذا، قال: "أخبر الله سبحانه المؤمنين أن الدنيا دار بلاء وأنه مبتليهم فيها، وأمرهم بالصبر وبشرهم"، فقال: {وبشر الصابرين} [البقرة: ۱۵۵]، "ثم أخبرهم أنه هكذا فعل بأنبيائه وصفوته يطيب نفوسهم"، فقال: {مستهم البأساء والضراء وزلزلوا} [البقرة: ۲۱۴]، "وأما البأساء: فالفقر، والضراء: فالسقم، وزلزلوا: بالفتن وأذى الناس إياهم". (شعب الإيمان- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۱۲/۱۷۷، رقم الحديث: ۹۴۳۸، باب في الصبر على المصائب و عما ينزع النفس من لذة و شهوة، ط: مكتبة الرشد للنشر و التوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)
عن معاوية بن جاهمة السلمي، أن جاهمة جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله، أردت أن أغزو وقد جئت أستشيرك، فقال: هل لك من أم؟ قال: نعم، قال: فالزمها، فإن الجنة تحت رجليها. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ): ۶/۱۱، رقم الحديث: ۳۱۰۴، كتاب الجهاد، الرخصة في التخلف لمن له والدة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(۳) تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت'' ☆ مجبوری میں بچہ دانی نکلوا دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا۔

[۴۸] نس بندی کرنے والے کی امامت

۷۴۳-سوال: کیا نس بندی کرانے والا شخص امامت کرا سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

متولیان وٹرسٹیانِ مسجد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے شخص کو امامت کے منصب پر فائز کرے، جو متبع سنت ہو، قرآن مجید تجوید سے پڑھتا ہو، متقی ہو، گناہ کبیرہ سے اجتناب کرنے والا ہو؛ لہٰذا جس شخص نے نس بندی کرائی ہے، وہ دو حال سے خالی نہیں: (۱) عورت مریضہ ہے اور ماہر مسلم ڈاکٹر و حکیم نے کہا ہے کہ حمل کی صورت میں عورت کی جان کا خطرہ ہے یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو شریعت مطہرہ اجازت دیتی ہے؛ لہٰذا ایسے شخص کا امامت کے لیے تقرر کرنا جائز ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دنیا آواز لگاتی ہے، لوگ رات دن پکارتے ہیں کہ بچے زیادہ ہو جائیں گے، تو ان کو کیسے کھلاؤ گے، ان کا نان ونفقہ اور ضروریات زندگی وغیرہ کا نظم کیسے کرو گے، تو اس طرح سوچنا بھی دو حال سے خالی نہیں: (۱) اگر نقصان کا تصور ہو کہ ہم ہی طعام، شراب، لباس، سکونت کے ذمہ دار ہیں اور ہم ہی یہ انتظام کرنے والے ہیں، تو وہ انسان ایمان واسلام سے خارج ہو جائے گا، مرتد ہو جائے گا، لہٰذا وہ امامت کے لائق نہیں (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ خالق اور رازق اللہ ہی ہے، مگر وہ آدمی سوچتا ہے، یعنی وہ اس عقیدہ میں مکمل مضبوط نہیں ہوتا ہے اور دینی نقطہ سے کمزور ہوتا ہے؛ لہٰذا اہل دنیا کے دیکھا دیکھی وہ بھی نس بندی کروالیتا ہے، تو وہ فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا ایسے شخص کو بھی امام بنانا درست نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۹] شراب کا گڑ بیچنے والے امام صاحب کے پیچھے نماز

۷۴۴-سوال: ایک مسجد کے امام صاحب شراب بنانے کا گڑ اور نوسار (شراب بنانے کی ایک شئے) غیر مسلم بستیوں میں فروخت کرتے ہیں، تو ان کے پیچھے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ ان کے اس کام سے

(۱) تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت'' ☆ مجبوری میں بچہ دانی نکلوا دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا۔

ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی حضرات ناراض ہیں اور نماز پڑھنے میں شش و پنج میں مبتلا ہیں کہ پتہ نہیں ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟ تسلی بخش جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو گڑ شراب کے علاوہ دوسرے کاموں کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے، مثلاً: جانوروں کے کھلانے کے لیے یا اس کے علاوہ دوسرے کسی کام کے لیے، تو اس کی تجارت جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔ (۱)

لہٰذا ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کسی کراہت کے جائز ہے، کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۰] فاسق امام کے پیچھے نماز کا حکم

۷۴۵-سوال: آپ کی کتاب ''مسلمان عورت'' میں لکھا ہے کہ جو امام صاحب اپنی عورت کو پردے کا حکم نہ کرے، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، تو ہم لوگ برسوں سے ایسے امام کے پیچھے نمازیں پڑھتے چلے آئے ہیں تو ہماری نمازوں کا کیا ہوگا؟ اگر ہماری نمازیں صحیح ہوگئی ہیں، تو مکروہ تحریمی ہونے کا کیا مطلب؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتب فقہ میں لکھا ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۲)

فاسق اس آدمی کو کہتے ہیں، جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو؛ مثلاً: شراب پینا، جوا کھیلنا، زنا کرنا وغیرہ؛

---

(۱) (و) جاز (بيع عصير) عنب (ممن) يعلم أنه (يتخذه خمرا) لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره وقيل يكره لإعانته على المعصية ونقل المصنف عن السراج والمشكلات أن قوله ممن أي من كافر أما بيعه من المسلم فيكره ومثله في الجوهرة والباقاني وغيرهما زاد القهستاني معزيا للخانية أنه يكره بالاتفاق. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله وجاز) أي عنده لا عندهما بيع عصير عنب أي معصوره المستخرج منه فلا يكره بيع العنب والكرم منه بلا خلاف. كما في المحيط لكن في بيع الخزانة أن بيع العنب على الخلاف قهستاني. (قوله ممن يعلم) فيه إشارة إلى أنه لو لم يعلم لم يكره بلا خلاف قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۹۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ''فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت'' کے حواشی۔

عورت کے لیے پردہ کرنا فرض ہے۔[1] باپ کے لیے اپنی لڑکی اور شوہر کے لیے اپنی بیوی کو پردے کا حکم دینا فرض ہے۔[2] اور عصر حاضر میں عورتوں کا پردہ کرنا تو شعائرِ اسلام میں داخل ہے؛ کیوں کہ اس زمانے میں پردے کے خلاف منظم سازشیں چل رہی ہیں، بے پردگی کو عام کرنے کے لیے فحش لٹریچر چھپوا کر لوگوں میں عام کیے جاتے ہیں، اسی گندے ماحول کے زہریلے جراثیم کی وجہ سے آج ہماری مسلم لڑکیاں یہ کہنے لگیں ہیں کہ مجھے مولوی، ملا، حافظ جی اور کسی تبلیغی کے ساتھ شادی نہیں کرنی ہے، اس لیے اس زمانے میں عورتوں کا خود بھی پردے کا اہتمام کرنا ضروری ہے اور سرپرستوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی ماتحت عورتوں کو پردے کا تاکیداً حکم کریں؛ لہٰذا ایک حافظ، مولوی اور امام، اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا، تو وہ فاسق کہلائے گا اور اپنے اس عمل کی وجہ سے وہ گنہ گار ہوگا، ذمہ دار حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے امام کو منصب امامت سے علاحدہ کردیں، تاکہ لوگوں کی نمازیں صحیح ہوں؛ لیکن ایسا شخص ٹرسٹیوں سے تعلق قائم کر کے اگر امام بن گیا ہے اور اس کو ہٹانے کی صورت میں فتنے کا اندیشہ ہے، تو آپ اسی امام کے پیچھے اپنی نمازیں پڑھ لیں، نماز ہوجائے گی اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا؛ اس لیے کہ بعض صحابہ کرام نے بھی ظالم اور فاسق کے پیچھے نماز ادا کی ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حجاج کے پیچھے نماز ادا کی ہیں، اس لیے اس امام کے پیچھے آپ کی نمازیں صحیح ہوجائیں گی؛ لیکن اس امام کو برقرار رکھنے والے ذمہ دار حضرات یا اس کی طرف داری کرنے والے لوگ گنہ گار ہوں گے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۱] ڈیوٹی میں کوتاہی کرنے والے اور جھوٹ بولنے والے شخص کی امامت

۴۳۶۷-سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص امامت کرتا ہے اور نذرانہ دو الگ الگ عنوانات کے تحت پاتا ہے، خدمت امامت کا الگ اور مکتب کا الگ، امامت کا حال یہ ہے کہ سال بھر وہ صرف چار وقت کی نمازوں کی امامت کرتا ہے، ماہ رمضان المبارک کو چھوڑ کر گیارہ ماہ وہ فجر کی نماز نہیں پڑھاتا ہے۔ رہا سوال مکتب کا، تو وہ جب سے اس خدمت

(۱) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣-الأحزاب:٣٣﴾

(۲) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٣٣-الأحزاب:٥٩﴾

پر مامور ہوا ہے، آج تک بچوں کو پڑھایا ہی نہیں، یہ شخص کھلے عام جھوٹ بولتا ہے، اگر اس شخص کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہو، تو وہ برداشت نہیں کرتا، اپنی بات خواہ وہ غلط کیوں نہ ہو، منوانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے، اگر کوئی اس کا ساتھ نہ دے، تو اس کے خلاف لوگوں کو ورغلا کر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کر کے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا ہے، دینی کام صحیح طور پر انجام دینے والی جماعت کے کام میں رخنہ پیدا کرتا ہے، رخنہ ڈالنے کے لیے جہلاء کو اپنا ہم خیال بناتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کی امامت درست ہے؟ براہِ کرم اس کا شرعی حل جلد از جلد روانہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسہ میں ملازمت کے باوجود نہیں پڑھاتا ہے اور تنخواہ لیتا ہے، تو یہ جائز نہیں، وقف کا مال ناحق کھا رہا ہے۔[1] جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے، اس پر احادیث میں سخت وعید آئی ہے۔[2]

اگر وہ شخص اپنے مذکورہ غلط روش پر برقرار رہنے اور معصیت کے افعال کو انجام دینے کے لیے مسلمین میں پھوٹ ڈالنا اور دینی کام انجام دینے والی جماعت میں رخنہ پیدا کرنا تو منافقین کا کام ہے۔

جو شخص ان امور قبیحہ کا ارتکاب کرے، وہ فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے، ایسے

---

(۱) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ (۴-النساء:۲۹-۳۰)

(۲) عن عبد الله رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الصدق يهدي إلى البر، وإن البر يهدي إلى الجنة، وإن الرجل ليصدق حتى يكون صديقا. وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وإن الرجل ليكذب حتى يكتب عند الله كذابا. (صحيح البخاري: ۲/ ۹۰۰، رقم الحديث: ۶۰۹۴، كتاب الأدب، باب قول الله تعالى: {يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين} [التوبة: ۱۱۹] وما ينهى عن الكذب، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۳۲۵، رقم الحديث: ۱۰۳- ۲۶۰۷، كتاب البر والصلة والآداب، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله، ط: البدر - ديوبند)

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "رأيت الليلة رجلين أتياني، قالا: الذي رأيته يشق شدقه فكذاب، يكذب بالكذبة تحمل عنه حتى تبلغ الآفاق، فيصنع به إلى يوم القيامة". (صحيح البخاري: ۲/ ۹۰۰، رقم الحديث: ۶۰۹۶، كتاب الأدب، باب قول الله تعالى: {يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين} [التوبة] وما ينهى عن الكذب، ط: البدر - ديوبند)

شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، جو لوگ اس کو امام بنائیں گے، وہ گنہگار ہوں گے، مقتدی مجبور ہوں، تو دوسری مسجد میں نماز پڑھیں، اگر دوسری مسجد قریب میں نہ ہو، تو گھر میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ایسے شخص کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے، جماعت کو ترک نہ کریں۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۲] ایسے فاسق کی امامت، جو قرآن کریم صحیح نہ پڑھ پاتا ہو

۷۴۷-سوال: ہمارے یہاں کے امام صاحب ٹی وی پر کرکٹ میچ اور سینما بینی میں مبتلا ہیں، اُن کی بیوی بے پردہ ہو کر بازاروں میں گھومتی پھرتی ہے، علاوہ ازیں امام صاحب مسائل نماز سے بھی ناواقف ہیں، چناں چہ ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں ثناء کے بعد خاموش کھڑے رہ گئے، میرے کھنکھارنے پر اُنہوں نے سورۂ فاتحہ شروع کی، اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، دوسری طرف گاؤں کے اکثر لوگ جاہل ہیں؛ تاہم اُن میں دینی ذوق اچھا ہے، اکثر مسلمانوں کی عورتیں پردے کی پابندی کرتی ہیں، اطراف میں نواپور سے آنے والے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ امام صاحب قرآن بھی صحیح نہیں پڑھتے؛ لہٰذا اُن کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، تو ایسے امام کے پیچھے نماز کی صحت کے متعلق حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو امام قرآنِ پاک صحیح نہ پڑھے اور نماز کے دوران قراءت میں کوئی ایسی غلطی کرے، جس سے معنیٰ میں کوئی خرابی پیدا ہو رہی ہو، تو نماز فاسد ہو جائے گی؛ اور اس کا اعادہ ضروری ہوگا۔ [2] اسی طرح سجدۂ سہو

---

(۱) لو قدموا فاسقا یأثمون بناء علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم؛ لعدم اعتنائه بأمور دینه. (حلبی کبیر - إبراهیم بن محمد بن إبراهیم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۳۱۵، کتاب الصلاة، الأولی بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

فإن أمکن الصلاة خلف غیرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولی من الانفراد. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر)

وفي النهر عن المحیط: صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدین: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولی من الانفراد؛ لکن لا ینال کما ینال خلف تقي ورع. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، کتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۲) فإن کان لا یغیر المعنی، لا تفسد صلاته، نحو أن یقرأ: ولقد جاءهم رسلنا بالبینات، بترك التاء من جاءت، وإن غیر المعنی تفسد صلاته عند عامة المشایخ، نحو أن یقرأ: فما لهم یؤمنون، في لا یؤمنون بترك لا، هکذا في المحیط، وفي العتابیة: هو الأصح. کذا في التتارخانیة. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۷۹، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفکر)

واجب ہوگیا ہو اور امام نے سجدۂ سہو نہیں کیا، تب بھی نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ [۱]

نماز کے دوران امام کسی رُکن کی ادائیگی میں غلطی کررہا ہو، تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ جہراً سبحان اللہ یا اللہ اکبر پڑھے؛ جس سے وہ متنبہ ہوسکے۔ [۲] لہٰذا آپ کا کھنکھار کر متنبہ کرنے کی کوشش کرنا غلط ہے؛ بل کہ بلاضرورت آواز کرنے سے اگر دو یا تین حروف پیدا ہوگئے، تو اُس سے نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے۔ [۳]

امام اگر ٹی وی دیکھتا ہو، اجنبی عورتوں کے ساتھ اختلاط سے پرہیز نہ کرتا ہو اور اپنی بیوی کو پردے کی تاکید نہ کرے، تو وہ فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے؛ لہٰذا ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہے، متولیانِ مسجد کی ذمہ داری ہے کہ اُسے فوری طور پر امامت سے سبک دوش کرکے متقی، متبع سنت، مسائل سے واقف اور صحیح قرآن پڑھنے والے امام کو تلاش کریں، اگر متولیانِ مسجد اس امر میں غفلت برتیں گے، تو وہ گنہ گار ہوں گے۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۳] امام کے ساتھ جھگڑا ہوجانے کی وجہ سے مقتدی کا علاحدہ نماز پڑھنا

۷۴۸-سوال: ہمارے گاؤں ورکونڈ کے امام مولانا یعقوب بن یوسف درویش، بھروچ ضلع کے

---

(۱) (ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقا آثما. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۴۵۶، واجبات الصلاة، ط: دار الفكر)

(۲) وكذا إذا عرض للإمام شيء فسبح المأموم ولا بأس به؛ لأن القصد به إصلاح الصلاة، فسقط حكم الكلام عنه للحاجة إلى الإصلاح. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۲۳۵، فصل بيان حكم الاستخلاف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۷۷، كتاب الصلاة، ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: زكريا - ديوبند ☆ البحر الرائق: ۲/۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) فإن كان التنحنح لعذر فإنه لا يبطل الصلاة بلا خلاف وإن حصل به حروف؛ لأنه جاء من قبل من له الحق، فجعل عفوا، وإن كان من غير عذر، ولا غرض صحيح، فهو مفسد عندهما خلافا لأبي يوسف في الحرفين، وإن كان بغير عذر لكن لغرض صحيح كتحسين صوته للقراءة أو للإعلام أنه في الصلاة أو ليهتدي إمامه عند خطئه ففيه اختلاف فظاهر الكتاب والظهيرية اختيار الفساد لكن الصحيح عدمه؛ لأن ما للقراءة ملحق بها كما في فتح القدير وغيره. (البحر الرائق: ۲/۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۷۷، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: زكريا - ديوبند)

(۴) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوانے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

پالیج تحصیل کے وِلن گاؤں کے وطنی ہیں، ایک سال سے ہمارے گاؤں میں امامت کرتے ہیں، اُن کے اور ہمارے والد صاحب کے مابین، بہت اچھے تعلقات تھے، امام صاحب نے مجھ سے بہ تاریخ: ۱۰ر نومبر ۱۹۸۹ء، بہ روز جمعرات، بعد نمازِ مغرب دو ہزار روپے بہ طورِ قرض مانگے، میں نے اُن کو جواب دیا کہ میں اپنے والد صاحب سے اِجازت لے کر آپ کو جواب دوں گا۔ میرے والد صاحب نے بھی یہی کہا کہ بعد میں جواب دیں گے۔

اُس کے بعد ہمارے گھر میں مشورے کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ امام صاحب کو قرض نہیں دیں گے، دوسرے دِن جمعہ کی رات کو مسجد میں امام صاحب کا بیان تھا، تو پیسے نہ ملنے کی وجہ سے اُنھوں نے بیان میں ہی والد صاحب کی شان میں بہت سے گستاخانہ کلمات کہے، یہاں تک کہ اُن کو جانور تک کہہ دیا، ہم سب خاموش تھے، کوئی کچھ نہیں بولا، اُس کے دو دِن بعد جب وہ اپنے وطن سے واپس آئے، تو والد صاحب کے ساتھ جھگڑا کیا، لعنت کی اور بد دعائیہ کلمات بھی کہے، اُن کی اہلیہ نے بھی ہمارے والد صاحب کے ساتھ خوب جھگڑا کیا اور گالیاں تک دیں، اُس کے بعد میرے والد صاب نے اُن کو ماضی میں جو کچھ ہدیہ وغیرہ دیا تھا، وہ واپس طلب کیا، تو اُنھوں نے وہ ہدایا بھی واپس کر دیے، اور ایک خط لکھ کر لائے، جس میں اُنھوں نے والد صاحب کے بارے میں لکھا کہ ''شیطان! تیرے لیے جنت حرام ہے''، پھر جھگڑا کر کے والد صاحب پر حملہ کرنے کی بھی کوشش کی۔

جب نوبت یہاں تک آ گئی، تو والد صاحب نے گاؤں کے ذمہ داروں کے سامنے اِس امام کو علاحدہ کرنے کی بات کی، سارے لوگوں نے انکار کر دیا اور امام صاحب کا ساتھ دیتے ہوئے اُنھوں نے والد صاحب ہی کا قصور نکالا، مذکور امام اور اُن کی اہلیہ مرغی کی تجارت کرتے ہیں، اور اُس میں وہ جھوٹ بھی بولتے ہیں، ہم تو اِس واقعہ کے بعد اُن کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ اور گاؤں کے سارے لوگ اُن کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، تو گنہ گار کون ہوگا؟ ایسا امام امامت کے لائق ہے یا نہیں؟ گاؤں کے ذمہ دار اگر اُسے علاحدہ نہ کریں، تو شرعاً کیا حکم ہے؟ والد صاحب نے اُن کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے، تو اس کا گناہ کس کے سر ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر سوال میں تحریر کردہ باتیں صحیح ہیں، تو امام صاحب اور اُن کی اہلیہ گنہ گار ہوں گے، گاؤں کے

لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ حق پرست کی مدد کریں، خواہ وہ اجنبی ہو یا گاؤں کا باشندہ ہو۔[۱] اولاً تو یہ کہ اگر کسی بھی مؤمن میں ہم کوئی عیب دیکھیں، تو ہمیں چاہیے کہ اُسے خلوت میں نصیحت کریں۔ کیوں کہ دین نام ہے خیر خواہی کا، اور خیر خواہی اسی میں ہے کہ اس کو خلوت میں متنبہ کیا جائے۔[۲] بیانات میں یا عام مجمع میں کسی کے عیوب بیان کرنا جائز نہیں ہے۔[۳]

اگر کسی شخص میں کوئی عیب ہو، تو اُسے خلوت میں کہنا چاہیے، کہ یہ اُس کے لیے نصیحت ہے، اور اگر جلوت میں سب کے سامنے نشان دہی کی جائے، تو یہ اُس کی فضیحت ہے۔"[۴]

لہٰذا امام کا کسی کی اصلاح کے لیے عام مجمع کے سامنے کچھ کہنا جائز نہیں ہے۔

امام کا جھوٹ بولنا گناہ کا کام ہے، ارباب حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے امام کو امامت سے سبک دوش کردیں، اگر نہیں کریں گے، تو وہ گنہگار رہوں گے، لیکن ایک مسئلہ یاد رہے کہ بایں ہمہ گاؤں کے لوگوں کا فرض یہی ہے کہ وہ ایسے امام کے پیچھے بھی باجماعت نماز پڑھیں، اگر وہ امام کے فسق کی وجہ سے علاحدہ نماز

---

(۱) وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (۴۹-الحجرات: ۹-۱۰)

(۲) عن تميم الداري أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الدين النصيحة، قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۴، رقم الحديث: ۹۵ - (۵۵)، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ط: البدر - ديوبند ☆ر: صحيح البخاري: ۱/ ۱۳، رقم الحديث: ۵۷-۵۸، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "الدين النصيحة: لله ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم"، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن ابن شهاب أن سالما أخبره أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، أخبره: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة، فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۳۰، رقم الحديث: ۲۴۴۲، كتاب المظالم و القصاص، باب: لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۲۰، رقم الحديث: ۵۸-۲۵۸۰، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم، ط: البدر - ديوبند)

(۴) (وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحدكم مرآة أخيه.) بكسر ميم ومدهمز أي: آلة لإراءة محاسن أخيه ومعايبه، لكن بينه وبينه، فإن النصيحة في الملأ فضيحة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۸/ ۳۱۲۲، رقم الحديث: ۴۹۸۵، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، ط: دار الفكر، بيروت)

پڑھنا شروع کریں گے، تو گنہ گار ہوں گے، اس باب میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: "صلوا خلف کل بر او فاجر".[۱] کہ ہر نیک یا برے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، لہٰذا جب تک امام کے عقائد میں کوئی خرابی نہ ہو وہاں تک امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، خواہ اُس کے اعمال برے ہوں، علاحدہ نماز پڑھنا یا جمعہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۴] اس شخص کی امامت، جو ٹی وی دیکھتا ہو اور اس کی بیوی بے پردہ رہتی ہو؟

۷۴۹-سوال: ایک مسجد کے امام صاحب کی اہلیہ محترمہ پردے کا اہتمام نہیں کرتی ہیں، میں نے اس سلسلے میں فتاوی رحیمیہ جلد ۴ میں پڑھا، اس کے بعد امام صاحب کو اس جانب متوجہ کیا: (اس وقت ان کے استاذ ان کے ساتھ تھے) تو انہوں نے یوں جواب دیا کہ "اگر سب امام صحیح اصولوں پر چلیں گے، تو مصلے ہوا میں اڑیں گے"۔ حالاں کہ وہ اس مسئلہ سے خوب واقف ہیں، جمعہ کے دن متعدد مرتبہ وہ اور ان کے استاذ لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں اور مقتدیوں کو کہتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنا گناہ ہے۔

ایک مرتبہ میں نے ٹی وی پر حج کا پروگرام دیکھنے کے بارے میں پوچھا: تو انہوں نے کہا کہ اس کا دیکھنا بھی سخت گناہ ہے؛ حالاں کہ وہ خود ٹی وی دیکھ کر نکلے تھے، تو ہم نے کہا کہ آپ بھی تو گناہ کا کام کر کے آئے ہیں۔ تو امام صاحب اور ان کے استاذ نے کہا کہ "ہم تو گناہ کا کام کرتے آئے ہیں"۔

امام صاحب لوگوں کی غیبت بھی بہت کرتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الرجال قوٰمون علی النساء... الآیۃ[۳] شوہر کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو پردہ میں رہنے کے بابت حکم کرے، اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ عورت کو بے پردہ رہنے، بے پردہ گھومنے پھرنے اور بے پردہ باہر نکلنے سے روکے، کیوں کہ رسول اللہ نے فرمایا: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ...

(۱) قدتقدم تخریجہ مرارا عن الدار قطني.

(۲) قدتقدم تخریجہ و تفصیلہ مرارا.

(۳) ۴-النساء: ۳۴۔

الحدیث۔[۱]

اب اگر شوہر اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کرتا ہے، بیوی کو بے پردگی سے نہیں روکتا نہیں ہے، تو وہ فاسق گناہ گار ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔[۲]

اور آپ نے امام صاحب جو "جواب"، سوال میں تحریر کیا ہے کہ "سب امام صحیح اصولوں پر چلیں گے تو مصلے میں ہوا اڑنے لگیں گے" یہ دین کا مذاق ہے، (جان بوجھ کر ایسا کیا ہو، تو ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے) اسی طرح ٹی وی دیکھنا، گناہ کا کام کرنا اور گناہ کا اقرار کرنا اور گناہ کرتے رہنا، فاسق ہونے کی علامت ہے؛ امام کو چاہیے کہ بلا تاخیر توبہ کرے، ورنہ متولیان مسجد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے امام کو امامت سے علاحدہ کر دے، اگر متولیان قدرت کے باوجود، ایسے فاسق امام کو علاحدہ نہیں کریں گے، تو گنہ گار ہوں گے؛ لیکن مقتدی جماعت سے نماز پڑھتے رہیں، ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ (ان شاء اللہ)[۳]

واضح رہے کہ لمبی لمبی تقریریں کرنا مقصد نہیں ہے، مقصد تو عمل ہے، جب واعظ عالم میں عمل نہیں ہوگا، تو علم سے فائدہ نہ اٹھانے اور اس کے مقتضاء پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔[۴] اس لیے اگر توبہ نہ کرے، تو امامت سے الگ کرنا ضروری ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال أبو سعيد (الخدري): سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان. (الصحيح لمسلم: ۱/۵۰، رقم الحديث: ۷۸-(۴۹)، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، الخ، ط: البدر - ديوبند)

عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۲/۷۷۹، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر - ديوبند)

(۲) قد تقدم تخريجه وتفصيله مرارا.

[۳] لو قدموا فاسقا يأثمون بناءا على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبی کبیر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

(۴) عن جندب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مثل الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه مثل مصباح يضيء للناس ويحرق نفسه. (كتاب الأمثال في الحديث النبوي - أبو محمد عبد الله بن محمد، الأنصاري المعروف بـ "أبي الشيخ الأصبهاني" (م: ۳۶۹ھ): ۱/۳۲۳، رقم الحديث: ۲۷۶، ذكر قوله صلى الله عليه وسلم: مثل الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: الدار السلفية - بومباي)

[۵۵] مرتکب کبائر کی امامت

گذشتہ سے پیوستہ

۷۵۰-سوال: (۱) پیش امام صاحب لنگی ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر امامت کرواتے ہیں، تو کیا اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی؟ (۲) امام صاحب اذان کے بعد مسجد میں آکر دنیوی باتیں کرتے ہیں۔ (۳) اور عصر و عشاء کی سنت غیر مؤکدہ نہیں پڑھتے۔ (۴) اور جماعت کا وقت ہو جاتا ہے، اس کے باوجود وقت پر جماعت کھڑی نہیں کرتے، فجر کے وقت ۵/ سے سات منٹ دیر کرتے ہیں، لائٹ بند کر کے جماعت خانہ کے باہر بیٹھے رہتے ہیں اور مصلی حضرات کو ان کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ (۵) وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں، اگر کوئی ان کو کچھ کہتا ہے، تو اس کو نامناسب الفاظ سے جواب دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ایسے امام امامت کے عہدہ پر برقرار رکھنا چاہیے یا امامت سے معزول کر دینا چاہیے؟

(۶) مسجد میں پرانا حوض تھا، اس کو شہید کر کے نیا حوض بنایا گیا، پرانے حوض کی جگہ پر پودے اور پپیتے وغیرہ کا درخت لگایا گیا ہے، امام صاحب پپیتہ وغیرہ لے جا کر اپنی ضرورت میں استعمال کرتے ہیں، کیا وہ اسے کھا سکتے ہیں؟

(۷) گھر میں بجلی کا میٹر نہیں ہے، بجلی کے تار کے ساتھ تار لگا کر اپنے گھر میں بجلی کا استعمال کرتے ہیں اور بجلی کا خرچہ پنچایت کو دینا پڑتا ہے، وہ نہیں دیتے، تو کیا کرنا چاہیے؟

(۸) مؤذن کو اپنے اعتماد میں لے رکھا ہے، ان کی ملی بھگت سے پپیتہ اور سینگ دانہ کا استعمال کرتے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداو مصليا:

(۱) ازار بلا عذر گھٹنوں سے نیچے ہو، تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی؛ لہٰذا جس امام کی ازار بلا عذر گھٹنوں کے نیچے ہوئی، اس کو امام بنانا مکروہ ہے، کہ یہ فسق کا کام ہے۔[1]

(۲) مسجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنا جائز نہیں، کبھی کوئی ضروری بات کر لی ہو، تو جائز ہے، رسول

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۶۱، رقم الحديث: ۵۷۸۷، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ط: ديوبند)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ جس طرح سوکھی گھاس اور لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے، اسی طرح مسجد میں دنیوی باتیں کرنے سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔[۲]

(۳) سنت غیر مؤکدہ نہ پڑھنے سے آدمی گنہ گار نہیں ہوتا؛ لیکن امام کو سنت مؤکدہ کے ساتھ سنت غیر مؤکدہ اور نوافل کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

(۴) نماز کے اوقات اس لیے مقرر کیے جاتے ہیں، تاکہ نمازیوں کے لیے سہولت ہو، اس لیے امام کا جان بوجھ کر وقت کی پابندی نہ کرنا، مروت و اخلاق کے خلاف ہے، ساتھ ہی نمازیوں کو تکلیف پہونچانا ہے، یہ جائز نہیں۔

(۵) نصیحت کرنے والوں کو نامناسب الفاظ کہنا، بدگوئی کرنا، تہمت لگانا: یہ سب حرام کام ہیں؛ اس لیے امام کو ان کاموں سے بچنا چاہیے۔[۳]

---

(۲) ذكر سفيان، عن بعض أصحابه، عن الحسن، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم، فلا تجالسوهم، فليس لله فيهم حاجة". (شعب الايمان-أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۳۸۷/۴، رقم الحديث: ۲۷۰۱، كتاب الصلاة، باب المشي إلى المساجد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع-الرياض)

قال الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): (في مساجدهم في أمر دنياهم): وهي: موضوعة لأمر دينهم، قال ابن الهمام في شرح الهداية: الكلام المباح في المسجد مكروه يأكل الحسنات. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۶۲۲/۲، رقم: ۷۴۳، باب المساجد ومواضع الصلاة، ط: دار الفكر-بيروت)

وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث أي كلام الناس في المسجد لكن قيده بأن يجلس لأجله ـــــ وفي فتح القدير الكلام المباح فيه مكروه يأكل الحسنات. وينبغي تقييده بما في الظهيرية أما إن جلس للعبادة ثم بعدها تكلم فلا. (البحر الرائق: ۳۹/۲، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الوطء فوق المسجد والبول والتغوط، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ حاشية الشرنبلالي مع درر الحكام شرح غرر الأحكام-حسن بن عمار الشرنبلالي (م: ۱۰۶۹هـ): ۱۱۱/۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكروهات الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۳) يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (۳۳-الأحزاب: ۷۰-۷۱)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت. (صحيح البخاري: ۸۸۹/۲، رقم الحديث: ۶۰۱۸ و ۶۰۱۹، كتاب الأدب، باب: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۵۰/۱، رقم الحديث: ۷۴-۷۵ (۴۷)، كتاب الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف، ولزوم الصمت إلا عن الخير وكون ذلك كله من الإيمان، ط: ديوبند)

(۶) مذکورہ زمین میں جس نے درخت لگایا ہے، جس نے محنت کی ہے، مذکورہ مسئلہ کے حکم کا دار و مدار اس کی نیت پر ہے، اس نے کیا نیت کی ہے: (۱) اپنے کھانے کے لیے۔ (۲) نمازیوں کے لیے۔ (۳) مسجد کے لیے، امام نے اگر اپنے لیے درخت لگائے ہوں، تو اس کے پھل کھانا جائز ہے، اگر مسجد کے لیے ہو، تو جائز نہیں۔ (۴) اگر ۵۰ رفیصد مسجد کے لیے اور اور ۵۰ رفی صد اپنے لیے ہو، تو امام کو کھانا جائز ہے؛ لیکن نمبر ار کے مطابق نیت ہو، تو متولیان مسجد کو اختیار ہے کہ وہ درخت اکھڑوا دیں، اس لیے شرکت کی نیت کرنا بہتر ہے؛ لہٰذا امام کا بھی ۵۰ رفیصد حق ہے، اس اعتبار سے کھانا جائز ہوگا۔

(۷) گاؤں والوں پر فرض ہے کہ امام کے لیے ان کی ضرورت کے مطابق گھر کی چیزوں کا انتظام کردے، لائٹ فٹنگ کروا کر، میٹر رکھوا دے، امام کی ضرورتیں گاؤں والوں کو سمجھنا چاہیے، گرام پنچایت کارکنان سے اجازت لیے بغیر بجلی کا استعمال کرتے ہیں، تو جائز نہیں ہے، امام کو مذکورہ کام سے توبہ کرنی چاہیے اور جتنی بجلی کا استعمال کیا ہے، اس کا تاوان ادا کرنا چاہیے۔

(۸) جواب نمبر ۳ر میں تفصیل لکھی ہے، امام ومؤذن نے وقف کی زمین میں درخت لگا کر محنت کی ہے، اور اپنے لیے استعمال کی نیت کی ہے، تو کھانا جائز ہے، معاملہ کی تحقیق کرلیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ غلط بیانی کر کے گنہگار ہو جائیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۶] أيضــــا

گزشتہ سے پیوستہ

۱۵۷-سوال: (۱) مؤذن کا وضوء صحیح نہیں ہوتا، کہنے کے باوجود وہ اپنی اصلاح نہیں کرتے؟ (۲) ان کو رہنے کے لیے مکان دیا ہے، اس کے باوجود رات کو جماعت خانہ میں سوجاتے ہیں، امام صاحب جب ان سے کہتے ہیں، تو مؤذن ان کو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ: ''جن تابع کرنے کا عمل کرتا ہوں'' اور امام صاحب نے ۸ ردن میں یہ ظاہر بھی کر دیا کہ مؤذن صاحب نے جن تابع کرلیا ہے۔ ہم نے کہا کہ جماعت خانہ میں سونے سے مسجد کی بے ادبی ہوتی ہے، تو جواب دیتے ہیں کہ آپ نہیں سمجھیں گے، سوسکتے ہیں۔ (۳) جماعت خانہ میں ناپاک پاؤں کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔ (۴) سنت ونوافل بھی نہیں پڑھتے۔ (۵) ان کے تکبیر پڑھنے کی وجہ سے نماز میں کوئی حرج ونقص تو نہیں ہوگا؟ (۶) مسجد میں پرانا حوض تھا، اس کو

شہید کر کے نیا حوض بنایا گیا ہے، پرانے حوض کی جگہ پپیتے کا درخت لگایا گیا ہے، وہاں سے پپیتے توڑ کر اپنے کمرہ میں لے جا کر کھاتے ہیں، گذشتہ کل اس سلسلے میں امام ومؤذن کے درمیان جھگڑا بھی ہوا اور مزید جھگڑے کا اندیشہ ہے، تو ان کو رکھنا چاہیے یا مستعفی کر دینا چاہیے؟ (۷) امام صاحب نماز میں بار بار داہنا پاؤں اٹھاتے رہتے ہیں؟ (۸) نماز میں قراءت ایسی پڑھتے ہیں، گویا شاعری پڑھتے ہوں اور سلام کھینچ کر کہتے ہیں، لوگ اس سے اکتا گئے ہیں، صرف پانچ سات مصلی باقی ہوگئے ہیں۔ (۹) نماز کے اوقات دائمی تقویم کے مطابق نہیں لکھتے، اس میں اپنی من مانی کرتے ہیں اور جب کوئی اس کو غلطی سے متنبہ کرتا ہے، تو اس کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ (۱۰) اگر وہ نماز پڑھائے، تو اس میں کوئی حرج ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

(۱) آپ کو صحیح بات کہنے کا ثواب مل گیا، آپ دعا کیجیے، اللہ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔

(۲) مسجد نماز، تلاوت، ذکر کے لیے ہے، مسجد میں سونے کی عادت بنالینا جائز نہیں، مسجد جن کو تابع کرنے کی جگہ نہیں، جو کمرہ دیا ہے، اس کا استعمال کرنا چاہیے، جھوٹے بہانے بنا کر مسجد میں سونے کی عادت بنالینا مسجد کی بے عزتی ہے، جو جائز نہیں ہے۔[1]

---

(۱) ﴿فِيْ بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ (۲۴-النور:۳۶)
{في بيوت أذن الله أن ترفع} أي: أمر الله تعالى برفعها، أي: بتطهيرها من الدنس واللغو، والأفعال والأقوال التي لا تليق فيها، كما قال علي بن أبي طلحة، عن ابن عباس في هذه الآية الكريمة: {في بيوت أذن الله أن ترفع} قال: نهى الله سبحانه عن اللغو فيها. وكذا قال عكرمة، وأبو صالح، والضحاك، ونافع بن جبير، وأبو بكر بن سليمان بن أبي حثمة، وسفيان بن حسين، وغيرهم من علماء المفسرين. (تفسير القرآن العظيم- أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (م: ۷۷۴هـ): ۶/ ۶۲، سورة النور: ۳۶، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)
(وكره) أي تحريما لأنها محل إطلاقهم بحر (إحضار مبيع فيه) كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقا للنهي وكذا أكله ونومه إلا لغريب أشباه وقد قدمناه قبيل الوتر، لكن قال ابن كمال لا يكره الأكل والشرب والنوم فيه مطلقا ونحوه في المجتبى. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله مطلقا) أي سواء احتاج إليه لنفسه أو عياله أو كان للتجارة أحضره أو لا كما يعلم مما قبله ومن الزيلعي والبحر (قوله للنهي) هو ما رواه أصحاب السنن الأربعة وحسنه الترمذي، أن رسول الله نهى عن الشراء والبيع في المسجد وأن ينشد فيه ضالة أو ينشد فيه شعر ونهى عن التحلق قبل الصلاة يوم الجمعة، فتح (قوله وكذا أكله) أي غير المعتكف (قوله لكن إلخ) استدراك على ما في الأشباه، وعبارة ابن الكمال عن جامع الإسبيجابي لغير المعتكف أن ينام في المسجد مقيما كان أو غريبا أو مضطجعا أو متكئا رجلاه إلى القبلة أو إلى غيرها فالمعتكف أولى اهـ ونقله أيضا في المعراج وبه يعلم تفسير =

(۳) ناپاک پاؤں کے ساتھ جماعت خانہ میں داخل ہونا جائز نہیں، ناپاکی لگ جانے کی وجہ سے نمازیوں کی نماز نہیں ہوگی، اس کا بھی گناہ ہوگا۔[۲]

(۴) سنت مؤکدہ چھوڑنے کی عادت بنالینے کی وجہ سے آدمی فاسق بن جاتا ہے؛ کہ یہ سنت سے عدم دلچسپی اور بے رغبتی کی علامت ہے۔[۳]

(۵) مذکورہ کام کرنے والا فاسق ہے اور فاسق کی اذان مکروہ ہے۔ (مجمع الانہر جلد ۱ صفحہ ۷۸)[۴]

(۶) سجدہ صحیح ہونے کے لیے پاؤں کی انگلیوں کا تھوڑی دیر کے لیے زمین پر رکھنا ضروری ہے؛

= الإطلاق قال ط: لكن قوله رجلاه إلى القبلة غير مسلم لما نصوا عليه من الكراهة اهـ ومفاد كلام الشارح ترجيح هذا الاستدراك والظاهر أن مثل النوم الأكل والشرب إذا لم يشغل المسجد ولم يلوثه لأن تنظيفه واجب كما مر لكن قال في متن الوقاية: ويأكل أي المعتكف ويشرب وينام ويبيع ويشتري فيه لا غيره، قال منلا علي في شرحه: أي لا يفعل غير المعتكف شيئا من هذه الأمور في المسجد اهـ ومثله في القهستاني ثم نقل ما مر عن المجتبى. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۴۹/۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) إسحاق بن أبي طلحة، حدثني أنس بن مالك - وهو عم إسحاق -، قال: بينما نحن في المسجد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم. إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد، فقال أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم: مه مه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تزرموه دعوه، فتركوه حتى بال، ثم إن رسول الله صلى الله عليه وسلم دعاه، فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول، ولا القذر إنما هي لذكر الله عز وجل، والصلاة وقراءة القرآن، أو كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فأمر رجلا من القوم فجاء بدلو من ماء فشنه عليه. (الصحيح لمسلم: ۱۳۸/۱، رقم الحديث: ۱۰۰-(۲۸۵)، كتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات إذا حصلت في المسجد، وأن الأرض تطهر بالماء، من غير حاجة إلى حفرها، ط: ديوبند)

تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس. (الفتاوى الهندية: ۵۸/۱، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: دار الفكر)

(۳) والسنة نوعان: سنة الهدي، وتركها يوجب إساءة وكراهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها.ـــــ وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي - عليه الصلاة والسلام - في لباسه وقيامه وقعوده. ... السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين، فهي في نفسها عبادة ... ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدي، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۰۳/۱، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: بيروت)

[۴] (وكره أذان الفاسق) لعدم الاعتماد ولكن لا يعاد. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۷۸/۱، باب الأذان، صفة الأذان، ط: دار إحياء التراث العربي)

صورت مسئولہ میں یہ بات متحقق ہوتی ہے؛ اس لیے نماز تو ہو جائے گی؛ لیکن پاؤں اونچا نیچا کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔(۵)

(۷) گاؤں والے اپنے حالات سے بہ خوبی واقف ہیں، وہ اپنی مالی حالت کو سمجھ سکتے ہیں، اگر ان کے پاس زیادہ تنخواہ دینے کی طاقت وگنجائش ہو، تو نیک وصالح امام ومؤذن کا انتخاب کریں، تاکہ گاؤں کے بچوں کی تعلیم وتربیت اچھی ہو اور اگر تنخواہ دینے کی گنجائش نہ ہو، صالح آدمی کو رکھنے کی وسعت نہ ہو، تو کہیں ایسا نہ ہو موجودہ امام ومؤذن کو علاحدہ کرنے کی وجہ سے مسجد ومدرسہ ویران وبرباد ہو جائے اور تعلیم دینے والا کوئی آدمی نہ ہو؛ اس لیے سوچ سمجھ کر کام کریں۔

(۸) امام اگر سوال میں تحریر کردہ کیفیت کے ساتھ کرتا ہے، تو اس طرح قرآن شریف پڑھنا صحیح نہیں ہے، امام اگر شرعی مسائل کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو متولیان کی ذمہ داری ہے کہ وہ امامت کی ذمہ داری کسی نیک، متقی، مسائل سے واقف عالم باعمل شخص کے حوالہ کرے؛ لیکن اگر مقتدیوں نے ایسے امام کے پیچھے بھی نماز پڑھ لی، تو نماز ہو جائے گی، متولی اور امام گنہگار رہوں گے، مقتدی کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔(۶)

(۹) آپ کی شکایتوں کا حل متولی امام اور گاؤں کے دو سمجھدار آدمی بیٹھ کر نکالیں، تو ممکن ہے۔

(۱۰) ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، متولی کی ذمہ داری ہے، نیک آدمی کو امامت کی ذمہ داری سپرد کریں، بہرحال جماعت کا ثواب مل جائے گا۔(۷) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۷] سیاہ خضاب لگانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۵۲-سوال: داڑھی میں سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟ اور سیاہ خضاب لگانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

سیاہ خضاب مجاہد کے لیے لگانا جائز ہے، تاکہ دشمن یہ نہ سمجھے کہ میرا مقابل بوڑھا ہے؛ بل کہ یہ سمجھے

---

(۵) ویکفیه وضع أصبع واحدة، فلو لم یضع الأصابع أصلا، ووضع ظهر القدم فإنه لایجوز. (البحر الرائق: ۱/۵۵۶، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، ط: دار الکتاب دیوبند)

(۶-۷) قد تقدم مرارا.

کہ مقابل میں مضبوط نوجوان ہے، اسی طرح اگر جوان عورت ہو اور وہ اپنے شوہر کو جوان دیکھنا چاہتی ہو تو جوان عورت کے شوہر کے لیے جوان عورت کی وجہ سے خضاب لگانا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

جو امام بلا وجہ صرف فیشن کی خاطر خضاب لگائے، اس کو امام نہیں بنانا چاہیے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۸] اجنبیہ کی شرم گاہ سے شرم گاہ ملانے والے کی امامت

۷۵۳-سوال: غیر شادی شدہ عاقل و بالغ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کی شرم گاہ کو ایک ساتھ مس کریں، دخول نہ ہو، تو وہ زانی ہوں گے یا نہیں؟ اور مذکورہ آدمی کے پیچھے کوئی شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھے، تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

شوہر و بیوی کے علاوہ کسی اور کا اس طرح کرنا حرام ہے، زنا کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے، ہاتھ اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں۔[2] شرم گاہ کا شرم گاہ میں داخل کرنا یہ بھی زنا ہے؛ اس لیے مذکورہ فعل حرام ہے، اس کا مرتکب فاسق ہے، توبہ نہ کرے، تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) يستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولو في غير حرب في الأصح، والأصح أنه - عليه الصلاة والسلام - لم يفعله، ويكره بالسواد، وقيل: لا، مجمع الفتاوى. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويكره بالسواد) أي لغير الحرب. قال في الذخيرة: أما الخضاب بالسواد للغزو، ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود بالاتفاق، وإن ليزين نفسه للنساء فمكروه، وعليه عامة المشايخ، وبعضهم جوزه بلا كراهة روي عن أبي يوسف أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۲۲/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، فرع يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس، وانظر: ۷۵۶/۶ و ۳۳۷/۷، ط: دار الفكر - بيروت ☆الفتاوى الهندية: ۳۵۹/۵، الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للخدمة، ط: دار الفكر ☆المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۳۷۷/۵، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الحادي والعشرون في الزينة، واتخاذ الخادم للخدمة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) عن ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: " العينان تزنيان، واليدان تزنيان، والرجلان تزنيان، والفرج يزني ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱هـ): ۲۸/۷، رقم الحديث: ۳۹۱۲، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة☆سنن أبي داود: ...، رقم الحديث: ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۱۵۴، كتاب النكاح، باب ما يؤمر به من غض البصر، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، ط: ...)

(۲) قد تقدم مرارا.

[۵۹] گورنمنٹ سے اپنی تنخواہ چھپانے والے کی امامت

۷۵۴-سوال: زید لندن میں رہتا ہے، یہاں کی حکومت بیمار اور بیکار شخص کو طے شدہ رقم دیتی ہے، لیکن اس رقم سے اس کا بہ مشکل گذارہ ہوتا ہے، وہ مسجد میں امامت کی خدمت بھی انجام دیتا ہے اور مدرسے میں تعلیم بھی، مدرسہ کی جو کچھ تنخواہ دوسرے اساتذہ کو ملتی ہے، وہ بھی لیتا ہے؛ البتہ امامت کے فرائض فی سبیل اللہ انجام دیتا ہے، وہ صرف ناظرہ کیے ہوا ہے، البتہ کچھ وجوہات کی بنا پر حکومت کو اس کی اطلاع نہیں دیتا کہ وہ مدرسے سے بھی رقم لیتا ہے، بعض وجہ یہ ہے: محلّے کا چھوٹا ہونا، آمدنی کم ہونا۔

اگر وہ شخص مدرسے کی تنخواہ سے حکومت کو مطلع کر دے، تو دوسرے اساتذہ کی بھی پکڑ ہوگی اور محلہ کو حکومتی ٹیکس ادا کرنا پڑے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید امامت کی خدمت انجام دے سکتا ہے یا نہیں اور جو نماز اس نے پڑھائی ہے، کیا ان کا اعادہ تو ضروری نہیں؟

الجواب حامداو مصليا:

زید امامت کی تنخواہ مذکورہ مصلحت کی بنا پر نہیں لیتا ہے اور مدرسے کی تنخواہ کی خبر مذکورہ مصلحت کی بنا پر گورنمنٹ میں نہیں کرتا ہے، تو اگر گورنمنٹ کے ساتھ دغابازی نہ ہو، تو حرج نہیں اور ان کی امامت بلا کراہت جائز ہوگی؛ لیکن اگر حکومت کے ساتھ دغابازی ہو رہی ہو، تو جائز نہیں ہے۔ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے، البتہ اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ (۲۳-المؤمنون:۵۱)

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ (۲-البقرة:۱۸۸)

وقال سعيد بن جبير، والضحاك: {كلوا من الطيبات} يعني: الحلال. (تفسير القرآن العظيم-ابن كثير القرشي، الدمشقي (م: ۷۷۴هـ): ۵/۴۷۷، سورة المؤمنون: ۵۱، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أيها الناس، إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: {يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا، إني بما تعملون عليم} [المؤمنون: ۵۱] وقال: {يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم} [البقرة: ۱۷۲] ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر، يمد يديه إلى السماء، يا رب، يا رب، ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذلك؟". (الصحيح لمسلم: ۱/۳۲۶، رقم الحديث: ۶۵-(۱۰۱۵)، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

مزید دیکھیے عنوان: فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام۔

[۱۰] مقتدی کا ایسے امام کی اقتدا کرنا، جس کی عیب جوئی میں وہ لگا رہے

۷۵۵-سوال: اگر امام سے مقتدی ناراض ہے اور وہ ہر وقت امام کی عیب جوئی میں لگا ہوا ہے تو اس امام کی اقتدا میں ایسے مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

اگر کسی دنیوی وجہ کی بنا پر مقتدی امام سے ناراض ہو اور امام کی عیب جوئی میں لگا رہے، تو یہ فعل حرام ہے کسی کے درپے رہنے والے کے لیے بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، کسی مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی میں لگ جانا اور اسی میں شب و روز گزارنا حرام ہے، اگر کوئی عیب نظر بھی آجائے تو اس کو پوشیدہ رکھنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے۔[۱]

اگر واقعتاً امام میں کوئی عیب شرعی ہو، کسی حکم شریعت پر عمل نہ کرتا ہو، تو ایسی حالت میں ذمہ داروں کو مطلع کر کے امام کو متوجہ کیا جائے، ذمہ داروں کے توجہ دلانے کے باوجود وہ (امام) گناہ سے باز نہ آئیں، تو انہیں امامت سے معزول کر دیا جائے، کیوں کہ فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے۔[۲]

جو شخص امام کی عیب جوئی میں لگا رہے، اگر وہ اسی امام کی اقتدا میں نماز پڑھتا ہے، تو نماز ہو جائے گی۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن ابن عمر قال: صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع، فقال: یامعشر من أسلم بلسانہ ولم یفض الإیمان إلی قلبہ، لاتؤذوا المسلمین ولا تعیروھم ولاتتبعوا عوراتھم، فإنہ من تتبع عورۃ أخیہ المسلم تتبع اللہ عورتہ، ومن تتبع اللہ عورتہ یفضحہ ولو في جوف رحلہ، قال: ونظر ابن عمر یوما إلی البیت أو إلی الکعبۃ فقال: ما أعظمك وأعظم حرمتك، والمؤمن أعظم حرمۃ عند اللہ منك. (سنن الترمذي: ۲/ ۲۳، رقم الحدیث: ۲۰۳۲، أبواب البر والصلۃ، باب ماجاء في تعظیم المؤمن، ط: مختار اینڈ کمپني - دیوبند)

(۲) قدتقدم مرارا.

(۳) کہ اس کے گمان کے مطابق زیادہ سے زیادہ وہ شخص فاسق ہوگا، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور جماعت سے علاحدگی کو ناپسند فرمایا ہے:

صلوا خلف کل بر و فاسق. (سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر، البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۲/ ۴۰۴، رقم الحدیث: ۱۷۶۸، کتاب العیدین، باب صفۃ من تجوز الصلاۃ معہ والصلاۃ علیہ، ت: شعیب الارنؤوط وآخرون، ط: مؤسسۃ الرسالۃ - بیروت)

وفي النھر عن المحیط: صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعۃ. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدین: (قولہ نال فضل الجماعۃ) أفاد أن الصلاۃ خلفھما أولی من الانفراد، لکن لا ینال کما ینال خلف تقي ورع. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ط: دار الفکر)

[۶۱] ایسے شخص کی امامت، جو کرکٹ ٹیم کا کپتان ہو

۷۵۶-سوال: ہمارے گاؤں میں امام صاحب کرکٹ ٹیم کے کپتان ہیں اور ہر اعتبار سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، ابھی کچھ دنوں قبل اطراف کے دیہاتوں کا کرکٹ راؤنڈ (Cricket Raund) کھیلا گیا تھا، جس میں ٹیم (Team) کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک جلسہ منعقد ہوا تھا، اس جلسہ کی تصاویر خود امام صاحب نے لی تھی، اسی طرح اس جلسہ کی ابتدا قرآن پاک کی تلاوت سے کی گئی تھی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکور کرکٹر (Cricketer) اور تصویر کھینچوانے والے کی اقتداء میں نماز جائز ہے، مذکورہ امام امامت کے لائق ہے؟ کیا مذکورہ جلسے میں تلاوت کرنا اور کرانا جائز ہے؟ مذکورہ امام صاحب کو معزول کرنے کے لیے گاؤں کے اہم ذمہ داران کو توجہ دلائی گئی؛ لیکن ذمہ داروں کی اکثریت امام کے عزیز و اقارب کی ہے؛ اس لیے کوئی کچھ نہیں بولتا ہے، ایسے حالات میں ذمہ دار حضرات کی کیا ذمہ داری ہے؟ باخبر مصلیان کرام کیا کریں؟ نماز پڑھیں یا نہیں؟ کیا پڑھی ہوئی نماز پھر سے دھرائیں؟ یا ذمہ داروں پر بوجھ رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

مسجد کے متولیان کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ امامت کے لیے دین دار، پابندِ صوم وصلاۃ عالم کا انتخاب کرے، اگر ذمہ داران، مذکور ذمہ داری ادا نہیں کریں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔[۱]

قیامت کے دن ایسے خائن ذمہ داروں کا حشر خیانت کے علَم کے ساتھ ہوگا، اس علم (جھنڈا) کی وجہ سے لوگ جان لیں گے کہ ان لوگوں نے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی تھی، ذمہ داری بڑی ہوگی، تو پرچم بھی بڑا ہوگا۔ (الحدیث)[۲]

دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق

---

(۱) لو قدموا فاسقا يأثمون بناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبی کبیر-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۵۱۵، کتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

[۲] عن أبي سعيد، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكل غادر لواء يوم القيامة، يرفع له بقدر غدره، ألا ولا غادر أعظم غدرا من أمير عامة. (الصحيح لمسلم: ۲/ ۸۳، رقم الحديث: ۱۶-(۱۷۳۸)، كتاب الجهاد والسير، باب تحريم الغدر، ط: ديوبند)

پوچھا جائے گا۔[۳]

آج ذمہ دار کو جاہ ومال یا شہرت یا طاقت کے خوف سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، قیامت کے دن ایسے متکبروں کا تکبر اتر جائے گا اور اللہ کے یہاں ان کو جواب دینا پڑے گا۔

سوال میں امام کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں، اگر وہ واقعی صحیح ہیں، تو ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ ہے، اس مسئلے کی خبر ذمے داروں کو کی جائے۔ اگر ذمہ دار ایسے فاسق امام کو نہیں بدلتے، تو مجبوراً ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے مقتدیوں کو جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے گا اور امام اور ذمہ دار حضرات گنہ گار ہوں گے۔

گناہ کے جلسوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا گناہ اور قرآن شریف کی بے عزتی ہے، ایسی صورت میں ایمان سے خارج ہو جانے کا خطرہ ہے؛ لہٰذا توبہ واستغفار کر کے آئندہ ایسا نہ کرنے کے متعلق اللہ سے عہد کرنا چاہیے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۲] فلم دیکھنے والے شخص کی امامت

۷۵۷-سوال: جو حافظ فلم دیکھتا ہو، اس کے پیچھے تراویح جائز ہے یا نہیں، اگر مکروہ ہے، تو مکروہ تنزیہی یا تحریمی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امامت، فرائض کی ہو یا تراویح کی؛ اہم ذمہ داری ہے، امام مقتدیوں کا نمائندہ ہوتا ہے؛ لہٰذا عادل متبع السنت، متقی، پرہیزگار کو امام بنایا جائے۔[۱]

---

(۳) عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۷۷۹/۲، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر - ديوبند)

(۴) مزید تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے فتاوی فلاحیہ کی پہلی جلد کا عنوان: ''سودی بینک کا افتتاح قرآن خوانی سے کرنا''، باب المکفریات، مسئلہ نمبر: ۱۶۱، ص: ۲۹۷۔

(۱) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. =

گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والوں کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا متولیان کے لیے لازم ہے کہ فاسق وفاجر اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کو امامت کا منصب حوالے نہ کرے۔

اگر متولی حضرات ایسے شخص کو امام بنائیں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔[۲]

فلم دیکھنے والا فاسق وفاجر ہے۔[۳] اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية:۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا-ديوبند☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م:۵۸۷هـ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها،ط:: دار الكتب العلمية☆تحفة الفقهاء-أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو:۵۴۰هـ):۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲)لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي(م:۹۵۶هـ) ص:۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

[۳](وكل لهو) لقوله-عليه الصلاة والسلام-: كل لعب ابن آدم حرام.... الحديث. وفي البزازية: استماع صوت الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر أي بالنعمة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-داماد أفندي (م:۱۰۷۸هـ): ۲/ ۵۵۳، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات،ط: دار إحياء التراث العربي☆الاختيار لتعليل المختار-ابن مودود الموصلي (م: ۶۸۳هـ): ۴/ ۱۶۵، كتاب الكراهية، فصل في مسائل مختلفة،ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي-القاهرة)

(۴)تقدم تخريجه مرارا.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذی نفسی بیده لقد هممت أن آمر بحطب، فيحطب، ثم آمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذی نفسی بیده لو يعلم أحدهم، أنه يجد عرقا سمينا، أو مرماتين حسنتين، لشهد العشاء.

(بخاری شریف: ۱/ ۸۹، حدیث نمبر: ۶۴۴، دیوبند)

باب الجماعة

[جماعت کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الجماعة

[جماعت کا بیان]

[۱] ترک جماعت کی عادت بنالینا

۷۵۸-سوال: ایک شخص کی بازار میں سائیکل کی دکان ہے، وہ دن کی دو یا تین نمازیں تنہا پڑھ لیتا ہے؛ کیوں کہ جماعت کے وقت گاہک زیادہ ہوتے ہیں اور یہ کہتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنا بھی صحیح ہے۔ یہ سلسلہ کافی دنوں سے جاری ہے، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص ایسی جگہ پر ملازمت کرتا ہے، جہاں اس کی روزانہ تین یا چار نمازیں قضا ہو جاتی ہیں، تو کیا اس طرح ملازمت کو عذر بنا کر نماز قضا کرنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) حنفی مسلک کے مطابق جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے، بعض حضرات کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ وجوب کے قائلین کا کہنا ہے کہ جو لوگ جماعت کو سنت قرار دیتے ہیں، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ واجب، سنت سے ثابت ہے، کبیری میں لکھا ہے کہ واجب ہے۔ (صفحہ ۴۷۴)[1]

---

(۱) وقال محمد في الأصل: اعلم أن الجماعة سنة مؤكدة لا يرخص الترك فيها إلا بعذر مرض أو غيره.

و أول هذا الكلام يفيد السنية و آخره يفيد الوجوب، و هو الظاهر، ففي الغاية: قال عامة مشائخنا أنها واجبة، و في المفيد: أنها واجبة، و تسميتها سنة لوجوبها بالسنة، و في البدائع: تجب على العقلاء البالغين الاحرار القادرين على الجماعة من غير حرج، انتهى. ـــــــ و الأدلة تدل على الوجوب، منها ما في الصحيحين و اللفظ لمسلم عن أبي هريرة أنه عليه السلام قال: ولقد هممت أن آمر بالصلاة، فتقام، ثم آمر رجلا فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلاة، فأحرق عليهم بيوتهم بالنار.... فهذه الأدلة=

عالمگیری میں بدائع اور بعض کتابوں کے حوالے سے منقول ہے کہ آزاد، عاقل بالغ تندرست شخص پر جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے۔(۲)

شمس الائمہ حلوائی نے لکھا ہے کہ قدم سے اذان کا جواب دینا (یعنی جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد جانا) واجب ہے، اگر صرف زبان سے جواب دے گا تو جواب دینا شمار نہ ہوگا۔ (خلاصۃ الفتاوی: ۱/۵۰)[۳]

علامہ زاہدی تحریر فرماتے ہیں کہ ترک جماعت کے متعلق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سخت وعیدیں اور سزا بیان فرمائی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے۔(۴)

=أدنى مايثبت بها الوجوب، وتسمية محمد لها سنة لاينافيه، لأنه يطلق السنة كثيرا على مايجب بالسنة، كما اطلق على صلاة العيد أنها سنة ... مع أنها واجبة على الأصح ؛لان وجوبها بالسنة ... و كذلك الأحكام تدل على الوجوب، من أن تاركها من غير عذر يعزر ،و ترد شهادته، و يأثم الجيران بالسكوت عنه، و هذه كلهاأحكام الواجب ... وهذه الأحكام المذكورة مما استدل به على الوجوب مقيدا بالمداومة على الترك، كما هو ظاهر قوله عليه السلام: لا يشهدون الصلاة. (حلبي كبير -إبراهيم بن محمد الحلبي(م:۹۵۶هـ)، ص:۴۳۸-۴۳۹، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۲) الجماعة سنة مؤكدة. كذا في المتون والخلاصة والمحيط ومحيط السرخسي، وفي الغاية قال عامة مشايخنا: إنها واجبة، وفي المفيد: وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة، وفي البدائع: تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۲، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، ط: دار الفكر - بيروت)

قال ابن نجيم المصري: (الجماعة سنة مؤكدة) أي قوية تشبه الواجب في القوة، والراجح عند أهل المذهب الوجوب، ونقله في البدائع عن عامة مشايخنا، وذكر هو وغيره أن القائل منهم أنها سنة مؤكدة ليس مخالفا في الحقيقة بل في العبارة؛ لأن السنة المؤكدة والواجب سواء خصوصا ما كان من شعائر الإسلام، ودليله من السنة المواظبة من غير ترك مع النكير على تاركها بغير عذر في أحاديث كثيرة. (البحر الرائق: ۱/ ۳۶۵، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۳] و من سمع الأذان، فعليه أن يجيب ... قال شمس الأئمة الحلواني: الإجابة بالقدم لا باللسان، حتى لو أجاب باللسان و لم يمش إلى المسجد لايكون مجيبا. (خلاصة الفتاوى- طاهر بن أحمد بن عبد الرشيد البخاري (م:۵۴۲هـ): ۱/ ۵۰، كتاب الصلاة، الفصل الأول في الأذان، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

(۴) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب إلا في جمعة وعيد فشرط. وفي التراويح سنة كفاية. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله قال الزاهدي إلخ) توفيق بين القول بالسنية والقول بالوجوب الآتي، وبيان أن المراد بهما واحد أخذا من استدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وفي النهر عن المفيد: الجماعة واجبة، وسنة لوجوبها بالسنة اهـ وهذا كجوابهم عن رواية سنية الوتر بأن وجوبها ثبت بالسنة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۲، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرى، ط: دار الفكر)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میرا جی چاہتا ہے کہ میں نماز کا باجماعت انتظام کر کے بعض لوگوں کو لے جا کر ایندھن جمع کروں اور جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ہیں، ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (مفہوم حدیث، بخاری شریف)[۵]

اس کے علاوہ بہت سی روایات میں جماعت سے نماز پڑھنے کے متعلق تاکید وارد ہوئی ہے، جس کی وجہ سے علما کرام نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے؛ اس لیے جو شخص بغیر عذر کے جماعت ترک کردے، وہ گنہ گار ہے، اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، پڑوسی اگر ایسے شخص کو نصیحت نہیں کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ (البحر الرائق: ۱/۳۴۵☆ کبیری، ص: ۴۷۵)[۶]

اس لیے دکان دار نے تجارت کی حرص میں جماعت ترک کرنے کی جو عادت بنالی ہے اور ۲-۳ نماز جماعت سے نہیں پڑھتا، تو وہ فسق کا کام کرتا ہے، اس کی شہادت قبول کیے جانے کے لائق نہیں، آپ جیسے لوگ مبارک بادی کے قابل ہیں کہ ان کو نصیحت کرنے لیے جواب طلب کر رہے ہیں، تاکہ انھیں سمجھا سکیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ اور آپ کی محنت کو قبول فرمائے، آمین۔

(۲) جس نوکری یا کام دھندے کی وجہ سے دو، تین نمازیں قضاء ہوتی ہوں، تو ایسا کام کرنا جائز نہیں ہے، حرام ہے؛ اس لیے دوسری نوکری تلاش کر کے اس کو ترک کر دینا ضروری ہے۔[۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

[۵] عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن آمر بحطب، فيحطب، ثم آمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم، أنه يجد عرقا سمينا، أو مرماتين حسنتين، لشهد العشاء. (صحيح البخاري: ۱/۸۹، رقم الحديث: ۶۴۴، كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند)

[۶] وذكر في غاية البيان معزيا إلى الأجناس أن تارك الجماعة يستوجب إساءة ولا تقبل شهادته إذا تركها استخفافا بذلك ومجانة. (البحر الرائق: ۱/۳۶۵☆ حلبي كبير، ص: ۴۳۹)

(۷) ایسی ملازمت کرنا، جس میں کبھی ترک جماعت بغیر کام نہ چلے منع ہے، اس کو چاہیے کہ کوئی دوسری ملازمت یا گذران کی دوسری صورت اختیار کرے، جو ادائے فرض وسنن میں حارج نہ ہو، اور جب ملازمت مل جائے، تو موجودہ ملازمت کو ترک کرے۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/۴۱۴، سوال نمبر: ۲۸۳۸، باب الجماعت، ملازمت کی وجہ سے ترک جماعت، ط: زکریا - دیوبند)

[۲] جماعت کے وقت مسجد کے صحن میں سنت فجر پڑھنا

۷۵۹-سوال: مسجد کا صحن اگر مسجد شرعی میں داخل ہو، تو جماعت کھڑی ہونے کے بعد اس کے صحن میں سنت فجر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ جماعت کھڑی ہونے کی حالت میں مسجد کے اندر سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، یہ مسئلہ صحن مسجد پر صادق آئے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی فرض نماز ہورہی ہو، ایسے وقت میں اگر کوئی شخص فجر کی سنت گھر سے پڑھے بغیر پہنچے، تو وہ دیکھے کہ اگر سنت فجر پڑھنے سے جماعت فوت ہوجانے کا خطرہ ہو، تو جماعت میں شریک ہوجائے اور طلوع شمس کے کچھ دیر بعد سنت پڑھ لے اور اگر جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، تو مسجد کے قریب کسی حجرہ میں یا صحن مسجد میں سنت ادا کرلے، پھر جماعت میں شریک ہوجائے۔ (۱)

---

(۱) (وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها) لكون الجماعة أكمل (وإلا) بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب. وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعا للبحر، لكن ضعفه في النهر (لا) يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانا وإلا تركها لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله عند باب المسجد) أي خارج المسجد كما صرح به القهستاني. وقال في العناية لأنه لو صلاها في المسجد كان متنفلا فيه عند اشتغال الإمام بالفريضة وهو مكروه، فإن لم يكن على باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سواري المسجد، وأشدها كراهة أن يصليها مخالطا للصف مخالفا للجماعة والذي يلي ذلك خلف الصف من غير حائل اهـ ومثله في النهاية والمعراج.

(قوله وإلا تركها) قال في الفتح: وعلى هذا أي على كراهة صلاتها في المسجد ينبغي أن لا يصلي فيه إذا لم يكن عند بابه مكان لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة. غير أن الكراهة تتفاوت، فإن كان الإمام في الصيفي فصلاته إياها في الشتوي أخف من صلاتها في الصيفي وعكسه، وأشد ما يكون كراهة أن يصليها مخالطا للصف كما يفعله كثير من الجهلة. اهـ.

والحاصل أن السنة في سنة الفجر أن يأتي بها في بيته، وإلا فإن كان عند باب المسجد مكان صلاها فيه، وإلا صلاها في الشتوي أو الصيفي إن كان للمسجد موضعان، وإلا فخلف الصفوف عند سارية. لكن فيما إذا كان للمسجد موضعان والإمام في أحدهما، ذكر في المحيط أنه قيل لا يكره لعدم مخالفة القوم، وقيل يكره لأنهما كمكان واحد. قال: فإذا اختلف المشايخ فيه فالأفضل أن لا يفعل. قال في النهر: وفيه إفادة أنها تنزيهية اهـ. لكن في الحلية قلت: =

بہشتی زیور میں لکھا ہوا مسئلہ غور سے پڑھ لیں۔ اس میں یہ ہے کہ "فرض ہونے کی حالت میں جو سنتیں پڑھی جائیں، خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی، وہ ویسے مقام پر پڑھی جائیں، جو مسجد سے علاحدہ ہو، اس لیے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو، پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے"۔[۱] اور صحن مسجد، مسجد میں داخل نہیں ہوتا، اس لیے اس میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] داعی کا نماز نہ پڑھنے والوں کو مارنا

۷۶۰-سوال: ہمارے یہاں ایک شخص ہے، جو دعوت کا کام کرتا ہے، اس کا کام اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہ لوگوں کو نماز کی دعوت دیتا ہے، تو بہت سے نماز کے لیے آجاتے ہیں، مگر کچھ لوگ نہیں آتے ہیں تو کیا نہ آنے والوں کو تنبیہاً مار سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلياً:

شریعت نے جو حدود بیان کی ہے، اس پر عمل ضروری ہے، اس سے تجاوز جائز نہیں، باپ اپنی اولاد کو یا استاذ و مہتمم اپنے شاگردوں اور ماتحتوں کو اور (ایک قول کے مطابق) شوہر اپنی بیوی کو نماز نہ پڑھنے پر تادیباً مار سکتا ہے، اس کے علاوہ مبلغ و داعی کسی عامی شخص کو مارے گا، تو بہ جائے فائدہ کے نقصان ہوگا؛ لہٰذا جائز نہیں، یہ حق تو بادشاہ اور حکومت کے کارندوں کا ہے ہر کسی کو یہ حق نہیں دیا گیا، ورنہ فساد پھیل جائے گا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وعدم الكراهة أوجه للآثار التي ذكرناها اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۶-۵۷، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون كراهة أو أفحش، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۳، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير - ابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۱/۴۷۷، باب إدراك الفريضة، ط: دار الفكر)

(۱) بہشتی زیور: ۶۷۰، حصہ نمبر: ۱۱، مسئلہ نمبر: ۸، جماعت میں شامل ہونے نہ ہونے کے مسائل، ط: اسلامک بک سروس۔

(۲) تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ. (۲-البقرة: ۲۲۹)

(ويعزر المولى عبده والزوج زوجته... على تركها الزينة... و) تركها غسل الجنابة، و... (لا على ترك الصلاة) لأن المنفعة لا تعود عليه بل إليها، كذا اعتمده المصنف تبعا للدرر على خلاف ما في الكنز والملتقى واستظهره في حظر المجتبى. (والأب يعزر الابن عليه) وقدمنا أن للولي ضرب ابن سبع على الصلاة، ويلحق به الزوج نهر. (الدر المختار) ———— قال ابن عابدين: (قوله واستظهره) أي ما في الكنز والملتقى من أن له ضربها على ترك الصلاة، وبه قال كثير كما في البحر... (قوله والأب يعزر الابن عليه) أي على ترك الصلاة. ومثلها الصوم كما =

[۴] مسواک کرنے پر رکعت فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو، تو کیا کرے؟

۷۶۱-سوال: مغرب کی جماعت کھڑی ہوگئی ہو اور وضو کے وقت مسواک کرنے میں رکعت فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں مسواک ترک کرکے صرف انگلی پھیرنے پر اکتفاء کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ مسواک کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ کیا اس صورت میں مسواک کرنا ضروری ہوگا؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رکعت فوت ہونے پر بھی جماعت کا ثواب ملے گا، دوسری رکعت میں شرکت کرسکتا ہے، لہٰذا مسواک کرکے نماز میں شریک ہونا بہتر ہے، وضوء کرتے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=صرحوا به، وتعليل القنية الاتي يفيد أن الأم كالأب. والظاهر أن الوصي كذلك، وأن المراد بالابن الصغير بقرينة ما بعده، أما الكبير فكالأجنبي، . . . (قوله ابن سبع) تبع فيه النهر، والذي قدمه في كتاب الصلاة أمر ابن سبع وضرب ابن عشر. اهـ. وهكذا ذكره القهستاني عن الملتقط، والمراد ضربه بيد لا بخشبة كما تقدم هناك (قوله ويلحق به الزوج) فله ضرب زوجته الصغيرة على الصلاة كالأب، (قوله وفي القنية إلخ) وفيها عن الروضة: ولو أمر غيره بضرب عبده حل للمأمور ضربه، بخلاف الحر. ــــــــــ قال: فهذا تنصيص على عدم جواز ضرب ولد الآمر بأمره، بخلاف المعلم؛ لأن المأمور يضربه نيابة عن الأب لمصلحة والمعلم يضربه بحكم الملك بتمليك أبيه لمصلحة الولد اهـ وهذا إذا لم يكن الضرب فاحشا كما يأتي في المتن قريبا. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۷۷-۷۸، كتاب الحدود، باب التعزير، ط: دار الفكر-بيروت☆درر الحكام شرح غرر الأحكام-ملا خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۲/ ۷۷، كتاب الحدود، فصل: التعزير، قبيل كتاب السرقة، ط: دار إحياء الكتب العربية☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ داماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۶۱۲، كتاب الحدود، فصل في التعزير، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لولا أن أشق على أمتي أو على الناس لأمرتهم بالسواك مع كل صلاة. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۲، رقم الحديث: ۸۸۷، كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، ط: البدر- ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۲۸، رقم الحديث: ۴۲- (۲۵۲)، كتاب الطهارة، باب السواك، ط: البدر- ديوبند) ــــــــــ وعن عائشة- رضي الله تعالى عنها- قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تفضل الصلاة التي يستاك لها على الصلاة التي لا يستاك لها سبعين ضعفا. (مشكاة المصابيح ص: ۴۵، الفصل الثالث، باب السواك، ط: ياسر نديم- ديوبند)

. . . أن من أدرك ركعة من الظهر مثلا فقد أدرك فضل الجماعة وأحرز ثوابها كما نص عليه محمد وفاقا لصاحبيه، وكذا لو أدرك التشهد يكون مدركا لفضيلتها على قولهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۶، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ط: زكريا- ديوبند)

[۵] عورتوں کا پردے کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنا

۷۶۲-سوال: کیا عورتوں کا رمضان المبارک میں ایسی مسجد میں تراویح پڑھنا درست ہے، جہاں مکمل پردہ کا نظم کیا گیا ہو، اس طور پر کہ مرد عورت کو نہ دیکھ سکیں اور نہ ہی عورتیں مردوں کو دیکھ سکیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

موجودہ دور فتنہ وفساد کا دور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ موجودہ زمانے کی عورتوں کو دیکھ لیتے، تو ان کو مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے۔[1]

حضرت عمرؓ کی دلی تمنا تھی کہ ان کی عورتیں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے نہ جائیں؛ اس لیے علماء کرام نے موجودہ دور فتن میں عورتوں کو مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے کی -خواہ پردے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو- اجازت نہیں دی ہے، اور ان کی مسجد میں حاضری اور نماز کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔[2] عورتیں

---

(۱) عن عمرة بنت عبد الرحمن، أنها سمعت عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم تقول: لو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. قال: فقلت لعمرة: أنساء بني إسرائيل منعن المسجد؟ قالت: نعم. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۰، رقم الحديث: ۸۶۹، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۳، رقم الحديث: ۱۴۴-۴۴۵، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد... الخ، ط: البدر - ديوبند، واللفظ لمسلم)

[۲] (ويكره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعيد ووعظ (مطلقا) ولو عجوزا ليلا (على المذهب) المفتى به لفساد الزمان، واستثنى الكمال بحثا العجائز والمتفانية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۶۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - ديوبند)

ويكره لهن حضور الجماعات يعني الشواب منهن؛ لما فيه من خوف الفتنة، ولا بأس للعجوز أن تخرج في الفجر والمغرب والعشاء. (الهداية) ــــــــ قال العيني: (قال: ويكره لهن حضور الجماعات) ش: أي يكره للنساء (يعني الشواب منهن)... وهذه اللفظة بإطلاقها تتناول الجمع والأعياد والكسوف والاستسقاء. وعن الشافعي: يباح لهن الخروج، (لما فيه) أي في حضورهن الجماعة (من خوف الفتنة) عليهن من الفساق، وخروجهن سبب للحرام وما يفضي إلى الحرام فحرام. وذكر في كتاب الصلوات مكان الكراهة الإساءة والكراهة فحش. قلت: المراد من الكراهة التحريم ولا سيما في هذا الزمان لفساد أهله. (البناية شرح الهداية-بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۲/ ۳۵۴، كتاب الصلاة، باب في الإمامة، حضور النساء للجماعات، ط: دار الكتب العلمية)

(قوله ولا يحضرن الجماعات) لقوله تعالى {وقرن في بيوتكن} [الأحزاب: ۳۳] وقال -صلى الله عليه وسلم-: =

اپنے گھروں میں نماز ادا کریں، یہی ان کے لیے زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم

۷۶۳-سوال: ایک شخص نے اپنی ذاتی زمین میں ایک مسجد بنوایا ہے، جس کے پڑوس میں ایک اسکول ہے، نماز کے اوقات میں لڑکے تو مسجد میں آکر امام کے پیچھے باجماعت نماز ادا کر لیتے ہیں؛ لیکن لڑکیاں کیا کریں؟ وہ مسجد میں ایک طرف کونے میں مردوں سے علاحدہ ہو کر امام کی اقتدا میں نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

واضح رہے کہ اگر وہ اسکول کے کمروں میں رہ کر امام کی اقتدا کرنا چاہیں، تو کر سکتی ہیں؛ کیوں کہ وہاں لاؤڈ اسپیکر کا بھی نظم ہے؛ تاہم ایک صاحب کا کہنا ہے کہ لڑکیوں ہی میں ایک کو امام بنا دیا جائے اور دوسری لڑکیاں اس کی اقتدا میں نماز ادا کر لیں، تو کیا ان کا ایسا کہنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فتنہ و فساد کی وجہ سے عورتوں کے لیے مسجد میں آنا جائز نہیں ہے۔[۲] اسکول، مسجد سے الگ ہے؛ اس لیے وہاں اقتدا ہو ہی نہیں سکتی۔[۳]

=صلاتها في قعر بيتها أفضل من صلاتها في صحن دارها وصلاتها في صحن دارها أفضل من صلاتها في مسجدها وبيوتهن خير لهن. ولأنه لا يؤمن الفتنة من خروجهن أطلقه فشمل الشابة والعجوز والصلاة النهارية والليلية، قال المصنف في الكافي: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلاة كلها لظهور الفساد. (البحر الرائق: ۱/ ۳۸۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۱) عن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داود: ۱/ ۸۴، رقم الحديث: ۵۷۰، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك، بعد: باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن عمرة بنت عبد الرحمن، أنها سمعت عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم تقول: لو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. قال: فقلت لعمرة: أنساء بني إسرائيل منعن المسجد؟ قالت: نعم. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۰، رقم الحديث: ۸۶۹، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۳، رقم الحديث: ۱۴۴-۴۴۵، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد... الخ، ط: البدر - ديوبند، واللفظ لمسلم)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان "عورتوں کا پردے کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنا" کا حاشیہ نمبر: ۳۔

(۳) (ويمنع من الاقتداء)... (طريق تجري فيه عجلة) آلة يجرها الثور (أو نهر تجري فيه السفن) ولو زورقا ولو في=

نیز عورتوں کا علاحدہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا - کہ جس میں امام بھی خود عورت ہو - مکروہ ہے۔ [۱]
لہٰذا بہتر یہ ہے کہ لڑکیاں فرداً فرداً نماز ادا کریں۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] عورتوں کا رمضان میں ایک امام کی اقتدا میں تراویح ادا کرنا

۷۶۴-سوال: عام دنوں میں تو عورتیں نماز باجماعت نہیں پڑھتی ہیں؛ لیکن رمضان میں اگر کسی نامحرم امام کے پیچھے پردے کا مکمل خیال کر کے صرف نماز تراویح پڑھیں، تو کیا کوئی حرج لازم آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کے پیچھے عوتوں کا اقتدا کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؛ لیکن پھر بھی عورتوں کا رمضان میں اور رمضان کے علاوہ دیگر ایام میں علاحدہ نماز پڑھنا ہی افضل ہے۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] کیا رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کو تکبیر تحریمہ کا ثواب ملے گا؟

۷۶۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقتدی پہلی رکعت کے رکوع میں شامل ہوا، تو اس کو تکبیر تحریمہ کا ثواب ملے گا؟ یا قیام میں شامل ہو تو ہی تکبیر تحریمہ کا ثواب ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مقتدی پہلی رکعت کے رکوع میں شامل ہو جائے، تو صاحبینؒ کی روایت کے مطابق اس کو تکبیر

= المسجد (أو خلاء) أي فضاء (في الصحراء) أو في مسجد كبير جدا كمسجد القدس (يسع صفين) فأكثر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۸۴ - ۵۸۵، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۷، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع ... الخ، ط: زكريا - ديوبند)

[۱] (ويكره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعيد ووعظ (مطلقا) ولو عجوزا ليلا (على المذهب) المفتى به لفساد الزمان، واستثنى الكمال بحثا العجائز والمتفانية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۶۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان "عورتوں کا پردے کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنا" کا حاشیہ نمبر: ۳۔

(۲) عن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داود: ۱/ ۸۴، رقم الحديث: ۵۷۰، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك، بعد: باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، ط: البدر - ديوبند)

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: عورتوں کا پردے کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنا ☆ عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم۔

تحریمہ پانے کی فضیلت حاصل ہوجائے گی، جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس فضیلت کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ مقتدی کی تکبیر تحریمہ امام کی تکبیر تحریمہ سے ملی ہوئی ہو۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟

۷۶۶-سوال: تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟ اگر کوئی شخص پہلی رکعت کے قیام کو پالے، بالکل ابتدا میں شریک نہ ہوسکا ہو، تو اس کو تکبیر اولیٰ کی فضیلت اور اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تکبیر اولیٰ کا ثواب پہلی رکعت پالینے میں ہے، لہٰذا جسے پہلی رکعت کا رکوع مل جائے، اسے صحیح قول کے مطابق تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ثم اختلفوا في وقت إدراك فضيلة تكبيرة الافتتاح، ذكر شيخ الإسلام اختلافاً بين أبي حنيفة وصاحبيه، فقال على قول أبي حنيفة: إذا كبر مقارناً لتكبير الإمام، فيصير مدركاً فضيلة تكبيرة الافتتاح، وما لا فلا، وعندهما إذا أدرك الإمام في الثناء وكبر يصير مدركاً فضيلة تكبيرة الافتتاح وما لا فلا.

وذكر الشيخ الإمام الزاهد أبو نصر الصفار رحمه الله أن شداد بن الحكيم كان يقول: إن كان الرجل حاضراً وأراد أن يدرك فضيلة تكبيرة الافتتاح ينبغي أن يشرع قبل قراءة سبع آيات، وقال بعضهم: إذا أدرك الإمام في الركعة الأولى يصير مدركاً فضيلة تكبيرة الافتتاح، وهذا أوسع بالناس والله أعلم. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۱/ ۳۵۵، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال ابن عابدين: وتظهر فائدة الخلاف في وقت إدراك فضيلة تكبيرة الافتتاح، فعنده بالمقارنة، وعندهما إذا كبر في وقت الثناء، وقيل بالشروع قبل قراءة ثلاث آيات لو كان المقتدي حاضرا، وقيل سبع لو غائبا، وقيل بإدراك الركعة الأولى، وهذا أوسع وهو الصحيح. اهـ وقيل بإدراك الفاتحة وهو المختار خلاصة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۲۶، باب صفة الصلاة، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وتظهر فائدة الخلاف في وقت إدراك فضيلة تكبيرة الافتتاح، فعنده: بالمقارنة، وعندهما: إذا كبر في وقت الثناء، وقيل: بالشروع قبل قراءة ثلاث آيات لو كان المقتدي حاضرا، وقيل: سبع لو غائبا، وقيل: بإدراك الركعة الأولى، وهذا أوسع، وهو الصحيح. اهـ وقيل بإدراك الفاتحة وهو المختار، خلاصة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۲۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۶۹، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، ط: زكريا - ديوبند ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''کیا رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کو تکبیر تحریمہ کا ثواب ملے گا؟''۔

[۱۰] رمضان میں افطاری کے عذر کی وجہ سے مغرب کی جماعت ترک کرنا

۷۶۷-سوال: ایک شخص رمضان میں افطار کر کے مسجد میں مغرب کی نماز کے لیے جاتا ہے؛ لیکن مسجد تک پہنچتے پہنچتے نماز ختم ہوجاتی ہے اور جماعت نکل جاتی ہے، تو کیا اس کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، سنت مؤکدہ کے ترک کی عادت بنالینا (خصوصاً رمضان المبارک میں) جائز نہیں؛ البتہ کبھی کبھار جماعت نکل جائے، تو اپنے گھر والوں اور بال بچوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرلے؛ لیکن اس کی عادت بنالینا جائز نہیں ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] منفرد حنفی کے پیچھے کسی شافعی کا اقتداء کی نیت سے کھڑا ہوجانا

۷۶۸-سوال: ہمارے یہاں شوافع حضرات بڑی تعداد میں رہتے ہیں، میں حنفی ہوں، شوافع کی مسجد میں ایک بات یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی جماعت کے بعد مسجد میں پہنچتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہے، تو وہ (آنے والا) پیچھے سے اس نمازی کے بدن کو آہستہ سے چھوتا ہے۔ (جو اس

---

(۱) عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن آمر بحطب، فيحطب، ثم آمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم، أنه يجد عرقا سمينا، أو مرماتين حسنتين، لشهد العشاء. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۹، رقم الحديث: ۶۴۴، كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۳۲، رقم الحديث: ۲۵۱-(۶۵۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها... الخ، ط: ديوبند)

(والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... ولو فاتته ندب طلبها في مسجد آخر إلا المسجد الحرام ونحوه... إلا إذا واظب تكاسلا فلا يعذر ويعزر ولو بأخذ المال يعني بحبسه عنه مدة ولا تقبل شهادته إلا بتأويل بدعة الإمام أو عدم مراعاته. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ولو فاتته ندب طلبها) فلا يجب عليه الطلب في المساجد بلا خلاف بين أصحابنا، بل إن أتى مسجدا للجماعة آخر فحسن، وإن صلى في مسجد حيه منفردا فحسن. وذكر القدوري: يجمع بأهله ويصلي بهم، يعني وينال ثواب الجماعة كذا في الفتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۲-۵۵۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

بات کی علامت ہوتی ہے کہ وہ شخص اس کی اقتدا کرے گا) اور اس کے بعد اس کی اقتدا کرنے لگتا ہے؛ چناں چہ وہ نمازی سمجھ جاتا ہے اور تکبیر وغیرہ جہراً شروع کر دیتا ہے، اس طرح نماز مکمل کرتا ہے۔

بعض دفعہ میرے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ میں اکیلا نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں اور کوئی شافعی آجاتا ہے اور میری اقتدا میں کھڑا ہو جاتا ہے، اس صورت میں میں کیا کروں؟ جہراً قراءت کروں یا نہیں؟ امامت کی نیت ضروری ہے یا نہیں؟ اگر امامت کی نیت کی، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور بعض اوقات میں سنت پڑھ رہا ہوتا ہوں، تب بھی ایسا ہوتا ہے، اس وقت میں کیا کروں؟

الجواب حامداو مصلیا:

کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کی اقتداء کرنا جائز ہے۔ اگر جہری نماز ہو اور کچھ قراءت کے بعد کسی نے آکر اس کی اقتدا کر لی، تو بقیہ قراءت جہراً کرے گا، اگر سورۂ فاتحہ کی دو، تین آیتیں پڑھی اور دوسرے نے اقتدا کر لی، تو از سرِ نو سورۂ فاتحہ پڑھے، اگر اکثر سورۂ فاتحہ پڑھ چکا ہے، تو بقیہ کو جہراً پڑھ لے، پوری سورت نہ دہرائے۔ اگر سری نماز ہے، تو جہراً قراءت کی ضرورت نہیں۔[1]

(۱) ولو ائتم به بعد الفاتحة أو بعضها سرا أعادها جهرا، بحر. لكن في آخر شرح المنية: ائتم به بعد الفاتحة، يجهر بالسورة إن قصد الإمامة، وإلا فلا يلزمه الجهر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله أعادها جهرا) لأن الجهر فيما بقي صار واجبا بالاقتداء والجمع بين الجهر والمخافتة في ركعة واحدة شنيع، بحر. ومفاده أنه لو ائتم بعد قراءة بعض السورة أنه يعيد الفاتحة والسورة، فليراجع ح (قوله لكن إلخ) استدراك على قوله ولو ائتم به، وهذا قول آخر. وقد حكى القولين القهستاني حيث قال: إن الإمام لو خافت بعض الفاتحة أو كلها أو المنفرد ثم اقتدى به رجل أعادها جهرا كما في الخلاصة، وقيل لم يعد وجهر فيما بقي من بعض الفاتحة أو السورة كلها أو بعضها كما في المنية اهـ وعزا في القنية القول الثاني إلى القاضي عبد الجبار وفتاوى السعدي، ولعل وجهه أن فيه التحرز عن تكرار الفاتحة في ركعة وتأخير الواجب عن محله، وهو موجب لسجود السهو فكان مكروها، وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر والإسرار في ركعة. على أن كون ذلك الجمع شنيعا غير مطرد لما ذكره في آخر شرح المنية أن الإمام لو سها فخافت في الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد، ولو خافت بآية أو أكثر يتمها جهرا ولا يعيد. وفي القهستاني: ولا خلاف أنه إذا جهر بأكثر الفاتحة يتمها مخافتة كما في الزاهدي اهـ أي في الصلاة السرية، وكون القول الأول نقله في الخلاصة عن الأصل كما في البحر... (قوله إن قصد الإمامة إلخ) عزاه في القنية إلى فتاوى الكرماني. ووجهه أن الإمام منفرد في حق نفسه، ولذا لا يحنث في لا يؤم أحدا ما لم ينو الإمامة، ولا يحصل ثواب الجماعة إلا بالنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۳۲-۵۳۳، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر- بيروت)

اگر کوئی سنت یا نفل پڑھ رہا ہو، اور کسی نے فرض نماز اس کے پیچھے شروع کر دی، تو حنفی مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی؛ کیوں کہ حنفیہ کے یہاں فرض نماز متنفل (نفل پڑھنے والے) کے پیچھے درست نہیں ہوتی۔[۲] اگر شافعی مقتدی ہے، تو اس کی نماز درست ہو جائے گی؛ لیکن اگر مقتدی نے جہری نماز میں اقتدا کی ہو، تو امام کو جہراً قراءت کرنا ہوگی، تاکہ مقتدی کی نماز درست ہو جائے، اب اگر رات کی نوافل ہیں، تو حنفی منفرد کے لیے جہراً قراءت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر دن کی نوافل ہیں، تو حنفی کے لیے جہراً قراءت کرنا مکروہ ہے؛ لیکن مقتدی کی رعایت میں جہراً قراءت کرلے گا، تو نماز درست ہو جائے گی۔ (رد المحتار: ۱/ ۵۴۴)[۳]

اسی طرح حنفی مقتدی ہو، تو (فرض میں) نماز کا متحد ہونا بھی ضروری ہے، مقتدی ظہر کی نیت سے امام عصر کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا، اگر مقتدی شافعی ہو، تو نماز درست ہو جائے گی، اگر چہ فرض جدا ہوں۔ (رد المحتار)[۴]

---

(۲) (قوله ومفترض بمتنفل وبمفترض آخر) أي وفسد اقتداء المفترض بإمام متنفل أو بإمام يصلي فرضا غير فرض المقتدي؛ لأن الاقتداء بناء، ووصف الفرضية معدوم في حق الإمام في الأولى وهو مشاركة وموافقة فلا بد من الاتحاد وهو معدوم في الثانية . . . والحاصل أن اتحاد الصلاتين شرط لصحة الاقتداء وذلك بأن يمكنه الدخول في صلاته بنية صلاة الإمام فتكون صلاة الإمام متضمنة لصلاة المقتدي وهو المراد بقوله - عليه الصلاة والسلام -: الإمام ضامن، أي تتضمن صلاته صلاة المقتدي. (البحر الرائق: ۱/ ۶۳۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الهداية: ۱/ ۱۲۴ - ۱۲۷، باب الإمامة، كتاب الصلاة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۳) فالحاصل أن الإخفاء في صلاة المخافتة واجب على المصلي إماما كان أو منفردا وهي صلاة الظهر والعصر والركعة الثالثة من المغرب والأخريان من صلاة العشاء وصلاة الكسوف والاستسقاء، وهو واجب على الإمام اتفاقا وعلى منفرد على الأصح، وأما الجهر في الصلاة الجهرية فواجب على الإمام فقط، وهو أفضل في حق المنفرد وهي صلاة الصبح والركعتان الأوليان من المغرب والعشاء وصلاة العيدين والتراويح والوتر في رمضان. (البحر الرائق: ۱/ ۳۱۹، كتاب الصلاة، سنن الصلاة، الجهر والإسرار في الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(ويخير المنفرد في الجهر) وهو أفضل ويكتفي بأدناه (إن أدى) وفي السرية يخافت حتما على المذهب كمتنفل بالليل منفردا، فلو أم جهر لتبعية النفل للفرض زيلعي. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله فلو أم) أي فلو صلى المتنفل بالليل إماما جهر، ومقتضاه أن الوتر في غير رمضان كذلك، لأن كلا منهما تكره فيه الجماعة على سبيل التداعي، وبدونه لا. وإذا وجب الجهر في النفل يجب في الوتر كما أفهمته عبارة الزيلعي أفاده الرحمتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۳۳، فصل في القراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) (و) لا (مفترض بمتنفل وبمفترض فرضا آخر) لأن اتحاد الصلاتين شرط عندنا. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله وبمفترض فرضا آخر) سواء تغاير الفرضان اسما أو صفة كمصلي ظهر أمس بمصلي ظهر اليوم؛ بخلاف ما إذا فاتتهم صلاة واحدة من يوم واحد فإنه يجوز؛ وكذا لو صلى ركعتين من العصر فغربت الشمس =

اگر مقتدی شافعی ہو، تو مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ امام نے امامت کی نیت کی ہو، خواہ پہلے سے، خواہ مقتدی کے شریک ہوتے وقت، اگر امام نے نیت نہیں کی تو شافعی مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی۔[۵]

حنفی مقتدی کی نماز درست ہو جاتی ہے، حنفیہ کے یہاں امام کے لیے نیتِ امامت شرط نہیں ہے۔ (رد المحتار: ۱/ ۵۷۴)[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفر لہ

= فاقتدى به آخر في الأخريين لأن الصلاة واحدة وإن كان هذا قضاء للمقتدي، جوهرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۷۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبي وحده؟ ط: دار الفكر)

(۵) فقہ شافعی میں بھی یہی مسئلہ ہے کہ امامت کی صحت کے لیے نیت ضروری نہیں ہے، مسنون ہے، نیت کی وجہ سے جماعت کا ثواب ملے گا، اگر نیت نہ کرے، تو مقتدی کی نماز ہو جائے گی۔ ذیل کی عبارت دیکھیں:

إذا كان إماما... فيسن له: أن ينوي الإمامة، فإن لم ينو ذلك.. لم تحصل له فضيلة الجماعة، هكذا ذكره الجويني. وتجوز نية الإمامة بعد التكبيرة. وإن كان مأموما.. قال الجويني، والمسعودي [في "الإبانة" ق\61\ب]: فعليه أن ينوي الاقتداء، فإن لم ينو ذلك، وتابع الإمام.. بطلت صلاته. (البيان في مذهب الإمام الشافعي - أبو الحسين يحيى بن أبي الخير بن سالم العمراني اليمني الشافعي (م: ۵۵۸هـ): ۲/ ۱۴۳، باب صفة الصلاة، مسألة النية في الصلاة، فرع نية الإمام والمأموم، ت: قاسم محمد النوري، ط: دار المنهاج - جدة)

ينبغي للإمام أن ينوي الإمامة فإن لم ينوها صحت صلاته وصلاة المأمومين وفي وجه غريب حكاه الرافعي عن حكاية أبي الحسن العبادي عن أبي حفص البابشامي والقفال أنهما قالا يجب على الإمام نية الإمامة وأشعر كلام العبادي بأنهما يشترطانها في صحة الاقتداء، والصواب أن نية الإمامة لا تجب، ولا تشترط لصحة الاقتداء، وبه قطع جماهير أصحابنا، وسواء اقتدى به رجال أم نساء لكن يحصل فضيلة الجماعة للمأمومين، وفي حصولها للإمام ثلاثة أوجه... الخ. (المجموع شرح المهذب - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۴/ ۲۰۲ - ۲۰۳، باب صلاة الجماعة، ط: دار الفكر)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک احناف ہی کی طرح امامت کے لیے نیت شرط نہیں ہے، البتہ ایک ضعیف روایت - جو ابو حفص بابشامی اور قفال سے منقول ہے - سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں نیت شرط ہے۔

خیال ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اسی کے پیش نظر یہ لکھا ہے کہ شافعی حضرات کے یہاں نیت امامت شرط ہے، اس لیے اگر امام نے نیت نہ کی ہو اور مقتدی نے اقتدا کر لی تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (مجتبیٰ حسن قاسمی)

(۶) وهل يحتاج إلى نية الإمامة؟ أما نية إمامة الرجال فلا يحتاج إليها ويصح اقتداؤهم به بدون نية إمامتهم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - الكاساني (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۱۲۸، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، ط: دار الكتب العلمية)

[۱۲] کیمرے میں امام کی تصویر دیکھ کر اقتداء کرنا

۷۶۹-سوال: ہمارے یہاں امریکہ میں ایک مسجد دومنزلہ ہے، جس کی پہلی منزل میں عورتیں اور دوسری منزل میں مرد نماز پڑھتے ہیں۔ اس مسجد میں کیمرا (Closed-Circuit Television=CCTV) نصب کیا گیا ہے، جو دوران صلاۃ امام صاحب کی تصویر پہلے منزلہ کی دیوار پر بتلاتا ہے، ضرورت کے مطابق عورتیں اس میں نماز پڑھتی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس صورت میں کیمرے کی اقتداء کی جائے گی یا امام کی؟ ایسی صورت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

اس مسئلے کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں اردو یا عربی زبان میں عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

☆☆☆ في الصورة المسئولة، الاقتداء يجوز إن كانت انقلابات الإمام يعلم بصوت الإمام أو المكبر، ولا يبقى اشتباه، و إن كانت انقلابات الإمام غير معلومة إلا من هذه المصورة (كاميرا = تلفزيون الدائرة المقفلة) فالاقتداء لا يجوز؛ لأن هذا عكس و صورة، و اقتداء العكس و الصورة لا يجوز؛ لأنها ليست بامام عاقل، كما لاتجب سجدة التلاوة على السامع مع صوت الصدى و الطير؛ لأنها ليست بتال، فكذلك في الاقتداء، وإذا كان صوت الإمام يسمع أو انقلاباته ترى، ولا يبقى اشتباه، فيجوز الاقتداء، وإلا لا يجوز، كما لا يجوز الاقتداء بصوت و صورة تنعكس في الفيديو، وليس هذا إمام؛ لأنه اقتداء بغير مصل؛ بل هو اقتداء الغير العاقل، فكذلك في هذه الحالة المسئولة يكره الاقتداء للعكس و الصورة وهي غير عاقلة.

☆☆☆ ترجمہ: اگر امام کے انتقالات کا علم ہو جائے، خواہ امام کی آواز کے ذریعے ہو، یا آلۂ مکبر الصوت یا مکبر کے ذریعے، اور کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے، تو اقتدا کرنا جائز ہے، اور اگر امام کے انتقالات کا علم صرف مصورہ (کیمرا=کلوزڈ ٹی وی سرکٹ (CCTV) کے ذریعے ہو، تو اقتدا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ (اسکرین پر ابھرنے والی شکل) عکس اور صورت ہے، جس کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ امام عاقل نہیں ہے، جیسا کہ سجدہ تلاوت، صدائے بازگشت اور پرندو کی آواز سننے سے واجب نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ (صدائے بازگشت اور پرندے کی آواز) تلاوت کرنے والا نہیں ہے، (حالاں کہ سجدہ تلاوت اس وقت واجب ہوتا ہے، جب کہ تلاوت کرنے والے سے سننا متحقق ہو) اسی طرح اقتدا میں ہے، کہ جب امام کی آواز سنائی دے یا اس کے انتقالات کا علم ہو جائے، اور کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، تو اقتدا کرنا جائز ہو جائے گا، ورنہ جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ ایسی آواز اور صورت، جس کا عکس ویڈیو میں منعکس ہو، اس کی اقتدا جائز نہیں ہے، کہ یہ امام نہیں ہے، اس لیے کہ یہ غیر مصلی کی اقتدا ہے؛ بل کہ غیر عاقل کی اقتدا ہے۔

وفي الصورة الأولى وإن كان الاقتداء يجوز؛ لأنه اقتداء لصوت الإمام، ولكن الصورة أمام المصلي تفسد صلوته، وهذه صورة؛ لأن المصورة (الكاميرا) تصور، ثم تنعكس على زجاج تي وي (على شاشة التلفزيون) فهي مفسدة للصلاة؛ لأن الصورة في مكان الصلاة سوى تحت قدم المصلي توجب الكراهة التحريمية، وأشد الكراهة تكون في كون الصورة أمام المصلي.[1] وفي هذه الحالة وإن لم توجه مواجهة الصورة للمصلي؛ بل تكون جدار ولكنه لا يكون الخالي عن الكراهة؛ لان صلاة المسبوقين لا تكون محفوظة من المواجهة، فلذا لا يجوز عمل نصب تي وي (التلفزيون) أمام المصلين مطلقا؛ لان فيه إيقاع الصلاة على خطر الفساد. (رد المحتار)[2] والله أعلم بالصواب.

= لہٰذا (دوسری) صورت مسئولہ میں اقتدا مکروہ (ناجائز) ہے، صورت اور عکس کے اقتدا کے مستلزم ہونے کی وجہ سے (حالاں کہ صورت وعکس کی اقتدا جائز نہیں ہے)

اور پہلی صورت میں اگرچہ اقتدا جائز ہے؛ اس لیے کہ امام کے آواز کی اقتدا کرنا ہے؛ لیکن نمازی کے سامنے تصویر ہے۔ اور تصویر، نماز کو فاسد کرنے والی ہے، اس لیے کہ کیمرہ پہلے فوٹو کھینچتا ہے، پھر اس کا عکس ٹی وی کی اسکرین پر منعکس ہوتا ہے، اور یہ صورت مفسد صلاۃ ہے، اس لیے کہ اس صورت میں نمازی کے سامنے تصویر ہے، نہ کہ اس کے پاؤں کے نیچے، جو کراہت تحریمی کو ثابت کرتی ہے، اور حد درجہ مکروہ تحریمی وہ شکل ہے، جب کہ تصویر نمازی کے سامنے ہو۔ صورت مسئولہ میں تصویر گرچہ مصلی کی مواجہت میں نہیں ہوتی، بل کہ دیوار پر ہوتی ہے، لیکن یہ بھی کراہت سے خالی نہیں ہے؛ اس لیے کی مسبوقین کی نماز مواجہت سے محفوظ نہیں رہتی۔

لہٰذا امام کے انتقالات سے واقف ہونے کے لیے ٹی وی (CCTV) نصب کرنا مطلقاً حرام اور ناجائز ہے، اس لیے کہ اس سے نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ويكره أن يصلي وبين يديه أو فوق رأسه أو على يمينه أو على يساره أو في ثوبه تصاوير . . . وأشدها كراهة أن تكون أمام المصلي، ثم فوق رأسه، ثم يمينه، ثم يساره، ثم خلفه. هكذا في الكافي. وفي التهذيب ولو كانت على وسادة منصوبة بين يديه يكره ولو كانت ملقاة على الأرض لا يكره. كذا في التتارخانية ولا يكره تمثال غير ذي الروح كذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۷، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، ط: دار الفكر☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۴۸، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها، فرع لا بأس بتكليم المصلي وإجابته برأسه، ط: دار الفكر)

(۲) ولو قام على سطح المسجد واقتدى بإمام في المسجد إن كان للسطح باب في المسجد ولا يشتبه عليه حال الإمام يصح الاقتداء وإن اشتبه عليه حال الإمام لا يصح. كذا في فتاوى قاضي خان وإن لم يكن له باب في المسجد لكن لا يشتبه عليه حال الإمام صح الاقتداء أيضا وكذا لو قام في المئذنة مقتديا بإمام المسجد. كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۸، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء وما لا يمنع، ط: دار الفكر☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۳۴، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا - ديوبند)

[۱۳] قریب میں مسجد ہونے کے باوجود چند افراد کا اپنی قیام گاہ پر باجماعت نماز پڑھنا

۷۷۰-سوال: (۱) ایک شخص کے گھر کے قریب مسجد ہے، تو کیا اس کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ چند افراد کے ساتھ بغیر کسی عذر کے، محض اپنی سہولت کے لیے، اپنی قیام گاہ پر، ایک امام کو متعین کر کے، مستقل پنج گانہ باجماعت نماز ادا کر لے، کیا اس صورت میں ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے؟

(۲) اگر مذکورہ صورت میں نماز درست نہیں ہوتی؟ تو کیا ان کو اس عمل سے روکنا مناسب ہوگا؟

(۳) اگر کوئی شخص اس جماعت میں اس وجہ سے شریک ہوتا ہے کہ اس کے بچے بھی اس کی نگرانی میں نماز پڑھتے ہیں، تو اس نیت سے شریک ہونا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں جماعت کی فضیلت حاصل تو ہو جائے گی، اور ترک جماعت کی وعید سے بھی بری ہو جائے گا؛ لیکن مسجد میں نماز ادا کرنے کی فضیلت سے محروم رہے گا، اور بلا وجہ مسجد کو ترک کرنے کی قباحت لازم آئے گی، مسجد کا حق ہے خصوصاً محلے کی مسجد کا کہ اس کو آباد کیا جائے؛ اس لیے اس طرح اگر جماعت کرنے کی عادت ہو اور اس پر دوام ہو، تو کراہت سے خالی نہیں ہے، مسجد کی جماعت کے کثیر منافع سے محرومی ہوتی ہے، مثلاً باہمی مشورہ، مسلمین کے احوال سے واقفیت، عبادت اور اجتماعی امور کو انجام دینے میں نظم باہمی، ہم دردی واتحاد کا مظاہرہ-جس سے اسلام اور مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہوتی ہے-ان سب منافع سے محرومی ہے، نیز اپنی قیام گاہ پر جماعت کرنے سے باہمی تفریق کا مظاہرہ ہے، جو موجودہ احوال میں شدید مضر ہے۔ ہاں اگر کوئی فتنہ اور عقائد کے جھگڑوں سے بچنے کے لیے یا مسجد میں عقائد حق اور اصلاحی کام میں رکاوٹ دور کرنے کی خاطر ایسا کیا جائے، تو جائز ہے (شامی)[1]

(۱) وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ. (۸-الأنفال: ۴۶)
أفضل المساجد مكة، ثم المدينة، ثم القدس، ثم قبا، ثم الأقدم، ثم الأعظم، ثم الأقرب، ومسجد أستاذه لدرسه أو لسماع الأخبار أفضل اتفاقا؛ ومسجد حيه أفضل من الجامع. والصحيح أن ما ألحق بمسجد المدينة ملحق به في الفضيلة. (الدر المختار: ۱/ ۶۵۸) ——— قال ابن عابدين: (قوله ومسجد حيه أفضل من الجامع) أي الذي جماعته أكثر من مسجد الحي، وهذا أحد قولين حكاهما في القنية، والثاني العكس؛ وما هنا جزم به في شرح المنية كما مر، وكذا في المصفى والخانية؛ بل في الخانية: لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلي ولو كان وحده لأن له حقا عليه فيؤديه. (رد المحتار: ۱/ ۶۵۹، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع أفضل المساجد، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) اگر کسی شرعی وجہ کے بغیر ایسا کرتے ہوں، تو ضرور روکنا چاہیے؛ لیکن حکمت سے روکے، لڑائی جھگڑا نہ کرے۔[۲]

(۳) بچوں کو بھی تاکید کرنی چاہیے کہ وہ مسجد جا کر نماز ادا کریں، اور عورتیں اپنے گھر پر بلا جماعت نماز ادا کریں؛ بچوں کی نگرانی کی مصلحت' قابل اعتبار نہیں ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] مسجد دور ہونے کی وجہ سے اپنے مکان پر باجماعت فرض نماز ادا کرنا

۱۷۷-سوال: ایک شخص اپنے گھر جماعت سے نماز پڑھتا ہے، گاؤں میں دو مسجدیں ہیں، مگر دونوں مسجدیں گھر سے دور ہیں، یعنی اتنی دور ہیں کہ اذان ہونے کے ساتھ وہ آدمی اپنے مکان سے نکلے، تو جماعت کھڑی ہوتے وقت مسجد میں پہونچ جائے، اس کے باوجود یہ لوگ گھر پر نماز پڑھتے ہیں اور مجھ سے امامت کی درخواست کرتے ہیں، تو کیا صورت مسئولہ میں نماز ادا ہو جائے گی؟ اور ان کی امامت کرنا کیسا ہے؟ واضح رہے کہ بارش اور ٹھنڈی کے دنوں میں گاؤں کی مسجد جانے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے؛ بل کہ بعض فقہاء کے قول کے مطابق واجب ہے؛ لہٰذا مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا چاہیے، چاہے مسجد دور ہو، گھر میں باجماعت نماز ادا کر لینے سے نماز تو درست ہو جائے گی، مگر ایسی عادت بنا لینا مکروہ ہے، مسجد دور ہونے کی صورت میں بارش کے دنوں میں گھر پر نماز ادا کر لی، تو جائز ہے، بارش نہ ہو رہی ہو، تو مسجد جانا چاہیے، سردی اتنی زیادہ ہو کہ باہر نکلنے میں تکلیف ہو رہی ہو، دوسرے کام کاج کے لیے بھی باہر نہ نکلتا ہو، تو ایسی سردی کے وقت گھر میں ادا کر لینے کی اجازت ہے، ایسا بوڑھا یا بیمار آدمی، جو پیدل مسجد نہ جا سکتا ہو، یا جانے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہو، تو وہ بھی گھر میں ادا کر سکتا ہے، البتہ تندرست آدمی کا مسجد سے اتنا دور ہونا کہ اذان کے بعد پیدل چل کر جماعت کے وقت پر پہنچ

---

(۲) اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (۱۶-النحل: ۱۲۵)

(۳) عن عبد الملك بن الربيع بن سبرة، عن أبيه، عن جده، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: مروا الصبي بالصلاة إذا بلغ سبع سنين، وإذا بلغ عشر سنين فاضربوه عليها. (سنن أبي داود: ۱/ ۷۰، رقم الحديث: ۴۹۴، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، ط: البدر - ديوبند)

جائے، عذر نہیں ہے؛ لہٰذا ان کی امامت کرنے کے لیے مسجد کی جماعت چھوڑنا مکروہ ہے۔ (درمختار: ۱/۵۵۵)[۱]
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] جس امام سے نمازی ناراض ہوں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا

۲۷۷-سوال: مصلیان مسجد اگر کسی امام سے ناراض ہوں، تو ان کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

اگر امام کے فاسد العقیدہ ہونے کی وجہ سے یا معاصی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یا نماز کے بارے میں مصلیوں کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے مصلیان مسجد ناراض ہوں، تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ امامت نہ کرائے، ورنہ گنہ گار ہوگا؛ کیوں کہ حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔

لیکن ان کے پیچھے نماز ہو جائے گی، اگر ناراضگی کسی دینی تقاضے سے نہیں ہے؛ بل کہ صرف ذاتی کشیدگی یا عداوت وعصبیت کی بناء پر ہے، یا خود نمازی فاسد العقیدہ ہے، اور امام حق پر ہے، تو ایسی صورت میں مصلیان کی ناراضگی خود ان کے لیے گناہ کا باعث ہے، ایسی صورت میں امام کو اپنی امامت نہ چھوڑنا چاہیے۔ (ترمذی شریف)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... (وقيل واجبة وعليه العامة) أي عامة مشايخنا وبه جزم في التحفة وغيرها. قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (فتسن أو تجب) ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرة (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)... (فلا تجب على مريض ومقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف) أو رجل فقط، ذكره الحدادي (ومفلوج وشيخ كبير عاجز وأعمى) وإن وجد قائدا (ولا على من حال بينه وبينها مطر وطين وبرد شديد وظلمة كذلك) وريح ليلا لا نهارا، وخوف على ماله، أو من غريم أو ظالم، أو مدافعة أحد الأخبثين، وإرادة سفر، وقيامه بمريض، وحضور طعام (تتوقه) نفسه ذكره الحدادي، وكذا اشتغاله بالفقه لا بغيره، كذا جزم به الباقاني تبعا للبهنسي: أي إلا إذا واظب تكاسلا فلا يعذر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۲-۵۵۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۲- ۸۳، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، ط: دار الفكر ☆الهداية: ۱/۱۲۱، باب الإمامة، ط: ياسر نديم- ديوبند)

(۲) عن أبي أمامة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ثلاثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم: العبد الآبق حتى يرجع، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وإمام قوم وهم له كارهون ". (سنن الترمذي: ۱/ ۸۳، رقم الحديث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند ☆سنن أبي داؤد: ۱/ ۸۸، رقم الحديث: ۵۹۳، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند) =

[۱۶] نجی عداوت کی وجہ سے امام صاحب کے پیچھے نماز نہ پڑھنا

۴۷۳-سوال: مسجد کے امام صاحب کے ساتھ نجی عداوت کو بنیاد بنا کر اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور جماعت ترک کردینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب سے نجی عداوت کی بناء اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھنا درست نہیں ہے، ہاں اگر امام کی کوئی دینی کمزوری ہو، جس کی وجہ سے دوسری مسجد میں باجماعت نماز پڑھ لے، تو گنجائش ہے، کسی بھی سبب سے ترکِ جماعت کی عادت بنالینا مکروہ ہے، نماز باجماعت ادا کرنا سنتِ مؤکدہ قریب بہ واجب ہے، بہت سے محققین فقہاء نے اُس کو واجب کہا ہے، لہٰذا دنیوی عداوت کی وجہ سے امام کے پیچھے نماز چھوڑ دینا گناہ کا کام ہے، اگر امام فاسق بھی ہو، تو اس بات کی گنجائش ہے کہ دوسری کسی مسجد میں باجماعت نماز پڑھ لے، لیکن ترکِ جماعت کی عادت بنا کر تنہا نماز پڑھنا گناہ ہے۔ (شامی)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

=(ولو أم قوما وهم له كارهون، إن) الكراهة (لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره) له ذلك تحريما؛ لحديث أبي داود: لا يقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون، (وإن هو أحق لا) والكراهة عليهم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

(۱) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... (وقيل واجبة وعليه العامة) أي عامة مشايخنا وبه جزم في التحفة وغيرها. قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (فتسن أو تجب) ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرة (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)... إلا إذا واظب تكاسلا فلا يعذر، و يعزر ولو بأخذ المال يعني بحبسه عنه مدة ولا تقبل شهادته إلا بتأويل بدعة الإمام أو عدم مراعاته. (الدر المختار: ۱/ ۵۵۲-۵۵۶)

قال ابن عابدين: (قوله قال في البحر إلخ) وقال في النهر: هو أعدل الأقوال وأقواها ولذا قال في الأجناس: لا تقبل شهادته إذا تركها استخفافا ومجانة، إما سهوا، أو بتأويل، ككون الإمام من أهل الأهواء أو لا يراعي مذهب المقتدي فتقبل. اهـ... (قوله بتركها مرة) أي بلا عذر، وهذا عند العراقيين، وعند الخراسانيين إنما يأثم إذا اعتاده كما في القنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۳، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۸۴، صلاة الجماعة، ط: زكريا - ديوبند)

[۱۷] جس امام سے مقتدی ناراض ہوں، ان کی امامت کا حکم
[۱۸] امام سے ناراض ہوکر اگر کوئی جماعت ترک کردے؟

۴۷۷-سوال: مصلی کے ناراض ہونے کی صورت میں امامت کرنا کیسا ہے؟ مصلی کے ساتھ کچھ اختلاف ہوا، جس کے نتیجے میں وہ امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا؛ بل کہ اپنے گھر نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس حالت میں امام امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

سوال میں امام کے ساتھ اختلاف کی وجہ مذکور نہیں ہے۔ اگر امام صاحب حق پر ہوں اور سنت کے مطابق رہن سہن اختیار کیے ہوئے ہوں، مسجد اور مدرسے کی ذمہ داری پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہوں، تو اس صورت میں مذکورہ آدمی غلطی پر ہے اور امام کی امامت جائز ہے۔

مذکورہ آدمی کے لیے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری ہے اور جماعت کی نماز سنت مؤکدہ قریب بہ واجب ہے، اور سنت مؤکدہ کو ہمیشہ چھوڑنے کی عادت بنا لینا جائز نہیں؛ اس لیے جماعت کے چھوڑنے کی بناء پر مقتدی گنہ گار ہوگا۔ (عالمگیری، شامی)[۱]

اور اگر امام کی غلطی ہو، تو ان کو اصلاح کی فکر کرنی چاہیے؛ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر کسی امام سے اس کی قوم (دینی کام کی بناء پر) ناراض ہو، تو ایسے امام کی نماز اس کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جائے گی۔ (حدیث)[۲] یعنی ایسے امام کی پڑھائی ہوئی نماز اللہ کے دربار میں قبولیت کا درجہ

---

[۱] رجل أم قوما وهم له كارهون إن كانت الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة يكره له ذلك وإن كان هو أحق بالإمامة لا يكره. هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۶-۸۷، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، عنوان: ''نجی عداوت کی وجہ سے امام صاحب کے پیچھے نماز نہ پڑھنا'' کا حاشیہ نمبر ا۔

[۲] سنن الترمذي: ۱/ ۸۳، رقم الحديث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داؤد: ۱/ ۸۸، رقم الحديث: ۵۹۳، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند.

حاصل نہیں کر پاتی ہے؛ لیکن مصلیوں کے لیے ایسی حالت میں بھی جماعت ترک کرنا جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ (حدیث) [1]

اس لیے اگر امام میں کوئی دینی نقص ہو، تب بھی مصلی کے لیے امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری ہے، مصلی کو جماعت کا ثواب مل جائے گا، امام اور ذمہ دار حضرات گنہ گار ہوں گے۔ الغرض مذکورہ آدمی کا جماعت چھوڑنا درست نہیں، جماعت سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] نماز با جماعت ہو جانے کے گمان سے گھر پر نماز پڑھ لینا

۷۷۵-سوال: فجر، ظہر، عصر، مغرب یا عشاء کی نماز کے لیے مسجد جانے میں تاخیر ہوگئی اور یہ گمان ہوا کہ مسجد میں نماز با جماعت ادا ہو چکی ہوگی، تو ایسی صورت میں مسجد میں جانے کے بجائے گھر پر ہی نماز پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

اگر مسجد میں نماز با جماعت ہو چکی ہو، تو چھوٹی ہوئی نماز گھر پر پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [2] واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر، البغدادي الدارقطني (م:۳۸۵ھ): ۲/ ۴۰۴، رقم الحديث: ۱۷۶۸، كتاب العيدين، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت.

(۲) عن عبد الله بن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۹، رقم الحديث: ۶۴۵، كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ط: ديوبند)

عن أبي سعيد الخدري، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بخمس وعشرين درجة. (حوالہ سابق، رقم الحديث: ۶۴۶ ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۳۱، رقم الحديث: ۲۴۹-(۶۵۰)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة، وبيان التشديد في التخلف عنها، ط: البدر - ديوبند)

البتہ بہتر یہ ہے کہ اہل خانہ کے ساتھ گھر میں نماز با جماعت پڑھے:

عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من بعض نواحي المدينة يريد الصلاة، فوجد الناس قد صلوا، فذهب إلى منزله، فجمع أهله، ثم صلى بهم. (المعجم الأوسط - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۷/ ۵۰، رقم الحديث: ۶۸۲۰، باب الميم، من اسمه أحمد، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة) =

[۲۰] غلطی کی وجہ سے امام نماز کا اعادہ کرے، تو مسبوق اور نو وارد کیا کرے؟

۷۷۶-سوال: امام صاحب نے ظہر کی تیسری رکعات میں بیٹھ کر سلام پھیر دیا، نماز پوری ہونے کے بعد مقتدی حضرات بولے کہ تین رکعت ہوئی ہے، تو امام صاحب نے دوبارہ نماز پڑھائی، تو اب مسبوق کیا کرے گا؟ کیا وہ دوسری جماعت میں شامل ہو سکتا ہے؟ نیز نو وارد اس جماعت میں شامل ہو سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں مسبوق، امام صاحب کے ساتھ نماز کا اعادہ کرے؛ کیوں کہ امام کی نماز کا فساد خود اس (مسبوق) کی نماز کے فساد کو مستلزم ہے۔[1] ان کے علاوہ وہ تمام حضرات بھی نماز میں شریک ہو سکتے ہیں، جو پہلے سے نماز میں شامل نہیں تھے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وروي عن أنس "أن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كانوا إذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى" ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر وإلا تأخروا. اهـ بدائع. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهله فيه فإنهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية، ظهيرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة، واغفر للمؤذنين. (سنن الترمذي: ۱/ ۵۱، رقم الحديث: ۲۰۷، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، ط: البدر - ديوبند☆سنن أبي داود: ۱/ ۷۷، رقم الحديث: ۵۱۷، كتاب الصلاة، باب ما يجب على المؤذن من تعاهد الوقت، ط: السبر - ديوبند)

قال العيني: (الإمام ضامن)، بمعنى: يضمنها صحة وفسادا. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۵/ ۲۳۹، كتاب مواقيت الصلاة، باب إذا طول الإمام وكان للرجل حاجة فخرج فصلى، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) حضرت مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر پہلی دفعہ میں نماز بالکل نہیں ہوئی تھی، مثلاً باطل ہوئی تھی، تو نئے نمازیوں کی نماز بہ وقت اعادہ کرنے نماز کے ادا ہو گئی اور اگر کسی واجب کے ترک ہو جانے سے اعادہ نماز کا واجب تھا، تو نئے نمازیوں کی نماز نہ ہوگی۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۳/ ۴۸، باب الامامۃ والجماعۃ، ط: دار الاشاعت، کراچی)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ناکارہ احتیاطاً حضرت مفتی عزیز الرحمان صاحب قدس سرہ کے فتوے کا اتباع کرتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/ ۴۵۰، باب الجماعۃ، ترک واجب کی بنا پر اعادہ والی نماز میں نو وارد شخص کی شرکت کا مفصل حکم، ط: پاکستان)

[۲۱] بغیر وضو ادا کی ہوئی نماز کا اعادہ کرتے وقت نئے مقتدی کا شرکت کرنا

۷۷۷-سوال: امام صاحب نے ظہر کی نماز پڑھادی، پھر یاد آیا کہ ان کا وضو نہیں تھا، نئے سرے سے وضوء کر کے نماز کا اعادہ کیا، زید نامی شخص دوسری مرتبہ کی نماز میں شرکت کرتا ہے، بکر کا کہنا ہے کہ یہ نماز امام کے فرض نماز کی تکمیل ہے اور زید نے فرض نماز امام کے پیچھے ادا نہیں کی ہے؛ لہٰذا وہ امام کے ساتھ شرکت نہیں کرسکتا، تو کیا بکر کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

وضو کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے؛ مذکورہ صورت میں جو حضرات نماز میں شریک نہ تھے، ان کا بھی اقتداء کرنا صحیح ہے، جس صورت میں نیا مقتدی [نو وارد] اقتدا نہیں کرسکتا، وہ مسئلہ دوسرا ہے اور وہ یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد کسی ترک واجب کی وجہ سے نماز میں فساد پیدا ہوجائے اور امام سجدہ سہو نہ کرے، تو ایسی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی کے وقت نئے مقتدی [نو وارد] کے لیے حکم ہے کہ وہ اقتدا نہ کرے؛ کیوں کہ اس صورت میں فرض کی تکمیل کے لیے نماز پڑھی جارہی ہے، نہ کہ اصل فرض کی ادائیگی کے لیے؛ لہٰذا جو اصل فرض پڑھنا چاہتا ہے، وہ کیوں کر اس صورت میں اقتدا کرسکتا ہے؟[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] واجب الاعادہ نماز میں امام کے ساتھ نو وارد شخص کی شرکت

۷۷۸-سوال: امام کی نماز ترک واجب کی وجہ سے فاسد ہوگئی، اب وہ اس کا اعادہ کررہے ہیں، تو ایسی صورت میں بعد میں آنے والا شخص (نو وارد) امام کی اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ وہ پہلی مرتبہ شریک نہیں تھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

صورت مسئولہ میں جماعت کی نماز کے اعادہ کیے جانے کی صورت میں وہ حضرات امام کی اقتداء نہیں کرسکتے، جو پہلی مرتبہ امام کے ساتھ شریک نہیں تھے؛ اس لیے کہ فرض نماز دوبارہ نہیں پڑھی جاتی؛ ترک

(۱) تقدم تفصیله و تخریجه تحت عنوان: غلطی کی وجہ سے امام نماز کا اعادہ کرے، تو مسبوق اور نو وارد کیا کرے؟۔

واجب کی بناء پر نماز درست نہیں ہوئی؛ اس لیے لوٹائی جارہی ہے، تو وہ اصل فرض کو مکمل کرنے والی ہے، لہٰذا یہ نماز، مثل نفل کے ہوگی، اور فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء نفل نماز پڑھانے والے کے پیچھے درست نہیں ہے؛ اس لیے ترک واجب کی وجہ سے اعادہ کی صورت میں وہی حضرات اقتداء کریں گے، جو پہلی مرتبہ امام کے ساتھ شریک تھے۔[۱] (کفایت المفتی: جلد ۳/ ۹۶ ☆ فتاوی دار العلوم: ۲/ ۱۷۳)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] صحن مسجد میں جماعت ثانیہ

۷۷۹-سوال: مسجد شرعی کی حد کے بعد صحن مسجد ہے، وہ صحن، مسجد میں داخل نہیں ہے؛ لیکن اس کو چھت سے مسقف کر دیا گیا ہے، تو اس جگہ بوقت ضرورت جماعت ثانیہ کی جا سکتی ہے؟ واضح رہے کہ یہ جماعت ثانیہ کبھی کبھار چار پانچ مہینے میں کر لی جاتی ہے، وہ بھی باہر سے آنے والے لوگ ایسا کر لیتے ہیں، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحن مسجد میں جماعت ثانیہ کبھی کبھار کر سکتے ہیں، صورت مسئولہ میں جیسا کہ لکھا ہے کہ چار پانچ مہینے میں کبھی پڑھ لی جاتی ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلا کراہت جائز ہے؛ البتہ روزمرہ کی عادت بنالینا مکروہ ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت اولیٰ متاثر ہوگی۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (ولها واجبات) لا تفسد بتركها، وتعاد وجوبا في العمد والسهو، إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقا آثما، وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. والمختار أنه جابر للأول؛ لأن الفرض لا يتكرر. (الدر المختار) ________ (قوله والمختار أنه) أي الفعل الثاني جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، كذا في شرح الأكمل على أصول البزدوي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۵۷، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، ط: دار الفكر)

(۲) دیکھیے: کفایت المفتی: ۳/ ۱۳۵، فصل دوم: جماعت، جماعت اعادہ میں نئے آنے والے کی شرکت درست نہیں، جواب نمبر: ۱۸۸، ط: زکریا- دیوبند ☆ فتاوی دار العلوم دیوبند: ۳/ ۴۸، باب الامامۃ والجماعۃ، ط: دار الاشاعت، کراچی۔

[۳] وروي عن أبي يوسف أنه إنما يكره إذا كانت الجماعة الثانية كثيرة، فأما إذا كانوا ثلاثة، أو أربعة، فقاموا في زاوية من زوايا المسجد وصلوا بجماعة لا يكره. ________ وروي عن محمد أنه إنما يكره إذا كانت الثانية على سبيل التداعي والاجتماع، فأما إذا لم يكن فلا يكره. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۳، كتاب الصلاة، فصل بيان محل وجوب الأذان، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

=

[۲۴] جماعت فوت ہونے پر مسجد میں الگ سے جماعت کرنا

۷۸۰-سوال: امام صاحب نماز کے وقت پر حاضر نہیں تھے، جس کی وجہ سے ایک دوسرے شخص نے امامت کی، نماز ختم ہونے کے بعد امام صاحب آئے، تو انہوں نے کچھ دوسرے لوگوں کو لے کر- جن کی جماعت فوت ہوگئی تھی- الگ سے جماعت کی، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ امام صاحب کا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟ واضح رہے کہ وہ نماز کے وقت پر بازار جانے کی وجہ سے وقت پر حاضر نہیں ہو سکے تھے؛ اس لیے دوسرے شخص نے نماز پڑھائی تھی، امید ہے مفصل جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دوسری جماعت مسجد میں یا صحن میں مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی معقول وجہ ہو، تو کبھی کبھار مسجد کے باہر والے حصے میں جماعت کر لینے کی گنجائش ہے، مگر عادت بنا لینا جائز نہیں۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] جماعت ثانیہ کا حکم

۷۸۱-سوال: مسجد میں باجماعت نماز ہو چکی تھی، بعد میں کچھ حضرات آئے، جو دوسری جماعت کر کے نماز ادا کرنا چاہتے ہیں، میری معلومات کے مطابق غالباً شامی وغیرہ میں لکھا ہے کہ جماعت ثانیہ مکروہ ہے؛ لیکن فتاوی رضویہ میں لکھا ہے کہ مصلی کے داہنی یا بائیں طرف ہٹ کر جماعت ثانیہ کی جا سکتی

=وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازية. اهـ. وفي التتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۵، باب الأذان، ط: دار الفكر-بيروت)

مزید دیکھیے: المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۱/ ۳۵۱، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري: ۱/ ۶۰۵، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: در الكتب العلمية ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفقه الإسلامي وأدلته- د. وهبة الزحيلي (م: ۲۰۱۵ء=۱۴۳۶هـ): ۲/ ۱۶۳-۱۶۴، الفصل العاشر: أنواع الصلاة، تاسعاً. تكرار الجماعة في المسجد، ط: ديوبند.

(۱) تقدم تخريجه عن البدائع، ورد المحتار، والمحيط البرهاني، والبحر الرائق، تحت: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔

ہے،تو دونوں باتوں میں صحیح کیا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامدا ومصلیا:

شامی میں لکھا ہے کہ اگر کسی کی نماز جماعت کے ساتھ چھوٹ جائے،تو بہتر یہ ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھ لے۔(شامی:۱/ ۵۱۷)[۱]

البتہ امام ابو یوسفؒ کے مسلک کے مطابق لکھا ہے کہ اگر جماعت ثانیہ، جماعت اولیٰ کی طرح نہ ہو، تو جائز ہے،مکروہ نہیں،محراب سے ہٹ جائے گا،تو ہیئت بدل جائے گی اوران کے مسلک کے مطابق مکروہ نہیں ہوگی۔(فتاوی تاتارخانیہ:۲/ ۵۱۷)[۲]

لیکن یہ بات کبھی کبھار کی ہے،ہمیشہ کے لیے اگر محلے والوں کوان کی مساجد میں تکرار جماعت کی اجازت دے دی جائے،توان کے دلوں سے جماعت اولیٰ کی اہمیت ختم ہو جائے گی،اور جماعت اولیٰ لازماً متاثر ہوگی؛اس لیے عام حالات میں جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں ہے،ہاں کوئی خاص مجبوری ہو،اور ہیئت اولیٰ کے خلاف ہو،کبھی کبھار ہو،یا اسٹیشن کی مسجد ہو،تو اجازت ہے۔[۳] فتاویٰ رضویہ کی بات کواسی صورت پر محمول کیا جائے اورشامیؒ کی بات کوعام حالت پر،تواشکال کی کوئی وجہ نہیں ہوگی،فقط،واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] وروي عن أنس "أن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كانوا إذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى" ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر وإلا تأخروا. اهـ بدائع. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهله فيه فإنهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية، ظهيرية.(رد المحتار على الدر المختار:۱/ ۳۹۵،كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان،ط:دار الفكر-بيروت)

(۲)وروي في الفصل الأول أنه قال:إنما يكره تكرار الجماعة إذا كان القوم كثيرا، أما إذا صلى واحد بواحد أو باثنين بعد ما صلى فيه أهله، فلا بأس به.(التاتار خانيه:۲/ ۱۵۵، كتاب الصلاة، رقم المسئلة:۲۰۱۴، الفصل الثاني، ت:المفتي شبير أحمد القاسمي،ط:زكريا-ديوبند)

وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازية. اهـ وفي التتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ.(رد المحتار على الدر المختار:۱/ ۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان،ط:دار الفكر-بيروت)

(۳)تقدمه تخريجه عن البدائع، ورد المحتار، والمحيط البرهاني، والبحر الرائق،تحت:صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد،ابن مازة البخاري الحنفي (م:۶۱۶هـ):۱/ ۳۵۱،الفصل السادس عشر في التغني والألحان،ت:عبد الكريم سامي الجندي،ط:دار الكتب=

[۲۶] ایک مسجد میں دوسری مرتبہ جماعت

۷۸۲-سوال: جس مسجد میں جماعت ہوگئی ہو، وہاں بعد میں چند لوگ دیر سے آئے اور جماعت خانہ کے باہر کے حصہ میں با جماعت نماز پڑھنا چاہتے ہیں، تو کیا دوسری مرتبہ جماعت کرنا درست ہے؟ بعض کا کہنا ہے کہ مکروہ ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

جو لوگ مکروہ کہتے ہیں، ان کی بات صحیح ہے، اگر اس کی اجازت دے دی جائے، تو محلے کا ہر مصلی اس طرح الگ سے نماز با جماعت پڑھتا رہے گا اور جماعت کی اہمیت ختم ہوجائے گی۔

ہاں اگر کوئی معقول عذر ہو، تو پہلی جماعت جس جگہ ہوئی ہے، اس سے الگ دوسری جگہ گنجائش ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= العلمية- بيروت☆البحر الرائق-ابن نجيم المصري:۱/ ۶۰۵، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط:در الكتب العلمية☆الفتاوى الهندية:۱/ ۸۳، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، ط: زكريا- ديوبند☆الفقه الإسلامي و أدلته-د.وهبة الزحيلي(م:۲۰۱۵م=۱۴۳۶ھ):۲/ ۱۹۳ - ۱۹۴، الفصل العاشر:أنواع الصلاة، تاسعاً ـ تكرار الجماعة في المسجد، ط:ديوبند.

(۱) وكره... وتكرار الجماعة إلا في مسجد على طريق فلا بأس بذلك جوهرة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: وتكرار الجماعة) لما روى عبد الرحمن بن أبي بكر عن أبيه أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - خرج من بيته ليصلح بين الأنصار فرجع وقد صلى في المسجد بجماعة، فدخل رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في منزل بعض أهله فجمع أهله فصلى بهم جماعة، ولو لم يكره تكرار الجماعة في المسجد لصلى فيه. وروي عن أنس "أن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كانوا إذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى"؛ ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر وإلا تأخروا. اهـ. بدائع. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهله فيه فإنهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية ظهيرية. وفي آخر شرح المنية: وعن أبي حنيفة لو كانت الجماعة أكثر من ثلاثة يكره التكرار وإلا فلا. وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازية. اهـ. وفي التتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ وسيأتي في باب الإمامة إن شاء الله تعالى لهذه المسألة زيادة كلام. (قوله: إلا في مسجد على طريق) هو ما ليس له إمام ومؤذن راتب فلا يكره التكرار فيه بأذان وإقامة، بل هو الأفضل خانية. (رد المحتار على الدر المختار:۱/ ۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبل: مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر - ديوبند)

[۲۷] افطار کے بعد تاخیر سے آنے پر مغرب کی جماعت ثانیہ کا حکم

۷۸۳-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ: مغرب کی نماز کے وقت پانچ سات آدمی کھانے (افطار) کی دعوت میں مصروف تھے، کھانے سے فراغت کے بعد مسجد میں آئے، اور صحن میں جماعت ثانیہ کی، تو جماعت اولیٰ کی فضیلت میں کوئی کمی آئے گی یا نہیں؟ رمضان المبارک میں اس طرح کی جماعت ثانیہ لوگ کرتے رہتے ہیں، اپنے اپنے گھروں پر اطمینان سے افطار کرتے ہیں اور مسجد میں چندلوگوں کے ساتھ جماعت ثانیہ کرتے ہیں، تو کیا اذان سنائی دینے کے بعد یہ لوگ اس طرح تاخیر کریں اور اپنی من مانی کے مطابق مسجد میں آکر جماعت ثانیہ کریں، کیا شریعت میں ان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ جماعت ثانیہ کب کر سکتے ہیں؟

امام صاحب داگر ا ضلع بھروچ

الجواب حامداومصلیا:

جس مسجد کے اندر امام ومؤذن متعین ہوں، وہاں جماعت ثانیہ کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ ہاں ہیئت بدل کر بلا تداعی کے کبھی کبھار جماعت ثانیہ کر لی جائے، تو جائز ہے۔ [1]

صورت مسئولہ میں جماعت ثانیہ کرنے والے لوگ ''امر مکروہ'' کا ارتکاب کرنے والے ہیں؛ لیکن اس کا جماعت اولیٰ تک اثر نہیں پہنچے گا، اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

امام صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ رمضان المبارک میں سات آٹھ منٹ تک جماعت کو مؤخر کریں، تاکہ افطار کر کے لوگ اطمینان سے جماعت میں شریک ہو سکیں۔ [2] اگر نمازیوں کو جماعت نہیں مل سکی، تو تنہا تنہا اپنی اپنی نماز پڑھ لیں، جماعت ثانیہ نہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟

۷۸۴-سوال: بہت سی مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ باجماعت نماز ادا کر لی گئی، اُس

(۱) تقدم تخریجه عن البدائع، ورد المحتار، والمحیط البرهاني، والبحر الرائق، تحت: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔
(۲) متعلقہ مسئلہ کے لیے دیکھیے عنوان: ''رمضان کے علاوہ مغرب کی جماعت میں تاخیر جائز نہیں''۔

کے بعد پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی جماعت قائم ہوتی ہے، اور اُس کے لیے مستقل اِقامت بھی کہی جاتی ہے، تو کیا یہ عمل شرعاً صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مساجد ایسی ہیں، جن کا کوئی مؤذن اور امام مقرر نہیں ہے؛ بل کہ وہ اس مقصد سے بنائی گئی ہیں کہ مسافرین وغیرہ وہاں آ کر نماز پڑھ سکیں، جیسا کہ بہت سے اسٹیشنوں پر ایسی مساجد کا انتظام ہوتا ہے، تو اُن میں متعدد مرتبہ جماعت قائم کی جا سکتی ہے، البتہ ایسی مساجد، جن میں امام اور مؤذن مقرر ہوتے ہیں، مثلاً محلہ کی مسجد، تو اُن میں مستقل اذان کے ساتھ دوسری یا تیسری مرتبہ جماعت قائم کرنا جائز نہیں ہے، ہاں! بغیر اذان کے کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے صرف اِقامت کہہ کر چند لوگوں نے جماعت قائم کی ہو، تو جائز ہے، بشرطیکہ مسجد بڑی ہو اور دوسری جماعت مسجد کے جماعت خانہ میں نہیں؛ بلکہ اُس کے صحن یا کسی اور کونے میں قائم کی گئی ہو، لیکن اس کو بھی ہمیشہ کی عادت بنانا درست نہیں اور مستقل اذان کہنا بھی درست نہیں۔ (عالمگیری ۱/ ۸۳)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] أيضـــــا

۷۸۵-سوال: ہمارے ملک میں مقامی افریقی مسلمان، شافعی المسلک ہیں، ایسا اکثر ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک مرتبہ مسجد میں نماز کے ختم ہونے کے بعد دیر سے آئے ہوئے مصلیوں کی دوسری جماعت مسجد کے باہر صحن میں قائم کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم حنفی المسلک ہندوستانی لوگ بھی کئی مرتبہ اس طرح کرتے ہیں، اور کبھی اُن کے ساتھ جماعت میں شریک بھی ہوتے ہیں، تو شرعی اعتبار سے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی مسجد، جس میں اذان اور اِقامت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی جا چکی ہو اور اُس مسجد کے مؤذن اور اِمام مقرر ہوں، تو دوسری مرتبہ وہاں جماعت قائم کرنا مکروہ ہے، جماعت خانہ سے باہر یا مسجد اگر

---

[۱] المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة في محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعا وكذا في مسجد قارعة الطريق. كذا في شرح المجمع للمصنف إذا زاد على الواحد في غير الجمعة فهو جماعة وإن كان معه صبي عاقل. كذا في السراجية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، ط: دار الفكر - بيروت)

بڑی ہے، تو کسی ایک کونے میں بغیر جماعت کے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر جماعت قائم کی جا رہی ہے، تو اُس میں شرکت کر لینا جائز ہے۔ (عالمگیری: ۱/ ۸۳)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] جماعت ثانیہ کا شرعی حکم

۷۸۶-سوال: ''باب ادراک الفریضۃ'' میں جہاں جہاں نماز توڑی جاسکتی ہے؛ مثلاً: کسی میں ایک رکعت تک گنجائش ہے، کسی میں دو رکعت تک گنجائش ہے۔[۲] تو کیا نماز توڑنے کی ایسی ہی گنجائش اس صورت میں بھی رہے گی، جب کہ جماعت ثانیہ ہو رہی ہو؛ مثلاً: ایک مسجد میں ظہر کی جماعت ختم ہوگئی، اس کے بعد ایک آدمی آیا اور منفرداً اس نے نماز شروع کی، ابھی ایک یا دو رکعت ہی پڑھ سکا تھا، کہ چند آدمی آئے اور انہوں نے مل کر جماعت ثانیہ شروع کی، تو اب وہ منفرد اپنی نماز توڑ کر اس جماعت میں شامل ہوگا یا نہیں ؟ اسی طریقہ سے مسجد کی جماعت تو نہیں ہوئی ہے؛ لیکن جماعت سے پہلے چند آدمیوں نے مل کر اپنی جماعت علاحدہ کر لی، جیسا کہ عام طور پر اسٹیشنوں کی مساجد میں ہوتا ہے، اس میں بھی اگر مذکورہ صورت پائی گئی، تو منفرد اپنی نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

اگر کسی کی جماعت فوت ہوگئی ہو، تو اصل حکم یہ ہے کہ منفرداً نماز پڑھ لے۔[۳] جماعت ثانیہ سے

---

[۱] دیکھیے عنوان: جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟ کا حاشیہ، تقدم تخریجه عن البدائع، و رد المحتار، و المحيط البرهاني، و البحر الرائق، تحت: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔

(۲) إن صلى ركعة من الفجر أو المغرب فأقيم يقطع ويقتدي و كذا يقطع الثانية ما لم يقيدها بالسجدة وإذا قيدها بها لم يقطعها... ومن صلى ركعة من الظهر ثم أقيمت يصلي ركعة ثم يدخل مع الإمام وإن لم يقيد الأولى بالسجدة يقطع ويشرع مع الإمام هو الصحيح، كذا في الهداية، أراد بالإقامة شروع الإمام في الصلاة لا إقامة المؤذن... الخ. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۹، كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) وروي عن أنس "أن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كانوا إذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى" ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر وإلا تأخروا. اهـ. بدائع. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهله فيه فإنهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية، ظهيرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

سلسلے میں کلام ہے کہ وہ بلا کراہت جائز ہے یا مکروہ ہے؛ اس لیے مسجد میں جماعت اولی کے ختم ہونے کے بعد تنہا نماز پڑھنے والا شخص اصل حکم کے مطابق فریضہ کو ادا کر رہا ہے؛ لہٰذا اس کے لیے اس کی اجازت نہ ہوگی کہ نماز کو ترک کر کے جماعت ثانیہ میں شریک ہو۔

الغرض ''ادراک فریضہ'' کی صورت میں منفرداً نماز پڑھنے والا نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے، یہ حکم اس صورت میں ہے، جب کہ جماعت اولی شروع ہو رہی ہو۔ البتہ فقہائے کرام جس کو ''اسٹیشن کی مسجد'' سے تعبیر کرتے ہیں، وہاں جماعت ثانیہ، جماعت اولی کی مانند ہے، اور تنہا نماز پڑھنے والے لیے گنجائش ہے کہ وہ اپنی نماز کو ترک کر کے جماعت میں شریک ہو جائے، خواہ وہ پہلی جماعت ہو، یا دوسری۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] صحن مسجد میں دوسری جماعت قائم کرنا

۷۸۷-سوال: ایک مسجد میں نماز باجماعت ہو چکی ہو، اس کے بعد دو یا دو سے زائد مصلی آئے اور انہوں نے جماعت خانے کے احاطے سے باہر تخت پر یا برآمدے میں فرض نماز کی دوسری جماعت قائم کرنا چاہا، تو کیا یہ دوسری جماعت مکروہ ہے؟ اور کیا اس سے جماعت کی اہمیت ختم ہو جائے گی؟

الجواب حامداومصلیا:

جس مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہوں اور مسنون طریقے پر نماز باجماعت پڑھی جا چکی ہو، تو ایسی مسجد کے صحن یا برآمدے اور تخت پر کبھی کبھار عادت بنائے بغیر باجماعت نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ [2] لیکن حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تحقیق کے مطابق جماعت کے جائز ہونے سے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا۔ (امداد الفتاوی: ۱/ ۳۶۹) [3]

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ اور ☆ جماعت ثانیہ کا حکم۔

(۲) تقدم تخریجه عن البدائع، ورد المحتار، والمحیط البرهاني، والبحر الرائق، تحت عنوان: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔

[۳] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے کی تحقیق کے بعد حاصل تحقیق ان الفاظ میں رقم فرماتے ہیں:

''پس غایت مافی الباب ایک فعل مباح ہوا، جس میں نہ ثواب نہ عقاب، اور امام صاحب کراہت کے قائل، تب بھی اسلم اور احوط اس کا ترک ہی ہوا، کیوں کہ فعل میں احتمال کراہت کا ہے، اور ترک میں کوئی ضرر محتمل نہیں، کہ حرمان ثواب بھی نہیں، پس ترک ہی راجح ہوا، یہ سب تحقیق ہے باعتبار حکم فی نفسہ کے۔..... لیکن چوں کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، اور علماء کے فتوے بھی مختلف ہیں، اس لیے کسی کو کسی پر نکیر شدید وطعن زیبا نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/ ۳۶۹-۳۷۰، تحقیق کراہت وعدم کراہت جماعت ثانیہ، سوال نمبر ۲۸۷، باب الامامۃ، ط: زکریا-دیوبند)

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ برآمدے میں بھی دوسری مرتبہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں؛ کیوں کہ جو لوگ جماعت کے پابند ہیں، اگر عذر کی بنا پر ان کی جماعت چھوٹ بھی جائے، پھر بھی ان شاء اللہ جماعت کا ثواب مل جائے گا؛ اس لیے دوسری جماعت نہ کرنا بہتر ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

عن سماك بن حرب، قال: سمعت النعمان بن بشير، يقول: كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يسوي صفوفنا حتى كأنما يسوي بها القداح حتى رأى أنا قد عقلنا عنه، ثم خرج يوما فقام، حتى كاد يكبر فرأى رجلا باديا صدره من الصف، فقال: عباد الله لتسون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم.

(مسلم شریف ۱/۱۸۲، حدیث نمبر: ۴۳۶)

باب الصفوف

[جماعت کی صف بندی]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الصفوف

[جماعت کی صف بندی]

[۱] نماز میں صفیں کیسے سیدھی کی جائیں؟

۷۸۸-سوال: عرب حضرات نماز میں پیر چوڑے کرکے ایک دوسرے کے پیر کے ساتھ ملا کر کھڑے رہتے ہیں، تو اس سلسلہ میں صحیح طریقہ کیا ہے؟ کس طرح صفیں سیدھی کی جائیں؟ بینوا، تو جروا

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت میں مطلوب یہ ہے کہ صفیں سیدھی ہوں، عرب حضرات اور خاص کر غیر مقلدین اس کے لیے ایڑی کو ایڑی کے ساتھ ملانے کو ضروری سمجھتے ہیں، جب کہ دیگر ائمہ صفوں کو سیدھی کرنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ کندھے کو کندھے سے ملایا جائے، کیوں کہ اس سے بہتر طور پر صفیں سیدھی ہوں گی۔[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) دراصل حدیث پاک میں کندھوں کو کندھوں سے، گھٹنوں کو گھٹنوں سے اور ٹخنوں کو ٹخنوں سے، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں گردن کو گردن سے ملانے کا حکم معلوم ہوتا ہے، درحقیقت اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا دشوار کن امر ہے، تصور کیجیے! ایک شخص پستہ قد ہے اور دوسرا خوش قامت، اتفاق سے دونوں ایک صف میں جمع ہو گئے، تو اس حدیث کے ظاہر پر کیسے عمل ہوگا؟ اس لیے شراح حدیث کے نزدیک اس سے ''تعدیل صفوف میں مبالغہ'' مراد ہے، چناں چہ ابن حجر عسقلانیؒ رقم طراز ہیں: (قوله باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في الصف) المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله، وقد ورد الأمر بسد خلل الصف والترغيب فيه في أحاديث كثيرة أجمعها حديث بن عمر عند أبي داود وصححه بن خزيمة والحاكم. (فتح الباری: ۲/۲۱۱، ط: دار المعرفۃ-بیروت)

الغرض ہر حال میں صف درست کی جائی، نیز تجربہ ہے کہ کوئی کندھے سے کندھا ملانے کا اہتمام کرے گا، تو تمام اعضاء -جن کا حدیث میں ذکر ہے- خود بہ خود برابر ہو جائیں گے: =

[۲] صف اول کی تعریف اور امام کا صف میں کھڑا ہونا

۷۸۹-سوال: (۱): صف اول کسے کہتے ہیں؟ مسجد میں پہلے منبر نہیں تھا، بعد میں صف کے درمیان منبر بنایا گیا، تو کیا دوسری صف میں منبر کے سامنے جو حضرات نماز پڑھتے ہیں، ان کو صف اول کا ثواب ملے گا؟

(۲): محراب چھوٹا ہے، جس کی وجہ سے امام صاحب پہلی صف کے مقتدیوں سے صرف ایک دو قدم آگے کھڑے ہوتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) علامہ ابن عابدین شامیؒ نے پہلی صف کے متعلق تفصیل بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ امام سے متصل جو صف ہوتی ہے، وہ پہلی صف کہلاتی ہے، پس پہلی صف کے بیچ میں یا ایک جانب منبر رکھنے سے پہلی صف کا حکم باطل نہ ہوگا۔ [۱] امام کے متصل ہونے سے اسی صف کو پہلی صف کہا جائے گا۔ علامہ شامیؒ مزید

=عن عبد الله بن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله. (سنن أبي داود: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۶۶۶، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ط: البدر - ديوبند)

عن أبي القاسم الجدلي، قال: سمعت النعمان بن بشير، يقول: أقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على الناس بوجهه، فقال: أقيموا صفوفكم، ثلاثا، والله لتقيمن صفوفكم أو ليخالفن الله بين قلوبكم، قال: فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه، وركبته بركبة صاحبه، وكعبه بكعبه. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۶۲)

مزید دیکھیے: اعلاء السنن: ۴/ ۳۱۳-۳۱۴، كتاب الصلاة، أبواب الإمامة، باب سنة تسوية الصفوف، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، پاكستان)

(۱) قال في البحر في آخر باب الجمعة: تكلموا في الصف الأول، قيل هو خلف الإمام في المقصورة، وقيل ما يلي المقصورة، وبه أخذ الفقيه أبو الليث؛ لأنه يمنع العامة عن الدخول في المقصورة، فلا تتوصل العامة إلى نيل فضيلة الصف الأول. اهـ.ـــــ أقول: والظاهر أن المقصورة في زمانهم اسم لبيت في داخل الجدار القبلي من المسجد كان يصلي فيها الأمراء الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو، فعلى هذا اختلف في الصف الأول، هل هو ما يلي الإمام من داخلها أم ما يلي المقصورة من خارجها؟ فأخذ الفقيه بالثاني توسعة على العامة كي لا تفوتهم الفضيلة، ويعلم منه بالأولى أن مثل مقصورة دمشق التي هي في وسط المسجد خارج الحائط القبلي يكون الصف الأول ما يلي الإمام في داخلها وما اتصل به من طرفيها خارجا عنها من أول الجدار إلى آخره، فلا ينقطع الصف ببنائها، كما لا ينقطع بالمنبر الذي هو داخلها فيما يظهر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۹، كتاب الصلاة، مطلب في الكلام على الصف الأول، ط: دار الفكر) =

فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ماخوذ ہوئی کہ: دوسری صف میں منبر کے محاذات میں جو مقتدی ہوں گے، ان کو پہلی صف کا ثواب ملے گا؛ کیوں کہ وہ، دوسرے مقتدیوں کے پیچھے نہیں ہیں، پس وہ حکماً پہلی صف میں شمار ہوں گے: ويؤخذ من تعريف الصف الأول بما هو خلف الإمام أي لا خلف مقتد آخر: أن من قام في الصف الثاني بحذاء باب المنبر يكون من الصف الأول، لأنه ليس خلف مقتد آخر، والله تعالى أعلم. (شامی: ۱/ ۳۸۳)[۲]

البتہ پہلی صف- منبر والی- اس طرح کی ہو کہ اس میں امام مقتدیوں کے ساتھ ہی صف میں کھڑا رہتا ہو، تو مکروہ ہے، کیوں کہ دو یا زائد مقتدیوں کے ہونے پر امام کا ان سے آگے کھڑا رہنا واجب ہے، اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۳) لیکن اگر محراب بڑا ہو اور تنگی کی وجہ سے امام باہر کھڑا رہ کر رکوع وسجدہ محراب میں کرتا ہو، تو اس میں حرج نہیں، اسی طرح سردی یا بارش کے موقع پر باہر لوگوں کا کھڑا رہنا مشکل ہو یا لوگ زیادہ ہوں اور مسجد تنگ ہو، جس کی وجہ سے امام مقتدیوں کے ساتھ صف میں تھوڑا آگے بڑھ کر کھڑا رہے، تو درست ہے، ضرورتاً اس کی اجازت ہے، بلا ضرورت مکروہ ہے۔ (۴)

(۲) مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اس صف کے مقتدیوں کو پہلی صف کا ثواب ملے گا؛ لیکن بلا ضرورت اس طرح امام کا مقتدیوں کے ساتھ کھڑا رہنا مکروہ تحریمی ہے، صرف ضرورت کی صورت میں گنجائش ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= صف اول وہ ہے، جو امام سے متصل ہو، موذن اقامت کے لیے پیچھے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ مصلیوں کی جو صف ہے، وہ صف اول ہے۔ اگر یہ صف آگے بڑھ کر امام کے قریب ہوجائے، اس وقت بھی وہ صف اول شمار ہوگی۔ (دیکھیے: فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۳۰، باب صفۃ الصلاۃ، ط: دار الاشاعت- کراچی)

(۲) رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۵۷۰، كتاب الصلاة، مطلب في الكلام على الصف الأول، ط: دار الفكر.

[۳] (والزائد) يقف (خلفه) فلو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما لو أكثر. (الدالمختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله وتحريما لو أكثر) أفاد أن تقدم الإمام أمام الصف واجب كما أفاده في الهداية والفتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵٦۸، باب الإمامة، مطلب في جواز الإيثار بالقرب، ط: دار الفكر☆المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱/ ۴۲، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، ط: دار المعرفة- بيروت)

(۴) والذي يظهر أنه ينبغي للمقتدي التأخر إذا جاء ثالث فإن تأخر وإلا جذبه الثالث إن لم يخش إفساد صلاته، فإن اقتدى عن يسار الإمام يشير إليهما بالتأخر ... وهذا كله عند الإمكان وإلا تعين الممكن. (رد المحتار: ۱/ ۵٦۸، باب الإمامة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش منها؟)

[۳] جمعہ کے دن امام کا مصلیٰ محراب کی جانب کھینچ کر آگے صف بنانا

۷۹۰-سوال: ہماری مسجد میں جمعہ کے دن نمازی زیادہ ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ممبر کے ساتھ والی صف- جہاں صرف امام ہی کھڑے رہتے ہیں- کے مصلیٰ کو محراب کی جانب کھینچ کر آگے ایک صف بڑھائی جاتی ہے، بعض تبلیغی حضرات کا کہنا ہے کہ اس میں پہلی صف کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، اور بعض کا کہنا ہے کہ پہلی صف کا ثواب حاصل ہوگا؟ تو صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

مذکورہ صف پہلی صف نہیں ہے، اس کو ایمرجنسی صف شمار کیا جائے گا، لوگوں کے ازدحام اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے اس کا اضافہ کرنا بغیر کسی حرج کے جائز ہے اور بلا ضرورت مکروہ ہے۔[۱]

امام کے دائیں اور بائیں کی صف گرچہ پہلی صف نہیں ہے، اس کے باوجود پہلی صف کے مقتدی پیچھے کے مقتدیوں کی آسانی کی غرض سے جگہ خالی کردیں اور اس صف میں اس نیت سے شامل ہوجائیں کہ پچھلی صفوں کے مقتدیوں کو سہولت ہوگی، تو اس قربانی کا ثواب پہلی صف کے ثواب سے بھی زیادہ ہوگا، علمائے کرام نے لکھا ہے کہ کوئی شخص پہلی صف میں تھا، اس غرض سے کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، پیچھے کی صف میں آگیا اور وہیں نماز ادا کی، مقصد یہ تھا کہ اس کی ذات سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، تو مذکورہ شخص کو پہلی صف میں نماز ادا کرنے والے سے زیادہ ثواب ہوگا۔ بس اسی طرح محراب والی صف پہلی صف نہیں ہے؛ لیکن پیچھے کی صف کے نمازیوں کی تکلیف کو مدنظر رکھتے ہوئے قربانی دیتے ہوئے محراب والی صف میں نماز ادا کرے، تو پہلی صف سے بھی زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ (ان شاء اللہ)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والذي يظهر أنه ينبغي للمقتدي التأخر إذا جاء ثالث فإن تأخر وإلا جذبه الثالث إن لم يخش إفساد صلاته، فإن اقتدى عن يسار الإمام يشير إليهما بالتأخر، . . . وهذا كله عند الإمكان وإلا تعين الممكن. (رد المحتار: ۱/ ۵۶۸، باب الإمامة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش منها؟، ط: دار الفكر-بيروت)

[۲] قال في البحر في آخر باب الجمعة: تكلموا في الصف الأول, قيل هو خلف الإمام في المقصورة, وقيل ما يلي المقصورة, وبه أخذ الفقيه أبو الليث لأنه يمنع العامة عن الدخول في المقصورة فلا تتوصل العامة إلى نيل فضيلة الصف الأول. اهـ ـــــــــ أقول: والظاهر أن المقصورة في زمانهم اسم لبيت في داخل الجدار القبلي من المسجد كان يصلي فيها الأمراء الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو، فعلى هذا اختلف في الصف=

[۴] امام کا پہلی صف میں مقتدیوں سے کچھ آگے کھڑا رہنا

۷۹۱-سوال: جناب مفتی صاحب، بعد سلام مسنون عرض ایں کہ ہم اپنی مسجد میں صفیں فٹ (سیٹ) کرا رہے ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی صف میں امام کی جگہ اس طرح بنائی جارہی ہے کہ مقتدی ان سے دو فٹ دور رہیں گے، سجدہ کے وقت مقتدی کا سر امام کے پیٹ کے برابر تک پہنچ جائے گا۔ یعنی امام کے لیے مستقل صف نہیں ہوگی، مقتدی کی پہلی صف میں ہی امام صاحب کھڑے ہوں گے، البتہ اس قدر آگے کھڑے ہوں گے کہ سجدہ کرتے وقت مقتدی کا سر ان کے پیٹ یا گھٹنے تک ہی پہنچ سکے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح امام کا کھڑا ہونا جائز ہے، اس صورت میں ہماری نماز مکروہ تو نہیں ہوگی؟ اس طرح صف فٹ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

ضروری نوٹ: پہلی صف کا ہم صرف جمعہ اور عید کے دن اور رمضان المبارک میں عشاء اور تراویح میں ہی استعمال کریں گے، ان دنوں کے علاوہ باقی نمازوں میں پہلی صف کا استعمال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

واضح رہے کہ اگر مذکورہ طریقے سے صفوں کو فٹ نہ کرائیں اور امام صاحب کے لیے مستقل صف قائم کریں، تو نقصان یہ ہوتا ہے کہ پیچھے پوری ایک صف کٹ جاتی ہے، جس سے پچاس (۵۰) ساٹھ (۶۰) مقتدیوں کی جگہ کم ہوجاتی ہے؛ جس کی وجہ سے جمعہ وعیدین میں وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تفصیل سے جواب

= الأول، هل هو ما يلي الإمام من داخلها أم ما يلي المقصورة من خارجها؟ فأخذ الفقيه بالثاني توسعة على العامة كي لا تفوتهم الفضيلة، ويعلم منه بالأولى أن مثل مقصورة دمشق التي هي في وسط المسجد خارج الحائط القبلي يكون الصف ببنائها. كما لا ينقطع بالمنبر الذي هو داخلها فيما يظهر، وصرح به الشافعية، وعليه فلو وقف في الصف الثاني داخلها قبل استكمال الصف الأول من خارجها يكون مكروها. ويؤخذ من تعريف الصف الأول بما هو خلف الإمام أي لا خلف مقتد آخر أن من قام في الصف الثاني بحذاء باب المنبر يكون من الصف الأول لأنه ليس خلف مقتد آخر، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶۹/۱-۵۷۰، كتاب الصلاة، مطلب في الكلام على الصف الأول، ط: دار الفكر)

قال في المعراج: الأفضل أن يقف في الصف الآخر إذا خاف إيذاء أحد. قال - عليه الصلاة والسلام - من ترك الصف الأول مخافة أن يؤذي مسلما أضعف له أجر الصف الأول، وبه أخذ أبو حنيفة ومحمد، وفي كراهة ترك الصف الأول مع إمكانه خلاف اهـ أي لو تركه مع عدم خوف الإيذاء. (المصدر السابق: ۵۶۹/۱)

عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ صورت میں امام صاحب پہلی ہی صف میں شمار ہوں گے، چاہے وہ مقتدیوں سے ایک بالشت آگے کھڑے رہیں یا چار بالشت، اور امام کا پہلی صف میں کھڑے رہنا مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا امام صاحب کا پہلی صف سے آگے رہنا واجب ہے، بغیر مجبوری کے ایسا کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا مجبوری کے بغیر مذکورہ مسجد کی پہلی صف میں مقتدیوں کا کھڑا رہنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ (فتح القدیر)[1]

ہاں، اگر عید یا جمعہ کی نماز میں مقتدی زیادہ ہوجائیں اور پیچھے کھڑے رہنے کی جگہ نہ ہو اور عید اور جمعہ کی نماز کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو، تو پہلی صف کا استعمال کر سکتے ہیں۔ (شامی)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] پہلی صف کے درمیان منبر حائل ہوجائے، تو کیا وہ پہلی صف کہلائے گی؟

۷۹۴-سوال: آج سے چار، پانچ مہینہ پہلے جب آپ کا نوساری شہر کا سفر ہوا تھا، تو آپ نے

---

[۱] وفي الكافي: وإن كثر القوم كره قيام الإمام وسطهم لأن تقدم الإمام سنة لمواظبته - صلى الله عليه وسلم - والإعراض عن سنته مكروه انتهى. والحق أن يعلل بترك الواجب لأن مقتضى فعله التقدم على الكثير من غير ترك الوجوب، فيكون التوسط مكروها كراهة تحريم، وهو صريح الهداية فيما قدمنا في صدر إقامة المرأة النساء حيث قال: لأنها لا تخلو عن ارتكاب محرم وهو قيام الإمام وسط الصف، ولو قام في يمنة الصف أو يسرته أساءوا، ولو قام واحد بجنب الإمام، وخلفه صف يكره بالإجماع، كذا في الدراية. (فتح القدير: ۱/۳۵۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت)

[۲] السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام. اهـ. وفي التتارخانية: ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة اهـ ومقتضاه أن الإمام لو ترك المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة، وهو ظاهر في الإمام الراتب دون غيره و المنفرد، فاغتنم هذه الفائدة... (قوله كجمعة وعيد) مثال للعذر، وهو على تقدير مضاف: أي كزحمة جمعة وعيد (قوله فلو قاموا إلخ) تفريع على عدم الكراهة عند العذر في جمعة وعيد. قال في المعراج: وذكر شيخ الإسلام إنما يكره هذا إذا لم يكن من عذر، أما إذا كان فلا يكره كما في الجمعة إذا كان القوم على الرف، وبعضهم على الأرض لضيق المكان. وحكى الحلواني عن أبي الليث: لا يكره قيام الإمام في الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۴۶، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فرع لا بأس بتكليم المصلي وإجابته برأسه، ط: دار الفكر - بيروت)

یہاں کی جامع مسجد میں جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے بیان فرمایا تھا، جب آپ کا بیان ختم ہوا، تو میں نے آپ کو منبر والی پہلی صف میں بٹھانے کی کوشش کی، تو آپ نے انکار کر دیا اور آپ یہ کہتے ہوئے میرے پاس بیٹھ گئے کہ آٹھ دس روز ہوئے ہیں کہ میں منبر والی ناقص صف کے رد میں فتویٰ دے چکا ہوں، اب ہم لوگ ہی اس کے خلاف عمل کریں گے، تو ہم میں اور عوام میں کیا فرق رہے گا؟ تو اب ہمیں آپ کے اس فتوے کی ضرورت ہے؛ تاکہ یہ فتویٰ لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے؛ سوال کے اجزاء حسب ذیل ہیں:

(۱) منبر والی صف میں نماز کیوں نہیں پڑھنی چاہیے، ممانعت کی کیا وجہ ہے؟

(۲) منبر والی صف کو اگر ختم کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ ہمارے ایک دعوت وتبلیغ سے جڑے بزرگ نے یہ ارشاد فرمایا کہ: منبر والی پہلی صف میں مصلیٰ کھینچ لیا جائے، جس سے وہ صف خود بخود ختم ہو جائے گی؛ تو کیا ہم اس پر عمل کریں؟ ان شاء اللہ حتمی عمل تو اسی پر ہوگا، جیسا آپ فتویٰ دیں گے۔

ابراہیم اون والا

الجواب حامداً ومصلیاً:

منبر کے درمیان میں، حائل ہونے کی وجہ سے جو صف ٹوٹ جاتی ہو، وہ پہلی صف نہیں ہے، پہلی صف کے متعلق علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جس کے دونوں کنارے برابر ہوں، درمیان میں ٹوٹتی نہ ہو۔ (شامی: ۱/ ۵۳۲)[۱]

اس تبلیغی بزرگ صاحب نے بالکل صحیح بات کہی ہے، مصلیٰ منبر والی صف میں کھینچ لیا جائے اور امام وہیں پر کھڑے ہوں؛ البتہ جب ضرورت ہو اور نمازیوں کی تعداد بڑھ جائے اور مسجد کا صحن بھر جائے، تو اس وقت منبر والی صف کو پہلی صف بنانا ضرورت کے تحت جائز ہوگا اور اس صف میں نماز پڑھنے والے کو پہلی صف کا ثواب مل جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۶۰۵)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وما اتصل به من طرفيها خارجا عنها من أول الجدار إلى آخره، فلا ينقطع الصف ببنائها. (رد المحتار: ۲/ ۳۱۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول، ط: مكتبه زكريا- ديوبند)

(۲) قال الولو الجي في فتاواه، وصاحب التجنيس: إذا ضاق المسجد بمن خلف الإمام على القوم لا بأس بأن يقوم الإمام في الطاق؛ لأنه تعذر الأمر عليه، وإن لم يضق المسجد بمن خلف الإمام لا ينبغي للإمام أن يقوم في الطاق؛ لأنه يشبه تباين المكانين اهـ يعني: وحقيقة اختلاف المكان تمنع الجواز فشبهة الاختلاف توجب الكراهة. (البحر الرائق: ۲/ ۲۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۶] امام کے دائیں بائیں کچھ پیچھے ہٹ کر صف بنانا

۷۹۳-سوال: مسجد کے اندرونی حصہ میں نیز صحن میں جگہ ہونے کے باوجود امام کے پڑوس میں کچھ پیچھے ہٹ کر (محراب کی لائن میں) صف بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

بہت سی مساجد میں محراب بڑا ہونے کی بنا پر امام اگر اس طرح کھڑا ہو، کہ پاؤں کا پچھلا کچھ حصہ محراب کے باہر اور کچھ محراب میں ہو، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ امام محراب والی صف میں کھڑا ہے؛ بل کہ یہ صف بندی تو مسنون طریقے پر ہوئی ہے اور مذکورہ طریقہ پر صف بندی جائز ہے؛ لیکن بہت سی مساجد میں محراب تنگ ہونے کی وجہ سے امام صف کے درمیان کھڑا رہتا ہے، تو یہ سنت طریقے کے خلاف ہے؛ اس لیے فقہاء نے اس طریقے کو مکروہ لکھا ہے۔

لیکن اگر مسجد میں جگہ تنگ ہو اور مصلی حضرات زیادہ ہوں؛ اس لیے امام مقتدیوں کے ساتھ، تھوڑا آگے کی طرف بڑھ کر، درمیان میں کھڑا ہو جائے، تو یہ جائز ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ صحن میں اور مسجد کے اندرونی حصے میں جگہ ہے، تو ایسی صورت امام کا صف کے درمیان کھڑا رہنا مکروہ ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) وكره... قيام الامام في المحراب لا سجوده فيه. وقدماه خارجة، لأن العبرة للقدم (مطلقا) وإن لم يتشبه حال الإمام... إذا لم يضق المسجد بمن خلف الإمام لا ينبغي له ذلك... إنما بني علامة لمحل قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة، لا لأن يقوم في داخله .... وفي التتارخانية: ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة اهـ ومقتضاه أن الإمام لو ترك المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة، وهذا كله (عند عدم العذر) كجمعة وعيد، وذكر شيخ الإسلام إنما يكره هذا إذا لم يكن من عذر، أما إذا كان فلا يكره كما في الجمعة إذا كان القوم على الرف، وبعضهم على الأرض لضيق المكان. وحكى الحلواني عن أبي الليث: لا يكره وقيام الإمام في الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم. (رد المحتار: ۲/ ۴۱۵-۴۱۵، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلوة، ومايكره فيها، ط: مكتبه زكريا-ديوبند ☆ مراقى الفلاح، ص: ۱۳۱، كتاب الصلاة، فصل يكره للمصلى سبعة وسبعون شيئا، ط: فيصل-ديوبند)

[۷] مصلی پر کھڑا ہونے کے بعد امام کا اِدھر اُدھر دیکھنا

۷۹۴-سوال: پیش امام صاحب جب مصلی پر کھڑے ہوتے ہیں، تو موذن کی تکبیر کے وقت وہ دائیں بائیں اور گھڑی وغیرہ کی طرف دیکھتے رہتے ہیں، تو ان کی اس طرح کی حرکت کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

امام صاحب کی ذمہ داری ہے کہ مقتدیوں کی صفیں برابر اور درست کرنے کا مکمل خیال رکھیں، اگر مقتدی آگے پیچھے ہوں، یا صف کے درمیان جگہ خالی ہو، تو حکم دیں کہ صفیں درست کی جائیں؛ اس مقصد کی خاطر امام صاحب دائیں بائیں دیکھتے ہوں-جس کو مقتدی سمجھتے ہوں کہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہیں-تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ بل کہ ضرورت کے وقت گھڑی کی طرف دیکھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۱)
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] بڑوں کا صف بنانے کے لیے بچوں کی صف کے سامنے سے گزرنا

۷۹۵-سوال: بڑوں کی صف کے پیچھے ایک صف چھوڑ کر تیسری صف بچوں کے لیے رکھی گئی ہو

---

(۱) عن سماك بن حرب، قال: سمعت النعمان بن بشير، يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوي صفوفنا حتى كأنما يسوي بها القداح حتى رأى أنا قد عقلنا عنه، ثم خرج يوما فقام، حتى كاد يكبر فرأى رجلا باديا صدره من الصف، فقال: عباد الله لتسون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۲، رقم الحديث: ۱۲۸-(۴۳۶)، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، وإقامتها... الخ، ط: ديوبند)

عن النعمان بن بشير، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوي صفوفنا، فخرج يوما فرأى رجلا خارجا صدره عن القوم، فقال: لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم. ——— وقد روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من تمام الصلاة إقامة الصف. وروي عن عمر: "أنه كان يوكل رجالا بإقامة الصفوف، ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. وروي عن علي، وعثمان، أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استووا، وكان علي يقول: " تقدم يا فلان، تأخر يا فلان. (سنن الترمذي: ۱/ ۵۳، رقم الحديث: ۲۲۷، أبواب الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(ويصف) أي يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك. قال الشمني: وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلل، ويسووا مناكبهم ويقف وسطا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۶۸، كتاب الصلاة، باب الامامة، ط: دار الفكر)

اور دوسری صف بنانے کے لیے بچوں کے آگے گزرنا پڑتا ہو، ایسی صورت میں بچوں کی صف امام کے پیچھے، درمیان سے بنانے کی بجائے کسی ایک جانب سے بنائی جائے، تو کیا اس میں کوئی حرج ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کو بیچ میں کھڑا رہنا چاہیے اور صف دونوں جانب میں برابر ہونی چاہیے، ایک طرف صف بنانا مکروہ ہے؛ مگر مذکورہ صورت میں جب کہ اگلی صفیں برابر ہوں، بچوں کی صف اگر ایک جانب میں بنادی جائے، تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن جب بچے زیادہ ہوں گے، تو مردوں کو دوسری صف بنانے میں وہی حرج لاحق ہوگا، جو آپ نے ذکر کیا ہے؛ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بچوں کی صف بھی درمیان ہی سے بنائی جائے۔

اور رہ گیا معاملہ دوسری صف بنانے کے لیے بڑوں کا بچوں کے سامنے سے گذرنے کا، تو کوشش کی جائے کہ اس کی نوبت نہ آئے؛ لیکن اگر اس کی نوبت آجائے، تو ان کے سامنے سے گذرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (درمختار جلد ۲ صفحہ ۳۹۹، باب مایفسد الصلاۃ)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] نابالغ بچے کا بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا

۷۹۶-سوال: (۱) بچہ نابالغ ہو، گیارہ سے بارہ سال کی عمر ہو، ہوش وحواس رکھتا ہو اور سمجھ بوجھ والا ہو، کیا ایسا نابالغ بچہ بڑوں کی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے؟

---

[۱] قال الشمني: وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم ويقف وسطا... وخير صفوف الرجال أولها. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۶۸، باب مايفسد الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

ولو كان فرجة فللداخل أن يمر على رقبة من لم يسدها لأنه أسقط حرمة نفسه فتنبه (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ولو كان فرجة إلخ) كان تامة وفرجة فاعلها. قال في القنية: قام في آخر الصف في المسجد بينه وبين الصفوف مواضع خالية فللداخل أن يمر بين يديه ليصل الصفوف؛ لأنه أسقط حرمة نفسه فلا يأثم المار بين يديه، دل عليه ما ذكر في الفردوس برواية ابن عباس - رضي الله تعالى عنهما - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: من نظر إلى فرجة في صف فليسدها بنفسه، فإن لم يفعل فمر مار فليتخط على رقبته فإنه لا حرمة له. أي فليتخط المار على رقبة من لم يسد الفرجة. اهـ.

قلت: وليس المراد بالتخطي الوطء على رقبته لأنه قد يؤدي إلى قتله ولا يجوز، بل المراد أن يخطو من فوق رقبته، وإذا كان له ذلك فله أن يمر من بين يديه بالأولى، فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۶، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) کیا نابالغ بچہ بڑوں کی صف میں کھڑا رہے گا، تو شرعی اعتبار سے وہ جگہ خالی جگہ کے حکم میں شمار ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک امام اور دو مقتدی ہوں، ایک بالغ اور دوسرا نابالغ، تو دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑے رہنے کا حکم ہے۔[1] لیکن بالغ دو یا دو سے زیادہ ہوں، تو نابالغ کی صف ان کے پیچھے بنائی جائے گی، سمجھ بوجھ رکھنے والا، ہوشیار بچہ بھی نابالغ ہو، تو مردوں کی صف میں کھڑا نہیں رہے گا؛ بل کہ پیچھے کھڑا کیا جائے گا، اگر کوئی بچہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو جائے، حالاں کہ بچوں کی صف قائم ہو، تو یہ ترتیب کے خلاف ہے، لیکن وہ مقام ''خالی جگہ'' کے حکم میں شمار نہیں ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] امام کی ہر دو جانب مقتدی برابر ہوں

۷۹۷-سوال: ایک صاحب نے مثال بیان کی: ''جماعت کے وقت امام اور مقتدی حضرات کی مثال ترازو کی ڈنڈی اور اس کے پلے کی سی ہے، امام کی دونوں جانب مقتدی برابر برابر ہوں، ایسا نہ ہو کہ

---

(۱) عن أنس بن مالك، أن جدته مليكة دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعام صنعته له، فأكل منه، ثم قال: قوموا فلأصل لكم. قال أنس: فقمت إلى حصير لنا، قد اسود من طول ما لبس، فنضحته بماء، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم، وصففت واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا، فصلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين، ثم انصرف. (صحيح البخاري: ۱/ ۵۵، رقم الحديث: ۳۸۰، كتاب الصلاة، باب الصلاة على الحصير، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۳۴، رقم الحديث: ۲۶۶ - (۶۵۸)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز الجماعة في النافلة، والصلاة على حصير... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(الرجال)... (ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحدا دخل الصف (ثم الخناثى ثم النساء). [الدر المختار] وفي الشامية: (قوله فلو واحدا دخل الصف) ذكره في البحر بحثا، قال: وكذا لو كان المقتدي رجلا وصبيا يصفهما خلفه لحديث أنس: فصففت أنا واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا. وهذا بخلاف المرأة الواحدة فإنها تتأخر مطلقا كالمتعددات للحديث المذكور. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۷۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

وإذا كان معه اثنان قاما خلفه وكذلك إذا كان أحدهما صبيا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۸، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء... الخ، ط: زكريا ديوبند)

(۲) ولو اجتمع الرجال والنساء والصبيان والخناثى والصبيات المراهقات فأرادوا أن يصطفوا للجماعة - يقوم الرجال صفا مما يلي الإمام، ثم الصبيان بعدهم، ثم الخناثى، ثم الإناث، ثم الصبيات المراهقات. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۹، كتاب الصلاة، فصل في بيان مقام الإمام والمأموم، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ایک جانب کم ہو اور دوسری جانب زیادہ۔ اور جس طرح تاجر برابر کرنے کے لیے، ترازو کے اس پلڑے سے مال کو نکال دیتا ہے، جس پلے میں زیادہ ہو، اسی طرح اللہ بھی اس جانب سے مقتدی کو نکال دیتے ہیں، جس جانب زیادہ ہوں۔"

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طور پر مثال بیان کرنا صحیح ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحب بالکل بیچ میں کھڑے ہوں اور صف کے درمیان کی خالی جگہوں کو پُر کیا جائے، اور جب تک ایک صف مکمل نہ ہو، دوسری صف نہ بنائی جائے؛ امام کے دونوں جانب مقتدی برابر، برابر کھڑے رہیں، اگر اس کے خلاف ہو، تو مکروہ ہوگا۔ (شامی جلد ۱، صفحہ ۵۶۸)[1]

[۱] النعمان بن بشير، يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لتسون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۰۰، رقم الحديث: ۷۱۷، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، ط: البدر - ديوبند)

عن جابر بن سمرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا تصفون كما تصف الملائكة عند ربهم جل وعز، قلنا وكيف تصف الملائكة عند ربهم؟، قال: يتمون الصفوف المقدمة ويتراصون في الصف. (سنن أبي داود: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۶۶۱، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ط: البدر - ديوبند)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "توسطوا الإمام، وسدوا الخلل". (السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۳/ ۱۴۷، رقم الحديث: ۵۲۰۳، جماع أبواب موقف الإمام والمأموم، باب مقام الإمام من الصف، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال الشمني: وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم ويقف وسطا. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ويقف وسطا) قال في المعراج: وفي مبسوط بكر: السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، ولو قام في أحد جانبي الصف يكره.... ومتى استوى جانباه يقوم عن يمين الإمام إن أمكنه وإن وجد في الصف فرجة سدها وإلا انتظر حتى يجيء آخر فيقفان خلفه، وإن لم يجئ حتى ركع الإمام يختار أعلم الناس بهذه المسألة فيجذبه ويقفان خلفه، ولو لم يجد عالما يقف خلف الصف بحذاء الإمام للضرورة، ولو وقف منفردا بغير عذر تصح صلاته عندنا اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

[تنبيه] يفهم من قوله أو إلى سارية كراهة قيام الإمام في غير المحراب، ويؤيده قوله قبله السنة أن يقوم في المحراب، وكذا قوله في موضع آخر: السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام اهـ. والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط، فلو لم يلزم ذلك لا يكره تأمل. (حوالہ سابق، مطلب في الكراهة قيام الإمام في غير المحراب ☆ البحر الرائق: ۱/ ۶۱۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

لیکن ترازو کی مثال دے کر ایک جانب کے مقتدیوں کو نکالنے کی بات درست نہیں، نماز ادا ہوجائے گی، البتہ ثواب کم ملے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] اگلی صف پُر کیے بغیر پچھلی صف میں کھڑے ہونے والوں کا حکم

۷۹۸-سوال: اگر اگلی صفوں میں جگہ خالی ہو، تو پچھلی صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مکروہ [کراہت] کا گناہ پچھلی صف میں کھڑے ہونے والے تمام حضرات کو ہوگا؟

الجواب حامداومصلیا:

ہر ایک کو گناہ ہوگا، البتہ جن لوگوں کو اگلی صف پُر کرنے کے لیے پچھلی صف کے مقتدیوں کے آگے سے ہوکر گزرنا پڑتا ہو، وہ لوگ مصلی کے آگے سے گزرنے کی وعید سے بچنے کے لیے پچھلی صف میں کھڑے ہوگئے ہوں، تو گنہ گار نہیں ہوں گے، اگرچہ حکم یہی ہے کہ اس صورت میں مصلی کے آگے سے گزرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے؛ لہٰذا مصلی کے آگے سے گذر کر بھی اگلی صف پر کرنی چاہیے۔ (شامی: جلد ۱ صفحہ ۵۷۰)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) النعمان بن بشير، يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لتسون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (صحيح البخاري: ۱/۱۰۰، رقم الحديث: ۷۱۷، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، ط: ديوبند)

عن جابر بن سمرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا تصفون كما تصف الملائكة عند ربهم جل وعز، قلنا وكيف تصف الملائكة عند ربهم؟، قال: يتمون الصفوف المقدمة ويتراصون في الصف. (سنن أبي داود: ۱/۹۷، رقم الحديث: ۶۶۱، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ط: البدر - ديوبند)

ولو وجد فرجة في الأول لا الثاني له خرق الثاني لتقصيرهم، وفي الحديث: من سد فرجة غفر له. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله لتقصيرهم) يفيد أن الكلام فيما إذا شرعوا. وفي القنية قام في آخر صف وبينه وبين الصفوف مواضع خالية فللداخل أن يمر بين يديه ليصل الصفوف لأنه أسقط حرمة نفسه فلا يأثم المار بين يديه، دل عليه ما في الفردوس عن ابن عباس عنه - صلى الله عليه وسلم -: من نظر إلى فرجة في صف فليسدها بنفسه؛ فإن لم يفعل فمر مار فليتخط على رقبته فإنه لا حرمة له. أي فليتخط المار على رقبة من لم يسد الفرجة. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۷۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

[۱۲] ضرورت کے وقت چھوٹے بچوں کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم

۷۹۹-سوال: آٹھ دس سال کے بچے، نماز میں بڑے آدمیوں کی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک آدمی کا یہ کہنا ہے کہ: چھوٹے بچے نماز کے لیے اگلی صفوں میں پہلے سے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑے لوگ نماز کی جماعت کھڑی ہونے کے عین وقت پر حاضر ہوتے ہیں، اب اگر وہ اگلی صفوں میں موجود بچوں کو پیچھے کر دیتے ہیں، تو ان بچوں کے دلوں میں نماز کے متعلق نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں پہلے حاضر ہوئے تھے اور ہمیں انہوں نے پیچھے کر دیا، یہ سوچ کر کسی دن وہ بچے مسجد میں آنے کو تیار بھی نہیں ہوتے، بسا اوقات ان کو اتنا پیچھے کر دیا جاتا ہے کہ باہر دھوپ اور بارش سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے، بچوں کی جگہوں پر بعد میں آنے والے بڑے حضرات اپنا قبضہ جما دیتے ہیں، اس سے غلط اثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بچے مسجد سے نکل کر سینما ہال وغیرہ کا رخ کرتے ہیں؛ لہٰذا ان حالات کے پیش نظر ان بچوں کے بارے میں اب کیا کیا جائے؟

بہت سی مرتبہ شہروں میں عیدین کے موقع پر لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے، ایسے موقع پر چھوٹے بچے بھی اپنے اپنے اولیاء کے ساتھ نماز عید میں شرکت کی غرض سے آتے ہیں، اب ان کے اولیاء پہلی صف میں ہوتے ہیں اور بچے آخری صف میں، نماز کے بعد ہر ایک کو ایک دوسرے سے ملنے کی فکر لاحق ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز میں کسی کا بھی دل نہیں لگتا ہے، اور نماز کے بعد اتنے بڑے مجمع میں سے ایک دوسرے کو تلاش کرنے میں کافی وقت ضائع ہوتا ہے اور پریشانی بھی لاحق ہوتی ہے؛ خدانہ خواستہ بچہ اگر گم ہو گیا پھر تو مصیبت اور تکلیف کی انتہا نہیں رہتی؛ یہ بات بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بچوں کو پیچھے کر دینے سے ان کی بے راہ روی کا قوی اندیشہ ہے، جیسا کہ اوپر اس کی جانب ہلکا سا اشارہ کیا گیا، یا پھر ان کے دلوں سے نماز کی اہمیت ختم ہو کر اس کی جگہ نفرت پیدا ہو جائے گی اور نماز میں آنا ہی بالکل چھوڑ دیں گے۔ اور بڑے مجمع میں اگر چھوٹے بچے اپنے والدین سے بچھڑ جائیں، تو پھر ہر ایک کو بڑی پریشانی لاحق ہوگی۔

ان ساری وجوہات کے پیش نظر ایک آدمی کا یہ کہنا ہے کہ بچوں کو اپنے والدین کے ساتھ ایک ہی صف میں نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے اور ان کو پیچھے نہ کیا جائے؛ اس سلسلے میں کیا بات صحیح ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

صف بندی کا مسنون طریقہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بہ موجب یہ ہے کہ پہلے مردوں کی صفیں، پھر بچوں کی، پھر عورتوں کی۔ (۱) البتہ ضرورت کے وقت ایک دو بچے اگر مردوں کی صف میں کھڑے رہیں تو یہ جائز ہے، ممنوع نہیں ہے۔ (۲) چھوٹے، نابالغ بچوں کو نماز کے لیے مسجد ہی میں آنا ضروری نہیں ہے؛ بل کہ ان کو نماز کی مشق اور عادت اپنے گھروں پر رکھ کر بھی کروائی جا سکتی ہے، نیز عیدین کے موقع پر بچوں کو عیدگاہ لے جانے سے وہ خود بھی پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور ان کے اولیاء بھی؛ اس لیے ان مواقع میں چھوٹے بچوں کو محلے ہی کی مسجد میں نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے، اگر عیدگاہ میں بچے اپنے والدین کے ساتھ آگے کی صفوں میں ہوں گے، تو ان کی وجہ سے بڑوں کی نماز میں خلل واقع ہوگا؛ اس لیے عیدگاہ کی بہ جائے ان بچوں کو محلے کی مسجد ہی میں نماز پڑھنے کی تاکید کرنی چاہیے، یا اس کی ایک آسان شکل یہ ہے کہ عیدگاہ ہی میں ایک الگ جگہ ان بچوں کے لیے متعین کی جائے، جہاں جمع ہو کر یہ سارے بچے اپنی اپنی نماز امام کی اقتدا میں ادا کریں، نماز سے فراغت کے بعد اولیاء حضرات اپنے بچوں کو وہاں جا کر تلاش کر لیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے نواسوں کو صف میں اپنے ساتھ رکھ کر نماز ادا کرنا

۸۰۰-سوال: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کو صف میں اپنے ساتھ رکھ کر نماز ادا کرتے تھے، کیا یہ بات صحیح ہے۔؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کبھی کبھی پڑھتے تھے، مستقل آپ کی عادت نہیں تھی۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خير صفوف الرجال أولها، وشرها آخرها، وخير صفوف النساء آخرها، وشرها أولها. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۲، رقم الحديث: ۱۳۲-(۴۴۰)، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول... الخ، ط: البدر - ديوبند)

[۲] (ويصف) أي يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك الرجال، (ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحدا، دخل الصف (ثم الخناثي ثم النساء)... وكذا لو كان المقتدي رجلا وصبيا يصفهما خلفه لحديث أنس: فصففت أنا واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا. أخرجه البخاري. (ردالمحتار: ۱/ ۵۶۸ - ۵۷۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۱/ ۶۱۶ - ۶۱۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۲) اس سلسلے میں صریح حدیث تو احقر کو تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی، تاہم ذیل کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز =

[۱۴] کسی نمازی کا مسجد سے قریب مدرسہ میں رہ کر امام کی اقتدا کرنا

۸۰۱-سوال: ہمارے محلہ کی مسجد چھوٹی ہے، جو رمضان میں تراویح کے لیے ناکافی ہوتی ہے، مسجد سے بالکل متصل مدرسہ ہے، تو کیا یہ جائز ہے کہ کچھ مقتدی وہاں مدرسہ میں، مسجد کے امام کی اقتدا میں نماز پڑھیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

صورت مسئولہ میں جب مسجد کا صحن نمازیوں سے پُر ہو جائے اور کوئی جگہ خالی نہ رہے، اور مسجد سے متصل مدرسہ میں نماز پڑھنے والے مقتدیوں کو امام کی نقل وحرکت کی اطلاع کے لیے پورا انتظام ہو، تو ان کا امام کی اقتداء کے ساتھ اس جگہ میں نماز پڑھنا درست ہے؛ البتہ صفوں کا اتصال ضروری ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= سے پہلے منبر سے صحابہ کو خطاب فرما رہے ہیں، اور حضرت حسن بن علی خطبے کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو میں بیٹھے ہیں۔ غالب گمان یہی ہے کہ نماز کے دوران بھی رہے ہوں گے، فقط، واللہ اعلم:

.....فقال الحسن: ولقد سمعت أبا بكرة يقول: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر والحسن بن علي إلى جنبه، وهو يقبل على الناس مرة، وعليه أخرى ويقول: إن ابني هذا سيد، ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين. (صحيح البخاري: ۲/ ۳۷۳، رقم الحديث: ۲۷۰۴، كتاب الصلح، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم للحسن بن علي رضي الله عنهما الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۱) (ويمنع من الاقتداء)... (طريق تجري فيه عجلة) آلة يجرها الثور (أو نهر تجري فيه السفن) ولو زورقا ولو في المسجد (أو خلاء) أي فضاء (في الصحراء) أو في مسجد كبير جدا كمسجد القدس (يسع صفين) فأكثر إلا إذا اتصلت الصفوف فيصح مطلقا، كأن قام في الطريق ثلاثة، وكذا اثنان عند الثاني لا واحد اتفاقا لأنه لكراهة صلاته صار وجوده. كعدمه في حق من خلفه. (والحائل لا يمنع) الاقتداء (إن لم يشتبه حال إمامه) بسماع أو رؤية ولو من باب مشبك يمنع الوصول في الأصح (ولم يختلف المكان) حقيقة كمسجد وبيت في الأصح قنية، ولا حكما عند اتصال الصفوف؛ ولو اقتدى من سطح داره المتصلة بالمسجد لم يجز لاختلاف المكان درر وبحر وغيرهما وأقره المصنف لكن تعقبه في الشرنبلالية ونقل عن البرهان وغيره أن الصحيح اعتبار الاشتباه فقط. قلت: وفي الأشباه وزواهر الجواهر ومفتاح السعادة أنه الأصح. وفي النهر عن الزاد أنه اختيار جماعة من المتأخرين. (الدر المختار: ۱/ ۵۸۴-۵۸۸)

(قوله عند اتصال الصفوف) أي في الطريق أو على جسر النهر، فإنه مع وجود النهر أو الطريق يختلف المكان، وعند اتصال الصفوف يصير المكان واحدا حكما فلا يمنع كما مر، وكأنه أراد بالحائل في كلام المصنف ما يشمل الحائط وغيره كالطريق والنهر.

[۱۵] مقتدی حضرات 'حی علی الفلاح' کہنے سے قبل ہی کیوں کھڑے ہوجاتے ہیں؟

ایک تحقیقی جواب

۸۰۲-سوال: میرے پیش نظر ایک دار الافتاء سے جاری کیا گیا فتویٰ ہے، جس میں یہ تحریر ہے کہ نماز کے لیے اقامت میں "حی علی الفلاح" سے قبل صف بنا کر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ اور یہ بات بخاری شریف، عالم گیری وغیرہ کے حوالہ سے لکھی ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ بعض بریلویوں کی مساجد کے علاوہ تمام مساجد میں دیکھا جاتا ہے کہ تمام مقتدی -جن میں علما بھی ہوتے ہیں- اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہوجاتے ہیں اور "حی علی الفلاح" تک انتظار نہیں کرتے، تو مسلسل کراہت تحریمی کا ارتکاب کیسے برداشت کیا جاتا ہے؟ یا حی علی الفلاح تک انتظار صرف مستحب ہے، جس پر عمل نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں؟ مستند حوالوں کے ساتھ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ نماز باجماعت کے لیے کچھ فرائض، سنن اور آداب ہیں، ادب کو

=(قوله درر) عبارتها: الحائل بينهما لو بحيث يشتبه به حال الإمام يمنع وإلا فلا، إلا أن يختلف المكان. قال قاضي خان: إذا قام على الجدار الذي يكون بين داره وبين المسجد ولا يشتبه حال الإمام يصح الاقتداء، وإن قام على سطح داره، وداره متصلة بالمسجد لا يصح اقتداؤه، وإن كان لا يشتبه عليه حال الإمام؛ لأن بين المسجد وبين سطح داره كثير التخلل فصار المكان مختلفا.

أما في البيت مع المسجد لم يتخلل إلا الحائط ولم يختلف المكان، وعند اتحاد المكان يصح الاقتداء إلا إذا اشتبه عليه حال الإمام. اهـ. أقول: حاصل كلام الدرر أن اختلاف المكان مانع مطلقا. وأما إذا اتحد، فإن حصل اشتباه منع وإلا فلا، وما نقله عن قاضي خان صريح في ذلك.

(قوله لكن تعقبه في الشرنبلالية إلخ) حيث ذكر أن ما نقله عن الخانية من أنه لو قام على سطح داره المتصلة بالمسجد لا يصح إلخ خلاف الصحيح، لما في الظهيرية من أن الصحيح أنه يصح؛ ولما في البرهان من أنه لو كان بينهما حائط كبير لا يمكن الوصول إلى الإمام ولكن لا يشتبه حاله عليه بسماع أو رؤية لانتقالاته لا يمنع صحة الاقتداء في الصحيح، وهو اختيار شمس الأئمة الحلواني. اهـ. وحاصل كلام الشرنبلالي أن المعتبر الاشتباه وعدمه فقط دون اختلاف المكان، فإن حصل الاشتباه منع سواء اتحد المكان أو لا، وإلا فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۸۶- ۵۸۷، باب الإمامة، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۸، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع الاقتداء وما لا يمنع، ط: زكريا- ديوبند)

’’مستحب‘‘ بھی کہا جاتا ہے، درمختار میں ادب کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ’’ترکہ لایوجب اساءة ولا عتاباً، کترك سنة الزوائد، لکن فعله أفضل‘‘.(۱) یعنی تارک ادب کسی گناہ یا ملامت کا مستحق نہیں ہوتا ہے، جیسے سنن زوائد کا چھوڑنے والا، البتہ ادب پر عمل کرنا افضل ہے۔

اور مذکورہ مسئلہ کہ: ’’حی علی الفلاح‘‘ پر امام اور مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہیے، تو وہ آداب میں سے ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع، طحطاوی، نور الایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے۔(۲) پس یہ فعل ادب و مستحب ہے، جس کے نہ کرنے پر کوئی گناہ و ملامت نہیں۔

اور نماز کے آداب میں سے تو یہ بھی ہے کہ امام ’’قد قامت الصلوٰۃ‘‘ پر نماز شروع کردیں۔(۳) لیکن بتائیں آج اس مسئلہ پر کس جگہ عمل ہو رہا ہے؟ ظاہر ہے اس پر عمل اس لیے چھوڑ دیا گیا ہے کہ مکبر (تکبیر کہنے والے) کی رعایت ہو جائے کہ وہ بھی امام کے ساتھ نماز شروع کر سکے۔(۴)

جب صرف تنہا مکبر کی رعایت میں یہ ادب ترک کر دیا گیا ہے، تو صفوں کی درستگی - جو کہ بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور یہ تمام مقتدیوں کا حق ہے - کی رعایت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا ادب ترک کر دیا جائے، تو اس میں کیا حرج ہے؟ بل کہ ہمارے اس غفلت والے دور میں تو لوگ پہلے کھڑے

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۴۷۷، کتاب الصلاة، آداب الصلاة، ط: دار الفکر - بیروت.

(۲) بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع - علاء الدین، الکاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۲۰۰، فصل في سنن حکم التکبیر أیام التشریق، ط: دار الکتب العلمیة ☆ حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار: ۱/ ۲۱۵، باب صفة الصلاة، ط: دار الکتب العلمیة ☆ حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح - أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ): ۲۷۷، فصل في آدابها، ت: محمد عبد العزیز الخالدي، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت ☆ نور الإیضاح و نجاة الأرواح في الفقه الحنفي - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹هـ) ص: ۵۹، کتاب الصلاة، فصل: في آداب الصلاة، ت: محمد أنیس مهرات، ط: المکتبة العصریة ☆ مراقي الفلاح شرح متن نور الإیضاح - الشرنبلالي الحنفي، ص: ۱۰۳، اعتنی به و راجعه: نعیم زرزور، ط: المکتبة العصریة.

(۳) أن المؤذن إذا قال قد قامت الصلاة کبر الإمام في قول أبي حنیفة و محمد. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۰۰)

[۴] (وشروع الإمام) في الصلاة (مذ قیل قد قامت الصلاة) ولو أخر حتی أتمها لا بأس به إجماعا، وهو قول الثاني والثلاثة، وهو أعدل المذاهب کما في شرح المجمع لمصنفه. ــــ وفي القهستاني معزیا للخلاصة أنه الأصح. (الدر المختار) ــــــــ وقال ابن عابدین: (قوله وهو) أي التأخیر المفهوم من قوله أخر. (قوله إنه الأصح) لأن فیه محافظة علی فضیلة متابعة المؤذن وإعانة له علی الشروع مع الإمام. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۴۷۹، آداب الصلاة)

ہونے کے باوجود صحیح صف بندی نہیں کر پاتے ہیں، امام کو انتظار کرپڑتا ہے، تو اگر حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو کہا جائے گا، تو ذرا سوچیے کہ ایک رکعت پوری ہونے تک بھی صفیں درست نہیں ہوسکیں گی۔

اور مسئلہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ ''مکبر جب ''حی علی الفلاح'' پر پہنچے، تو امام اور مقتدیان کھڑے ہوجائیں'' تو اس میں تحدید بتلائی گئی ہے نہ کہ حکم، یعنی کھڑے ہونے کا آخری وقت ''حی علی الفلاح'' تک ہے، اس سے تاخیر نہیں کرنی چاہیے، یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا جائز نہیں، چناں چہ طحطاوی میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''الظاهر أنه احتراز عن التاخير لاالتقديم حتى لو قام أول الاقامة لابأس به''۔ (طحطاوی: ۱۵۱)[۵] یعنی ظاہر یہ ہے کہ حی علی الفلاح سے آگے تاخیر کرنا ممنوع ہے نہ کہ پہلے کھڑا ہونا، یہاں تک کہ اول اقامت میں کھڑا ہوگیا تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن اس بات کو غلط رخ دے کر فتویٰ دیا جاتا ہے اور لوگوں کو بہکایا جاتا ہے، حالاں کہ اصل حقیقت وہی ہے، جو اوپر بیان کی گئی۔

اس مسئلہ میں جب یہ ثابت ہوگیا کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا درجہ، مستحب کا ہے اور اس کے ترک پر کوئی گناہ نہیں؛ بل کہ اس زمانہ میں تو اول اقامت میں ہی کھڑا ہونا افضل ہے۔[۶] (تاکہ تسویہ صفوف میں حرج نہ ہو، جس کی بڑی تاکید احادیث میں وارد ہوئی ہے۔) تو اب جب کسی کتاب میں مکروہ لکھا ہے، تو مکروہ کا لفظ یہاں مستحب کے مقابل میں ہے اور مستحب کی مخالفت میں - جیسا کہ اوپر بیان ہوا - گناہ نہیں ہے۔ اور مکروہ کے لفظ سے مکروہ تحریمی مراد لینا قطعاً غلط ہے اور یہ گمراہی ہے، بلکہ درحقیقت یہاں مکروہ سے مکروہ تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتا۔

ہاں اگر کسی جگہ لوگ پہلے سے صف بندی کے پابند ہوں اور سیدھی دیوار کی طرح برابر بیٹھنے کے عادی

---

[۵] حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۲۱۵، باب صفة الصلاة.

(۶) أخبرني ابن شهاب: " أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، يقيم الصلاة، يقوم الناس إلى الصلاة، فلايأتي النبي صلى الله عليه وسلم مقامه حتى يعدل الصفوف". (المصنف - أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (م: ۲۱۱هـ): ۱/ ۵۰۷، رقم الحديث: ۱۹۴۲، كتاب الصلاة، باب قيام الناس عند الإقامة، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المجلس العلمي - ڈابھیل، الهند)

عن نافع، أن عمر بن الخطاب كان يأمر بتسوية الصفوف، فإذا جاءوا فأخبروه أن قد استوت كبر.

عن ابن عمر قال: كان عمر لا يكبر حتى تعتدل الصفوف، يوكل بذلك رجالا. (المصدر السابق: ۲/ ۴۷، رقم الحديث: ۲۴۳۸ و۲۴۳۹)

ہوں، تو ان کے لیے مستحب و افضل یہ ہے کہ شروع اقامت میں نہیں؛ بل کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔[1]

نوٹ: مکروہ سے مکروہ تحریمی اس جگہ مراد لیا جاتا ہے، جہاں دوسری جگہ اس کے خلاف کی صراحت نہ ہو، جب دوسری کتابوں میں؛ بل کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ خود مصنف اس کے مقابل مستحب لفظ بیان کر رہے ہوں، تو مکروہ سے مراد وہاں مکروہ تحریمی بالکل نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] مقتدی حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوں یا اس سے پہلے؟

۸۰۳-سوال: فرض نماز کے لیے امام اور مقتدی، موذن کے حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت کھڑے ہوں گے یا شروع ہی سے کھڑے ہو جائیں؟ یعنی جب اللہ اکبر (تکبیر) کہی جائے، اسی وقت کھڑے ہو جائیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نماز پڑھنا فرض، جماعت واجب اور صفوں کو درست کرنا ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفیں درست کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے مسخ کر دے گا۔ (بخاری شریف)[2] نیز صفیں درست نہ

---

[1] مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شامی: ۱/ ۴۷۹، باب صفۃ الصلاۃ ☆ فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۴۰۷-۴۹۸، ط: اشرفی بک ڈپو-دیوبند۔

[۲] النعمان بن بشير يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (صحيح البخاري: ١/ ١٠٠، رقم الحديث: ٧١٧، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، ط: البدر-ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ١/ ١٨٢، رقم الحديث: ٧-١٢٧- (٤٣٦)، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، وإقامتها، وفضل الأول... الخ، ط: البدر - ديوبند)

قال المحقق مصطفى البغا: (ليخالفن الله بين وجوهكم) يوقع بينها المخالفة بتحويلها عن مواضعها أو المراد اختلاف القلوب ووقوع العداوة والبغضاء بينها]

قال العيني: والمعنى: ليخالفن الله إن لم تقيموا الصفوف؛ لأنه قابل بين الإقامة وبينه، فيكون الواقع أحد الأمرين، وهذا وعيد لمن لم يقم الصفوف بعذاب من جنس ذنبهم لاختلافهم في مقامهم، وقيل: يوقع بينكم العداوة والبغضاء واختلاف القلوب، يقال: تغير وجه فلان علي، أي: ظهر لي من وجهه كراهية في وتغير؛ لأن مخالفتهم في الصفوف مخالفة في الظاهر، واختلاف الظاهر سبب لاختلاف الباطن. وقيل: هو على حقيقته، والمراد تشويه الوجه بتحويل خلقه عن وضعه بجعله موضع القفا، وهذا نظير الوعيد فيمن رفع رأسه قبل الإمام أن يجعل الله رأسه راس حمار، ويؤيد حمله على ظاهره ما رواه أحمد من حديث أبي أمامة بلفظ: (لتسون الصفوف أو لتطمسن الوجوه).=

کرنے کی وجہ سے تم میں لڑائی جھگڑے کھڑے ہوں گے۔

نمازوں کی صفیں درست نہ کرنے سے اللہ تعالی تمہاری شکل وصورت کو مسخ کر دیں گے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ برابر صف بندی پہلے سے کھڑے ہونے کی صورت میں ہوگی یا حی علی الصلوۃ کے وقت؟ ظاہر ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے ہی آئے ہیں اور استوائے صفوف واجب ہے؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اقامت شروع ہوتے ہی لوگ کھڑے ہو جائیں؛ لیکن اگر کوئی شخص بیٹھا رہے گا اور حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہوگا، تو وہ نماز میں سستی کرنے والوں کی فہرست میں داخل نہیں ہوگا؛ اسلیے علامہ طحطاویؒ نے درمختار کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہو جائیں اور اس سے زیادہ تاخیر سے احتراز کریں: وقال العلامة الطحطاوي:
"الظاهر أنه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى لو قام أول الاقامة لا بأس به". [۲]

اب آپ سوچئے! جو لوگ حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہونے کے لیے کہتے ہیں تو ان سے سوال ہے کہ کیا حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا واجب ہے یا سنت یا مستحب؟ کسی نے بھی واجب نہیں کہا ہے۔ درمختار میں لکھا ہے کہ نماز کے چند آداب ہیں، جن کے ترک پر برا بھلا کہنا یا غصہ کرنا جائز نہیں ہے، جس طرح کہ سنن زوائد کے تارک پر برہمی کا اظہار کرنا درست نہیں ہے۔

تاہم ان (آداب) کی رعایت کرنا بہتر ہے، اگر ان کے نزدیک امام اور مقتدی کا حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے، (واجب نہیں ہے) تو ایک مستحب عمل کے بارے میں لڑائی جھگڑا کرنا حرام ہے، نمازی سہولت کے مطابق کھڑے ہوں، تو جائز ہے؛ لیکن اگر کھڑے ہونے میں حی علی الصلاۃ سے زیادہ تاخیر نہ کریں۔

اگر اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جائیں کہ جس سے صف بندی - جو واجب ہے - درست ہو سکے، تو بہتر ہوگا؛ لہٰذا جو لوگ استوائے صفوف کا لحاظ کرتے ہوئے شروع ہی سے کھڑے ہو جائیں، ان پر لعن طعن کرنا اور برا بھلا کہنا حرام ہے۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال القرطبي: معناه تفترقون فيأخذ كل واحد وجها غير الذي أخذ صاحبه، لأن تقدم الشخص على غيره مظنة الكبر المفسد للقلب الداعي إلى القطيعة، ويقال: المراد من الوجه إما الذات فالمخالفة بحسب المقاصد، وإما العضو المخصوص، فالمخالفة إما بحسب الصورة الإنسانية وغيرها، وإما بحسب الصفة، وإما بحسب القدام والوراء. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العينى (م:۸۵۵ھ):۵/ ۲۵۳، رقم الحديث:۷۱۷، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

(۲) حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۲۱۵، باب صفة الصلاة.

(۳) تقدم تفصيله وتخريجه.

[۱۷] امام کی دائیں جانب کھڑے ہونے کی فضیلت

۸۰۴-سوال: بہت سے لوگ نماز میں امام کے پیچھے داہنی جانب کھڑے ہونے کا اہتمام کرتے ہیں، اس بارے میں کوئی فضیلت وارد ہوئی ہو، تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداو مصليا:

روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، تو اولاً امام پر، پھر اس صف پر، جو امام سے نزدیک ہوتی ہے، اس میں بھی پہلے دائیں جانب، پھر بائیں جانب۔ اسی تفصیل کے مطابق دوسری اور تیسری صف والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کو ۱۰۰ رنماز کا ثواب، اس کی دائیں جانب ۷۵ رنماز، بائیں جانب ۵۰ رنماز، اس کے بعد ہر ایک کو ۲۵ رنمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (مراقی الفلاح)[1] الغرض مختلف افراد امام کے پیچھے داہنی جانب زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وأفضل الصفوف أولها ثم الأقرب فالأقرب لما روى أن الله تعالى ينزل الرحمة أولا على الإمام ثم تتجاوز عنه إلى من يحاذيه في الصف الأول ثم إلى الميامن ثم إلى المياسر ثم إلى الصف الثاني، وروى عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: "تكتب للذي خلف الإمام بحذائه مائة صلاة وللذي في الجانب الأيمن خمسة وسبعون صلاة وللذي في الأيسر خمسون صلاة وللذي في سائر الصفوف خمسة وعشرون صلاة". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ)، ص:۱۱۶، باب الإمامة، "فصل: في" بيان "الأحق بالإمامة و" في بيان "ترتيب الصفوف"، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م:۹۷۰ھ): ۱/ ۳۷۵، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆رد المحتار على الدر المختار-ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م:۱۲۵۲ھ): ۱/ ۵۶۹، باب الإمامة، مطلب في الكراهة قيام الإمام في غير المحراب، ط: دار الفكر-بيروت)

عن أنس بن مالك، عن النبی -صلی الله علیه وسلم- قال: " من نسی صلاة فلیصل إذا ذکرها، لا کفارة لها إلا ذلك {وأقم الصلاة لذکری} [طه:۱۴] ". (متفق علیہ، بخاری شریف، حدیث نمبر: ۵۹۷، مسلم شریف: ۶۸۰)

باب إدراك الفرائض وقضاء الفوائت

[فرائض کو پانے اور فوت شدہ نماز کی قضا کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب إدراك الفرائض وقضاء الفوائت

[فرائض کو پانے اور فوت شدہ نماز کی قضا کا بیان]

[۱] امام صاحب کو رکوع میں پانے والا، رکعت کو پانے والا ہوگا

۸۰۵-سوال: ایک شخص جماعت میں ایسے وقت شریک ہوا، جب کہ امام صاحب رکوع میں تھے، شریک ہونے والا آدھے رکوع کے بہ قدر جھک سکا کہ امام صاحب رکوع سے اٹھنے لگے، تو کیا ایسی صورت میں وہ رکعت پانے والا شمار ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

مذکورہ صورت میں اگر پشت ٹیڑھی ہو چکی ہو، چاہے پوری ٹیڑھی نہ ہوئی ہو اور ہاتھ بھی گھٹنوں تک نہ پہنچے ہوں اور امام کے رکوع میں ہونے کی حالت میں ہی اس قدر جھک گیا ہو، تو وہ اس رکعت کا پانے والا شمار ہوگا، مگر پوری طرح رکوع میں جانے کے بعد ایک تسبیح کے بہ قدر ٹھہرنا واجب ہے؛ لہٰذا اگر امام کے کھڑے ہونے کے بعد رکوع میں اتنی مقدار ٹھہرا ہو، تو نماز درست ہوگی اور اگر تھوڑا ٹیڑھا ہونے (جھکنے) کے بعد مکمل رکوع کیے بغیر امام کے ساتھ کھڑا ہو گیا، تو واجب چھوڑنے کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔ (شامی جلد ۱، صفحہ: ۴۴۷)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ذكر الجلابي في صلاته أدرك الإمام في الركوع، فكبر قائما ثم شرع في الانحطاط، وشرع الإمام في الرفع، الأصح أن يعتد بها إذا وجدت المشاركة قبل أن يستقيم قائما وإن قل، هكذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۰، كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة، ط: زكريا- ديوبند☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۱۶-۵۱۷، كتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة، ط: زكريا- ديوبند)

[۲] مقتدی تکبیر تحریمہ کہہ کر قعدہ میں جا رہا ہو کہ امام سلام پھیر دے

۸۰۶–سوال: جماعت ہو رہی تھی، امام صاحب قعدۂ اخیرہ میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ بعد میں آنے والے شخص نے جماعت میں شامل ہونے کے ارادے سے تکبیر تحریمہ کہی، قیام کیا اور قعدہ میں بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ امام صاحب نے سلام پھیر دیا، تو کیا اس صورت میں بعد میں آنے والے شخص کو جماعت میں شامل سمجھا جائے گا؟ جماعت میں شمولیت کی آخری حد کیا ہے؟ مقتدی کا التحیات شروع کر دینا یا پھر قعدہ میں اطمینان سے بیٹھ جانا؟

الجواب حامداو مصلیا:

آنے والے شخص کی اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے امام کا نماز میں ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا اگر آنے والا شخص نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں داخل ہو گیا، تو اقتدا صحیح ہو گئی، قعدہ میں بیٹھنا ضروری نہیں ہے؛ لیکن اگر امام نے سلام شروع کیا اور مقتدی نے تکبیر پڑھی، تو اقتداء صحیح نہیں ہوگی اور مذکورہ تکبیر رد و باطل ہو جائے گی؛ کیوں کہ اقتدا کی نیت سے تکبیر کہی تھی اور اقتداء صحیح ہوئی نہیں؛ لہٰذا از سر نو تکبیر کہہ کر نماز کا آغاز کرے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] رکوع میں مقتدی کے ہاتھ گھٹنوں تک نہیں پہونچے تھے کہ امام کھڑا ہو گیا

۸۰۷–سوال: امام صاحب رکوع میں تھے، بعد میں آنے والے شخص نے تکبیر کہی اور امام کے ساتھ شامل ہونے کے لیے جھکے، ابھی ہاتھ گھٹنوں تک پہونچے تھے کہ امام رکوع سے کھڑے ہو گئے، تو کیا بعد میں آنے والا شخص رکعت پانے والا ہوگا؟ رکعت پانے کا معیار کیا ہے؟ ایک مرتبہ سبحان ربي العظيم کہنا یا جھک کر گھٹنوں تک ہاتھ پہنچانا؟

---

(۱) وتنقضي قدوة بالأول قبل عليكم على المشهور عندنا وعليه الشافعية. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وتنقضي قدوة بالأول) أي بالسلام الأول. قال في التجنيس: الإمام إذا فرغ من صلاته، فلما قال السلام، جاء رجل، واقتدى به قبل أن يقول عليكم، لا يصير داخلا في صلاته؛ لأن هذا سلام؛ ألا ترى أنه لو أراد أن يسلم على أحد في صلاته ساهيا، فقال السلام ثم علم فسكت تفسد صلاته. اهـ. رحمتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۶۸، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب لا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية، ط: دار الفكر)

الجواب حامدا و مصلیا:

رکوع اور رکعت مل جانے کا معیار مقتدی کا رکوع میں شامل ہو جانا ہے، سبحان اللہ پڑھنا معیار نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] دوران صلاۃ وضو ٹوٹ جائے اور مجمع کی زیادتی کی وجہ سے نکلنا دشوار ہو تو کیا کرے؟

۸۰۸-سوال: ایک شخص با جماعت نماز پڑھ رہا ہو، کسی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا، اب اگر وہ آدمی وضو کرنے کے لیے جائے گا، تو پیچھے بہت سی صفیں ہیں، جن کی وجہ سے اسے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، مثلاً اجتماع کا موقع ہے، تو ایسے وقت بوڑھے اور جوان آدمی کو کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

الجواب حامدا و مصلیا:

فرض نماز کی جماعت میں وضو ٹوٹ جائے، تو وضو کر کے جتنی نماز پڑھ چکا ہے، اس پر بناء کرنے کی اجازت ہے اور جماعت چھوٹنے کا اندیشہ ہو، تو بناء کرنا افضل ہے، تنہا نماز پڑھ رہا ہو، تو ایسی صورت میں استیناف (یعنی وضو کر کے از سر نو نماز پڑھنا) افضل ہے۔[2]

---

(۱) "ومن انتهى إلى الإمام في ركوعه فكبر ووقف حتى رفع الإمام رأسه لا يصير مدركا لتلك الركعة خلافا لزفر رحمه الله" هو يقول أدرك الإمام فيما له حكم القيام فصار كما لو أدركه في حقيقة القيام ولنا أن الشرط هو المشاركة في أفعال الصلاة ولم يوجد لا في القيام ولا في الركوع ". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۷۲ ، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

قوله: "أو لم يقف بل انحط بمجرد إحرامه فرفع الإمام رأسه" بحيث لم تتحقق مشاركته له فيه فإنه يصح اقتداؤه ولكنه لم يدرك الركعة حيث لم يدركه في جزء من الركوع قبل رفع رأسه منه . . . وقيل في مقدار تسبيحة، قال ابن أمير حاج: والأول أوجه، وقال الحلبي: هو الأصح؛ لأن الشرط المشاركة في جزء من الركوع، وإن قل، والحاصل أنه إذا وصل إلى حد الركوع قبل أن يخرج الإمام من حد الركوع فقد أدرك معه الركعة وإلا فلا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ)، ص: ۴۵۵، باب إدراك الفريضة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۶۰، باب إدراك الفريضة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) من سبقه حدث توضأ وبنى. كذا في الكنز. . . . والاستئناف أفضل. كذا في المتون وهذا في حق الكل عند بعض المشايخ، وقيل: هذا في حق المنفرد قطعا، وأما الإمام والمأموم إن كانا يجدان جماعة فالاستئناف أفضل =

صورت مسئولہ میں وضو کرنا فرض ہے، اگر سہولت کے ساتھ صف سے نکلنے کی کوئی صورت ہو، تو جا کر وضو کرلے اور جماعت میں شامل ہو کر بقیہ رکعتیں مکمل کرے، اگر یہ ممکن نہ ہو، تو بہتر ہے کہ وہاں تیمم کر کے نماز کی صورت قائم رکھے، پھر جیسے ہی جگہ ملے، وضو کر کے فرض نماز کو لوٹا لے۔ (شامی جلد ۱، صفحہ ۲۴۲)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] فدیہ صلاۃ اپنی بہن یا بھانجی کو دینا

۸۰۹-سوال: زید اپنی والدہ کا فدیہ صلاۃ ادا کر رہا ہے، تو کیا یہ فدیہ وہ اپنی بہن یا بھانجی کو دے سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

=أيضا، وإن كانا لا يجدان فالبناء أفضل صيانة لفضيلة الجماعة، وصحح هذا في الفتاوى كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ١/ ٩٣، كتاب الصلاة، الباب السادس في الحدث في الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(وإذا ساغ له البناء توضأ) فورا بكل سنة (وبنى على ما مضى) بلا كراهة (ويتم صلاته ثمة) وهو أولى تقليلا للمشي (أو يعود إلى مكانه) ليتحد مكانها (كمنفرد) فإنه مخير، وهذا كله (إن فرغ خليفته وإلا عاد إلى مكانه) حتما لو بينهما ما يمنع الاقتداء (كالمقتدي إذا سبقه الحدث). [الدر المختار]

قال ابن عابدين: (قوله توضأ) أي إن وجد ماء وإلا تيمم، كما يعلم من قولهم في التيمم أعيد ولو بناء رملي. قلت: بل صرح به في البدائع هنا، وقال لأن ابتداء الصلاة بالتيمم جائز فالبناء أولى، فإن تيمم ثم وجد الماء، فإن وجده بعدما عاد إلى مقامه استقبل، وإن قبله في الطريق فالقياس كذلك. وفي الاستحسان يتوضأ ويبني. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٦٠٥-٦٠٦، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف، ط: دار الفكر)

(١) وحاصله ما ذكره القهستاني بقوله: إن سبق الحدث في المصلي قبل الصلاة، فإن رجا إدراك شيء منها بعد الوضوء لا يتيمم؛ وإن شرع، فإن خاف زوال الشمس تيمم بالإجماع، وإلا فإن رجا إدراكه لا يتيمم، وإلا فإن شرع به تيمم إجماعا، وإن شرع بالوضوء فكذلك عنده خلافا لهما. اهـ وهو محمول على ما إذا خاف خروج الوقت إذا ذهب يتوضأ وإلا فلا بد من الوضوء لأمن الفوات، لأنه يمكنه إكمال صلاته بعد سلام إمامه تأمل، وقد اقتصروا في تصوير مسألة البناء على صلاة العيد، وذكر في الإمداد أنه ليس للاحتراز عن الجنازة؛ لأن العلة فيهما واحدة. (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٢٤٢، كتاب الطهارة، باب التيمم، سنن التيمم، ط: دار الفكر)

نوٹ: مذکورہ فقہی جزئیہ ان نمازوں کے لیے ہے، جن کے فوت پر کوئی بدل موجود نہ ہو، جیسا کہ خط کشیدہ عبارت سے واضح ہے، صورت مسئولہ میں جماعت کی فضیلت فوت ہو رہی ہے، خیال ہوتا ہے کہ مذکورہ جزئیہ پر قیاس کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ایسا شخص تیمم کر کے نماز پڑھ لے یا نماز پڑھنے کی صورت بنا لے، بعد میں اس کا اعادہ کرلے۔

الجواب حامداً ومصلیا:

اگر والدہ کے حکم سے یا وصیت کی بنا پر والدہ کے مال میں سے فدیہ ادا کر رہا ہے، تو وہ اپنی بہن کو نہیں دے سکتا، اگر ورثاء تبرعاً اپنی جانب سے فدیہ ادا کریں، تو بہن یا بھانجی کو دینا صحیح ہے۔ (رد المحتار ۳/ ۳۴۵)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] کیا مغرب کی نماز میں مسبوق کے لیے تین قعدے ہو سکتے ہیں؟

۸۱۰-سوال: زید کا کہنا ہے کہ اگر کسی کو امام کے ساتھ کسی بھی نماز میں ایک رکعت ملی ہو، تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو، تو ایک رکعت کے بعد قعدہ کرنا ضروری ہے چاہے مغرب میں تین قعدہ ہوتے ہوں، تو کیا زید کا ایسا کہنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

زید کا کہنا صحیح ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہی ہے، نیز علماء کا عمل بھی اسی پر ہے، البتہ اگر مسبوق پہلی رکعت میں نہیں بیٹھا، دوسری رکعت پر بیٹھا، تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ اور مسبوق کے لیے پہلی دو باقی ماندہ (چھوٹی ہوئی) رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ ملانا واجب ہے۔ (شامی)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] مصرف الكفارة مصرف الفطرة وهو أي مصرف الفطرة مصرف الزكاة. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۴/ ۱۱۶، كتاب الطلاق، باب الظهار، فصل في كفارة الظهار، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(قوله وأصله، وإن علا وفرعه، وإن سفل) بالجر أي لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده، وإن علا، ولا إلى ولده وولد ولده، وإن سفل؛ ... وفيه إشارة إلى أن هذا الحكم لا يخص الزكاة بل كل صدقة واجبة لا يجوز دفعها لهم كأحد الزوجين كالكفارات وصدقة الفطر والنذور، وقيد بأصله وفرعه؛ لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء. (البحر الرائق: ۲/ ۲۶۲، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) (والمسبوق -من سبقه الإمام بها أو ببعضها- وهو منفرد) حتى يثني ويتعوذ ويقرأ... (فيما يقضيه) أي بعد متابعته لإمامه، ... ويقضي أول صلاته في حق قراءة، وآخرها في حق تشهد؛ فمدرك ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة وسورة وتشهد بينهما، وبرابعة الرباعي بفاتحة فقط. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ويقضي أول صلاته في حق قراءة إلخ) هذا قول محمد كما في مبسوط السرخسي، وعليه اقتصر في الخلاصة وشرح الطحاوي والإسبيجابي والفتح والدرر والبحر وغيرهم وذكر الخلاف كذلك في السراج لكن في صلاة الجلابي أن هذا قولهما وتمامه في شرح إسماعيل. وفي الفيض عن المستصفى: لو أدركه=

[۷] نماز میں شریک ہونے والا نو وارد کب رکعت کا پانے والا شمار کیا جائے گا؟

۸۱۱-سوال: مقتدی تکبیر کہہ کر رکوع میں گیا، اور امام نے سر اٹھالیا یعنی امام صاحب رکوع سے اٹھ گئے؛ البتہ صف اول کے مقتدی ابھی رکوع میں ہیں، تو رکعت پانا (ملنا) شمار ہوگا یا نہیں؟

یعنی امام کو تو اس شخص نے رکوع میں نہیں پایا، البتہ بعض مقتدی ابھی رکوع میں تھے، تو ایسی صورت میں اس کی وہ رکعت شمار کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مقتدی کے آگے کوئی صف ہو اور اس صف کے مقتدی ابھی رکوع ہی میں ہوں، خواہ امام نے رکوع سے سر اٹھالیا ہو، شریک ہونے والے شخص کو رکعت مل گئی۔ (عینی شرح بخاری: ۵/ ۵۰)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= في ركعة الرباعي يقضي ركعتين بفاتحة وسورة ثم يتشهد ثم يأتي بالثالثة بفاتحة خاصة عند أبي حنيفة. وقالا: ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين أولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة اهـ.

وظاهر كلامهم اعتماد قول محمد (قوله وتشهد بينهما) قال في شرح المنية: ولو لم يقعد جاز استحسانا لا قياسا، ولم يلزمه سجود السهو لكون الركعة أولى من وجه. اهـ.(رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۹۶ - ۵۹۷، باب الإمامة، فروع اقتداء متنفل بمتنفل ومن يرى الوتر واجبا بمن يراه سنة، مطلب في أحكام المسبوق والمدرك اللاحق، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۵۶۵، كتاب الصلاة، حكم المسبوق، ط: زكريا - ديوبند)

(۱) وإذا انتهى إلى الصف الآخر ولم يرفعوا رؤوسهم، أو بقي منهم واحد لم يرفع رأسه، وقد رفع الإمام رأسه، فإنه يركع وقد أدرك الصلاة؛ لأن الصف الذي هو فيه إمامه. وقال ابن أبي ليلى وزفر والثوري: إذا كبر قبل أن يرفع الإمام رأسه فقد أدرك، وإن رفع الإمام قبل أن يضع يديه على ركبتيه، فإنه لا يعتد بها. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۵/ ۵۰، كتاب مواقيت الصلاة، باب من أدرك ركعة من العصر قبل الغروب، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ، ایک غیر مفتیٰ بہ قول پر مبنی ہے؛ جمہور احناف کے نزدیک نماز میں شریک ہونے والے شخص کی رکعت، اسی وقت شمار کی جائے گی، جب کہ کم از کم رکوع میں امام کے ساتھ اس کی مشارکت پائی جائے، خواہ وہ ادنیٰ درجے کی ہی کیوں نہ ہو، اس کے بغیر اس رکعت کا وہ پانے والا شمار نہیں کیا جائے گا، جس میں وہ شریک ہوا ہے:

(ولو اقتدى بإمام راكع فوقف حتى رفع الإمام رأسه لم يدرك) المؤتم (الركعة) لأن المشاركة في جزء من الركن شرط ولم توجد فيكون مسبوقا فيأتي بها بعد فراغ الإمام. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله فوقف) وكذا لو لم يقف بل انحط فرفع الإمام قبل ركوعه لا يصير مدركا لهذه الركعة مع الإمام فتح. ويوجد في=

باب قضاء الفوائت

[۸] فدیۂ صوم کی طرح زندہ آدمی کا فدیۂ صلاۃ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۸۱۲-سوال: زید اپنی والدہ - جو کہ عجوزۂ فانیہ (بہت زیادہ بوڑھی) ہیں - کی طرف سے صوم وصلاۃ کا فدیہ ادا کرنا چاہتا ہے، تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فدیۂ صلاۃ نہیں دے سکتے: **ولو فدى عن صلاته في مرضه لا يصح بخلاف الصوم.** (درمختار)[۱]

اور اُس کو علامہ شامیؒ نے عقلی ونقلی دلائل سے مؤید بھی فرمایا ہے۔[۲] اس لیے اُمید ہے کہ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

= بعض النسخ: فوقف بلا عذر أي بأن أمكنه الركوع فوقف ولم يركع، وذلك لأن المسألة فيها خلاف زفر، فعنده إذا أمكنه الركوع فلم يركع أدرك الركعة لأنه أدرك الإمام فيما له حكم القيام. ـــــــ (قوله لأن المشاركة) أي أن الاقتداء متابعة على وجه المشاركة ولم يتحقق من هذا مشاركة لا في حقيقة القيام ولا في الركوع فلم يدرك معه الركعة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۶۰، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون كراهة أو أفحش، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱] الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۷۳، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، ط: دار الفكر.

(۲) (قوله ولو فدى عن صلاته في مرضه لا يصح) في التتارخانية عن التتمة: سئل الحسن بن علي عن الفدية عن الصلاة في مرض الموت هل تجوز؟ فقال لا. وسئل أبو يوسف عن الشيخ الفاني هل تجب عليه الفدية عن الصلوات كما تجب عليه عن الصوم وهو حي؟ فقال لا. اهـ. وفي القنية: ولا فدية في الصلاة حالة الحياة بخلاف الصوم. اهـ.

أقول: ووجه ذلك أن النص إنما ورد في الشيخ الفاني أنه يفطر ويفدي في حياته، حتى إن المريض أو المسافر إذا أفطر يلزمه القضاء إذا أدرك أياما أخر وإلا فلا شيء عليه، فإن أدرك ولم يصم يلزمه الوصية بالفدية عما قدر، هذا ما قالوه، ومقتضاه أن غير الشيخ الفاني ليس له أن يفدي عن صومه في حياته لعدم النص ومثله الصلاة؛ ولعل وجهه أنه مطالب بالقضاء إذا قدر، ولا فدية عليه إلا بتحقيق العجز عنه بالموت فيوصي بها، بخلاف الشيخ الفاني فإنه تحقق عجزه قبل الموت عن أداء الصوم وقضائه فيفدي في حياته، ولا يتحقق عجزه عن الصلاة لأنه يصلي بما قدر ولو موميا برأسه، فإن عجز عن ذلك سقطت عنه إذا كثرت، ولا يلزمه قضاؤها إذا قدر كما سيأتي في باب صلاة المريض، وبما قررنا ظهر أن قول الشارح بخلاف الصوم أي فإن له أن يفدي عنه في حياته خاص بالشيخ الفاني تأمل. (رد المحتار: ۲/۷۳، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے کہ نمازوں کا فدیہ آدمی کی زندگی میں دینا جائز نہیں ہے، فتاویٰ عالم گیری میں ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مرض الموت میں نمازوں کے فدیہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا یہ جائز ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

نیز امام ابو یوسف اور امام محمدؒ سے شیخ فانی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اُس پر نماز کا فدیہ واجب ہے یا نہیں؟ جس طرح کہ روزوں کا فدیہ اُس کی زندگی میں واجب ہوتا ہے، تو فرمایا کہ نہیں۔ کذا فی التاتارخانیۃ۔ (عالم گیری)[1]

علامہ شامیؒ اور علامہ حصکفیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے؛ کیوں کہ نماز اشارہ سے بھی پڑھنا فرض ہے، اگر اشارہ سے بھی پڑھنے کی قدرت نہ ہو، تو ساقط ہو جاتی ہے، شیخ فانی اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے، اور جب تک زندہ ہے، احتمال ہے کہ اشارہ سے نماز پڑھنے پر قادر ہو جائے، اس لیے نمازوں کا فدیہ زندگی میں واجب نہیں ہوگا، اور دینا جائز بھی نہیں ہے۔[2] ہاں، اُس کے مرنے کی وجہ سے جب عجز متحقق ہو چکا اور اس نے وصیت کی ہو، تو ایک تہائی میں سے ادا کرنا واجب ہے، اور اگر وصیت نہیں کی ہے اور ورثاء اپنی جانب سے تبرعاً ادا کر دیں، تو جائز ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۲۵)[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ۔

---

[۱] وفي اليتيمة سئل الحسن بن علي - رضي الله تعالى عنه - عن الفدية عن الصلوات في مرض الموت هل يجوز فقال: لا، وسئل حمير الوبري وأبو يوسف بن محمد عن الشيخ الفاني هل تجب عليه الفدية عن الصلوات كما تجب عليه عن الصوم وهو حي فقال: لا، كذا في التتارخانية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۵، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) دیکھیے: اسی سوال کا حاشیہ نمبر ۲۔

[۳] إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بأن تعطى كفارة صلواته يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله . . . وفي فتاوى الحجة وإن لم يوص لورثته وتبرع بعض الورثة يجوز. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۵، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، ط: دار الفكر - بيروت☆ البحر الرائق: ۲/ ۱۹۰، باب قضاء الفوائت، ط: دار الكتاب - ديوبند☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۳۲، باب قضاء الفوائت، ط: زكريا - ديوبند☆ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۱۱۳، فصل في الترتيب و قضاء المتروكات، ط: زكريا - ديوبند)

[۹] خروج وقت کے بعد اذان کہہ کر باجماعت نماز پڑھنا

۸۱۳-سوال: اگر کسی مسجد میں گھڑی بگڑ گئی ہو، وقت کا کچھ پتہ نہ چل سکے اور ظہر کی نماز کا وقت نکل جائے، اس (خروج وقت) کے بعد اذان دے کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصليا:

اذان اور اقامت کہہ کر نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کا طریقہ

۸۱۴-سوال: میرے ذمے دو سال کی نمازیں باقی ہیں، میں اب ان کی قضا کرنا چاہتا ہوں، کس طرح قضا کروں؟ تفصیلی بیان فرمائیں۔

الجواب حامداومصليا:

اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ قضا کرتے وقت یہ نیت کرلیجیے کہ میں پہلے سال کے پہلے مہینے یعنی: جنوری کی پہلی تاریخ کی چھوٹی ہوئی فجر کی نماز کی قضا کرتا ہوں، پھر ظہر کی، پھر عصر کی، پھر مغرب کی اور پھر عشاء کی، اس طرح روزانہ نمازوں کی قضا کرتے جائیں اور ایک ڈائری میں یادداشت کے لیے لکھتے بھی جائیں؛ اگر یہ طریقہ مشکل معلوم ہو، تو یہ نیت کرلیں کہ میرے ذمہ سب سے پہلی فجر کی جو نماز چھوٹی ہوئی ہے، میں اس کی قضا کرتا ہوں، اس کے بعد ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی اسی طرح قضا کرتے جائیں؛

(۱) قال عبد الله: إن المشركين شغلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أربع صلوات يوم الخندق، حتى ذهب من الليل ما شاء الله، فأمر بلالا فأذن، ثم أقام فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر، ثم أقام فصلى المغرب، ثم أقام فصلى العشاء. (سنن الترمذي: ۱/ ۴۳، رقم الحديث: ۱۷۹، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ، ط: ديوبند)

(قوله: وكذا الأولى الفوائت وخير فيه للباقي) أي في الأذان إن شاء أذن وإن شاء تركه لما روى أبو يوسف بسنده: أنه - صلى الله عليه وسلم - حين شغلهم الكفار يوم الأحزاب عن أربع صلوات عن الظهر والعصر والمغرب والعشاء قضاهن على الولاء وأمر بلالا أن يؤذن ويقيم لكل واحدة منهن، ولأن القضاء على حسب الأداء. (البحر الرائق: ۱/ ۲۷۶، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب الإسلامي)

اور روزانہ اسی نیت سے قضاء کرتے جائیں؛ کیوں کہ جب سب سے پہلے چھوٹی ہوئی نماز قضا ہو جائے گی، تو لامحالہ اس کے بعد والی نماز سب سے پہلی ہی رہے گی؛ اس لیے نیت یہی کریں کہ میرے ذمے چھوٹی ہوئی نمازوں میں سے جو سب سے پہلی نماز ہے میں اس کی قضا کرتا ہوں، اس طرح ہر نماز کے وقت میں اگر دو دو نمازوں کی قضا کی جائے گی، تو پانچ سال میں دس سال کی نمازوں کی قضا مکمل ہو جائے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) كثرت الفوائت نوى أول ظهر عليه أو آخره... فإن أراد تسهيل الأمر، يقول أول فجر مثلا، فإنه إذا صلاه يصير ما يليه أولا أو يقول آخر فجر، فإن ما قبله يصير آخرا، ولا يضره عكس الترتيب لسقوطه بكثرة الفوائت. وقيل لا يلزمه التعيين أيضا (رد المحتار: ۷۶/۲، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ط: دار الفكر)

ولو نوى أول ظهر عليه أو آخر ظهر عليه جاز وهذا هو المخلص لمن لم يعرف الأوقات الفائتة أو اشتبهت عليه أو أراد التسهيل على نفسه. (الاشباه و النظائر- ابن نجيم المصري(م: ۹۷۰هـ): ۳۶، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، الثالث في بيان تعيين المنوي وعدمه، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

قال اللہ تعالی: {وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ} [۷۴-المدثر:۴]

وقال اللہ تعالی: {وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوا} [۵-المائدۃ:۶]

تطهير النجاسة من بدن المصلى وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب. هكذا فى الزاهدى فى باب الأنجاس. (عالمگیری:۱/۵۸)

باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها

[مفسدات ومکروہات کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا

[مفسدات ومکروہات کا بیان]

[۱] ناپاک کپڑا مصلّٰی پر رکھ کر نماز پڑھنا

۸۱۵-سوال: ناپاک کپڑا رومال میں لپیٹ کر مصلی پر رکھ دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے، تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کپڑا نمازی کے بدن سے مس نہ ہو رہا ہو اور نہ ہی نمازی سجدہ میں جاتے ہوئے اس پر ہاتھ یا سر رکھے، تو نماز صحیح ہو جائے گی؛ لیکن احتیاط بہتر ہے۔[1] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۲] لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھانا

۸۱۶-سوال: سلام مسنون کے بعد عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں ایک مسجد میں جمعہ کی نماز لاؤڈ اسپیکر میں پڑھائی جاتی ہے، جب کہ جماعت خانہ نمازیوں سے مکمل پر نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت

(۱) قال اللہ تعالی: {وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ} [۷۴-المدثر: ۴] وقال اللہ تعالی: {وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا} [۵-المائدۃ: ۶]
تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس.
(الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۸، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: بيروت ☆ الهداية: ۱/ ۴۵، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/ ۴۶، كتاب الصلاة، باب شروط صحة الصلاة، ط: المطبعة الخيرية)

کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب نماز میں بھیڑ زیادہ ہو اور امام کی آواز آخری صف تک نہ پہنچ پاتی ہو، تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک یا زیادہ مکبر متعین کر کے نماز ادا کی جائے، موجودہ زمانہ میں اس ضرورت کو لاؤڈ اسپیکر سے حاصل کیا جا سکتا ہے، کہ اس کے استعمال کی گنجائش ہے؛ لیکن صورت مسئولہ میں جب کہ مصلی جماعت خانہ میں زیادہ نہیں ہیں، بلا ضرورت لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا مکروہ ہوگا۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا حکم

۸۱۷-سوال: کیا امام کے لیے فرض نماز اور تراویح کی نماز مائیک کے ذریعے پڑھانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

علماء نے لکھا ہے کہ قرآن شریف ضرورت کے بہ قدر آواز سے زیادہ بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے۔ (شامی جلد ۱: صفحہ ۴۹۷) [۲] اس لیے اگر مقتدی اس قدر زیادہ ہوں کہ امام کی آواز، ان تمام تک نہ پہنچتی ہو، تو گنجائش ہے، ورنہ مکروہ ہے؛ البتہ احتیاط استعمال نہ کرنے میں ہے۔

اس لیے کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے جو آواز بلند ہوتی ہے، وہ قائل کی اصل آواز

---

(۱) کیوں کہ اس میں مال وقف کا اسراف ہے، حالاں کہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے مسجد میں روشنی کے لیے چراغ دیا ہو، تو اس کا بہ قدر ضرورت استعمال جائز ہے، پوری رات جلانا جائز نہیں ہے:

ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي - صلى الله عليه وسلم - والمسجد الحرام، أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۴۵۹، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۵/ ۴۲۰، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ط: دار الكتاب - ديوبند)

[۲] (ويجهر الإمام) وجوبا بحسب الجماعة، فإن زاد عليه أساء. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله فإن زاد عليه أساء) وفي الزاهدي عن أبي جعفر: لو زاد على الحاجة فهو أفضل، إلا إذا أجهد نفسه أو آذى غيره قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۳۲، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر - ديوبند)

نہیں ہوتی ہے، بل کہ اصل آواز ختم ہوجاتی ہے، اور جو آواز سنائی دیتی ہے، وہ صدائے بازگشت ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو، تو اس سے نماز فاسد ہوجائے گی؛ چوں کہ اس کے استعمال کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے۔ (البتہ تحقیق یہ ہے کہ لاؤڈاسپیکر سے سنائی دینے والی آواز صدائے بازگشت نہیں؛ بل کہ متکلم کی اصل آواز ہے، آلۂ مکبر الصوت اس آواز کو صرف بلند کردیتا ہے) اس لیے استعمال نہ کرنا بہتر ہے، تاہم ضرورت کے موقع پر استعمال کرے، تو جائز ہے، بلاضرورت استعمال کرے، تو مکروہ ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] بلاضرورت نماز میں لاؤڈاسپیکر کا استعمال

۸۱۸-سوال: ایک گاؤں میں نمازیوں کی تین چار صفیں ہوتی ہیں، امام کی آواز نمازی حضرات کو واضح طریقے سے سنائی دیتی ہے، اس کے باوجود محض شوقیہ بلا کسی ضرورت کے وہاں لاؤڈاسپیکر (مائیک) کا استعمال کیا جاتا ہے، مائیک پر تراویح اور نماز وغیرہ پڑھائی جاتی ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

نماز میں مائیک کے استعمال کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، اس پر بہت سی کتابیں بھی چھپ چکی ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت کے وقت مائیک استعمال کرنے کی اجازت ہے؛ بلاضرورت مکروہ ہے۔[۱]

---

(۱) اختلف في الصوت الذي يخرج من مكبر الصوت هل هو صوت المتكلم وتلك الآلة ترفعه وتجهره أم هو صدى، وأصل صوت المتكلم يختتم وينعدم في الآلة؟ وأكثر مشتهرة هذا الفن على الأول، فتجوز الصلاة بتلك الآلة على قولهم، وهو الراجع عند أكثر أهل العلم، فصوت الخطيب بتلك الآلة يصل إلى السامعين ويتأدى الفرض. وأما الأذان بتلك الآلة، فلا اشكال فيه، ومع هذا لا ينبغي استعمال هذه الآلة في الصلاة من غير حاجة، بأن يصل صوت الإمام إلى الحاضرين بلا تكلف، فإن الصلاة على هيئة القديمة أحسن وأقرب. (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۴۸، نماز میں لاؤڈاسپیکر کا استعمال، ط: اشرفی-دیوبند)

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جدید تحقیقات کے نتیجے میں یہ ظاہر ہوا ہے کہ آلۂ مکبر الصوت سے سنی ہوئی آواز متکلم کی اصلی آواز ہوتی ہے، جس کی وجہ سے فساد نماز کی اصل بنیاد ہی منہدم ہوگئی۔ (آلات جدیدہ، ص: ۳۲، مقدمہ طبع ثالث، ادارۃ المعارف-کراچی ☆ امداد الفتاویٰ: ۱/ ۷۰۹ ضمیمہ، بابت مسئلہ مکبر الصوت، ط: دار العلوم-کراچی)

[۲] (وجهر الإمام بالتكبير) بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال. وكذا بالتسميع والسلام. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: ... والزائد على قدر الحاجة كما هو مكروه للإمام يكره للمبلغ. ـــــ وفي حاشية أبي السعود: واعلم أن التبليغ عند عدم الحاجة إليه بأن بلغهم صوت الإمام مكروه. وفي السيرة الحلبية: اتفق الأئمة الأربعة على أن التبليغ حينئذ بدعة منكرة أي مكروهة وأما عند الاحتياج إليه فمستحب. (رد المحتار على الدر المختار: =

جب آپ کے گاؤں کی مسجد میں صرف تین یا چار صف ہوتی ہیں، تو محض دکھلاوے کے لیے مائیک کا استعمال کرنا جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے، کہ اس میں وقف کے مال کا اسراف لازم آتا ہے، جو ناجائز ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] نماز اور لاؤڈ اسپیکر

۸۱۹-سوال: نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں بڑی مسجد میں جمعہ کے دن نمازیوں کی خاصی تعداد رہتی ہے، جس کی وجہ سے بغیر لاؤڈ اسپکر کے امام صاحب کی آواز باہر تمام مقتدیوں تک نہیں پہونچتی ہے، تو کیا اس صورت میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شروع میں جب لاؤڈ اسپیکر وجود میں آیا، تو مفتیان کرام کے دو گروہ تھے، سہارن پور کے علماء کا فتویٰ تھا کہ جائز نہیں ہے۔[۲] اور دیوبند کے علماء کا فتویٰ تھا کہ جائز ہے۔[۳] حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم: پاکستان) اس زمانہ میں دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے، اس وقت انہوں نے بڑی تحقیق کے ساتھ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔[۴] اسی وقت سے عام مسلمان اس پر عمل کرتے آرہے ہیں۔

اسی طرح حرم شریف میں بھی نماز لاؤڈ اسپیکر میں ہوتی ہے؛ لیکن بعض علماء، احتیاط کی وجہ سے پرہیز کرتے چلے آئے ہیں، چناں چہ مجمع زیادہ ہو، تو لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر امام کی آواز تمام مقتدیوں کو پہنچ جاتی ہو، تو بلا ضرورت لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ مسئلہ ہے

=۱/ ۴۷۵، کتاب الصلاۃ، واجبات الصلاۃ، مطلب في التبليغ خلف الإمام، ط: دار الفكر - بيروت)
قد تقدم شرح المسئلة وتخريجها تحت عنوان: لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھانا اور ☆ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا حکم۔

(۱) إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿۲۷﴾ (۱۷- الإسراء: ۲۷)

(۲) آلات جدیدہ کے شرعی احکام: ص ۱۱، ط: کتب خانہ قاسمی، دیوبند۔

(۳) حوالہ سابق: ص ۱۰۔

(۴) حوالہ سابق: ص ۵۷۔

کہ امام کے لیے بھی خود اپنی آواز ضرورت سے زیادہ بلند کرنا مکروہ ہے۔[۴]

خلاصہ یہ ہے کہ فرض نماز کی جماعت میں اگر لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت ہو، تو جائز ہے، البتہ لاؤڈ اسپیکر کو پہلے ٹھیک کر لینا ضروری ہے، نماز میں یا نماز کے شروع ہوتے وقت شور وغل کا ہونا اچھی بات نہیں ہے (آلات جدیدہ-حضرت مفتی محمد شفیع صاحب)[۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۶] سجدہ میں پیر کا انگوٹھا اٹھ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے

۸۲۰-سوال: ہمارے یہاں ایک مسئلہ پیش آیا ہے، اس کا جواب عنایت فرما کر مہربانی فرمائیں، مسئلہ یہ ہے کہ: نماز میں سجدہ کی حالت میں یا کسی اور حالت میں پیر کا انگوٹھا اٹھ جائے، تو کیا اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ ہمارے گاؤں کے ایک مولانا صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، ان کی یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز کی صحت کے لیے سجدہ شرط ہے اور سجدہ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ دونوں پیروں کی انگلیوں میں سے کوئی ایک انگلی تھوڑی دیر کے لیے زمین پر لگ جائے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ان مولانا صاحب کا کہنا صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا دائیں یا بائیں پیر میں سے کوئی

---

[۴] (وجهر الإمام بالتكبير) بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال. وكذا بالتسميع والسلام. (الدر المختار)
قال ابن عابدين: . . . والزائد على قدر الحاجة كما هو مكروه للإمام يكره للمبلغ. ــــــ وفي حاشية أبي السعود: واعلم أن التبليغ عند عدم الحاجة إليه بأن بلغهم صوت الإمام مكروه. وفي السيرة الحلبية: اتفق الأئمة الأربعة على أن التبليغ حينئذ بدعة منكرة أي مكروهة وأما عند الاحتياج إليه فمستحب. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۷۵، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، ط: دار الفكر - بيروت)

(۵) نوٹ: لاؤڈ اسپیکر (Loud speaker) سے نماز کے جواز وعدم جواز کا اختلاف درحقیقت ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے کہ کہ لاؤڈ اسپیکر (Loud speaker) کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے یا آواز متکلم کا غیر ہے، علماء سہارن پور کی تحقیق یہ تھی کہ آلہ مکبر الصوت کی آواز متکلم کی آواز کا غیر ہے اور علماء دیو بند اور مفتی اعظم پاکستان کی تحقیق یہ تھی کہ آلہ مکبر الصوت (Loud speaker) کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے؛ مگر یہ اختلاف عہد قدیم کا ہے اب یہ مسئلہ متفق علیہ ہوگیا ہے اور ہر ایک کے یہاں لاؤڈ اسپیکر سے نماز درست ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: آلات جدیدہ کے شرعی احکام، از: حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ)

ایک پیر کا انگوٹھا زمین پر ٹک جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔[1] (درمختار و شامی: ۱/۴۱۶)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] بہ حالت سجدہ پاؤں کی انگلیوں کا زمین سے اٹھا لینا

۸۲۱-سوال: نماز میں بہ حالت سجدہ، دونوں پیر زمین سے اونچا کرنے کے متعلق درج ذیل دو مسئلوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) اگر کوئی انسان بہ حالت سجدہ دونوں پاؤں کی انگلیوں کو ایک سیکنڈ کے لیے زمین سے اٹھا لے تو کیا اس کی نماز درست ہو جائے گی؟

(۲) کوئی انسان دونوں سجدوں میں دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر تھوڑی دیر کے لیے بھی نہ رکھے، تو کیا اس کا سجدہ ادا ہوگا؟

الجواب حامداو مصلیا:

دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر رکھنا ضروری ہے، اگر بالکل ہی نہ رکھے، تو نماز ادا نہ ہوگی اور اگر صرف ایک پاؤں کی انگلیاں رکھے، تو نماز مکروہ ہوگی۔

اگر دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر رکھنے کے بعد اٹھا لی، تو اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی مقدار رکھنے کے بعد اٹھائی ہے، تو نماز جائز ہوگی اور اگر اتنی مقدار سے کم ہو، تو نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔ (عالم گیری جلد ۱، صفحہ ۴۱)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وخرج أيضا بقولنا: "مما لا سخرية فيه" ما إذا رفع قدميه في السجود، فإنه لا يصح؛ لأن السجود مع رفعهما بالتلاعب أشبه منه بالتعظيم والإجلال، ويكفيه وضع أصبع واحدة فلو لم يضع الأصابع أصلا، ووضع ظهر القدم فإنه لا يجوز؛ لأن وضع القدم بوضع الأصبع، وإذا وضع قدما ورفع آخر، جاز مع الكراهة من غير عذر، كما أفاده قاضي خان، وذهب شيخ الإسلام إلى أن وضعهما سنة، فتكون الكراهة تنزيهية، والأوجه على منوال ما سبق هو الوجوب، فتكون الكراهة تحريمية لما سبق من الحديث، وذكر القدوري أن وضعهما فرض، وهو ضعيف. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م:۹۷۰ھ):۱/۳۳۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] رد المحتار على الدر المختار:۱/۴۴۷، كتاب الصلاة، بحث الركوع والسجود، ط: دار الفكر-ديوبند.

(۱) ولو سجد ولم يضع قدميه على الأرض لا يجوز، ولو وضع إحداهما جاز مع الكراهة إن كان بغير عذر. كذا في شرح منية المصلي لابن أمير الحاج، ووضع القدم بوضع أصابعه، وإن وضع أصبعا واحدة، فلو وضع ظهر القدم=

[۸] سجدہ کی حالت میں پاؤں اٹھالینا

۸۲۲-سوال: ''اگر کوئی شخص نماز میں تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کے بہ قدر سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھالے، تو نماز فاسد ہوجائے گی، اور دو مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی مقدار ہو، تو درست جائے گی''۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

نماز کے سجدہ میں دونوں پاؤں زمین پر رکھنا فرض ہے، اگر پاؤں بالکل نہ رکھے، تو نماز نہیں ہوگی اور اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی بہ قدر رکھ کر اٹھالے، تو نماز ہوجائے گی، خواہ تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی بہ قدر یا اس سے زیادہ دیر تک اٹھائے ہوئے ہو، البتہ پورے سجدہ میں پاؤں زمین پر رکھنا بہتر ہے۔ (درمختار، البحرالرائق)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] نماز میں گرم ٹوپی وغیرہ سے پیشانی ڈھانک کر سجدہ کرنا

۸۲۳-سوال: ایک شخص نماز میں سردی کے موسم میں گرم ٹوپی یا مفلر (گلوبند) باندھے ہوئے ہو، جس کی وجہ سے اس کی پیشانی ڈھک [چھپ] جاتی ہو، تو اس حال میں اس کا سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟

=دون الأصابع بأن كان المكان ضيقا، إن وضع إحداهما دون الأخرى تجوز صلاته، كما لو قام على قدم واحدة. كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۰، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار: ۱/ ۴۹۹، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر)

[۱] (ومنها السجود) بجبهته وقدميه، ووضع إصبع واحدة منهما شرط. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله وقدميه) يجب إسقاطه لأن وضع إصبع واحدة منهما يكفي كما ذكره بعد ح. وأفاد أنه لو لم يضع شيئا من القدمين لم يصح السجود. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۴۷، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، ط: دار الفكر)

ويكفيه وضع أصبع واحدة، فلو لم يضع الأصابع أصلا، ووضع ظهر القدم فإنه لا يجوز. (البحر الرائق: ۱/ ۵۵۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: سجدہ میں پیر کا انگوٹھا اٹھ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے ☆ بہ حالت سجدہ پاؤں کی انگلیوں کا زمین سے اٹھالینا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سجدہ کا معنیٰ زمین پر پیشانی کو جمانا ہے۔[1] جب سجدے میں پیشانی اور ناک کو رکھ لیا، اگر چہ ٹوپی پہننے کی حالت میں ہو اور پیشانی اچھی طرح زمین پر جم گئی تو سجدہ ادا ہو گیا۔

اُس لیے اگر ٹوپی یا مفلر باندھنے کی حالت میں پیشانی جم جاتی ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، نماز ہو جائے گی، تاہم بہتر ہے کہ وہ گرم ٹوپی یا مفلر پیشانی سے اوپر ہی رکھے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) سجد: (أبو عبيد عن أبي عمرو): أسجد الرجل إذا طأطأ رأسه وانحنى، وسجد إذا وضع جبهته بالأرض. (تهذيب اللغة- محمد بن أحمد بن الأزهري الهروي، أبو منصور (م: ۳۷۰هـ): ۱۰/ ۳۰۰، أبواب الجيم والسين، ت: محمد عوض مرعب، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆لسان العرب- ابن منظور الأنصاري، الإفريقي (م:۷۱۱هـ): ۳/ ۲۰۴، فصل السين المهملة، ط: دار صادر - بيروت)

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم على الجبهة، وأشار بيده على أنفه واليدين والركبتين، وأطراف القدمين ولا نكفت الثياب والشعر. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۱۲، رقم الحديث: ۸۱۲، كتاب الأذان، باب السجود على الأنف، ط: البدر- ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۹۳، رقم الحديث: ۲۲۸- (۴۹۰)، كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود، والنهي عن كف الشعر والثوب وعقص الرأس في الصلاة، ط: ديوبند)

ومنها (من السنن) أن يسجد على الجبهة والأنف من غير حائل من العمامة والقلنسوة... ولو سجد على كور العمامة ووجد صلابة الأرض جاز عندنا كذا ذكر محمد في الآثار. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۰، فصل في سنن حكم التكبير أيام التشريق، ط: دار الكتب العلمية)

ويسجد على أنفه وجبهته.... ولو سجد على كور عمامته أو فاضل ثوبه جاز. (المختار)

قال في شرحه: (ولو سجد على كور عمامته أو فاضل ثوبه جاز) قال ابن عباس: رأيت النبي - صلى الله عليه وسلم - يسجد على كور عمامته. وقال أيضا: إنه - عليه الصلاة والسلام - صلى في ثوب واحد يتقي بفضوله حر الأرض وبردها، ولو سجد على السرير والعرزال، جاز ولو سجد على الحشيش والقطن إن وجد حجمه بجبهته كالطنفسة واللبد والحصير جاز. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م:۶۸۳هـ): ۱/ ۵۱- ۵۲، كتاب الصلاة، باب الأفعال في الصلاة، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة☆الفتاوى التاتار خانية: ۲/ ۱۴۵، كتاب الصلاة، فصل في السجود، ط: زكريا - ديوبند)

(فائدة) قال البيهقي: أحاديث كان يسجد على كور عمامته لا يثبت منها شيء، يعني مرفوعا. وحكي عن الأوزاعي أنه قال: كانت عمائم القوم صغارا لينة، وكان السجود على كورها لا يمنع من وصول الجبهة إلى الأرض. وقال الحسن: كان أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يسجدون وأيديهم في ثيابهم. ويسجد الرجل منهم على عمامته. علقه البخاري، ووصله البيهقي، وقال: هذا أصح ما في السجود على العمامة موقوفا على الصحابة. (التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۱/ ۶۱۵، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتب العلمية)

[۱۰] اِمام کا لنگی پہن کر نماز پڑھانا

۸۲۴-سوال: اگر کسی نے لنگی پہن کر نماز پڑھائی، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ ہم نے یہ سن رکھا ہے کہ لنگی پہننا جائز نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لنگی نہیں پہنی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ لنگی پہننا جائز نہیں، یہ بھی درست نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لنگی نہیں پہنی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری عمر لنگی ہی پہنی ہے، اور اُسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بھی پڑھائی ہے، ازار کا خریدنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؛ البتہ پہننا ثابت نہیں ہے۔[۱]

لیکن چوں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ: {يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ}.[۲]

ترجمہ: اے اولادِ آدم علیہ السلام کی تم مسجد کی ہر حاضری (یعنی عبادت) کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

اِس آیتِ کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ ایسے معمولی کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ جن میں بندہ لوگوں کے سامنے آنے سے شرم محسوس کرتا ہے، اگر آپ عام معمول کے مطابق

---

(۱) عن سويد بن قيس قال: جلبت أنا ومخرفة العبدي بزا من هجر، فأتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن بمنى، ووزان يزن بالأجر، فاشترى منا سراويل، فقال للوزان: زن وأرجح. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۷/ ۲۸۴، رقم الحديث: ۴۵۹۲، كتاب البيوع، الرجحان في الوزن، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

قال السيوطي ذكر بعضهم أن النبي صلى الله عليه وسلم اشترى السراويل ولم يلبسها.

وفي الهدي لابن القيم الجوزي أنه لبسها فقيل إنه سبق قلم لكن في مسند أبي يعلى والمعجم الأوسط للطبراني بسند ضعيف، عن أبي هريرة قال دخلت يوما السوق مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلس إلى البزازين فاشترى سراويل بأربعة دراهم، قلت يا رسول الله وإنك لتلبس السراويل، فقال أجل في السفر والحضر والليل والنهار، فإني أمرت بالستر فلم أجد شيئا أستر منه، كذا في فتح الودود. (تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي - أبو العلا محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم المباركفورى (م: ۱۳۵۳ھ): ۴/ ۴۴۳، تحت: رقم الحديث: ۱۳۰۵، باب ما جاء في الرجحان في الوزن، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۲] ۷-الأعراف: ۳۱.

لنگی پہن کر بازار، آفس اور دعوت وغیرہ کی تقریبات میں جاتے ہیں، تو لنگی پہن کر مسجد میں آ کر نماز پڑھنا اور پڑھانا بھی صحیح ہے، مکروہ اُس وقت ہے جب کہ لوگوں کے سامنے آفس، بازار نیز شادی وغیرہ کی تقریبات میں آپ لنگی پہننا باعثِ عار سمجھتے ہوں اور نماز کے لیے اُس کو پہن لیں۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] نماز میں آگے پیچھے ہٹنا

۸۲۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ: ہمارے گاؤں

(۳) عن ابن جريج قال: أخبرني نافع، أن ابن عمر كساه ثوبين وهو غلام قال: فدخل المسجد فوجده يصلي متوشحا به في ثوب فقال: أليس لك ثوبان تلبسهما؟ فقلت: بلى. فقال: أرأيت لو أني أرسلتك إلى وراء الدار لكنت لابسهما؟ قال: نعم قال: فالله أحق أن تتزين له أم الناس؟ قال نافع: فقلت: بل الله. (مصنف عبد الرزاق-أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (م:۲۱۱هـ): ۱/ ۳۵۷، رقم الحديث: ۱۳۹۰، كتاب الصلاة، باب ما يكفي الرجل من الثياب، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المجلس العلمي- الهند☆ شرح صحيح البخارى لابن بطال- ابن بطال أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك (م:۴۴۹هـ): ۲/ ۱۸، كتاب الصلاة، باب عقد الإزار على القفا في الصلاة، ت: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، ط: مكتبة الرشد- السعودية، الرياض)

وسأل رجل ابن عمر - رضي الله عنهما - عن الصلاة في ثوب واحد، فقال: أرأيت لو أرسلتك في حاجة كنت منطلقا في ثوب واحد؟ فقال: لا. فقال: الله أحق أن تتزين له. وروى الحسن عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - أن الصلاة في إزار واحد فعل أهل الجفاء، وفي ثوب واحد متوشحا به أبعد عن الجفاء، وفي إزار ورداء من أخلاق الكرام. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م:۴۸۳هـ): ۱/ ۳۴، مكروهات الصلاة، ط: دار المعرفة- بيروت☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۹، فصل بيان ما يستحب في الصلاة وما يكره، ط: دار الكتب العلمية☆ المحيط البرهاني - ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶هـ): ۱/ ۳۷۷، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:۱۲۳۱هـ): ص: ۳۴۴، ۳۵۹، مكروهات الصلاة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

(و) كره ... (وصلاته في ثياب بذلة) يلبسها في بيته (ومهنة) أي خدمة، إن له غيرها وإلا لا. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله وصلاته في ثياب بذلة) بكسر الباء الموحدة وسكون الذال المعجمة: الخدمة والابتذال، وعطف المهنة عليها عطف تفسير؛ وهي بفتح الميم وكسرها مع سكون الهاء، وأنكر الأصمعي الكسر حلية. قال في البحر، وفسرها في شرح الوقاية بما يلبسه في بيته ولا يذهب به إلى الأكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية. اهـ. (رد المحتار على الدر المحتار: ۱/ ۶۴۰، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الكراهة التحريمية والتنزيهية، ط: دار الفكر- بيروت)

میں ایک پیش امام ہیں، وہ جہری اور سری؛ دونوں نماز میں مصلی (جائے نماز) پر جس جگہ کھڑے رہتے ہیں وہاں سے دوران نماز (رکوع اور سجدہ میں جاتے ہوئے) کھسکتے کھسکتے بالکل اس کے کنارے پر آجاتے ہیں، پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے ہیں، اس طرح کرتے رہتے ہیں، ان کو کسی طرح کا عذر بھی نہیں ہے، بسا اوقات ان کے پیر بھی حالت سجدہ میں زمین سے اٹھ جاتے ہیں، بعض مقتدیوں نے اس جانب توجہ دلائی، مگر عادت سے باز نہیں آتے، تو کیا ایسے امام کے پیچھے ہماری نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

بہت سے مقتدی بھی نماز میں اپنے پیروں کو آگے پیچھے کرکے اپنی جگہ سے ہٹتے رہتے ہیں، تو اس حالت میں ان کی بھی نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کا مفصل و مدلل جواب عطا فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں امام کی نماز بغیر کسی شک وشبہ کے صحیح ہے۔ ان کی نماز کے صحیح نہ ہونے کے متعلق شک کرنا درست نہیں۔

سجدہ کی حقیقت چہرے کا زمین پر بہ طریق تعظیم رکھنا ہے۔[۱] اس کی صحت کے لیے پیروں کی انگلیوں کا زمین پر خواہ تھوڑی دیر کے لیے رکھنا شرط ہے۔ اس میں پیروں کا ایک ہی جگہ رکھے رکھنا شرط نہیں؛ اس لیے امام صاحب کی نماز صحیح ہے۔ (شامی ۱/۴۶۶- طحطاوی: ۱۲۶) **وفيه يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة.** (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۰۴، زکریا دیوبند- ہندیہ: ۱/ ۷۰)[۲]

مقتدیوں کی نماز کا بھی یہی حکم ہے کہ جب ان کی انگلیاں سجدہ میں تھوڑی دیر کے لیے لگ گئی ہوں، تو پھر ہٹنے سے نقصان نہ ہوگا، ان کی نماز صحیح ہے، البتہ صف کے آگے پیچھے ہونے سے صف سیدھی نہ رہے گی، تو سنت کے خلاف ہوگا؛ لیکن نماز ہو جائے گی۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم على الجبهة، وأشار بيده على أنفه واليدين والركبتين، وأطراف القدمين ولا نكفت الثياب والشعر. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۱۲، رقم الحديث: ۸۱۲، كتاب الأذان، باب السجود على الأنف، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۹۳، ۲۲۸- (۴۹۰)، كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود، والنهي عن كف الشعر والثوب وعقص الرأس في الصلاة، ط: ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان "نماز میں گرم ٹوپی وغیرہ سے پیشانی ڈھانک کر سجدہ کرنا" کا حاشیہ نمبر: ۱۔

(۲-۳) تفصیل تخریج کے لیے دیکھیے: "نماز میں گرم ٹوپی وغیرہ سے پیشانی ڈھانک کر سجدہ کرنا" اور "سجدہ میں پیر کا انگوٹھا اٹھ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے" کے حواشی۔

[۱۲] نماز میں پیر آگے پیچھے ہوجانا یا ایڑی زمین سے اٹھ جانا

۸۲۶-سوال: امام صاحب جب مصلی (جائے نماز) پر کھڑے ہوتے ہیں، تو ان کے پیر پیچھے سے اٹھ جاتے ہیں، یا ان کے پیر اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیام کی حالت میں ایڑی اوپر اٹھ جانے سے، یا پیر کچھ آگے پیچھے ہوجانے سے نماز ہوجائے گی، اس سے نماز میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] رکوع یا سجدہ میں امام سے سبقت کرنا

۸۲۷-سوال: جماعت کی نماز میں مقتدی امام سے پہلے رکوع یا سجدہ کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رکوع وسجدہ میں مقتدی کا امام سے سبقت کرنا جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: کیا تم میں سے کوئی، جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھالیتا ہے، اس بات کا خوف نہیں کرتا کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا سا سر بنادے یا اللہ اس کی صورت کو گدھے کی سی صورت بنادے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر

---

(۱) وإن حرك رجلا واحدة لا على الدوام لا تفسد صلاته وإن حرك رجليه تفسد واعتبر هذا القائل العمل بالرجلين بالعمل باليدين والعمل برجل واحدة، وقال بعضهم: إن حرك رجليه قليلا لا تفسد صلاته. كذا في المحيط وهو الأوجه. هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۳، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الأول فيما يفسدها، ط: دار الفكر ☆البناية شرح الهداية-بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۲/ ۴۴۹، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل في العوارض التي تكره في الصلاة، الأكل والشرب في الصلاة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆الفتاوى التاتار خانية: ۲/ ۲۳۵، كتاب الصلاة، فصل ما يفسد الصلاة وما لا يفسد، ط: زكريا- ديوبند ☆ النهر الفائق شرح كنز الدقائق-سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵هـ): ۱/ ۲۷۴، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ت أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية)

جیسا بنادیں گے۔ (بخاری شریف)[۱]

البتہ اگر بے خیالی میں امام سے سبقت کر گیا، تو اگر امام بھی اس کے ساتھ اس رکوع یا سجدے میں شریک ہوگیا تو نماز ہوگئی اور اگر امام کے رکوع یا سجدہ میں آنے سے پہلے ہی اس نے اپنا سر اٹھالیا، اس کے بعد امام نے رکوع یا سجدہ کیا، تو مقتدی اگر امام کے ساتھ دوبارہ وہ رکوع یا سجدہ کر لیتا ہے، تو نماز ہوجائے گی، ورنہ اس کی نماز نہ ہوگی۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] نماز میں محبوبہ کا خیال آنے سے نماز ترک کرنا

۸۲۸-سوال: زید کو ایک لڑکی سے بہت محبت ہے، ہر وقت اس کا خیال آتا رہتا ہے؛ یہاں تک کہ نماز میں بھی اس کے متعلق وساوس آتے رہتے ہیں، وہ پانچوں وقت کی نماز کا پابند ہے؛ لیکن لڑکی سے بے انتہاء محبت ہے، جس کی وجہ سے نماز میں آنے والے خیالات سے وہ پریشان ہے، زید کہتا ہے کہ کیا ایسی صورت میں مجھے نماز چھوڑ دینی چاہئے؟ ان خیالات کے ساتھ نماز پڑھنا گناہ تو نہ ہوگا؟ رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز پڑھنا ہر حال میں فرض ہے، نماز چھوڑنا جائز نہیں۔[۳] نماز میں خیالات کا لانا برا ہے، خیالات

---

(۱) عن محمد بن زیاد، سمعت أبا هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أما يخشى أحدكم - أو: لا يخشى أحدكم - إذا رفع رأسه قبل الإمام، أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار". (صحيح البخاري: ۹۶/۱، رقم الحديث: ۶۹۱، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام، كتاب الأذان، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱۸۱/۱، رقم الحديث: ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶-(۴۲۷)، كتاب الصلاة، باب تحريم عن سبق الإمام بركوع أو سجود ونحوهما، ط: ديوبند)

[۲] (ولو ركع) قبل الإمام (فلحقه إمامه فيه صح) ركوعه، وكره تحريما... (وإلا لا) يجزيه. (الدر المختار)
(قوله وإلا لا) أي وإن لم يلحقه إمامه فيه بأن رفع رأسه قبل أن يركع الإمام... لا يجزيه. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۹۱/۲، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴-النساء: ۱۰۳)
عن أبي الدرداء، قال: أوصاني خليلي صلى الله عليه وسلم أن: لا تشرك بالله شيئا، وإن قطعت وحرقت، ولا تترك صلاة مكتوبة متعمدا، فمن تركها متعمدا، فقد برئت منه الذمة، ولا تشرب الخمر، فإنها مفتاح كل شر. (سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۴۰۳۴، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، ط: أشرفيه - ديوبند)

وساوس کا ازخود آجانا برا نہیں ہے، بل کہ اگر خیالات و وساوس کے ہجوم کے باوجود کوئی نماز کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرتا رہے، تو اسے مجاہدے کا ثواب ملے گا۔

اس لیے خیالات و وساوس کی وجہ سے زید کے لیے نماز کا ترک کرنا جائز نہ ہوگا، البتہ چاہیے کہ وہ روزانہ صبح وشام کثرت سے استغفار کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کی کوشش کرے، ان شاء اللہ وساوس ختم ہو جائیں گے۔[1] ان وساوس کے ساتھ بھی نماز ہو جائے گی۔[2] (اسے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ غیر اللہ کی ایسی محبت جو خالق سے توجہ کو ہٹا دے، بھلا کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟؟؟) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] نماز میں شیطانی وسواس کا علاج

۸۲۹-سوال: سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ میں جب نماز پڑھنے لگتا ہوں، تو مسلسل شیطانی وساوس شروع ہو جاتے ہیں، جس سے دل بہت بے چین اور پریشان ہوتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؛ اس لیے آپ سے عرض ہے کہ اس کا کوئی علاج بیان فرمائیں، یعنی دعا یا کوئی قرآنی آیت پڑھنے کی ہو، تو رہنمائی

---

(۱) عن عبد الله بن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لزم الاستغفار جعل الله له من كل هم فرجا، ومن كل ضيق مخرجا، ورزقه من حيث لا يحتسب. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۲۷۲، باب الاستغفار، أبواب الأدب، ط: البدر- ديوبند)

[۲] عن مالك أنه بلغه أن رجلا سأل القاسم بن محمد فقال: إني أهم في صلاتي. فيكثر ذلك علي. فقال القاسم بن محمد " امض في صلاتك. فإنه لن يذهب عنك، حتى تنصرف وأنت تقول: ما أتممت صلاتي ". (موطأ الإمام مالك: ۱/ ۱۰۰، رقم: ۳، كتاب السهو، باب العمل في السهو، ت: محمد فؤاد عبد الباقي، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

قال الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): (فقال له: امض في صلاتك): سواء كانت الوسوسة خارج الصلاة أو داخلها، ولا تلتفت إلى موانعها (فإنه لن يذهب ذلك عنك) ... والمعنى لا يذهب عنك تلك الخطرات الشيطانية، (حتى تنصرف) أي: تفرغ من الصلاة (وأنت تقول): للشيطان صدقت (ما أتممت صلاتي): لكن ما أقبل قولك، ولا أتمها إرغاما لك، ونقضا لما أردته مني، وهذا أصل عظيم لدفع الوساوس، وقمع هواجس الشيطان في سائر الطاعات، والحاصل أن الخلاص من الشيطان إنما هو بعون الرحمن، والاعتصام بظواهر الشريعة، وعدم الالتفات إلى الخطرات، والوساوس الذميمة، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۱/ ۱۴۷، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، ط: دار الفكر، بيروت- لبنان)

فرمائیں، تاکہ میری نماز صحیح ہوجائے اور دین ودنیا کی کامیابی میسر ہو، اس دعا کو پڑھنے کا طریقہ اور وقت وغیرہ بھی تفصیل سے بیان فرمائیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اور مجھ پر بڑا احسان ہوگا، باقی دعائے خیر میں یاد فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیطانی وساوس اور برے خیالات کو رفع کرنے کے لیے صبح شام ۷۱-۷۱ دفعہ ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم'' کا ورد رکھیے، ان شاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکانا ہر حال میں ممنوع ہے

[۱۷] نماز کے وقت پائینچے چڑھانا پھر اتار دینا

۸۳۰-سوال: شریعت نے مردوں کو پاجامہ، لنگی، پینٹ وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر باندھنے کا حکم دیا ہے، تو یہ حکم صرف نماز کی حالت میں ہے یا عام حالت میں بھی؟ بہت سے لوگ صرف نماز کے وقت پاجامہ یا پینٹ ٹخنوں سے اوپر کرتے ہیں اور بعض تو اس طرح کرتے ہیں کہ صرف نیچے کے پائینچے موڑ دیتے ہیں، تو نماز کے وقت یہ پائینچے موڑنا (چڑھانا) کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ازار، لنگی، پینٹ، کرتہ، جبّہ، چغا وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، تمام حالتوں میں مکروہ تحریمی ہے، یعنی خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، ہر حال میں یہ حکم ہے۔[1]

---

(۱) دیکھیے: فتاوی رحیمیہ: ۵/ ۱۲۰، دار الاشاعت کراچی پاکستان ☆ طب نبوی: ص ۱۴۵، دار الکتاب دیوبند۔
مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں ''نماز میں محبوبہ کا خیال آنے سے نماز ترک کرنا'' کے حواشی۔

(۲) وأما القدر المستحب فيما ينزل إليه طرف القميص والإزار فنصف الساقين، كما في حديث ابن عمر المذكور وفي حديث أبي سعيد إزارة المؤمن إلى أنصاف ساقيه لاجناح عليه فيما بينه وبين الكعبين، ما أسفل من ذلك فهو في النار، فالمستحب نصف الساقين، والجائز بلا كراهة ماتحته إلى الكعبين، فما نزل عن الكعبين فهو ممنوع، فإن كان للخيلاء فهو ممنوع منع تحريم وإلا فمنع تنزيه وأما الأحاديث المطلقة بأن ماتحت الكعبين في النار، فالمراد بها ما كان للخيلاء، لأنه مطلق فوجب حمله على المقيد، والله أعلم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج-أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ٦٧٦هـ): ١٤/ ٦٣، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم جر الثوب خيلاء وبيان حد ما يجوز إرخاؤه إليه وما يستحب، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-ملاعلي القاري (م: ١٠١٤هـ): ٧/ ٢٧٦٦، رقم الحديث: ٤٣١٤، ط: دار الفكر - بيروت) =

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: تین قسم کے آدمی سے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کریں گے اوران کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔ وہ تین یہ ہیں: ۱- جو شخص ازار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔ ۲- جو احسان کر کے جتلاتا ہے۔ ۳- جو جھوٹی قسم کھا کر مال بیچتا ہے۔ (مسلم شریف: ۱/ ۷۱)[1]

اگر نماز کی حالت میں ٹخنوں سے نیچے کپڑا ہوگا، تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، تاہم فریضہ ادا ہو جائے گا۔[2] اور جو لوگ نماز کے وقت پائینچے چڑھاتے ہیں، ان کی نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی، مسلمانوں کو آں حضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پائجامہ ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر رکھنا چاہیے، لہٰذا جو لوگ نماز کے علاوہ عام حالت میں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ لٹکاتے ہیں، وہ مرتکب کبیرہ ہونے کی وجہ سے گنہ گار ہوں گے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] امام کا قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا

۸۳۱- سوال: ہمارے یہاں امام صاحب ظہر کی نماز میں، چوتھی رکعت میں قعدہ کرنے کے

= تقصير الثياب سنة وإسبال الإزار والقميص بدعة ينبغي أن يكون الإزار فوق الكعبين إلى نصف الساق وهذا في حق الرجال، وأما النساء فيرخين إزارهن أسفل من إزار الرجال ليستر ظهر قدمهن. إسبال الرجل إزاره أسفل من الكعبين إن لم يكن للخيلاء ففيه كراهة تنزيه، كذا في الغرائب. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۳۳، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس مايكره من ذلك ومالايكره، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱] عن أبي ذر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة، ولا ينظر إليهم، ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم، قال: فقرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث مرارا، قال أبو ذر: خابوا وخسروا، من هم يا رسول الله؟ قال: المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۷۱، رقم الحديث: ۱۷۱- (۱۰۶)، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار... الخ، ط: البدر - ديوبند☆سنن ابو داؤد: ۲/ ۵۶۵، رقم الحديث: ۴۰۸۷، كتاب اللباس، باب ماجاء في اسبال ازار، ط: مكتبة البدر - ديوبند)

(۲) ويكره للمصلي ما هو من أخلاق الجبابرة. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱/ ۳۴، مكروهات الصلاة، ط: دار المعرفة - بيروت☆المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۱/ ۳۷۷، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۶۱، رقم الحديث: ۵۷۸۷، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ط: ديوبند)

بجائے سیدھے کھڑے ہوگئے، مقتدیوں نے لقمہ بھی دیا، مگر اس کی طرف انہوں نے توجہ نہیں دی اور پانچویں رکعت کے دو سجدے کرنے بعد قعدۂ اخیرہ کیا، پھر اخیر میں سجدۂ سہو کیا، تو نماز ظہر صحیح ہوئی یا نہیں؟ یا پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت ملانا بھی ضروری تھا؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز، خواہ فرض ہو یا نفل، اس کا آخری قعدہ فرض ہے، پس ظہر یا عصر میں چار رکعت کے بعد ''التحیات'' پڑھنے کے بہ قدر بیٹھنا فرض ہے۔[1] جب آپ کے امام صاحب چوتھی رکعت کے بعد آخری قعدہ میں بیٹھے ہی نہیں، تو (پانچویں رکعت کا سجدہ کرتے ہی) فرض نماز فاسد ہوگئی، سجدۂ سہو سے بھی اب تلافی نہ ہوگی، نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔

اگر امام صاحب چوتھی رکعت میں التحیات کے بہ قدر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوتے، تو سجدۂ سہو سے تلافی ہوجاتی، مگر یہاں ایسا نہیں ہوا ہے؛ بل کہ سیدھے پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہوگئے ہیں۔ ایسی صورت میں حکم یہ تھا کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر لوٹ آئے، تو سجدۂ سہو سے نماز صحیح ہوجاتی ہے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا، تو فرض نماز فاسد ہوکر نفل بن جائے گی، اور سجدۂ سہو کرنے سے بھی فرضیت عود کر نہیں آئے گی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) "فرائض الصلاة ستة: التحريمة"... "والقعدة في آخر الصلاة مقدار التشهد" لقوله عليه الصلاة والسلام لابن مسعود رضي الله عنه حين علمه التشهد "إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتك" علق التمام بالفعل قرأ أو لم يقرأ. (الهداية في شرح بداية المبتدي-المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۹۸/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: ياسر نديم - ديوبند☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۱۳۶/۱، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۶۶/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وإن سها عن القعدة الأخيرة حتى قام إلى الخامسة رجع إلى القعدة مالم يسجد "لأن فيه إصلاح صلاته وأمكنه ذلك، لأن ما دون الركعة بمحل الرفض. ـــــــ قال:" وألغى الخامسة " لأنه رجع إلى شيء محله قبلها فترتفض " وسجد للسهو " لأنه أخر واجبا " وإن قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه " عندنا... وتحولت صلاته نفلا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله " خلافا لمحمد رحمه الله. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱۵۹/۱، باب سجود السهو، كتاب الصلاة، ياسر نديم - ديوبند)

ولو ترك القعدة الأخيرة من ذوات الأربع، وقام إلى الخامسة - فإن لم يقيدها بالسجدة يعود إلى القعدة، لأنه لما لم يقيد الخامسة بالسجدة لم يكن ركعة فلم يكن فعل صلاة كاملا، وما لم يكمل بعد فهو غير ثابت على الاستقرار =

[۱۹] قعدہ اخیرہ ترک کر کے سیدھا کھڑا ہو جانا

۸۳۲-سوال: امام ظہر کی نماز پڑھا رہا تھا اور چوتھی رکعت میں قعدہ اخیرہ کرنے کے بجائے کھڑا ہو گیا اور اتنا کھڑا ہو گیا کہ گویا قیام کے قریب تھا، اس حال میں مقتدی نے پیچھے سے لقمہ دیا اور امام نے اس لقمہ کی تابع داری کی اور بیٹھ گیا یعنی لقمہ کی وجہ سے امام - جو کھڑے ہونے کے قریب تھا - لوٹ آیا اور بیٹھ گیا، تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہونے کے قریب تھا اور لقمہ کی وجہ سے بیٹھ گیا، تو نماز ہو جائے گی اور سجدہ سہو لازم آئے گا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] تصویر والے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا

۸۳۳-سوال: جان دار کی تصویر والے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز بہ طور فیشن ایسے کپڑے عام حالات میں پہننا کیسا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

=فكان قابلا للرفع، ويكون رفعه في الحقيقة دفعا ومنعا عن الثبوت، فيدفع ليتمكن من الخروج عن الفرض وهو القعدة الأخيرة، وقد روي أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قام إلى الخامسة فسبح به فعاد، وإن قيد الخامسة بالسجدة لا يعود وفسد فرضه. (بدائع الصنائع: ١/١٧١، كتاب الصلاة، فصل بيان المتروك ساهيا هل يقضى أم لا، ط: دار الكتب العلمية ☆ المحيط البرهاني: ١/٥٠٧، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(١) وإن سها عن القعدة الأخيرة حتى قام إلى الخامسة رجع إلى القعدة ما لم يسجد "لأن فيه إصلاح صلاته وأمكنه ذلك؛ لأن ما دون الركعة بمحل الرفض. ـــــــــ قال: "وألغى الخامسة" لأنه رجع إلى شيء محله قبلها فترتفض" وسجد للسهو "لأنه أخر واجبا" وإن قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه" عندنا . . . وتحولت صلاته نفلا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله" خلافا لمحمد رحمه الله. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ١/١٥٩، باب سجود السهو، كتاب الصلاة، ياسر نديم-ديوبند ☆ البحر الرائق: ٢/١١٠-١١١، كتاب الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

مزید دیکھیے: بدائع الصنائع: ١/١٧١، كتاب الصلاة، فصل بيان المتروك ساهيا هل يقضى أم لا، ط: دار الكتب العلمية ☆ المحيط البرهاني: ١/٥٠٧، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت.

الجواب حامداً و مصلیاً:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ ہم گناہ کے کاموں سے دور رہیں، خصوصاً کفر اور شرک کی چیزوں سے۔ آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کو اس طرح سے واضح فرمایا ہے کہ مسلمان اگر اس پر غور کرے، تو اس کے دل میں کفر وشرک سے نفرت ضرور پیدا ہوگی۔ یاد رہے کہ ایمان جس قدر مضبوط ہوگا، کفر وشرک کی چیزوں سے مسلمان اتنا ہی دور رہے گا۔

تصویر اور فوٹو کی راہ سے شیطان نے انسان کو گمراہ کیا ہے، چناں چہ اس نے بزرگوں اور نیک لوگوں کی یاد میں تصویر بنانے کا خیال دل میں ڈالا، جب وہ اس میں کام یاب ہوگیا، تو ان تصویروں کے ادب، احترام اور عزت کی تعلیم دی، معاملہ یہاں تک پہنچا کہ لوگ، اکابر کی ان تصویروں کو ہی پوجنے لگے اور شرک و بت پرستی نے ان میں جڑ پکڑ لیا۔[1] اس لیے شریعت اسلامیہ میں تصویر کی سخت وعید آئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جان دار کی تصویر جس گھر میں ہوگی، رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوں گے۔[2]

اگر روپے کی نوٹ پر تصویر ہو اور وہ مصلی کے پاس اس طور پر ہو کہ تھیلی یا پیکٹ وغیرہ میں بند ہو (ڈھکی ہوئی ہو) تو نماز مکروہ نہ ہوگی، اور اگر کھلی ہو، اوپر سے نظر آتی ہو، تو نماز اس حال میں مکروہ ہے؛ لیکن اگر بہت چھوٹی تصویر ہو، جو (نیچے رکھی ہوئی ہو تو کھڑے ہو کر دیکھنے سے صاف) نظر نہ آتی ہو، تو اس کو پہن کر

---

(۱) عن عائشة أم المؤمنين، أن أم حبيبة، وأم سلمة ذكرتا كنيسة رأينها بالحبشة فيها تصاوير، فذكرتا للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: إن أولئك إذا كان فيهم الرجل الصالح فمات، بنوا على قبره مسجدا، وصوروا فيه تلك الصور، فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة. (صحيح البخاري: ۱/۶۱، رقم الحديث: ۴۲۷، كتاب الصلاة، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية، ويتخذ مكانها مساجد، ط: ديوبند، وانظر: ۴۳۷، ۱۳۴۱، ۳۸۷۳، ☆الصحيح لمسلم: ۱/۲۰۱، رقم الحديث: ۱۶-(۵۲۸)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المساجد على القبور واتخاذ الصور فيها والنهي عن اتخاذ القبور مساجد، ط: ديوبند)

(۲) عن أبي طلحة، رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا تصاوير. (صحيح البخاري: ۲/۸۸۰، رقم الحديث: ۵۹۴۹، كتاب اللباس، باب التصاوير، ط: ...، وانظر: ۳۲۲۵، ۳۲۲۶، ۳۳۲۲، ۴۰۰۲ ☆الصحيح لمسلم: ۲/۱۹۹، رقم الحديث: ۸۳-(۲۱۰۶)، كتاب اللباس والزينة، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة، ط: ديوبند)

نماز پڑھنے میں حرج نہیں۔ [۳] جان دار کی تصویر والا کپڑا پہننا مکروہ ہے، عام حالات میں بھی اس کا پہننا مکروہ ہے، ظاہر ہے کہ جب عام حالات میں مکروہ ہے، تو اس کپڑے میں نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ (۴)

جب تصویر کی وجہ سے رحمت کے فرشتے گھر نہیں آتے، تو نماز پڑھنے والا جو کہ اللہ کی رحمت ومغفرت کا طلب گار ہے، اس کو تو اس سے بچنا بہت ضروری ہے؛ اس لیے نمازی کو اپنی شکل وصورت ایسی بنانی چاہیے، جو شریعت میں مطلوب ہے، عام حالات میں جن کپڑوں کا پہننا مکروہ ہے، مسلمان کو نماز میں ایسے کپڑے پہننے سے حد درجہ اجتناب کرنا چاہیے، البتہ اگر تصویر جان دار کی نہ ہو، تو ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، کیوں کہ ممانعت کا حکم جان دار کی تصویر کے ساتھ مخصوص ہے۔ (۵)

اور جان دار کی تصویر والے کپڑے فیشن کے طور پر پہننے کی بھی بالکل اجازت نہیں ہے۔ (۶) کیوں کہ اس طرح کے کپڑے پہننے کی وجہ سے دل سے تصویر کی نفرت ختم ہوجائے گی، اور جب تصویر کی نفرت دل سے نکل جائے گی، تو شریعت کی حدیں ٹوٹنے لگیں گی، اور گناہ کے کاموں سے نفرت آہستہ آہستہ ختم ہوجائے

---

[۳] (واختلف فیما إذا کان) التمثال (خلفه والأظهر الکراهة و) لا یکره (لو کانت تحت قدمیه) أو محل جلوسه لأنها مهانة (أو في یده) عبارة الشمني بدنه لأنها مستورة بثیابه (أو علی خاتمه) بنقش غیر مستبین. قال في البحر: ومفاده کراهة المستبین لا المستتر بکیس أو صرة أو ثوب آخر. (الدر المختار)

قال ابن عابدین: (قوله لا المستتر بکیس أو صرة) بأن صلی ومعه صرة أو کیس فیه دنانیر أو دراهم فیها صور صغار فلا تکره لاستتارها بحر، ومقتضاه أنها لو کانت مکشوفة تکره الصلاة مع أن الصغیرة لا تکره الصلاة معها کما یأتي، لکن یکره کراهة تنزیه جعل الصورة في البیت، نهر. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۶۴۸، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة أولی، ط: دار الفکر)

ویکره أن یصلي وبین یدیه أو فوق رأسه أو علی یمینه أو علی یساره أو في ثوبه تصاویر وفي البساط روایتان و الصحیح أنه لا یکره علی البساط إذا لم یسجد علی التصاویر وهذا إذا کانت الصورة کبیرة تبدو للناظر من غیر تکلف. کذا في فتاوی قاضي خان، ولو کانت صغیرة بحیث لا تبدو للناظر إلا بتأمل لا یکره وإن قطع الرأس فلا بأس به. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۰۷، کتاب الصلاة، الفصل الثاني فیما یکره في الصلاة وما لا یکره، ط: دار الفکر- بیروت)

(۴) قال في البحر: وفي الخلاصة وتکره التصاویر علی الثوب، صلی فیه أو لا انتهی، وهذه الکراهة تحریمیة. (رد المحتار علی الدر: ۱/ ۶۴۷)

(۵) ولا یکره تمثال غیر ذي الروح کذا في النهایة. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۰۷)

(۶) دیکھیے حاشیہ نمبر: ۴۔

گی، ایمان کمزور ہو جائے گا، لہٰذا ایسے کپڑوں سے حد درجہ احتراز ضروری ہے، اور کپڑا بدن کو چھپانے کے لیے ہے، دکھانے اور تکبر کے لیے نہیں ہے، فیشن والا عموماً اسی نیت سے پہنا جاتا ہے، لہٰذا حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر و گھمنڈ ہوگا، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مسلم شریف: ۱/ ۶۵)[۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] نماز میں بار بار چھینک آنے پر ہاتھ، منہ پر رکھنا

۸۳۴-سوال: زید نماز میں قیام کی حالت میں چھینک آنے پر ہاتھ منھ پر رکھتا ہے، تاکہ قریب والے اس سے متاثر نہ ہوں، تو اگر تین بار چھینک آجائے، اور ہر بار ہاتھ منہ پر رکھے، تو اس سے اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟ ہاتھ منہ پر رکھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''نماز'' عمل کثیر سے فاسد ہوتی ہے، عمل قلیل سے فاسد نہیں ہوتی، اور عمل قلیل وکثیر کی تحدید میں علماء کی عبارتیں مختلف ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جو کام دو ہاتھ سے کیا جاتا ہو، وہ ''عمل کثیر'' ہے اور جو ایک ہاتھ سے ہو جاتا ہو، وہ ''عمل قلیل'' ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ایسی حرکت کرنا کہ جس سے دیکھنے والا یوں سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے، عمل کثیر ہے۔ پس چھینک آنے پر ایک ہاتھ منھ پر رکھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی؛ کیوں کہ یہ ''عمل کثیر'' کے تحت نہیں آتا ہے۔[۲]

---

(۱) وعن ابن مسعود قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا يدخل النار أحد في قلبه مثقال حبة خردل من إيمان، ولا يدخل الجنة أحد في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۶۵، كتاب الايمان، تحريم الكبر وبيانه، ط: البدر - ديوبند)

(۲) العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا. كذا في محيط السرخسي واختلفوا في الفاصل بينهما على ثلاثة أقوال: (الأول) أن ما يقام باليدين عادة كثير وإن فعله بيد واحدة كالتعمم ولبس القميص وشد السراويل والرمي عن القوس وما يقام بيد واحدة قليل وإن فعل بيدين كنزع القميص وحل السراويل ولبس القلنسوة ونزعها ونزع اللجام. هكذا في التبيين وكل ما يقام بيد واحدة فهو يسير ما لم يتكرر. كذا في فتاوى قاضي خان.
(والثاني) أن يفوض إلى رأي المبتلى به وهو المصلي فإن استكثره كان كثيرا وإن استقله كان قليلا وهذا أقرب الأقوال إلى رأي أبي حنيفة رحمه الله تعالى.
(والثالث) أنه لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لا يشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد وإن شك فليس بمفسد=

چھینک آنے پر مصلی منہ پر ہاتھ ڈال سکتا ہے، تاکہ اس سے دوسرے مقتدی کو کسی قسم کی کراہیت محسوس نہ ہو اور مسجد بھی تلویث سے محفوظ رہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] نماز میں چھینک آنے پر الحمدللہ کہنا

۸۳۵-سوال: فرض یا نفل نماز میں نمازی کو چھینک آئے اور وہ اس پر الحمدللہ کہے، تو اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز میں چھینک آنے پر الحمدللہ کہنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (عالم گیری: ۱/ ۹۸)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] ایک رکن میں تین مرتبہ کھجلانا

۸۳۶-سوال: نماز کے ایک رکن میں تین مرتبہ ہاتھ اٹھائے، تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ حقیقۃً مجبوری ہو اور بار بار کھجلانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو تو تین مرتبہ سے زیادہ کھجلانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاًومسلماً

صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوجائے گی۔ حضرات فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، عمل قلیل وکثیر کی تحدید میں علماء کی عبارتیں مختلف ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جو کام دو ہاتھ سے

=وهذا هو الأصح. هكذا في التبيين وهو أحسن. كذا في محيط السرخسي وهو اختيار العامة كذا في فتاوى قاضي خان والخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۱- ۱۰۲، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة، ط: دار الفكر - بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۴- ۳۸۵، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره، ط: زكريا - ديوبند)

[۱] تاہم بہتر یہ ہے کہ اس وقت کچھ نہ پڑھے، خاموش رہے: ولو عطس، فقال له المصلي الحمد لله لا تفسد؛ لأنه ليس بجواب، وإن أراد به جوابه، أو استفهامه، فالصحيح أنها تفسد، هكذا في التمرتاشي. ولو قال العاطس لا تفسد صلاته، وينبغي أن يقول في نفسه، والأحسن هو السكوت. كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۸، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها، ط: دار الفكر - ديوبند☆البحر الرائق: ۲/ ۸، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، ط: دار الكتاب - ديوبند)

کیا جاتا ہو، وہ ''عمل کثیر'' ہے اور جو ایک ہاتھ سے ہو جاتا ہو، وہ ''عمل قلیل'' ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ایسی حرکت کرنا کہ جس سے دیکھنے والا یوں سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے، عمل کثیر ہے۔

آپ کی تحریر کے مطابق صاحب واقعہ کو حقیقۃً عذر ہے؛ اس لیے اس طور پر کھجلائے کہ دیکھنے والا اسے نماز سے باہر نہ سمجھے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی، خواہ تین مرتبہ ہی اس نے کیوں نہ کھجلایا ہو۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] نماز میں مقتدی کا ایک رکن میں تین مرتبہ ہاتھ اٹھانا

۸۳۷-سوال: اگر کوئی مقتدی ایک رکن میں تین مرتبہ ہاتھ اٹھائے، تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟ یا نماز کا اعادہ لازم ہوگا؟

الجواب حامداو مصلیا:

چوں کہ عمل کثیر کی تحدید میں کئی اقوال ہیں؛ اس لیے اگر اس مصلی کو دور سے دیکھنے والا نماز میں ہی خیال کرتا ہو، تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] نماز میں اللہ کے خوف سے رونے سے کوئی فساد نہیں آتا ہے

۸۳۸-سوال: میں جب نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں تو ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' یا ''اِهْدِنَا

(۱) العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا. كذا في محيط السرخسي واختلفوا في الفاصل بينهما على ثلاثة أقوال:
(الأول) أن ما يقام باليدين عادة كثير وإن فعله بيد واحدة كالتعمم ولبس القميص وشد السراويل والرمي عن القوس وما يقام بيد واحدة قليل وإن فعل بيدين كنزع القميص وحل السراويل ولبس القلنسوة ونزعها ونزع اللجام. هكذا في التبيين وكل ما يقام بيد واحدة فهو يسير ما لم يتكرر. كذا في فتاوى قاضي خان.
(والثاني) أن يفوض إلى رأي المبتلى به وهو المصلي فإن استكثره كان كثيرا وإن استقله كان قليلا وهذا أقرب الأقوال إلى رأي أبي حنيفة رحمه الله تعالى.
(والثالث) أنه لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لا يشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد وإن شك فليس بمفسد وهذا هو الأصح. هكذا في التبيين وهو أحسن. كذا في محيط السرخسي وهو اختيار العامة كذا في فتاوى قاضي خان والخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۱- ۱۰۲، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة، ط: دار الفكر- بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۴- ۳۸۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره، ط: زكريا- ديوبند)
(۲) قد تقدم تخريجه تحت عنوان: ''نماز میں بار بار چھینک آنے پر ہاتھ منہ پر رکھنا''۔

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' جیسی آیات پر آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو جاتے ہیں، تو اس طرح نماز میں آنسو بہنے سے نماز میں کوئی خلل تو نہیں آتا ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور ڈر سے رونا آ جائے، اور اس میں آواز بھی نکل جائے، تو نماز میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔ (ہدایہ: ۱/ ۱۴۴، درمختار وشامی: ۱/ ۵۷۹)[۱] کیوں کہ جو نماز خشوع وخضوع سے پڑھی جائے گی، انسان خود کو گنہ گار سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگے گا، راہِ راست طلب کرے گا اور اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرے گا، تو اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف وڈر محسوس ہوگا اور رونا آئے گا، گویا نماز میں رونا کمال خشوع وخضوع کی علامت ہے، پس اس سے نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا، نماز بلا کراہت صحیح رہے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] مسجد کی چھت پر تراویح اور فرض نماز پڑھنا

۸۳۹-سوال: ہمارے گاؤں میں مسجد سے متصل ہی مدرسہ ہے اور مسجد اور مدرسہ کی چھت ملی ہوئی ہے، فی الحال شدت کی گرمی پڑ رہی ہے، تو ایسے میں مسجد کی چھت کے اوپر تراویح پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ نیز مدرسہ کی چھت پر پڑھنے کا کیا حکم ہوگا؟ اور تراویح کے علاوہ دیگر فرض نمازیں وغیرہ چھت پر پڑھی جائیں، تو کیسا ہے؟ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا ادب واحترام کرنا ضروری ہے؛ اسی وجہ سے علماء نے بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنے کو

---

(۱) " فان أن فيها أو تأوه أو بكى فارتفع بكاؤه فإن كان من ذكر الجنة أو النار لم يقطعها " لأنه يدل على زيادة الخشوع. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/ ۱۳۵، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(لا لذكر جنة أو نار) فلو أعجبته قراءة الإمام فجعل يبكي ويقول بلى أو نعم أو آري لا تفسد... لدلالته على الخشوع. (در مختار) قال الشامي: لأن الأنين، ونحوه إذا كان بذكرهما صار كأنه قال: اللهم إني أسألك الجنة وأعوذ بك من النار، ولو صرح به لا تفسد صلاته. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۱۹-۶۲۰، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید دیکھیے: سكب الأنهر مع المجمع: ۱/ ۱۷۸-۱۷۹، كتاب الصلاة، ط: مكتبة فقيه الأمة - ديوبند.

مکروہ لکھا ہے، چناں چہ آج تک امت کا عمل اس پر ہے کہ گرمی کے زمانہ میں صحن مسجد میں نماز تو پڑھتے ہیں، چھت پر کوئی نہیں پڑھتا ہے، لہٰذا بلا ضرورت مسجد کی چھت پر خواہ فرض، نفل یا تراویح ہو؛ پڑھنا مکروہ ہوگا، اگر ضرورت ہو کہ مسجد، مصلیوں کے لیے تنگ پڑتی ہو، تو اس کی چھت پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہوگا۔ ـــــ مدرسہ کی چھت پر نماز پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن اس میں مسجد کا ثواب نہ ملے گا، اسی طرح تراویح میں مسجد کا حق ادا نہ ہوگا۔ (شامی، عالم گیری)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] گرمی کی شدت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز اور تراویح ادا کرنا

۸۴۰-سوال: پچھلے کئی سالوں سے رمضان المبارک کا مہینہ، بارش کے موسم میں آتا ہے، جس میں گرمی حد درجہ شدید ہوتی ہے، رات کو تراویح اور عشاء کی نماز میں وقت گزارنا بہت دشوار ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ بجلی کے نہ ہونے کی وجہ سے پنکھوں کا بھی انتظام نہیں ہے، اس کیفیت ناگفتہ بہ کو مانع خشوع قرار دیں، تو مبالغہ نہ ہوگا۔

کتب فقہ کے مطالعہ، نیز علمی صحبت کے نتیجہ میں خیال ہوتا ہے کہ "**إبراد بالظهر**" کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ گرمی کی شدت مانع خشوع ہوتی ہے، جب کہ نماز میں خشوع مطلوب ہے۔

مذکورہ بالا صورت میں- کہ گرمی شدید ہوتی ہے، جو نماز میں مانع خشوع ہے- نماز عشاء اور تراویح

---

[۱] الصعود على سطح كل مسجد مكروه، ولهذا إذا اشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة، كذا في الغرائب. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۲۲، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف... الخ، ط: دار الفكر)

(و) كره تحريما (الوطء فوقه، والبول والتغوط) لأنه مسجد إلى عنان السماء. (الدر المختار) ـــــ وفي الشامية: (قوله الوطء فوقه) أي الجماع خزائن، أما الوطء فوقه بالقدم فغير مكروه إلا في الكعبة لغير عذر، لقولهم بكراهة الصلاة فوقها. ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهة الصعود على سطح المسجد اهـ ويلزمه كراهة الصلاة أيضا فوقه فليتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۵۶، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، ط: دار الفكر - بيروت)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، عام کتابوں میں ایسا ہی ہے، تاہم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ "مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟" کے جواب میں رقم طراز ہیں: مسجد کی چھت بھی مسجد ہی کا حکم رکھتی ہے، چھت پر نماز پڑھنا خصوصاً گرمی کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۱۵۹، جواب نمبر: ۲۲۱، کتاب الصلاۃ، گرمی کی وجہ سے چھت پر نماز، ط: دار الاشاعت، کراچی)

مسجد کی کھلی چھت (جماعت خانے کی چھت) پر ادا کی جائے، تو مکروہ نہ ہوگا۔

مسجد کا صحن اتنا کشادہ نہیں کہ تمام نمازی ایک ساتھ بہ آسانی نماز ادا کرسکیں؛ علاوہ ازیں مسجد کا صحن ہر چہار طرف سے بند بھی ہے، بعض حضرات مسجد کے بالائی حصہ میں نماز ادا کرنے کو مسجد کے آداب کے خلاف سمجھتے ہیں، اور ایسی ناگفتہ بہ حالت میں بھی اوپر والے حصہ میں نماز ادا کرنے میں کراہت کے قائل ہیں، کیا اصول فقہ کے قاعدہ: ''الضرورات تبیح المحظورات'' کے پیش نظر ہمارے لیے بلا کراہت مسجد کی کھلی چھت پر نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے؟ محمد عابد عبد الرحیم گذھا (سابر کانٹھا)

الجواب حامداو مصليا:

صورت مسئولہ میں مسجد کی چھت پر نماز عشاء اور نماز تراویح کی اجازت نہیں ہوگی۔ مسجد کی چھت پر چڑھنا بلا ضرورت شدیدہ مکروہ تحریمی ہے۔ فقہاء کرامؒ نے صرف اس صورت میں مسجد کی چھت پر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، جب کہ مسجد تنگ پڑ رہی ہو یا کوئی ایسی مجبوری درپیش ہو کہ مسجد میں نماز پڑھنا ممکن نہ ہو۔ گرمی کی صورت میں مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں عذر متحقق نہیں ہے۔ اس مسئلے کو ''إبراد بالظهر'' پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، ابراد بالظہر کی صورت میں کسی امر مکروہ کا ارتکاب لازم نہیں آتا، جب کہ چھت پر نماز پڑھنے کی صورت میں امر مکروہ کا ارتکاب لازم آتا ہے، اس لیے مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] نفل نماز میں قرآن کریم دیکھ کر قراءت کرنا

۸۴۱-سوال: کیا نفل نماز میں قرآن میں دیکھ کر قراءت کرنا جائز ہے؟ ہمارے یہاں ایک شخص ہیں، جو نفل نماز میں قرآن شریف سامنے رکھ کر پڑھتے ہیں اور رکوع وسجدہ میں نیچے رکھ لیتے ہیں، پھر جب کھڑے ہوتے ہیں، تو ہاتھ میں قرآن لے کر پڑھنا شروع کردیتے ہیں، تو کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک نفل نماز میں قرآن شریف دیکھ کر تلاوت کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلياً

امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز ہے، اس سے نماز ہوجاتی ہے۔ (رد المحتار علی الدر

(۱) قدتقدم تخريجه تحت عنوان: ''مسجد کی چھت پر تراویح اور فرض نماز پڑھنا''۔

المختار: ج:۱؍ص:۵۸۵)[۱]

امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر قرآن شریف ہاتھ میں اٹھا کر پڑھتا ہے، تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ (عالم گیری: ۱؍۸۱، و روشامی: ۱؍۵۸۵)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر مزید دو رکعت ملانے کی صورت میں فرض کا متغیر ہو جانا

۸۴۲-سوال: امام صاحب نے عصر کی نماز پڑھائی، قعدۂ اخیرہ نہیں کیا، ان کو متنبہ کیا گیا، مگر انہوں نے پانچویں اور چھٹی رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر لیا، ان کا کہنا ہے کہ چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہو گئی، کیا ان کی یہ بات درست ہے؟ کیا اس صورت میں فرض نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کرنے سے قبل تک امام کے لیے ضروری تھا کہ قعدۂ اخیرہ کی جانب

---

(۱) يفسدها (انتقاله من صلاة إلى مغايرتها)... (وقراءته من مصحف) أي ما فيه قرآن (مطلقا)... وجوزه الشافعي بلا كراهة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۲۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع: سمع المصلي اسم الله تعالى فقال جل جلاله... الخ، ط: دار الفكر)

فلو قرأ في صلاته من مصحف جاز. (الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي - الماوردي (م:۴۵۰ھ): ۲/ ۱۸۴، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة وعدد سجود القرآن، ت: علي محمد معوض - عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ويجوز أن يقرأ في الصلاة من مصحف. (الإقناع في الفقه الشافعي، ص: ۴۵، باب ما يبطل الصلاة وما لا يبطلها)

[۲] ويفسدها قراءته من مصحف عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وقال: لا يفسد له إن حمل المصحف وتقليب الأوراق والنظر فيه عمل كثير وللصلاة عنه بد، وعلى هذا لو كان موضوعا بين يديه على رحل وهو لا يحمل ولا يقلب أو قرأ المكتوب في المحراب لا تفسد، ولأن التلقن من المصحف تعلم ليس من أعمال الصلاة وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره فتفسد بكل حال وهو الصحيح. هكذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۱، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الأول فيما يفسدها، ط: دار الفكر - بيروت☆الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۲۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع: سمع المصلي اسم الله تعالى فقال جل جلاله... الخ، ط: دار الفكر)

لوٹ جائے اور سجدہ سہو کے ساتھ نماز کی تکمیل کرے۔[1]

صورت مسئولہ میں قعدۂ اخیرہ کے چھوٹ جانے، اور پانچویں رکعت کا سجدہ کر لینے کی صورت میں فرض نماز صحیح نہیں ہوگی؛ کیوں کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اور فرض چھوٹ جانے کی وجہ سے نماز ادا نہیں ہوتی ہے؛ مذکورہ صورت میں چھ کی چھ رکعات نفل بن جائے گی، امام اور مقتدیوں سب کو اپنی اپنی نمازیں دوبارہ پڑھنی ہوگی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] چار رکعت فرض کی جگہ پانچ رکعت پڑھنا

۸۴۳-سوال: ایک شخص نے غلطی سے چار رکعت فرض کے بجائے پانچ رکعت پڑھ لی، پانچویں رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا تو پھر مزید ایک رکعت ملالی، اس طرح کل چھ رکعات ہوئیں، تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز درست ہوگی یا پوری نماز دہرانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چوتھی رکعت کے قعدہ کے بعد پانچویں اور چھٹی رکعات پڑھی ہے اور سجدۂ سہو کیا ہے، تو نماز درست

---

[۱] (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد (ما لم يقيدها بسجدة) لأن ما دون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود (وإن قيدها) بسجدة عامدا أو ناسيا أو ساهيا أو مخطئا (تحول فرضه نفلا). [رد المحتار على رد المحتار: ۲/۸۵، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر-بيروت]

(۲) فرائض الصلاة ستة ... " والقعدة في آخر الصلاة مقدار التشهد " لقوله عليه الصلاة والسلام لابن مسعود رضي الله عنه حين علمه التشهد " إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتك " علق التمام بالفعل قرأ أو لم يقرأ. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/۹۸، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة☆ تحفة الفقهاء: ۱/۱۳۶، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة☆الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة☆بدائع الصنائع: ۱/۱۷۱، كتاب الصلاة، فصل بيان المتروك ساهيا هل يقضى أم لا☆المحيط البرهاني: ۱/۵۰۷، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو)

وفي الولو الجية الأصل في هذا أن المتروك ثلاثة أنواع فرض وسنة وواجب، ففي الأول أمكنه التدارك بالقضاء يقضي وإلا فسدت صلاته وفي الثاني لا تفسد؛ لأن قيامها بأركانها وقد وجدت ولا يجبر بسجدتي السهو وفي الثالث إن ترك ساهيا يجبر بسجدتي السهو وإن ترك عامدا لا، كذا التتارخانية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۶، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: زكريا-ديوبند)

ہوجائے گی، اس صورت میں چار رکعات فرض اور دو رکعات نفل شمار ہوں گی، لیکن یہ دو رکعات فرض کے بعد کی سنت کے قائم مقام نہیں ہوں گی۔[1] اور اگر چوتھی رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا، تو سجدۂ سہو کے باوجود فرض نماز درست نہیں ہوگی، بل کہ یہ چاروں رکعت نفل بن جائیں گی۔ (شامی: ۱/ ۵۵۳)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] کسی وجہ سے امام صاحب کے ساتھ رکوع چھوٹ جائے، تو کیا کرے؟

۸۴۴-سوال: ہمارے یہاں جمعہ کی نماز مائیک میں ہوتی ہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ امام صاحب جمعہ کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے، انہوں نے اللہ اکبر کہا، سب مصلیوں نے ان کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہی، اس کے بعد امام صاحب نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور سورت ملاتے ہوئے ایک آیت پڑھی کہ مائیک بند ہوگیا، اس کے بعد امام صاحب نے رکوع کی تکبیر کہی، وہ رکوع میں گئے، پھر قومہ میں آئے؛ لیکن مائیک بند ہی تھا، جب سجدے میں جانا شروع کیا، تو ایک دم سے مائیک چالو ہوا، امام صاحب تو سجدے میں چلے گئے؛ لیکن مقتدیوں کا ابھی رکوع باقی تھا، انہوں نے رکوع کے بغیر ہی امام صاحب کے ساتھ سجدے میں شرکت کرلی، ان میں سے بعض نے اس رکعت کا اعادہ کیا، اور بعض نے نہیں کیا۔

سوال یہ ہے کہ جنہوں نے پہلی رکعت کا اعادہ کیا، ان کی نماز کا کیا ہوگا اور جنہوں نے اعادہ نہیں کیا ہے، ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بعضوں کا یہ کہنا ہے کہ ہم لوگ امام صاحب کے تابع ہیں؛ اس لیے ہماری نماز صحیح ہوجائے گی، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں جن لوگوں نے رکوع نہیں کیا ہے اور سیدھے سجدے میں چلے گئے ہیں، اور بعد میں اس رکعت کی تکمیل نہیں کی، ان کی نماز نہیں ہوگی؛ کیوں رکوع نماز میں فرض ہے اور فرض کے چھوٹ جانے

---

(۱) (و) الركعتان (لا ينوبان عن السنة الراتبة) بعد الفرض في الأصح لأن المواظبة عليهما إنما كانت بتحريمة مبتدأة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۸۸، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر- بيروت)

[۲] (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد (ما لم يقيدها بسجدة) لأن ما دون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود (وإن قيدها) بسجدة عامدا أو ناسيا أو ساهيا أو مخطئا (تحول فرضه نفلا). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۸۵، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر- بيروت]

کی وجہ سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؛ البتہ جنہوں نے رکوع کرکے سجدہ کیا ہے،- کہ اصل یہی ہے- یا رکوع تو نہیں کیا ہے؛ لیکن بعد میں کھڑے ہوکر ایک رکعت پڑھ لی ہے، ان کی نماز صحیح ہوجائے گی۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ ''ہم لوگ امام صاحب کے تابع ہیں؛ لہٰذا ان کی تبعیت میں ہماری نماز صحیح ہوجائے گی'' ان کا ایسا کہنا غلط ہے؛ کیوں کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں گرچہ امام کی اتباع واجب ہے؛ لیکن کسی مقتدی کا اگر کوئی فرض چھوٹ جائے، تو اس سے نماز فاسد ہوجائے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] امام کے ساتھ کسی مقتدی کا سجدۂ ثانیہ چھوٹ جائے تو کیا کرے؟

۸۴۵-سوال: فرض نماز میں کسی مقتدی نے امام کے ساتھ پہلا سجدہ کیا، پھر جلسہ کیا، اور کسی وجہ سے دوسرا سجدہ امام کے ساتھ نہیں کرسکا، بل کہ سیدھا سر اٹھا کر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا، تو مقتدی کی نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کے ساتھ اگر کوئی مقتدی سجدہ نہیں کرسکا، تو اُسے چاہیے کہ وہ سجدہ کرکے امام کے ساتھ شریک ہوجائے، اِس صورت میں اُس کا سجدہ درست ہوگا، اگرچہ امام کے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد سجدہ کیا ہو، تب بھی درست ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری) [اگر نہ تو اس وقت سجدہ کیا اور نہ بعد میں؛ بل کہ اسی طرح نماز مکمل

---

(۱) اللاحق وهو الذي أدرك أولها وفاته الباقي لنوم أو حدث أو بقي قائما للزحام... اللاحق... ينبغي له أن يشتغل أولا بقضاء ما سبقه الإمام بغير قراءة يقوم مقدار قيام الإمام وركوعه وسجوده ولو زاد أو نقص فلا يضره هكذا في شرح الطحاوي وإذا كبر مع الإمام ثم نام حتى صلى الإمام ركعة ثم انتبه فإنه يصلي الركعة الأولى وإن كان الإمام يصلي الركعة الثانية. هكذا في الذخيرة، ولو لم يشتغل بقضاء ما سبقه الإمام ولكن يتابع الإمام أولا ثم قضى ما سبقه الإمام بعد تسليم الإمام جازت صلاته عندنا. هكذا في شرح الطحاوي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۲، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، ط: دار الفكر - بيروت)

إن المتروك الذي يتعلق به سجود السهو من الفرائض والواجبات لا يخلو إما أن كان من الأفعال أو من الأذكار، ومن أي القسمين كان وجب أن يقضي إن أمكن التدارك بالقضاء، وإن لم يمكن فإن كان المتروك فرضا تفسد الصلاة، وإن كان واجبا لا تفسد، ولكن تنتقص وتدخل في حد الكراهة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۶۷، كتاب الصلاة، فصل بيان المتروك ساهيا هل يقضى أم لا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

کرلی، تو فرض [رکن] کے رہ جانے کی وجہ سے نماز نہیں ہوگی اور اعادہ ضروری ہوگا۔][1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] قراءاتِ سبعہ کی تمام روایتوں کو ایک نماز میں پڑھنا

۸۴۶-سوال: قرآت سبعہ کی تمام روایتوں کو نماز میں جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

قراءات سبعہ متواتر ہیں، اس اعتبار سے ان کا نماز میں پڑھنا جائز ہے؛ لیکن کوئی ایک روایت پڑھنی چاہیے۔[2]

ایک ساتھ تمام روایات کو جمع کر کے یا بعض روایات کو جمع کر کے نماز میں پڑھنا مکروہ ہے۔ اس طرح پڑھنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، یہ تو نمائش اور فن کا اظہار ہے اور نماز اس کے لیے نہیں ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] پلاسٹک کی سخت ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

۸۴۷-سوال: ہمارے یہاں مسجدوں میں پلاسٹک کی ٹوپیاں رکھی گئی ہیں، ٹوپیاں اتنی سخت ہیں کہ نماز پڑھتے وقت سر سے گر جاتی ہیں، تو ایسی ٹوپی میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

(۱) تكون المتابعة فرضا، بمعنى أن يأتي بالفرض مع إمامه أو بعده، كما لو ركع إمامه فركع معه مقارنا أو معاقبا وشاركه فيه أو بعدما رفع منه، فلو لم يركع أصلا، أو ركع ورفع قبل أن يركع إمامه ولم يعده معه أو بعده بطلت صلاته. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۷۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام، ط: دار الفكر-بيروت)

(ومنها السجود) السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة. كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۰، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، ط: دار الفكر-بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان سابق: "کسی وجہ سے امام صاحب کے ساتھ رکوع چھوٹ جائے تو کیا کرے؟"۔

(۲) في الحجة قراءة القرآن بالقراءات السبعة والروايات كلها جائزة. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۹، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، ط: زكريا-ديوبند)

(۳) قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ (۲۳-المومنون: ۱-۳)

الجواب حامداو مصلیا:

پلاسٹک کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے؛ لیکن اگر بار بار سر سے گر جاتی ہو، تو بہتر نہیں ہے؛ کیوں کہ کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بار بار ٹوپی کو اٹھا کر پہننے سے نماز فاسد ہو جائے گی؛ لہٰذا ایسی ٹوپی نہیں پہننی چاہیے۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] امام صاحب کو لقمہ دینا مفسد صلاۃ نہیں ہے

۸۴۸-سوال: اگر امام صاحب سے تین آیتیں پڑھ لینے کے بعد غلطی ہوئی اور کسی مقتدی نے لقمہ دیا، تو کیا لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

الجواب حامداو مصلیا:

امام صاحب نے تین آیت سے کم تلاوت کی ہو یا زیادہ، لقمہ دینے والے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (درمختار جلد ا صفحہ ۶۲۲)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] مصلی کے سامنے کا پردہ سترہ کے قائم مقام ہے

۸۴۹-سوال: کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، اس کے آگے پردہ لگا ہوا ہو، جو اوپر سے ڈوری سے بندھا ہوا ہو اور نیچے سے تقریبا ایک بالشت پردہ اونچا ہو، تو کیا وہ سترہ مانا جائے گا؟ جب کہ سترہ کا حکم نیچے سے

[۱] و کره... (وصلاته حاسرا) أي كاشفا (رأسه للتكاسل) ولا بأس به للتذلل، وأما للإهانة بها فكفر ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل إلا إذا احتاجت لتكوير أو عمل كثير. (الدر المختار)

وفي الدرر عن التتارخانية: والظاهر أن أفضلية إعادتها حيث لم يقصد بتركها التذلل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۴۱، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، فروع مشى المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر - ديوبند☆البحر الرائق: ۲/ ۴۴، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، ط: دار الكتاب - ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۶، فيمايكره الصلاة ومالا يكره، ط: زكريا - ديوبند)

[۲] (بخلاف فتحه على إمامه) فإنه لا يفسد (مطلقا) لفاتح وآخذ بكل حال، ... وينوي الفتح لا القراءة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله بكل حال) أي سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز به الصلاة أم لا، انتقل إلى آية أخرى أم لا، تكرر الفتح أم لا، هو الأصح نهر. (رد المحتار: ۱/ ۶۲۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع سمع المصلي اسم الله تعالى فقال جل جلاله أو النبي صلى الله عليه وسلم فصلي عليه، ط: دار الفكر - بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۹، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، الفصل الأول فيما يفسدها، ط: زكريا - ديوبند)

دو بالشت کا ہے اور پردہ نیچے سے کھلا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سترہ کا مقصد یہ ہے کہ مصلی کے سامنے سے گذرنے کی بنا پر اس کی توجہ اور دھیان میں خلل نہ ہو، سترہ کی وجہ سے ایک حد قائم ہو جاتی ہے، جس حد تک اس کی توجہ مرکوز رہتی ہے، سترہ کے باہر سے گذرنے میں توجہ محدّد میں خلل نہیں آتا۔[1] اسی لیے سترہ نہ ہونے کی صورت میں حضرات شوافع کے یہاں طویل کپڑا بچھا دینا بھی کافی ہوتا ہے۔ جب مقصد خیال کو انتشار سے بچانا ہے اور ایک حد قائم کر دینا ہے، تو مذکورہ پردہ سے بھی حد قائم ہو جاتی ہے اور مصلی کا دھیان بھی ہٹتا نہیں ہے، جس طرح دیوار سامنے ہو، اس لیے مذکورہ پردہ سترہ کے لیے کافی ہے؛ کیوں کہ گزرنے والا مصلی کی نظروں سے غائب ہے، تو سترہ سے بھی زیادہ مفید ہے۔ اگر پردہ نیچے سے کچھ اونچا ہے؛ اور باہر چلنے پھرنے سے مصلی کی توجہ میں خلل نہیں پڑتا اور چلنے والے کے پیر مصلی کو نظر نہیں آتے، تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لیے وہ سترہ کے لیے کافی ہے۔ (تحفۃ المحتاج: ۲/ ۱۱۰ ☆ المجموع: ۳/ ۲۲۸)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فأما إن كان بينهما حائل فلا بأس بالمرور فيما وراء الحائل والمستحب لمن يصلي في الصحراء أن ينصب بين يديه عودا أو يضع شيئا أدناه طول ذراع كي لا يحتاج إلى الدرء؛ لقول النبي - صلى الله عليه وسلم - إذا صلى أحدكم في الصحراء فليتخذ بين يديه سترة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۷، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يستحب في الصلاة وما يكره، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار: ۲/ ۴۰۱-۴۰۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: زكريا - ديوبند ☆ الهداية: ۱/ ۱۳۸-۱۳۹، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: ياسر نديم، ديوبند)

[۲] (ويسن للمصلي) أن يتوجه (إلى جدار أو سارية) أي عمود (أو عصا مغروزة) أو هنا وفيما بعد للترتيب وفيما قبل للتخيير . . . وكذا يقال في المصلي مع العصا وفي الخط مع المصلي (أو بسط مصلى) بعد عجزه عما ذكر (أو خط) خطا (قبالته). (تحفة المحتاج في شرح المنهاج - أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي (م: ۹۷۴ھ): ۲/ ۱۵۶ - ۱۵۷، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، (فصل) في ذكر مبطلات الصلاة وسننها ومكروهاتها، ط: المكتبة التجارية الكبرى بمصر لصاحبها مصطفى محمد)

قال الإمام عبد الحميد الشرواني: . . . أقول ما ذكره من التردد ظاهر فيما لو بسط نحو بساط طويل للصلاة عليه، أما ما جرت به العادة من الحصر المفروشة في المساجد فينبغي القطع بأنه لا يعد شيء منها سترة، حتى لو وقف في وسط حصير وكان الذي أمامه منها ثلاثة أذرع لم يكف؛ لأن المقصود من السترة تنبيه المار على احترام المحل بوضعها وهذه لجريان العادة بدوام فرشها في المحل لم يحصل بها التنبيه المذكور، ع ش. (حاشية الشرواني مع تحفة المحتاج: ۲/ ۱۵۷ ☆ المجموع شرح المهذب - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶ھ): ۳/ ۲۲۸-۲۲۹، كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة، ط: دار الفكر.

[۳۷] امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے

۸۵۰-سوال: امام کے آگے سترہ ہو، تو کیا صرف امام کے لیے کافی ہوگا یا مقتدی حضرات کے لیے بھی کفایت کر جائے گا، یعنی اس صورت میں مقتدی کے آگے سے گذرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

امام کے آگے سترہ ہو، تو یہ مقتدی کو بھی کافی ہوگا، ایسی صورت میں امام کے پیچھے جو مقتدی حضرات ہیں، ان کے آگے سے نکلنا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۸] سجدے میں جاتے ہوئے ازار اور پتلون کو سمیٹنا

۸۵۱-سوال: سجدے میں جاتے ہوئے دونوں ہاتھ سے اپنی ازار یا پتلون کو اوپر چڑھانا کیسا ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

سجدے میں جاتے ہوئے اپنی ازار اور پتلون کو اوپر نہیں چڑھانا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں عمل کثیر ہوگا۔ عمل کثیر کسے کہتے ہیں، اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ کوئی کام نماز کی حالت میں دونوں ہاتھ سے کیا جائے؛ لہٰذا اس قول کے مطابق نماز فاسد ہو جائے گی؛ عمل کثیر کے بارے میں دوسرے دو قول اور بھی

---

(۱) عن عون بن أبي جحيفة، قال: سمعت أبي: أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى بهم بالبطحاء وبين يديه عنزة، الظهر ركعتين، والعصر ركعتين، تمر بين يديه المرأة والحمار. (صحيح البخاري: ۷۱/۱، رقم الحديث: ۴۹۵، كتاب الصلاة، باب سترة الإمام سترة من خلفه، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱۹۵/۱-۱۹۶، رقم الحديث: ۲۵۲-(۵۰۳)، كتاب الصلاة، باب سترة المصلي، ط: البدر - ديوبند)

"وسترة الإمام سترة للقوم" لأنه عليه الصلاة والسلام صلى ببطحاء مكة إلى عنزة ولم يكن للقوم سترة". (الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱۳۹/۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، ط: ياسر نديم - ديوبند☆رد المحتار على الدر المختار: ۴۰۳/۲-۴۰۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: زكريا - ديوبند)

(وسترة الإمام مجزئة) أي كافية (عن القوم) وإن كان مسبوقا كما هو ظاهر الأحاديث الثابتة في الصحيحين من الاقتصار على سترته - عليه الصلاة والسلام - وهي سترة للقوم. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱۲۲/۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار إحياء التراث العربي)

ہیں: ان کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی؛ لہٰذا اگر ضرورت کی وجہ سے ازار اور پتلون کو اوپر چڑھانا ہی پڑ جائے، تو دونوں ہاتھ سے جلدی سے چڑھا لے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر دونوں ہاتھ سے چڑھانے میں دونوں ہاتھ کو دو تین مرتبہ استعمال کیا ہے، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۹] نماز کی حالت میں جمائی آنا اور روکنے کی صورت میں آنکھوں سے پانی بہنا

۸۵۲-سوال: ایک شخص کو نماز میں بہت جمائی آتی ہے اور اگر تکلف کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کو پورے بدن میں تکلیف ہونے لگتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناقص جمائیاں آتی ہیں، جن کی وجہ سے نماز میں بھی پریشانی لاحق ہوتی ہے، ساتھ ساتھ آنکھوں میں بھی پانی اتر آتا ہے اور اتنی مقدار میں پانی اترتا ہے کہ وہ چہرے اور کپڑوں پر بھی گرنے لگتا ہے، تو ان کی وجہ سے نماز میں کوئی حرج لازم آئے گا یا نہیں؟ زیادہ تر ایسا نماز ہی کی حالت میں ہوتا ہے۔

الجواب حامداومصلیا:

جو چیزیں طبعی اور فطری ہوتی ہیں، جن میں آدمی کے قصد وارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، ایسے کام اگر نماز میں طبعی تقاضوں کی وجہ سے پیش آجائیں، تو ان سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی، مثلاً: جمائی، کھانسی اور چھینک آجائے، تو ان چیزوں میں آدمی مجبور ہوتا ہے؛ اس لیے ان کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان لازم نہیں آئے گا؛ اسی طرح اگر کسی شخص سے قصد وارادے اور درد وتکلیف کے بغیر ''ہاہ ہاہ'' کی

---

(۱) العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا. كذا في محيط السرخسي، واختلفوا في الفاصل بينهما على ثلاثة أقوال: (الأول) أن ما يقام باليدين عادة كثير، وإن فعله بيد واحدة كالتعمم، ولبس القميص، وشد السراويل، والرمي عن القوس، وما يقام بيد واحدة قليل، وإن فعل بيدين كنزع القميص، وحل السراويل، ولبس القلنسوة، ونزعها ونزع اللجام. هكذا في التبيين.

(والثاني) أن يفوض إلى رأي المبتلى به، وهو المصلي فإن استكثره كان كثيرا وإن استقله كان قليلا، وهذا أقرب الأقوال إلى رأي أبي حنيفة -رحمه الله تعالى-.

(والثالث) أنه لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لا يشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد، وإن شك فليس بمفسد وهذا هو الأصح. هكذا في التبيين وهو أحسن. كذا في محيط السرخسي وهو اختيار العامة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۱، ۱۰۲، كتاب الصلاة، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار: ۱/ ۶۲۴، ۶۲۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، ط: دار الفكر)

آواز نکلے اور آنکھوں سے آنسو بہے، تو بھی نماز میں کوئی فساد نہیں آئے گا؛ ہاں! اگر یہ تمام چیزیں اپنے قصد و ارادے سے کر رہا ہے، تو اس سے بعض صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۰] نماز کا وقت ختم ہو جانے کے خوف سے استنجاء کے شدید تقاضہ کے ساتھ نماز پڑھنا

۸۵۳-سوال: کسی شخص کو استنجاء کا سخت تقاضہ ہے، اور فجر کی نماز کا وقت بہت ہی کم باقی رہ گیا ہے، کہ اگر استنجاء سے فراغت حاصل کرے گا، تو وقت ختم ہو جائے گا اور نماز قضاء ہو جائے گی، تو اس صورت میں اگر وہ شخص استنجاء کے تقاضہ کو روک کر نماز ادا کرے، تو اُس کی نماز درست ہوگی یا مکروہ؟

الجواب حامداً ومصلياً ومسلماً

استنجاء کے تقاضہ کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اگر نماز کا وقت کم ہو اور استنجاء کا تقاضہ اتنا شدید نہ ہو، کہ اُسے روکنے میں کوئی تکلیف ہو اور اُسے روک کر نماز پڑھنے سے نماز کے خشوع وخضوع میں کوئی فرق نہیں آتا، تو پہلے نماز پڑھ لینی چاہیے؛ لیکن اگر تقاضہ کو روکنے میں تکلیف ہو کہ نماز کا خشوع وخضوع حاصل نہ ہو، اور پورا دھیان استنجاء میں ہی رہنے کا اندیشہ ہو، تو پہلے استنجاء سے فارغ ہو جائے، اور بعد میں نماز کی قضا کر لے۔ (فتاوی قاضی خان)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) يفسدها... (والتنحنح) بحرفين (بلا عذر) أما به بأن نشأ من طبعه فلا (أو) بلا (غرض صحيح) فلو لتحسين صوته أو ليهتدي إمامه أو للإعلام أنه في الصلاة فلا فساد على الصحيح... (والأنين) هو قوله "أه" بالقصر (والتأوه) هو قوله آه بالمد (والتأفيف) أف أو تف (والبكاء بصوت) يحصل به حروف (لوجع أو مصيبة) قيد للأربعة إلا لمريض لا يملك نفسه عن أنين وتأوه لأنه حينئذ كعطاس وسعال وجشاء وتثاوب وإن حصل حروف للضرورة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۱۸، ۶۱۹، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر ☆الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۱، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة الخ، الفصل الاول فيما يفسدها، ط: مكتبہ زكريا - ديوبند)

(۲) عن ابن أبي عتيق، قال: تحدثت أنا والقاسم، عند عائشة رضي الله عنها، حديثا وكان القاسم رجلا لحانة وكان لأم ولد، فقالت له عائشة: مالك لا تحدث كما يتحدث ابن أخي هذا، أما إني قد علمت من أين أتيت هذا أدبته أمه، وأنت أدبتك أمك، قال: فغضب القاسم وأضب عليها، فلما رأى مائدة عائشة، قد أتي بها قام، قالت: أين؟ قال: أصلي، قالت: اجلس، قال: إني أصلي، قالت: اجلس غدر، إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا صلاة بحضرة الطعام، ولا هو يدافعه الأخبثان. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۰۸، رقم الحديث: ۶۷ - (۵۶۰)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب لا صلاة بحضرة طعام ولا هو يدافعه الأخبثان، ط: البدر - ديوبند)

ويكره الدخول في الصلاة وهو مطالب ببول أو غائط، فإن افتتحها وذلك يشغله عن الصلاة، قطعها، وإن مض =

[۴۱] امام سری نماز میں جہراً قراءت شروع کردے تو مقتدی اُسے کیسے آگاہ کرے؟

۸۵۴-سوال: امام صاحب اگر غلطی سے سری نماز میں جہراً قراءت شروع کردیں، تو مقتدی انہیں کیسے آگاہ کرے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

سری نماز میں امام صاحب جہراً قراءت شروع کردیں یا اور کوئی غلطی ہوجائے، تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ ''سبحان اللہ'' کہہ کر آگاہ کرے۔ (درمختار)[1] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

= عليها أجزأه و قد أساء، و كذا لو أصابه بعد الافتتاح. (فتاوى قاضي خان مع الهندية: ۱/۱۱۹، باب الحدث في الصلاة، و ما يكره و ما لا يكره، ط: زكريا-ديوبند)

و في "المحيط" ويكره أن يدخل في الصلاة وهو يدافع الأخبثين أو الريح فإن ثقله الاهتمام بها قطعها، وإن مضى عليها أجزأه وقد أساء، وشدد أبو زيد المروزي والقاضي حسين من الشافعية وقالا: إذا انتهى به مدافعة الأخبثين إلى ذهاب خشوعه لم تصح صلاته، ومذهب الظاهرية بطلان الصلاة مع مدافعة الأخبثين، والصحيح عند العلماء: صحة ذلك مع الكراهة. (البناية شرح الهداية-أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى، الغيتابي الحنفي بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۲/۴۴۶، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل في العوارض التي تكره في الصلاة، كف الثوب في الصلاة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ويكره الصلاة وقت مدافعة البول أو الغائط، ووقت حضور الطعام إذا كانت النفس تائقة إليه، والوقت الذي يوجد فيه ما يشغل البال من أفعال الصلاة، ويخل بالخشوع كائنا ما كان الشاغل، ويكره أداء العشاء ما بعد نصف الليل. هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الأول في أوقات الصلاة، ط: دار الفكر ☆ الجوهرة النيرة- أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/۵۹، باب صفة الصلاة، ط: المطبعة الخيرية)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۴۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الخشوع، ط: دار الفكر- بيروت ☆ حاشية الشرنبلالي على درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۱/۱۰۹، مكروهات الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية.

[۱] ولو استأذن على المصلي إنسان، فسبح، وأراد به إعلامه أنه في الصلاة، لم يقطع صلاته؛ لما روي عن علي - رضي الله عنه - أنه قال: كان لي من رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مدخلان في كل يوم، بأيهما شئت دخلت، فكنت إذا أتيت الباب، فإن لم يكن في الصلاة فتح الباب فدخلت، وإن كان في الصلاة، رفع صوته بالقراءة فانصرفت؛ ولأن المصلي يحتاج إليه لصيانة صلاته؛ لأنه لو لم يفعل ربما يلح المستأذن حتى يبتلى هو بالغلط في القراءة، فكان القصد به صيانة صلاته فلم تفسد، وكذا إذا عرض للإمام شيء فسبح المأموم ولا بأس به؛ لأن القصد به إصلاح =

[۴۲] دوران صلاۃ امام صاحب کی لنگی کی گرہ کھل جائے، تو وہ بقیہ نماز کیسے پوری کریں؟

۸۵۵-سوال: امام صاحب کی لنگی کی گرہ دوسری رکعت کے سجدے کے دوران کھل گئی؛ جس کی وجہ سے وہ بیٹھ گئے، اور اسی حالت میں نماز مکمل کی، جب کہ مقتدی کھڑے ہوگئے، امام صاحب نے اس لیے بیٹھ کر نماز مکمل کی کہ اگر کھڑے ہوتے تو ستر کھل جاتا، اور لنگی باندھ لیتے تو عملِ کثیر ہوجاتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح امام بیٹھ کر نماز پوری کرے اور مقتدی کھڑے ہوں، تو نماز صحیح ہوگی؟ اور اس صورت میں امام کے لیے صحیح طریقہ کون سا ہے؟ کیا انھیں عملِ کثیر کے باوجود لنگی باندھ لینی چاہیے تھی؟ یا بیٹھ کر نماز پوری کرنا ہی صحیح ہے، جیسا کہ انہوں نے کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلۂ مذکورہ میں جب امام صاحب نے بیٹھ کر نماز مکمل کی، تو قیام- جو کہ فرض ہے-[1] کے ترک کرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی، امام صاحب کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اس صورت میں اولاً عملِ قلیل کے ذریعے لنگی باندھ لیتے، اگر احتیاط کے باوجود عملِ کثیر کا تحقق ہوجاتا، تو نماز کا اعادہ کرلیتے، یہ ایسا ہی ہے، جیسے نماز کے درمیان اگر سانپ یا بچھو نکل آئے اور اس کے کاٹنے کا خوف ہو، تو نماز کے دوران اولاً اسے مارنے کا حکم ہے۔ پھر نماز دہرائی جائے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الصلاة، فسقط حكم الكلام عنه للحاجة إلى الإصلاح. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/ ۲۳۵، فصل بيان حكم الاستخلاف، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۷۷، كتاب الصلاة، ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، ط: زكريا-ديوبند☆ البحر الرائق: ۲/ ۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۱) ولا يجوز ترك القيام في المكتوبة إلا من عذر. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱/ ۲۰۸، كتاب الصلاة، صلت المرأة وربع ساقها مكشوف، ط: دار المعرفة- بيروت☆ المحيط البرهاني -ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۱۴۴، كتاب الصلاة، الفصل الحادي و الثلاثون في صلاة المريض، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) (لا) يكره (قتل حية أو عقرب) إن خاف الأذى، إذ الأمر للإباحة لأنه منفعة لنا، فالأولى ترك الحية البيضاء لخوف الأذى (مطلقا) ولو بعمل كثير على الأظهر؛ لكن صحح الحلبي الفساد. (الدر المختار: ۱/ ۶۵۰)

قال ابن عابدين: (قوله على الأظهر) كذا قال الإمام السرخسي، وقال لأنه عمل رخص فيه للمصلي، فهو كالمشي=

[۴۳] نماز میں کسی نابالغ کا لقمہ دینا

۸۵۶-سوال: اگر جہری نماز میں کسی نابالغ بچے نے لقمہ دے دیا، تو اُس کا لقمہ قبول کرنے سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نابالغ کی نماز اور اقتداء درست ہے؛ لہٰذا اُس سے لقمہ لینا بھی جائز ہے۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۴] کھجور کے درخت کی پتیوں سے بنی ہوئی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

۸۵۷-سوال: ہماری مسجد میں کھجور کے درخت کی پتیوں کی ٹوپیاں رکھی ہوئی ہیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ان ٹوپیوں کو پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

کھجور کے درخت کی پتیوں کی ٹوپی، جو عام طور پر مساجد میں رکھی جاتی ہیں، اُنھیں پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نماز جائز ہے، جس طرح کھجور کی چٹائی پر نماز پڑھی جاتی ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= بعد الحدث بحر (قوله لكن صحح الحلبي الفساد) حيث قال تبعا لابن الهمام: فالحق فيما يظهر هو الفساد، والأمر بالقتل لا يستلزم صحة الصلاة مع وجوده كما في صلاة الخوف؛ بل الأمر في مثله لإباحة مباشرته وإن كان مفسدا للصلاة. اهـ. ونقل كلام ابن الهمام في الحلية والبحر والنهر وأقروه عليه، وقالوا: إن ما ذكره السرخسي رده في النهاية بأنه مخالف لما عليه عامة رواة شروح الجامع الصغير ومبسوط شيخ الإسلام من أن الكثير لا يباح. اهـ. (رد المحتار: ۱/۶۵۱، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها، فرع لا بأس باتخاذ المسبحة لغير رياء، ط: دار الفكر-بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/۵۳-۵۴، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ط: دار الكتاب-ديوبند)

(۱) وفتح المراهق كالبالغ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/۱۱، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۹۹، الباب السابع فيمايفسد الصلاة ومايكره فيها، الفصل الأول فيمايفسدها، ط: دار الفكر)

(۲) کہ عدم جواز کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے: و الأصل في الأشياء الإباحة (رد). [قواعد الفقه-محمد عميم الإحسان المجددي البركتي: ۵۹، القواعد الفقهية، ط: الصدف پبلشرز - كراتشي]

[۴۵] عورتوں کا ایسی چوڑیاں پہن کر نماز پڑھنا، جن میں باریک تصویریں ہوں

۸۵۸-سوال: چوڑیوں میں اگر ایسی باریک تصاویر ہوں، جو بہت غور سے دیکھے بغیر دکھائی نہ دیتی ہوں، تو ایسی چوڑیاں پہن کر نماز پڑھنے سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چوڑیاں پہن کر نماز پڑھنا جن میں غور سے دیکھے بغیر تصاویر کا پتہ نہ چل سکتا ہو جائز ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۶] جان بوجھ کر بغیر ٹوپی پہنے نماز پڑھنا

۸۵۹-سوال: ہمارے یہاں بہت سے مسلمان بغیر ٹوپی پہنے نماز پڑھ لیتے ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ اُن کی نماز تو ہوجاتی ہے؛ لیکن جان بوجھ کر بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کے سلسلہ میں حکمِ شرعی کیا ہے؟ اِس کے متعلق مکمل تفصیل سے رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر ٹوپی پہنے نماز پڑھنا مکروہ ہے، ٹوپی پہننے کو ضروری نہ سمجھتے ہوئے یا اس وجہ سے کہ ٹوپی اپنے ساتھ رکھنا بوجھ معلوم ہو رہا ہو، تو مکروہِ تنزیہی ہے، کبھی کسی مجبوری کی وجہ سے بغیر ٹوپی کے نماز پڑھ لے، تو گنجائش ہے، لیکن اِس کی عادت بنانے والا گنہ گار ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ویکره أن یصلي وبین یدیه أو فوق رأسه أو علی یمینه ... وهذا إذا کانت الصورة کبیرة تبدو للناظر من غیر تکلف. کذا في فتاوی قاضي خان، ولو کانت صغیرة بحیث لا تبدو للناظر إلا بتأمل، لا یکره. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۰۷، الباب السابع فیما یفسد الصلاة وما یکره فیها، الفصل الثاني فیما یکره في الصلاة وما لا یکره، ط: دار الفکر)

(۲) وکره ... (وصلاته حاسرا) أي کاشفا (رأسه للتکاسل) ولا بأس به للتذلل، وأما للإهانة بها فکفر ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل إلا إذا احتاجت لتکویر أو عمل کثیر. (الدر المختار) ———— قال ابن عابدین: (قوله للتکاسل) أي لأجل الکسل، بأن استثقل تغطیته ولم یرها أمرا مهما في الصلاة فترکها لذلك، وهذا معنی قولهم تهاونا بالصلاة ولیس معناه الاستخفاف بها والاحتقار لأنه کفر شرح المنیة. قال في الحلیة: وأصل الکسل ترك العمل لعدم الإرادة، فلو لعدم القدرة فهو العجز. (قوله ولا بأس به للتذلل) قال في شرح المنیة: فیه إشارة إلی أن الأولی أن لا یفعله وأن یتذلل ویخشع بقلبه فإنهما من أفعال القلب. اهـ. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۶۴۱، =

[۷۴] قلیل کلام مفسد صلاۃ ہے

۸۶۰-سوال: ایک مرتبہ یہاں (کویت میں) امام صاحب نے بھول کر عصر کی تین رکعت فرض نماز پڑھائی، کچھ گفتگو کی، پھر ان کو یاد آیا، توانہوں نے باقی ایک رکعت پڑھائی اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اصلاح صلاۃ کے لیے قلیل گفتگو سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۱)

= باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فروع مشى المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، مطلب في الخشوع، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۶، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة و ما لا يكره، ط: دار الفكر)

(۱) عن معاوية بن الحكم السلمي، قال: بينا أنا أصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذ عطس رجل من القوم، فقلت: يرحمك الله فرماني القوم بأبصارهم، فقلت: واثكل أمياه، ما شأنكم؟ تنظرون إلي، فجعلوا يضربون بأيديهم على أفخاذهم، فلما رأيتهم يصمتونني لكني سكت، فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فبأبي هو وأمي، ما رأيت معلما قبله ولا بعده أحسن تعليما منه، فوالله، ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني، قال: إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۰۳، رقم الحديث: ۳۳- (۵۳۷)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة، و نسخ ما كان من إباحته، ط: ديوبند)

امام نووی شافعیؒ (م: ۶۷۶ھ) نے اس حدیث کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے:

فيه تحريم الكلام في الصلاة سواء كان لحاجة أو غيرها وسواء كان لمصلحة الصلاة أو غيرها، فإن احتاج إلى تنبيه، أو إذن لداخل ونحوه سبح إن كان رجلا وصفقت إن كانت امرأة، هذا مذهبنا ومذهب مالك وأبي حنيفة رضي الله عنهم والجمهور من السلف والخلف، وقال طائفة منهم الأوزاعي يجوز الكلام لمصلحة الصلاة لحديث ذي اليدين... وهذا في كلام العامد العالم أما الناسي فلا تبطل صلاته بالكلام القليل عندنا، وبه قال مالك وأحمد والجمهور، وقال أبو حنيفة رضي الله عنه والكوفيون: تبطل،... فإن كثر كلام الناسي، ففيه وجهان مشهوران لأصحابنا، أصحهما تبطل صلاته، لأنه نادر وأما كلام الجاهل إذا كان قريب عهد بالإسلام فهو ككلام الناسي فلا تبطل الصلاة بقليله. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ 'حاشية النووي على المسلم: ۵/ ۲۰، باب تحريم الكلام في الصلاة و نسخ ما كان من إباحته، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

احناف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی؛ اس لیے صورت مسئولہ میں حنفی مسلک والوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۸] نماز میں بلا ضرورت عادتاً کھنکھارنا

۸۶۱-سوال: ایک شخص ہر وقت رکوع اور سجدہ میں کھنکھارتا رہتا ہے اور بلغم پی جاتا ہے، خواہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہو یا اکیلا، کیا اس طرح ہر نماز میں زور سے کھنکھارنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی؟

الجواب حامدا ومصليا:

مصلی کے دوران صلاۃ بلا ضرورت کھنکھارنے کی وجہ سے اگر کوئی لفظ بن جائے، جیسے کہ آہ آہ کرنا، تو نماز فاسد ہو جائے گی؛ لیکن اگر عذر ہے، گلے میں بلغم پھنسا ہوا ہے، یا آواز کی صفائی کے لیے ایسا کرتا ہے، یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے کھنکھارتا ہے، تو جائز ہے، نماز فاسد نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے: (والتنحنح بحرفين (بلا عذر) أما به بأن نشأ من طبعه فلا (أو) بلا (غرض صحيح) فلو لتحسين صوته أو ليهتدي إمامه أو للإعلام أنه في الصلاة فلا فساد على الصحيح. (درمختار مع شامی، ج:۱، ص:۵۷۸) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (يفسدها التكلم) هو النطق بحرفين أو حرف مفهم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۱۳، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت)

ومنها أي من مفسدات الصلاة الكلام عمدا أو سهوا، وقال الشافعي: كلام الناسي لا يفسد الصلاة إذا كان قليلا. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۳۳، فصل بيان حكم الاستخلاف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) قال ابن عابدين: (قوله والتنحنح) هو أن يقول أح بالفتح والضم بحر (قوله بحرفين) يعلم حكم الزائد عليهما بالأولى، ... (قوله بأن نشأ من طبعه) أي بأن كان مدفوعا إليه (قوله على الصحيح) لأنه يفعله لإصلاح القراءة فيكون من القراءة معنى كالمشي للبناء، فإنه وإن لم يكن من الصلاة لكنه لإصلاحها فصار منها معنى شرح المنية عن الكفاية، لكنه لا يشمل ما لو كان لإعلام أنه في الصلاة أو ليهتدي إمامه إلى الصواب. والقياس الفساد في الكل إلا في المدفوع إليه كما هو قول أبي حنيفة ومحمد؛ لأنه كلام، والكلام مفسد على كل حال كما مر، وكأنهم عدلوا بذلك عن القياس وصححوا عدم الفساد به إذا كان لغرض صحيح لوجود نص، ولعله ما في الحلية عن سنن ابن ماجه عن علي - رضي الله عنه - قال: كان لي من رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مدخلان: مدخل بالليل ومدخل بالنهار، فكنت إذا أتيته وهو يصلي تنحنح لي. وفي رواية: سبح. وحملهما في الحلية على اختلاف الحالات، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۱۷ - ۶۱۸، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب المواضع التي لا يجب فيها رد السلام، ط: دار الفكر - بيروت)

[۴۹] کیا نمازی کے آگے سے گزرنا اور ہٹنا دونوں برابر ہیں؟

۸۶۲-سوال: نمازی کے آگے بیٹھے ہوئے شخص کا اٹھ کر چلا جانا گناہ کا باعث ہے یا نہیں؟
ہم نے سنا ہے کہ ”نمازی کے آگے جو شخص ہوتا ہے، وہ بہ منزلہ سترہ کے ہے، اگر وہ وہاں سے ہٹ جائے گا، تو گنہ گار ہوگا“۔ میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں کہ جس طرح سامنے سے گزرنے پر گناہ ہوتا ہے، اسی طرح سامنے بیٹھے ہوئے شخص کا ہٹنا بھی گناہ کا باعث ہوگا، تو کیا میرا ایسا سمجھنا درست ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

مصلی کے سامنے والے آدمی کا ہٹنا جائز ہے، البتہ گزرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اس کا پتا چل جائے کہ اس کی وجہ سے اس کو کس قدر گناہ ہوگا، تو وہ چالیس دن یا چالیس مہینہ یا چالیس سال انتظار کرنا پسند کرے گا۔ (اور اس کے سامنے سے نہیں گذرے گا)[1]

---

(۱) عن بسر بن سعيد، أن زيد بن خالد، أرسله إلى أبي جهيم يسأله: ماذا سمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم في المار بين يدي المصلي؟ فقال أبو جهيم: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه، لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه. قال أبو النضر: لا أدري، أقال أربعين يوما، أو شهرا، أو سنة.
(صحيح البخاري: ۱/ ۷۳، رقم الحديث: ۵۱۰، كتاب الصلاة، باب إثم المار بين يدي المصلي، ط: البدر - ديوبند
☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۹۷، رقم الحديث: ۲۶۱-۵۰۷، كتاب الصلاة، باب سترة المصلي، ط: ديوبند)
قال الطحاوي في مشكل الآثار: إن المراد: أربعين سنة، واستدل بحديث أبي هريرة مرفوعا: "لو يعلم الذي يمر بين يدي أخيه معترضا وهو يناجي ربه وحينئذ لكان أن يقف مكانه مائة عام خيرا من الخطوة التي خطاها"، ثم قال: هذا الحديث متأخر عن حديث أبي جهيم؛ لأن فيه زيادة الوعيد، وذلك لا يكون إلا بعدما أو عدهم بالتخفيف كذا نقله ابن الملك. ـــــــ وفي شرح المنية: إنما يكره المرور بين يدي المصلي إذا لم يكن عنده حائل نحو السترة؛ فإنه لا يكره المرور من وراء الحائل، وأيضا إنما يكره المرور عند عدم الحائل إذا مر في موضع سجوده، وهو الأصح، وهو مختار السرخسي، وفي النهاية: الأصح أنه لو صلى صلاة الخاشعين بأن يكون بصره حال قيامه إلى موضع سجوده لا يقع بصره على المار لا يكره، وهو مختار فخر الإسلام، وقيل: هذا في الصحراء، أما في المسجد الصغير فيكره مطلقا، وأما الكبير فقيل: هو كالصغير، وقيل كالصحراء، ورجح ابن الهمام ما ذكره في النهاية من غير تفصيل بين المسجد وغيره، والله أعلم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-الملا علي الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۲/ ۶۴۳، رقم الحديث: ۷۷۶، باب السترة، الفصل الأول، ط: دار الفكر - بيروت)
مزید دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۶، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فروع مشى المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، مطلب إذا قرأ قوله تعالى جدك "بدون ألف لا تفسد، ط: دار الفكر - بيروت.

اس حدیث میں وعید "گزرنے والے" کے بارے میں ہے اور جو مصلی کے آگے ہو اور اٹھ کر چلا جائے، تو اس کو گزرنا نہیں کہتے؛ بل کہ "سامنے سے ہٹنا" کہا جاتا ہے، الغرض مصلی کے سامنے سے ہٹنے والا گنہ گار نہیں ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۰] مصلی کے آگے سے اٹھ جانا

۸۶۳-سوال: نمازی کے سامنے سے گذرنا تو گناہ ہے لیکن اگر ایک آدمی پیچھے کی صف میں نماز پڑھ رہا ہو اور آگے کی صف والا فارغ ہوگیا ہے تو وہ اٹھ کر جا سکتا ہے یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ اٹھ کے جا سکتا ہے گناہ نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سامنے نماز پڑھنے والا آدمی ہٹ سکتا ہے، نمازی کے سامنے سے گذرنا ممنوع ہے، ہٹنا ممنوع نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۱] امام کا محراب میں کھڑا ہونا

۸۶۴-سوال: مسجد میں جماعت کھڑی ہونے پر امام مسجد میں بالکل محراب کے اندر کھڑا رہے-جس کو امام کا کٹ جانا کہتے ہیں-تو اس طرح کرنے سے نماز فاسد ہوگی یا صحیح ہوگی؟ بہت سوں کا کہنا ہے کہ امام محراب سے تھوڑا باہر کھڑا رہے، اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

امام کا اس طرح کھڑا رہنا کہ دونوں پیر محراب کے اندر ہوں، مکروہ ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ لہٰذا امام اپنے دونوں پیر مسجد میں رکھیں اور محراب سے باہر کھڑے ہوں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان متقدم.

(۲) (و) كره . . . (قيام الإمام في المحراب لا سجوده فيه) وقدماه خارجة لأن العبرة للقدم (مطلقا) وإن لم يتشبه حال الإمام إن علل بالتشبه وإن بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه في نفي الكراهة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله إن علل بالتشبه إلخ) قيد للكراهة. وحاصله أنه صرح محمد في الجامع الصغير بالكراهة ولم يفصل؛ فاختلف المشايخ في سببها، فقيل كونه يصير ممتازا عنهم في المكان؛ لأن المحراب في معنى بيت آخر وذلك صنيع أهل الكتاب، واقتصر عليه في الهداية واختاره الإمام السرخسي وقال إنه الأوجه، وقيل اشتباه حاله=

[۵۲] امام کا محراب کے اندر کھڑے رہ کر نماز پڑھانا

۸۶۵-سوال: اگر کوئی امام جماعت والی نماز میں بالکل محراب کے اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھائے، تو اس سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

امام کے لیے بالکل محراب کے اندر کھڑے ہو جانا مکروہ ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=على من في يمينه ويساره، فعلى الأول يكره مطلقا، وعلى الثاني لا يكره عند عدم الاشتباه، وأيد الثاني في الفتح بأن امتياز الإمام في المكان مطلوب، وتقدمه واجب وغايته اتفاق الملتين في ذلك، وارتضاه في الحلية وأيده، لكن نازعه في البحر بأن مقتضى ظاهر الرواية الكراهة مطلقا، وبأن امتياز الإمام المطلوب حاصل بتقدمه بلا وقوف في مكان آخر، ولهذا قال في الولوالجية وغيرها إذا لم يضق المسجد بمن خلف الإمام لا ينبغي له ذلك لأنه يشبه تباين المكانين انتهى. . . . وفي حاشية البحر للرملي: الذي يظهر من كلامهم أنها كراهة تنزيه تأمل اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۴۵-۶۴۷، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، ط: دار الفكر)

قال أبو جعفر: (ويكره للإمام أن يكون مقامه في الصلاة في الطاق، ولا نرى بأسا أن يكون مقامه في المسجد، وسجوده في الطاق). ـــــــ قال أحمد: يعني بالطاق: المحراب إذا كان طاعنا في الحائط يمكن أن يغيب فيه الإمام ببدنه، حتى لا يبصره من على جنبتيه، وكذا كانت محاريب الكوفة قديما. ـــــــ وقد روى كراهة ذلك عن بعض السلف. ـــــــ ووجه ذلك: أنه إذا كان مقامه في الطاق: لم يبصره من عن جانبيه فيقتدوا به. (شرح مختصر الطحاوي-أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰هـ): ۸/ ۵۱۷، كتاب الكراهية، مسألة: كراهية صلاة الإمام في المحراب الذي لا يرى منه، ط: دار البشائر الإسلامية-ودار السراج)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: درر الحكام شرح غرر الأحكام-ملاخسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/ ۱۰۸، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار إحياء الكتب العربية☆مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص: ۳۴، فصل في المكروهات، ط: المكتبة العصرية.

(۱) قد تقدم تخريجه تحت عنوان ''امام کا محراب میں کھڑا ہونا''

لو قرأ القرآن فی الصلاة بالألحان إن غیر الكلمة تفسد وإن كان ذلك فی حروف المد واللين لا تفسد إلا إذا فحش وإن قرأ فی غير الصلاة اختلف المشايخ وعامتهم كرهوا ذلك. كذا فی الخلاصة وهو الصحيح. كذا فی الوجيز للكردری وكرهوا الاستماع أيضاً. كذا فی الخلاصة ونقل عن أبی القاسم الصفار البخاری أن الصلاة إذا جازت من وجوه فسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطا إلا فی باب القراءة، لأن للناس عموم البلوی. كذا فی الظهيرية.

(فتاویٰ عالم گیری: ۱/ ۸۲، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الخامس فی زلة القاری، ط: دار الفکر)

باب القراءة وزلة القاري

[قراءت اور قاری کی لغزش کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب القراءة وزلة القاري

[قراءت اور قاری کی لغزش کا بیان]

[۱] فجر کی نماز میں ۴۰ ر سے ۵۰ ر آیتیں پڑھنا استحباب کے لیے کافی ہے

۸۶۶-سوال: ایک امام صاحب اپنی مسجد میں مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے مفصلات سے قراءت کرتے ہیں، مثلاً صبح کی نماز میں سورۂ نازعات کا پہلا رکوع پہلی رکعت میں اور دوسرا رکوع دوسری رکعت میں، مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ قریش اور دوسری میں اخلاص، اور عشاء کی پہلی رکعت میں سورۂ ضحیٰ اور دوسری میں بینہ [سورۂ لم یکن] کی آخری تین آیتیں پڑھتے ہیں، تو کیا امام صاحب نے اس طرح تلاوت کرنے میں کسی ایسی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، جو نماز کو متاثر (فاسد یا مکروہ) کردے؟

کیا امام صاحب کو مصلی ہی پر مصلین کے سامنے کہا جاسکتا ہے کہ آپ اتنی مختصر نماز کیوں پڑھاتے ہیں کہ فجر میں صرف سات منٹ میں نماز مکمل ہو جاتی ہے؟

کیا ثواب کا مدار وقت کے زیادہ ہونے پر ہے یا طولِ قراءت پر؟ ایک شخص کا کہنا ہے کہ نماز میں وقت زیادہ لگنا چاہیے، سوال یہ ہے کہ شریعت میں صحیح و مسنون طریقہ کیا ہے؟ واضح رہے کہ یہ مسئلہ گاؤں کی مسجد کا ہے، جن میں کمزور افراد بھی ہیں، جن کی عمر ۴۰، ۵۰، ۶۰، ۷۰ تک ہوتی ہے، اور مختصر نماز سے مقتدی راضی ہیں، تو امام کیا کرے؟ امام صرف اس ایک ہی شخص کی رعایت کرے یا اکثر مقتدی حضرات کی۔ تفصیلاً جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

(۱) امام اور منفرد کے لیے فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک،

عصر اور عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک اور مغرب میں قصار مفصل یعنی لم یکن سے اخیر قرآن تک پڑھنا مستحب ہے۔ (عالم گیری، شامی، البحر الرائق)[۱]

(۲) نیز یہ بھی مستحب ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی ایک مکمل سورت پڑھی جائے۔ (عالمگیری)[۲]

(۳) اسی طرح ایک سورت کا نصف حصہ یعنی ایک رکوع ایک رکعت میں اور دوسرا نصف دوسری رکعت میں پڑھنا جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی کراہت پیدا نہیں ہوگی۔ (عالمگیری)[۳]

(۴) فجر کی نماز کے متعلق علماء کرام نے لکھا ہے کہ دونوں رکعت میں کل ملا کر ۴۰/ آیتیں پڑھنا مستحب ہے دو رکعت میں ۴۰ آیات سے کم قرآن کی تلاوت کی گئی تو مستحب ادا نہ ہوگا۔ (البحر الرائق)[۴]

لیکن آیتیں چھوٹی ہوں تو ۶۰ سے ۱۰۰، بڑی ہوں تو ۴۰/ اور متوسط ہوں تو ۵۰ آیات پڑھنے سے مستحب ادا ہو جائے گا۔[۵]

[۱] وسنتها في الحضر أن يقرأ في الفجر في الركعتين بأربعين أو خمسين آية سوى فاتحة الكتاب وفي الظهر ذكر في الجامع الصغير مثل الفجر وذكر في الأصل أو دونه وفي العصر والعشاء في الركعتين عشرين آية سوى فاتحة الكتاب وفي المغرب يقرأ في كل ركعة سورة قصيرة. هكذا في المحيط واستحسنوا في الحضر طوال المفصل في الفجر والظهر وأوساطه في العصر والعشاء وقصاره في المغرب. كذا في الوقاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۷، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحَلَبي الحنفي (م: ۹۵۶ھ): ۱/ ۱۵۷-۱۵۸، باب صفة الصلاة، فصل: يجهر الإمام بالقراءة، ت: خليل عمران المنصور، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البحر الرائق: ۱/ ۳۶۰، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد آفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۱۰۵، باب صفة الصلاة، فصل في أحكام القراءة في الصلاة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۹۲، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۴۸۰، كتاب الصلاة، بيان القدر المستحب من القراءة، ط: زكريا - ديوبند)

[۲] الأفضل أن يقرأ في كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة في المكتوبة. (الفتاوى الهندية ۷۸/۱ ☆ بدائع الصنائع ۴۸۲/۱)

[۳] ولو قرأ بعض السورة في ركعة والبعض في ركعة قيل يكره وقيل لا يكره وهو الصحيح. كذا في الظهيرية ولكن لا ينبغي أن يفعل ولو فعل لا بأس به. كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۸ ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۴۸۲)

[۴-۵] ولم يذكر المصنف عدد الآيات التي تقرأ في كل صلاة لاختلاف الآثار والمشايخ، والمنقول في الجامع الصغير أنه يقرأ في الفجر في الركعتين سوى الفاتحة أربعين أو خمسين أو ستين آية، واقتصر في الأصل على الأربعين، وروى الحسن في المجرد ما بين ستين إلى مائة، ووردت الأخبار بذلك عنه - صلى الله عليه وسلم - ثم قالوا يعمل بالروايات كلها بقدر الإمكان، واختلفوا في كيفية العمل به، فقيل: ما في المجرد من المائة محمل =

فجر میں سورۂ نازعات (جس کی ۴۶/آیتیں ہیں) اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھنے سے سنت پر عمل ہو جائے گا؛ لیکن عشاء کی پہلی رکعت میں "والضحی" تو مقدار مستحب ہے؛ لیکن دوسری رکعت میں سورۂ بینہ کی آخری تین آیتوں کی تلاوت کرنے سے سنت پر عمل نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ مقدار مسنون سے کم ہے۔ البتہ کسی رکعت میں کسی سورت کی آخری آیات تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۶)

البتہ اگر دوسری رکعت میں کم آیات پڑھنے کا کوئی عذر یا کوئی معقول وجہ ہو، تو یہ سنت کے خلاف نہ ہوگا۔ مذکورہ صورت میں امام صاحب نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی ہے، جو نماز میں خلل ونقصان کا باعث بنے؛ اس لیے مسجد میں مصلین کے سامنے یہ کہنا کہ "امام صاحب نے فجر کی نماز میں بہت جلدی کی ہے" جائز نہیں ہے۔ جب امام صاحب نے مستحب کے ادنیٰ درجہ کی قرات کی ہے، تو ان پر نکیر کرنا جائز نہیں ہے، امام صاحب کی بے حرمتی کرنے کے مرادف ہے۔

اگر امام صاحب ۱۰۰/آیات پڑھنے کی استطاعت رکھتے ہوں اور رغبت بھی ہو اور مقتدی بھی طویل قراءت کے خواہش مند اور متمنی ہوں، تو فجر کی دونوں رکعت میں کل ملا کر ۶۰ سے ۱۰۰ آیات تک- جو یہ قول امام حسن مستحب ہے- پڑھنا اور استحباب کے اعلیٰ درجے پر عمل کرنا مطلوب ہے۔ (البحر الرائق: ۱/۳۴۰) [۷]

لیکن دو، چار مقتدی طویل قراءت کو چاہتے ہوں اور دوسرے مقتدی کم قراءت کی آرزو رکھتے ہوں،

=الراغبين، وما في الأصل محمل الكسالى أو الضعفاء، وما في الجامع الصغير من الستين محمل الأوساط، وقيل: ينظر إلى طول الليالي وقصرها وإلى كثرة الأشغال، وقلتها. قال في فتح القدير: الأولى أن يجعل هذا محمل اختلاف فعله - عليه الصلاة والسلام - بخلاف القول الأول؛ فإنه لا يجوز فعله عليه؛ لأنهم لم يكونوا كسالى، فيجعل قاعدة لفعل الأئمة في زماننا ويعلم منه أنه لا ينقص في الحضر عن الأربعين، وإن كانوا كسالى؛ لأن الكسالى محملها اهـ.

فالحاصل أنه لا ينقص عن الأربعين في الركعتين في الفجر على كل حال على جميع الأقوال، وقال فخر الإسلام قال مشايخنا إذا كانت الآيات قصارا فمن الستين إلى مائة وإذا كانت أوساطا فخمسين وإذا كانت طوالا فأربعين. (البحر الرائق: ۱/ ۳۶۰-۳۶۱، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆بدائع الصنائع: ۱/ ۴۷۸-۴۷۹، كتاب الصلاة، بيان القدر المستحب من القراءة، ط: زكريا - ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۷)

(۶) ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أو من آخر سورة وقرأ في الركعة الأخرى من وسط سورة أخرى أو من آخر سورة أخرى لا ينبغي له أن يفعل ذلك على ما هو ظاهر الرواية ولكن لو فعل ذلك لا بأس به. كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۸)

[۷] وروى الحسن في المجرد ما بين ستين إلى مائة. (البحر الرائق: ۱/ ۳۶۰)

تو اختلاف سے بچنے کے لیے امام صاحب کا جو عمل ہے، وہ استحباب کی مقدار کے موافق ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا کہ بعض ائمہ لوگوں کو جماعت سے متنفر کرنے والے ہیں، اگر تم میں سے کوئی امام بنے تو سنت اور مستحب کا خیال کرتے ہوئے امامت میں تخفیف سے کام لے؛ کیوں کہ تم میں عمر رسیدہ ضعیف اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں؛ لہٰذا ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۹۸)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] قراءت کے دوران آیات کے ترک یا ردو بدل سے نماز کا حکم

۸۶۷-سوال: ہمارے یہاں ایک دن امام صاحب نے فجر کی نماز میں سورۂ رحمٰن پڑھتے وقت کبھی کچھ آیات کو چھوڑ دیا، کبھی اوپر چلے گئے، کبھی نیچے کی آیتوں کو شروع کر دیا، اس طرح سورۂ رحمٰن کی قراءت مکمل کی، پھر نماز کے اخیر میں سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام اگر فرض نماز میں سہو یا شبہ کی بناء پر آیتوں کو مکرر پڑھے، تو مکروہ نہ ہوگا، اگر قصداً بلا عذر آیت کا تکرار کرتا ہے، تو مکروہ تنزیہی ہے۔ (۲)

صورت مسئولہ میں امام صاحب سے شبہ کی بنیاد پر ایسا ہوا ہے؛ اس لیے نماز میں کوئی نقصان نہیں آیا، نماز ادا ہوگئی، سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

[۱] عن أبي مسعود، قال: قال رجل: يا رسول الله إني لأتأخر عن الصلاة في الفجر مما يطيل بنا فلان فيها، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ما رأيته غضب في موضع كان أشد غضبا منه يومئذ، ثم قال: يا أيها الناس، إن منكم منفرين، فمن أم الناس فليتجوز، فإن خلفه الضعيف والكبير وذا الحاجة. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۸، رقم الحديث: ۷۰۲، كتاب الأذان، باب من شكا إمامه إذا طول، وانظر: رقم: ۷۰۲، ۶۱۱۰، ۷۱۵۹، ط: مختار اينڈ كمپني - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۸، رقم الحديث: ۱۸۲- (۴۶۶)، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ط: البدر - ديوبند)

(۲) وإذا كرر آية واحدة مرارا، فإن كان في التطوع الذي يصلي وحده، فذلك غير مكروه، وإن كان في الصلاة المفروضة، فهو مكروه في حالة الاختيار، وأما في حالة العذر والنسيان فلا بأس. هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۰۷، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، ط: دار الفكر ☆ ر: فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۹۷، اشرفی - دیوبند)

[۳] آیت کی تبدیلی میں تغیر فاحش ہوگیا، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

[۴] کیا اسی رکعت میں اصلاح ضروری ہے، بعد میں اصلاح کافی نہیں؟

۸۶۸-سوال: تراویح کی نماز میں امام صاحب نے "اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" پڑھا، جب کہ اصل آیت ہے: "اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ" تو اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

۱-کیا اس صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی، ایک مولانا صاحب کا کہنا ہے کہ معنیٰ کفر تک پہنچ گیا ہے؛ اس لیے نماز فاسد ہوگئی، نماز پھر سے ادا کرنی ہوگی، کیا یہ بات صحیح ہے؟

۲-اگر دو رکعت کی نیت ہو اور اس میں پہلی رکعت میں اس طرح کی غلطی ہوجائے اور دوسری رکعت میں اس غلطی کی اصلاح کر لی جائے، تو کیسا ہے؟ نماز صحیح ہوجائے گی یا اعادہ لازم ہوگا؟

۳-اگر ان دو رکعتوں میں غلطی کی اصلاح نہ کی گئی؛ بل کہ بعد والی دو رکعتوں میں اصلاح کی گئی، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ تلافی کے لیے یہ کافی ہوگا یا نہیں؟

۴-اگر معنیٰ میں فحش تغیر نہیں ہوا ہے، تو بعد والی نماز میں اصلاح کرنا کافی ہوگا یا نہیں؟ یا اسی نماز میں اصلاح ضروری ہے؟

۵-اگر تراویح کے بجائے فجر کی نماز میں مذکورہ غلطی پیش آئے، تو کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں کیا فجر اور تراویح دونوں نمازوں کا حکم ایک ہی ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) صورت مسئولہ میں مولانا صاحب کا کہنا صحیح ہے کہ: "نماز فاسد ہوگئی"؛ لہٰذا تراویح کی ان دو رکعتوں کو پھر سے دوہرانا ضروری ہے: منہا ذکر آیۃ مکان آیۃ... أما إذا غیر المعنی بأن قرأ "إن الذین آمنوا وعملوا الصالحات أولئك هم شر البریة إن الذین كفروا من أهل الكتاب" إلی قوله "خالدین فیها أولئك هم خیر البریة" تفسد عند عامة علمائنا وهو الصحیح. هكذا في الخلاصة. (عالمگیری)[1]

(۱) الفتاوی الهندیة: ۱/ ۸۰-۸۱، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: زكریا- دیوبند.

نوٹ: لیکن اگر امام صاحب نے "الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ" پر سانس توڑ دیا ہو اور وقف تام کیا ہو، پھر پڑھا "يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لو ذكر آية مكان آية إن وقف وقفا تاما، ثم ابتدأ بآية أخرى أو ببعض آية لا تفسد... أو قرأ {إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات} ووقف ثم قال {أولئك هم شر البرية}... لا تفسد. (عالمگیری)[۲]

(۲) اسی رکعت میں اگر امام بہ ذات خود یا مقتدی کے لقمہ دینے سے غلطی کی اصلاح کر لیتا ہے، تو نماز صحیح ہو جائے گی؛ لیکن دوسری رکعت میں اصلاح کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی، ان دونوں رکعتوں کو دوہرانا لازم ہوگا۔

(۳) دوسری دو رکعتوں میں اصلاح کرنے سے بہ درجہ اولیٰ نماز [تراویح] صحیح نہیں ہوگی، فاسد ہی رہے گی، دوبارہ ادائیگی لازم ہوگی۔

(۴) جب تغیر فاحش نہیں ہوا، تو نماز صحیح رہی، اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ (عالم گیری)[۳]

(۵) علماء متاخرین کے نزدیک دونوں نمازوں کا حکم ایک ہی ہے، اس میں کوئی فرق نہیں۔[۴] اور

(۲) المصدر السابق.

(۳) (ومنها ذكر آية مكان آية) لو ذكر آية مكان آية... أما إذا لم يقف ووصل - إن لم يغير المعنى - نحو أن يقرأ {إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات} فلهم جزاء الحسنى مكان قوله {كانت لهم جنات الفردوس نزلا} لا تفسد. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۱-۸۰)

فإن كان لا يغير المعنى لا تفسد صلاته نحو أن يقرأ ولقد جاءهم رسلنا بالبينات بترك التاء من جاءت. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۹، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: زكريا - ديوبند)

(۴) فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ایک سوال کے جواب میں ذکر فرمایا ہے:

"جو غلطی منافی صلوۃ ہو، اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اگر معنی بگڑنے سے نماز فاسد ہو گئی تھی، تو اس لفظ کا صحیح طور پر اعادہ کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوئی؛ بل کہ نماز کا اعادہ ضروری ہوگا، البتہ عالم گیری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز صحیح ہو جائے گی، ہمارے اکابر اس کو نفل وتراویح پر حمل کرتے ہیں"۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۱۲۰، باب فی مسائل زلۃ القاری، سوال نمبر: ۳۲۲۶)

حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں فرض اور تراویح و نفل کے درمیان فرق ہے، فرض میں اگر قرامت کے اندر فاحش غلطی ہوئی، تو ہر حال میں نماز کا اعادہ ضروری ہے، خواہ اسی وقت اس غلطی کی اصلاح کر لے، البتہ تراویح میں توسع ہے کہ اس طرح کی غلطی کی اصلاح کر لی جائے تو نماز ہو جائے گی۔

تاہم صاحب فتاویٰ "مفتی بینات صاحبؒ" اور دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ فرض نماز اور نفل وتراویح کا حکم ایک ہی ہے، اگر غلطی کی اصلاح کر لی گئی، تو نماز درست ہو جائے گی۔ =

ائمہ سے لغزشیں ہوتی رہتی ہیں؛ اس لیے اگر معنی میں تغیر فاحش ہو بھی گیا ہے، تو ساتھ ہی یہ گنجائش بھی ہے کہ اسی رکعت میں اصلاح کر لینے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے؛ لیکن بعد کی رکعتوں میں اصلاح سے نماز صحیح نہ ہوگی۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] قراءت کی غلطی کی دوسری رکعت میں اصلاح معتبر ہے یا نہیں؟

۸۶۹-سوال: ایک امام صاحب نے عشاء کی نماز میں سورۂ اعراف کا پہلا رکوع پڑھا، اس میں "فمن ثقلت موازینہ فأولئك هم المفلحون" کی جگہ "هم الکافرون" پڑھا؛ لیکن دوسری رکعت میں خود ہی "والوزن یومئذ الحق" سے اعادہ کر کے درست کر لیا، تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ کیا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟

پہلی رکعت میں کوئی غلطی ہو جائے اور دوسری رکعت میں درست کر لے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ مع حوالہ جواب عطا فرمانے کی گزارش ہے، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام صاحب نے "ثقلت موازینہ" پر وقف کیا ہے اور وقف کے بعد "هم الکافرون" پڑھا ہے، تو نماز صحیح ہو جائے گی: أو قرأ {إن الذین آمنوا وعملوا الصالحات} [البینة:۷] ووقف ثم قال {أولئك هم شر البریة} [البینة:۶] لا تفسد. (عالم گیری: جلد۱، صفحہ ۶۳)[۲]

= حضرت مفتی عبدالرحیم لاج پوریؒ رقم طراز ہیں: "جب قرأت کی غلطی بذات خود درست کرلے یا مقتدی کے لقمہ دینے سے درست کرلے، تو حرج اور عموم بلویٰ کے پیش نظر نماز صحیح ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا"۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۱۰۳-۱۰۴، سوال نمبر: ۸۵)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: امداد الفتاویٰ: ۱/ ۱۶۸، باب شروط الصلاۃ وصفتھا، ط: دار العلوم، کراچی ☆ احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۴۵، مسائل زلۃ القاری ☆ فتاویٰ دار العلوم ۴/ ۸۱، مسائل زلۃ القاری، دار الاشاعت- پاکستان ☆ فتاویٰ حقانیہ: ۳/ ۱۷۷، باب القراءۃ، لاہور)

(۱) ذکر في الفوائد لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحا قال عندي صلاته جائزة. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۸۲، کتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاری، ط: زکریا- دیوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۶۳۰-۶۳۲، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما لا یکره فیها، مطلب مسائل زلة القاري ☆ المحیط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدین محمود بن أحمد بن عبد العزیز بن عمر بن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۱/ ۳۲۶، کتاب الصلاة، قبیل: الفصل الخامس: في حذف حرف من کلمة، ت: عبد الکریم سامي الجندي، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت.

[۲] الفتاوی الهندیة: ۱/ ۸۰، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفکر- بیروت.

وفي الكبيري: و لو قرأ "إن الذين امنوا وعملوا الصالحات" ووقف، وقرأ بعد الوقف التام "أولئك أصحاب الجحيم"، و "أولئك هم شر البرية"... وما أشبه ذلك مما فيه تغيير حكم الله على أحد الفريقين بضده، لا تفسد لصيرورة الكلام الثاني مبتدأ به غير متصل بالأول فلم يتعين الحكم بضده. (صفحہ:۴۵۶)[1]

البتہ بغیر وقف کے، ساتھ ہی پڑھ لیا، تو معنی فاسد ہو جانے کی بناء پر نماز فاسد ہو جائے گی: ولو لم يقف ووصل، قال عامة المشائخ: تفسد صلوته، لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالى به ولو اعتقده يكون كفرا كبيرا. (صفحہ ۴۵۶)[2]

وفي العالمگيری: تفسد عند عامة علمائنا وهو الصحيح. هكذا في الخلاصة. (ص:۶۳)[3]

مگر غلط بلا وقف پڑھنے کے بعد اصلاح کر لی، تو نوافل اور تراویح میں نماز صحیح ہو جائے گی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ فرائض میں غلط پڑھنے کے بعد اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں اصلاح کر لی، تو احتیاطاً نماز کو لوٹا لے، حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ استاذ محترم نے اعادہ کا حکم فرمایا تھا اور فرماتے تھے کہ بناء الفاسد علی الفاسد فاسد۔

فتاوی کاملیہ، فتاوی قاضی خان وغیرہ میں اصلاح کے بعد بھی عدم صحت صلاۃ کو لکھا ہے؛ لیکن ائمہ سے ایسی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں؛ لہٰذا عموم بلوی کی وجہ سے، جب کہ ایام گزر جائیں، نماز کی صحت کا حکم لگایا جائے گا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے نماز کی صحت کا حکم لگایا ہے، جب کہ اسی رکعت میں اصلاح کر لی جائے؛ لہٰذا تحریر کردہ صورت میں اعادہ نماز کی ضرورت نہیں۔ (امداد الفتاوی، جلد ۱، صفحہ ۲۵۴)[4]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] حلبي كبير، ص: ۴۲۰، فصل في بيان أحكام زلة القاري الواقعة في الصلاة، ط: دار الكتاب - ديوبند.

[۲] المصدر السابق.

[۳] الفتاوى الهندية: ۱/۸۱، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارى.

[۴] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: امداد الفتاویٰ: ۱/۱۹۸، باب شروط الصلاۃ وصفتھا، ط: دار العلوم، کراچی ☆ احسن الفتاویٰ: ۳/۴۴۵، مسائل زلۃ القاری ☆ فتاویٰ دار العلوم ۴/۸۱، مسائل زلۃ القاری، دار الاشاعت - پاکستان ☆ فتاویٰ حقانیہ: ۳/۱۷۷، باب القراءۃ، لاہور۔ ☆ نیز تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے "آیت کی تبدیلی میں تغیر فاحش ہو گیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟" اور "کیا اسی رکعت میں اصلاح ضروری ہے، بعد میں اصلاح کافی نہیں؟" کا حاشیہ نمبر ۱۳ اور ۵۔

[۶] قراءت میں غلطی کے بعد اصلاح کر لینے سے نماز کا حکم

۸۷۰-سوال: امام نے نماز میں آیت :﴿وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾[1] کی بجائے ’’وَيُعَذِّبَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ‘‘ پڑھا،تو نماز باقی رہی یا فاسد ہوگئی؟اوراگرکوئی مقتدی امام کولقمہ دے،پھرامام صحیح آیت پڑھ لے، توکیاحکم ہے؟نماز صحیح رہے گی یافاسد ہوجائے گی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قرأت میں امام سے ایسی غلطی ہوجائے،جس سے معنیٰ میں تغیر فاحش ہوجائے،تو نماز فاسد ہوجاتی ہے،دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔لیکن اگر امام نے غلطی کر کے خود ہی اس کواسی رکعت میں صحیح کرلیا،یا مقتدی نے لقمہ دیااور امام نے غلطی کی اصلاح کر لی،تو نماز صحیح ہوجائے گی؛کیوں کہ عامۃً اماموں سے ایسی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں،اگراس وقت بھی نماز کااعادہ ضروری ہو،تولوگ حرج میں مبتلا ہوں گے۔[1]

لہٰذاصورت مسئولہ میں اگرامام نے غلط پڑھنے کے بعداسی رکعت میں اس کی اصلاح کرلی ہو،تو نماز ہوجائے گی اوراگراصلاح نہ کی ہو،تو نماز فاسد ہوگی،اعادہ ضروری ہوگا۔(امدادالفتاویٰ:۱/۲۵۶)[2]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] امام کا ’’إن الأبرار لفي نعيم‘‘ کے بجائے ’’إن الأبرار لفي جحيم‘‘ پڑھ کر اصلاح کرلینا

۸۷۱-سوال: امام صاحب نے فجر کی نماز میں ’’إن الأبرار لفي نعيم‘‘ کے بجائے ’’إن

---

(۱) ۴۸-الفتح:۶۔

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے ’’آیت کی تبدیلی میں تغیر فاحش ہوگیا،تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟‘‘اور’’کیا اسی رکعت میں اصلاح ضروری ہے،بعد میں اصلاح کافی نہیں؟‘‘ کا حاشیہ نمبر ۳ اور ۵۔

[۳] سوال: اگر کسے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ خواندہ فی الفور تصحیحش نمودہ نماز ادا کرد، نمازش صحیح باشد یا نہ؟

الجواب: في العالمگيرية: ذكر في الفوائد لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحا قال عندي صلاته جائزة. وكذلك الأعراب، ا ه ج:۱،ص:۵۱. قلت: وكذلك سمعت شيخي مولانا محمد يعقوب رحمه الله تعالى. پس بناء علیہ نماز این کس صحیح باشد۔(امدادالفتاویٰ:۱/۲۵۱-۲۵۵ بحث صلاۃ بعد تدارک زلۃ القاری،سوال نمبر:۲۲۵،ط:زکریا-دیوبند)

الأبرار لفي جحيم**" پڑھ لیا، لیکن فوراً متنبہ ہوئے، اور اُسے دہرا کر "**إن الأبرار لفي نعيم**" پڑھ لیا، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں اگر امام صاحب فوراً دہرا کر اصلاح نہ کر لیتے، تو نماز فاسد ہو جاتی؛ لیکن جب اُنہوں نے دہرا کر اصلاح کر لی، تو نماز صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/ ۸۲)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] امام نے يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ کے بجائے يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ پڑھا تو؟

۸۷۲-سوال: امام صاحب نے نماز میں "يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ" کی بجائے "يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ" پڑھا لقمہ دینے کے باوجود پھر سے یہی غلطی کی تو نماز میں کوئی نقصان آیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز صحیح ہوگئی؛ کیوں کہ معنی میں ایسا تغیر فاحش نہیں ہوا کہ جس سے نماز کے فساد کا حکم لگے، البتہ امام صاحب کو احتیاط کرنا ضروری ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] تجوید کے لحاظ سے امام صاحب کی قراءت صحیح نہ ہونے پر کیا حکم ہے؟

۸۷۳-سوال: بولٹن، انگلینڈ کی ایک مقامی مسجد کے امام جامعہ حسینیہ راندیر کے فارغ التحصیل ہیں، نام مولوی عبد الرشید ہے، قرات صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ان پر بار بار سوالات اٹھتے رہتے ہیں، ایک

---

(۱) ذكر في الفوائد لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحا قال عندي صلاته جائزة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۲، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاری، ط: زكريا-ديوبند)
مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۰-۶۳۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما لا يكره فيها، مطلب مسائل زلة القاري.

(۲) إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته نحو إن قرأ مكان العليم الحكيم وإن لم تكن تلك الكلمة في القرآن لكن يقرب معناها عن أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - لا تفسد. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۰، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاری، ط: دار الفكر-بيروت)

مرتبہ مسجد کی کمیٹی نے ان کونوٹس بھی دی، نماز میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں اور رمضان المبارک میں تو تراویح میں بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں، بسا اوقات نماز کے فساد کا بھی اندیشہ ہوجاتا ہے۔

لوگ سمجھ رہے تھے کہ ان کی قراءت اس حد تک غلط ہے کہ نماز فاسد ہوجاتی ہے، حالاں کہ فساد نماز کا الزام ان پر بے بنیاد تھا۔ اس کے باوجود ہم کمیٹی کے ممبران نے نمازوں کے فساد کو ثابت کرنے کا چیلنج کیا، کمیٹی کے ممبران دس پندرہ آدمیوں کی بات سن کر ان کو اپنے منصب امامت سے برطرف کرنا چاہتے تھے؛ لیکن بعد میں کمیٹی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور نمازوں کے عدم فساد اور غلط الزام لگانے کو انہوں نے قبول کیا اور امام صاحب کو ان کے منصب پر برقرار رکھا۔ تاہم امامت کی ذمہ داری ان پر سے اٹھالی؛ صرف یہ طے ہوا کہ اصل امام صاحب کی غیر حاضری میں امامت کرسکتے ہیں۔

اب پھر کمیٹی کے افراد کا یہ کہنا ہے کہ اصل امام صاحب کی غیر حاضری میں جب بھی وہ امامت کرتے ہیں، تو اس وقت لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوجاتی ہیں؛ اس لیے کمیٹی کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس سلسلے میں کسی مفتی صاحب سے مشورہ کیا جائے، اور مولوی عبدالرشید کی نماز اور ان کی قرات مفتی صاحب کو سنائی جائے، ان سے فتویٰ دریافت کیا جائے، مفتی صاحب کا جو فتویٰ ہوگا، اس پر عمل کیا جائے گا، چناں چہ ایک مفتی صاحب کے فتویٰ پر مولوی عبدالرشید صاحب کو ان کے منصب امامت سے علاحدہ کردیا گیا اور مدرسے میں صرف صدر مدرس کی حیثیت سے ان کو برقرار رکھا گیا۔

اس کے بعد اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے لندن کے مفتی عبدالباقی صاحب یہاں تشریف لے آئے، انہوں نے مولوی عبدالرشید صاحب کی قرات وغیرہ سنی اور اپنا حسب ذیل فتویٰ جاری کیا:

''۳؍جولائی ۱۹۷۷ء کو بولٹن میں حاضری ہوئی، حاضری کا مقصد ایک تنازعے کو حل کرنا تھا، جو وہاں کے امام صاحب جناب مولوی عبدالرشید، مسجد کے متولی صاحبان اور وہاں کے مصلیان کے درمیان تھا، امام صاحب پر دو اعتراض تھے: (۱) امام صاحب تراویح میں قرآن مجید سناتے وقت بھول جاتے ہیں اور حروف کاٹ دیتے ہیں۔ (۲) دوسرا یہ کہ ان کی قراءت اچھی نہیں ہے، اور حروف کو تبدیل کردیتے ہیں۔ میں نے امام صاحب سے کمیٹی کے چند افراد کی موجودگی میں یعنی مولانا یوسف متالا صاحب اور ان کے علاوہ دوسرے چند حضرات کی موجودگی میں ان کی تلاوت سنی، امام صاحب نے تجوید کے لحاظ سے کچھ غلطیاں کی ہیں؛ لیکن فقہی لحاظ سے کوئی غلطی نہیں ہے، حضرات فقہائے کرام کے نزدیک ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہوجاتی

ہے، نفس قراءت کی حد تک امام کے اندر کوئی خرابی نہیں ہے، یہ فقہ کا مسئلہ ہے، اور حضرات فقہائے کرام نے ایسے امام صاحب کے پیچھے بلا کسی شک وشبہ کے نماز کی اجازت دی ہے؛ رہا قاری صاحبان کا مسلک، تو وہ حضرات اخفاء، اظہار، قلقلہ وغیرہ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں؛ اس لیے وہ حضرات اخفاء کی جگہ اظہار، اظہار کی جگہ اخفاء اور قلقلہ کی جگہ عدم قلقلہ وغیرہ کو قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔

امام صاحب پر دوسرا اعتراض تراویح میں قرآن مجید کے بھول جانے کا ہے، تو اس کا حل یہ ہے کہ امام صاحب سے تراویح نہ پڑھوائی جائے، یعنی وہ تراویح میں قرآن مجید کو نہ سنائیں؛ یہ فیصلہ دیانت وامانت کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے، کسی جانب کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔''

کتبہ عبدالباری عفی عنہ مفتی لندن

ان کے فتوی کی وجہ سے مولوی عبدالرشید صاحب کو امامت کی ذمہ داری دوبارہ حوالے کر دینی چاہیے تھی؛ لیکن کمیٹی کے ممبران نے ایسا نہیں کیا، اس کے بعد میں نے کمیٹی کے لوگوں کو ایک خط لکھا، جس میں میں نے یہ لکھا کہ: '' آپ لوگوں نے مولوی عبدالرشید صاحب کو امامت کی ذمہ داری مفتی عبدالباری کے فتوی کے باوجود کیوں حوالے نہیں کی، ان کو کس وجہ سے آپ حضرات نے امامت کی ذمہ داری سے علاحدہ کیا تھا؟''

لیکن کمیٹی کے لوگوں نے آج تک مجھے اس کا جواب نہیں دیا، جب کہ خط لکھے ہوئے آج تقریباً تین ہفتے ہو چکے ہیں؛ البتہ کمیٹی کے لوگوں نے مولوی عبدالرشید صاحب کو اپنے یہاں بلا کر یہ کہا کہ: لوگوں کی شکایات بہت آتی رہتی ہیں؛ اس لیے ہمارا آپ کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ آپ از خود اپنا استعفیٰ نامہ پیش کر دیں، تاکہ آپ کی بھی عزت برقرار رہے۔ اس پر مولوی عبدالرشید صاحب نے یہ کہا کہ: میں بے قصور ہوں، میں از خود اپنا استعفیٰ نامہ پیش نہیں کروں گا، آپ کو جیسا مناسب لگے، ویسا کیجیے۔

اس کے بعد کمیٹی نے مولوی عبدالرشید صاحب کو علاحدہ ہونے کی نوٹس دے دی ہے کہ تاریخ ۶/۱۱/ ۱۹۷۷ء سے آپ کو علاحدہ کیا جا رہا ہے؛ کیوں کہ آپ کی وجہ سے ہم کمیٹی ممبران کو عوام کے ساتھ بار بار تکرار اور بحث ومباحثے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس پر حسب ذیل چند سوالات ہیں، جن کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) مولوی عبدالرشید صاحب کا پڑھنا دل کش نہیں ہے۔

(۲) کمیٹی کے ممبران کا یہ کہنا کہ مولوی عبدالرشید رمضان المبارک میں جب تراویح پڑھاتے ہیں

توان سے بہت غلطیاں ہوتی ہیں، اس کا حل مفتی صاحب نے یہ بتایا کہ مولوی عبد الرشید تراویح نہ پڑھائیں۔

(۳) مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ میں فقہ اور قرات کے مابین جو فرق کیا ہے، وہ نہ تو عوام کی سمجھ میں آتا ہے اور نہ تو کمیٹی کے ممبران کی سمجھ میں؛ اس لیے کمیٹی کے ممبران امام صاحب کو ان کے منصب سے یہ بہانہ بنا کر علاحدہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی نماز نہیں ہوتی۔

(۴) مفتی صاحب کے فتویٰ کے مطابق مولوی عبد الرشید صاحب کے پیچھے بلا کسی شک وشبہ کے نماز ہوجائے گی۔

(۵) کمیٹی، جن عوام کے اعتراض کی بات کرتی ہے، ان کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہیں ہے۔

اب شریعت مطہرہ اور فقہ کی روشنی میں حضرت والا سے گزارش ہے کہ بتائیں کہ کمیٹی کے ممبران مولوی عبد الرشید کو اپنی امامت کی ذمہ داری سے سبک دوش کرنے میں حق بہ جانب ہیں یا پھر وہ ان پر ظلم کر رہے ہیں؟

نوٹ: یہ ایک حقیقت ہے کہ مولوی عبد الرشید صاحب کا تقرر آج سے تقریباً چار سال پہلے ہوا تھا، اس کے بعد سے ان کے پیچھے مسلسل اعتراضات کی بارش ہوتی رہتی ہے اور لوگ برابر ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ایک شخص نے میرے نام سے یہاں کی ہیڈ آفس (جہاں دوسرے ممالک سے آنے والے حضرات کے لیے انگلینڈ میں رہنے کے حقوق وغیرہ سے متعلق کارروائیاں کی جاتی ہیں) سے یہ عرضی لکھی کہ مولوی عبد الرشید صاحب کو انگلینڈ سے واپس اپنے ملک میں بھیج دیا جائے۔

مولوی عبد الرشید کو ابھی تک انگلینڈ میں رہنے کا باقاعدہ کوئی حق نہیں ملا ہے، ہر سال کمیٹی کے ممبران ان کا پاسپورٹ یہاں کی ہیڈ آفس میں بھیجتے ہیں اور وہاں سے ایک ایک سال کے ویزے لگواتے ہیں، اس طرح سے پانچ سال گزرنے پر ہی ان کو دائمی حق رہائش ملے گا اور بڑے مزے کی بات تو یہ ہے کہ کمیٹی جب بھی مولوی عبد الرشید کو الگ ہونے کی نوٹس دیتی ہے اس وقت بڑا نازک حال ہوتا ہے، یعنی مولوی عبد الرشید کا پاسپورٹ اس وقت ہیڈ آفس میں بھیجنے کا وقت بالکل قریب آچکا ہوتا ہے، بس یہ ان کی پوری حقیقت ہے؛ اس لیے حضرت والا سے گزارش ہے کہ بتائیں اس میں کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیا:

آپ کا مذکورہ استفتاء اور مفتی عبدالباقی صاحب کا فتویٰ میں نے پڑھا۔

فتوے کے بعد بھی کمیٹی کے ممبران نے مولوی عبدالرشید صاحب کو منصب امامت سے علاحدہ کردیا، آخر کیوں؟

مولوی عبدالرشید صاحب جو پڑھتے ہیں، اگر اس میں سننے والے کو اشتباہ ہوتا ہے، تو محض اشتباہ کی وجہ سے کوئی حکم نہیں لگے گا۔ اور اگر امام صاحب کی غلطی کا تعلق مد، غنہ، اور حروف کو باریک اور پُر پڑھنے سے ہے، تو نماز صحیح ہوجائے گی، نماز پر کسی طرح کے فساد کا حکم نہیں لگے گا۔ (فتاوی دارالعلوم)[1]

اگر پڑھنے میں حروف بدل جاتے ہیں (ز) کی جگہ (ج)، (ص) کی جگہ (س) اور (ش) کی جگہ (ث) وغیرہ پڑھتے ہیں اور ترجمہ بالکل بدل جاتا ہے، تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ (شامی: ۱/ ۵۹۲)[2]

---

[1] سوال: لفظ ''علیہم'' ...... کے نے پر نو، دس الف کے برابر مد کھینچ کر پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟
سوال: (۲) جس جگہ میم اور نون کو غنہ کرکے پڑھا جاتا ہے، اس جگہ میم اور نون کو ظاہر کرکے پڑھے تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟
الجواب: یہ ظاہر ہے کہ حسب قاعدۂ تجوید اس جگہ مد نہیں ہے؛ لہٰذا یہ لحن ہے، اور خطاء ہے؛ مگر نماز ہوجاتی ہے۔
(۲) اس صورت میں نماز صحیح ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۸۰-۸۱، باب زلۃ القاری، علیہم کالام زیادہ کھینچا تو نماز ہوئی یا نہیں، سوال نمبر: ۱۳۳۶-۱۳۳۷)

[۲] ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفا، أو قدمه أو بدله بآخر نحو من ثمره إذا أثمر واستحصد - تعالى جد ربنا - انفرجت بدل - انفجرت - إياب بدل - أواب - لم تفسد ما لم يتغير المعنى إلا ما يشق تمييزه كالضاد والظاء فأكثرهم لم يفسدها. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله إلا ما يشق إلخ) قال في الخانية والخلاصة: الأصل فيما إذا ذكر حرفا مكان حرف وغير المعنى إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد، وإلا يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال أكثرهم لا تفسد. اهـ. وفي خزانة الأكمل قال القاضي أبو عاصم: إن تعمد ذلك تفسد، وإن جرى على لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد، وهو المختار حلية وفي البزازية: وهو أعدل الأقاويل، وهو المختار اهـ وفي التتارخانية عن الحاوي: حكى عن الصفار أنه كان يقول: الخطأ إذا دخل في الحروف لا يفسد لأن فيه بلوى عامة الناس لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة. اهـ. وفيها: إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة كالذال مكان الصاد أو الزاي المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشايخ. اهـ.

قلت: فينبغي على هذا عدم الفساد في إبدال الثاء سينا والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لا يميزون بينهما ويصعب عليهم جدا كالذال مع الزاي ولا سيما على قول القاضي أبي عاصم وقول الصفار، وهذا كله قول=

البتہ مشورتاً چند باتیں عرض کرتا ہوں:

(۱) کمیٹی کے تمام ممبران کی اہم ذمہ داری ہے کہ امامت کا منصب ایسے عالم کے حوالے کرے، جو متقی اور پرہیزگار ہو، اور نماز کے مسائل سے واقف ہو، اگر مذکورہ شخص عالم نہیں ہے، تو امامت کی ذمہ داری ایسے آدمی کے حوالے کرے، جو قرآن مجید اچھے طریقے سے پڑھ سکتا ہو اور اس کی امامت سے لوگ خوش ہوں، یعنی دینی اعتبار سے وہ ایسا آدمی ہو کہ لوگ اس کو پسند کرتے ہوں۔ [۳]

اس لیے مولوی عبدالرشید صاحب سے بہتر کوئی امام ملتا ہو، جو قرآن مجید بھی اچھا پڑھتا ہو اور علم قراءت سے بھی اچھی طرح واقف ہو، تو امامت کی ذمہ داری اس کے حوالے کردی جائے، اگر مذکورہ شرائط کے مطابق فی الحال کوئی امام نہ ملتا ہو، تو عارضی طور پر یہ ذمہ داری مولوی عبدالرشید کے حوالے کی جاسکتی ہے، جب اچھا آدمی مل جائے، تو یہ ذمہ داری ان سے واپس لے لی جائے۔

(۲) کتنے لوگ ان کے مخالف ہیں اور کتنے موافق؟ یہ تنازعہ اخلاص کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کریں، اپنے کسی ذاتی مقصد کو پیش نظر نہ رکھیں اور نہ ہی اپنے دل کی بھڑاس نکالنا مقصود ہو، کہ یہ خواہش نفس کی پیروی ہے۔ [۴]

= المتأخرين، وقد علمت أنه أوسع وأن قول المتقدمين أحوط قال في شرح المنية: وهو الذي صححه المحققون وفرعوا عليه، فاعمل بما تختار، والاحتياط أولى سيما في أمر الصلاة التي هي أول ما يحاسب العبد عليها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۲ - ۶۳۳، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله تعالى جدك "بدون ألف لا تفسد، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۹، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ماتقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا - ديوبند ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰هـ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۴) يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا نَسُوا۟ يَوْمَ ٱلْحِسَابِ ۝ (۳۸ - ص: ۲۶)

(۳) مولوی عبد الرشید صاحب کو مدرسے سے علاحدہ نہ کریں، بل کہ جہاں تک ہو سکے ان کی دل داری کریں، اور ان کو صدر مدرس کے عہدہ پر بحال رکھیں۔

(۴) اگر تراویح میں ان سے بہ کثرت غلطیاں ہوتی ہوں، تو تراویح کے لیے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کیا جائے اور ان کو تراویح کی ذمہ داری سے سبک دوش کیا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] سورۂ عادیات کی آیتوں میں وصل کرتے ہوئے تنوین کو ظاہر نہ کرنا

۸۷۴-سوال: امام صاحب نے سورۂ عادیات کی تلاوت کی اور ضبحا. قدحا. صبحا. نقعا اور جمعا کو ایک ساتھ پڑھا کسی آیت پر انہوں نے وقف نہیں کیا، وصل کی صورت میں چوں کہ تنوین کو ظاہر کرنا چاہیے تھا اور ضبحاً. قدحاً. صبحاً. نقعاً اور جمعاً تنوین کے ساتھ پڑھنا چاہیے تھا، مگر انہوں نے وصل کرنے کے باوجود تنوین کو ظاہر نہیں کیا اور الف کے ساتھ پڑھتے ہوئے گزر گئے، تو کیا تنوین کو ظاہر نہ کرنے کی صورت میں نماز میں کوئی حرج لاحق نہیں ہوگا؟ چوں کہ نماز میں پہلی تین آیات کا صحیح ہونا ضروری ہے؛ لیکن امام صاحب نے تو پہلی تین آیات ہی کو تجوید کے لحاظ سے غلط پڑھا ہے، تو اس طرح پڑھنے سے نماز کو لوٹانا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

صورتِ مسئولہ میں سانس توڑے بغیر تمام کلمات کو ایک ساتھ پڑھنا اور ان پر تنوین کو ظاہر نہ کرنا تجوید کے قواعد کے لحاظ سے لحن خفی ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] امام کو متنبہ کرنے کی غرض سے ''جزاک اللہ'' کہنا

۸۷۵-سوال: امام صاحب کو نماز کے دوران کسی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے جزاک اللہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ جزاک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، یہ تو یقینی ہے؛ لیکن کیا امام اس جزاک اللہ

---

(۱) ومنها القراءة بالألحان إن غير المعنى وإلا لا إلا في حرف مد ولين إذا فحش وإلا لا بزازية، ومنها زلة القارئ، فلو في إعراب أو تخفيف مشدد وعكسه، أو بزيادة حرف، فأكثر نحو الصراط الذين، أو بوصل حرف بكلمة نحو إياك نعبد، أو بوقف وابتداء لم تفسد وإن غير المعنى به يفتى بزازية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۳۰-۶۳۲، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فروع مشى المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر)

کے مطابق عمل کرلے، یعنی رکوع وغیرہ میں چلا جائے، تو اس کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟

واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں ''شبینہ تراویح'' کے پروگرام میں ایک رکعت میں ڈیڑھ ڈیڑھ پارہ پڑھنے کی وجہ سے مقتدی حضرات تھک گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا، کوئی نماز توڑ کر بیٹھ گیا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ حالت دیکھ کر ایک ذمہ دار صاحب نے - جو دوسری مسجد سے تراویح پڑھ کر آئے تھے - نماز میں شامل ہوئے اور امام صاحب کو جزاک اللہ کہا، جس کی وجہ سے امام صاحب نے فوراً رکوع اور سجدہ وغیرہ ادا کر کے نماز پوری کردی، تو کیا اس طرح جزاک اللہ کے ذریعہ امام کو متنبہ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

امام صاحب کو نماز کی اصلاح کی غرض سے تنبیہ کرنا جائز ہے؛[۱] اس کے لیے ''سبحان اللہ'' لفظ استعمال کیا جاتا ہے؛ لیکن دوسرا لفظ کہہ دے، تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

مذکورہ صورت میں ''جزاک اللہ'' نماز کو مختصر کرنے کی غرض سے کہا گیا ہے، تو یہ تعلیم ہوئی، لہٰذا خود مصلی کی نماز فاسد ہوگئی اور امام نے فوراً اس کی تنبیہ پر عمل کیا، لہٰذا امام کی نماز بھی فاسد ہوگئی، اگر امام صاحب تھوڑی دیر کے بعد اپنی مرضی کے مطابق نماز کو مختصر کرتے، تو کوئی حرج نہیں تھا۔ (رد المحتار: ۱/ ۶۲۲)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وفتحه على إمامه جائز، ولو قرأ المفروض أو انتقل لآية أخرى على الصحيح لإصلاح صلاتهما. (مراقي الفلاح)
قال الطحطاوي: قوله: "وفتحه على إمامه جائز" لما روي أنه صلى الله عليه وسلم قرأ في الصلاة سورة المؤمنين، فترك كلمة، فلما فرغ، قال: ألم يكن فيكم أبي؟ قال: بلى، قال: هلا فتحت علي؟ قال: ظننت أنها نسخت، فقال صلى الله عليه وسلم: "لو نسخت لأعلمتكم"، وقال: "إذا استطعمك الإمام فأطعمه" أي إذا استفتحك الإمام فافتح عليه والصحيح أنه ينوي الفتح دون التلاوة؛ لأن الفتح مرخص فيه وقراءة المقتدي محظورة ... قوله: "لإصلاح صلاتهما" لأنه لو لم يفتح ربما يجري على لسانه ما يكون مفسدا، فيكون فيه إصلاح صلاة الإمام، وبإصلاحها تصلح صلاة المقتدي. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح-الطحطاوي (م: ۱۲۳۱ھ) ص: ۳۳۴، باب مايفسد الصلاة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۲] (وفتحه على غير إمامه) إلا إذا أراد التلاوة وكذا الأخذ، إلا إذا تذكر فتلا قبل تمام الفتح (بخلاف فتحه على إمامه) فإنه لا يفسد (مطلقا) لفاتح وآخذ بكل حال، إلا إذا سمعه المؤتم من غير مصل ففتح به تفسد صلاة الكل، وينوي الفتح لا القراءة. (الدر المختار)
قال ابن عابدين: (قوله وفتحه على غير إمامه) لأنه تعلم وتعليم من غير حاجة بحر. وهو شامل لفتح المقتدي على مثله وعلى المنفرد وعلى غير المصلي وعلى إمام آخر، لفتح الإمام والمنفرد على أي شخص كان إن أراد به=

[۱۲] "یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ" الآیۃ کے بجائے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ پڑھنا

۸۷۶-سوال: کسی امام نے اٹھائیسویں پارہ کے آخری صفحہ کی آیت یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ [۱] کے بجائے نماز میں یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ جَاهِدِ الْكُفَّارَ پڑھا، تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداومصليا:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ کی جگہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ پڑھنے سے معنی اور مطلب میں زیادہ فرق نہیں پڑتا ہے؛ اس لیے بھول کر ایسا پڑھنے کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ عمداً اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور گنہ گار ہوگا۔ (ردالمحتار: ۱/ ۹۳۰) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= التعليم لا التلاوة نهر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۲۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع سمع المصلي اسم الله تعالى فقال جل جلاله أو النبي صلى الله عليه وسلم فصلى عليه، ط: دار الفكر - بيروت)

"و"يفسدها" فتحه" أي المصلي "على غير إمامه" لتعليمه بلا ضرورة. (مراقی)

قوله: "على غير إمامه" سواء كان الغير في الصلاة أم لا هذا إذا قصد تعليمه لأنه يقع جوابا من غير ضرورة فكان من كلام الناس وإن أراد القراءة دون التعليم لا تفسد كما في مسكين وغيره. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۳۷)

مزید دیکھیے: البحر الرائق: ۲/ ۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الكتاب ديوبند.

(۱) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (۶۶- التحریم: ۹ ☆ ۹- التوبۃ: ۷۳)

(۲) ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفا، أو قدمه أو بدله بآخر نحو من ثمره إذا أثمر واستحصد - تعالى جد ربنا - انفرجت بدل - انفجرت - إياب بدل - أواب - لم تفسد ما لم يتغير المعنى إلا ما يشق تمييزه كالضاد والظاء فأكثرهم لم يفسدها. (الدر المختار: ۱/ ۶۳۲ - ۶۳۳)

قال ابن عابدين: (قوله أو بدل بآخر) هذا إما أن يكون عجزا كالألثغ وقدمنا حكمه في باب الإمامة، وإما أن يكون خطأ، وحينئذ فإذا لم يغير المعنى، فإن كان مثله في القرآن نحو (إن المسلمون) لا يفسد، وإلا نحو (قيامين بالقسط)، وكمثال الشارح لا تفسد عندهما، وتفسد عند أبي يوسف، وإن غير فسدت عندهما؛ وعند أبي يوسف إن لم يكن مثله في القرآن، فلو قرأ (أصحاب الشعير) بالشين المعجمة فسدت اتفاقا وتمامه في الفتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع مشى المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر - بيروت)

(ومنها) ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۰، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ، ط: دار الفكر - بيروت ☆ خلاصة الفتاوى: ۱/ ۱۱۵، كتاب الصلاة، تقديم الحروف و الكلمة مكان الكلمة، ط: اشرفيه - ديوبند)

[۱۳] امام کا قراءت میں وقف وغیرہ میں غلطی کرنا اور آیتوں کا بھول جانا

۸۷۷-سوال: امام صاحب نے فجر کی نماز اس طرح پڑھائی کہ پہلی رکعت میں سورۂ انبیاء کے آخری رکوع کی تلاوت کی، تین آیت درست پڑھی، اس کے بعد آگے کی آیت بھول گئے اور "ولقد کتبنا" والی آیت پڑھنے لگے، پیچھے سے ایک مقتدی نے لقمہ دیا "انکم وما تعبدون من" والی آیت کا؛ لیکن امام صاحب نے لقمہ نہیں لیا اور "ولقد کتبنا" والی آیت دو سے تین مرتبہ پڑھی، پھر خیال آیا، تو "لهم فيها زفير" والی آیت پڑھی اور "اولئك عنها مبعدون" کی جگہ "هم الفسقون یا هم الغفلون" پڑھ دیا، یہاں تک کہ سورۂ انبیا ختم کر ڈالی اور اس کسمپرسی کے عالم میں پہلی رکعت پوری ہوئی۔

دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ حشر کے آخری رکوع کی تلاوت کی اور دوسری رکعت ختم ہوئی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ فجر کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ کیا اس کا دوبارہ اعادہ لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ صورت میں امام کے لیے افضل اور مستحب تھا کہ رکوع کر لیتے اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کی قراءت کرتے، مگر جب غلط سلط قرآت کر لی، تو عموم بلوی کی وجہ سے نیز بقیہ آیت پر وقف کر دینے اور "هم الغفلون" یا "لهم فيها زفير" پر وقف کرنے کے بعد پڑھ لینے کی وجہ سے نماز صحیح ہوگئی۔ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کسی نے الذین آمنوا وعملوا الصلحت پر وقف کر دیا، اس کے بعد "اولئك اصحب الجحيم" یا اولئك هم شر البرية" پڑھا، تو نماز صحیح ہوجائے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (ومنها الوقف والوصل والابتداء في غير موضعها) إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتدأ في غير موضع الابتداء إن لم يتغير به المعنى تغيرا فاحشا نحو أن يقرأ {إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات} [البينة:۷] ووقف ثم ابتدأ بقوله {أولئك هم خير البرية} [البينة:۷] لا تفسد بالإجماع بين علمائنا. هكذا في المحيط وكذا إن وصل في غير موضع الوصل كما لو لم يقف عند قوله أصحاب النار بل وصل بقوله {الذين يحملون العرش} [غافر:۷] لا تفسد لكنه قبيح. هكذا في الخلاصة وإن تغير به المعنى تغيرا فاحشا نحو أن يقرأ {شهد الله أنه لا إله} [آل عمران: ۱۸] ووقف ثم قال: {إلا هو} [آل عمران:۱۸] لا تفسد صلاته عند عامة علمائنا، وعند البعض تفسد صلاته والفتوى على عدم الفساد بكل حال. هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۸۱/۱، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفكر - بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳۹۴/۲-۳۹۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يفسد فيها، ط: زكريا - ديوبند)

[۱۴] نماز میں غلطی سے ''رب العرش العظیم'' کے بجائے ''رب العرش الکریم'' پڑھ لیا

۸۷۸-سوال: فرض نماز میں بھول سے لقد جاء کم رسول والی آیت (۱) کے آخر میں رب العرش العظیم کی بجائے العرش الکریم پڑھ لیا، تو کیا نماز میں کوئی نقصان آئے گا؟

الجواب حامداومصلیا:

"رب العرش العظیم" کی جگہ پر "رب العرش الکریم" پڑھ لیا، تو نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا؛ کیوں کہ عظیم کا معنیٰ عظمت و بڑائی والا اور کریم کا معنیٰ عزت والا ہوتا ہے، یعنی دونوں کے معنیٰ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] امام کا "الٓر" میں لام کو کھینچے بغیر اور "إن نسینا" میں دوسرے نون کو کھینچ کر پڑھنا

۸۷۹-سوال: ہمارے یہاں امام صاحب نماز میں قرآن کریم کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ جہاں کھینچنا چاہیے، وہاں نہیں کھینچتے ہیں، اور جہاں نہیں کھینچنا چاہیے، وہاں کھینچتے ہیں، مثلاً: سورۂ یوسف کے شروع میں الٓر لام کے اوپر بڑا مد (مد لازم) ہے، اسے بالکل نہیں پڑھتے اور سورۂ کہف کے آخر میں "قل إنما أنا بشر" کے "أنا" کی الف کو چھوٹے مد کی مقدار میں کبھی کھینچتے ہیں۔ اور ایک جگہ "ربنا لا تؤاخذنا إن نسینا" کو "إن ناسینا" پڑھتے ہیں؛ اس لیے ہمیں نماز میں کراہت ہوتی ہے، ہم نے امام صاحب کی اس جانب توجہ

---

(۱) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ (۹-التوبۃ: ۱۲۸، ۱۲۹)

(۲) (ومنها) ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته، نحو إن قرأ مكان العليم الحكيم. وإن لم تكن تلك الكلمة في القرآن، لكن يقرب معناها، عن أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - لا تفسد، وعن أبي يوسف - رحمه الله تعالى - تفسد، نحو: إن قرأ التيابين مكان التوابين، وإن لم تكن تلك الكلمة في القرآن، ولا تتقاربان في المعنى، تفسد صلاته بلا خلاف، إذا لم تكن تلك الكلمة تسبيحا ولا تحميدا ولا ذكرا، وإن كان في القرآن ولكن لا تتقاربان في المعنى، نحو: إن قرأ وعدا علينا إنا كنا غافلين، مكان فاعلين، ونحوه مما لو اعتقده يكفر تفسد عند عامة مشايخنا، وهو الصحيح من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالى، هكذا في الخلاصة. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۸۰، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ، ط: دار الفكر - بيروت ☆ خلاصة الفتاوی: ۱/ ۱۱۵، كتاب الصلاة، تقديم الحروف و الكلمة مكان الكلمة، ط: اشرفيه - ديوبند)

دلائی، تو وہ کہتے ہیں کہ میں آیت کا ترجمہ جانتا ہوں، "أنا" کا الف پڑھا جائے گا اور "إن ناسینا" پڑھتا ہوں، اس سے معنی میں تبدیلی نہیں ہوتی، سوال یہ ہے کہ اس لفظ کو کس طرح پڑھنا چاہیے؟ اگر امام صحیح نہ پڑھے، تو ہماری نماز ہو جائے گی؟ یا لوٹانی پڑے گی؟ دوسری چھوٹی غلطیاں بھی بہت ہوتی ہیں، اگر ہمیں نماز لوٹانی پڑے، تو ہم نماز علاحدہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مذکورہ مثالوں میں نماز تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ [1] لیکن اگر امام بار بار ایسی غلطیاں کرے، اور توجہ دلانے پر اصلاح کی کوشش کے بجائے ضد سے کام لے، اصلاح کی فکر نہ کرے، تو ایسے امام کو حسن تدبیر کے ساتھ بدل دینا چاہیے؛ کیوں کہ امامت کا ترجیحی بنیاد پر مستحق وہ شخص ہے، جو قرآن کریم کی عمدہ تلاوت اچھے انداز میں کرتا ہو۔ [2]

---

(۱) وأما ترك المد، إن كان لا يغير المعنى، بأن قرأ أولئك بلا مد، وإنا أعطيناك بدون المد، لا تفسد، وإن كان يغير، بأن قرأ سواء عليهم بترك المد، وكذا في قوله دعاء ونداء، المختار أنها لا تفسد كما في ترك التشديد. هكذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفكر -بيروت)

لو قرأ القرآن في الصلاة بالألحان إن غير الكلمة تفسد وإن كان ذلك في حروف المد واللين لا تفسد إلا إذا فحش وإن قرأ في غير الصلاة اختلف المشايخ وعامتهم كرهوا ذلك. كذا في الخلاصة وهو الصحيح. كذا في الوجيز للكردري وكرهوا الاستماع أيضا. كذا في الخلاصة ونقل عن أبي القاسم الصفار البخاري أن الصلاة إذا جازت من وجوه فسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطا إلا في باب القراءة؛ لأن للناس عموم البلوى. كذا في الظهيرية. (حوالہ سابق: ۱/ ۸۲☆الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۳۰-۶۳۲، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر)

(۲) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية.

ويجتنب الفواحش الظاهرة وإن كان غيره أورع منه. كذا في المحيط وهكذا في الزاهدي وإن كان متبحرا في علم الصلاة لكن لم يكن له حظ في غيره من العلوم فهو أولى. كذا في الخلاصة فإن تساووا فأقرؤهم أي أعلمهم بعلم القراءة يقف في موضع الوقف ويصل في موضع الوصل ونحو ذلك من التشديد والتخفيف وغيرهما. كذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا-ديوبند☆بدائع الصنائع - علاء الدين الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية☆تحفة الفقهاء- أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰هـ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

مذکورہ غلطیاں گرچہ لحن جلی (بڑی غلطی، جس سے نماز فاسد ہوجائے) میں داخل نہیں ہے، لیکن شریعت میں یہ بھی مطلوب ہے کہ قرآن کریم کو عمدہ انداز میں، صحیح مخرج اور اصول تجوید کی رعایت کر کے پڑھا جائے؛ اس لیے مذکورہ غلطیوں سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] لحنِ جلی کے ساتھ تلاوت کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

۸۸۰-سوال: ہمارے یہاں ایک افریقی امام صاحب ہیں، جو قرآنِ پاک تجوید کے ساتھ صحیح نہیں پڑھتے ہیں؛ قرآن کریم پڑھنے میں غلطی کرتے ہیں اور لحنِ جلی کے ساتھ پڑھتے ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نماز ایک اہم عبادت ہے، اُس میں جہاں تک ہو سکے احتیاط کا پہلو اختیار کرنا چاہیے، امام ایسا ہونا چاہیے، جو تجوید کے ساتھ قرآنِ پاک صحیح پڑھتا ہو۔ [۱] اگر لحنِ جلی اس قدر ہو کہ جس سے معنی میں خرابی واقع ہو رہی ہو، تو بعض صورتوں میں نماز فاسد ہوجائے گی۔ [۲] اگر امام سے اس طرح کی غلطی ہو رہی ہو، تو اُسے

---

(۱) الأولی بالإمامة أعلمهم بأحکام الصلاة. هکذا في المضمرات وهو الظاهر. هکذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هکذا في التبیین ولم یطعن في دینه. کذا في الکفایة وهکذا في النهایة.
ویجتنب الفواحش الظاهرة وإن کان غیره أورع منه. کذا في المحیط وهکذا في الزاهدي وإن کان متبحرا في علم الصلاة لکن لم یکن له حظ في غیره من العلوم فهو أولی. کذا في الخلاصة فإن تساووا فأقرؤهم أي أعلمهم بعلم القراءة یقف في موضع الوقف ویصل في موضع الوصل ونحو ذلك من التشدید والتخفیف وغیرهما. کذا في الکفایة. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بیان من هو أحق بالإمامة، ط: زکریا- دیوبند☆بدائع الصنائع- علاء الدین الکاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۱۵۷، کتاب الصلاة، فصل بیان من هو أحق بالإمامة وأولی بها، ط:: دار الکتب العلمیة ☆تحفة الفقهاء- أبو بکر علاء الدین السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰هـ): ۱/ ۲۳۰، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت)

(۲) ومنها القراءة بالألحان إن غیر المعنی وإلا لا إلا في حرف مد ولین إذا فحش وإلا لا بزازیة. (الدر المختار) قال ابن عابدین: (قوله بالألحان) أي بالنغمات، وحاصلها کما في الفتح إشباع الحرکات لمراعاة النغم. (قوله إن غیر المعنی) کما لو قرأ- {الحمد لله رب العالمین}- وأشبع الحرکات حتی أتی بواو بعد الدال وبیاء بعد اللام والهاء وبألف بعد الراء، ومثله قول المبلغ رابنا لك الحامد بألف بعد الراء لأن الراب هو زوج الأم کما في الصحاح والقاموس وابن الزوجة یسمی ربیبا. ـــــــــــــــ (قوله وإلا لا إلخ) أي وإن لم یغیر المعنی فلا فساد إلا =

امام بنانا جائز نہیں ہے۔ نیز ایسے امام کے پیچھے اُن لوگوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی، جو خود صحیح قرآنِ پاک پڑھنے پر قادر ہوں۔

اگر کوشش کے باوجود کوئی شخص صحیح نہ پڑھ پاتا ہو، تو اُس کی خود کی نماز تو درست ہو جائے گی؛ لیکن اُس کے پیچھے صحیح پڑھنے پر قادر شخص کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (۳)

=في حرف مد ولين إن فحش فإنه يفسد، وإن لم يغير المعنى، وحروف المد واللين وهي حروف العلة الثلاثة الألف والواو والياء إذا كانت ساكنة وقبلها حركة تجانسها، فلو لم تجانسها فهي حروف علة ولين لا مد. (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٦٣٠، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر)

لو قرأ القرآن في الصلاة بالألحان إن غير الكلمة تفسد وإن كان ذلك في حروف المد واللين لا تفسد إلا إذا فحش وإن قرأ في غير الصلاة اختلف المشايخ وعامتهم كرهوا ذلك. كذا في الخلاصة وهو الصحيح. كذا في الوجيز للكردري وكرهوا الاستماع أيضا. كذا في الخلاصة ونقل عن أبي القاسم الصفار البخاري أن الصلاة إذا جازت من وجوه فسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطا إلا في باب القراءة، لأن للناس عموم البلوى. كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ١/ ٨٢، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفكر)

(ومنها اللحن في الإعراب) إذا لحن في الإعراب لحنا لا يغير المعنى بأن قرأ لا ترفعوا أصواتكم برفع التاء لا تفسد صلاته بالإجماع وإن غير المعنى تغييرا فاحشا بأن قرأ وعصى آدم ربه بنصب الميم ورفع الرب وما أشبه ذلك مما لو تعمد به يكفر. إذا قرأ خطأ فسدت صلاته في قول المتقدمين واختلف المتأخرون: قال محمد بن مقاتل وأبو نصر محمد بن سلام وأبو بكر بن سعيد البلخي والفقيه أبو جعفر الهندواني وأبو بكر محمد بن الفضل والشيخ الإمام الزاهد وشمس الأئمة الحلواني لا تفسد صلاته. وما قاله المتقدمون أحوط؛ لأنه لو تعمد يكون كفرا وما يكون كفرا لا يكون من القرآن وما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب. كذا في فتاوى قاضي خان وهو الأشبه. كذا في المحيط وبه يفتى. كذا في العتابية وهكذا في الظهيرية. (المصدر السابق: ١/ ٨١، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفكر - بيروت)

(٣) (و) لا (غير الألثغ به) أي بالألثغ (على الأصح) كما في البحر عن المجتبى، وحرر الحلبي وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائما حتما كالأمي، فلا يؤم إلا مثله، ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه، هذا هو الصحيح المختار في حكم الألثغ، وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف أو لا يقدر على إخراج الفاء إلا بتكرار. (الدر المختار: ١/ ٥٨١-٥٨٢)

قال ابن عابدين: وفي الظهيرية وإمامة الألثغ لغيره تجوز، وقيل لا، ونحوه في الخانية عن الفضلي. وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمدها صاحب الحلية، قال لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره، ولما في خزانة الأكمل: وتكره إمامة الفأفاء اهـ ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته تحفة الأقران، وأفتى به الخير الرملي وقال في فتاواه: الراجح المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره=

تجوید کی ایسی باریک غلطی- جو ہر شخص کوشش کے باوجود صحیح نہیں پڑھ سکتا، مثلاً: 'ص' کی جگہ 'س' پڑھنا، 'ظ' کی جگہ 'ذ' پڑھنا یا 'ض' کی جگہ 'ظ' یا 'ذ' پڑھنا وغیرہ- معاف ہے، لیکن ایسے شخص کو امام بنانا مناسب نہیں ہے۔[۴] لہٰذا مذکورہ امام صاحب کی غلطی کی تفصیل درکار ہے، اور اُسی پر حکم موقوف ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] اِمام کا قراءت میں کسی حرف کو بڑھا دینا

۸۸۱-سوال: ہمارے اِمام صاحب قرآنِ پاک صحیح نہیں پڑھ پاتے ہیں، اور لحنِ جلی اُن سے اتنی مقدار میں ہوتی ہے کہ اولاً تو اُن کے پیچھے نماز پڑھنے والے علماء وحفاظ کو یہی پتہ نہیں چلتا کہ وہ قرآنِ پاک کی کون سی سورت یا کون سی آیت پڑھ رہے ہیں؟ اور اگر کسی آیت کا پتہ چل بھی گیا، تو اُس میں حذف و زوائد بہت ہوتے ہیں، مثلاً سورۂ فجر میں "دکا دکا" کی جگہ وہ "دکا دکان' اور "صفا صفا" کی جگہ "صفا صفان" اور "وأناله الذکران" پڑھتے ہیں، یعنی ہر آیت میں الف اور نون کو اخیر میں بڑھا دیتے ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قراءت کے دوران ایک حرف کی زیادتی سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا امام صاحب کی مذکورہ قراءت کی وجہ سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی، ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں ہے، نیز ایسے شخص کی بھی امامت

=ممن لیس به لثغة. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۵۸۲، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألثغ، ط: دار الفکر- بیروت)

(۴) وإن کان الخطأ بإبدال حرف بحرف، فإن أمکن الفصل بینهما بلا کلفة کالصاد مع الطاء بأن قرأ الطالحات مکان الصالحات فاتفقوا علی أنه مفسد، وإن لم یمکن إلا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فأکثرهم علی عدم الفساد لعموم البلوی.

وبعضهم یعتبر عسر الفصل بین الحرفین وعدمه. وبعضهم قرب المخرج وعدمه، ولکن الفروع غیر منضبطة علی شيء من ذلك فالأولی الأخذ فیه بقول المتقدمین لانضباط قواعدهم وکون قولهم أحوط وأکثر الفروع المذکورة في الفتاوی منزلة علیه اهـ ونحوه في الفتح. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۶۳۱، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، فروع مشی المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، مطلب مسائل زلة القاری)

درست نہیں ہے، جس کی تلاوت بالکل سمجھ میں نہ آئے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جو ترتیبِ قراءت سے واقف نہ ہوں

۸۸۲-سوال: ہمارے امام صاحب نماز میں قراءت کی ترتیب سے واقف نہیں ہیں، بہت سی نمازوں میں وہ پہلی رکعت میں مختصر قراءت اور دوسری رکعت میں لمبی قراءت کرتے ہیں، تو ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پہلی رکعت میں طویل قراءت کرنا اور دوسری میں مختصر کرنا مکروہ ہے؛ لیکن نماز درست ہو جائے گی۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال في البزازية: ولو زاد حرفا لا يغير المعنى لا تفسد عندهما. وعن الثاني روايتان، كما لو قرأ: وانهى عن المنكر - بزيادة الياء، ويتعد حدوده يدخلهم نارا. وإن غير أفسد مثل: وزرابيب مكان - زرابي مبثوثة - ومثانين مكان مثاني، وكذا - {والقرآن الحكيم} [يس] - و - {إنك لمن المرسلين} [يس] - بزيادة الواو تفسد اهـ أي لأنه جعل جواب القسم قسما كما في الخانية، لكن في المنية: وينبغي أن لا تفسد. قال في شرحها لأنه ليس بتغيير فاحش ولا يخرج عن كونه من القرآن، ويصح جعله قسما. والجواب محذوف كما في - {والنازعات غرقا} [النازعات] - إلخ فإن جوابه محذوف. اهـ. أقول: والظاهر أن مثل زرابيب ومثانين يفسد عند المتأخرين أيضا إذا لم يذكروا فيه خلافا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۱ - ۶۳۲، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها، فروع مشى المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، مطلب مسائل زلة القاري، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید دیکھیے: ''لحن جلی کے ساتھ تلاوت کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا'' کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔

(۲) (وإطالة الثانية على الأولى يكره) تنزيها (إجماعا إن بثلاث آيات) إن تقاربت طولا وقصرا، وإلا اعتبر الحروف والكلمات، واعتبر الحلبي فحش الطول لا عدد الآيات، واستثنى في البحر ما وردت به السنة واستظهر في النفل عدم الكراهة مطلقا (وإن بأقل لا) يكره. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: ... والحاصل أن سنية إطالة الأولى على الثانية وكراهية العكس إنما تعتبر من حيث عدد الآيات إن تقاربت الآيات طولا وقصرا فإن تفاوتت تعتبر من حيث الكلمات، فإذا قرأ في الأولى من الفجر عشرين آية طويلة وفي الثانية منها عشرين آية قصيرة تبلغ كلماتها قدر نصف كلمات الأولى فقد حصل السنة، ولو عكس يكره، وإنما ذكر الحروف للإشارة إلى أن المعتبر مقابلة كل كلمة بمثلها في عدد الحروف، فالمعتبر عدد الحروف لا الكلمات فلو اقتصر الشارح على الحروف أو عطفها على الكلمات كما فعل في الكافي لكان أولى (قوله واعتبر الحلبي فحش الطول إلخ) كما لو قرأ في الأولى والعصر وفي الثانية الهمزة فرمز في القنية أولا أنه لا يكره ثم رمز =

[۱۹] ایسا امام متعین کرنا، جس کے پیچھے نماز فاسد ہوتی ہو

۸۸۳-سوال: اگر امام کے پیچھے نماز فاسد ہوتی ہو، تو اُسے امام بنانے میں گنہ گار کون شمار ہوگا؟ مسجد کے متولی اور ذمہ داران یا مقتدی حضرات؟ کسی اچھے امام کا انتخاب متولی کی ذمہ داری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا امام جس کے پیچھے نماز فاسد ہوتی ہو، اُسے امام بنانا جائز نہیں ہے۔[۱] ایسے شخص کو امام بنانے والا گنہگار ہوگا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] غلط قراءت کرنے والے کے پیچھے علماء وحفاظ کی نماز صحیح ہوگی؟

۸۸۴-سوال: غلط قراءت کرنے والے امام کے پیچھے علماء وحفاظ کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

گذشتہ سے پیوستہ

ثانيا أنه يكره وقال لأن الأولى ثلاث آيات والثانية تسع، وتكره الزيادة الكثيرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۴۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر ☆فتاوى قاضي خان مع الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۹، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، ومايكره فيها، ط: زكريا- ديوبند)

(۱) (و) لا (غير الألثغ به) أي بالألثغ (على الأصح) كما في البحر عن المجتبى، وحرر الحلبي وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائما حتما كالأمي، فلا يؤم إلا مثله، ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه، هذا هو الصحيح المختار في حكم الألثغ، وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف أو لا يقدر على إخراج الفاء إلا بتكرار. (الدر المختار: ۱/ ۵۸۱-۵۸۲)

قال ابن عابدين: وفي الظهيرية وإمامة الألثغ لغيره تجوز، وقيل لا، ونحوه في الخانية عن الفضلي. وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمدها صاحب الحلية، قال لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره، ولما في خزانة الأكمل: وتكره إمامة الفأفاء اهـ ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته تحفة الأقران، وأفتى به الخير الرملي وقال في فتاواه: الراجح المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره ممن ليس به لثغة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۸۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألثغ، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) لو قدموا فاسقا يأثمون بناءا على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبی کبیر- إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ هـ) ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی- لاہور)

الجواب حامداً ومصلیا:

غلط قراءت کرنے والے امام کے پیچھے کسی عالم یا حافظ کی نماز درست نہیں ہے۔ (درمختار)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] فرض نماز کی قراءت میں اعتدال ہونا چاہیے

۸۸۵-سوال: رمضان میں ایک قاری صاحب تراویح پڑھانے آتے ہیں اور وہی صبح کی نماز بھی پڑھاتے ہیں ایک مقتدی نے اخلاص کے ساتھ قاری صاحب کو جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ پڑھانے کا کہا اور الحمدللہ انہوں نے پڑھائی، یہ بات ہمارے امام صاحب کو برداشت نہیں ہوئی اور بہت غصہ ہوئے اور غصہ یہ کہہ کر اتارا کہ آخری صف میں دو مقتدی نیند کی وجہ سے گرتے گرتے بچ گئے۔ گویا ۱۴۰۰ رسال بعد بھی ہمارے امام صاحب ایک سنت کو زندہ کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسے مولوی قوم کو کہاں تک گمراہ کریں گے۔

ہمارے امام صاحب ظہر کی نماز اقامت سے سلام تک ساڑھے تین منٹ میں ختم کردیتے ہیں مسجد کے بہت سے ٹرسٹی امام صاحب کو کچھ بھی کہتے ڈرتے ہیں کہ کچھ کہیں گے اور امام صاحب امامت چھوڑ کر چلے جائیں گے، تو مسجد کے انتظامات کون کرے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، دل گواہی نہ دے، تب بھی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے؟

الجواب حامداومصلیا:

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ سجدہ اور سورہ دہر پڑھنا ثابت ہے۔[۲] لہٰذا جمعہ کی فجر میں اس کا پڑھنا سنت ہے۔

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''ایسا امام متعین کرنا جس کے پیچھے نماز فاسد ہوتی ہو''۔ حاشیہ نمبر: (۱) دیکھیے۔

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الجمعة في صلاة الفجر الم تنزيل السجدة، وهل أتى على الإنسان حين من الدهر. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۲، رقم الحديث: ۸۹۱، كتاب الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۸۸، رقم الحديث: ۶۴-۸۷۹، كتاب الجمعة، باب ما يقرأ في يوم الجمعة، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، ط: ديوبند)

البتہ طویل قراءت کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں کہ مقتدیوں میں شوق اور رغبت ہو، تو طویل قراءت کرنی چاہیے، جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے فجر کی دونوں رکعت میں مکمل سورہ بقرہ پڑھی ہے۔ [۲] اور نبی کریم ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ اعراف پڑھی ہے۔ [۳] لیکن اس میں مقتدیوں کی رعایت کرنا ضروری ہے، سکت نہ ہو، تو طویل قراءت نہیں کرنی چاہیے۔ [۴]

حضرت معاذؓ نے ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں سورہ بقرہ پڑھی، تو ایک مقتدی نے آپ ﷺ کو شکایت کی، چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! ایسا لگتا ہے کہ تم، لوگوں کو فتنہ، بلا اور گناہ میں مبتلا کردوگے۔ [۵] ظہر کی نماز میں سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کی سورتوں میں سے پڑھنا سنت ہے،

(۲) عن أبيه، أن أبا بكر الصديق صلى الصبح فقرأ فيها بسورة البقرة، في الركعتين كلتيهما. (الموطأ- إمام دار الهجرة مالك بن أنس المدني (م: ۱۷۹ھ): ۲/ ۱۱۱، رقم الحديث: ۲۷۰، كتاب الصلاة، القراءة في الصبح، ت: محمد مصطفى الأعظمي، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية- أبو ظبي- الإمارات)

(۳) عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ في صلاة المغرب بسورة الأعراف فرقها في ركعتين. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ): ۲/ ۱۷۰، رقم الحديث: ۹۹۱، كتاب الافتتاح، القراءة في المغرب بـ 'المص'، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب)

(۴) عن إسماعيل، قال: سمعت قيسا، قال: أخبرني أبو مسعود، أن رجلا، قال: والله يا رسول الله إني لأتأخر عن صلاة الغداة من أجل فلان مما يطيل بنا، فما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في موعظة أشد غضبا منه يومئذ، ثم قال: إن منكم منفرين، فأيكم ما صلى بالناس فليتجوز، فإن فيهم الضعيف والكبير وذا الحاجة. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۷۰۲، كتاب الأذان، باب تخفيف الإمام في القيام، وإتمام الركوع والسجود، ط: البدر- ديوبند)

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا صلى أحدكم للناس، فليخفف، فإن منهم الضعيف والسقيم والكبير، وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ما شاء. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۷۰۳، كتاب الأذان، باب: إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۸، رقم الحديث: ۱۸۵- (۴۶۷) كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ط: البدر- ديوبند)

يكره تحريما (تطويل الصلاة) على القوم زائدا على قدر السنة في قراءة وأذكار رضي القوم أو لا لإطلاق الأمر بالتخفيف نهر وفي الشرنبلالية ظاهر حديث معاذ أنه لا يزيد على صلاة أضعفهم مطلقا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۶۴، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت)

[۵] عن عمرو، قال: سمعت جابر بن عبد الله، قال: كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم يرجع، فيؤم قومه، فصلى العشاء، فقرأ بالبقرة، فانصرف الرجل، فكأن معاذا تناول منه، فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقال: فتان، فتان، فتان، ثلاث مرار - أو قال: فاتنا، فاتنا، فاتنا - وأمره بسورتين من أوسط المفصل، قال عمرو: لا أحفظهما. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۷۰۱، كتاب الأذان، باب إذا طول الإمام، وكان للرجل حاجة، فخرج فصلى، ط: البدر- ديوبند)

مقتدیوں کی رعایت کے ساتھ ساتھ سنت قراءت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔[۶]

نماز میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ سنتوں کی رعایت بھی نہ ہو اور ارکان کی ادائیگی میں اطمینان بھی حاصل نہ ہو، آپ ﷺ نے جلدی کرنے اور اطمینان سے ارکان ادا نہ کرنے کی وجہ سے ایک مصلی کو نماز لوٹانے کا حکم دیا تھا۔[۷] اس بنا پر بعض ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان (اطمینان سے نماز ادا کرنا) فرض ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔[۸] جلدی جلدی پرندے کے چونچ مارنے کے مانند رکوع، سجدہ کرنے والے کو حدیث شریف میں منافق کہا گیا ہے؛ اس لیے اس طرح کی وعید بھی امام کی نظر میں رہنی چاہیے۔[۹] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۶] (طوال المفصل) من الحجرات إلى آخر البروج (في الفجر والظهر، و) منها إلى آخر - لم يكن - (أوساطه في العصر والعشاء، و) باقية (قصاره في المغرب) أي في كل ركعة سورة مما ذكره الحلبي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۴۰، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر)

(۷) عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل، فصلى، فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم، فرد وقال: ارجع فصل، فإنك لم تصل، فرجع يصلي كما صلى، ثم جاء، فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ارجع فصل، فإنك لم تصل، ثلاثا، فقال: والذي بعثك بالحق ما أحسن غيره، فعلمني، فقال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تعدل قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، وافعل ذلك في صلاتك كلها. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۰۴، رقم الحديث: ۷۵۷، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها، في الحضر والسفر... الخ، وانظر رقم: ۷۹۳ و۶۲۵۱ و۶۶۶۷، ط: البدر - ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۷۰، رقم الحديث: ۴۵ - ۳۹۷، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، وإنه إذا لم يحسن الفاتحة، ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها، ط: البدر - ديوبند)

(۸) (قوله وتعديل الأركان)، وهو تسكين الجوارح في الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله وأدناه مقدار تسبيحة، وهو واجب على تخريج الكرخي، وهو الصحيح كما في شرح المنية، وسنة على تخريج الجرجاني وفرض على ما نقله الطحاوي عن الثلاثة، والذي نقله الجم الغفير أنه واجب عند أبي حنيفة ومحمد، فرض عند أبي يوسف. (البحر الرائق: ۱/ ۳۱۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۶۳، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب لا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية، ط: دار الفكر - بيروت☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۸۸، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، ط: دار إحياء التراث العربي☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام - ملا خسرو (م: ۸۸۵ھ): ۱/ ۷۱، باب صفة الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۹)... رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: تلك صلاة المنافق، يجلس يرقب الشمس حتى إذا كانت بين قرني =

[۲۲] سورتوں کی ترتیب الٹنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

۸۸۶-سوال: اگر امام صاحب نے مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ لہب پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ نصر، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور اس طرح پڑھنا کیسا ہے؟ اور اگر کسی امام نے ظہر کی پہلی چار رکعت سنت مؤکدہ نہ پڑھی ہو، تو وہ ظہر کی نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی رکعت میں سورۂ لہب کے بعد دوسری رکعت میں سورۂ نصر پڑھی، تو یہ مکروہ ہے، مگر نماز ادا ہوجائے گی۔ (عالم گیری: ۱/۶۱)[1]

رہی ظہر کی چار رکعات سنت مؤکدہ، تو امام صاحب کی اس کی جانب توجہ مبذول کرائیں، البتہ امام صاحب کسی عذر کی وجہ سے نہیں پڑھ سکے، تو ان کی امامت میں کچھ حرج نہیں۔ نماز ہر حال میں ہوجائے گی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] امام صاحب کا لھب میں ہ کی جگہ ح اور الحمد کی ح جگہ ہ پڑھنا

۸۸۷-سوال: امام صاحب "لهب" میں "ھ" کی جگہ "ح" اور "الحمد" میں "ح" کی جگہ

=الشيطان، قام فنقرها أربعا، لا يذكر الله فيها إلا قليلا. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۲۵، رقم الحديث: ۱۹۵-(۶۲۲)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التبكير بالعصر، عن أنس بن مالك، ط: البدر - ديوبند)

[۱] وإذا قرأ في ركعة سورة وفي الركعة الأخرى أو في تلك الركعة سورة فوق تلك السورة يكره. (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسا إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله وأن يقرأ منكوسا) بأن يقرأ الثانية سورة أعلى مما قرأ في الأولى لأن ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة، وإنما جوز للصغار تسهيلا لضرورة التعليم، (قوله إلا إذا ختم إلخ) قال في شرح المنية: وفي الولوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولى يركع ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة، لأن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: خير الناس الحال المرتحل. أي الخاتم المفتتح اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۴۷، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) مسئلہ کی تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے: باب الإمامة کا عنوان امام کا ظہر کی چار سنت پڑھے بغیر امامت کرانا۔

’’ھ‘‘ اور ۔لن نجمع۔ میں ۔ع۔ کی جگہ پر ۔ء۔ پڑھتے ہیں، اور ’’ش‘‘ کی جگہ پر ’’س‘‘ اور ’’ک‘‘ کی جگہ ’’ق‘‘ وغیرہ پڑھتے ہیں، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

کوئی ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ لے، اور اس کی وجہ سے معنیٰ میں تغیر پیدا ہوجائے، تو ایسی صورت میں اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، بہ شرطیکہ وہ بغیر مشقت کے ان حروف کے درمیان فرق کرنے پر قادر ہو، مثلاً ۔صالحات۔ کی جگہ ۔طالحات۔ پڑھ لے، تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور اگر ایسے حروف ہوں کہ بغیر مشقت کے فصل کرنے پر قدرت نہ ہو، جیسے۔ ’’ظاء‘‘ کی جگہ ’’ضاد‘‘ پڑھ لیا، اور ’’صاد‘‘ کی جگہ ’’سین‘‘ یا ’’طاء‘‘ کی جگہ ’’تاء‘‘، تو اکثر حضرات کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی، اور خزانۃ الاکمل میں ہے کہ اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے، تو نماز فاسد ہوجائے گی، ورنہ زبان پر بلااختیار جاری ہوجائے یا تمیز کرنے پر قادر نہیں ہے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی، یہ پسندیدہ قول ہے اور اس سلسلے کے تمام اقوال میں معتدل ہے۔

اسی طرح اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنے سے معنیٰ میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو، تو مطلقاً نماز صحیح ہوجائے گی۔ (عالم گیری ☆ خلاصۃ الفتاوی)[1]

---

[1] (ومنها) ذكر حرف مكان حرف إن ذكر حرفا مكان حرف ولم يغير المعنى بأن قرأ إن المسلمون، إن الظالمون، وما أشبه ذلك لم تفسد صلاته، وإن غير المعنى، فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة، كالطاء مع الصاد، فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل، وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة، كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين، والطاء مع التاء، اختلف المشايخ، قال أكثرهم: لا تفسد صلاته. هكذا في فتاوى قاضي خان. وكثير من المشايخ أفتوا به، قال القاضي الإمام أبو الحسن والقاضي الإمام أبو عاصم: إن تعمد فسدت، وإن جرى على لسانه أو كان لا يعرف التميز لا تفسد، وهو أعدل الأقاويل والمختار هكذا في الوجيز للكردري. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۹، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفكر)

قال في الخانية والخلاصة: الأصل فيما إذا ذكر حرفا مكان حرف وغير المعنى إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد، وإلا يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال أكثرهم لا تفسد. اهـ. وفي خزانة الأكمل قال القاضي أبو عاصم: إن تعمد ذلك تفسد، وإن جرى على لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد، وهو المختار حلية وفي البزازية: وهو أعدل الأقاويل، وهو المختار اهـ وفي التتارخانية عن الحاوي: حكى عن الصفار أنه كان يقول: الخطأ إذا دخل في الحروف لا يفسد لأن فيه بلوى عامة الناس لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة. اهـ. وفيها: إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة كالذال مكان الصاد أو الزاي المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشايخ. اهـ. =

اس لیے کمیٹی کے ذمے داران ایسے شخص کو امام بنائیں، جو تجوید سے واقف ہو، تا کہ اس طرح کی خرابیوں سے بچا جا سکے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قلت: فينبغي على هذا عدم الفساد في إبدال الثاء سينا والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لا يميزون بينهما ويصعب عليهم جدا كالذال مع الزاي ولا سيما على قول القاضي أبي عاصم وقول الصفار، وهذا كله قول المتأخرين، وقد علمت أنه أوسع وأن قول المتقدمين أحوط قال في شرح المنية: وهو الذي صححه المحققون وفرعوا عليه، فاعمل بما تختار، والاحتياط أولى سيما في أمر الصلاة التي هي أول ما يحاسب العبد عليها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۳، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله تعالى جدك "بدون ألف لا تفسد، ط: دار الفكر - بيروت)

ولو قرأ الغيظ بالضاد أو بالزاء أو قرأ المغضوب بالظاء أو بالذال يفسد، ولو قرأ الضالين بالظاء أو الذال لا يفسد. (خلاصة الفتاوى: ۱/ ۱۰۲، كتاب الصلاة، في زلة القارىء، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

(۲) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة... هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة،... فإن تساووا فأقرؤهم أي أعلمهم بعلم القراءة يقف في موضع الوقف، ويصل في موضع الوصل، ونحو ذلك من التشديد والتخفيف وغيرهما. كذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: دار الفكر)

عن ابن عباس - رضی الله تعالیٰ عنهما - قال: كانت صلاة النبی - صلی الله علیه وسلم - ثلاث عشرة ركعة. يعنی بالليل.

(بخاری شریف: ۱/۱۵۳، حدیث نمبر: ۱۱۳۸)

عن أم حبيبة - رضی الله تعالیٰ عنها - قالت: قال النبی صلی الله علیه وسلم: من صلی فی یوم ثنتی عشرة ركعة تطوعا. بنی له بهن بیت فی الجنة.

(مسلم شریف: ۱/۲۵۱، حدیث نمبر: ۷۲۸)

باب الوتر والنوافل والتهجد

[وتر، نوافل اور تہجد کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الوتر والنوافل والتهجد

[وتر، نوافل اور تہجد کا بیان]

[۱] تہجد کی رکعتوں کی تعداد
[۲] صلاۃ التسبیح افضل ہے یا تہجد؟

۸۸۸-سوال: تہجد کی نماز چار، چھ، آٹھ، دس یا بارہ (۴-۶-۸-۱۰-۱۲) کل کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیے؟ چار رکعت پڑھنا افضل ہے یا بارہ رکعت؟ نیز تہجد کے وقت صلاۃ التسبیح پڑھنا افضل ہے یا تہجد کی نماز؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دن لمبی قراءت فرماتے، تو رکعتوں کی تعداد کم رہتی تھی اور قراءت مختصر فرماتے، تو تعداد بڑھ جاتی تھی، روایت میں تہجد کی کم از کم دو رکعت ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ثابت ہیں۔ (۱)

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: كانت صلاة النبي صلى الله عليه وسلم ثلاث عشرة ركعة، يعني بالليل. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۵۳، رقم الحديث: ۱۱۳۸، كتاب الجمعة، باب: كيف كان صلاة النبي صلى الله عليه وسلم؟ وكم كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل؟)

عن مسروق، قال: سألت عائشة رضي الله عنها، عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالليل؟ فقالت: سبع، وتسع، وإحدى عشرة، سوى ركعتي الفجر. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۱۳۹)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: «كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة منها الوتر، وركعتا الفجر». (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۱۴۰)

مزید روایتوں کی تفصیل کے ملاحظہ فرمائیں: فتح الباری-ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲ھ): ۳/ ۲۰-۲۱، (قولہ باب کیف صلاۃ اللیل وکم کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل، ط: دار المعرفۃ-بیروت)

پس تہجد پڑھنے والا دو رکعت سے بارہ رکعت تک حسب سہولت پڑھ سکتا ہے۔ تاہم بیشتر روایات آٹھ رکعات کی ہیں، اس لیے احناف نے آٹھ رکعت کے معمول بنانے کو بہتر قرار دیا ہے۔ (۲)

= ان تمام روایتوں کے درمیان صاحب فتح الملہم نے بڑی عمدہ تطبیق دی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

قلت: والذي يظهر للعبد الضعيف من مجموع الروايات -والله أعلم- أن النبي -صلى الله عليه وسلم- كان يفتتح صلاته بالليل بركعتين خفيفتين، وهما من مبادىء التهجد، ثم يصلي ثمان ركعات، وهي أصل التهجد، ثم يوتر بثلاث ركعات، ثم يصلي ركعتين جالسا، وهما من توابع الوتر، كالركعتين بعد المغرب، ثم يركع ركعتين في مبدأ الفجر حين يسمع الأذان، ثم يضطجع، فمن قال سبع عشر ركعة، جمع كلها، ومن قال خمس عشرة، لعله أسقط ركعتي الفجر لوقوعها بعد انقضاء الليل، ومن قال: بثلاث عشرة ركعة، فأكبر ظني أنه اسقط الركعتين اللتين كان يفتتح بهما، والركعتين بعد الوتر جالسا، وعد ركعتي الفجر منها، وفي بعض الروايات ما يشعر بإسقاط ركعتي الفجر وعد ركعتي الافتتاح، ومن قال: بأحدى عشرة ركعة، فبإسقاطه كل من المبدأ والمنتهى، والركعتين بعد الوتر أيضا، والاقتصار على أصل التهجد والوتر، وأما روايات التسع والسبع فمحمولة على تقليل ركعات التهجد الثمانية حين أسن وضعف، والله اعلم. (فتح الملهم-شبير أحمد العثماني (م:۱۳۶۹ھ): ۶/۵، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل وأن الوتر ركعة ... الخ، ت: المفتي رفيع العثماني، مع تكملة محمود شاكر، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

(۲) وصلاة الليل وأقلها على ما في الجوهرة ثمان. (الدر المختار) ———— قال ابن عابدين: (قوله وأقلها على ما في الجوهرة ثمان) قيد بقوله على ما في الجوهرة؛ لأنه في الحاوي القدسي قال: يصلي ما سهل عليه ولو ركعتين والسنة فيها ثماني ركعات بأربع تسليمات اهـ والتقييد بأربع تسليمات مبني على قول الصاحبين، وأما على قول الإمام فلا كما ذكره في الحلية، وقال فيها أيضا، وهذا بناء على أن أقل تهجده -صلى الله عليه وسلم- كان ركعتين، وأن منتهاه كان ثماني ركعات، أخذا مما في مبسوط السرخسي. ثم ساق تبعا لشيخه المحقق ابن الهمام الأحاديث الدالة على ما عينه في المبسوط من منتهاه، وحديث أبي داود الدال على أن أقل تهجده -صلى الله عليه وسلم- أربع سوى ثلاث الوتر، وتمام ذلك فيها فراجعها، لكن ذكر آخرا عنه -صلى الله عليه وسلم-: من استيقظ من الليل وأيقظ أهله فصليا ركعتين كتبا من الذاكرين الله كثيرا والذاكرات. رواه النسائي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه والحاكم، وقال المنذري صحيح على شرط الشيخين. اهـ.

أقول: فينبغي القول بأن أقل التهجد ركعتان وأوسطه أربع وأكثره ثمان، والله أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۵/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل، دار الفكر-بيروت)

فأما ما أجابت به مسروقا فمرادها أن ذلك وقع منه في أوقات مختلفة فتارة كان يصلي سبعا وتارة تسعا وتارة إحدى عشرة وأما حديث القاسم عنها فمحمول على أن ذلك كان غالب حاله. (فتح الباري شرح صحيح البخاري-أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲ھ): ۲۰/۳، قوله باب كيف صلاة الليل وكم كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي بالليل، ط: دار المعرفة-بيروت)

تہجد کے وقت تہجد کی نماز پڑھنا افضل ہے، اور بڑے ثواب کا باعث ہے۔[1] واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] نماز تہجد پڑھنا افضل ہے یا صلاۃ التسبیح؟

گزشتہ سے پیوستہ

۸۸۹-سوال: تہجد کی نماز میں ۴، ۶، ۱۰ رکعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز تہجد پڑھنا افضل ہے یا صلاۃ التسبیح؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تہجد کی کم سے کم دو اور زیادہ بارہ رکعت ہے۔

جو روزانہ تہجد کا پابند ہو، اس کے لیے بھی بہتر یہ ہے کہ تہجد پڑھے اور کبھی کبھی ۲/ رکعت تہجد پڑھ کر چار رکعت صلوۃ التسبیح پڑھے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] کیا نوافل کا اہتمام سنت کے خلاف ہے؟

۸۹۰-سوال: ہمارے علاقے میں مسجد کے ایک امام ہیں، جو صرف فرض، وتر اور سنت مؤکدہ پڑھتے ہیں، مثلاً: عشاء کی ۴/ رکعت فرض، ۲/ رکعت سنت مؤکدہ اور ۳/ رکعت وتر، کل ۹/ رکعت پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور مصلی حضرات کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نفل نماز کا اہتمام کرنا سنت کے خلاف ہے۔

---

[۱] (قوله وصلاة الليل) أقول: هي أفضل من صلاة النهار كما في الجوهرة ونور الإيضاح, وقد صرحت الآيات والأحاديث بفضلها والحث عليها. قال في البحر: فمنها ما في صحيح مسلم مرفوعا: أفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل)

(۲) وصلاة الليل وأقلها على ما في الجوهرة ثمان، قال: يصلي ما سهل عليه ولو ركعتين، والسنة فيها ثماني ركعات بأربع تسليمات، والتقييد بأربع تسليمات مبني على قول الصاحبين، وأما على قول الإمام فلا كما ذكره في الحلية، وقال فيها أيضا، وهذا بناء على أن أقل تهجده - صلى الله عليه وسلم - كان ركعتين، وأن منتهاه كان ثماني ركعات، أخذا مما في مبسوط السرخسي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۵، ۲۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۱۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب - ديوبند)

الجواب حامداو مصلیا:

امام صاحب کا عمل صحیح نہیں ہے، فرض نماز کے بعد کے نوافل اور مستحب روزے کا اہتمام آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا صحیح اور بہترین عمل وہ ہے، جس پر اس کا کرنے والا مداومت کرے۔ (بخاری شریف)[1] یہ فرمان نبوی نوافل کے متعلق ہے؛ اس لیے ان کی بات ماننے کے لائق نہیں ہے، ان کو اپنی اس فکر کی اصلاح کرنی چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] وتر کی نماز مسلسل ترک کرنا

۸۹۱-سوال: عرب حضرات گاہے وتر پڑھتے ہیں اور گاہے نہیں۔ ان سے جب پوچھا گیا، تو کہنے لگے: وتر فرض نہیں ہے، سنت ہے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

دوسرے ائمہ کے نزدیک وتر سنت ہے۔[2] اس لیے وہ کبھی پڑھتے ہیں اور کبھی نہیں پڑھتے ہیں۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن عائشة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: سددوا وقاربوا، واعلموا أن لن يدخل أحدكم عمله الجنة، وأن أحب الأعمال إلى الله أدومها وإن قل. (صحيح البخارى: ۲/ ۹۵۷، رقم الحديث: ۶۴۶۴، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، ط: البدر - ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲/ ۳۷۷، رقم الحديث: ۷۸- ۲۸۱۸، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالى، ط: البدر - ديوبند)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: صلى النبي صلى الله عليه وسلم العشاء، ثم صلى ثماني ركعات، وركعتين جالسا، وركعتين بين النداءين ولم يكن يدعهما أبدا. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۵۵، رقم الحديث: ۱۱۵۹، كتاب التهجد، باب المداومة على ركعتي الفجر، ط: البدر - ديوبند)

رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۵۲- ۴۵۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) قال الشافعي رضي الله عنه: " الفرض خمس في اليوم والليلة لقوله - صلى الله عليه وسلم - للأعرابي حين قال هل علي غيرها؟ قال: لا إلا أن تطوع "ــــــــ قال الماوردي: وهذا كما قال يتضمن هذا الفصل الخلاف في صلاة الوتر فعند الشافعي أنها سنة، وبه قال الفقهاء كافة. ــــــ وقال أبو حنيفة: الوتر واجب. (الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي - أبو الحسن، الماوردي (م: ۴۵۰ھ): ۲/ ۲۷۸، كتاب الصلاة، باب صلاة التطوع وقيام شهر رمضان، ت: علي محمد معوض - عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۳) تاہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے، جس کی ادائگی لازم ہے: =

[۶] ضرورت کے پیش نظر فرض نماز پر اکتفاء کرنا

۸۹۲-سوال: اگر کوئی نوکری اور کام کے موقع پر وقت نہ ہونے کی وجہ سے صرف فرض نماز پڑھ لے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گنجائش ہے۔[۱]

[۷] سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تعریف اور ان کا حکم

۸۹۳-سوال: محترم حضرت مفتی صاحب! ظہر کی کل رکعتیں (سنن ونوافل کے ساتھ) کتنی

= (هو فرض عملا وواجب اعتقادا وسنة ثبوتا) [الدر المختار] ـــــ قال ابن عابدين: أي ثبوته علم من جهة السنة لا القرآن وهي قوله - صلى الله عليه وسلم -: الوتر حق، فمن لم يوتر فليس مني، قاله ثلاثا. رواه أبو داود والحاكم وصححه وقوله - صلى الله عليه وسلم -: أوتروا قبل أن تصبحوا. رواه مسلم، والأمر للوجوب، وتمامه في شرح المنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا - ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۰-۱۱۱، كتاب الصلاة، الباب الثامن في صلاة الوتر، ط: زكريا - ديوبند★ بدائع الصنائع: ۱/ ۶۰۵-۶۰۷، فصل في أنواع الصلاة الواجبة، ومنها صلاة الوتر، ط: زكريا - ديوبند)

[۱] تاہم سنتوں کے ترک کی عادت نہ بنائی جائے، کہ اس سے فرائض میں کوتاہی ہونے لگتی ہے، نیز نبی کریم ﷺ نے سنن مؤکدہ کی ادائیگی کا بڑا اہتمام فرمایا ہے اور ان کی بڑی فضیلت بیان کی ہے: عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ثابر على ثنتي عشرة ركعة من السنة، بنى الله له بيتا في الجنة: أربع ركعات قبل الظهر، وركعتين بعدها، وركعتين بعد المغرب، وركعتين بعد العشاء، وركعتين قبل الفجر". (سنن الترمذي: ۱/ ۹۴، رقم الحديث: ۴۱۴، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن صلى في يوم وليلة ثنتي عشرة ركعة من السنة، ما له فيه من الفضل، ط: البدر - ديوبند☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳هـ): ۳/ ۲۶۰-۲۶۱، رقم الحديث: ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ثواب من صلى في اليوم والليلة ثنتي عشرة ركعة سوى المكتوبة ... الخ، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار (لا) يأتي بها، هو المختار؛ لأنه ترك لعذر تجنيس، قيل: إلا سنة الفجر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۱۳، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا، ديوبند)

ہیں؟ اسی طرح مغرب اور عشاء کی کل رکعتیں کتنی ہیں؟ ظہر، مغرب اور عشاء میں جو نفل نمازیں ہیں، میں جان بوجھ کر محض سستی کی بناء پر ان کو ترک کر دیتا ہوں؛ حالاں کہ کوئی کام کاج نہیں ہوتا ہے، پھر بھی نہیں پڑھتا ہوں، جب کہ پانچوں وقت کی نماز کے لیے میں اذان کے ساتھ ہی مسجد میں حاضر ہو جاتا ہوں، تو آپ حدیث شریف کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً

لغت میں نفل کے معنی ہیں: ''زیادتی''۔[1] اور شریعت کی اصطلاح میں: وہ عبادت وبندگی، جس کے کرنے میں ثواب حاصل ہو اور نہ کرنے میں کوئی عذاب نہ ہو۔[2]

سنت کی دو قسمیں ہیں: (۱) سنت مؤکدہ اور (۲) سنت غیر مؤکدہ۔

(۱) سنت مؤکدہ: جو کام رسول اللہ ﷺ نیز خلفائے راشدین؆ نے ہمیشہ کیا ہو اور وہ فرض اور واجب کے علاوہ ہو اور کبھی کبھار اسے ترک بھی کیا ہو۔ اس کو سنن ہدیٰ اور سنت رواتب بھی کہا جاتا ہے، یہ حکم میں واجب کے قریب ہے، یہ فرض اور واجب میں نقصان کی تلافی کرنے والا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ: بلا عذر چھوڑ دے گا، تو لعنت کا مستحق ہوگا اور ترک میں مواظبت کرے گا، تو فاسق ہو جائے گا اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[3]

---

(۱) والنفل في اللغة: الزيادة. وفي الشريعة زيادة عبادة شرعت لنا لا علينا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر)

(۲) النفل. . . يثاب فاعله ولا يسيء تاركه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۰۳، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: دار الفكر)

(۳-۴) فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، وبلا منع الترك إن كان مما واظب عليه الرسول - صلى الله عليه وسلم - أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب ونفل. (حوالہ سابق: ۱/ ۱۰۲)

والسنة نوعان: سنة الهدي، وتركها يوجب إساءة وكراهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها.

وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي - عليه الصلاة والسلام - في لباسه وقيامه وقعوده. . . . السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين. فهي في نفسها عبادة . . . . ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدي، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين. (حوالہ سابق: ۱/ ۱۰۳)

(۲) سنت غیر مؤکدہ: وہ کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی نہ کیا ہو، وہ کام آپ کو پسند ہو، مگر اس کے چھوڑنے والے پر وعید اور عذاب نہ ہو۔ اس کو "سنن زوائد" اور "مستحب" بھی کہا جاتا ہے۔ (۴)

نفل کا اطلاق بعض مرتبہ دونوں قسم کی سنتوں پر ہوتا ہے، جیسا کہ آپ نے فرض کے علاوہ ہر نماز کے متعلق نفل ہونا لکھا ہے۔ (۵)

سنت مؤکدہ: ۱۲/ رکعتیں ہیں، دو رکعت فجر کی فرض نماز سے پہلے، چار رکعت ظہر کی فرض نماز سے پہلے، دو رکعت ظہر کی فرض نماز کے بعد، دو رکعت مغرب کی فرض نماز کے بعد، اور دو رکعت عشاء کی فرض نماز کے بعد۔ پس یہ کل بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں۔ (۶)

البتہ جمعہ کے دن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ۱۶/ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، جمعہ سے پہلے چار رکعت، اور جمعہ کے بعد چار اور دو، کل چھ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، پس جمعہ کے وقت ان کے نزدیک مجموعی دس رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں۔ (۷) البتہ جمعہ کے بعد کی دو رکعت سنت کو کبھی کبھار چھوڑنے سے گناہ نہ ہوگا؛ لیکن

---

(۵) رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۰۳، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: دار الفكر.

(۶) عن عبد الله بن شقيق، قال: سألت عائشة عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن تطوعه؟ فقالت: كان يصلي في بيتي قبل الظهر أربعا، ثم يخرج فيصلي بالناس، ثم يدخل فيصلي ركعتين، وكان يصلي بالناس المغرب، ثم يدخل فيصلي ركعتين، ويصلي بالناس العشاء، ويدخل بيتي فيصلي ركعتين،... وكان إذا طلع الفجر صلى ركعتين. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۵۲، رقم الحديث: ۱۰۵- (۷۳۰)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز النافلة قائما وقاعدا، وفعل بعض الركعة قائما وبعضها قاعدا، ط: البدر- ديوبند☆سنن أبي داود: ۱/ ۱۷۸، رقم الحديث: ۱۲۵۱، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة، ط: البدر- ديوبند)

عن أم حبيبة، قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من صلى في يوم ثنتي عشرة ركعة تطوعا، بني له بهن بيت في الجنة. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۵۱، رقم الحديث: ۱۰۱- ۷۲۸، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن، وبيان عددهن، ط: البدر- ديوبند☆سنن أبي داود: ۱/ ۱۷۸، رقم الحديث: ۱۲۵۰، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة، ط: البدر- ديوبند)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ثابر على ثنتي عشرة ركعة من السنة بنى الله له بيتا في الجنة: أربع ركعات قبل الظهر، وركعتين بعدها، وركعتين بعد المغرب، وركعتين بعد العشاء، وركعتين قبل الفجر". (سنن الترمذي: ۱/ ۹۳، كتاب الصلاة، باب ما جاء في من صلى في يوم وليلة... الخ، ط: ياسر نديم- ديوبند)

(۷) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل أربعا. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۸۸، رقم الحديث: ۶۹- (۸۸۱)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الصلاة بعد=

پڑھنے سے ثواب کا مستحق ہوگا۔

ظہر کی فرض اور سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعت، عصر کی فرض سے پہلے چار رکعت یا دو رکعت جو بھی پڑھنا میسر ہو اور عشاء کی فرض وسنت مؤکدہ کے بعد دو رکعت اور وتر کے بعد دو رکعت، اور مغرب میں سنت مؤکدہ کے بعد چھ رکعت یا دو رکعت جو بھی میسر ہو، اسی طرح تحیۃ المسجد کی دو رکعت، اشراق کی دو یا چھ رکعت اور چاشت کی دو یا بارہ رکعت، اور تہجد کی دو یا آٹھ رکعت اور ایک روایت کے مطابق بارہ رکعت ؛ یہ سب نمازیں نوافل یعنی سنن غیر مؤکدہ ہیں، ان کے فضائل اور ثواب احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ (۸)

= الجمعة، فصل في استحباب أربع ركعات أو الركعتين بعد الجمعة، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/ ۱۱۷، رقم الحديث: ۵۲۳، أبواب الجمعة، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، ط: البدر - ديوبند)

وروي عن عبد الله بن مسعود: أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعا، وبعدها أربعا ـــــ وروي عن علي بن أبي طالب أنه: أمر أن يصلى بعد الجمعة ركعتين، ثم أربعا. (سنن الترمذي: ۱/ ۱۱۷، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، ط: البدر - ديوبند)

ويصلي قبلها أربعا وفي رواية ستا الأربع سنة والركعتان تحية المسجد وبعدها أربعا أو ستا على حسب الاختلاف في سنة الجمعة وسننها توابع لها. (الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۳۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

(وسن) مؤكدا (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع (بعدها بتسليمة)... الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنفل، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۸۹، فصل في بيان النوافل، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال العلامة العثماني: عن أبي عبد الرحمان السلمي... فإن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه يعلمنا أن نصلي أربع ركعات بعد الجمعة، حتى سمعنا قول علي صلوا ستا... الخ. ذهب إليه أبو يوسف من أئمتنا أن السنة بعد الجمعة ست ركعات. (إعلاء السنن: ۷/ ۱۲، كتاب الصلاة، باب النوافل، إدارة القرآن - كراتشي، بحوالہ فتاوىٰ محمودیہ: ۸/ ۳۲۳)

[۸] (ويستحب أربع قبل العصر، وقبل العشاء وبعدها بتسليمة) وإن شاء ركعتين، وكذا بعد الظهر لحديث الترمذي "من حافظ على أربع قبل الظهر وأربع بعدها حرمه الله على النار" (وست بعد المغرب) ليكتب من الأوابين (بتسليمة) أو ثنتين أو ثلاث والأول أدوم وأشق وهل تحسب المؤكدة من المستحب، ويؤدى الكل بتسليمة واحدة؟ اختار الكمال: نعم. وحرر إباحة ركعتين خفيفتين قبل المغرب؛ وأقره في البحر والمصنف. (الدر المختار) ـــــ وقال ابن عابدين: (قوله ويستحب أربع قبل العصر) لم يجعل للعصر سنة راتبة لأنه لم يذكر في حديث عائشة المار بحر قال في الإمداد وخير محمد بن الحسن والقدوري المصلي بين أن يصلي أربعا أو ركعتين قبل العصر لاختلاف الآثار (قوله وإن شاء ركعتين) كذا عبر في منية المصلي. وفي الإمداد عن الاختيار: يستحب أن يصلي قبل العشاء أربعا وقيل ركعتين، وبعدها أربعا وقيل ركعتين اهـ. والظاهر أن الركعتين =

آپ سنن مؤکدہ نہیں پڑھتے ہیں، یہ غلط ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

آگاہ رہو! بے شک مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل بھی دی گئی ہے، خبردار! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھا کہے گا کہ تمہارے ذمہ قرآن کو پکڑنا لازم ہے۔ (صرف قرآن کافی ہے، حدیث کی ضرورت نہیں) پس تم اس میں جو حلال پاؤ تو اسے حلال سمجھو اور جو اس میں تم حرام پاؤ، تو اسے حرام سمجھو۔ خبردار! (اس کی بات میں مت آنا)......الحدیث۔ (ابوداود)[۹]

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قرآن کریم پر تکیہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور حدیث پاک سے ثابت ہونے والے احکام کو نہ ماننے والے کو سخت لہجہ میں متنبہ کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ سنت (مؤکدہ وغیر مؤکدہ) کا اگر قرآن کریم میں ذکر نہ ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شریعت میں مطلوب نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کی ادائیگی کا بڑا اہتمام فرمایا ہے، نیز ان کے پڑھنے پر بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر فرائض میں کمی ہوگی، تو ان سنتوں کے ذریعہ قیامت میں تلافی کی جائے گی۔[۱۰]

=المذكورتين غير المؤكدتين. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنفل، ط: دار الفكر-بيروت)

(۹) عن المقدام بن معدي كرب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "ألا إني أوتيت الكتاب، ومثله معه ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه، وما وجدتم فيه من حرام فحرموه، ألا لا يحل لكم لحم الحمار الأهلي، ولا كل ذي ناب من السبع، ولا لقطة معاهد، إلا أن يستغني عنها صاحبها، ومن نزل بقوم فعليهم أن يقروه فإن لم يقروه فله أن يعقبهم بمثل قراه". (سنن أبي داود: ۲/ ۶۳۳، رقم الحديث: ۴۶۰۴، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ط: البدر-ديوبند)

(۱۰) (عن أبي هريرة) قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " إن أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة من عمله صلاته، فإن صلحت فقد أفلح وأنجح، وإن فسدت فقد خاب وخسر، فإن انتقص من فريضته شيء، قال الرب عز وجل: انظروا هل لعبدي من تطوع فيكمل بها ما انتقص من الفريضة، ثم يكون سائر عمله على ذلك". (سنن الترمذي: ۱/ ۹۴، كتاب الصلاة، باب ما جاء أن أول ما يحاسب به العبد الصلاة، ط: ياسر نديم-ديوبند)

... شرعت البعدية لجبر النقصان، والقبلية لقطع طمع الشيطان. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنفل، ط: دار الفكر)

السنة المؤكدة بمنزلة الواجب في الإثم بالترك كما صرحوا به كثيرا وصرح به في المحيط هنا وأنه لا يجوز ترك السنن المؤكدة. (البحر الرائق: ۲/ ۸۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب ديوبند)

سنن زوائد انسان مسجد میں جا کر ادا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو فرائض کو استحضار قلب کے ساتھ پڑھنے کی توفیق ملتی ہے۔ آپ مسجد میں اذان ہوتے ہی چلے جاتے ہیں، تو اس کا اہتمام کریں، ورنہ مسجد میں پہنچ کر لغو باتوں میں مشغول ہو جانے کا خطرہ رہے گا۔

بنیادی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرض کے علاوہ بہت سی نمازیں سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کے طور پر ادا فرمائی ہیں؛ اس لیے آپ، نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے فرائض میں نقصان کی تلافی کے لیے کمر بستہ ہو جائیں اور سنن ونوافل کا اہتمام کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] نفل اور سنت نماز کا حکم اور ان کی تعداد

۸۹۴-سوال: نفل نماز کا کیا حکم ہے؟ اور نفل رکعتیں کتنی ہیں؟ مغرب اور عشاء کی جو نفل رکعتیں ہیں، انہیں پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً

فرض نماز سے پہلے اور بعد میں کل بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، بلا عذر ان کا چھوڑنا جائز نہیں ہے، ان کو چھوڑنے والا لعنت کا مستحق ہے، اور سنت کو خفیف اور بے عزت سمجھ کر چھوڑنے والے پر کفر کا اندیشہ ہے۔

مذکورہ بارہ رکعتوں کے علاوہ پڑھی جانے والی نفل نماز کو سنت غیر مؤکدہ یا مستحب کہتے ہیں۔ ان کے پڑھنے والے بہت ثواب کے مستحق ہوں گے اور چھوڑنے والے گنہگار نہ ہوں گے۔ کتابوں میں مذکور نفل اور مستحب نماز کے پڑھنے پر بھی بہت سے وعدے اور فضائل بیان کیے گئے ہیں؛ اس لیے انہیں پڑھنا بہتر ہے، ترک کی عادت نہیں بنانی چاہیے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] کم وقت میں زیادہ رکعت پڑھنے والا بہتر ہے یا زیادہ وقت میں کم رکعت پڑھنے والا؟

۸۹۵-سوال: ایک شخص چار منٹ میں چھ رکعت پڑھتا ہے، دوسرا شخص چار منٹ میں چار رکعت پڑھتا ہے اور تیسرا شخص چار منٹ میں دو رکعت پڑھتا ہے، تو ان تینوں میں سے بہتر کون ہے اور کس کو زیادہ ثواب ملے گا؟ بہت سوں کو دیکھا ہے وہ جلدی جلدی نماز پڑھتے ہیں تو کیا جلدی نماز پڑھنا خشوع اور خضوع

(۱) مسئلے کی تفصیل اور تخریج کے لیے دیکھیے ''سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تعریف اور ان کا حکم'' کے تمام حواشی۔

کے خلاف نہیں ہے؟ کیا نماز جیسی عظیم الشان عبادت میں تعدیل ارکان ضروری نہیں ہے؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً

جو شخص نفل نماز میں زیادہ لمبی قراءت کرے اور رکعت کم پڑھے، وہ اس شخص سے بہتر ہے، جو قراءت کم کرے اور رکعت زیادہ پڑھے، بصورت مسئولہ میں چار منٹ میں دو رکعت پڑھنے والا شخص بہتر ہوگا؛ اس لیے کہ کم رکعت پڑھنے والا قرآن کی تلاوت زیادہ کرے گا اور قرآن کی تلاوت، تمام اذکار میں سب سے بہتر یعنی افضل الذکر ہے؛ اس لیے زیادہ وقت میں کم رکعت پڑھنے والا، کم وقت میں زیادہ رکعت پڑھنے والے سے بہتر ہوگا۔ (۱)

نماز میں تعدیل ارکان واجب ہے، اگر کوئی شخص تعدیل ارکان کا خیال کرتے ہوئے جلدی نماز پڑھتا ہے، تو اس کی نماز ہوجائے گی اور جو شخص جلدی نماز پڑھتا ہے اور تعدیل ارکان کا لحاظ نہیں کرتا، تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ واجب ترک کرنے کی وجہ سے دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] بہن کی ہم نام خاتون کے ساتھ نکاح کے لیے صلاۃ استخارہ

۸۹۶-سوال: صلوۃ استخارہ کا طریقہ کیا ہے؟ نیز کسی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے، جو میری بہن کے ہم نام ہے، استخارہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) والحاصل أن المذهب المعتمد أن طول القيام أحب، ومعناه كما في شرح المنية أنه إذا أراد شغل حصة معينة من الزمان بصلاة فإطالة القيام مع تقليل عدد الركعات أفضل من عكسه، فصلاة ركعتين مثلاً في تلك الحصة أفضل من صلاة أربع فيها، وهكذا القياس. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۸، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، ط: دار الفكر - بيروت)

وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ. (۲۹-العنكبوت: ۴۵)

(۲) وأما الاعتدال في الركوع والسجود وكل ركن، هو أصل بنفسه، ذكر الكرخي: أنه واجب على قولهما. هكذا في الظهيرية، وهو الصحيح. كذا في شرح المنية لابن أمير الحاج، وتعديل الأركان: هو تسكين الجوارح؛ حتى تطمئن مفاصله، وأدناه قدر تسبيحة. كذا في العيني شرح الكنز، والنهر الفائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زكريا - ديوبند☆النهر الفائق شرح كنز الدقائق - سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵هـ): ۱/ ۱۹۹، باب صفة الصلاة، ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية☆رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۶۴، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

الجواب حامداً ومصلیا:

آپ سونے سے قبل وضوء کر کے دو رکعت نماز نفل کی نیت سے پڑھیں، پھر استخارہ کی مسنون دعاء پڑھ کر سو جائیں۔ دعاء میں "ھذا الأمر" کے بجائے اس لڑکی کا نام لیں اور یہ کہیں کہ اس لڑکی کے ساتھ نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں، اس کے بعد آپ سو جائیں، اگر پندرہ، بیس دنوں میں آپ کے دل کو سکون واطمینان نصیب ہو جائے اور ان سے شادی کرنے پر دل مطمئن ہو جائے تو نکاح کر لیں۔ (۱)

صورت مسئولہ میں استخارہ کرنا چاہیے۔ (۲)

نوٹ: اس مسئلے کی مزید معلومات کے لیے میری کتاب "مسلمان عورت حصہ اول دوم" کا مطالعہ کیجیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] استخارہ کا طریقہ

۸۹۷-سوال: استخارہ کا طریقہ اور اس کی ترتیب کیا ہے؟

(۱ - ۲) عن جابر رضي الله عنه، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الأمور كلها، كالسورة من القرآن: " إذا هم بالأمر فليركع ركعتين ثم يقول: اللهم إني أستخيرك بعلمك، وأستقدرك بقدرتك، وأسألك من فضلك العظيم، فإنك تقدر ولا أقدر، وتعلم ولا أعلم، وأنت علام الغيوب، اللهم إن كنت تعلم أن هذا الأمر خير لي في ديني ومعاشي وعاقبة أمري - أو قال: في عاجل أمري وآجله - فاقدره لي، وإن كنت تعلم أن هذا الأمر شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة أمري - أو قال: في عاجل أمري وآجله - فاصرفه عني واصرفني عنه، واقدر لي الخير حيث كان، ثم رضني به، ويسمي حاجته ". (صحيح البخاري: ۲/ ۹۴۴، رقم الحديث: ۶۳۸۲، كتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارة، ط: البدر - ديوبند)

وفي الحلية: ويستحب افتتاح هذا الدعاء وختمه بالحمدلة والصلاة. وفي الأذكار أنه يقرأ في الركعة الأولى الكافرون، وفي الثانية الإخلاص. اهـ. وعن بعض السلف أنه يزيد في الأولى - {وربك يخلق ما يشاء ويختار} [القصص: ۶۸] إلى قوله - {يعلنون} [القصص: ۶۹] - وفي الثانية {وما كان لمؤمن ولا مؤمنة} [الأحزاب: ۳۶] الآية. وينبغي أن يكررها سبعا، لما روى ابن السني "يا أنس إذا هممت بأمر فاستخر ربك فيه سبع مرات، ثم انظر إلى الذي سبق إلى قلبك فإن الخير فيه" ولو تعذرت عليه الصلاة استخار بالدعاء اهـ ملخصا. وفي شرح الشرعة: المسموع من المشايخ أنه ينبغي أن ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور، فإن رأى منامه بياضا أو خضرة فذلك الأمر خير، وإن رأى فيه سوادا أو حمرة فهو شر ينبغي أن يجتنب اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۶-۲۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في ركعتي الاستخارة، ط: دار الفكر - بيروت

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی اہم کام درپیش ہو، تو پہلے دو رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور دوسری رکعت میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" پڑھے، سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیج کر یہ دعا پڑھے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ، فَاقْدُرْهُ لِي، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ.(۱)

ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے آپ کے علم کے ذریعہ خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کے ذریعہ آپ سے (بھلے کام پر) قدرت طلب کرتا ہوں اور آپ سے آپ کے بڑے فضل (مہربانی و انعام) کا سوال کرتا ہوں؛ کیوں کہ آپ کو قدرت ہے اور مجھے قدرت نہیں اور آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا اور آپ تمام غیبوں کو خوب جاننے والے ہیں۔ اے اللہ! اگر آپ کے علم میں یہ کام (یہاں کام کا نام لے) میرے لیے دین و دنیا، حال و مستقبل اور آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے، تو آپ اسے میرے لیے مقدر فرما دیجیے اور اسے میرے لیے اس میں آسانی پیدا فرما دیجیے، پھر میرے لیے اس میں برکت عطا فرمایئے۔ اور اگر یہ کام (یہاں کام کا نام لے) میرے لیے دین و دنیا، حال و مستقبل، معاش اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے، تو اس کام کو مجھ سے دور رکھیے اور میرے دل کو اس کام کی طرف سے پھیر دیجیے، اور جہاں بھی میرے لیے خیر مقدر ہو، اس کا میرے لیے فیصلہ فرما دیجیے اور جو فیصلہ آپ فرمائیں، اس پر مجھے خوش رکھیے۔

اگر یہ دعا عربی میں نہیں پڑھ سکتا، تو گجراتی میں یا کسی بھی زبان میں پڑھ لے، دعا پڑھنے کے بعد قبلہ رخ ہو کر سو جائے، اگر نیند میں سفید یا ہرے رنگ کی کوئی چیز دیکھے، تو یہ اس کام کے خیر ہونے کی علامت ہے، اور اگر کالے یا سرخ رنگ کی چیز دیکھے، تو اس کام کے شر ہونے کی علامت ہے؛ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے، خواب کسی چیز کا دیکھنا یا نہ دیکھنا اصل نہیں ہے؛ اس لیے اگر کوئی خواب نہ دیکھے، تو دل جس پر جم جائے، اسی کو

---

(۱) صحیح البخاري: ۲/ ۹۴۴، رقم الحدیث: ۶۳۸۲، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارۃ، ط: دیوبند.

کرلے، اگر ایک دن میں تسلی وتشفی نہ ہو، تو سات دن تک ایسا ہی کرے، پھر جو کام کرے گا، اسی میں بھلائی ہوگی۔ (شامی، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مطلب فی رکعتی الاستخارۃ، ج۲، ص: ۴۰۷، زکریا- دیوبند)[1]

[۱۲] سنن ونوافل کو گھر میں ادا کرنا اور عشاء کی اخیری دو رکعت بیٹھ کر ادا کرنا

۸۹۸-سوال: فجر کی دو رکعت سنت مؤکدہ گھر سے پڑھ کر جانے اور عشاء کی آخری دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بعض لوگ عشاء کی آخری دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کو سنت بتلاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداومصلیا

فجر کی دو رکعت گھر میں پڑھنا سنت ہے۔ [۲] اس کے علاوہ دوسرے نوافل بھی گھر پر، پڑھنا افضل ہے؛ لیکن اگر یہ خوف ہو کہ سستی اور مشغولی کی وجہ سے نماز کے بعد نوافل گھر جا کر نہیں پڑھ سکے گا، تو پھر مسجد میں پڑھ لینا افضل ہے۔ نیز فجر کی دو رکعت مسجد میں نہ پڑھنے کی وجہ سے جاہل لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو کہ فجر کی سنت، سنت مؤکدہ نہیں ہے یا ایسی بدگمانی کا اندیشہ ہو کہ لوگ یہ کہیں گے کہ فلاں صاحب سنت نہیں

---

(۱) وفي الحلية: ويستحب افتتاح هذا الدعاء وختمه بالحمدلة والصلاة. وفي الأذكار أنه يقرأ في الركعة الأولى الكافرون، وفي الثانية الإخلاص. اهـ. وعن بعض السلف أنه يزيد في الأولى - {وربك يخلق ما يشاء ويختار} [القصص: ۶۸] إلى قوله- {يعلنون} [القصص: ۶۹] - وفي الثانية {وما كان لمؤمن ولا مؤمنة} [الأحزاب: ۳۶] الآية. وينبغي أن يكررها سبعا، لما روى ابن السني "يا أنس إذا هممت بأمر فاستخر ربك فيه سبع مرات، ثم انظر إلى الذي سبق إلى قلبك فإن الخير فيه"، ولو تعذرت عليه الصلاة استخار بالدعاء اهـ ملخصا.

وفي شرح الشرعة: المسموع من المشايخ أنه ينبغي أن ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور، فإن رأى منامه بياضا أو خضرة فذلك الأمر خير، وإن رأى فيه سوادا أو حمرة فهو شر ينبغي أن يجتنب اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۶-۲۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في ركعتي الاستخارة، ط: دار الفكر- بيروت ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۲، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) وفي الخلاصة: والسنة في ركعتي الفجر ثلاث: أحدها أن يقرأ في الركعة الأولى {قل يا أيها الكافرون}، وفي الثانية الإخلاص، والثانية أن يأتي بهما أول الوقت، والثالثة أن يأتي بهما في بيته ... اهـ. (البحر الرائق: ۲/ ۸۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب ديوبند☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۰، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبيل: مبحث مهم في الكلام على الضجعة بعد سنة الفجر، ط: دار الفكر- بيروت)

پڑھتے ہیں، تو ایسی صورت میں مسجد میں پڑھنا بہتر ہے۔[1]

وتر کے بعد کی دو رکعت نفل کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے، آپ ﷺ تہجد کے بعد وتر پڑھتے تھے لمبی تہجد پڑھنے کی وجہ سے تھک جاتے تھے؛ اس لیے بعض مرتبہ بیٹھ کر پڑھتے تھے، ہمارے لیے کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے، ہاں اگر کوئی آدمی تہجد کے بعد وتر کی نماز پڑھتا ہے۔[2] اور آپ ﷺ کی اتباع کی نیت سے بیٹھ کر دو رکعت پڑھتا ہے، تو زیادتی ثواب کا مستحق ہوگا۔ (درمختار) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والأفضل في النفل غير التراويح المنزل إلا لخوف شغل عنها والأصح أفضلية ما كان أخشع وأخلص. (الدر المختار)
قال ابن عابدين: (قوله والأفضل في النفل إلخ) شمل ما بعد الفريضة وما قبلها لحديث الصحيحين: عليكم الصلاة في بيوتكم فإن خير صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة. وأخرج أبو داود "صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا إلا المكتوبة" وتمامه في شرح المنية، وحيث كان هذا أفضل يراعى ما لم يلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبيته، أو كان في بيته ما يشغل باله ويقلل خشوعه، فيصليها حينئذ في المسجد لأن اعتبار الخشوع أرجح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في الكلام على حديث النهي عن النذر، ط: دار الفكر - بيروت)
(۲) عن عبد الله بن عمرو، قال: حدثت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: صلاة الرجل قاعدا نصف الصلاة، قال: فأتيته، فوجدته يصلي جالسا، فوضعت يدي على رأسه، فقال: ما لك يا عبد الله بن عمرو، قلت: حدثت يا رسول الله أنك قلت: صلاة الرجل قاعدا على نصف الصلاة، وأنت تصلي قاعدا، قال: أجل، ولكني لست كأحد منكم. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۵۳، رقم الحديث: ۱۲۰-(۷۳۵)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز النافلة قائما وقاعدا، وفعل بعض الركعة قائما وبعضها قاعدا، ط: البدر - ديوبند☆ سنن أبي داود: ۱/ ۱۳۷، رقم الحديث: ۹۵۰، كتاب الصلاة، باب في صلاة القاعد، ط: البدر - ديوبند☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳هـ): ۳/ ۲۲۳، رقم الحديث: ۱۶۵۹، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب فضل صلاة القائم على صلاة القاعد، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)
لأنه صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر قاعدا... و "لكن له" أي للمتنفل جالسا "نصف أجر القائم" لقوله صلى الله عليه وسلم: "من صلى قائما فهو أفضل ومن صلى قاعدا فله نصف أجر القائم ومن صلى نائما فله نصف أجر القاعد" "إلا" أنهم قالوا هذا في حق القادر. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص: ۱۵۲، باب في النوافل، فصل في صلاة النفل جالسا وفي الصلاة على الدابة وصلاة الماشي، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)
(قوله ولكن له نصف أجر القائم) يستثنى منه صاحب الشرع صلى الله عليه وسلم كما ورد عنه صلى الله عليه وسلم. فإن أجر صلوته قاعداً كأجر صلوته قائما، فهو من خصوصياته. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱/ ۲۶۵، فصل في صلاة النفل جالسا، ط: المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق، مصر)
قلت الصواب أن هاتين الركعتين فعلهما صلى الله عليه وسلم بعد الوتر جالسا لبيان جواز الصلاة بعد الوتر وبيان =

[۳] رمضان میں تہجد کی نماز باجماعت پڑھنے کا حکم

۸۹۹-سوال: چہ فرمائید علمائے دین ومفتیان شرع متین در بارۂ ایں مسئلہ کہ گزاردن نماز تہجد باجماعت در رمضان المبارک شرعاً جائز است یا نہ؟ بعضے دریں ادائے کردن تہجد باجماعت مکروہ دانند وبعضے جائز گویند، وبعضے بلا تداعی آں را در رمضان مبارک حرج نمی دانند، ایں قول مفتی بہ عند الاحناف در فقہ نمی آید، و شما را مؤدبانہ التماس کردہ شود تا ایں مسئلہ یعنی گزادن نماز تہجد باجماعت در رمضان مبارک قدرے تفصیل بیان کردہ شود، وقول مفتی بہ عند الاحناف ذکر کردہ آید، تا عمل برائے عوام الناس در تشویش افتادہ اند سہل آید، بینوا بسند الکتاب وتوجروا فی اللہ الملک الوہاب، فقط۔ (۱)

الجواب حامداً ومصلیاً

بعض اکابر رمضان المبارک میں ''نماز تہجد'' جماعت سے ادا کرتے تھے؛ بغیر تداعی کے اس کی اجازت ہے، تاہم افضل اور اولی یہی ہے کہ تہجد کی نماز تنہا پڑھی جائے، بلا تداعی کبھی کبھار دو تین شخص کسی کی اقتداء میں تہجد ادا کرلیں، تو جائز ہے۔

البتہ تین سے زائد نے غیر رمضان میں اقتداء کی ہو تو مکروہ ہے، تاہم اقتداء صحیح ہوجائے گی۔

درحقیقت اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ باجماعت تہجد کی نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ واضح رہے کہ یہ اختلاف جواز وعدم جواز کا نہیں ہے؛ بل کہ کراہت وعدم کراہت کا ہے۔

تداعی کے بغیر ہو، تو رمضان وغیر رمضان: ہر دو میں اس کا باجماعت ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

=جواز النفل جالسا ولم یواظب علی ذلك بل فعله مرة أو مرتین أو مرات قلیلة. (شرح النووی: ۳/ ۵۷، صلاة اللیل وعدد الرکعات، ط: دار إحیاء التراث العربی-بیروت)

والمحققون من أکابرنا علی أن اتیانهما قیاما أفضل اھ. (إعلاء السنن: ۶/ ۱۰۹، کتاب الصلاة، حکم الرکعتین بعد الوتر، ط: ادارة الکراچی)

(۱) ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: رمضان المبارک میں تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات باجماعت تہجد کی نماز ادا کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، جب کہ بعض حضرات اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ بعض بغیر تداعی کے رمضان میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں، اور یہی قول فقہ حنفی میں مفتی بہ ہے۔ آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس مسئلے کو واضح فرمائیں اور مفتی بہ قول کی بھی نشان دہی کردیں، تاکہ عوام کے لیے اس اختلافی مسئلے میں عمل کرنا آسان ہوجائے۔ بینوا توجروا۔

تداعی کے ساتھ غیر رمضان میں مکروہ ہے۔ البتہ رمضان المبارک میں کیا حکم ہے؟ فقہ حنفی کی بیشتر روایت تو یہی ہے کہ رمضان میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہے؛ بعض فقہاء کی صراحت کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے، بعض کی صراحت کے مطابق مکروہ تحریمی۔[1]

خود بعض اکابر کا یہی معمول رہا ہے کہ تہجد میں جماعت کے ساتھ قرآن کریم ختم کرتے تھے۔

بعض نے تداعی کا مطلب ''اذان واقامت'' بیان کیا ہے، لہٰذا نفل نماز جماعت سے ادا کرنے کے لیے اذان واقامت کہنا مکروہ ہوگا اور اس پر مواظبت مکروہ تحریمی؛ بل کہ بدعت کی حد میں داخل ہوکر حرام ہوگا۔

جو حضرات تہجد کی نماز رمضان المبارک میں جماعت سے ادا کرتے ہیں، وہ فرمان رسول ﷺ: **من قام رمضان إيماناً واحتساباً.** الحدیث (بخاری، مسلم)[2] سے استدلال کرتے ہیں کہ اس روایت میں تراویح

---

[1] (ولا يصلي الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان) أي يكره ذلك على سبيل التداعي، بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر، ولا خلاف في صحة الاقتداء إذ لا مانع نهر. [الدر المختار] ــــــ قال ابن عابدين: (قوله أي يكره ذلك) أشار إلى ما قالوا من أن المراد من قول القدوري في مختصره لا يجوز الكراهة لا عدم أصل الجواز، لكن في الخلاصة عن القدوري أنه لا يكره، وأيده في الحلية بما أخرجه الطحاوي عن المسور بن مخرمة، قال: دفنا أبا بكر - رضي الله تعالى عنه - ليلا، فقال عمر - رضي الله عنه -: إني لم أوتر، فقام وصفنا وراءه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم إلا في آخرهن. ثم قال: ويمكن أن يقال: الظاهر أن الجماعة فيه غير مستحبة، ثم إن كان ذلك أحيانا كما فعل عمر كان مباحا غير مكروه، وإن كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة؛ لأنه خلاف المتوارث، وعليه يحمل ما ذكره القدوري في مختصره، وما ذكره في غير مختصره يحمل على الأول، والله أعلم اهـ ــــ قلت: ويؤيده أيضا ما في البدائع من قوله: إن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان اهـ فإن نفي السنية لا يستلزم الكراهة، نعم إن كان مع المواظبة كان بدعة فيكره. وفي حاشية البحر للخير الرملي: علل الكراهة في الضياء والنهاية بأن الوتر نفل من وجه حتى وجبت القراءة في جميعها، وتؤدى بغير أذان وإقامة، والنفل بالجماعة غير مستحب؛ لأنه لم تفعله الصحابة في غير رمضان اهـ وهو كالصريح في أنها كراهة تنزيه تأمل. اهـ ــــ (قوله على سبيل التداعي) هو أن يدعو بعضهم بعضا كما في المغرب، وفسره الواني بالكثرة وهو لازم معناه ــــ (قوله أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف بحر عن الكافي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۸-۴۹، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي وفي صلاة الرغائب، ط: دار الفكر - بيروت)

[2] عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قام رمضان إيمانا واحتسابا، غفر له ما تقدم من ذنبه. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۰، رقم الحديث: ۳۷ و ۳۸، كتاب الإيمان، باب: تطوع قيام رمضان من الإيمان، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۵۹، رقم الحديث: ۱۷۳- (۵۵۹)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان، وهو التراويح)

کی کوئی قید نہیں ہے؛ لہٰذا تراویح وغیر تراویح ہر دو کا جماعت سے ادا کرنا جائز ہوگا۔

اسی طرح سے فقہاء نے لکھا ہے کہ نفل مطلقاً جماعت سے تداعی کے بغیر جائز ہے: وفي عمدة الفقهاء وتحفة الفقهاء: والتفسير فيه أن التطوع بالجماعة إذا لم يكن على وجه التداعي، وهو بالأذان والإقامة على سبيل الجهر - كما هو المعتاد في المساجد - لا يكره... (الخزانة: ۱/ ۲۰۴)[۳]

الغرض رمضان المبارک میں با جماعت تہجد پڑھنا مختلف فیہ ہے؛ اس لیے جو حضرات کسی حافظ، قاری وعالم کے پیچھے تہجد ادا کرتے ہیں، ان پر شدت سے نکیر نہ کی جائے؛ اس لیے کہ اگر شدت سے روکا گیا، تو منفرداً تہجد کو چھوڑ دیں گے، یہ ایسا ہی ہے، جیسے کہ وقت مکروہ میں نماز ادا کرنا، کہ باتفاق علماء احناف مکروہ تحریمی ہے، اس کے باوجود اگر عوام کو اس وقت نماز پڑھنے سے نہیں روکا جائے گا، جیسا کہ علامہ حصکفیؒ نے صراحت کی ہے کہ: وقت مکروہ میں جو نماز ادا کرے، اس کو نہ روکا جائے، اگر اس وقت نماز سے روک دیا گیا، تو احتمال ہے کہ نماز قضا کردے گا یا نماز کو ترک کردے گا۔[۴]

الغرض تہجد جماعت سے ادا کرنے پر رمضان المبارک میں سختی سے نکیر نہ کی جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا اور طلوعِ صبح صادق کے بعد اور اذان فجر سے قبل پڑھنا

[۱۵] نماز کی حالت میں کھجلانا، مچھر کو بھگانا اور سجدے کی حالت میں زمین سے پیر اٹھانا

۹۰۰- سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسائل ذیل کے بارے میں:

(۱) تہجد کی نماز باجماعت ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ اعلان کر کے یا لوگوں کو بلا کر جماعت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں جب کسی آدمی کو تہجد کی جماعت میں شرکت کی دعوت نہ دی جائے اور نہ ہی کسی کو بلانے کے لیے بھیجا جائے، بل کہ کچھ لوگ تہجد کے لیے خود اپنے شوق ورغبت سے آجائیں، تو کوئی حرج

---

[۳] لم أجد هذا الكتاب.

(۴) (وكره) تحريما، وكل ما لا يجوز مكروه (صلاة) مطلقا (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلا أو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهو) لا شكر قنية (مع شروق) إلا العوام، فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك كما في القنية وغيرها. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۷۰-۳۷۱، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر)

نہیں ہے۔ ہمارے یہاں یہی صورت حال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ان لوگوں کی طرف سے پیش آتی ہے، جو شب بیداری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ تہجد میں مکمل کلام پاک سن کر زیادہ اجر وثواب کے مستحق ہوں، نیز یہ حضرات اپنے طور پر اپنے خویش واقارب کو ترغیب دے کر تہجد کی جماعت میں شریک ہونے کے لیے لاتے ہیں، تو اس طرح جماعت بڑی ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اب دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ بالا صورت کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) اکثر جگہ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں فجر کی اذان صبح صادق کے آدھا گھنٹہ یا مزید کچھ دیر بعد ہوتی ہے، تو اس صورت میں اذان سے قبل اور صبح صادق کے بعد تہجد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نماز کی حالت میں کھجلانا، مچھروں کو بھگانا، داڑھی کا بار بار خلال کرنا، پکڑنا یا دونوں ہاتھوں سے دامن کو بار بار صحیح کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۴) سجدے کی حالت میں ایک پاؤں کا زمین سے اٹھانا کیسا ہے؟ اور اگر دونوں پاؤں اٹھ جائے، تو شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

تہجد کی نماز کے لیے جماعت غیر مسنون (مکروہ) ہے؛ غیر رمضان میں کسی صاحب نے تہجد کی نماز پڑھنا کے لیے نیت باندھی، دو تین مقتدیوں نے اس کی اقتدا کرلی، تو جائز ہے، حضرت عتبان بن مالکؓ کے مکان پر رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے نماز شروع فرمائی، دیگر صحابہ نے اقتدا کرلی، تو آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا؛ لہٰذا اگر کبھی بلا تداعی غیر رمضان میں اتفاقی طور سے جماعت بن گئی، تو جائز ہے۔ (حدیث بخاری)[1]

البتہ رمضان المبارک میں تہجد کی نماز جماعت سے ادا کرنے کے متعلق اختلاف ہے: بعض علماء نے جائز کہا ہے اور شامی اور بدائع کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے، جس میں ہے: ''جماعت نفل نماز کے لیے مسنون نہیں ہے، سوائے نوافل رمضان میں۔''

---

[۱] عن عتبان بن مالك، أن النبي صلى الله عليه وسلم أتاه في منزله، فقال: أين تحب أن أصلي لك من بيتك؟ قال: فأشرت له إلى مكان، فكبر النبي صلى الله عليه وسلم، وصففنا خلفه، فصلى ركعتين. (صحيح البخاري: ۱/۶۰، رقم الحديث: ۴۲۴، كتاب الصلاة، باب إذا دخل بيتا يصلي حيث شاء أو حيث أمر ولا يتجسس، ط: البدر - ديوبند)

رمضان کے نوافل میں تراویح اور تہجد دونوں داخل ہوں گے؛ لہٰذا رمضان المبارک میں تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہوگا اور غیر رمضان میں مکروہ۔[۲]

(۲) طلوع صبح صادق کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ دوسری کوئی نفل نماز جائز نہیں ہے۔ (عالمگیری ج:۱ ص:۱۹۔۲۰)[۳]

تہجد کا وقت صبح صادق تک ہے؛ لہٰذا صبح صادق کے بعد تہجد کی نیت سے نفل نماز جائز نہیں۔

(۳) فقہاءؒ نے لکھا ہے کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، عمل کثیر میں کئی اقوال ہیں، مگر علامہ شامیؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ دور سے دیکھنے والا نمازی کو خارج صلاۃ سمجھے، تو یہ عمل کثیر ہے ورنہ عمل قلیل۔ داڑھی میں ہاتھ پھیرنا، کپڑے درست کرنا یہ عبث بے کار کام ہیں؛ اس لیے مکروہ ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے؛ مگر عمل کثیر کا تحقق نہ ہو، تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔[۴]

---

[۲] (ولا يصلي الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان). (الدر المختار) ـــــ قال الشامي: أي يكره ذلك على سبيل التداعي، بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر، ولا خلاف في صحة الاقتداء إذ لا مانع، نهر... قلت: ويؤيده أيضا ما في البدائع من قوله: إن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان اهـ فإن نفي السنية لا يستلزم الكراهة، نعم إن كان مع المواظبة كان بدعة فيكره. والنفل بالجماعة غير مستحب؛ لأنه لم تفعله الصحابة في غير رمضان وهو كالصريح في أنها كراهة تنزيه. (رد المحتار: ۲/ ۵۰۰، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: مكتبه زكريا - ديوبند)

[۳] تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما في معناها لا الفرائض. منها ما بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر. يكره فيه التطوع بأكثر من سنة الفجر. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۲، كتاب الصلاة، الباب الأول في مواقيت الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر)

(قوله: وبعد طلوع الفجر بأكثر من سنة الفجر) أي ومنع عن التنفل بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر بأكثر من سنته قصدا لما رواه أحمد وأبو داود: لا صلاة بعد الصبح إلا ركعتين. وفي رواية الطبراني: إذا طلع الفجر فلا تصلوا إلا ركعتين. قيدنا بكونه قصدا لما في الظهيرية. (البحر الرائق: ۱/ ۲۶۵، كتاب الصلاة، التنفل بعد صلاة الفجر، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار: ۲/ ۱۷۱، كتاب الصلاة، باب الوتر النوافل، ط: دار الفكر)

[۴] (و) يفسدها (كل عمل كثير) ليس من أعمالها ولا لإصلاحها، وفيه أقوال خمسة: أصحها (ما لا يشك) بسببه (الناظر) من بعيد (في فاعله أنه ليس فيها) وإن شك أنه فيها أم لا فقليل. (الدر المختار) ـــــ قال الشامي: (قوله وفيه أقوال خمسة أصحها ما لا يشك إلخ) صححه في البدائع، وتابعه الزيلعي والولوالجي. وفي المحيط أنه الأحسن. وقال الصدر الشهيد: إنه الصواب. وفي الخانية والخلاصة: إنه اختيار العامة. وقال في المحيط وغيره: رواه الثلجي عن أصحابنا حلية. (رد المحتار: ۱/ ۶۲۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر)=

(۴) اگر سجدہ میں دونوں پاؤں بالکل اٹھ گئے ہوں، تھوڑی دیر کے لیے بھی زمین پر نہیں رکھے گئے ہوں، تو نماز فاسد ہو جائے گی، البتہ تھوڑی دیر بھی پاؤں زمین پر رہے، پھر اٹھ گئے یا شروع سے اٹھے ہوئے تھے، بعد میں زمین پر تھوڑی کے لیے ٹک گئے، تو سجدہ صحیح ہو جائے گا اور نماز بھی صحیح ہو جائے گی؛ البتہ پاؤں کو اٹھانا یا حرکت دینا مکروہ ہے۔[۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] نماز وتر میں دعاء قنوت کے وجوب پر ایک اشکال کا جواب

۹۰۱- سوال: دو مسئلے بہشتی ثمر، حصہ اول، باب سجود السہو سے نقل کر رہا ہوں:

مسئلہ: ''دعاء قنوت کی جگہ سبحانک اللّٰہم پڑھ لیا، پھر جب اس کو یاد آیا، تو دعاء قنوت پڑھ لی، تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا؛ کیوں کہ کوئی خاص دعاء اس میں واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: وتر میں دعاء قنوت پڑھنا بھول گیا، سورت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا، تو سجدۂ سہو واجب ہے؛ کیوں کہ دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے۔

اب اس پر سوال یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں تو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نماز وتر میں کسی دعاء کی تخصیص نہیں

= (و) كره (كفه) أي رفعه ولو لتراب كمشمر كم أو ذيل (وعبثه به) أي بثوبه (وبجسده) للنهي إلا لحاجة ولا بأس به خارج صلاة. ((قوله ولو لتراب) وقيل لا بأس بصونه عن التراب، أي كما لو دخل في الصلاة، وهو مشمر كمه أو ذيله، وأشار بذلك إلى أن الكراهة لا تختص بالكف وهو في الصلاة، وحاصله أن كل عمل هو مفيد للمصلي فلا بأس بأن يأتي به، أصله ما روي: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - عرق في صلاة فسلت العرق عن جبينه، أي مسحه؛ لأنه كان يؤذيه فكان مفيدا، وفي زمن الصيف كان إذا قام من السجود نفض ثوبه يمنة أو يسرة؛ لأنه كان مفيدا كي لا يبقى صورة، فأما ما ليس بمفيد فهو العبث وقوله كي لا تبقى صورة يعني حكاية صورة الألية، فليس نفضه للتراب. فلا يرد ما في البحر عن الحلية من أنه إذا كان يكره رفع الثوب كي لا يترب، لا يكون نفضه من التراب عملا مفيدا (قوله للنهي) وهو ما أخرجه القضاعي عنه - صلى الله عليه وسلم - «إن الله كره لكم ثلاثا: العبث في الصلاة. والرفث في الصيام، والضحك في المقابر» "وهي كراهة تحريم كما في البحر" (قوله إلا لحاجة) كحك بدنه لشيء أكله وأضره وسلت عرق يؤلمه ويشغل قلبه. وهذا لو بدون عمل كثير. (رد المحتار: ۲/۴۰۶-۴۰۷، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: مكتبه زكريا- ديوبند)

[۵] (ومنها السجود) بجبهته وقدميه، ووضع إصبع واحدة منهما شرط؛ لأن وضع إصبع واحدة منهما يكفي كما ذكره بعد. وأفاد أنه لو لم يضع شيئا من القدمين لم يصح السجود. (رد المحتار: ۲/۱۳۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: مكتبه زكريا- ديوبند)

ہے، جب کہ دوسرے مسئلے میں وتر کی نماز میں دعاء قنوت کی تخصیص کی گئی ہے، اور یہ کہا گیا ہے کہ: دعاء قنوت کا پڑھنا واجب ہے۔ نیز دعاء قنوت کے نہ پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو کا بھی حکم دیا گیا ہے، اسی طرح اس کتاب میں ص: ٦٦ پر واجبات صلاۃ کی تعداد میں وتر کے لیے دعاء قنوت کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ بہ ظاہر دونوں مسئلوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے، دونوں کے مابین تطبیق دے کر ممنون فرمائیں گے۔

مولوی ولی اسماعیل فلاحی خان پوری

الجواب حامداومصلیا:

جناب والا نے بہشتی ثمر کے حوالے سے جن دو مسائل کا ذکر کیا ہے، ان دونوں مسئلوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لیے کہ وتر کی نماز میں نفس دعاء واجب ہے؛ البتہ مشہور دعاء پڑھنا سنت ہے؛ لہٰذا ''سبحانک اللھم......الخ'' یا اس کے علاوہ کوئی دوسری دعاء پڑھے گا، تو نفس وجوب ادا ہو جائے گا؛ شامی میں لکھا ہے: (وقنت فیه) ویسن الدعاء المشهور... وبه یفتی. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۶)[1]

اور صرف قراءت پر اکتفا کرنا اور بالکلیۃ دعاء نہ پڑھنا، دعاء واجب کو ترک کرنا ہے؛ لہٰذا سجدۂ سہو واجب ہوگا، واجبات میں قنوت کو واجب کہنا مخصوص دعاء کے وجوب کے معنی میں نہیں ہے۔ وذکر في البحر عن الکرخي أن القنوت لیس فیه دعاء مؤقت لأنه روي عن الصحابة أدعیة مختلفة ولأن المؤقت من الدعاء یذهب برقة القلب. (شامی: ۲/ ۶۳۳)[2]

اس جواب سے آپ کا اشکال حل ہو جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] رمضان میں عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے والے کے لیے وتر کا حکم

۹۰۲- سوال: رمضان المبارک میں جس نمازی کو عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ملے اور وہ تراویح میں شرکت کرلے، تو اس کے لیے وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

عشاء کی فرض نماز پڑھنے کے بعد ہی اس کی سنن اور تراویح پڑھی جائے، فرض نماز ادا کیے بغیر وتر اور

(۱) رد المحتار: ۲/ ۶، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفکر.

(۲) رد المحتار: ۲/ ۶، کتاب الصلاۃ، ط: دار الفکر ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۶۱۴، کتاب الصلاۃ، القنوت، ط: مکتبہ زکریا- دیوبند.

تراویح کی نماز ادا نہیں ہوگی، فرض نماز اگر امام کے ساتھ با جماعت نہیں ملی ہے، تو تنہا ادا کر لے، اس کے بعد ہی تراویح میں شامل ہو، فرض نماز ادا کیے بغیر تراویح میں شامل ہونا صحیح نہیں ہے اور وتر کو رمضان میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، اس سے ثواب زیادہ ملے گا اور جو لوگ وتر کو تنہا پڑھنے کے قائل ہیں، وہ صریح غلطی پر ہیں۔ (شامی: ۱/ ۴۷۳)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] سنن قبلیہ کو فرض نماز کے بعد پڑھنا

۹۰۳-سوال: فرض نماز سے پہلے کی سنت، فرض نماز کے بعد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اسی طرح فرض کی قضاء کے ساتھ اسے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ سنت مؤکدہ کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانی چاہیے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱-۲) ظہر کی سنت مؤکدہ اگر چھوٹ جائے، تو فرض نماز کے بعد پڑھ لینا بہتر ہے۔[2] اور اگر فجر کی

---

(۱) وقوله ثم يوتر بهم يشير إلى أن وقتها بعد العشاء قبل الوتر وبه قال عامة المشايخ رحمهم الله والأصح أن وقتها بعد العشاء إلى آخر الليل قبل الوتر وبعده لأنها نوافل سنت بعد العشاء ... "ولا يصلي الوتر بجماعة في غير "شهر" رمضان" وعليه إجماع المسلمين والله أعلم. (هداية-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ) ص: ۱۵۱، كتاب الصلاة، فصل في قيام رمضان، ط: مكتبه ياسر نديم-ديوبند)

(ولو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة) لأنها تبع فمصليه وحده يصليها معه. (ولا يصلي الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان). (رد المحتار: ۲/ ۴۹۹-۵۰۰، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: مكتبه زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۷، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، ط: مكتبة زكريا-ديوبند ☆ البحر الرائق: ۲/ ۱۱۵-۱۱۹ كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب-ديوبند)

(۲) عن عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا لم يصل أربعا قبل الظهر صلاهن بعدها. (سنن الترمذي: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۴۲۶، أبواب الصلاة، باب آخر قبل: باب ما جاء في الأربع قبل العصر، ط: البدر-ديوبند)

(بخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدي (ثم يأتي بها) على أنها سنة (في وقته) أي الظهر. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: ... وقد استدل قاضي خان لقضاء سنة الظهر بما عن عائشة-رضي الله تعالى عنها-"أن النبي-صلى الله عليه وسلم-كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاهن بعده" فيكون قضاؤها ثابت بالحديث على خلاف القياس. (رد المحتار: ۲/ ۵۸، باب إدراك الفريضة، ط: دار الفكر-بيروت)

سنت چھوٹ گئی ہو، تو چوں کہ فجر کی فرض نماز کے بعد نفل نماز مکروہ ہے؛ لہٰذا فرض کے بعد اسے نہ پڑھنا چاہیے اور طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھا، تو یہ سنت کی قضا نہیں ہوئی، ہاں اگر فجر کی سنت فرض کے ساتھ چھوٹ گئی ہو اور اسی دن طلوعِ آفتاب کے بعد اس کی قضا کر رہا ہو، تو فرض کے ساتھ ساتھ سنت کی بھی قضا کر لے، تنہا سنتوں کی قضا نہیں ہے، اسی طرح اس دن کی فجر کے علاوہ کسی اور قضا نماز کے ساتھ سنتوں کی قضا نہیں ہے۔[1]

(۳) سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، اس کی چاروں رکعت میں قرأت فرض ہے، صرف فرض کی پہلی دو رکعتوں کے علاوہ میں قرأت فرض نہیں ہے۔ (درمختار)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] تنہا فجر کی سنت کی قضاء کرنا

۹۰۴- سوال: فجر کی سنت مؤکدہ فوت ہو جائے اور فرض نماز ادا کر دی جائے، تو کیا سورج طلوع ہونے کے بعد سنت مؤکدہ کی قضاء کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

تنہا سنت کی قضاء مشروع نہیں ہے، ہاں اگر فجر کی سنت کے ساتھ فرض نماز بھی قضاء ہو جائے، تو اس

---

(۱) (وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها) لكون الجماعة أكمل (وإلا) بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب. وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعا للبحر، لكن ضعفه في النهر (لا) يتركها . . . (ولا يقضيها إلا بطريق التبعية لـ) قضاء (فرضها قبل الزوال لا بعده في الأصح). [الدر المختار: ۲/ ۵۶-۵۸]

قال ابن عابدين: (قوله ولا يقضيها إلا بطريق التبعية إلخ) أي لا يقضي سنة الفجر إلا إذا فاتت مع الفجر فيقضيها تبعا لقضائه لو قبل الزوال؛ وما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع؛ لكراهة النفل بعد الصبح. وأما بعد طلوع الشمس فكذلك عندهما. وقال محمد: أحب إلي أن يقضيها إلى الزوال كما في الدرر. قيل هذا قريب من الاتفاق؛ لأن قوله "أحب إلي" دليل على أنه لو لم يفعل لا لوم عليه. وقالا: لا يقضي، وإن قضى فلا بأس به، كذا في الخبازية؛ ومنهم من حقق الخلاف، وقال الخلاف في أنه لو قضى كان نفلا مبتدأ أو سنة، كذا في العناية يعني نفلا عندهما، سنة عنده كما ذكره في الكافي إسماعيل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۷، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۲۸۳، فصل في بيان أن السنة . . .، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) (قوله ومنها القراءة) أي قراءة آية من القرآن، وهي فرض عملي في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض كما سيأتي متنا في باب الوتر والنوافل. وأما تعيين القراءة في الأوليين من الفرض فهو واجب. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۴۶، باب صفة الصلاة، فرائض الصلاة، مبحث القراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

دن زوال سے قبل فرض کے ساتھ سنت کی بھی قضا کر سکتے ہیں؛ لیکن زوال کے بعد فجر کی قضا کی جائے، تو صرف فرض کی قضاء کی جائے گی، سنت کی قضا نہیں ہوگی۔ (شامی جلد ۱، صفحہ ۲۳۲)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] وتر کی نماز میں دعاء قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا

۹۰۵- سوال: وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟ مطلب یہ کہ رکوع میں جانے سے پہلے قیام کی حالت میں دعاء قنوت پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھنا سنت ہے، یا بدعت؟

الجواب حامداو مصليا:

وتر کی تیسری رکعت میں دعاء قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا چاہئے۔ (درمختار مع الشامی، جلد ۲، صفحہ ۶)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها) لكون الجماعة أكمل (وإلا) بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب. وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعا للبحر، لكن ضعفه في النهر (لا) يتركها . . . (ولا يقضيها إلا بطريق التبعية لـ) قضاء (فرضها قبل الزوال لا بعده في الأصح). [الدر المختار: ۲/۵۶-۵۸]

قال ابن عابدين: (قوله ولا يقضيها إلا بطريق التبعية إلخ) أي لا يقضي سنة الفجر إلا إذا فاتت مع الفجر فيقضيها تبعا لقضائه لو قبل الزوال؛ وما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع؛ لكراهة النفل بعد الصبح. وأما بعد طلوع الشمس فكذلك عندهما. وقال محمد: أحب إلي أن يقضيها إلى الزوال كما في الدرر. قيل هذا قريب من الاتفاق؛ لأن قوله "أحب إلي" دليل على أنه لو لم يفعل لا لوم عليه. وقالا: لا يقضي، وإن قضى فلا بأس به، كذا في الخبازية؛ ومنهم من حقق الخلاف، وقال الخلاف في أنه لو قضى كان نفلا مبتدأ أو سنة، كذا في العناية يعني نفلا عندهما، سنة عنده كما ذكره في الكافي إسماعيل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۷، باب إدراك الفريضة* بدائع الصنائع: ۱/ ۶۲۳، فصل في بيان أن السنة. . .، ط: زكريا - ديوبند)

[۲] قنوت وتر کے بعد درود شریف پڑھنے کے سلسلے میں دو مختلف تصریح منقول ہے، صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے کہ درود شریف پڑھنا چاہیے، اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے، علامہ ابن عابدینؒ نے خلاف عادت اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے: (وقنت فيه) ويسن الدعاء المشهور، ويصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - به يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر - بيروت)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے؛ لیکن عالمگیری کی صراحت ہے کہ درود شریف نہ پڑھے، یہی ہمارے مشائخ کا پسندیدہ عمل ہے۔ (عام معمول بھی یہی ہے): ولا يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - في القنوت وهو اختيار مشايخنا. كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۱، كتاب الصلاة، الباب الثامن في صلاة الوتر، ط: دار الفكر)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ وتر میں دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ =

[۲۱] وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا

۹۰۶- سوال: تہجد پڑھنے والے اور اس کے عادی شخص کے لیے وتر کی نماز تہجد کی نماز کے بعد پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

تہجد کی نماز کے لیے اٹھنے پر پورا اعتماد ہو، اور تہجد کا عادی ہو تو اس کے لیے تہجد کے بعد وتر کی نماز پڑھنا مسنون ہے۔ اور اگر اعتماد نہ ہو تو عشاء کے بعد پڑھ لینا بہتر ہے۔ جسے رات کے آخری پہر میں جاگنے کا یقین نہ ہو، اسے عشاء کے بعد سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی آپ ﷺ نے تاکید کی ہے۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الجواب: جی ہاں! نماز وتر میں دعائے قنوت پوری کر کے اللهم صل علی محمد و علی آل محمد پڑھنا مستحب ہے۔ (بہ طور استدلال مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ نے درمختار کی وہی عبارت ذکر فرمائی ہے، جو ماقبل میں گذر چکی۔) [فتاوی رحیمیہ: ۵/۲۳۶، باب الوتر، دعائے قنوت کے ساتھ درود پڑھنا، سوال نمبر: ۳۳۶، ط: دار الاشاعت، کراچی]

(۱) عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، ومن طمع أن يقوم آخره فليوتر آخر الليل، فإن صلاة آخر الليل مشهودة، وذلك أفضل. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۵۸، رقم الحديث: ۱۶۲- (۷۵۵)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، ط: البدر- ديوبند)

(و) تأخير (الوتر إلى آخر الليل لواثق بالانتباه) وإلا فقبل النوم. (الدر المختار)

(قوله: فإن فاق إلخ) أي إذا أوتر قبل النوم ثم استيقظ يصلي ما كتب له، ولا كراهة فيه بل هو مندوب، ولا يعيد الوتر، لكن فاته الأفضل المفاد بحديث الصحيحين إمداد.

وفي الشامية: ولا يقال: إن من لا يثق بالانتباه فالتعجيل في حقه أفضل كما في الخانية، فإذا انتبه بعدما عجل يتنفل ولا تفوته الأفضلية؛ لأنا نقول: المراد بالأفضلية في الحديث السابق هي المترتبة على ختم الصلاة بالوتر وقد فاتت، والتي حصلها هي أفضلية التعجيل عند خوف الفوات على التأخير فافهم وتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۶۹، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، ط: دار الفكر- بيروت ☆متن بداية المبتدي في فقه الإمام أبي حنيفة-علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ) ص: ۱۲، كتاب الصلاة، باب المواقيت، فصل ويستحب الأسفار بالفجر والإبراد... الخ، ط: مكتبة ومطبعة محمد علي صبح- القاهرة)

قال- رحمه الله- (والوتر إلى آخر الليل لمن يثق بالانتباه) أي ندب تأخير الوتر إلى آخر الليل إذا كان يثق من نفسه أنه ينتبه ليصلي ليكون الوتر ختما لقيام الليل كله لقوله- عليه الصلاة والسلام-: اجعلوا آخر صلاتكم من الليل وترا. رواه البخاري ومسلم وغيرهما، فإن لم يثق بالانتباه أوتر قبل النوم لحديث جابر أنه- عليه الصلاة والسلام- قال: أيكم خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر، ثم ليرقد ومن وثق بقيام من آخر الليل فليوتر من آخره فإن قراءة آخر =

[۲۲] فرض نماز کے بعد سنن ونوافل کے لیے جگہ تبدیل کرنا

۹۰۷-سوال: ایک جگہ فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد نفل یا سنت نماز جگہ بدل کر پڑھنا مستحب ہے؛ کیوں کہ کل قیامت کے دن وہ جگہ گواہی دے گی؛ لیکن کوئی دوسرے مقتدی کو ہٹا کر جگہ بدلنا اور مستحب ادا کرنا کیسا ہے؟ یہ کسی مسلمان کو تکلیف دینا شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

امام کے لیے جگہ بدلنے کی تاکید زیادہ ہے، مقتدیوں کے لیے بھی فضیلت کی چیز ہے؛ لیکن اس کے لیے مستقل کسی کو اس کی جگہ سے ہٹانا-جس کی وجہ سے اس کو تکلیف پہونچتی ہو-درست نہیں ہے، استحباب پر عمل کرنے کے لیے ممنوع کا ارتکاب جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں یہ عمل، مستحب نہیں رہے گا۔ (درمختار جلد ا، صفحہ ۵۳۱)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الليل محضورة وذلك أفضل، رواه مسلم وغيره، وقال - عليه الصلاة والسلام - لأبي بكر: متى توتر؟ قال: أول الليل بعد العتمة، فقال أخذت بالوثقى، ثم قال لعمر: متى توتر؟ قال: آخر الليل، قال أخذت بالقوة، رواه الطحاوي وروى أبو سليمان الخطابي أنه - عليه الصلاة والسلام - قال لأبي بكر حذر هذا ولعمر قوي هذا. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱/ ۸۴، كتاب الصلاة، مواقيت الصلاة، الأوقات التي يستحب فيها الصلاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ص: ۷۵، كتاب الصلاة، أحكام الصلاة، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية ☆ مختصر القدوري في الفقه الحنفي - أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان أبو الحسين القدوري (م: ۴۲۸ھ) ص: ۲۴، كتاب الصلاة، ت: كامل محمد محمد عويضة، ط: دار الكتب العلمية ☆ النهر الفائق شرح كنز الدقائق - سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵ھ): ۱/ ۱۹۳، كتاب الصلاة، ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية)

[۱] وفي الجوهرة: ويكره للإمام التنفل في مكانه لا للمؤتم، وقيل يستحب كسر الصفوف. وفي الخانية يستحب للإمام التحول ليمين القبلة يعني يسار المصلي لتنفل أو ورد. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله يكره للإمام التنفل في مكانه) بل يتحول مخيرا كما يأتي عن المنية، وكذا يكره مكثه قاعدا في مكانه مستقبل القبلة في صلاة لا تطوع بعدها كما في شرح المنية عن الخلاصة، والكراهة تنزيهية كما دلت عليه عبارة الخانية (قوله لا للمؤتم) ومثله المنفرد، لما في المنية وشرحها: أما المقتدي والمنفرد فإنهما إن لبثا أو قاما إلى التطوع في مكانهما الذي صليا فيه المكتوبة جاز، والأحسن أن يتطوعا في مكان آخر. اهـ. (قوله وقيل يستحب كسر الصفوف) ليزول الاشتباه عن الداخل المعاين للكل في الصلاة البعيد عن الإمام، وذكره في البدائع والذخيرة عن محمد، ونص في=

[۲۳] نماز کا وقت ہوجانے پر اذان سے پہلے سنن قبلیہ پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

۹۰۸- سوال: نماز کا وقت ہوجانے کے بعد اذان سے پہلے سنن قبلیہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

سنن قبلیہ جو فرض نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہیں، اُن کا اصل وقت اذان اور اِقامت کے درمیان کا ہے، لہٰذا اذان ہونے کے بعد اِقامت سے پہلے پڑھنا مسنون ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرامؓ کا بھی یہی عمل رہا ہے، مثلاً فجر کی سنت کے متعلق حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد اور وتر سے فراغت کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے، اُس کے بعد جب مؤذن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز کے لیے جگاتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت مختصراً پڑھنے کے بعد مسجد میں تشریف لاتے۔ (ابوداؤد شریف)[1]

=المحيط على أنه السنة كما في الحلية، وهذا معنى قوله في المنية: والأحسن أن يتطوعا في مكان آخر. قال في الحلية. وأحسن من ذلك كله أن يتطوع في منزله إن لم يخف مانعا. (رد المحتار على الدر المختار-ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۱/ ۵۳۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل: فصل في القراءة، ط: دار الفكر☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۶۳۹، كتاب الصلاة، الصلاة المسنونة، وبيان مايكره، ط: زكريا-ديوبند)

[۱] ... ثم أوتر، ثم اضطجع حتى جاءه المؤذن، فقام فصلى ركعتين خفيفتين، ثم خرج، فصلى الصبح". (سنن أبي داود: ۱/ ۱۹۳، رقم الحديث: ۱۳۶۷، كتاب الصلاة، باب في صلاة الليل، ط: البدر-ديوبند)

عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما: أنه بات عند ميمونة أم المؤمنين رضي الله عنها -وهي خالته- قال: فاضطجعت على عرض الوسادة، واضطجع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأهله في طولها، فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى انتصف الليل -أو قبله بقليل، أو بعده بقليل- ثم استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم، فجلس، فمسح النوم عن وجهه بيده، ثم قرأ العشر آيات خواتيم سورة آل عمران، ثم قام إلى شن معلقة، فتوضأ منها، فأحسن وضوءه، ثم قام يصلي، قال عبد الله بن عباس رضي الله عنهما: فقمت فصنعت مثل ما صنع، ثم ذهبت، فقمت إلى جنبه، فوضع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده اليمنى على رأسي، وأخذ بأذني اليمنى يفتلها بيده، فصلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم أوتر، ثم اضطجع حتى جاءه المؤذن، فقام، فصلى ركعتين خفيفتين، ثم خرج، فصلى الصبح. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۵۹، رقم الحديث: ۱۱۹۸، كتاب التهجد، باب استعانة اليد في الصلاة، إذا كان من أمر الصلاة، ط: البدر-ديوبند)

عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سكت المؤذن بالأولى من صلاة الفجر قام، فركع ركعتين خفيفتين قبل صلاة الفجر، بعد أن يستبين الفجر، ثم اضطجع على شقه الأيمن، حتى يأتيه المؤذن للإقامة. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۷، رقم الحديث: ۶۲۶، كتاب الأذان، باب من انتظر الإقامة، ط: البدر-ديوبند) =

مذکورۂ بالا روایت میں آپ ﷺ کے عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سنن قبلیہ کا وقت فرض نماز سے پہلے، اذان کے بعد ہے، دیگر روایات میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے، مثلاً ایک حدیث پاک میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان نفل نماز ہے۔ (ترمذی شریف: ۴۵)[۲]

لیکن اگر کوئی شخص اپنے محلہ کی مسجد جس میں وہ عام طور پر نماز پڑھتا ہے، اُس میں اذان نہ ہوئی ہو، اور نماز کا وقت ہو جانے سے دوسری قرب وجوار کی مساجد میں اذان ہو چکی ہو، تو اُس کے لیے محلہ کی مسجد کی اذان سے پہلے سنن قبلیہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ فرض نماز اور سنن قبلیہ کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ کرنا بہتر ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] اذان کے بعد تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد پڑھنا

۹۰۹- سوال: اذان کے بعد تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

= عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان يصلي بالليل إحدى عشرة ركعة، يوتر منها بواحدة، فإذا فرغ منها اضطجع على شقه الأيمن، حتى يأتيه المؤذن فيصلي ركعتين خفيفتين. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۵۳، رقم الحديث: ۱۲۱- (۷۳۶)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل، وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل، الخ، ط: البدر- ديوبند)

تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۱- ۴۶۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، بحث مهم في الكلام على الضجعة بعد سنن الفجر، ط: زكريا- ديوبند.

[۲] عن عبد الله بن مغفل، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: بين كل أذانين صلاة لمن شاء. (سنن الترمذي: ۱/ ۴۵، رقم الحديث: ۱۸۵، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة قبل المغرب، ط: البدر- ديوبند)

عن عبد الله بن مغفل، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: بين كل أذانين صلاة، بين كل أذانين صلاة، ثم قال في الثالثة: لمن شاء. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۷، رقم الحديث: ۶۲۷، كتاب الأذان، باب: بين كل أذانين صلاة لمن شاء، ط: البدر- ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۳۰۴- (۸۳۸)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب بين كل أذانين صلاة، ط: البدر- ديوبند)

(۳) (وفي بيته بمصر) أو قرية لها مسجد، فلا يكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه. (الدر المختار) ــــ قال ابن عابدين: (قوله: إذ أذان الحي يكفيه) لأن أذان المحلة وإقامتها كأذانه وإقامته؛ لأن المؤذن نائب أهل المصر كلهم كما يشير إليه ابن مسعود حين صلى بعلقمة والأسود بغير أذان ولا إقامة، حيث قال: أذان الحي يكفينا، وممن رواه سبط ابن الجوزي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۳، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: زكريا- ديوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے بعد تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] فجر کی نماز کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنا

۹۱۰- سوال: آج کل بابری مسجد کی شہادت کے پیش نظر پورے ملک میں حالات انتہائی کشیدہ ہیں، اِن حالات کی وجہ سے فجر کی نماز کے علاوہ مغرب یا جمعہ وغیرہ میں قنوتِ نازلہ پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ نیز ان حالات کے مناسب کوئی اور دعاء و ورد ہو، تو رہنمائی فرمائیں؛ تا کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اُسے حفاظت کے لیے پڑھنے کا معمول بنایا جا سکے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام سفیان ثوری اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ جہری نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھی جائے، اس سلسلے میں امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مصیبت سخت ہو، تو سرّی و جہری تمام نمازوں میں بھی قنوتِ نازلہ پڑھنا جائز ہے، علماءِ احناف فرماتے ہیں کہ قنوتِ نازلہ صرف فجر کی نماز ہی میں پڑھی جائے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (ویسن تحیة) رب (المسجد، وهي ركعتان) [الدر المختار] ــــــ قال ابن عابدین: (قوله ویسن تحیة) كتب الشارح في هامش الخزائن أن هذا رد علی صاحب الخلاصة حیث ذكر أنها مستحبة.

(قوله رب المسجد) أفاد أنه علی حذف مضاف؛ لأن المقصود منها التقرب إلی الله تعالی لا إلی المسجد؛ لأن الإنسان إذا دخل بیت الملك یحیي الملك لا بیته، بحر عن الحلیة. ثم قال: وقد حكي الإجماع علی سنیتها، غیر أن أصحابنا یكرهونها في الأوقات المكروهة تقدیما لعموم الحاظر علی عموم المبیح اهـ.

(قوله وهي ركعتان) في القهستاني ركعتان أو أربع، وهي أفضل لتحیة المسجد إلا إذا دخل فیه بعد الفجر أو العصر، فإنه یسبح ویهلل ویصلي علی النبي - صلی الله علیه وسلم - فإنه حینئذ یؤدي حق المسجد كما إذا دخل للمكتوبة؛ فإنه غیر مأمور بها حینئذ كما في التمرتاشي. اهـ. (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۱۸، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في تحیة المسجد، ط: دار الفكر - بیروت)

مذکورہ عبارت سے واضح ہے کہ تحیۃ المسجد دخولِ مسجد کے وقت ادا کی جائے گی، بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔

(۲) (ولا یقنت لغیره) إلا النازلة فیقنت الإمام في الجهریة، وقیل في الكل. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدین: (قوله إلا لنازلة) قال في الصحاح: النازلة الشدیدة من شدائد الدهر، ولا شك أن الطاعون من أشد النوازل أشباه.

(قوله فیقنت الإمام في الجهریة) یوافقه ما في البحر والشرنبلالیة عن شرح النقایة عن الغایة: وإن نزل بالمسلمین نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر. وهو قول الثوري وأحمد اهـ وكذا ما في شرح الشیخ إسماعیل عن البنایة: إذا=

[۲۶] قنوتِ نازلہ کب تک پڑھی جائے؟

گذشتہ سے پیوستہ

۹۱۱- سوال: ہندوستان کے حالات چند مہینوں پہلے ناساز گار تھے؛ اس وجہ سے نمازِ فجر میں

=وقعت نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية، لكن في الأشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر، ويؤيده ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيته: أي شرعية القنوت في النوازل مستمرة، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته - عليه الصلاة والسلام - ، وهو مذهبنا وعليه الجمهور. وقال الحافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية فلا بأس به، فعله رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأما القنوت في الصلوات كلها للنوازل فلم يقل به إلا الشافعي، وكأنهم حملوا ما روي عنه - عليه الصلاة والسلام - :أنه قنت في الظهر والعشاء. كما في مسلم، وأنه قنت في المغرب أيضا. كما في البخاري على النسخ لعدم ورود المواظبة والتكرار الواردين في الفجر عنه - عليه الصلاة والسلام - اهـ وهو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية أو السرية. ومفاده أن قولهم بأن القنوت في الفجر منسوخ معناه نسخ عموم الحكم لا نسخ أصله كما نبه عليه نوح أفندي، وظاهر تقييدهم بالإمام أنه لا يقنت المنفرد، وهل المقتدي مثله أم لا؟ وهل القنوت هنا قبل الركوع أم بعده؟ لم أره. والذي يظهر لي أن المقتدي يتابع إمامه إلا إذا جهر فيؤمن وأنه يقنت بعد الركوع لا قبله، بدليل أن ما استدل به الشافعي على قنوت الفجر وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حمله علماؤنا على القنوت للنازلة، ثم رأيت الشرنبلالي في مراقي الفلاح صرح بأنه بعده؛ واستظهر الحموي أنه قبله والأظهر ما قلناه، والله أعلم.

(قوله وقيل في الكل) قد علمت أن هذا لم يقل به إلا الشافعي، وعزاه في البحر إلى جمهور أهل الحديث، فكان ينبغي عزوه إليهم؛ لئلا يوهم أنه قول في المذهب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۱، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت للنازلة، ط: دار الفكر - بيروت)

قال الحافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإذا وقعت فتنة أو بلية، فلا بأس به. فعله رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم -، وأما القنوت في الصلوات كلها عند النوازل، فلم يقل به إلا الشافعي، وكأنهم حملوا ما روي عنه - عليه السلام - أنه قنت في الظهر والعشاء على ما في مسلم وأنه قنت في المغرب أيضا على ما في البخاري، على النسخ لعدم ورود المواظبة، والتكرار الواردين في الفجر عنه - عليه الصلاة والسلام - اهـ. ومقتضى هذا أن القنوت لنازلة خاص بالفجر، ويخالفه ما ذكره المؤلف معزيا إلى الغاية، من قوله في صلاة الجهر، ولعله محرف عن الفجر، وقد وجدته بهذا اللفظ في حواشي مسكين، وكذا في الأشباه، وكذا في شرح الشيخ إسماعيل، لكنه عزاه إلى غاية البيان، ولم أجد المسألة فيها، فلعله اشتبه عليه غاية السروجي بغاية البيان، لكن نقل عن البناية ما نصه: إذا وقعت نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية، وقال الطحاوي: لا يقنت عندنا في صلاة الفجر في غير بلية أما إذا وقعت فلا بأس به اهـ. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/۴۷-۴۸، باب الوتر، القنوت في غير الوتر، ط: دار الكتاب الإسلامي)

قنوتِ نازلہ پڑھنا شروع کیا گیا تھا، جو اب تک جاری ہے، حدیث پاک میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے تک قنوتِ نازلہ پڑھی تھی۔ [1] تو اب فی الحال قنوتِ نازلہ بند کیا جائے؟ یا اُسے پڑھنا چاہیے؟ اور کب تک پڑھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فی الحال ہندوستان کے حالات سازگار نہیں ہیں، حالات جیسے نظر آرہے ہیں، حقیقت اُس سے کچھ الٹی ہی ہے۔ یو۔ پی۔ میں انامت (ریزرویشن) کے خلاف شدت سے مظاہرے ہو رہے ہیں، اور اب گجرات میں بھی اس طرح کے مظاہرے اور احتجاج کے بارے میں سوچا جا رہا ہے، اس لیے قنوتِ نازلہ جاری رکھا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے تک قنوتِ نازلہ پڑھی، قبولیت دعاء (یعنی جن کے حق میں بددعاء کر رہے تھے، ان کے انجام کار تک پہنچ جانے) کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوتِ نازلہ پڑھنا بند فرمایا۔ [2]

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جب تک حالات درست نہ ہوں، اس وقت تک قنوتِ نازلہ پڑھتے رہیں، ملک

---

(۱) عن أنس بن مالك رضي الله عنه، أن رعلا، وذكوان، وعصية، وبني لحيان، استمدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم على عدو، فأمدهم بسبعين من الأنصار، كنا نسميهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار، ويصلون بالليل، حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم وغدروا بهم، فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم، فقنت شهرا يدعو في الصبح على أحياء من أحياء العرب، على رعل، وذكوان، وعصية، وبني لحيان. (صحيح البخاري: ۲/ ۵۸۵، رقم الحديث: ۴۰۹۰، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع، ورعل، وذكوان، وبئر معونة، وحديث عضل، والقارة، وعاصم بن ثابت، وخبيب وأصحابه، ط: البدر-ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۳۷، رقم الحديث: ۲۹۹-(۶۷۷)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة إذا نزلت بالمسلمين نازلة، ط: البدر-ديوبند)

(۲) عن أبي سلمة، أن أبا هريرة، حدثهم أن النبي صلى الله عليه وسلم قنت بعد الركعة في صلاة شهرا، إذا قال: سمع الله لمن حمده، يقول في قنوته: اللهم أنج الوليد بن الوليد، اللهم نج سلمة بن هشام، اللهم نج عياش بن أبي ربيعة، اللهم نج المستضعفين من المؤمنين، اللهم اشدد وطأتك على مضر، اللهم اجعلها عليهم سنين كسني يوسف. قال أبو هريرة: "ثم رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الدعاء بعد، فقلت: أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ترك الدعاء لهم، قال: فقيل: وما تراهم قد قدموا". [ش (وما تراهم قد قدموا) معناه ماتوا]. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۳۹، رقم الحديث: ۲۹۵-(۶۷۵)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة إذا نزلت بالمسلمين نازلة، ط: البدر-ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''فجر کی نماز کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنا'' کا حاشیہ۔

میں مسلمان شہید ہو گئے، اُن کے گھر بار لوٹے گئے، اُس کے بعد بھی مظلومین کو ظلم بالائے ظلم عدالتوں میں جھوٹے مقدمات درج کر کے ستایا جارہا ہے، کتنے بے قصور نوجوانوں کو دہشت گردی کے جھوٹے الزام میں پکڑ کر قید خانہ میں ڈھکیل دیا گیا ہے، لہٰذا قنوتِ نازلہ جاری رکھیں، مسجدیں آباد کرنے کی کوشش میں رہیں، یٰسین شریف پڑھ کر دعا کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعائے قنوت پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۹۱۲-سوال: وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعائے قنوت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعاءِ قنوت صرف وتر ہی کی نماز میں پڑھی جائے گی، اُس کے علاوہ کسی اور فرض نماز میں پڑھنا صحیح نہیں، جس وقت دین اسلام اور مسلمانوں پر دشمنوں کی جانب سے کوئی خطرہ ہو یا ظلم وزیادتی کی گئی ہو، تو ایسے حالات میں فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد قنوتِ نازلہ پڑھنی چاہیے۔ (درمختار، شامی: ۲/ ۴)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] زوال کے بعد پڑھی جانے والی سنت کا ثواب

۹۱۳-سوال: دوپہر میں زوال آفتاب کے بعد وقت مکروہ ختم ہونے کے بعد جب ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے، اس وقت چار رکعت سنت زوال پڑھتے ہیں، کیا یہ چار رکعت سنت ہے؟ اور اس کا ثواب کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنت زوال مسنون ہے، آپ ﷺ زوال کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے اور فضیلت بیان فرماتے تھے کہ زوال کے بعد آسمان کے دروازے کھلتے ہیں؛ اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرے نیک اعمال اوپر چڑھیں۔ (ترمذی)[۲]

[۱] تقدم تخریجہ تحت عنوان: "فجر کی نماز کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا"۔

[۲] عن عبد اللہ بن السائب، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلي أربعا بعد أن تزول الشمس قبل الظهر، وقال: إنها ساعة تفتح فیها أبواب السماء، وأحب أن یصعد لي فیها عمل صالح.

وروي عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم: أنه کان یصلي أربع رکعات بعد الزوال، لا یسلم إلا في آخرهن. (سنن الترمذي: ۱/ ۱۰۸، رقم الحدیث: ۴۷۸، أبواب الوتر، باب ما جاء في الصلاة عند الزوال، ط: البدر - دیوبند) =

اور ایک روایت میں ارشاد فرمایا کہ تہجد کی نماز کے برابر ثواب ملتا ہے اور ہر چیز اس وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ (ترمذی، بیہقی، مشکوۃ)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] فرض پڑھے بغیر وتر کی اقتدا کرنا

۹۱۳-سوال: ایک آدمی عشاء کی نماز امام کے پیچھے نہ پڑھ سکا ہو تو کیا وہ وتر میں امام کی اقتداء کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک شخص اس وقت مسجد میں داخل ہوا، جب کہ عشاء کی جماعت ہو چکی تھی، تو اسے چاہیے کہ اولاً فرض نماز ادا کرے، پھر تراویح میں شریک ہو، اور با جماعت تراویح پڑھے، اور وتر بھی جماعت کے ساتھ ادا کرے، خلاصہ یہ کہ جس مقتدی نے با جماعت تراویح پڑھی ہو، وہ وتر میں اقتدا کر سکتا ہے، چاہے عشاء کی فرض نماز میں امام کی اقتدا نہ کی ہو۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= عن أبي أيوب الأنصاري: أنه كان يصلي أربع ركعات قبل الظهر، فقيل له: إنك تديم هذه الصلاة فقال: إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعله فسألته، فقال: "إنها ساعة تفتح فيها أبواب السماء، فأحببت أن يرتفع لي فيها عمل صالح". (مسند الإمام أحمد بن حنبل- (م:۲۴۱هـ):۳۸/۵۳۳، رقم الحديث:۲۳۵۵۱، ت: شعيب الأرنؤوط-عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، وانظر: ۲۳۵۳۲)

(۱) عن عمر رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "أربع ركعات قبل الظهر بعد الزوال تحسب بمثلهن في صلاة السحر. وما من شيء إلا وهو يسبح الله تلك الساعة ثم قرأ: (يتفيأ ظلاله عن اليمين والشمائل سجدا لله وهم داخرون) رواه الترمذي والبيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة المصابيح-محمد بن عبد الله الخطيب العمري، أبو عبد الله، ولي الدين، التبريزي (م:۷۴۱هـ):۱/۳۶۹، رقم الحديث:۱۱۷۷، كتاب الصلاة، باب السنن وفضائلها، الفصل الثالث، ت: محمد ناصر الدين الألباني، ط: المكتب الإسلامي - بيروت☆ ص:۱۰۵، مكتبه تهانوی-ديوبند)

(۲) فمصليه وحده يصليها معه. (ولو لم يصلها) أي التراويح (بالإمام) أو صلاها مع غيره (له أن يصلي الوتر معه) بقي لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة؟ فليراجع. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ولو لم يصلها إلخ) ذكر هذا الفرع والذي قبله في البحر عن القنية، وكذا في متن الدرر، لكن في التتارخانية عن التتمة أنه سأل علي بن أحمد عمن صلى الفرض والتراويح وحده أو التراويح فقط هل يصلي الوتر مع الإمام؟ فقال لا اهـ. ثم رأيت القهستاني ذكر تصحيح ما ذكره المصنف، ثم قال: لكنه إذا لم يصل الفرض معه لا يتبعه في الوتر اهـ. فقوله: ولو لم يصلها أي وقد صلى الفرض معه، لكن ينبغي أن يكون قول القهستاني معه احترازا عن صلاتها منفردا، أما لو صلاها جماعة مع غيره ثم صلى الوتر معه لا كراهة تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: =

[۳۰] جمعہ کی پہلی چار سنت مؤکدہ چھوٹ جائے تو کب پڑھے؟

۹۱۵- سوال: یہاں کناڈا میں اکثر لوگ کام کاج سے سیدھے نماز جمعہ کے لیے آتے ہیں، بعض لوگ خطبہ کے وقت مسجد میں پہنچتے ہیں، جس کی بناء پر پہلی چار رکعت سنت مؤکدہ نہیں پڑھ پاتے، اب اگر وہ چھوٹی ہوئی سنت مؤکدہ فرض نماز کے بعد پڑھنا چاہیں، تو کیا وہ چھوٹی ہوئی سنت پہلے پڑھیں یا فرض کے بعد والی سنتیں پہلے پڑھیں؟ بندے نے عالم گیری اور شامی کے حوالے بعض اردو کتابوں میں دیکھے، لیکن جواب مختلف فیہ ملا۔ امید ہے کہ آپ راجح قول بیان فرمائیں گے، نیز اگر جمعہ کے بعد والی سنتیں پہلے پڑھیں؟ تو کیا چار رکعت پڑھیں یا چھ رکعت؟

الجواب حامداو مصلیا:

آپ کے لکھنے کے مطابق شامی، عالم گیری، کبیری وغیرہ کتابیں دیکھیں؛ لیکن اس (جمعہ) کے بارے میں کوئی مستقل جزئیہ نہیں مل سکا۔

البتہ کفایت المفتی اور فتاوی دار العلوم میں لکھا ہے کہ متروکہ سنتیں پہلے اور بعد میں دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔[1]

لیکن بہتر وہ ہے، جو فتاوی دار العلوم کے حاشیہ میں لکھا ہے اور جس میں سنتوں کے بارے میں بحث ہے؛ لیکن اس میں بھی جمعہ کی متروکہ سنتوں کا مستقلاً بیان نہیں ہے؛ بل کہ ظہر کی چھوٹی ہوئی سنتوں کا بیان ہے کہ ظہر کی چار سنتیں اگر فرض کی اقامت کی وجہ سے چھوٹ گئیں، تو اسے مصلی فرض کے بعد والی دو رکعت سنتوں کے بعد پڑھے؛ کیوں کہ پہلی چار رکعات سنت مؤکدہ تو اپنی جگہ سے ہٹ ہی گئی ہیں، اب ان کو ادا کرنے کے لیے بعد والی دو رکعت سنت مؤکدہ کو اپنی جگہ سے نہ ہٹایا جائے؛ لہٰذا اس پر قیاس کرتے ہوئے

= ۱/ ۲۸، کتاب الصلاۃ، باب الوتر و النوافل، قبیل: مطلب في کراھۃ الاقتداء في النفل علی سبیل التداعي وفي صلاۃ الرغائب، ط: دار الفکر- بیروت)

(۱) جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں نماز کے بعد پڑھ لے اور چاہے انہیں پہلے پڑھ لے یا بعد والی پہلے پڑھے، دونوں جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۳۱۷، کتاب الصلاۃ، جمعہ کی پہلی سنتیں رہ جائیں تو کب پڑھے، جواب: ۵۱۵، ط: دار الاشاعت، کراچی)

بعد فرض کے چار سنت پڑھے، دو سنت سے پہلے یا پیچھے، اور نیت سنت ظہر کی کرے۔ (فتاوی دار العلوم: ۴/ ۲۰۲، ظہر کی جماعت کے وقت آنے والا پہلی سنت کب پڑھے گا، سوال: ۱۶۸۵، ط: زکریا دیوبند)

جمعہ کی چار سنن قبلیہ، فرض نماز کے بعد والی چار سنتوں کو ایک سلام سے یا چھ رکعت سنتوں کو دو سلام سے ادا کرنے کے بعد پڑھی جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ فتاوی دار العلوم کے حاشیہ میں لکھا ہے:

وفی مبسوط شیخ الاسلام انہ الأصح لحدیث عائشةؓ انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان اذا فاتتہ الأربع قبل الظہر یصلیہن بعد الرکعتین وھو قول ابی حنیفة. (فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۰۴، فی الحاشیہ)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۲] عن عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا فاتته الأربع قبل الظهر، صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (سنن ابن ماجه: ۸۰، رقم الحديث: ۱۱۵۸، كتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها، باب من فاتته الأربع قبل الظهر، ط: البدر - ديو بند)

(بخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدي (ثم يأتي بها) على أنها سنة (في وقته) أي الظهر (قبل شفعه) عند محمد، وبه يفتى جوهرة. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله عند محمد) وعند أبي يوسف بعده، كذا في الجامع الصغير الحسامي وفي المنظومة وشرحها: الخلاف على العكس. وفي غاية البيان: يحتمل أن يكون عن كل من الإمامين روايتان ح عن البحر.

(قوله وبه يفتى) أقول: وعليه المتون, لكن رجح في الفتح تقديم الركعتين. قال في الإمداد: وفي فتاوى العتابي أنه المختار، وفي مبسوط شيخ الإسلام أنه الأصح لحديث عائشة: أنه - عليه الصلاة والسلام - كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين، وهو قول أبي حنيفة، وكذا في جامع قاضي خان اهـ والحديث قال الترمذي حسن غريب فتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۸-۵۹، باب إدارك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون كراهة أو أفحش، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید دیکھیے: فتاوی دار العلوم: ۴/ ۲۰۲ - ۲۰۳، باب مسائل سنن مؤکدہ، ظہر کی جماعت کے وقت آنے والا پہلی سنت کب پڑھے گا، سوال: ۱۶۸۵، مرتب ومحشی: مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ، ط: زکریا دیوبند۔

باب الاستسقاء

[طلب باراں کا بیان]

[۱] قحط سالی میں قنوت نازلہ اور نماز استسقاء پڑھنا

۹۱۶- سوال: فی الحال یہاں باران رحمت بالکل نہیں ہے؛ لہٰذا درخواست ہے کہ آپ خاص طور پر دار العلوم میں زیر تعلیم طلبہ سے دعا کرائیں، کیا ایسی حالات میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں؟ اسی طرح نماز استسقاء؟ بالتفصیل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداو مصلیا:

بارش کے لیے دعاء مانگنی چاہیے، گناہوں سے استغفار کرنا چاہیے،[۱] اور ایک خاص نماز پڑھنی چاہیے، جسے نماز استسقاء (صلاۃ الاستسقاء) کہتے ہیں۔ (عالم گیری)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ، إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهٰرًا۝ (۷۱-نوح:۱۰-۱۲)

[۲] قال أبو حنيفة - رحمه الله تعالى - ليس في الاستسقاء صلاة مسنونة في جماعة، كذا في الهداية، ولا خطبة فيه ولكنه دعاء واستغفار وإن صلوا وحدانا فلا بأس به، كذا في الذخيرة وليس فيه قلب رداء عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - هكذا في التبيين.

وقالا: يخرج الإمام ويصلي بهم ركعتين يجهر فيهما بالقراءة، كذا في العيني شرح الهداية، ويخطب خطبتين بعد الصلاة ويستقبل الناس بوجهه قائما على الأرض لا على المنبر ويفصل بين الخطبتين بجلسة وإن شاء خطب خطبة واحدة ويدعو الله ويسبحه ويستغفر للمؤمنين والمؤمنات وهو متكئ قوسا فإذا مضى صدر من خطبته قلب رداءه، كذا في المضمرات. ــــــــ وصفة تقليب الرداء إن كان مربعا جعل أسفله أعلاه وأعلاه أسفله وإن كان مدورا جعل الجانب الأيمن على الأيسر والأيسر على الأيمن ولكن القوم لا يقلبون أرديتهم، هكذا في الكافي والمحيط والسراج الوهاج وفي التحفة وإذا فرغ الإمام من الخطبة يجعل ظهره إلى الناس ووجهه إلى القبلة ويقلب رداءه ثم يشتغل بدعاء الاستسقاء قائما والناس قعود مستقبلون ووجوههم إلى القبلة في الخطبة والدعاء فيدعو الله تعالى

ويستغفر للمؤمنين ويجددون التوبة ويستغفرون ثم عند الدعاء إن رفع يديه نحو السماء فحسن وإن ترك ذلك وأشار بأصبعه السبابة فحسن وكذا الناس يرفعون أيديهم أيضا؛ لأن السنة في الدعاء بسط اليدين، كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۳، ۱۵۴، كتاب الصلاة، الباب التاسع عشر في الاستسقاء، ط: دار الفكر)

کسی حادثہ اور طاعون وغیرہ کی وجہ سے دعاء قنوت کا پڑھنا مشروع ہے، قحط سالی میں دعاء قنوت کا اہتمام منقول نہیں، اس کے لیے صلاۃ الاستسقاء منقول ومتوارث ہے:

(ولا يقنت لغيره) إلا النازلة فيقنت الإمام في الجهرية، وقيل في الكل. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله إلا لنازلة) قال في الصحاح: النازلة الشديدة من شدائد الدهر، ولا شك أن الطاعون من أشد النوازل، أشباه.

(قوله فيقنت الإمام في الجهرية) يوافقه ما في البحر والشرنبلالية عن شرح النقاية عن الغاية: وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر. وهو قول الثوري وأحمد اهـ وكذا ما في شرح الشيخ إسماعيل عن البنانية: إذا وقعت نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية، لكن في الأشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر، ويؤيده ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيته: أي شرعية القنوت في النوازل مستمرة، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته - عليه الصلاة والسلام - ، وهو مذهبنا وعليه الجمهور. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۱، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت للنازلة، ط: دار الفكر - بيروت)

عن ابن عباس-رضی اللہ تعالیٰ عنہما-أن النبی-صلی اللہ علیہ وسلم- کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر.

(معجم اوسط-ابوالقاسم طبرانی (م:۳۶۰ھ) ۱/۲۳۳، رقم الحدیث:۷۹۸)

باب التراویح

[تراویح کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب التراویح

[تراویح کا بیان]

[۱] بیس رکعات تراویح کا ثبوت اور اس کی حقیقت

۹۱۷- سوال: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی کتنی رکعات ثابت ہے، آٹھ، بارہ یا بیس؟ احادیث کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

علمی بحث ومباحثہ آپ کا کام نہیں، آپ کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ (طبرانی، بیہقی-عن ابن عباسؓ) [1] مصنف

---

[۱]عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر. (المعجم الأوسط-أبو القاسم الطبراني (م:۳۶۰هـ): ۱/ ۲۴۳، رقم الحديث: ۷۹۸، باب الألف، من اسمه أحمد، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين-القاهرة، ورواه أيضا برقم: ۵۵۴۴، باب الميم، من اسمه محمد☆المعجم الكبير: ۱۱/ ۳۹۳، رقم الحديث: ۱۲۱۰۲، باب العين، مقسم عن ابن عباس، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية-القاهرة)

عن الحكم، عن مقسم، عن ابن عباس قال: " كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في شهر رمضان في غير جماعة بعشرين ركعة، والوتر ". (السنن الكبرى-أبو بكر البيهقي (م:۴۵۸هـ): ۲/ ۶۹۸، رقم الحديث: ۴۲۸۶، جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ابن ابی شیبہ میں بھی اس روایت کو نقل کیا گیا ہے۔ [۲]

جب حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بیس رکعات تراویح پڑھی ہے، تو ان کے پاس لامحالہ کوئی مضبوط دلیل ہوگی، تبھی انہوں نے بیس رکعات پڑھی ہے، بغیر دلیل کے ان سے اس فعل کا صدور ممکن نہیں ہے، اس جانب بھی توجہ دیں کہ آں حضرت ﷺ نے خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: **علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین** [۳] کہ تم پر میری اور راہ یاب خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع لازم ہے، حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کو تمام صحابہ کرامؓ نے تسلیم کیا تھا، معلوم یہ ہوا کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ ہے۔ نیز ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی بیس رکعت سے کم کے قائل نہیں ہیں۔ [۴]

شامی میں لکھا ہے کہ بیس رکعات تراویح جمہور علمائے کرام کا مذہب ہے، نیز اہل مشرق ومغرب کا اسی پر عمل ہے۔ (شامی: ۱/۶۶۰) [۵]

---

(۲) عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار - أبو بكر بن أبي شيبة (م: ۲۳۵ھ): ۲/۱۶۴، رقم الحديث: ۷۶۹۲، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

(۳) ... أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدا حبشيا، فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (سنن أبي داود: ۲/۶۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۷، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ط: البدر - ديوبند☆سنن الترمذي: ۲/۹۶، رقم الحديث: ۲۶۷۶، أبواب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ط: البدر - ديوبند ☆سنن ابن ماجه: ۱/۵، رقم الحديث: ۴۲، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ط: البدر - ديوبند)

(۴) لم يقل أحد من الأئمة الأربعة بأقل من عشرين ركعة في التراويح، وعليه جمهور الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين. (العرف الشذي على هامش سنن الترمذي: ۱/۱۶۶، أبواب الصوم، باب الترغيب في قيام شهر رمضان وما جاء فيه من الفضل، ط: فيصل - ديوبند)

[۵] (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعا (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتر وبعده) في الأصح... (والجماعة فيها سنة على الكفاية) في الأصح، فلو تركها أهل مسجد أثموا إلا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل قاله الحلبي. (وهي عشرون ركعة) [الدر المختار]
قال ابن عابدين: (قوله سنة مؤكدة) صححه في الهداية وغيرها، وهو المروي عن أبي حنيفة. وذكر في الاختيار أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها وما فعله عمر، فقال: التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه، ولم=

الغرض بیس رکعات تراویح پر تمام حضرات صحابۂ کرام کا اجماع اور اتفاق ہے؛ یعنی ان کو بیس رکعات تراویح کا علم ضرور تھا، اسی لیے انہوں نے اس کو بلا کسی اختلاف کے تسلیم کرلیا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] حضرت عمرؓ کا بیس رکعات تراویح پر لوگوں کو جمع کرنے کی حکمت

۹۱۸- سوال: آں حضرت ﷺ نے تراویح کو پابندی کے ساتھ باجماعت اس لیے نہیں ادا فرمایا تھا؛ تاکہ امت پر وہ فرض نہ ہوجائے، تو پھر حضرت عمرؓ نے کن وجوہات کی بنیاد پر اس کو فرض قرار دیا اور باجماعت ادا کیا؟

الجواب حامداومصلیا:

آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، حضرت عمرؓ نے اس کی حیثیت کو تبدیل نہیں کیا ہے کہ سنت کو فرض قرار دیا ہو؛ بل کہ تراویح، الگ الگ جگہوں پر الگ الگ ائمہ کے پیچھے ہوا کرتی تھی، ہر ایک امام کے پیچھے پانچ چھ مقتدی ہوتے تھے، تو حضرت عمرؓ نے ان تمام مقتدیوں کو ایک ہی امام کے پیچھے تراویح پڑھنے کی ترغیب دی، نفس تراویح میں آپ کی جانب سے کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا ہے؛ کیوں کہ اسلام اجتماعیت اور اتحاد کا داعی ہے، حضرت عمرؓ نے صرف اسی اجتماعیت اور اتحاد کی بناء پر لوگوں کو توجہ دلائی ہے۔[1]

= یکن فیه مبتدعا، ولم یأمر به إلا عن أصل لدیه وعهد من رسول الله صلی الله علیه وسلم.... وفي شرح منیة المصلي: وحکی غیر واحد الإجماع علی سنیتها، وتمامه في البحر.———(قوله لمواظبة الخلفاء الراشدین) أي أکثرهم؛ لأن المواظبة علیها وقعت في أثناء خلافة عمر - رضي الله عنه -، ووافقه علی ذلك عامة الصحابة ومن بعدهم إلی یومنا هذا بلا نکیر، وکیف لا وقد ثبت عنه - صلی الله علیه وسلم - علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ، کما رواه أبو داود، بحر.... (قوله وهي عشرون رکعة) هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقا وغربا. (رد المحتار: ۲/ ۴۳-۴۵، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح، ط: دار الفکر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۱۱۶-۱۱۷، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الکتاب دیوبند)

(۱) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝ (۳-آل عمران ۱۰۳)

عن عبد الرحمن بن عبد القاري، أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه، لیلة في رمضان إلی المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون، یصلي الرجل لنفسه، ویصلي الرجل فیصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أری لو جمعت هؤلاء علی قارئ واحد، لکان أمثل، ثم عزم، فجمعهم علی أبي بن کعب، ثم خرجت معه لیلة أخری، والناس یصلون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه، والتي ینامون عنها أفضل من التي یقومون، یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون أوله. (صحیح البخاري: ۱/ ۲۶۹، رقم: ۲۰۱۰، کتاب الصوم، باب فضل من قام رمضان، ط: دیوبند)

الغرض حضرت عمرؓ نے اصل حکم میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی ہے، صرف تمام کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔

آج بھی یہ حکم ہے کہ مسجد میں فرض نماز پڑھ لیجیے اور گھر آ کر- اگر کوئی تراویح پڑھانے والا موجود ہو، تو اس کے پیچھے- با جماعت تراویح پڑھ لیجیے، مسجد کے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا ضروری نہیں ہے، اصل سنت ادا ہو جائے گی، یہ دوسری بات ہے کہ مسجد کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] بیس رکعات تراویح کا ثبوت حضرت عمرؓ کے عمل سے

۹۱۹- سوال: تراویح کی بیس رکعات احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے، تو اس کا حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: مسائل کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ہوتا ہے، اسی طرح احادیث رسول ﷺ، اجماع امت اور قیاس کے ذریعہ بھی ہوتا ہے؛ اس لیے آپ کا حوالے میں صرف حدیث طلب کرنا صحیح نہیں ہے۔[۲]

---

[۱] (والجماعة فيها سنة على الكفاية) في الأصح، فلو تركها أهل مسجد أثموا إلا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل قاله الحلبي. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله والجماعة فيها سنة على الكفاية إلخ) أفاد أن أصل التراويح سنة عين، فلو تركها واحد كره، بخلاف صلاتها بالجماعة فإنها سنة كفاية، فلو تركها الكل أساءوا، أما لو تخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلى في بيته فقد ترك الفضيلة، وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد وهكذا في المكتوبات كما في المنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۳-۴۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، ط: دار الفكر)

(۲) الأدلة المثبتة للأحكام نوعان: متفق عليه ومختلف فيه. فالمتفق عليه أربعة وهي: الكتاب والسنة والإجماع والقياس، التي ترجع إليها أدلة الفقه الإجمالية، والمختلف فيه كثير جمعها القرافي في مقدمة الذخيرة، منها: الاستحسان، والمصالح المرسلة، وسد الذريعة، والعرف، وقول الصحابي، وشرع من قبلنا، والاستصحاب، وإجماع أهل المدينة، وغيرها. ويقصد بالأحكام: الأحكام التكليفية الخمسة: الوجوب، والندب، والإباحة، والكراهة، والحرمة. والأحكام الوضعية: كالشرط، والمانع، والسبب ونحوها. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۱/ ۲۴، حرف الدال، مادة: دليل، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت ☆أصول الشاشي- نظام الدين أبو علي أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشي (م: ۳۴۴هـ) ص: ۱۳، بحث كون أصول الفقه أربعة، ط: دار الكتاب العربي- بيروت)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو۔[1] خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ نے امام کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا، حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں بھی بیس رکعات تراویح پڑھائی جاتی تھی۔ (بیہقی :، مؤطا امام محمد: حاشیہ :۱۰، صفحہ: ۱۴۳)[2]

جب تینوں خلفاء کے زمانے میں تراویح بیس رکعات پڑھی جاتی رہی ہے، تو آپ ان کی اقتدا کریں گے یا نام نہاد دین کے ٹھیکیداروں (سامرودی جیسے اہل حدیث ہونے کے دعوے داروں) کی۔

اس سلسلے میں غیر مقلدین کے مشہور پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالیؒ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ

---

(۱)... أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدا حبشيا، فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (سنن أبي داود: ۲/ ۶۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۷، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ط: البدر - ديوبند☆سنن الترمذي: ۲/ ۹۶، رقم الحديث: ۲۶۷۶، أبواب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ط: البدر - ديوبند☆سنن ابن ماجه: ۱/ ۵، رقم الحديث: ۴۲، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ط: البدر - ديوبند)

[۲] عن السائب بن يزيد قال: "كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة" قال: "وكانوا يقرءون بالمئين، وكانوا يتوكئون على عصيهم في عهد عثمان بن عفان رضي الله عنه من شدة القيام". (السنن الكبرى- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۲/ ۶۹۸، رقم الحديث: ۴۲۸۸، جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

... أبو الخصيب قال: "كان يؤمنا سويد بن غفلة في رمضان فيصلي خمس ترويحات عشرين ركعة" وروينا عن شتير بن شكل، وكان من أصحاب علي رضي الله عنه "أنه كان يؤمهم في شهر رمضان بعشرين ركعة، ويوتر بثلاث". (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ۴۲۹۰)

عن أبي عبد الرحمن السلمي، عن علي رضي الله عنه قال: "دعا القراء في رمضان فأمر منهم رجلا يصلي بالناس عشرين ركعة" قال: وكان علي رضي الله عنه يوتر بهم" (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ۴۲۹۱)

... انهم كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى مثله. (مؤطا مالك - رواية محمد بن الحسن في حاشية: ۱/ ۳۵۵، باب قيام شهر... الخ، ط: دار القلم دمشق)

... ان عمر جمع الناس على ثلث وعشرين ركعة مع الوتر. (مؤطا مالك، رواية محمد بن الحسن في حاشية: ۱/ ۳۵۵، باب قيام شهر... الخ، ط: دار القلم دمشق)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو بیس رکعات پڑھی گئیں، اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔[1]

خلاصہ یہ کہ ہر مسئلے کے لیے حدیث کا ہونا ضروری نہیں ہے اور حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کی اقتدا اور اتباع کا حکم دیا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح با جماعت پڑھنے کا حکم دیا ہے؛ لہٰذا تراویح کی بیس رکعات ہوں گی نہ کہ آٹھ رکعات۔[2] واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ [۳۰/۹/۱۹۷۷ء]

[۴] مستقل امام کو حق تراویح ہے یا دوسرے مقررہ حافظ کو؟

۹۲۰- سوال: میں مسجد کا دائمی امام اور مدرسہ کا مدرس بہ مشورۂ کمیٹی طے ہوا ہوں اور بحمد اللہ حافظ ہوں، تراویح ہر سال پڑھاتا رہتا ہوں، بندہ کے تقرر سے پہلے ایک غیر حافظ امام تھے، جن کی موجودگی میں قرآن کریم سنانے کے لیے ایک بزرگ صاحب یوپی سے آیا کرتے تھے جو وقتاً فوقتاً تقریر بھی کرتے تھے اور چندہ بھی؛ لہٰذا اس سال بھی بندہ کی بغیر اجازت ورضامندی کے ان صاحب کو دعوت دی گئی اور بندہ کو یک لخت مصلیٰ سے دور کر دیا گیا، حتیٰ کہ چار رکعت کا بھی موقع نہیں دیا گیا، سوال یہ ہے کہ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ نیز آنے والے بزرگ کو دائمی امام کی حق تلفی کہاں تک زیب دیتی ہے، جو محض دھونس سے ایک غریب و بے بس امام کے حق میں کی جاتی ہے؟ قبل رمضان جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں، تا کہ فتنہ سے پہلے صلح ہو جائے۔

الجواب حامداومصليا:

آپ کا تقرر پنج وقتہ نمازوں کی امامت اور تعلیم الصبیان (بچوں کی تعلیم) کے لیے ہوا ہے، آپ کی

---

(۱) و المعروف و هو الذي عليه الجمهور، أنه عشرون ركعة بعشر تسليمات، و ذلك خمس ترويحات، كل ترويحة أربع ركعات بتسليمتين غير الوتر، و هو ثلاث ركعات، و في سنن البيهقي باسناد صحيح كما قال ابن العراقي في شرح التقريب، عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة، و في الموطا عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمن عمر بثلاث و عشرين. و في رواية باحدى عشرة، و جمع البيهقي بينهما بأنهم كانوا يقومون باحدى عشرة ثم قاموا بعشرين و أوتروا بثلاث و قد عدوا ما وقع في زمن عمر رضي الله عنه كالإجماع. (عون الباري-نواب صديق حسن خان (م: ۱۳۰۷ھ): ۲/۸۶۱، كتاب صلاة التراويح، ط: دار الرشيد-حلب)

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: بیس رکعات تراویح کا ثبوت اور اس کی حقیقت۔

ذمہ داری تراویح کی نہیں تھی؛ اس وجہ سے اگر اہل قریہ آپ کو تراویح کی ذمہ داری حوالہ نہ کریں، تو آپ کا کوئی حق تلف نہیں ہوا، [1] ان کا یہ فعل جائز ہے؛ البتہ آپ کی ذمہ داری پنج وقتہ نمازوں کی تھی، اس کے متعلق حق تلفی ہوئی ہو، تو آپ ان سے رجوع کر سکتے ہیں، مگر احقر کا مشورہ ہے کہ ایک ماہ کا مسئلہ ہے، مہمان چلے جائیں، اس کے بعد اپنی ذمہ داری ادا کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] نابالغ کا تراویح پڑھانا

۹۲۱- سوال: یک لڑکے کی برتھ سرٹیفکیٹ (ولادت نامہ) ہم بھیج رہے ہیں، وہ لڑکا تراویح

---

(۱) مستقل امام کو حق تراویح ہے یا دوسرے مقررہ حافظ کو؟ اس سلسلے میں حضرت مفتی بیات صاحبؒ نے جو کچھ رقم فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقل امام کے ذمہ تراویح نہیں ہے، حالاں کہ فتاویٰ دار العلوم میں ہے کہ تراویح کی امامت کا حق بھی امام راتب ہی کو حاصل ہے، ملاحظہ فرمائیں اصل سوال اور جواب:

سوال: بکر ایک مسجد میں امام مقرر ہوا، اور حافظ قرآن ہے، اور زید بھی حافظ قرآن ہے، وہ زمانہ بعید سے اس مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اب بکر کہتا ہے کہ میں اب امام مقرر ہوا ہوں، تو تراویح پڑھانے کا حق مجھ کو ہی ہے، اور وہ حافظ کہتا ہے کہ میرا قدیمی حق ہے، تو کس کو حق حاصل ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ بکر امام مقرر ہو گیا تو تراویح کی امامت کا حق بھی اسی کو حاصل ہے، فقط۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۴/ ۲۸۲، مسائل تراویح، سوال نمبر: ۱۸۲۳، مرتب: مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ، ط: زکریا- دیوبند)

حضرت مفتی عبدالرحیم لاج پوریؒ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

تراویح پڑھانے کا حق امام کا ہے، اگر امام نہ پڑھا سکے، یا امام اجازت دے دے، تو دوسرے حافظ کو سپرد کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۶/ ۲۵۷، مسائل تراویح، مقرر امام تراویح پڑھانے کا حق دار ہے، ط: دار الاشاعت، پاکستان)

امامت کا ترجیحی بنیاد پر کون زیادہ مستحق ہے؟ اس مسئلہ کو علامہ حصکفیؒ نے یوں لکھا ہے:

(و) اعلم أن (صاحب البيت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولى بالإمامة من غيره) مطلقا.

علامہ شامی نے وضاحت کی ہے: **(قوله مطلقا) أي وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه. (رد المحتار مع الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت)**

الغرض امام راتب ترجیحی بنیاد پر تراویح پڑھانے کا حق دار ہے، فتاویٰ دار العلوم اور فتاویٰ رحیمیہ میں یہی ہے، علامہ شامیؒ کی مندرجہ بالا عبارت کے عموم سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے؛ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی رائے اس صورت پر محمول ہے، جب کہ یہ شرط امام اور متولی کے درمیان طے ہوئی ہو کہ صرف پنج وقتہ نماز اور تعلیم الصبیان کے لیے امام کی تقرری عمل میں لائی جارہی ہے، جیسا کہ مفتی صاحبؒ کے جواب کے ابتدائی جملوں سے معلوم ہو رہا ہے، نیز ہمارے عرف میں بھی ایسا ہی ہے؛ اس لیے اگر یہ شرط ہو تو "المسلمون على شروطهم" [ابوداؤد، باب في الصلح، حديث نمبر: ۳۵۹۴، عن ابي هريرةؓ] کے پیش نظر متولی کو حق ہوگا کہ تراویح کے لیے کسی اور کو موقع دے اور یہ امام راتب کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

پڑھانا چاہتا ہے، تو کیا وہ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ جلد جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسلک احناف میں نابالغ لڑکے کو فرائض، تراویح اور دیگر نوافل میں امام بنانا جائز نہیں۔[1] اگر لڑکے کو احتلام ہوتا ہو، خواہ اس کی عمر بارہ سال ہو، وہ بالغ شمار ہوگا، اس کو امام بنانا جائز ہے، اور اگر احتلام نہ ہوتا ہو، تو پندرہ سال کی عمر ہونے کے بعد اسے بالغ قرار دیا جائے گا، اس سے پہلے اس کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔[2]

---

(۱) ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي "۔۔۔۔ وأما الصبي فلأنه متنفل فلا يجوز اقتداء المفترض به، وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ رحمهم الله ولم يجوزه مشايخنا رحمهم الله۔۔۔ والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر، المرغيناني، برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۵۷، باب الإمامة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

[۲] (بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) لقصر أعمار أهل زماننا (وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين) هو المختار كما في أحكام الصغار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۱۵۳-۱۵۴، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ط: دار الفكر - بيروت)

ثم بلوغه إما أن يكون بالعلامة أو بالسن والعلامة في ذلك الإنزال بالاحتلام والإحبال، وفي حق الجارية بالاحتلام والحبل والحيض قالوا وأدنى المدة في حق الغلام اثنا عشر سنة، وفي حق الجارية تسع سنين ۔۔۔ وأما بلوغهما بالسن فقدر أبو حنيفة - رحمه الله تعالى - في الجارية بسبع عشرة سنة، وفي الغلام بتسع عشرة سنة.

وفي كتاب الوكالة ذكر في الغلام ثمان عشرة سنة في موضع، وفي موضع تسع عشرة سنة من أصحابنا من وفق فقال المراد أن يتم له ثمان عشرة سنة ويطعن في التاسع عشرة ولكن ذكر في نسخ أبي سليمان في كتاب الوكالة حتى يستكمل تسع عشرة سنة ففيه روايتان إذن.

وعلى قول أبي يوسف ومحمد والشافعي رحمهم الله تعالى في الغلام والجارية يتقدر بخمس عشرة سنة لحديث ابن عمر - رضي الله تعالى عنه - قال: عرضت على رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يوم أحد وأنا ابن أربع عشرة سنة فردني، ثم عرضت عليه يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة سنة فأجازني. ولما سمع عمر بن عبد العزيز - رضي الله تعالى عنه - هذا الحديث، قال: هذا هو الفصل بين البالغ وغير البالغ وكتب به إلى أمراء الأجناد والمعنى فيه أن العادة الظاهرة أن البلوغ لا يتأخر عن هذه المدة. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۶/ ۵۴، كتاب الطلاق، باب العدة وخروج المرأة من بيتها، ط: دار المعرفة - بيروت☆ بدائع الصنائع: ۷/ ۱۷۲، كتاب الحجر، فصل في بيان ما يرفع الحجر، ط: دار الكتب العلمية☆ الهداية في شرح بداية المبتدي-المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۳/ ۲۸۱، كتاب الحجر، فصل: في حد البلوغ، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

لڑکا جب بالغ ہوجاتا ہے، تو مرد کے حکم میں ہوتا ہے، اس پر نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا فرض ہوجاتا ہے، اسی طرح اس کی امامت بھی درست ہوجاتی ہے۔ (شامی [1]، عالمگیری [2]) [3] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] مسجد کے فنڈ سے تراویح پڑھانے والے کا ہدیہ اور خطیب کا خرچ ادا کرنا

۹۲۲- سوال: تراویح پڑھانے والے امام صاحب کو ہدیہ دینا، اسی طرح کسی عالم کو بیان وتقریر کے لیے بلانے پر ان کے ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کرنا مسجد کے فنڈ سے جائز ہے یا نہیں؟ یعنی مسجد کی رقم ان امور میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چندہ دینے والوں نے کس مقصد سے چندہ دیا ہے، اس کا اعتبار ہوگا، اگر چندہ میں صراحتاً یا عرفاً اس کی اجازت ہو، تو گنجائش ہے۔ [4]

البتہ تراویح کا معاوضہ لینا اور دینا جائز نہیں ہے، حنفی مسلک میں امامت (اور دیگر طاعات) پر

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۷۶-۵۷۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۵، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر.

(۳) عن عائشة رضي الله عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن المبتلى حتى يبرأ، وعن الصبي حتى يكبر". (سنن أبي داود: ۲/ ۲۰۲، رقم الحديث: ۴۳۹۸، كتاب الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، ط: البدر- ديوبند، وانظر رقم: ۴۴۰۱، عن ابن عباس، ۴۴۰۳، عن علي ☆سنن الترمذي، رقم الحديث: ۱۴۲۳، أبواب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي، رقم الحديث: ۳۴۳۲، كتاب الطلاق، باب: من لا يقع طلاقه من الأزواج)

[۴] (ويبدأ من غلته بعمارته) ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح وتمامه في البحر.

في الشامية: قال في الحاوي القدسي: والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي من غلته عمارته شرط الواقف أو لا ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معينا، فإن كان الوقف معينا على شيء يصرف إليه بعد عمارة البناء اهـ... وقوله إلى آخر المصالح: أي مصالح المسجد يدخل فيه المؤذن والناظر ويدخل تحت الإمام الخطيب لأنه إمام الجامع اهـ ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۳۶۷، كتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول قصدا، ط: دار الفكر- بيروت)

اجرت ضرورتاً جائز ہے[1] تراویح میں ختم قرآن ضروری نہیں؛ لہٰذا یہاں ضرورت متحقق نہیں ہے۔ ہاں تراویح پڑھانے والے امام صاحب کے ذمہ ایک دو فرض نماز پڑھانا بھی مقرر کیا جائے، تو ان فرض نمازوں کی اجرت لینا جائز ہوگا۔[2] تراویح کے نام پر کچھ بھی معاوضہ لینا اور دینا جائز نہیں۔ پس مسجد کے فنڈ سے تراویح کے نام پر رقم دینا جائز نہ ہوگا۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] تراویح کے بعد وتر سے پہلے اجتماعی دعاء کا حکم

۹۲۳- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ: رمضان کے مہینے میں تراویح کے بعد وتر نماز سے پہلے جو اجتماعی دعا کی جاتی ہے، کیا وہ خلاف شریعت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد امام اور مقتدیوں کو اختیار ہے کہ تسبیح پڑھیں، قرآن شریف پڑھیں یا انفرادی طور پر چار رکعت نفل پڑھیں یا خاموش بیٹھے رہیں، یا مسجد الحرام میں ہوں تو طواف کریں اور مدینہ

---

(۱) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (الدر المختار)

(قوله ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن إلخ) قال في الهداية: وبعض مشايخنا - رحمهم الله تعالى - استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى اهـ، وقد اقتصر على استثناء تعليم القرآن أيضا في متن الكنز ومتن مواهب الرحمن وكثير من الكتب، وزاد في مختصر الوقاية ومتن الإصلاح تعليم الفقه، وزاد في متن المجمع الإمامة، ومثله في متن الملتقى ودرر البحار.

وزاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ، وذكر المصنف معظمها، ولكن الذي في أكثر الكتب الاقتصار على ما في الهداية، فهذا مجموع ما أفتى به المتأخرون من مشايخنا ... وقد اتفقت كلمتهم جميعا في الشروح والفتاوى على التعليل بالضرورة وهي خشية ضياع القرآن كما في الهداية. (رد المحتار على الدر المختار: ٦/ ٥٥-٥٦، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، ط: دار الفكر)

(۲) فالحاصل: أن ما يتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل فهو حسن، وإنما يكره ذلك أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله، أو في باطل حتى يموهه، أو في حق حتى يدخل فيه شبهة، فما كان على هذا السبيل فهو مكروه، وما كان على السبيل الذي قلنا أولا فلا بأس به. (المبسوط للسرخسي - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ٤٨٣هـ): ٣٠/ ٢١٠، كتاب الحيل، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۳) ويكره للرجال أن يستأجروا رجلا يؤمهم في بيتهم؛ لأن استئجار الإمام فاسد. (الفتاوى الهندية: ١/ ١١٦، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر - بيروت)

(مسجد نبوی) میں ہوں، تو چار رکعت انفراداً پڑھیں۔ (البحر الرائق شرح کنز: ۲/ ۶۹ - عالم گیری: ۱/ ۲)[۱]

اسی طرح بیس رکعت کے بعد اور وتر سے قبل تسبیح، تحمید، درود شریف، استغفار وغیرہ پڑھیں یا انفرادی واجتماعی دعا مانگیں؛ سب جائز ہے، فتاویٰ دار العلوم میں ہے کہ تراویح کے بعد دعا مانگنا درست؛ بل کہ مستحب ہے اور متاخرین کا اس پر عمل ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۴/ ۲۵۳) لہٰذا اس موقع پر دعا مانگنا شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] تراویح پڑھانے والے کو ہدیہ پیش کرنا

۹۲۴- سوال: تراویح پڑھانے والے کو ہدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

تراویح پڑھانے والے کو بہ طور اجرت کچھ بھی دینا جائز نہیں ہے۔[۲] البتہ ہدیہ دینے کی گنجائش ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] تراویح پر اجرت لینا

۹۲۵- سوال: اگر کوئی حافظ قرآن رمضان المبارک میں تراویح پڑھائے، اور وہاں کے لوگ اس کو یہ کہیں کہ ہم آپ کو تین سو روپئے دے رہے ہیں، اس میں سے آپ اپنے کھانے پینے کا انتظام بھی

---

[۱] وقد قالوا أنهم مخيرون في حالة الجلوس إن شاءوا سبحوا، وإن شاءوا قرءوا القرآن، وإن شاءوا صلوا أربع ركعات فرادى، وإن شاءوا قعدوا ساكتين، وأهل مكة يطوفون أسبوعا ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادى. (البحر الرائق: ۲/ ۱۲۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب-ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۵، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، زكريا-ديوبند)

ويستحب الجلوس بين الترويحتين قدر ترويحة، وكذا بين الخامسة والوتر. كذا في الكافي وهكذا في الهداية، ولو علم أن الجلوس بين الخامسة والوتر يثقل على القوم لا يجلس. هكذا في السراجية، ثم هم مخيرون في حالة الجلوس إن شاءوا سبحوا، وإن شاءوا قعدوا ساكتين، وأهل مكة يطوفون أسبوعا ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادى. كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۵، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح)

(۲) وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۫ وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ۝ (۲-البقرة: ۴۱)

(۳) مسئلہ کی تفصیل اور تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ''مسجد کے فنڈ سے تراویح پڑھانے والے کا ہدیہ اور خطیب کا خرچ ادا کرنا'' کے حواشی۔

کرلینا، اور اسی میں سے آپ کی تراویح کا ہدیہ بھی ہوجائے گا، تو کیا ایسی رقم لے کر تراویح پڑھانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح پر اجرت لینا جائز نہیں۔[1]

اس کی جائز صورت یہ ہے کہ حافظ صاحب معاملہ اس طرح طے کریں کہ رمضان میں ایک نماز مثلاً مغرب کی نماز پڑھاؤں گا، اور اجرت تین سو روپے لوں گا، کھلانے کی ذمہ داری گاؤں والوں کی نہیں رہے گی، تو ایسی صورت میں خشک تنخواہ تین سو روپے دے دینا جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] تراویح پڑھانے کی اُجرت لینا

۹۲۶- سوال: رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے کے بعد بہ طورِ ہدیہ جو رقم دی جاتی ہے، اُس کا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح پڑھانے کے لیے اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔[3]

---

(۱) وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ۝. (۲-البقرة: ۴۱)
عن بريدة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان-أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۳/ ۱۹۵، رقم الحديث: ۲۳۸۴، تعظيم القرآن، فصل في ترك قراءة القرآن في المساجد والأسواق ليعطى وليستأكل به، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون)
عن زاذان، قال: سمعته يقول: من قرأ القرآن يأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة (م: ۲۳۵هـ): ۲/ ۱۹۸، رقم الحديث: ۷۷۴۱، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطى، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض)

[۲] (و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (الدر المختار) ــــــــــ قال العلامة بن عابدين: قال في الهداية: وبعض مشايخنا - رحمهم الله تعالى - استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى اهـ. (رد المحتار: ۶/ ۵۵، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، ط: دار الفكر- بيروت)

(۳) دیکھیے عنوان "تراویح پر اجرت لینا" کا حاشیہ نمبر: ۱

بہتر یہ ہے کہ تراویح پڑھانے والا ٹرسٹی کے ساتھ بات کر کے ایک دو نماز پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر کے اُجرت طے کرے، اور تراویح فی سبیل اللہ پڑھائے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] تراویح اور ہدیہ

۹۲۷-سوال: ختم تراویح کے موقع سے مصلیان بہ خوشی کچھ رقم دیتے ہیں، سواُن کا لینا کیسا ہے؟ اور تراویح سے پہلے طے کرنا کہ میں اتنی رقم لوں گا، درست ہے یا نہیں؟ یہاں ایک عالم باعمل کہتے ہیں کہ تراویح پر پیسے لینا قرآن شریف بیچنے کے برابر ہے، اور اُس پر اُجرت لینا بالکل جائز نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خوشی خوشی دیتے ہوں، تو لینے کی گنجائش ہے، لیکن پہلے سے شرط لگانا کہ اتنی رقم دیں گے، تو تراویح پڑھاؤں گا، حرام ہے، اس صورت میں دی گئی رقم لینا جائز نہیں ہے۔[۲]

حیلہ یہ ہے کہ حافظ صاحب یوں طے کریں کہ میں صبح، بچوں کو روزانہ دو گھنٹے پڑھاؤں گا، اور دوسو روپیہ لوں گا، تو یہ جائز ہے؛ [اس رقم کو اپنے خرچ میں استعمال کریں اور تراویح للہ پڑھائیں] کیوں کہ بچوں کو پڑھانے پر تنخواہ لینا جائز ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فالحاصل: أن مايتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل فهو حسن، وإنما يكره ذلك أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله أو في باطل حتى يموهه أو في حق حتى يدخل فيه شبهة فما كان على هذا السبيل فهو مكروه، وما كان على السبيل الذي قلنا أولا فلا بأس به. (المبسوط للسرخسي- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲۱۰/۳۰، كتاب الحيل، ط: دار المعرفة-بيروت)

(۲) وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ﴿۴۱﴾. (۲-البقرة: ۴۱)

عن بريدة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان-أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۱۹۵/۳، رقم الحديث: ۲۳۸۴، تعظيم القرآن، فصل في ترك قراءة القرآن في المساجد والأسواق ليعطى وليستأكل به، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون)

عن زاذان، قال: سمعته يقول: من قرأ القرآن يأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة (م: ۲۳۵ھ): ۱۶۸/۲، رقم الحديث: ۷۷۴۱، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطى، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد-الرياض)

[۳] (و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم=

[۱۲] رمضان میں عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے والے کے لیے وتر کا حکم

۹۲۸-سوال: رمضان المبارک میں کسی شخص کو عشاء کی نماز نہ ملے اور وہ تراویح میں شرکت کرلے تو اس کے لیے وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

عشاء کی فرض نماز پڑھنے کے بعد ہی سنن اور تراویح پڑھے، فرض نماز ادا کیے بغیر وتر اور تراویح کی نماز ادا نہیں ہوگی۔ [۱] فرض اگر امام کے ساتھ نہ پڑھ سکا ہو تو تنہا ادا کرلے، اس کے بعد ہی تراویح میں شامل ہو اور جس قدر رکعات تراویح امام صاحب کے ساتھ ملے، اسے پڑھ لے، پھر وتر جماعت کے ساتھ ادا کرلے، تراویح کی جتنی رکعات باقی رہ گئی ہیں، انھیں بعد میں پڑھ لے۔ [۲] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] تراویح کے کسی ترویحہ میں آیت سجدہ چھوٹ جانے پر دوسرے ترویحہ میں قضا کرنا

۹۲۹-سوال: ایک حافظ صاحب تراویح پڑھا رہے تھے، وہ آیت سجدہ پڑھے بغیر ہی سجدے میں چلے گئے، دوسری رکعت میں بھی انہوں نے آیت سجدہ نہیں پڑھی، اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے اور نماز

=القرآن والفقه والإمامة والأذان. (الدر المختار) — قال العلامة بن عابدين: قال في الهداية: وبعض مشايخنا - رحمهم الله تعالى - استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى اهـ. (رد المحتار: ۶/۵۵، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) والصحيح أن وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر وبعده، حتى لو تبين أن العشاء صلاها بلا طهارة، دون التراويح والوتر، أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر؛ لأنها تبع للعشاء هذا عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - ... وعندهما الوتر سنة العشاء كالتراويح فابتداء وقته بعد أداء العشاء فتجب الإعادة إذا أدي قبل العشاء وإن كان بالنسيان عندهما كالتراويح وبالجملة إعادة الوتر مختلف فيها، وأما إعادة التراويح وسائر سنن العشاء، فمتفق عليها إذا كان الوقت باقيا هكذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۵، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر)

(۲) صلى العشاء وحده فله أن يصلي التراويح مع الإمام ولو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة وإذا صلى معه شيئا من التراويح أو لم يدرك شيئا منها أو صلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه هو الصحيح، كذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر)

پوری کرلی، اب دوسرے حافظ صاحب نے چھوٹی ہوئی اسی آیت کو پڑھ کر لوگوں کو دوبارہ سجدہ کروایا، تو وہ دو رکعت جس میں پہلے حافظ صاحب نے آیت سجدہ پڑھے بغیر ہی لوگوں کی نماز پوری کرادی تھی، آیا یہ دو رکعت صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اگر صحیح نہ ہو تو نماز لوٹانی پڑے گی یا کچھ اور کرنا پڑے گا؟ اگر نماز لوٹانی پڑے گی تو کیا ان لوگوں کو، جو اگلے روز نماز میں حاضر تھے، ان کو آج سجدے کے وقت اطلاع کرنی پڑے گی؟

الجواب حامداومصلیا:

آیت سجدہ پڑھے بغیر اگر امام صاحب نے تراویح سجدہ کرلیا، تو اس پر سجدۂ سہو کرنا لازم تھا۔[1] سجدۂ سہو نہیں کیا، تو اس پر اسی وقت دو رکعت دوبارہ پڑھنا لازم ہوا؛ کیوں کہ سجدۂ سہو چھوٹ جانے سے اس پر نماز کا لوٹانا واجب تھا، اب وقت گذر گیا؛ اس لیے نماز لوٹانا ضروری نہیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] تراویح کی تمام رکعت کی ایک ساتھ نیت کرنا کافی ہے

۹۳۰- سوال: کیا تراویح کی بیس رکعت کی نیت ایک ساتھ کرلینا کافی ہے یا دو دو رکعات کی الگ الگ نیت کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداومصلیا:

ہر دو رکعت پر نیت کرنا افضل ہے، اور ایک ساتھ بیس رکعات کی نیت کرنا بھی جائز ہے (فتاوی قاضی خان، فتاوی ہندیہ)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولا يجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخيره، أو تأخير ركن، أو تقديمه، أو تكراره، أو تغيير واجب، بأن يجهر فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد، وهو ترك الواجب. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۶، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر)

(۲) والوجوب مقيد بما إذا كان الوقت صالحا؛ حتى إن من عليه السهو في صلاة الصبح، إذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول سقط عنه السجود . . . وكل ما يمنع البناء إذا وجد بعد السلام يسقط السهو. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۵، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۱۶۳، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الكتاب ديوبند ☆ رد المحتار: ۲/ ۵۴۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: مكتبه زكريا- ديوبند)

[۳] وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوي التراويح الأصح أنه لا يحتاج؛ لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة، هكذا في فتاوى قاضي خان فإذا صلى التراويح مع الإمام ولم يجدد لكل شفع نية جاز، كذا في السراجية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر- بيروت) =

[۱۵] رمضان کی ستائیسویں شب میں ہی قرآن مکمل کرنا ضروری نہیں ہے

۹۳۱- سوال: پوری دنیا میں رمضان کی ستائیسویں شب میں قرآن کریم پورا کیا جاتا ہے؛ لیکن یہاں (انگلینڈ) میں چھبیسویں تراویح میں مولانا صاحب نے قرآن کریم مکمل کیا، جب ان سے پوچھا گیا، تو کہنے لگے کہ: ستائیسویں تراویح میں قرآن ختم کرنا اور شیرینی تقسیم کرنا بدعت ہے"، تو کیا ستائیسویں تراویح میں قرآن پورا کرنا یا کوئی میٹھی چیز تقسیم کرنا بدعت ہے؟ کیا اس پر ہمیشہ عمل کرنے میں کوئی حرج ہے؟ اس بارے میں پیسے جمع کر کے اس سے کوئی مٹھائی خرید کر تقسیم کرنا جائز ہے؟ اگر یہ سمجھ کر کہ ستائیسویں تراویح میں قرآن مکمل کرنا بدعت ہے، کسی اور رات میں مکمل کرے، تو کیا اس میں بھی کوئی حرج ہے؟ با تفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

تراویح میں ایک مرتبہ قرآن کریم پورا کرنا سنت ہے، دو مرتبہ مستحب اور تین مرتبہ افضل ہے؛ لیکن در مختار میں لکھا ہے اس طرح پڑھے کہ لوگ تکلیف محسوس نہ کریں؛ اس لیے قرآن کریم مکمل کرنے کے لیے کوئی تاریخ مقرر کرنا ضرری نہیں ہے۔ ۲۱/ تا ۲۹/ جب چاہے مکمل کر سکتے ہیں؛ لیکن ۲۷/ کی رات میں پورا کرنے کو علامہ شامیؒ نے زیلعیؒ کے حوالے سے مستحب لکھا ہے۔ [۱]

=وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوي ويعين قال بعضهم يحتاج؛ لأن كل شفع صلاة والأصح أنه لا يحتاج؛ لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة. اهـ. (البحر الرائق: ۱/ ۲۹۳، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي، الحدادي، الزَّبِيدِيّ، الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/ ۹۹، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، ط: المطبعة الخيرية)

[۱] (والختم) مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثا أفضل. (ولا يترك) الختم (لكسل القوم) لكن في الاختيار: الأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم. (الدر المختار) ــــــــــ وفي الشامية: قال الزيلعي: ومنهم من استحب الختم في ليلة السابع والعشرين، رجاء أن ينالوا ليلة القدر؛ لأن الأخبار تظاهرت عليها. (رد المحتار: ۲/ ۴۹۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: مكتبه زكريا-ديوبند)

وقوله والختم مرة... على أن السنة الختم مرة فلا يترك لكسل القوم، ويختم في الليلة السابع والعشرين، لكثرة الإخبار أنها ليلة القدر، ومرتين فضيلة، وثلاث مرات، في كل عشر مرة أفضل كذا في الكافي، وذكر في المحيط والاختيار: أن الأفضل أن يقرأ فيها مقدار ما لا يؤدي إلى تنفير القوم في زماننا؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة. (البحر الرائق: ۲/ ۱۲۰، ۱۲۱، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: مكتبه دار الكتاب-ديوبند)

لیکن جب امر مستحب، رسم بن جائے، لوگ اس کو ضروری سمجھ کر کرنے لگیں، اس طور پر کہ، جو لوگ ۲۷ر کی رات میں قرآن کریم مکمل نہ کریں، ان کو بُرا بھلا کہا جائے، تو اس طرح ضروری سمجھنا، بدعت ہے؛ اس طرح جب کوئی امر مستحب، بدعت بن جائے، تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے؛ لہٰذا مذکورہ خرابی کی وجہ سے اور بدعت سے بچنے کے لیے آپ کے امام صاحب نے ۲۷ر کی بجائے ۲۶ کی شب میں قرآن کریم مکمل کیا، تو یہ شریعت کے عین مطابق ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] ۲۷ رویں شب میں ختم قرآن کو ضروری سمجھنا

۹۳۲- سوال: آج کل تقریباً ہر جگہ، تراویح میں ۲۷ رویں شب ہی کو قرآن کریم ختم کیا جاتا ہے اور بہت سے لوگ اسی رات میں ختم کرنا ضروری سمجھتے ہیں؛ حتی کہ اگر کوئی کسی اور رات میں ختم کرنے کی بات کرتا ہے، تو اس کی سخت مخالفت کی جاتی ہے اور دلیل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ستائیسویں رات میں ہی شب قدر ہوتی ہے، تو کیا تعیین کے ساتھ ستائیسویں رات میں ہی شب قدر کا ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح میں ختم قرآن کے لیے کسی تاریخ کو متعین کرنا اور اسی میں ختم کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔[۲] رمضان المبارک کی کسی بھی رات میں تراویح مکمل کی جاسکتی ہے، اور رہی شب قدر کی بات، تو یہ مبارک رات اخیری عشرے کی طاق راتوں میں زیادہ تر ہوتی ہے، اور رمضان المبارک کے پہلے دو عشرے میں بھی اس کا امکان ہے اور جفت راتوں میں بھی؛ مگر زیادہ تر ستائیسویں رات میں ہوتی ہے۔[۳]

---

(۱) قال ابن حجر في شرحه: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء، أي من أمور العبادة؛ لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته، والله أعلم. (فتح الباري- ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۳۳۸/۲، قوله باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، رقم الحديث: ۸۵۲، ط: دار المعرفة- بيروت، ۱۳۷۹)

(۲) تقدم تفصيله وتخريجه تحت عنوان: ''رمضان کی ستائیسویں شب میں ہی قرآن مکمل کرنا ضروری نہیں ہے''۔

(۳) عن عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: تحروا ليلة القدر في الوتر، من العشر الأواخر من رمضان. (صحيح البخاري: ۲۷۰/۱، رقم الحديث: ۲۰۱۷، كتاب الصوم، باب تحري ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر، ط: البدر- ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۳۷۰/۱، رقم الحديث: ۲۱۹-(۱۱۶۹)، كتاب الصيام، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال إتباعا لرمضان، ط: البدر- ديوبند) =

ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب قسم کھا کر کہتے تھے کہ وہ (لیلۃ القدر) ستائیسویں ہی رات ہے، اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس رات کی نشانی بھی بتلائی ہے اور ہمیں وہ علامت یاد ہے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابیؓ سے دریافت کیا اے ابوالمنذر! تم نے کیسے جانا کہ شب قدر ستائیسویں رات ہی کو ہوتی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ اس رات کی صبح میں یہ آفتاب اس حال میں طلوع ہوتا ہے کہ اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی، ہم لوگوں نے ان علامتوں کو شمار کیا اور اچھی طرح یاد کرلیا، اور قسم بہ خدا! حضرت ابن مسعودؓ بھی جانتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہے؛ لیکن ابن مسعود تمہیں اس لیے بتلانے پر راضی نہیں ہوئے کہ تم لوگ (ستائیسویں شب پر) اعتماد کرکے بیٹھ جاؤ گے (اور دوسری راتوں میں عبادت کرنا ترک کردو گے) [ترمذی شریف جلد ۱ صفحہ ۱۶۴][1]

= عن أبي ذر قال: قلت: يا رسول الله أخبرني عن ليلة القدر أفي كل رمضان هي؟ قال: نعم، قلت: أفتكون مع الأنبياء، و إذا رفعوا رفعت أو إلى يوم القيامة؟ قال: لا بل إلى يوم القيامة، ثم حدث رسول الله صلى الله عليه وسلم وحدث فاهتبلت غفلة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: بأبي وأمي في أي رمضان هي؟ قال: في العشر الأول والعشر الأواخر، ثم حدث رسول الله صلى الله عليه وسلم وحدث، فاهتبلت غفلة رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت: بأبي وأمي يا رسول الله، في أي العشرين هي؟ قال: في العشر الأواخر، ثم حدث رسول الله صلى الله عليه وسلم وحدث فاهتبلت غفلة رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت: بأبي وأمي يا رسول الله، أقسم عليك بحقي لما أخبرتني في أي العشر هي فغضب علي غضبا لم يغضب علي قبله مثله ثم قال: في السبع الأواخر، لا تسألني عن شيء بعدها. (السنن الكبرى-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۳/ ۴۰۷، رقم الحديث: ۳۴۱۳، كتاب الاعتكاف، ليلة القدر في كل رمضان، قبيل: كتاب المحاربة، ت: حسن عبد المنعم شلبي، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت ☆مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵/ ۳۹۳، رقم الحديث: ۲۱۴۹۹، مسند الأنصار، حديث أبي ذر الغفاري رضي الله عنه، ط: مؤسسة الرسالة☆المستدرك على الصحيحين-أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه، النيسابوري المعروف بابن البيع (م: ۴۰۵ھ): ۱/ ۶۰۳، رقم الحديث: ۱۵۹۶، كتاب الصوم، وأما حديث شعبة، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) وقد روي عن أبي بن كعب أنه: "كان يحلف أنها ليلة سبع وعشرين، ويقول: أخبرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعلامتها فعددنا وحفظنا". (سنن الترمذي: ۱/ ۱۶۴، تحت رقم الحديث: ۷۹۲، أبواب الصوم، باب ما جاء في ليلة القدر، ط: البدر - ديوبند)

عن زر قال: قلت لأبي بن كعب: أنى علمت أبا المنذر أنها ليلة سبع وعشرين، قال: بلى أخبرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أنها ليلة صبيحتها تطلع الشمس ليس لها شعاع، فعددنا، وحفظنا والله لقد علم ابن مسعود أنها في رمضان، وأنها ليلة سبع وعشرين، ولكن كره أن يخبركم فتتكلوا. (سنن الترمذي: ۱/ ۱۶۴، رقم الحديث: ۷۹۳، أبواب الصوم، باب ما جاء في ليلة القدر)

مذکورہ روایتوں کے پیش نظر بزرگان دین نے ستائیسویں شب میں ختم قرآن کو مستحب قرار دیا ہے، اور اسی شب میں ختم قرآن کا معمول رہا ہے، اگر چہ اسی کو ضروری سمجھ لینا ٹھیک نہیں، مگر اس کی بنیاد درست اور صحیح ہے؛ لہٰذا ستائیسویں شب کو قرآن ختم کرنے میں حرج نہیں؛ بل کہ ضروری سمجھے بغیر اس رات میں قرآن کریم ختم کیا جائے تو اچھی بات ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] بلا عذر تنہا نماز تراویح ادا کرنا

۹۳۳- سوال: ہمارے محلہ میں ایک نوجوان وصحت مند شخص نماز کا پابند ہے، اس کا گھر مسجد کے پڑوس ہی میں ہے، مسجد میں باجماعت نماز اور تراویح ہوتی ہے، بہ ظاہر اسے کوئی عذر نہیں ہے، اس کے باجود مسجد میں نماز ادا کرنے کے بجائے اپنے گھر میں نماز ادا کرتا ہے، تو کیا اس کی نماز ادا ہو جائے گی؟ مذکورہ شخص کا یہ معمول طویل عرصہ سے ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

پنج وقتہ نماز کا باجماعت ادا کرنا ضروری ہے، کوئی آدمی بلا عذر بغیر جماعت کے تنہا نماز پڑھنے کی عادت بنالے، تو وہ سخت گنہ گار ہے، ایسے شخص کی گواہی مردود ہے۔ (درمختار جلد ۱ صفحہ ۵۵۲)[۲]

---

(۱) دیکھیے عنوان: ''رمضان کی ستائیسویں شب میں ہی قرآن مکمل کرنا ضروری نہیں ہے۔'' کا حاشیہ نمبر ۱-۲۔

[۲] عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن آمر بحطب، فيحطب، ثم آمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم، أنه يجد عرقا سمينا، أو مرماتين حسنتين، لشهد العشاء. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۹، رقم الحديث: ۶۴۴، كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۳۲، رقم الحديث: ۲۵۱-(۶۵۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها...، ط: البدر - ديوبند)

(والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... (وقيل واجبة وعليه العامة) أي عامة مشايخنا وبه جزم في التحفة وغيرها. قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (فتسن أو تجب) ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرة (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)... (فلا تجب على مريض ومقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف) أو رجل فقط، ذكره الحدادي... وكذا اشتغاله بالفقه لا بغيره، كذا جزم به الباقاني تبعا للبهنسي: أي إلا إذا واظب تكاسلا فلا يعذر ويعزر ولو بأخذ المال يعني بحبسه عنه مدة ولا تقبل شهادته إلا بتأويل بدعة الإمام أو عدم مراعاته. (الدر المختار: ۱/ ۵۵۲-۵۵۶) =

البتہ تراویح کی نماز بلا جماعت پڑھنا جائز ہے، تاہم باجماعت بہتر ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] محلہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز اور تراویح ادا کرنا

گذشتہ سے پیوستہ

۹۳۴- سوال: مذکورہ شخص اور ایک دوسرے آدمی نے اپنے محلہ کی مسجد میں (محلہ میں صرف پانچ قبیلے آباد ہیں) تراویح کی نماز نہیں پڑھی اور آدھے کلومیٹر دور، دوسری مسجد میں تراویح پڑھی، تو اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محلہ کی مسجد کا حق زیادہ ہے؛ لہٰذا مستحب یہ ہے کہ پنج وقتہ نماز محلہ کی مسجد میں ادا کرے، تراویح دوسری مسجد میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (درمختار)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال ابن عابدين: (قوله بتركها مرة) أي بلا عذر، وهذا عند العراقيين، وعند الخراسانيين إنما يأثم إذا اعتاده كما في القنية... (قوله من غير حرج) قيد لكونها سنة مؤكدة أو واجبة، فبالحرج يرتفع الإثم ويرخص في تركها، ولكنه يفوته الأفضل... لكن في نور الإيضاح: وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها وكانت نيته حضورها لولا العذر يحصل له ثوابها اهـ والظاهر أن المراد به العذر المانع كالمرض والشيخوخة والفلج، بخلاف نحو المطر والطين والبرد والعمى تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۳- ۵۵۵، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۲- ۸۳، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، ط: دار الفكر ☆ الهداية: ۱/ ۱۴۱، باب الإمامة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۱) ونفس التراويح سنة على الأعيان عندنا، كما روى الحسن عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وقيل: تستحب والأول أصح. والجماعة فيها سنة على الكفاية، كذا في التبيين وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي. لو أدى التراويح بغير جماعة أو النساء وحدهن في بيوتهن يكون تراويح، كذا في معراج الدراية. ولو ترك أهل المسجد كلهم الجماعة فقد أساءوا وأثموا، كذا في محيط السرخسي. وإن تخلف واحد من الناس وصلاها في بيته فقد ترك الفضيلة ولا يكون مسيئا ولا تاركا للسنة وأما إذا كان الرجل ممن يقتدى به وتكثر الجماعة بحضوره وتقل عند غيبته فإنه لا ينبغي له ترك الجماعة، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۶، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] ومسجد حيه أفضل من الجامع. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله ومسجد حيه أفضل من الجامع) أي الذي جماعته أكثر من مسجد الحي، وهذا أحد قولين حكاهما في القنية، والثاني العكس؛ وما هنا جزم به في شرح المنية كما مر، وكذا في المصفى والخانية، بل في الخانية: لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب =

[۱۹] پیشگی اعلان کرنا کہ پہلی یا دوسری رکعت میں سجدہ تلاوت ہے

۹۳۵-سوال: تراویح میں سجدۂ تلاوت کی جو آیت آنے والی ہو، اس کا پہلے سے ہی مقتدیوں میں اعلان کرنا کہ دوسری رکعت میں سجدۂ تلاوت ہے، کیا اس طرح کہنا صحیح ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اس طرح اعلان کرنا مناسب نہیں ہے، بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے، اور کوئی خاص فائدہ بھی نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= إليه ويؤذن فيه ويصلي، ولو كان وحده، لأن له حقا عليه فيؤديه. (رد المحتار على الدر المختار: ١/٦٥٩، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في أفضل المساجد، ط: دار الفكر)

ولا يجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخيره، أو تأخير ركن أو تقديمه، أو تكراره أو تغيير واجب، بأن يجهر فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد، وهو ترك الواجب، كذا في الكافي.

(عالم گیری: ۱/۱۲۶، سجود السہو، بیروت)

باب سجود السهو والتلاوة

[سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب سجود السهو

[سجدۂ سہو کا بیان]

[۱] ارکان کی ادائیگی کے دوران ایک رکن کی مقدار میں یا اس سے زیادہ تفکر کرنا

۹۳۶-سوال: نماز جسمانی وزبانی عبادت کا مجموعہ ہے اور جو عبادات بدنی ہیں، ان میں چار چیزیں گویا ظروف ہیں: قیام، رکوع، سجود اور قعود اور ان چاروں میں جو عبادت زبانی ہیں، وہ گویا مظروف ہیں، اب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوتے ہیں؛ مثلاً: جہاں فرض اور واجب دونوں ایک ساتھ پائے جائیں؛ جیسا کہ قعدۂ اخیرہ ظرف اور اس میں تشہد کا پڑھنا مظروف ہیں؛ لیکن قعدہ بہ ذات خود تو فرض ہے اور اس میں تشہد کا پڑھنا واجب ہے؛ ہاں قعدۂ اولیٰ میں دونوں واجب ہیں، الغرض ایک شکل تو یہ ہوئی۔

دوسری شکل یہ ہے کہ ظرف ضروری اور مظروف غیر ضروری ہو؛ مثلاً: رکوع اور سجود ظرف ہیں، جو کہ فرض ہیں؛ لیکن ان کا مظروف، یعنی ان میں تین مرتبہ تسبیحات کا پڑھنا، مسنون، تین سے زیادہ مرتبہ مستحب اور تین سے کم مکروہ۔

تیسری شکل یہ ہے کہ ظرف تو ضروری ہو؛ مگر ان کا مظروف مخلوط، یعنی بعض صورتوں میں ضروری اور بعض صورتوں میں غیر ضروری؛ مثلاً: قیام بہ ذات خود ضروری، مگر اس میں ثناء کا پڑھنا غیر ضروری اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور سورت کا ملانا ضروری، اس میں غیر ضروری مقدم اور ضروری مؤخر اور اس کے برعکس قعدۂ اخیرہ میں تشہد ضروری جو کہ مقدم ہے اور درود و دعاء غیر ضروری جو کہ مؤخر ہیں۔

اب ایک بات تو بالکل یقینی ہے کہ شکل اول میں اگر تفکر بہ قدر ایک رکن تاخیر کا سبب بنے، تو وہ

موجب سجدۂ سہو ہے؛لیکن دوسری اور تیسری شکل میں ایسا تفکر موجب سجدۂ سہو ہوگا یا نہیں؟ مثلاً رکوع میں جانے کے بعد تین تسبیحات پڑھنے سے پہلے یا پڑھنے کے بعد یا پڑھنے کے دوران تفکر میں لگ گیا اور زبان پڑھنے سے بالکل بند ہے اور یہ تفکر ایک رکن کی مقدار میں یا اس سے زیادہ رہا، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ نیز تحریمہ کے بعد سوچنا شروع کیا اور ایک رکن کی تاخیر کی مقدار میں تفکر کرتا رہا، اس کے بعد ثناء شروع کیا یا ثناء کے بعد یا ثناء کے درمیان میں تفکر پایا گیا؛ نیز قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد یہ تفکر پایا گیا، تو ان تمام صورتوں میں سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصليا:

سجدۂ سہو کا وجوب، رکن کی تقدیم وتاخیر سے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ فقہائے کرام نے اس کی صراحت کی ہے؛ لہٰذا رکوع وسجود کی تسبیحات گرچہ فرض نہیں ہیں، مگر ایک رکن کی مقدار میں تفکر، [غور وفکر میں لگے رہنا] رکن کی تاخیر کو مستلزم ہے؛ اس لیے سجدۂ سہو لازم ہوگا، شامی میں ہے:

وإن كان تفكره ليس إلا إطالة القيام أو الركوع أو السجود، وهذه الأذكار سنة لكنه أخر واجبا أو ركنا لا بسبب إقامة السنة بل بسبب التفكر، وليس التفكر من أعمال الصلاة. اهـ. (شامی:۱/۶۷۷)[۱]

عدم وجوب سجدۂ سہو کی روایت غریب اور نادر ہے۔ (سعایہ شرح وقایہ:۱/۲۰۸)

خلاصہ کلام یہ کہ سجدۂ سہو کے وجوب کا مدار رکن کی تقدیم وتاخیر ہے یا ترتیب واجب کا سقوط یا سہواً کسی واجب کا چھوڑ دینا ہے، کسی سنت یا نفل کو طویل کر دینے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا۔ شامی میں لکھا ہے:

"...أنَّ الملزم للسجود ما كان فيه تأخير الواجب أو الركن عن محله، إذ ليس في مجرد التفكر مع الأداء ترك واجب". (شامی:۱/۷۰۷)[۲] واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ایک رکعت کا مسبوق فوت شدہ رکعت میں سورت ملانا بھول گیا تو؟

۷۹۳- سوال: ایک شخص کی مغرب کی ایک رکعت فوت ہوگئی، امام کے سلام کے بعد جب وہ

[۱] رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۹۴، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الفكر - بيروت☆الفتاوى الهندية:۱/ ۱۲۶، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: زكريا - ديوبند.

[۲] رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۹۴، كتاب الصلاة، باب سجود السهو.

رکعت پوری کرنے کے لیے کھڑا ہوا، تو وہ سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا بھول گیا، سجدہ میں یہ بات یاد آئی اور اس نے اخیر میں سجدۂ سہو کرلیا، تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور نماز میں قراءت فرض ہے یا واجب؟ جواب عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے موافق نماز کی صحت کے لیے فرض کی دو رکعت اور نفل کی تمام رکعات میں مطلق قراءت فرض ہے اور سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ تین چھوٹی آیتوں کے بقدر قراءت کرنا واجب ہے۔[۱]

مسبوق اپنی فوت شدہ رکعت کو پوری کرنے کے لیے کھڑا ہوا، سورۂ فاتحہ پڑھ لی؛ لیکن سورت ملانا بھول گیا، تو واجب ترک ہوا، چوں کہ اس نے سجدۂ سہو کرلیا ہے، اس لیے اس کی نماز ہوگئی۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] تیسری رکعت میں سہواً کس قدر بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

۹۳۸- سوال: امام صاحب تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھ گئے اور مقتدی کے لقمہ کے بعد چوتھی رکعت کے لیے کھڑے ہوئے، تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوا یا نہیں؟ اگر بنا سجدۂ سہو کیے نماز پوری کرلی ہو، تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

---

[۱] (قوله ومنها القراءة) أي قراءة آية من القرآن، وهي فرض عملي في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض ... وأما قراءة الفاتحة والسورة أو ثلاث آيات فهي واجبة أيضا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۳۶، كتاب الصلاة، مبحث القراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) ولا يجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخيره، أو تأخير ركن أو تقديمه، أو تكراره أو تغيير واجب، بأن يجهر فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد، وهو ترك الواجب، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۱۲۶، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر☆بدائع الصنائع: ۱/ ۱۶۴، فصل بيان سبب وجوب سجود السهو، ط: دا الكتب العلمية - بيروت)

ولو سها عن الفاتحة فيهما أو في إحداهما، أو عن السورة فيهما أو في إحداهما - فعليه السهو؛ لأن قراءة الفاتحة على التعيين في الأوليين واجبة عندنا، ... وكذا قراءة السورة على التعيين، أو قراءة مقدار سورة قصيرة وهي ثلاث آيات واجبة، فيتعلق السجود بالسهو عنهما. (بدائع الصنائع: ۱/۱۶۶، فصل بيان سبب وجوب سجود السهو)

الجواب حامداومصلیا:

پہلی اور تیسری رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا (جلسۂ استراحت) امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ [۱]
جب کہ احناف کے یہاں افضل یہ ہے کہ جلسۂ استراحت نہ کرے۔ [۲] اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے علامہ شامیؒ نے صفحہ ۴۳۸ پر لکھا ہے کہ اگر زیادہ دیر تک بیٹھ جائے- اور وہ التحیات پڑھ لینے کی مقدار ہے- تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر تھوڑی دیر بیٹھ جائے- اور وہ التحیات سے کم مقدار ہے- تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ [۳]
شامی کی اسی بحث کی بنیاد پر فتاویٰ دارالعلوم جدید (۴/۲۷۷) [۴] میں اس کے موافق فتویٰ دیا گیا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال الماوردي: إذا رفع من السجدتين على ما وصفنا فقد أكمل الركعة الأولى فيستحب له بعدها أن يجلس قبل قيامه إلى الثانية جلسة الاستراحة، وهي سنة، وليست واجبة. (الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي -أبو الحسن الماوردي (م: ۴۵۰ھ) ۱۳۱/۲، باب صفة الصلاة وما يجزئ منها وما يفسدها وعدد سجود القرآن، ت: علي محمد معوض -عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)
فإن كانت الركعة تستعقب تشهداً، جلس للتشهد ... وإن كانت تستعقب قياماً، فينبغي أن يجلس على إثر السجدة الثانية جلسةً خفيفةً، ثم ينتهض منها قائماً، وهذه الجلسة تسمى جلسة الاستراحة، وهي مسنونة عندنا. (نهاية المطلب في دراية المذهب- عبد الملك بن عبد الله، الجويني، أبو المعالي، الملقب بـ'إمام الحرمين' (م: ۴۷۸ھ): ۱۷۰/۲، رقم المسئلة: ۸۶۲، باب صفة الصلاة، ط: دار المنهاج)
[۲] (ويقوم مستويا بلا اعتماد) على الأرض... (ولا قعود) قبل القيام يسمى جلسة الاستراحة كما ذهب إليه الشافعي. (درر الحكام شرح غرر الأحكام-ملا - أو منلا أو المولى-خسرو (م: ۸۸۵ھ): ۷۳/۱، باب صفة الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية☆البناية شرح الهداية-بدر الدين العينى (م: ۸۵۵ھ): ۲۵۰/۲، باب في صفة الصلاة، سنن الصلاة، قول سبحان ربي الأعلى في السجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆ مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ص: ۱۰۷، باب شروط الصلاة وأركانها، فصل: في كيفية تركيب أفعال الصلاة من الابتداء إلى الانتهاء، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)
(۳) وكذا القعدة في آخر الركعة الأولى أو الثالثة فيجب تركها، ويلزم من فعلها أيضا تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة، أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعي فتركها غير واجب عندنا، بل هو الأفضل كما سيأتي وهكذا كل زيادة بين فرضين يكون فيها ترك واجب بسبب تلك الزيادة، ويلزم منها ترك واجب آخر وهو تأخير الفرض الثاني عن محله. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)
[۴] سوال: اگر پہلی اور تیسری رکعت میں سہواً بیٹھ کر کھڑا ہو جائے، تو کتنے وقفہ میں ''سجدہ سہو'' لازم ہوگا؟ =

[۴] قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد دورد شریف پڑھنا

۹۳۹-سوال: ''سنت نماز'' میں سہو ہوگیا اور سجدۂ سہو نہیں کیا، تو کیا حکم ہے؟ سہو یہ ہوا تھا کہ چار رکعت والی نماز کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد بھول سے ''درود ابراہیم'' پڑھ لی تھی اور آخر میں سجدۂ سہو کرنا بھی بھول گیا، تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوئی شخص فرض، واجب، ظہر اور جمعہ سے پہلے کی چار رکعت اور جمعہ کے بعد کی چار رکعت والی سنت مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد دورد شریف ''اللہم صلی علی محمد'' تک بھول سے پڑھ لے، تو اس کے لیے سجدۂ سہو کرنا واجب ہوگا، ان کے علاوہ باقی سنن ونوافل کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد دورد شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/ ۶۳۳، عالم گیری)[1]

اگر نماز میں واقع ہونے والی کسی غلطی کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو، اور اسے ادا کرنا بھول جائے، تو

= الجواب: طویل قعدہ سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، جیسے بہ قدر التحیات پڑھنے کے مثلاً، یا اس سے قریب ہو، باقی جلسۂ خفیفہ سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔ (فتاویٰ دار العلوم مکمل ومدلل: ۴/ ۲۷۷، مسائل تراویح، سوال نمبر: ۱۸۳۱، پہلی اور تیسری رکعت میں کتنی دیر بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے)

[۱] (ولا يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - في القعدة الأولى في الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها) ولو صلى ناسيا فعليه السهو. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ولا يصلي إلخ) أقول: قال في البحر في باب صفة الصلاة: إن ما ذكر مسلم فيما قبل الظهر، لما صرحوا به من أنه لا تبطل شفعة الشفيع بالانتقال إلى الشفع الثاني منها، ولو أفسدها قضى أربعا، والأربع قبل الجمعة بمنزلتها. وأما الأربع بعد الجمعة فغير مسلم فإنها كغيرها من السنن، فإنهم لم يثبتوا لها تلك الأحكام المذكورة اهـ ومثله في الحلية، وهذا مؤيد لما بحثه الشرنبلالي من جوازها بتسليمتين لعذر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۵۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر)

وكذا لو زاد على التشهد الصلاة على النبي - صلى الله عليه وسلم -، كذا في التبيين وعليه الفتوى، كذا في المضمرات، واختلفوا في قدر الزيادة، فقال بعضهم: يجب عليه سجود السهو بقوله: اللهم صل على محمد، وقال بعضهم: لا يجب عليه حتى يقول: وعلى آل محمد والأول أصح. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۷، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر - بيروت)

نوٹ: جمعہ کے بعد کی چار رکعت سنت مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں اگر کوئی شخص درود شریف پڑھ لے، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا (جیسا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ سے ظاہر ہے) یہ بات محل نظر ہے، جیسا کہ عبارتِ شامی سے واضح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب تک نماز کا وقت باقی ہے، اس نماز کا اعادہ واجب ہے، اور وقت ختم ہونے پر اعادہ مستحب ہے۔ (شامی :۱/ ۱۲۵-طحطاوی:۱۸۹)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] قیام میں امام صاحب کا تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بہ قدر خاموش کھڑا رہنا اور قراءت شروع نہ کرنا

۹۴۰- سوال: نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں امام صاحب نے قراءت شروع نہیں کی اور اتنی دیر تک خاموش کھڑے رہے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھی جا سکے، پیچھے سے مقتدی حضرات امام صاحب کو متوجہ کرنے کے لیے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا، تو انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کیا، اور اخیر میں سجدۂ سہو کیے بغیر امام صاحب نے نماز مکمل کرا دیا، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں، کیا اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں تھا؟

الجواب حامداً ومصلیا:

تین چھوٹی آیات پڑھی جا سکے اس سے زیادہ اگر وقت امام صاحب خاموش کھڑے رہے ہوں، تبھی سجدۂ سہو لازم ہوگا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] فرض کی تیسری رکعت میں سورت ملا لینے سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا

۹۴۱- سوال: اگر امام صاحب یا منفرد چار رکعت والی فرض نماز کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ

(۱) ثم اعلم أن الوجوب مقيد بما إذا كان الوقت صالحا حتى أن من عليه السهو في صلاة الصبح، إذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول، سقط عنه السجود وكذا إذا سها في قضاء الفائتة فلم يسجد حتى احمرت، وكذا في الجمعة إذا خرج وقتها، وكل ما يمنع البناء إذا وجد بعد السلام يسقط السهو. (البحر الرائق: ۲/ ۱۶۳، باب سجود السهو، كتاب الصلاة، ط: دار الكتاب ديوبند☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۴۰-۵۴۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ز كريا- ديوبند)

كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تعاد أي وجوبا في الوقت، وأما بعده فندبا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۶۴، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) ولا يجب السجود إلا بترك واجب أو تأخيره أو تأخير ركن أو تقديمه أو تكراره أو تغيير واجب بأن يجهر فيما يخافت وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد وهو ترك الواجب، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۶، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر)

کے بعد سورت ملالے، تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواہ امام ہو یا منفرد، انہیں فرض نماز کی تیسری رکعت میں سورت نہیں ملانی چاہیے؛ لیکن اگر کسی نے ملالی، تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ (عالمگیری: جلد ۱، صفحہ ۱۲۶)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں

۹۴۲- سوال: چار رکعت والی نماز، خواہ فرض ہو یا نفل، سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، کوئی شخص اس کے قعدۂ اولی میں التحیات کے بعد درود شریف کو "**اللھم صل علی محمد**" تک پڑھے، تو فرض، سنت اور نفل؛ تمام نمازوں میں سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا صرف فرض نمازوں ہی میں سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفل نماز کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔[۲] البتہ فرض اور واجب نماز، نیز ظہر کی چار رکعت سنت مؤکدہ کے پہلے قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف "**اللھم صل علی**

---

[۱]ولو قرأ في الأخريين الفاتحة والسورة لا يلزمه السهو وهو الأصح. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۶، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر)

(قوله وهل يكره) أي ضم السورة (قوله المختار لا) أي لا يكره تحريما بل تنزيها لأنه خلاف السنة. قال في المنية وشرحها: فإن ضم السورة إلى الفاتحة ساهيا يجب عليه سجدتا السهو في قول أبي يوسف لتأخير الركوع عن محله وفي أظهر الروايات لا يجب لأن القراءة فيهما مشروعة من غير تقدير، والاقتصار على الفاتحة مسنون لا واجب. اهـ. وفي البحر عن فخر الإسلام أن السورة مشروعة في الأخريين نفلا. وفي الذخيرة أنه المختار. وفي المحيط: وهو الأصح. اهـ. والظاهر أن المراد بقوله نفلا الجواز، والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافي كونه خلاف الأولى كما أفاده في الحلية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۵۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۱۰۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲)وفي الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لا يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - في القعدة الأولى ولا يستفتح إذا قام إلى الثالثة بخلاف سائر ذوات الأربع من النوافل. كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۳، الباب التاسع في النوافل، ط: دار الفكر)

محمد" تک پڑھ لے گا، تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا، جمعہ کی دو رکعت فرض سے پہلے کی چار رکعت کا بھی یہی حکم ہے۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] امام صاحب کا قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنا موجب سہو ہے

۹۴۳-سوال: چار رکعت والی نماز مثلاً ظہر پڑھاتے ہوئے امام صاحب نے قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف "اللهم صل على محمد" سے بھی زیادہ پڑھ لیا، تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

---

[۱] (ولا يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - في القعدة الأولى في الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها) ولو صلى ناسيا فعليه السهو، وقيل لا شمني. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله ولا يصلي إلخ) أقول: قال في البحر في باب صفة الصلاة: إن ما ذكر مسلم فيما قبل الظهر، لما صرحوا به من أنه لا تبطل شفعة الشفيع بالانتقال إلى الشفع الثاني منها، ولو أفسدها قضى أربعا، والأربع قبل الجمعة بمنزلتها. وأما الأربع بعد الجمعة فغير مسلم فإنها كغيرها من السنن، فإنهم لم يثبتوا لها تلك الأحكام المذكورة اهـ ومثله في الحلية... (قوله وقيل لا إلخ) قال في البحر: ولا يخفى ما فيه والظاهر الأول. زاد في المنح ومن ثم عولنا عليه وحكينا ما في القنية بقيل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۶/۲، باب الوتر والنوافل، قبيل: مطلب قولهم كل شفع من النفل صلاة ليس مفردا)

ولو كرر التشهد في القعدة الأولى فعليه السهو وكذا لو زاد على التشهد الصلاة على النبي - صلى الله عليه وسلم -، كذا في التبيين وعليه الفتوى، كذا في المضمرات واختلفوا في قدر الزيادة فقال بعضهم: يجب عليه سجود السهو بقوله: اللهم صل على محمد وقال بعضهم: لا يجب عليه حتى يقول: وعلى آل محمد والأول أصح. (الفتاوى الهندية: ۱۲۷/۱، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر)

نوٹ: اگر نوافل کے علاوہ مذکورہ نماز کے قعدۂ اولیٰ میں غلطی سے درود شریف "اللهم صل على محمد" تک پڑھے، تو سجدۂ سہو سے تلافی ہو جائے گی؛ لیکن جان بوجھ کر پڑھے، تو عام ضابطہ کے موافق اعادہ واجب ہوگا، اسی کی صراحت متعدد عبارتوں میں ملتی ہے؛ لیکن درمختار کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ واجب کو جان بوجھ کر ترک کرنے کی وجہ سے اعادہ لازم ہوگا، إلا في أربع مسائل، انہی میں درود شریف کا قعدہ اولیٰ میں پڑھنا ہے۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ عمداً پڑھنے کی صورت میں بھی سجدۂ سہو سے اس کی تلافی ہو جائے گی، تاہم اس قول کو "قیل" کے ذریعے نقل کیا گیا ہے، متعلقہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

فلا سجود في العمد، قيل إلا في أربع: ترك القعدة الأولى، وصلاته فيه على النبي - صلى الله عليه وسلم -، وتفكره عمدا حتى شغله عن ركن، وتأخير سجدة الركعة الأولى إلى آخر الصلاة، نهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۸۰/۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر)

(ولا يزيد) في الفرض (على التشهد في القعدة الأولى) إجماعا (فإن زاد عامدا كره) فتجب الإعادة (أو ساهيا وجب عليه سجود السهو إذا قال: اللهم صل على محمد) فقط (على المذهب) المفتى به لا لخصوص الصلاة بل لتأخير القيام. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۱۰/۱-۵۱۱، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل)

(۲) امام صاحب نے تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بہ قدر، قراءت کرنے میں تاخیر کی، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

اگر امام صاحب نے چار رکعت والی فرض نماز میں التحیات کے بعد درود شریف "اللهم صل علی محمد" تک پڑھ لیا ہو، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، چار رکعت نفل نماز میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہ ہوگا؛ بل کہ چار رکعت والی نفل نماز میں دو رکعت پر بیٹھ کر التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا افضل ہے۔ (در مختار)[۱]

دوسری رکعت کے قراءت میں یا کسی بھی رکعت کی قراءت میں کسی سوچ میں پڑ جانے کی وجہ سے تاخیر ہوئی اور سوچنا تین تسبیح کے بہ قدر ہو گیا، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، اگر کسی نے سجدۂ سہو نہ کیا، تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔[۲]

قراءت کے دوران یا قراءت کے شروع میں کسی دعاء یا تسبیح پڑھنے کی بنا پر قراءت میں تاخیر ہو جائے، تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ (فتاوی قاضی خان علی ہامش العالمگیری: ۱/ ۱۲۲)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] سجدۂ سہو میں دو کے بجائے ایک ہی سجدہ کیا، تو کیا حکم ہے؟

۹۴۴- سوال: نماز میں ترک واجب کی بنا پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، اگر سجدۂ سہو کرتے ہوئے کسی نے دو سجدوں کے بجائے ایک ہی سجدہ کیا، تو کافی ہوگا یا نہیں؟ سہواً ایک کیا، تو کیا حکم ہے؟ اور عمداً کیا، تو کیا حکم ہے؟

---

(۱) قد تقدم تخریجه و تفصیله تحت عنوان: قعدۂ اولی میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں"۔

(۲) قال في المنية و شرحها الصغير: ثم الأصل في التفكر أنه إن منعه عن أداء ركن كقراءة آية أو ثلاث أو ركوع أو سجود أو عن أداء واجب كالقعود يلزمه السهو لاستلزام ذلك ترك الواجب و هو الإتيان بالركن أو الواجب في محله، وإن لم يمنعه عن شيء من ذلك بأن كان يؤدي الأركان ويتفكر لا يلزمه السهو. (رد المحتار على المختار: ۲/ ۹۳، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر)

(۳) وإن افتتح الصلاة، فقرأ التشهد في قيامه قبل أن يشرع في قراءة الفاتحة عامدا أو ساهيا لا سهو عليه. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۱۲۲، فصل فيما يوجب السهو و ما لا يوجب السهو، ط: زكريا - ديوبند)

الجواب حامداو مصلیا:

سہو کے لیے دو سجدے واجب ہیں، اگر عمداً ایک سجدہ چھوڑ دے، تو گنہ گار ہوگا، اگر سہواً چھوٹ گیا، تو واجب ادا نہیں ہوا، لیکن سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا، کیوں کہ سہو میں سہو سے سجدہ لازم نہیں ہوتا۔ (طحطاوی علی المراقی صفحہ ۲۵۰)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] تیسری رکعت میں قعدہ کر کے چوتھی رکعت کے بعد سجدۂ سہو کر لے تو نماز درست ہو جائے گی

۹۴۵- سوال: میں ایک مرتبہ ظہر کی نماز پڑھا رہا تھا، تیسری رکعت میں کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ گیا، پیچھے سے مقتدی حضرات لقمہ دے رہے تھے، تاکہ میں کھڑا ہو جاؤں؛ لیکن میں اپنے اس گمان کے مطابق کہ ایک مرتبہ مکمل طور پر بیٹھ جانے کے بعد کھڑے ہونے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، بیٹھا رہا، اور تیسری رکعت پر سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہا کہ نماز فاسد ہو گئی ہے، دوبارہ پڑھنی پڑے گی، چناں چہ پھر سے چار رکعت پڑھادی۔

اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر آپ تیسری رکعت سے کھڑے ہو کر چوتھی رکعت پڑھ لیتے اور سجدۂ سہو کر لیتے، تو کافی ہو جاتا، تو ان دونوں صورتوں میں کون سی صورت افضل ہوگی؟ کیا تیسری رکعت میں غلطی سے بیٹھ جانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

تیسری رکعت میں بھول سے بیٹھ جانے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، خواہ پوری التحیات ہی کیوں نہ پڑھ لی ہو؛ لہٰذا ایسی صورت میں جب بھی یاد آجائے، کھڑے ہو کر چوتھی رکعت پڑھ لینے اور التحیات کے بعد سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی، جماعت والی نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔[۲]

---

[۱] ویجب "سجدتان" لأنه صلی اللہ علیه وسلم سجد سجدتین للسهو، وهو جالس بعد التسلیم وعمل به الأكابر من الصحابة والتابعین "بتشهد وتسلیم". (مراقي) ــــــــ قال الطحطاوي (م: ۱۲۳۱ھ): فلو اقتصر على سجدة واحدة، لا يكون آتيا بالواجب، ولا شيء عليه إن كان ساهيا، وإن تعمده يأثم. وفي البحر: لو سها في سجود السهو، لا يسجد لهذا السهو. وفي المضمرات: لو سها في سجود السهو، عمل بالتحري ولا يجب عليه سجود السهو، لئلا يلزم التسلسل، ولأنه يغتفر في التابع ما لا يغتفر في المتبوع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۴۶۰، باب سجود السهو، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) قال: "ويلزمه السهو إذا زاد في صلاته فعلا من جنسها ليس منها" وهذا يدل على أن سجدة السهو واجبة هو =

البتہ اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور پہلی مرتبہ ایسی بھول ہو جائے، بار بار ایسی بھول نہ ہوتی ہو، تو نماز کو لوٹانا افضل ہے، نہ لوٹائے اور سجدۂ سہو کر لے، تو بھی جائز ہے۔ بار بار ایسی بھول ہوتی ہو، تو سجدۂ سہو کر لینا چاہیے، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (درمختار)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھنے سے قبل سجدۂ تلاوت کرنا

۹۴۶-سوال: امام صاحب نے سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھنے سے پہلے ہی غلطی سے سجدۂ تلاوت کی آیت سمجھ کر سجدہ کر لیا، پھر سجدہ کی آیت پڑھی، رکوع کیا اور رکوع میں سجدہ کی نیت کر لی تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سجدۂ سہو واجب ہوگا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] امام کا قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا

۹۴۷-سوال: میں ایک مسجد میں امام ہوں، ایک مرتبہ چار رکعت والی نماز میں مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ چوتھی رکعت کے سجدہ سے فراغت کے بعد قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو گیا، مقتدی حضرات

=الصحيح لأنها تجب لجبر نقص تمكن في العبادة فتكون واجبة كالدماء في الحج وإذا كان واجبا لا يجب إلا بترك واجب أو تأخيره أو تأخير ركن ساهيا هذا هو الأصل وإنما وجب بالزيادة لأنها لا تعرى عن تأخير ركن أو ترك واجب. (الهداية: ۱/ ۷۴، باب سجود السهو، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[۱] " ومن شك في صلاته فلم يدر أثلاثا صلى أم أربعا وذلك أول ما عرض له استأنف " لقوله عليه الصلاة والسلام " إذا شك أحدكم في صلاته أنه كم صلى فليستقبل الصلاة " " وإن كان يعرض له كثيرا بنى على أكبر رأيه " لقوله عليه الصلاة والسلام " من شك في صلاته فليتحر الصواب " " وإن لم يكن له رأي بنى على اليقين " لقوله عليه الصلاة والسلام " من شك في صلاته فلم يدر أثلاثا صلى أم أربعا بنى على الأقل ". (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر ، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۷۶، باب سجود السهو، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

(۲) ولا يجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخيره، أو تأخير ركن، أو تقديمه، أو تكراره، أو تغيير واجب: بأن يجهر فيما يخافت ... الخ. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۶، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: زكريا- ديوبند ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۴۳، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: زكريا - ديوبند)

کے لقمہ دینے کی وجہ سے متنبہ ہوکر بیٹھ گیا اور سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کی۔

نماز کے بعد ایک مقتدی عالم کھڑے ہوکر کہنے لگے کہ سجدۂ سہو کے باوجود نماز صحیح نہیں ہوئی، لہٰذا میں نے دوسری مرتبہ نماز پڑھائی، اب سوال یہ ہے کہ کیا پہلی مرتبہ جو نماز سجدۂ سہو کے ساتھ پڑھی گئی تھی، وہ صحیح تھی یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں اعادہ واجب تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے پہلی مرتبہ جو نماز سجدۂ سہو کے ساتھ پڑھائی، وہ بالکل صحیح تھی، جس مقتدی عالم نے اعادہ کے لیے کہا، وہ مسئلہ سے ناواقف ہیں، اگر مصلی (یعنی نماز پڑھنے والا، خواہ امام بن کر نماز پڑھائے یا منفرد ادا نماز ادا کر رہا ہو) قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بعد یا بغیر بیٹھے کھڑا ہو جائے؛ تو جب تک رکعت زائدہ کا سجدہ نہ کر لے، اس وقت تک اُس کا حکم یہی ہے کہ وہ بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کرے۔ (شامی: ۲/ ۸۵)[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد (ما لم يقيدها بسجدة) لأن ما دون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود (وإن قيدها) بسجدة عامدا أو ناسيا أو ساهيا أو مخطئا (تحول فرضه نفلا). [رد المحتار على رد المحتار: ۲/ ۸۵، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر-بيروت]

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے "باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا" کا عنوان: "امام کا قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا"

باب سجود التلاوة

[سجدۂ تلاوت کا بیان]

[۱] خارج صلاۃ شخص نے امام صاحب سے سجدہ کی آیت سنی، تو کیا کرے؟

۹۴۸-سوال: ہمارے یہاں امام صاحب جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ پڑھتے ہیں، تو اس میں سجدہ کی آیت وہ لوگ سن لیں، جو ابھی نماز میں شامل نہیں ہوئے ہیں؛ بل کہ وضو کر رہے ہیں، تو ان پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص امام صاحب سے سجدہ کی آیت سننے کے بعد اسی رکعت میں شامل ہوگیا، تو اس پر سجدۂ تلاوت کا الگ سے ادا کرنا واجب نہیں، کیوں کہ اس کا سجدۂ تلاوت حکماً ادا ہوگیا، اور اگر دوسری رکعت میں شریک ہوا یا بالکل شریک نہیں ہوا، تو اس کے ذمہ سجدۂ تلاوت ادا کرنا واجب ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] نماز کے باہر کوئی شخص، امام سے آیت سجدہ سنے

۹۴۹-سوال: اگر کوئی شخص سجدۂ تلاوت امام صاحب سے نماز کے باہر سنے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) ولو سمعها من الإمام أجنبي ليس معهم في الصلاة ولم يدخل معهم في الصلاة لزمه السجود، كذا في الجوهرة النيرة، وهو الصحيح، كذا في الهداية. ـــــــ سمع من إمام فدخل معه قبل أن يسجد سجد معه وإن دخل في صلاة الإمام بعدما سجدها الإمام لا يسجدها وهذا إذا أدركه في اخر تلك الركعة أما لو أدركه في الركعة الأخرى يسجدها بعد الفراغ، كذا في الكافي، وهكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية-لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ١/ ١٣٣، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر ☆ الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ٨٠٠هـ): ١/ ٨٢، باب سجود التلاوة، ط: المطبعة الخيرية ☆ الفتاوى التاتارخانية: ٢/ ٤٧٦، كتاب الصلاة، سجدة التلاوة، ط: مكتبة زكريا-ديوبند)

الجواب حامداو مصلیا:

مذکورہ صورت میں وہ شخص اگر اسی رکعت میں امام کی اقتدا کر لے، تو وہ سجدۂ تلاوت پانے والا ہوگا؛ لیکن اگر اس نے اس رکعت میں اقتدا نہیں کی؛ بل کہ دوسری رکعت میں اقتدا کی، تو اب یہ نماز کے باہر الگ سے سجدہ کرے گا۔ (عالمگیری، قدوری، ہدایہ، شامی)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] ایک ہی جگہ متعدد آیات سجدہ تلاوت کرنے کا حکم

۹۵۰- سوال: قرآن شریف کی تلاوت کے دوران دو یا زائد سجدے کی آیتیں ایک ہی جگہ تلاوت کرتے ہوئے پڑھنے میں گذریں، تو ہمیں کتنے سجدے کرنے ہوں گے؟

الجواب حامداًو مصلیا:

جو شخص ایک ہی جگہ تین یا چار، سجدے کی مختلف آیتوں کی تلاوت کرے، تو اس پر اسی کے بہ قدر سجدے واجب ہوں گے؛ البتہ ایک آیت کو ایک ہی جگہ، متعدد بار تلاوت کرے، تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا؛ اس لیے صورت مسئولہ میں سجدے کی جتنی آیتیں پڑھی گئیں ہیں، اتنے سجدے کیے جائیں۔ (شامی (۱)، عالم گیری (۲))[۳] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] " فإن قرأها الإمام، وسمعها رجل ليس معه في الصلاة، فدخل معه بعدما سجدها الإمام لم يكن عليه أن يسجدها؛ " لأنه صار مدركا لها بادراك الركعة " وإن دخل معه قبل أن يسجدها سجدها معه " ؛لأنه لو لم يسمعها سجدها معه، فههنا أولى " وإن لم يدخل معه سجدها وحده " لتحقق السبب ". (الهداية: ۱/ ۱۹۳، باب في سجود التلاوة، ط: ياسر نديم- ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۳، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: زكريا، ديوبند☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۲، باب الاستخلاف، ط: زكريا- ديوبند☆ الجوهرة النيرة- أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي، الزَّبِيدِيّ الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/ ۸۲، باب سجود التلاوة، ط: المطبعة الخيرية)

(۱) رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۱۴، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر- بيروت.

(۲) الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۴، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر.

(۳) اجتمع سببا الوجوب وهما: التلاوة، والسماع بأن تلا السجدة ثم سمعها، أو سمعها ثم تلاها، أو تكرر أحدهما فنقول: الأصل أن السجدة لا يتكرر وجوبها إلا بأحد أمور ثلاثة: إما اختلاف المجلس، أو التلاوة، أو السماع؛ حتى أن من تلا آية واحدة مرارا في مجلس واحد تكفيه سجدة واحدة، والأصل فيه ما روي أن جبريل - عليه السلام- كان ينزل بالوحي فيقرأ آية السجدة على رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ورسول الله - صلى الله عليه وسلم- كان يسمع ويتلقن ثم يقرأ على أصحابه وكان لا يسجد إلا مرة واحدة، وروي عن أبي عبد الرحمن السلمي معلم الحسن =

[۴] مسجد کی مختلف جگہوں میں آیت سجدہ متعدد بار تلاوت کرنے کا حکم

۹۵۱-سوال: بہشتی زیور (۲/ ۴۴) میں ’’سجدۂ تلاوت کے بیان میں‘‘ کے عنوان سے مسئلہ نمبر ۲۲ میں ہے کہ: مسجد کا بھی یہی حکم ہے جو کمرے کا ہے، یعنی سجدہ کی ایک آیت اگر متعدد دفعہ پڑھے گا، تب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، خواہ ایک ہی جگہ بیٹھ کر پڑھے یا مسجد میں ادھر ادھر چلتا پھرتا پڑھے۔[1] تو اس میں سوال یہ ہے کہ چھوٹی اور بڑی مسجد دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟ یا دونوں کے حکم میں فرق ہے؟ ہمارے گاؤں ’’کوسمڑی‘‘ کی تو بڑی مسجد ہے جو تقریباً ۶۰ × ۵۵ ہے، تو کیا اس کا بھی یہی حکم ہوگا؟ اگر چھوٹی بڑی مسجد میں فرق ہے، تو مندرجہ بالا حوالہ میں اس کی قید کیوں نہیں لگائی گئی، وہاں مسئلہ کو مطلق رکھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی یا بڑی مسجد ہونے سے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوتا، تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مذکور مسئلہ کے متعلق عالم گیری: ۱/ ۴۸،[2] شامی: ۱/ ۷۲۷،[3] الجوہرۃ النیرۃ: ۱/ ۸۴،[4] اور مجمع الانہر:

=والحسين - رضي الله عنهم - أنه كان يعلم الآية مرارا، وكان لا يزيد على سجدة واحدة، والظاهر أن عليا - رضي الله عنه - كان عالما بذلك ولم ينكر عليه. ـــــــــ وروي عن أبي موسى الأشعري - رضي الله عنه - أنه كان يكرر آية السجدة حين كان يعلم الصبيان وكان لا يسجد إلا مرة واحدة، ولأن المجلس الواحد جامع للكلمات المتفرقة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۸۱، فصل سجدة التلاوة، فصل في سبب وجوب السجدة، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) مسجد کا بھی یہی حکم ہے، جو ایک کوٹھری کا حکم ہے، کہ اگر سجدہ کی ایک آیت کئی دفعہ پڑھے تو ایک ہی سجدہ واجب ہے، چاہے ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے دہرایا کرے، یا مسجد میں ادھر ادھر ٹہل کر پڑھے۔ (بہشتی زیور: ۲/ ۴۰، باب نواز دہم، سجدۂ تلاوت کا بیان، ط: امدادیہ لائبریری، چوک بازار، ڈھاکہ)

(۲) والمجلس واحد وإن طال، أو أكل لقمة، أو شرب شربة، أو قام، أو مشى خطوة أو خطوتين، أو انتقل من زاوية البيت أو المسجد إلى زاوية، إلا إذا كانت الدار كبيرة كدار السلطان، وإن انتقل في المسجد الجامع من زاوية إلى زاوية لا يتكرر الوجوب وإن انتقل فيه من دار إلى دار ففي كل موضع يصح الاقتداء يجعل كمكان واحد. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۳۴، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

(۳) رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ) ۲/ ۱۱۹، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر - بيروت.

(۴) ولو قرأها في المسجد الجامع في زاوية ثم تلاها في زاوية أخرى منه كفته سجدة واحدة؛ لأن المسجد مع تباعد أطرافه يجعل كبقعة واحدة في حق الصلاة فأولى أن يكون كذلك في حق السجدة؛ لأنها دونها. (الجوهرة النيرة - =

١/ ١٥٨ (٥) میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑی مسجد اور چھوٹی مسجد؛ دونوں کا ایک ہی حکم ہے، ایک آیت سجدہ اس میں متعدد بار پڑھنے سے-خواہ کونہ بدل جائے یا چلتا پھرتا پڑھے-ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ البتہ مسجد بہت زیادہ بڑی ہو اور مجمع الانہر میں اس کی مثال ''مسجد حرام'' سے دی گئی ہے، (٦) تو سمت بدل جانے سے حکم بدل جائے گا، پس مسجد حرام کے شمالی حصے میں آیت سجدہ تلاوت کی، پھر مغرب یا جنوب کے حصے میں آکر اسی آیت کی دوبارہ تلاوت کی، تو تبدیلیٔ مجلس کا حکم لگایا جائے گا اور متعدد سجدے واجب ہوں گے۔

اسی طرح مکان بھی مجلس واحد کے حکم میں ہوتا ہے، مگر فقہاء لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا مکان (محل، قلعہ) مجلس واحد کے حکم میں نہیں ہے، اس میں سمت: شمال، جنوب وغیرہ کے بدلنے سے مجلس بدل جائے گی اور متعدد سجدے واجب ہوں گے۔ (٧)

آپ کے گاؤں کی مسجد ''مسجد حرام'' جتنی وسیع نہیں ہے؛ بل کہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے؛ لہٰذا وہ پوری مسجد مجلس واحد کے حکم میں ہوگی اور ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٥] نماز میں دو مرتبہ ایک ہی آیت سجدہ کی تلاوت سے، ایک سجدہ واجب ہوگا

٩٥٢-سوال: امسال میرے ساتھ ایک طالب علم نے تراویح پڑھائی، اس نے سجدہ کی آیت آنے کی وجہ سے سجدہ ادا کیا، اس کے بعد قیام ہی کی حالت میں پھر سے اس کو پڑھا، تو کیا دوسری مرتبہ سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح رکن کے بدلنے سے کیا دوسری مرتبہ سجدہ واجب ہوگا؟ جیسا کہ تبدیل مجلس سے واجب ہوتا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

صورت مسئولہ میں دوسری مرتبہ سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے پہلی رکعت میں سجدہ تلاوت ادا کر دیا، پھر دوسری رکعت میں اسی سجدہ کی آیت کا اعادہ کیا، تو سجدۂ اولیٰ کافی

=أبو بكر بن علي، الحدادي (م: ٨٠٠هـ): ١/ ٨٣، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: المطبعة الخيرية)

(٥ - ٦) ثم المجلس لا يختلف بمجرد القيام ولا بخطوة أو خطوتين ولا بالانتقال من زاوية إلى زاوية إلا أن يكون كبيرا كالمسجد الحرام (مجمع الأنهر - داماد أفندي (م: ١٠٧٨هـ): ١/ ٢٣٥، كتاب الصلاة، سجود التلاوة، ط: فقيه الأمة - ديوبند)

(٧) دیکھیے: حاشیہ نمبر: ١۔

ہوجائے گا دوسرا سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ (۱/ ۱۰۷)[۱]

جب رکعت کے بدلنے سے دوسرا سجدہ واجب نہیں ہوتا ہے، تو اسی رکعت میں پڑھنا تو ایک جگہ کے درجہ میں ہے؛ اس لیے اس صورت میں بھی سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] نماز میں آیت سجدہ پر سجدۂ تلاوت نہ کرنا

۹۵۳- سوال: ہمارے یہاں تراویح میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امام صاحب نے سجدے کی آیت میں کچھ غلطی کی، جس کی وجہ سے دو تین دن کے بعد اس کو دوسرے حافظ صاحب نے پھر سے پڑھا؛ لیکن انہوں نے سجدۂ تلاوت نہیں کیا؛ حالاں کہ آیت سجدہ کے بعد فوراً رکوع بھی نہیں کیا تھا، بل کہ اس کے بعد آٹھ دس آیتوں کی تلاوت کی تھی، پوچھنے پر بتلایا کہ میں نے پہلے سے سجدہ نہ کرنے کی نیت کی تھی اور انہوں اپنے ساتھی حافظ صاحب کو بھی کہا تھا کہ آج میں سجدہ کی آیت پڑھوں گا؛ لیکن سجدۂ تلاوت نہیں کروں گا۔

توسوال یہ ہے کہ کیا اس طرح پہلے سے سجدہ نہ کرنے کی نیت سے سجدۂ تلاوت ساقط ہوجاتا ہے؟ اگر نہیں ہوتا ہے، تو واجب ترک ہونے سے اس کے تلافی کی کیا صورت ہوگی؟ اور نماز کے متعلق اب کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سجدہ کی آیت جب دوسرے تیسرے دن تلاوت کی گئی، تو سجدہ کرنا واجب تھا، لیکن امام صاحب نے پہلے سے سجدہ نہ کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا، اسی وجہ سے سجدہ نہیں کیا اور رکوع بھی سجدہ کی آیت کے آٹھ دس آیتوں کے بعد کیا؛ اس لیے سجدۂ تلاوت اس کے ضمن میں ادا نہ ہوگا۔ اور نماز کے سجدہ کی قضا نماز کے باہر نہیں ہوسکتی ہے؛ اس لیے واجب ترک ہونے سے گناہ لازم ہوا، جس پر توبہ ضروری ہے، البتہ تراویح کی دو رکعت ادا ہوجائے گی اور سجدۂ تلاوت نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔ (شامی: ۱/ ۱۵۸)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ولو قرأها فسجد ثم قرأ القرآن بعد ذلك طويلا ثم أعاد تلك السجدة لا تجب عليه أخرى. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۴، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

(۲) ويأثم بتأخيرها ويقضيها ما دام في حرمة الصلاة ولو بعد السلام فتح... (ولو تلاها في الصلاة سجدها فيها لا خارجها) لما مر. وفي البدائع: وإذا لم يسجد أثم فتلزمه التوبة. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ولو بعد=

[۷] سجدہ کی آیت سننے والوں پر سجدہ کا واجب ہونا

۹۵۴- سوال: قرآن کریم کی آیت سجدہ اگر باجماعت نماز میں پڑھی جائے، تو تمام نمازیوں پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اگر نماز سے باہر محفل میں لوگ بیٹھے ہوں اور کوئی آیت سجدہ تلاوت کرے، تو اس صورت میں بھی تمام سامعین پر سجدہ واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن مجید میں چودہ سجدے ہیں، جو پڑھنے اور سننے والے؛ دونوں پر واجب ہوتے ہیں، مجلس میں قرآن مجید کی آیت سجدہ جو بھی سنے گا، اس پر سجدہ واجب ہوگا۔ (شامی، عالم گیری)[1] ہاں ٹیپ ریکارڈ اور ریڈیو سے آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] امام کا وقتاً فوقتاً نماز میں آیت سجدہ پڑھنا

۹۵۵- سوال: اگر کوئی امام نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت بار بار کرتا ہے اور مقتدیوں کو اس سے

=السلام) أي ناسيا ما دام في المسجد وروي أنه لا يسجد بعد السلام ناسيا تتارخانية. . . . (قوله وإذا لم يسجد أثم إلخ) أفاد أنه لا يقضيها. قال في شرح المنية: وكل سجدة وجبت في الصلاة، ولم تؤد فيها، سقطت أي لم يبق السجود لها مشروعا لفوات محله. اهـ. ـــــــ أقول: وهذا إذا لم يركع بعدها على الفور وإلا دخلت في السجود وإن لم ينوها كما سيأتي وهو مقيد أيضا بما إذا تركها عمدا حتى سلم وخرج من حرمة الصلاة. أما لو سهوا وتذكرها ولو بعد السلام قبل أن يفعل منافيا يأتي بها ويسجد للسهو كما قدمناه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۱۰، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دار الفكر - ديوبند☆بدائع الصنائع: ۱/ ۱۹۱، كتاب الصلاة، فصل وأما بيان وقت أدائها. . . إلخ، ط: دار الكتب العلمية)

[۱] (يجب) بسبب (تلاوة آية) أي أكثرها مع حرف السجدة (من أربع عشرة آية). . . (بشرط سماعها) فالسبب التلاوة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۰۳ - ۱۰۴، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر - بيروت ☆البحر الرائق: ۲/ ۲۱۰ - ۲۱۳، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الكتاب - ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۲، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، زكريا - ديوبند)

[۲] (لا) تجب (بسماعه من الصدى والطير) [الدر المختار] ـــــ قال ابن عابدين: (قوله من الصدى) هو ما يجيبك مثل صوتك في الجبال والصحاري ونحوهما كما في الصحاح. ـــــ (قوله والطير) هو الأصح زيلعي وغيره، وقيل تجب. وفي الحجة هو الصحيح تتارخانية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۰۸ - ۱۰۹، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر - ديوبند)

پریشانی ہوتی ہے، تو یہ شریعت میں درست ہے یا نہیں؟

عبداللہ میاں، بھارت ڈیری والا

الجواب حامداً ومصلیاً

امامت ایک اہم ذمہ داری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی امامت کرائے تو قراءت مختصر کرے اس لیے کہ مقتدیوں میں بعض ضعیف بیمار اور عمر دراز بھی ہوتے ہیں۔ (بخاری شریف: ۱/ ۵۹۴)[۱]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امام کی لمبی قراءت کی شکایت کی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بہت ناراضگی کا اظہار کیا۔ (بخاری: ۱/ ۹۸)[۲]

اس لیے مقتدیوں میں اگر کمزور، بیمار اور بوڑھے لوگ ہوں، تو ایسی سورت کی تلاوت نہ کرے، جس میں سجدۂ تلاوت ہو، خلاصہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ سجدہ کی آیت تلاوت کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ سننے والوں کا وضو نہیں ہے، یا وضو تو ہے؛ لیکن سجدۂ تلاوت نہیں کریں گے، یا سجدۂ تلاوت کرنے میں ان کو مشقت ہوگی، تو نماز میں ہو یا نماز سے باہر، سجدہ کی آیت کو آہستہ تلاوت کرنا مستحب ہے۔ (عالم گیری: ۱/ ۱۰۹)[۳]
لہٰذا مستحب یہ ہے کہ امام مقتدیوں کا خیال رکھتے ہوئے آیت سجدہ کے علاوہ کی سورتوں کو پڑھے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إذا صلى أحدكم للناس، فليخفف، فإن منهم الضعيف والسقيم والكبير، وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ما شاء». (صحيح البخاري: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۷۰۳، كتاب الاذان، باب إذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ماشاء، ط: البدر ديوبند)

[۲] عن أبي مسعود، قال: قال رجل: يا رسول الله إني لأتأخر عن الصلاة في الفجر مما يطيل بنا فلان فيها، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ما رأيته غضب في موضع كان أشد غضبا منه يومئذ، ثم قال: يا أيها الناس، إن منكم منفرين، فمن أم الناس فليتجوز، فإن خلفه الضعيف والكبير وذا الحاجة. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۸، رقم الحديث: ۷۰۴، كتاب الاذان، باب من شكا إمامه إذا طول، ط: البدر - ديوبند)

(۳) القارئ إذا كان عنده قوم إن كانوا متأهبين للسجود ويقع في قلبه أنه لا يشق عليهم أداء السجدة ينبغي أن يقرأ جهرا وإن كانوا محدثين أو يظن أنهم يسمعون ولا يسجدون أو يشق عليهم أداء السجدة ينبغي أن يقرأ في نفسه سواء كان في الصلاة أو خارج الصلاة، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۵، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: زكريا - ديوبند)

[۹] آیت سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع کر کے، اس میں سجدے کی نیت کر لینا

۹۵۶- سوال: اگر امام نے نماز میں سورۂ نجم پڑھی اور اس کی آخری آیت - جو کہ آیت سجدہ ہے - کو پڑھ کر فوراً ہی رکوع کر لیا اور رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی، تو مقتدیوں کے لیے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر مقتدیوں نے نیت نہیں کی، تو ان کا سجدۂ تلاوت ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

مستحب یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کو مستقل ادا کیا جائے۔[۱]

اگر رکوع میں امام نے تو سجدۂ تلاوت کی نیت کی؛ لیکن مقتدیوں نے نیت نہیں کی، تو مقتدیوں کا سجدۂ تلاوت ادا نہیں ہوگا، وہ امام صاحب کے سلام کے بعد سجدۂ تلاوت اور قعدۂ اخیرہ کا اعادہ کریں گے۔ (در مختار مع شامی: ۱/ ۶۴۷)[۲]

ہاں! اگر مقتدیوں نے بھی رکوع میں نیت کر لی ہے، تو ان کی جانب سے بھی سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا، اسی طرح سے اگر آیت سجدہ ختم کر کے فوراً سجدہ کر لیا اور آگے کچھ بھی نہیں پڑھا، تو نماز کے سجدے میں سجدۂ تلاوت بلا کسی نیت کے بھی ادا ہوجائے گا۔ (در مختار)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وتؤدى بركوع وسجود) غير ركوع الصلاة وسجودها (في الصلاة) [الدر المختار] ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وتؤدى بركوع وسجود) الواو بمعنى أو. قال في الحلية والأصل في أدائها السجود وهو أفضل ولو ركع لها على الفور جاز وإلا لا اهـ أي وإن فات الفور لا يصح أن يركع لها ... الخ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۱۱، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر - بيروت)

والمستحب أنه إذا أراد أن يسجد وإذا رفع رأسه من السجود يقوم ثم يقعد، كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۵، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

[۲] (و) تؤدى (بركوع صلاة) إذا كان الركوع (على الفور من قراءة آية) أو آيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحر (إن نواه) أي كون الركوع (لسجود) التلاوة على الراجح (و) تؤدى (بسجودها كذلك) أي على الفور (وإن لم ينو) بالإجماع، ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه ويسجد إذا سلم الإمام ويعيد القعدة، ولو تركها فسدت صلاته كذا في القنية وينبغي حمله على الجهرية. نعم لو ركع وسجد لها فورا ناب بلا نية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۱۱-۱۱۲، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

[۳] (و) تؤدى (بسجودها كذلك) أي على الفور (وإن لم ينو) بالإجماع. (حوالہ سابق)

[۱۰] سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ

۹۵۷- سوال: قرآن مجید کی تلاوت کے ختم پر جو سجدۂ تلاوت کیے جاتے ہیں، وہ تمام سجدے ایک ساتھ بیٹھ کر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا ہر سجدہ ادا کرتے وقت کھڑا ہونا ضروری ہے؟

الجواب حامداومصليا:

صورت مسئولہ میں تمام سجدۂ تلاوت ایک ساتھ ادا کیے جائیں، تو ادا ہو جائیں گے، ہر ہر سجدے کے لیے قیام کرنا اور قیام کی حالت میں تکبیر کہتے ہوئے سجدے کے لیے جانا ضروری نہیں ہے۔ (درمختار و عالم گیری)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] تفسیر قرآن کے دوران لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے آیتِ سجدہ آہستہ پڑھنا

۹۵۸- سوال: ایک عالمِ دین نمازِ فجر کے بعد قرآنِ پاک کی تفسیر کرتے ہیں، مگر آیتِ سجدہ آتی ہے، تو اُسے آہستہ پڑھتے ہیں، تاکہ بڑے مجمع کو سجدہ نہ کرنا پڑے اور تفسیر میں بیٹھنے کے بجائے کوئی نکل نہ جائے، اس طرح عوام کی رعایت کرتے ہوئے وہ آیتِ سجدہ کو آہستہ پڑھتے ہیں، اور خود اکیلے جا کر سجدہ کرتے ہیں، کیا اُن کا یہ عمل درست ہے؟

---

[۱] وسنتها التكبير ابتداء وانتهاء، كذا في محيط السرخسي هو الظاهر، كذا في التبيين فإذا أراد السجود كبر و لا يرفع يديه وسجد ثم كبر ورفع رأسه ولا تشهد عليه ولا سلام، كذا في الهداية، ويقول في سجوده: سبحان ربي الأعلى ثلاثا ولا ينقص عن الثلاث كما في المكتوبة، كذا في الخلاصة، وهو الصحيح، هكذا في فتاوى قاضي خان ولو لم يذكر فيها شيئا يجزيه كما في المكتوبة، كذا في الخلاصة، ويرفع صوته بالتكبير والمستحب أنه إذا أراد أن يسجد وإذا رفع رأسه من السجود يقوم ثم يقعد، كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۵، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر - بيروت)

(وهي سجدة بين تكبيرتين) مسنونتين جهرا وبين قيامين مستحبين (بلا رفع يد وتشهد وسلام وفيها تسبيح السجود) في الأصح (على من كان) متعلق بيجب (أهلا لوجوب الصلاة) لأنها من أجزائها. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۰۷، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

اگرچہ مستحب یہ ہے کہ ہر ایک کو مستقل کھڑا ہو کر ادا کرے اور ہر سجدے کے بعد کھڑا ہو جائے، جیسا کہ مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہے؛ لیکن اگر سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد کھڑا نہ ہو؛ بل کہ بیٹھے بیٹھے ہی دوسرا سجدۂ تلاوت کرے تو بھی ادا ہو جائے گا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مفتی صاحبؒ نے اسی دوسری شق کو ذکر کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیا:

افضل تو یہی ہے کہ تفسیرِ قرآن کے دوران آیتِ سجدہ آجائے، تو اُسے بھی دیگر آیات کی طرح بالجہر پڑھے اور اُسی وقت سجدہ بھی کرے، کہ فوری سجدہ کرلینا ہی مسنون ہے، اور لوگوں سے بھی کہہ دے کہ سجدہ کرلیجیے، اس میں لوگوں کو سجدۂ تلاوت کا حکم اور طریقہ بھی معلوم ہوگا، اور عظمت بھی ظاہر ہوگی، اور اس بنا پر مجمع میں کسی قسم کی کمی کا اندیشہ نہیں ہے، اس لیے کہ مسجد میں اکثر لوگ باوضو ہوتے ہیں، اور اگر بے وضو بیٹھتے ہوں، تو اُن کو تاکید کرنی چاہیے کہ وہ اس جیسی مجالس میں باوضو ہونے کی حالت میں شریک ہوں۔ (رد المحتار: ۱۲۰/۲)[1]

البتہ اگر ایسا مجمع ہو کہ اُن میں بے وضو لوگ بھی ہوں، تو سجدہ کی آیت آہستہ پڑھ لینا بھی جائز ہے، اُس میں کوئی حرج نہیں، تاکہ بے وضو شخص کا بے وضو ہونا مجمع کے سامنے ظاہر نہ ہو۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] عن أبي سعيد الخدري، أنه قال: قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر ص، فلما بلغ السجدة نزل فسجد وسجد الناس معه... الحديث. (سنن أبي داود: ۲۰۰/۱، رقم الحديث: ۱۴۱۰، كتاب الصلاة، باب السجود في ص، ط: البدر - ديوبند)

ولو تلا على المنبر سجد وسجد السامعون. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله وسجد السامعون) أي لا غيرهم بخلاف الصلاة، تتارخانية. وفي البدائع: ولو تلاها الإمام على المنبر يوم الجمعة سجدها وسجدها معه من سمعها؛ لما روي أنه - عليه الصلاة والسلام - تلا سجدة على المنبر، فنزل وسجد وسجد الناس معه، اهـ والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۲۰/۲، باب سجود التلاوة، قبيل باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

[2] واستحسن إخفاؤها عن سامع غير متهيئ للسجود. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله واستحسن إخفاؤها إلخ) لأنه لو جهر بها لصار موجبا عليهم شيئا ربما يتكاسلون عن أدائه فيقعون في المعصية، فإن كانوا متهيئين جهر بها، بحر عن البدائع، قال في المحيط بشرط أن يقع في قلبه أن لا يشق عليه أداء السجدة، فإن وقع أخفاها اهـ وينبغي أنه إذا لم يعلم بحالهم أن يخفيها، نهر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۱۸/۲، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

ولو قرأ آية السجدة وعنده ناس فإن كانوا متوضئين متهيئين للسجدة قرأها فإن كانوا غير متهيئين ينبغي أن يخفض قراءتها؛ لأنه لو جهر بها لصار موجبا عليهم شيئا بما يتكاسلون عن أدائه فيقعون في المعصية. (بدائع الصنائع: ۱۹۲/۱، سجدة التلاوة، فصل في سنن السجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

عن أنس بن مالك - رضى الله عنه - قال: صليت الظهر مع النبى- صلى الله عليه وسلم- بالمدينة أربعاً، والعصر بذى الحليفة ركعتين. (بخاری شریف: ۱/۱۴۸)

وخرج على بن أبي طالب -رضى الله عنه- فقصر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيل له هذه الكوفة قال: لا حتى ندخلها. (بخاری شریف: ۱/۱۴۸)

باب صلاة المريض والمسافر

[مریض اور مسافر کی نماز کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صلاة المريض والمسافر

[مریض اور مسافر کی نماز کا بیان]

[١] پہلی صف میں کرسی پر نماز پڑھنا

٩٥٩- سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ: ایک شخص پیر سے معذور ہے ،اس کے لیے مسجد میں پہلی صف میں کرسی لگائی جاتی ہے، وہ اس پر بیٹھ کر لنگڑا پیر لٹکا کر فرائض اور سنن ادا کرتا ہے۔ کیا اس طرح پہلی صف میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا، جب کہ پیچھے بھی دو تین صفیں ہوتی ہوں، درست ہے؟ اس کو آخری صف میں نماز پڑھنا چاہیے یا پہلی صف میں، درست کیا ہے؟ فرائض وسنن کے بعد وہ شخص فرش پر بیٹھ جاتا ہے، زمین پر بیٹھنے میں اس کے لیے کوئی دقت نہیں، صرف سجدہ میں سر، زمین پر نہیں رکھ سکتا ہے، تو ایسے شخص کے متعلق مذکورہ صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فرض نماز میں قیام: یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض ہے اور رکوع، سجدہ بھی فرض ہے، اگر کوئی شخص کھڑے رہنے کی استطاعت [1] نہیں رکھتا، تو جس قدر بھی کھڑا رہ سکتا ہو- خواہ صرف تکبیر تحریمہ کھڑا ہو کر کہہ سکتا ہو- تو اس قدر کھڑا رہنا فرض ہے، ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی، لیکن اگر بالکل بھی کھڑا نہ رہ سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور بیٹھنے میں جو بھی طریقہ اختیار کرے، درست ہے نماز ادا ہو جائے گی، البتہ جہاں

---

(١) استطاعت نہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مثلاً سر چکراتا ہو، گر جانے کا اندیشہ ہو، بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو، گھٹنے یا اور کسی جگہ شدید درد ہو، جس کی وجہ سے کھڑے ہونے میں دقت ہوتی ہو، معمولی درد یا معمولی تکان کی وجہ سے بیٹھ کر فرض وواجب نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔ (درمختار مع شامی: ٢/ ٩٥-٩٨، باب صلاة المريض، ط: دار الفكر- بيروت)

تک ممکن ہو، قبلہ کی طرف پیر لمبا نہ کرے؛ کیوں کہ بلا عذر قبلہ کی طرف پیر کرنا مکروہ ہے، بیٹھنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ قعدہ میں بیٹھنے کی طرح بیٹھے، اگر اس طرح ممکن نہ ہو، تو چار زانو (پالتی مار کر) بیٹھے، یہ بھی ممکن نہ ہوتو تورُّک کر کے بیٹھے، یعنی سرین پر بیٹھ کر پیروں کو موڑ کر شمال یا جنوب میں کر دے۔ (شامی: ۱/۵۰۹- طحطاوی: ۳۳۶) [۲]

الغرض صحیح وسالم اور تندرست شخص کے لیے قیام، رکوع اور سجدہ کرنا فرض ہے، اگر قیام پر قدرت نہ ہو، تو زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھے، اگر زمین پر بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو کرسی پر پڑھے۔

اس تفصیل کے بعد جاننا چاہیے کہ مسجد میں اگلی صف میں نماز پڑھنے کے لیے کرسی رکھنا مکروہ ہے، کیوں کہ اگر وہ معذور موجود نہیں ہوگا، تو صفیں ٹوٹیں گی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو توڑنے والے کے لیے بد دعا اور جوڑنے والے کے لیے دعا فرمائی ہے۔ (۳)

صورت مسئولہ میں معذور شخص جب زمین پر بیٹھ سکتا ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ وہ نوافل بیٹھ کر ہی

---

[۲] (من تعذر عليه القيام) أي كله (لمرض) حقيقي وحده أن يلحقه بالقيام ضرر به يفتى... (أو) حكمي بأن (خاف زيادته أو بطء برئه بقيامه أو دوران رأسه أو وجد لقيامه ألما شديدا) أو كان لو صلى قائما سلس بوله... (صلى قاعدا) ولو مستندا إلى وسادة، أو إنسان؛ فإنه يلزمه ذلك على المختار (كيف شاء) على المذهب؛ لأن المرض أسقط عنه الأركان فالهيئات أولى. وقال زفر: كالمتشهد، قيل وبه يفتى (بركوع وسجود وإن قدر على بعض القيام) ولو متكئا على عصا أو حائط (قام) لزوما بقدر ما يقدر ولو قدر آية أو تكبيرة على المذهب... (وإن تعذرا) ليس تعذرهما شرطا بل تعذر السجود كاف (لا القيام أومأ)... (قاعدا) وهو أفضل من الإيماء قائما؛ لقربه من الأرض (ويجعل سجوده أخفض من ركوعه)... (ولا يرفع إلى وجهه شيئا يسجد عليه) فإنه يكره تحريما. (الدر المختار مع رد المختار: ۲/۹۵-۹۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۶-۱۳۷، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الهداية: ۱/۱۶۱، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۳) عن عبد الله بن عمر... أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيدي إخوانكم... ولا تذروا فرجات للشيطان ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله. (سنن أبي داود: ۱/۹۷، رقم الحديث: ۶۶۶، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ط: البدر - ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۲/۹۳، رقم الحديث: ۸۱۹، كتاب الإمامة، من وصل صفا، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

پڑھتا ہے، تو اس کے لیے کرسی وغیرہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، متولی اور ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو ایسے کام سے منع کریں، اور خود معذروں کی بھی ذمہ داری ہے کہ صفوں میں خلل پیدا نہ کریں، پہلی صف میں کرسی وغیرہ رکھنے سے مندرجہ ذیل قباحت لازم آتی ہے:

۱- مسجد میں جو شخص پہلے آتا ہے، وہ جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے، اگر کرسی رکھی ہوگی، تو مسجد میں پہلے آنے والا شخص اس جگہ نہیں بیٹھ سکے گا، اور اس طرح جگہ روکنا لازم آئے گا، جو درست نہیں ہے۔

۲- اگر وہ معذور کسی وجہ سے مسجد نہیں آسکا، تو پہلی صف ناقص رہ جائے گی۔

۳- اس میں ضرورت سے زیادہ جگہ روکنا ہے۔

۴- صف توڑنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔

لہٰذا کرسی، ٹیبل وغیرہ مسجد میں رکھنے سے بچنا چاہیے اور مسجد کے فرش پر نیچے بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] مسافر کا چار رکعت پڑھنا یا پڑھانا

۹۶۰- سوال: اگر کوئی مسافر چار رکعت پڑھ لے، یا پڑھا لے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی مسافر چار رکعت پڑھ لے؛ لیکن قعدہ اولیٰ میں بیٹھا ہو اور اخیر میں سجدۂ سہو کیا ہو، تو نماز ہو جائے گی؛[۱] لیکن اس کے پیچھے مقیم کی نماز نہ ہوگی۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولى تم فرضه و) لكنه (أساء) لو عامدا؛ لتأخير السلام، وترك واجب القصر، وواجب تكبيرة افتتاح النفل، وخلط النفل بالفرض، وهذا لا يحل... (وما زاد نفل) كمصلي الفجر أربعا، (وإن لم يقعد بطل فرضه) وصار الكل نفلا لترك القعدة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۲۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) ولو نوى الإقامة لا لتحقيقها بل ليتم صلاة المقيمين لم يصر مقيما. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله لم يصر مقيما) فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، ظهيرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۳۰، باب صلاة المسافر، قبل: مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: دار الفكر)

[۳] ایامِ حج میں مسافر کا اِمامت کرنا

۹۶۱- سوال: ایامِ حج میں اگر کوئی شخص اِمامت کروائے تو قصر و اِتمام کے متعلق کیا حکم ہوگا؟ اُس میں ائمہ کے اختلاف سے کیا فرق پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منفرداً نماز پڑھے یا امام بن کر، ہر حال میں قصر لازم ہے۔ اُس میں ائمہ کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں ہوگا، اگر اِتمام کرے گا، تو مکروہِ تحریمی کا مرتکب ہوگا، اور وقت کے رہتے ہوئے نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] ایس ٹی کا کنڈیکٹر روزانہ اٹھتر کلومیٹر کا سفر کرے، تو کون سی نماز پڑھے گا؟

۹۶۲- سوال: میں ایس ٹی محکمے میں کنڈکٹر ہوں، میرا گاؤں پریج ہے، جو بھروچ ضلع میں ہے، میری ملازمت انکلیشور ڈپو میں ہے، روزانہ ۷۸ / اٹھتر کیلومیٹر سے زیادہ مجھے سفر کرنا ہوتا ہے، تو کیا میں شرعاً مسافر کہلاؤں گا یا نہیں؟ نیز میں اپنے گاؤں پریج سے نکل کر بھروچ پہنچوں، تب بھی مجھے سفر کی نماز پڑھنی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

جب آپ اپنے گاؤں سے اس ارادے سے نکلیں، کہ مجھے اٹھتر کلومیٹر دور یا اس سے زیادہ بہ طور کنڈیکٹر جانا ہے، تو آپ گاؤں کی آبادی سے نکلتے ہی شرعاً مسافر ہوں گے اور آپ پر مسافر کے احکام جاری ہوں گے۔ خواہ اتنی دور روزانہ ہی کیوں نہ جانا پڑتا ہو، اس لیے جب آپ بھروچ پہنچیں، اور نماز ادا کرنی

---

(۱) وفرض المسافر في الرباعية ركعتان، كذا في الهداية، والقصر واجب عندنا، كذا في الخلاصة فإن صلى أربعا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته والأخريان نافلة ويصير مسيئا لتأخير السلام وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۴۵۷، باب واجبات الصلاة، ط: دار الفكر- بيروت)

پڑے، تو چار رکعات والی نماز بہ طور قصر دو رکعت پڑھیں۔ (١) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] مسافر سفر سے واپس ہوتے ہوئے کہاں پہنچے گا، تو مقیم ہوگا؟

گذشتہ سے پیوستہ

٩٦٣- سوال: میں اپنی ملازمت سے واپس اپنے گھر کے لیے جاؤں، تو میں کس جگہ سے شرعاً مقیم شمار کیا جاؤں گا، یعنی میں ملازمت سے فارغ ہو کر جب گھر جاؤں، اور بھروچ میں مجھے نماز پڑھنی پڑے، تو میں کون سی نماز پڑھوں مسافر کی یا مقیم کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفر ختم کر کے اپنے گاؤں کی حدود (قبرستان، عیدگاہ، گاؤں کی آبادی) میں داخل ہونے سے آپ مقیم بنیں گے؛ لہٰذا بھروچ میں آپ مسافر ہی رہیں گے اور نماز قصر ادا کریں گے۔ (٢) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٦] بس کی سیٹ پر نماز پڑھنا

٩٦٤- سوال: بس کی سیٹ پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(١) قال محمد - رحمه الله تعالى - يقصر حين يخرج من مصره ويخلف دور المصر، كذا في المحيط وفي الغياثية هو المختار وعليه الفتوى، كذا في التتارخانية الصحيح ما ذكر أنه يعتبر مجاوزة عمران المصر لا غير إلا إذا كان ثمة قرية أو قرى متصلة بربض المصر فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى بخلاف القرية التي تكون متصلة بفناء المصر فإنه يقصر الصلاة وإن لم يجاوز تلك القرية، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ١/ ١٣٩، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر☆البحر الرائق: ٢/ ٢٢٥- ٢٣٣، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الكتاب- ديوبند☆الهداية في شرح بداية المبتدي: ١/ ٨٠، باب صلاة المسافر، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي☆الدر المختار مع رد المحتار: ٢/ ١٢١- ١٢٣، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

(٢) وكذا إذا عاد من سفره إلى مصره لم يتم حتى يدخل العمران ولا يصير مسافرا بالنية حتى يخرج ويصير مقيما بمجرد النية، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ١/ ١٣٩، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

(قوله حتى يدخل موضع مقامه) أي الذي فارق بيوته سواء دخله بنية الاجتياز أو دخله لقضاء حاجة لأن مصره متعين للإقامة فلا يحتاج إلى نية جوهرة، ودخل في موضع المقام ما ألحق به كالربض كما أفاده القهستاني. (رد المحتار على الدر المختار مع رد المحتار: ٢/ ١٢٤، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی مقام پر نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے، اور نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو، تو جس قدر فرائض واجبات کی رعایت کے ساتھ ممکن ہو، نماز پڑھ لے، نماز بالکل ترک نہ کرے۔ (۱) ہاں منزل پر پہنچ کر اعادہ کرلے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] بس کے انجن کی سیٹ پر نماز پڑھنا

۹۶۵-سوال: بس کے انجن کی سیٹ پر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے نماز پڑھ سکتے ہیں، اور سجدے میں سر اور پیشانی ٹک جاتی ہے، تو سجدہ ادا ہوجائے گا، اور اگر سیٹ نہیں ہے اور سجدے میں پیشانی ٹکتی نہ ہو، تو سجدہ ادا نہ ہونے کی وجہ سے نماز ادا نہ ہوگی۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ... في تيمم الحلية عن المبتغي مسافر لا يقدر أن يصلي على الأرض لنجاستها وقد ابتلت الأرض بالمطر يصلي بالإيماء إذا خاف فوت الوقت اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۱/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مطلب في القادر بقدرة غيره، ط: دار الفكر)

(۲) وفي الخلاصة وفتاوى قاضي خان وغيرهما الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالإيماء ثم يعيد إذا خرج... لأن هذا عذر جاء من قبل العباد فلا يسقط فرض الوضوء عنه اهـ. ـــــ فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالى لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۱/۱۴۹، كتاب الطهارة، باب التيمم، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) (أما إذا كان) الكور (على رأسه فقط وسجد عليه مقتصرا) أي ولم تصب الأرض جبهته ولا أنفه على القول به (لا) يصح لعدم السجود على محله وبشرط طهارة المكان وأن يجد حجم الأرض والناس عنه غافلون. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله على محله) أي محل السجود الذي هو الجبهة والأنف... (قوله وأن يجد حجم الأرض) تفسيره أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه أبلغ من ذلك، فصح على طنفسة وحصير وحنطة وشعير وسرير وعجلة وإن كانت على الأرض لا على ظهر حيوان كبساط مشدود بين أشجار، ولا على أرز أو ذرة إلا في جوالق أو ثلج إن لم يلبده وكان يغيب فيه وجهه ولا يجد حجمه، أو حشيش إلا إن وجد حجمه، ومن هنا يعلم الجواز على الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا بحر (قوله والناس عنه غافلون) أي عن اشتراط وجود الحجم في السجود على نحو الكور والطراحة، كما يغفلون عن اشتراط السجود على الجبهة في كور العمامة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۰۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، مطلب في إطالة الركوع للجائي، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سابق سوال: ''بس کی سیٹ پر نماز پڑھنا''۔

[۸] منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں نمازوں کا حکم

۹۶۶- سوال: میں تاریخ شمسی کے لحاظ سے تین کو مکہ پہنچا تھا، تیرہ تاریخ کو منیٰ میں پہنچا، چودہ تاریخ کو عرفات میں جا کر حج کیا، میں نے حج کے ایام میں نمازیں پوری (چار رکعت) پڑھی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا مجھے دوبارہ نمازوں کو قصر کے طور پر دوہرانا پڑے گا؟ میرا ارادہ مکہ مکرمہ میں اٹھائیس دن ٹھہرنے کا تھا؛ اس لیے میں نے حج کے ایام میں نمازیں پوری پڑھی تھیں، میرے پیچھے مزید ایک دو آدمیوں نے نماز پڑھی ہے، جو مجھ سے تقریباً پچیس دن پہلے آ چکے تھے، تو کیا ان کو بھی اپنی نمازیں دوہرانی پڑیں گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو چوں کہ ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ تاریخوں میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں قیام کرنا ہے اور ان مقامات میں اقامت کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے ان مقامات میں آپ مسافر کہلائیں گے، لہٰذا مذہب حنفی کے مطابق آپ کے لیے قصر کرنا واجب تھا، اور چار رکعت والی نماز میں صرف دو رکعت پڑھنا لازم تھا، آپ نے دو کے بجائے چار پڑھی ہے؛ اس لیے (وقت رہتے ہوئے) اعادہ ضروری ہے۔[1] اور وہ حضرات، جو آپ سے پچیس دن سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ چکے ہیں، انہوں نے اگر وہاں اقامت کی نیت کر لی ہے، تو ان کا آپ کے پیچھے پوری نماز پڑھنا صحیح نہیں ہوا، اس لیے ان پر بھی نماز کا اعادہ لازم ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر (أو) نوى (فيه لكن في غير صالح) أو كنحو جزيرة، أو نوى فيه لكن (بموضعين مستقلين كمكة ومنى) فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته؛ لأنه يخرج إلى منى وعرفة، فصار كنية الإقامة في غير موضعها، وبعد عوده من منى تصح... (فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولى تم فرضه، و) لكنه (أساء) لو عامدا لتأخير السلام، وترك واجب القصر، وواجب تكبيرة افتتاح النفل، وخلط النفل بالفرض،... (وإن لم يقعد بطل فرضه) وصار الكل نفلا لترك القعدة المفروضة... (وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده فإذا قام) المقيم (إلى الإتمام لا يقرأ) ولا يسجد للسهو (في الأصح) لأنه كاللاحق.
(الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۲۵-۱۲۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر - بيروت)
وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (المصدر السابق: ۱/ ۴۵۷، باب واجبات الصلاة)

(۲) فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل ظهيرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۳۰، باب صلاة المسافر)

[۹] سفر کے دوران فرض نمازوں کا حکم

۹۶۷- سوال: ایک شخص سفر کی نیت کر کے اپنے وطن سے روانہ ہوا اور تین منزل سفر طے کر کے اسے کسی ایک جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنا ہے، تو اب اپنے وطن سے اس جگہ تک جاتے ہوئے اور وہاں سے وطن واپس آتے ہوئے سفر کے درمیان کی نمازوں میں قصر کرے گا یا پوری پڑھے گا؟

الجواب حامداومصلیا:

اڑتالیس میل کے ارادے سے جب اپنے شہر کے حدود سے نکل جائے گا، تو اسے قصر کرنا ہوگا، شہر کی آبادی سے باہر منزل پر پہنچ کر جب پندرہ دن کے قیام کا ارادہ کرے، تو پوری نماز پڑھے اور راستہ میں ان نمازوں میں قصر کرے گا۔ (شامی، عالم گیری)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] مختلف مقامات میں ٹھہرنے کی نیت سے نمازوں کا حکم

۹۶۸- سوال: عمر نے جوہانس برگ سے ویرلم جاتے ہوئے - جو تقریباً چار سو میل ہے - کا سفر طے کیا ہے، وہ ویرلم میں بارہ دن تک رہے گا، وہاں قیام کے دوران ویرلم کے اطراف میں بھی اس کی آمدورفت رہے گی، جو ویرلم سے تین منزل کے اندر اندر ہے، کبھی اسے رات کا قیام بھی وہیں کرنا پڑے گا، پھر وہ چار دن ڈربن میں رہے گا، ان چار دنوں میں بھی اسے ادھر ادھر تین منزل کے اندر اندر آنا جانا رہے گا، یہ سب مل کر کل سولہ دن ہوں گے، ان سولہ دنوں میں وہ اپنی نمازیں قصر پڑھے یا پوری؟

الجواب حامداومصلیا:

مسافر شرعی پر احکام اقامت کے لزوم کے لیے فقط ایک جگہ پندرہ دن کا قیام شرط ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں قصر ہی کے احکامات جاری ہوں گے؛ اس لیے کہ ویرلم میں بارہ دن کے قیام کا ارادہ ہے، اطراف

---

[۱] (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين) ... (حتى يدخل موضع مقامه) ... (أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع واحد (صالح لها) من مصر أو قرية (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۲۱-۱۲۵، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر ☆الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، ۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: مكتبه زكريا - ديوبند)

وجوانب میں چار پانچ دن سیر وتفریح کا ارادہ ہے؛ لہٰذا ایک جگہ پندرہ دن کے قیام کا ارادہ نہیں ہوا؛ اس لیے وہ مسافر ہی رہے گا۔ (شامی)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] ٹھہر ٹھہر کر سفر کرنے کی صورت میں نمازوں کا حکم

۹۶۹- سوال: بکر اپنے مکان سے چھ سو میل دور ویرلم میں پندرہ دن سے زائد ٹھہرنے کی نیت سے چلا ہے، دوران سفر اسے بعض جگہ ایک دن اور بعض جگہ دو دن ٹھہرتے ہوئے ویرلم جانا ہے، ویرلم جا کر وہاں وہ پندرہ دن سے زائد ٹھہرے گا؛ لیکن وہاں سے ویرلم کے اطراف وجوانب میں اس کی آمد ورفت محض تفریحاً رہے گی، اب سوال یہ ہے کہ وہ شرعی مسافر ہوگا یا نہیں، نیز وہ اپنی نمازوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین، چار یا پانچ، چھ سو میل کے سفر کا ارادہ ہے؛ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اول مرحلہ میں اس کا ارادہ کتنے میل سفر کرنے کا ہے، اگر اول مرحلہ میں اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ کے سفر کا ارادہ ہے، تو وہ شرعی مسافر ہوگیا؛ لہٰذا اب اگر پندرہ بیس میل پر ایک دو دن کے قیام کا ارادہ ہے، تب بھی اس پر مسافر کے احکام ہی جاری ہوں گے؛ لیکن جب وہ ویرلم یا ڈربن پہنچے گا اور پندرہ دن کے قیام کا ارادہ کر لے گا، تو وہ مقیم ہو جائے گا، اس پر اقامت کے احکام جاری ہوں گے، ویرلم یا ڈربن میں جب اس نے پندرہ دن یا ایک مہینہ کے قیام کا ارادہ کر لیا؛ اور اطراف وجوانب میں اڑتالیس میل سے کم کے سفر پر جائے گا، تو وطن اقامت باطل نہیں ہوگا، اڑتالیس میل سے زائد کے ارادے سے جائے گا، تو وہ مسافر ہو جائے گا اور وطن اقامت باطل ہو جائے گا، ویرلم آکر دوبارہ پندرہ دن کے قیام کا ارادہ کرے گا، تو مقیم بنے گا، ورنہ مسافر ہی رہے گا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱-۲) من خرج من عمارة موضع إقامته... قاصداً... مسيرة ثلاثة أيام ولياليها (باليسر الواسط مع الاستراحات المعتادة)... صلى الفرض الرباعي ركعتين... (حتى يدخل موضع مقامه)... (أو ينوي) (إقامة نصف شهر) (بموضع) واحد (صالح لها) من مصر أو قرية... (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر. (أو نوى (فيه لكن في غير صالح) الخ... الإقامة أصل إلا إذا قصدوا موضعا بينهما مدة السفر فيقصرون إن نووا سفرا وإلا لا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۲۱-۱۲۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، ۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: مكتبه زكريا- ديوبند)

[۱۲] ملازمت کرنے والا جب اپنے وطن اصلی آئے تو اس کی نمازوں کا حکم

۹۷۰- سوال: احمد اپنے آبائی وطن سے تقریباً سو میل کی مسافت پر تدریسی خدمت انجام دے رہا ہے، چھٹیوں میں وہ اپنے والدین کے گھر پر آتا رہتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا جب وہ اپنے والدین کے گھر پر آئے گا تو اس وقت وہ اپنی نمازوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟ نیز شادی کے بعد اگر وہ عارضی طور پر یا مستقل طور پر اپنی اس ملازمت والی جگہ پر جائے، اور مکان کرائے پر لے کر یا خرید کر وہاں رہنے لگے، تو کیا اس صورت میں جب وہ اپنے والدین کے گھر ملاقات کے لیے آیا کرے گا، تو وہ مسافر شمار ہوگا یا مقیم؟ اور راستہ میں آتے جاتے ہوئے وہ اپنی نمازوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احمد کا تولد جس جگہ ہوا ہے، وہ اس کا وطن اصلی ہے، ملازمت والا مکان وطن اقامت ہے؛ لہٰذا والدین کے پاس آنے جانے سے بلا کسی نیت کے اس پر اقامت کے احکام جاری ہوں گے۔[۱] ملازمت والی جگہ پر جب بھی جائے گا، وہاں پر پندرہ دن سے زیادہ اگر ٹھہرنے کا ارادہ کرے گا، تو اس پر اقامت کے احکام جاری ہوں گے، ورنہ اس پر سفر کے احکام ہی جاری ہوں گے۔[۲] ملازمت والے شہر میں اگر مکان خرید لیا یا کرایہ پر لے لیا اور وہاں ہمیشہ کے لیے رہنے کا ارادہ کرلیا ہے، تو یہ اب اس کا وطن اصلی ہوجائے گا اور اپنے والدین کے مکان پر جانے سے وہ مسافر ہوگا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] مسافر کسی ایک جگہ پندرہ دن اقامت کی نیت کرنے سے مقیم ہوجاتا ہے

۹۷۱- سوال: میں جتالی سے بمبئی ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں؛ لیکن مجھے بمبئی میں

---

(۱) ویبطل (وطن الإقامة بمثله و) بالوطن (الأصلي). (الدر المختار) قال الشامي: (قوله ویبطل وطن الإقامة) ...وهو ما خرج إلیه بنیة إقامة نصف شهر. (رد المحتار: ۲/ ۱۳۲، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: دار الفکر)

(۲) ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوي الإقامة في بلدة أو قریة خمسة عشر یوما أو أکثر. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۳۹، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفکر)

(۳) أن یتوطن في بلدة أخری وینقل الأهل إلیها فیخرج الأول من أن یکون وطنا أصلیا حتی لو دخله مسافرا لا یتم. (البحر الرائق: ۲/ ۱۴۷، باب صلاة المسافر، ط: دار الکتب العلمیة)

کتنے دن رہنا ہے، میں نے یہ متعین نہیں کیا، تو مجھے قصر نماز کب تک پڑھنی پڑے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسافر جب تک ایک جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے، اس وقت تک اس کے لیے قصر کرنا ضروری ہے۔ آپ ٹریننگ کے لیے آئے ہیں۔ اب اگر آپ نے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے، تو آپ مقیم ہو جائیں گے، پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔ اور اگر کوئی نیت نہیں ہے، تو بغیر نیت کے آٹھ، دس، بیس، پچیس مہینے بھی رہیں گے، تب بھی آپ مقیم نہ ہوں گے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] مقیم کا مسافر امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا

۹۷۲- سوال: ہمارے یہاں مسافر خانہ میں کوئی بھی شخص نماز پڑھا دیتا ہے، خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم، اب بہت سی مرتبہ میں جماعت میں تاخیر سے شامل ہوتا ہوں، تو مجھے کس طرح نیت کر کے نماز پڑھنی چاہیے، مثلاً امام مسافر ہے، قعدۂ اخیرہ میں ہے، میں نے اس کی قعدہ اخیرہ میں اقتداء کی، جب کہ میں مقیم ہوں، مجھ پر قصر نہیں ہے، اب مجھے امام کے سلام پھیرنے کے بعد پتہ نہیں چلا کہ چار رکعت پڑھائی یا دو رکعت؛ تو ایسی صورت میں میری نماز مکمل شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً تو آپ نماز با جماعت پڑھنے کے لیے امام کا انتظام کیجیے؛ تا کہ مذکورہ مسائل پیدا ہی نہ ہوں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ امام مسافر ہو، تو وہ دو رکعت پر سلام پھیر کر فوراً اعلان کرے کہ "میں مسافر ہوں، مقیم حضرات اپنی نماز مکمل کر لیں"۔ اس اعلان سے آپ کو بھی امام کے مسافر ہونے کی اطلاع ہو جائے گی، اور آپ چوں کہ مقیم ہیں؛ اس لیے اب آپ کو چار رکعت ہی پڑھنی ہوگی اور اگر امام مسافر ہے اور مقتدی بھی مسافر ہے، تو اس صورت میں بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، سب کو دو ہی رکعت پڑھنی ہے؛ لیکن مقتدی

---

(۱) ولا یزال علی حکم السفر؛ حتی ینوي الإقامة في بلدة أو قریة خمسة عشر یوما أو أکثر . . . الخ "ولو دخل مصرا علی عزم أن یخرج غدا أو بعد غد ولم ینو مدة الإقامة حتی بقي علی ذلك سنین قصر". (الهدایة- علي بن أبي بکر بن عبد الجلیل الفرغاني المرغیناني، أبو الحسن برهان الدین (م: ۵۹۳ھ) :۱/ ۱۶۶، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی- دیوبند☆ رد المحتار: ۲/ ۶۰۶-۶۰۷، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مکتبہ زکریا- دیوبند)

حضرات مقیم ہوں اور امام مسافر ہوں، تو اس صورت میں پریشانی ہوگی کہ وہ چار رکعت پڑھے، یا دو رکعت پڑھے؛ اس لیے اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے مسافر خانہ میں ایک نوٹ لکھ کر لگا دیں کہ جو بھی شخص امامت کرائے، وہ اعلان کر دے کہ وہ مسافر ہے یا مقیم، ورنہ تو حنفی مذہب کے مطابق بہت سی پریشانیاں کھڑی ہوں گی، اس لیے کہ حنفی مذہب میں قصر کرنا واجب ہے، اب اس صورت میں، جب کہ امام مسافر ہے اور مقتدی حضرات مقیم ہیں، امام کے لیے تو دو رکعت پر بیٹھنا فرض ہے؛ کیوں کہ اس کے حق میں دوسری رکعت کا قعدہ 'قعدۂ اخیرہ' ہے اور یہ قعدہ فرض ہے، اب قعدہ کرنے کے بعد سلام سے قبل تیسری یا چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا، تو سلام میں تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا، اگر اس نے سجدۂ سہو نہ کیا، تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] سفر شرعی کی مقدار

۹۷۳- سوال: شرعی اعتبار سے سفر کے احکام کتنی مسافت پر جاری ہوں گے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

شرعی سفر جس سے نماز میں قصر واجب ہوتا ہے ۴۸ ؍میل ہے جس کے ۷۶ کیلومیٹر ۸۰۰ سینٹی میٹر ہوتے ہیں؛ اس لیے ۷۷ ؍کیلومیٹر کے سفر کے ارادہ سے اپنے گاؤں سے نکلا ہے، تو شہر یا فناء شہر کو چھوڑتے ہی سفر کے احکام جاری ہوں گے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده، فإذا قام) المقيم (إلى الإتمام لا يقرأ) ولا يسجد للسهو (في الأصح) لأنه كاللاحق، والقعدتان فرض عليه، وقيل لا (وندب للإمام) هذا يخالف الخانية وغيرها أن العلم بحال الإمام شرط، لكن في حاشية الهداية للهندي الشرط العلم بحاله في الجملة لا في حال الابتداء. وفي شرح الإرشاد ينبغي أن يخبرهم قبل شروعه وإلا فبعد سلامه (أن يقول) بعد التسليمتين في الأصح «أتموا صلاتكم فإني مسافر» لدفع توهم أنه سها، ولو نوى الإقامة لا لتحقيقها بل ليتم صلاة المقيمين لم يصر مقيما، وأما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت ويتم لا بعده فيما يتغير. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۳۰، ۱۳۱، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر☆الهداية: ۱/ ۱۶۶ - ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مكتبه ياسر نديم اينڈ كمپني - ديوبند)

[۱] (قاصدا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) من أقصر أيام السنة ... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) أي سير الإبل ومشي الأقدام ويعتبر في الجبل بما يناسبه من السير وكذا ما في الفتح من أنه قيل يقدر بواحد وعشرين =

[۱۶] مسافتِ سفر میں طویل وقریب دوراستوں میں سے کس کا اعتبار ہوگا؟

۹۷۴- سوال: میں اپنے گاؤں سے اطراف کے دیہاتوں میں تجارت کے لیے سفر کرتا ہوں، گاؤں سے نکل کر واپس لوٹنے تک کی مسافت ۴۸؍میل سے زیادہ ہوتی ہے؛ لیکن ان میں کوئی ایسا گاؤں نہیں کہ اگر میں اپنے گاؤں سے سیدھا اس گاؤں پہنچوں تو ۴۸؍میل ہوجائے، تو کیا مجھ پر سفر کے احکام جاری ہوں گے یعنی: قصر واجب ہوگی یا مکمل نماز پڑھنی ہوگی؟

الجواب حامداومصلیا:

آپ جس راستے سے سفر کرتے ہیں اسی راستے کے اعتبار سے حکم لگے گا، یعنی اگر آپ نے ۷۷؍کلو میٹر والا راستہ اختیار کیا ہے، تو اس سے آپ مسافر شمار ہوں گے اور اگر ۷۷؍سے کم مسافت کا راستہ اختیار کیا ہے، تو مسافر نہ ہوں گے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] مسافر کب قصر کرے اور کب اتمام؟

۹۷۵- سوال: ہمارے یہاں والور میں ایک شخص بہ تاریخ ۱۵؍۲؍۱۹۸۲ پیر کے دن نوکری کی تلاش میں شرعی سفر طے کرکے آیا، ملازمت ملنے کی وجہ سے اس نے وہیں اقامت اختیار کرلی، پھر اس نے ارادہ کیا کہ ۲۹؍۲؍۱۹۸۲ اتوار کے دن واپس گھر جاکر اہل وعیال کو ساتھ لے آئے تو کیا وہ اس دوران مکمل نماز پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ اگر قصر کا حکم ہے، تو مکمل پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا ہوگا یا اس درمیان

=فرسخا وقيل بثمانية عشر وقيل بخمسة عشر ثم اختلفوا فقيل: واحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر والفتوى على الثاني لأنه الأوسط. وفي المجتبى فتوى أئمة خوارزم على الثالث. وجه الصحيح أن الفراسخ تختلف باختلاف الطريق في السهل والجبل والبر والبحر. (رد المحتار: ۲/ ۶۰۰ - ۶۰۳، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مكتبه زكريا - ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۸، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: مكتبه زكريا - ديوبند)

(۱) فإذا قصد بلدة وإلى مقصده طريقان، أحدهما مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، والآخر دونها، فسلك الطريق الأبعد كان مسافرا عندنا، هكذا في فتاوى قاضي خان، وإن سلك الأقصر يتم، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۸، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر☆ رد المحتار: ۲/ ۶۰۳، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مكتبه زكريا - ديوبند)

اگر امامت کرائی ہو، تو ان نمازوں کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسافر ہونے کے بعد جب تک مستقل ۱۵ ر دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ کرے، اس وقت تک وہ مسافر ہی شمار ہوگا، قصر کرنا واجب ہوگا۔ اس دوران اگر امامت کرائے گا، تو دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد اعلان کر دے کہ میں مسافر ہوں، مقیم حضرات اپنی اپنی نماز مکمل کر لیں۔ (ہاں اگر مسافر نے مقیم امام کے پیچھے مکمل نماز پڑھنے کی نیت کی، تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی) اگر مسافر امام نے مکمل نماز (چار رکعت) پڑھائی، تو اس صورت میں مقتدیوں کی نماز صحیح نہ ہوگی؛ البتہ امام کی نماز صحیح ہو جائے گی؛ اس لیے کہ امام کی پہلی دو رکعت فرض تھی اور تیسری اور چوتھی رکعت نفل تھی اور **اقتداء المفترض خلف المتنفل** جائز نہیں ہے۔[1]

اور اگر مسافر نے مستقل پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی، تو اب چار رکعت والی نماز میں اس کا امامت کرنا صحیح ہو جائے گا، اس لیے کہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنے کی وجہ سے وہ مقیم ہو گیا۔ پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کیا؛ لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے کہیں جانا پڑا، تو وہ پھر دوبارہ مسافر ہو جائے گا، اب اگر دوبارہ اقامت کی نیت کرے گا، تو ہی مقیم کے احکام اس پر جاری ہوں گے، ورنہ نہیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) واقتداء المفترض بالمتنفل لا يجوز عندنا. (المحيط البرهاني: ۱/ ۴۰۶، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ط: دار الكتب العلمية ☆ الهداية: ۱/ ۱۲۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: مكتبه ياسر نديم اينڈ كمپنى - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر)

(۲) لا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر وإن نوى أقل من ذلك قصر " وإن صلى المسافر بالمقيمين ركعتين سلم وأتم المقيمون صلاتهم " لأن المقتدي التزم الموافقة في الركعتين فينفرد في الباقي كالمسبوق إلا أنه لا يقرأ في الأصح " ويستحب للإمام إذا سلم أن يقول أتموا صلاتكم فإنا قوم سفر " لأنه عليه الصلاة والسلام قاله حين صلى بأهل مكة وهو مسافر " وإن صلى أربعا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته الأوليان عن الفرض والأخريان له نافلة " وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت " لاختلاط النافلة بها قبل إكمال أركانها ". (الهداية: ۱/ ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مكتبه ياسر نديم اينڈ كمپنى - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: مكتبه زكريا - ديوبند)

[۱۸] مسافر پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے

۹۷۶- سوال: مسافر پر نماز جمعہ فرض ہے یا نہیں نیز مسافر نماز جمعہ کی امامت کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

مسافر پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے؛ مگر جب جمعہ میں حاضر ہوگا، تو اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی؛ لہٰذا امامت کرے گا، تو مقیم مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

[۱۹] وطن اصلی میں اتمام ضروری ہے، خواہ ایک دن ہی ٹھہرنے کا ارادہ کیوں نہ ہو

۹۷۷- سوال: میں کبھی کبھی کرمالی اپنے وطن اصلی آتا ہوں، تو کیا مجھ پر قصر واجب ہوگی یا مکمل نماز پڑھنی پڑے گی؟ حالاں کہ میں کرمالی میں صرف دو دن کا مہمان رہتا ہوں۔

الجواب حامداو مصلیا:

وطن اصلی: وہ ہے جہاں انسان کی ولادت ہوئی ہو اور وہاں اس نے ہمیشہ کے لیے رہنے کا ارادہ کر لیا ہو۔

وطن واقامت: انسان جس جگہ کسی کام یا پیشہ وغیرہ کے لیے رہتا ہو، اگر چہ وہ ۵۰/۴۰ سال تک رہے؛ لیکن اس نے اس کو وطن اصلی نہیں بنایا ہے، اس کو ہمیشہ کے لیے قیام گاہ کے طور پر منتخب نہیں کیا ہے، مگر وہاں ۱۵/ دن ٹھہرنے کی نیت کرتا ہے، تو اب وہ مقیم ہو جائے گا، اسے پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔

آپ کا وطن کرمالی ہے اور آپ نے اس کو ترک نہیں کیا ہے؛ بل کہ وقتاً فوقتاً آپ آتے رہتے ہیں، معلوم ہوا کہ کرمالی کو آپ نے اپنا وطن اصلی باقی رکھا ہے؛ اس لیے کرمالی آکر آپ پوری نماز پڑھیں گے۔ اور اگر آپ نے کرمالی کو چھوڑ دیا اور یہ نیت کی کہ احمد آباد میں ہی اب ہمیشہ رہوں گا، خواہ ملازمت باقی رہے یا نہ رہے، تو اب کرمالی وطن اصلی باقی نہیں رہے گا، اب جب تک آپ کرمالی میں پندرہ دن اقامت کی نیت

---

(۱) " ویجوز للمسافر والعبد المریض أن یؤم في الجمعة ". (الهداية: ۱/ ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: مكتبه ياسر نديم اينڈ كمپنى - ديوبند☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۶۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

نہیں کریں گے، اس وقت تک آپ یہاں آنے کے بعد مسافر ہی شمار ہوں گے اور آپ کو قصر ہی کرنی پڑے گی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] مسافر نے بھول سے ظہر کی چار رکعت پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟

۹۷۸- سوال: ۱۵۰: ایک آدمی نے ترکیسر سے بمبئی کا سفر کیا، تو کیا وہ مسافر ہو گیا؟ اس کی دو ہی دن ٹھہرنے کی نیت تھی، دوسرے تین آدمی بھی اس کے ساتھ تھے؛ اس شخص نے ظہر کی نماز امام بن کر پڑھائی؛ لیکن قصر کرنا بھول گیا اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور اس کو تیسری رکعت میں یاد آ گیا کہ وہ مسافر ہے، اس کے باوجود وہ نہیں بیٹھا اور چار رکعت پوری کر لی، تو کیا ظہر کی فرض نماز ادا ہوئی یا نفل؟ اور اگر کوئی جان بوجھ کر سفر کی حالت میں قصر نہ کرے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور پیچھے تین مقتدیوں میں سے کسی ایک مقتدی نے دو رکعت پر بیٹھ کر سلام پھیر دیا، تو اس کا کیا حکم ہے، اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں اور سفر کی حالت میں سنت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

جان بوجھ کر اگر کوئی مسافر قصر نہ کرے اور چار رکعت پڑھ لے تو نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے، ہاں اگر بھول سے ایسا ہو گیا ہو، تو سجدہ سہو واجب ہے، اگر سجدہ سہو بھی نہیں کیا، تو اعادۂ صلاۃ واجب ہے۔ (شامی: ۱۲۸/۲) [۲]

---

(۱) والوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارا وتوطن بها مع أهله وولده، وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وهذا الوطن يبطل بمثله لا غير، وأما وطن الإقامة فهو الوطن الذي يقصد المسافر الإقامة فيه، وهو صالح لها نصف شهر. (البحر الرائق: ۲۳۹/۲، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: زكريا- ديوبند☆رد المحتار: ۶۱۴/۲، كتاب الصلاة، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: مكتبه زكريا- ديوبند)

[۱] (فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولى تم فرضه و) لكنه (أساء) لو عامدا لتأخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض، وهذا لا يحل كما حرره القهستاني بعد أن فسر أساء بأثم واستحق النار (وما زاد نفل) كمصلي الفجر أربعا (وإن لم يقعد بطل فرضه) وصار الكل نفلا لترك القعدة المفروضة. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وصار الكل نفلا) أي بتقييده الثالثة بسجدة لتمكنه من العود قبلها وهذا عندهما بناء على أنه إذا بطل الوصف لا يبطل الأصل خلافا لمحمد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۲۸/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر- بيروت)

وفرض المسافر في الرباعية ركعتان، كذا في الهداية، والقصر واجب عندنا، كذا في الخلاصة فإن صلى أربعا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته والأخريان نافلة ويصير مسيئا لتأخير السلام وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱۳۹/۱، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

دو رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد جو دو رکعت پڑھی ہے وہ نفل ہے اور جس مقتدی نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، اس کی نماز صحیح ہے، اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی صفحہ ۵۹۲)[۱]

سفر میں سنتیں پڑھنی چاہیے، جب کہ وقت ہو اور کوئی جلدی نہ ہو، دوران سفر سوائے فجر کے دوسری نماز کی سنتوں کو چھوڑنا جائز ہے، اپنی منزل پر پہونچنے کے بعد سنتیں پڑھنا افضل ہے۔ (درمختار)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] ایک ہی شہر کی مختلف جگہوں پر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت ہوتو؟

۹۷۹- سوال: ہماری تبلیغی جماعت چار مہینہ کے لیے بنگلور شہر میں آئی ہے، پورے چار مہینہ شہر ہی میں رہنے کا ارادہ ہے اور بنگلور میں کل ۲۶ / حلقے ہیں، جو تقریبا ۳۰ سے ۴۰ کلومیٹر کے علاقہ میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ہر حلقہ میں زیادہ سے زیادہ ۲ / ہفتہ ۱۴ دن کا قیام ہے، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ ہمیں نماز قصر کرنی ہوگی یا پوری ادا کرنی ہوگی؟

الجواب حامدا ومصلیا:

صورت مسئولہ میں - کہ بنگلور شہر میں ہی چھبیس حلقے ہیں اور چار مہینہ چھبیس حلقے میں چودہ دن یا اس

---

[۱] (وأربعة أشياء إذا تعمد الإمام لا يتابعه المقتدي) زاد في صلاته سجدة عمدا، ... أو قام إلى الخامسة ساهيا. كذا في الوجيز للكردري، فإن لم يقيد الخامسة بالسجدة وعاد وسلم سلم المقتدي معه وإن قيد الخامسة بالسجدة سلم المقتدي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۰، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السادس فيما يتابع الإمام وفيما لا يتابعه، ط: دار الفكر)

[۲] (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار (لا) يأتي بها هو المختار لأنه ترك لعذر تجنيس، قيل إلا سنة الفجر. (الدر المختار) ———— قال ابن عابدين: (قوله هو المختار) وقيل الأفضل الترك ترخيصا، وقيل الفعل تقربا. وقال الهندواني: الفعل حال النزول والترك حال السير، وقيل يصلي سنة الفجر خاصة، وقيل سنة المغرب أيضا بحر قال في شرح المنية والأعدل ما قاله الهندواني. اهـ.

قلت: والظاهر أن ما في المتن هو هذا وأن المراد بالأمن والقرار النزول وبالخوف والفرار السير لكن قدمنا في فصل القراءة أنه عبر عن القرار بالعجلة لأنها في السفر تكون غالبا من الخوف تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۳۱، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، قبيل: مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: دار الفكر ☆ (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

سے کم دن کے اعتبار سے گزارنے ہیں - پوری نماز پڑھنی پڑے گی؛ کیوں کہ بنگلور شہر میں چار مہینے ٹھہرنے کی نیت ہے اور یہ ایک جگہ اقامت کرنے کے حکم میں ہے۔ (شامی)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] مسافت سفر پر جانے والا بس ڈرائیور قصر کرے گا

۹۸۰- سوال: ایک بس ڈرائیور ہے، جو مانڈوی کا باشندہ ہے، وہ بس لے کر ۸۰ سے ۱۰۰ کلومیٹر تک جاتا ہے، وہاں زیادہ سے زیادہ تیس (۳۰) منٹ ٹھہرتا ہے۔ اب وہاں نماز کا وقت ہو جائے۔ تو وہ نماز میں قصر کرے گا یا پوری پڑھے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۷۷ رکلومیٹر سے زیادہ یا ۷۷ رکلومیٹر تک جانے والے ڈرائیور کو جہاں بس لے کر جانا ہے، وہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہو، تو قصر کرے گا۔ مذکورہ ڈرائیور ۸۰ رکلومیٹر جاتا ہے اور صرف تیس منٹ ٹھہرتا ہے، تو وہ قصر کرے گا اور چار رکعت والی فرض نماز دو ہی رکعت پڑھے گا۔ (عالم گیری)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] كما لو نوى مبيته بأحدهما أو كان أحدهما تبعا للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكما. (الدر المختار)ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله أو كان أحدهما تبعا للآخر) كالقرية التي قربت من المصر بحيث يسمع النداء على ما يأتي في الجمعة وفي البحر لو كان الموضعان من مصر واحد أو قرية واحدة فإنها صحيحة لأنهما متحدان حكما ألا ترى أنه لو خرج إليه مسافرا لم يقصر. اهـ. ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۲۶/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر - بيروت)

ولو نوى الإقامة خمسة عشر يوما في موضعين فإن كان كل منهما أصلا بنفسه نحو مكة ومنى والكوفة والحيرة لا يصير مقيما وإن كان أحدهما تبعا للآخر حتى تجب الجمعة على سكانه يصير مقيما. (الفتاوى الهندية: ۱۴۰/۱، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

قيد بالمصرين ومراده موضعان صالحان للإقامة، لا فرق بين المصرين أو القريتين أو المصر والقرية، للاحتراز عن نية الإقامة في موضعين من مصر واحد أو قرية واحدة فإنها صحيحة؛ لأنهما متحدان حكما، ألا ترى أنه لو خرج إليه مسافرا لم يقصر. (البحر الرائق: ۱۴۳/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] أقل مسافة تتغير فيها الأحكام مسيرة ثلاثة أيام، كذا في التبيين، هو الصحيح، كذا في جواهر الأخلاطي الأحكام التي تتغير بالسفر هي قصر الصلاة وإباحة الفطر...الخ...والمعتبر السير الوسط، كذا في السراجية وهو سير الإبل ومشي الأقدام في أقصر أيام السنة، كذا في التبيين،... ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح، كذا في الهداية،...وتعتبر المدة من أي طريق أخذ فيه، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱۳۸/۱، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر) =

[۲۳] مسافتِ سفر میں فناءِ مصر کا اعتبار

۹۸۱- سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ مذہب مسئلۂ ذیل کے متعلق کہ:

زید شہر ڈھاکہ کے محلہ خواجہ دیوان میں مقیم بہ وطنِ اقامت ہے، اگر یہ پندرہ دن سے کم کے لیے اتنی دور کا سفر کرے کہ منزل مطلوب تک محلہ خواجہ دیوان سے ۵۰ رمیل کی مسافت ہوجاتی ہے، جو کہ مسافتِ سفرِ شرعی ہے؛ لیکن اگر محلہ کے بجائے شہر کی اُن حدود سے مسافت شمار کی جائے، جن کو وہ عبور کر کے نکلا ہے، تو مسافتِ سفر شرعی پوری نہیں ہوتی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں زید حدودِ شہر سے باہر رہنے کی مدت میں، ایا ابتداءِ سفر کا اعتبار محلے ہی سے کرتے ہوئے وہ مسافر شمار ہوگا، یا احاطۂ حدودِ شہر کا اعتبار کرتے ہوئے وہ مقیم شمار ہوگا؟ جواب مدلل ومفصل باحوالہ تحریر کر کے ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

فقہاءِ کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ فناءِ مصر داخلِ مصر ہے۔[1] لہٰذا فناءِ مصر کے عبور کے بعد ہی مسافت

= ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر، كذا في الهداية. (حوالہ سابق: ۱/۱۳۹ ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الكتاب- ديوبند)

فالذي يصير المقيم به مسافرا، نية مدة السفر، والخروج من عمران المصر، فلا بد من اعتبار ثلاثة أشياء: أحدها: مدة السفر، وأقلها غير مقدر عند أصحاب الظواهر، وعند عامة العلماء مقدر، واختلفوا في التقدير قال أصحابنا: مسير ثلاثة أيام سير الإبل ومشي الأقدام وهو المذكور في ظاهر الروايات. وروي عن أبي يوسف يومان وأكثر الثالث، وكذا روى الحسن عن أبي حنيفة وابن سماعة عن محمد، ومن مشايخنا من قدره بخمسة عشر فرسخا وجعل لكل يوم خمس فراسخ، ومنهم من قدره بثلاث مراحل. (بدائع الصنائع: ۱/ ۹۳، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يصير به المقيم مسافرا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

نوٹ: ۴۸ رمیل کی مسافت سفرِ شرعی کے لیے لازم ہے، میل دو طرح کا ہوتا ہے، میل انگریزی اور میل شرعی، میل انگریزی کے حساب سے ۴۸ رمیل کے ۷۷ رکلومیٹر ہوتے ہیں۔ (حضرت مفتی صاحبؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے، ہندوستانی علماء کی بڑی تعداد اسی کی قائل ہے۔) جب کہ میل شرعی کے حساب سے ۴۸ میل کے ۸۷ کلومیٹر ہوتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: الاوزان المحمودۃ)

(۱) (قوله من خرج من عمارة موضع إقامته) ... وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر، وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح ... وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب، فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۲۱، باب صلاة المسافر)

سفر کا اعتبار کیا جائے گا، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ عمل جسے امام بخاریؒ نے نقل فرمایا ہے؛ اُس سے یہ واضح ہوتا ہے:

وخرج علي بن أبي طالب -رضي الله عنه- فقصر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيل له هذه الكوفة قال: لا حتى ندخلها. (بخاری: ۱/ ۱۴۸)[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فناءِ مصر شہر میں داخل ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: صليت الظهر مع النبي صلى الله عليه وسلم بالمدينة أربعا، والعصر بذي الحليفة ركعتين. (بخاری: ۱/ ۱۴۸)[۳]

الغرض صورتِ مسئولہ میں زید مقیم شمار ہوگا؛ کیوں کہ وہ جہاں گیا ہے، وہ جگہ سفر شرعی کی مسافت کے بہ قدر نہیں ہے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۲] صحيح البخاري: ۱/ ۱۴۸، رواه تعليقا، كتاب الصلاة، أبواب تقصير الصلاة، باب يقصر إذا خرج من موضعه، ط: البدر - ديوبند.

عن علي بن ربيعة قال: "خرجنا مع علي بن أبي طالب رضي الله عنه متوجهين ههنا، وأشار بيده إلى الشام فصلى ركعتين ركعتين، حتى إذا رجعنا ونظرنا إلى الكوفة حضرت الصلاة، فقالوا: يا أمير المؤمنين، هذه الكوفة نتم الصلاة؟ قال: "لا، حتى ندخلها". (السنن الكبرى- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۳/ ۲۰۹، رقم الحديث: ۵۴۳۸، جماع أبواب صلاة المسافر والجمع في السفر، باب: لا يقصر الذي يريد السفر حتى يخرج من بيوت القرية، ثم يقصر حتى يدخل أدنى بيوتها، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۳] صحيح البخاري: ۱/ ۱۴۸، رقم الحديث: ۱۰۸۹، كتاب الصلاة، أبواب تقصير الصلاة، باب يقصر إذا خرج من موضعه، ط: البدر - ديوبند.

(۴) إذا جاوز المقيم عمران مصره قاصدا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها . . . يلزمه قصر الصلاة. (قاضي خان مع الهندية: ۱/ ۱۶۴، باب صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند☆ البحر الرائق: ۱/ ۲۲۶، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند)

واضح رہے کہ مسافتِ سفر کا آغاز کہاں سے ہوگا؟ اس موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی - انڈیا کا باضابطہ سیمینار منعقد ہو چکا ہے۔ اس سیمینار کا ایک سوال یہی تھا کہ "ایسا شخص جو ایسے مقام کا سفر کر رہا ہو، جو شہر کی انتہائی حدود سے تو ۴۸ / میل کے فاصلے پر نہ ہو، لیکن اس کے گھر کے پاس سے ۴۸ / میل کا فاصلہ ہو تو وہ قصر کرے گا یا اتمام؟

عارض مسئلہ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں مقالہ نگار کی دو طرح کی آراء ہیں، ۲۳ / مقالہ نگار حضرات تو اس حق میں ہیں کہ ایسا شخص اتمام کرے گا، جب کہ ۲۱ / حضرات اس صورت میں قصر کے قائل ہیں۔ (مسافتِ سفر کا آغاز - ایک اہم شرعی مسئلہ، ص: ۴۱ - ۴۲، مسافتِ سفر کا شمار کہاں سے ہوگا؟ عارض: مفتی حبیب اللہ قاسمی، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی - انڈیا) =

[۲۴] سمندری جہاز کے ملازم کے لیے قصر کا حکم

۹۸۲- سوال: میں سمندری جہاز میں ملازم ہوں، سمندری جہاز میں گھر سے زیادہ سہولیات مہیا ہوتی ہیں، جہاز اکثر اوقات سفر کی حالت میں رہتا ہے، اس صورت میں مجھے نماز مکمل پڑھنی ہوگی یا قصر لازم ہوگا؟ ایک حافظ صاحب سے مسئلہ پوچھنے کے بعد پچھلے دو سال سے قصر کر رہا ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر آپ کا جہاز سفر کے ارادے سے سفرِ شرعی کی مسافت (تقریباً ۷۸ رکلومیٹر) طے کرلے، تو آپ مسافر شمار ہوں گے، اور حالتِ سفر میں آپ کو قصر کرنا ہوگا، اور اگر جہاز سفرِ شرعی کی مسافت سے کم رقبے میں گھومتا رہتا ہے، تو آپ مسافر شمار نہ ہوں گے، اس صورت میں مکمل نماز پڑھنی ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= اس سلسلے میں اکیڈمی کا فیصلہ یہ ہے:

۳- چھوٹے شہروں میں مسافت شرعی کا حساب اس جگہ سے ہوگا، جہاں شہر ختم ہوا ہے، یعنی شہر ختم ہونے کے بعد ۴۸ر میل کا سفر کیا جائے، تبھی وہ مسافر ہوگا۔

۴- بڑے شہروں میں، جن کی آبادی میلوں تک پھیل گئی ہے، مسافت شرعی کا شمار کس مقام سے ہوگا، اس میں دو نقاط نظر ہیں: زیادہ حضرات کی رائے ہے کہ جہاں شہر ختم ہوتا ہے، وہیں سے ۴۸ر میل کی مسافت شمار کی جائے گی، دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس محلہ سے سفر شروع ہوا ہے، وہیں سے مسافت کا شمار ہوگا، البتہ اس پر سبھوں کا اتفاق ہے کہ نماز میں قصر کا حکم شہر سے باہر نکلنے کے بعد ہی شروع ہوگا۔ (مسافت سفر کا آغاز- ایک اہم شرعی مسئلہ ص: ۲۴، مسافت سفر کا آغاز، اکیڈمی کا فیصلہ، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی- انڈیا)

تقریباً یہی بات حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے فتویٰ میں ذکر فرمائی ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۱) (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر.... (قاصدا)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر، ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (ولو) كان (عاصيا بسفره)... (حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر، وإلا فيتم بمجرد نية العود... (أو ينوي)... (إقامة نصف شهر) حقيقة أو حكما... (فيقصر إن نوى) الاقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۲۱-۱۲۵، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۵ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب- ديوبند)

والمعتبر في البحر ثلاثة أيام في ريح مستوية غير غالبة ولا ساكنة كما في الجبل يعتبر فيه أيضا ثلاثة أيام وإن كان في السهل تقطع في أقل منها. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸-۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ط: دار الفكر)

[۲۵] بیرونِ ملک سے فرض نماز ادا کر کے ہندوستان آنے والے کی دوبارہ اُسی نماز میں شرکت

۹۸۳- سوال: ایک شخص عصر کی نماز بیرونِ ملک میں ادا کر کے ہندوستان آیا، اُس وقت ہندوستان میں عصر کی نماز کا وقت تھا، تو کیا اِس شخص کے لیے عصر کی نماز میں دوبارہ شرکت جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اِس شخص نے جب بیرونِ ملک میں عصر کی نماز ادا کر لی، تو چوں کہ عصر کی نماز کے بعد نوافل نہیں ہے؛ لہٰذا ہندوستان آ کر وہ عصر میں بہ نیتِ نفل شامل نہیں ہوسکتا۔[1] البتہ اگر ظہر یا عشاء کی نماز ہو رہی ہو تو بہ نیتِ نفل شرکت جائز ہے، بہ طور فرض نہیں؛ اس لیے کہ فرض ادا کر چکا ہے، البتہ رمضان المبارک میں ہندوستان آیا، اور یہاں ۲۹ واں یا ۳۰ واں روزہ ہے، تو افطار نہ کرے؛ بل کہ روزہ رکھے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] وطن سے کتنی مسافت پر قصر کا حکم ہے؟ کن کن نمازوں میں قصر کا حکم ہے؟ اگر لمبا سفر ہو تو کب تک قصر کرے؟

۹۸۴- سوال: مسافر آدمی وطن سے کتنی مسافت کی دوری پر پہنچے تو اُس کے لیے قصر کا حکم ہوگا؟ اگر سفر طویل ہو، تو کب تک قصر کرتا رہے گا؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیا:

جب گاؤں کی حد، آبادی اور گاؤں کی ضروریات کے لیے قائم کردہ تعمیرات وغیرہ سے آگے نکل

---

(۱) واعلم أن الأوقات المكروهة نوعان: الأول الشروق والاستواء والغروب. والثاني ما بين الفجر والشمس، وما بين صلاة العصر إلى الاصفرار. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۷۳، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: دار الفكر- بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۲۹، كتاب الصلاة، بيان وقت المكروه، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الثالث في الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة، ط زكريا- ديوبند ☆ الهداية شرح بداية المبتدي: ۱/ ۸۴، كتاب الصلاة، باب المواقيت، ط: ياسر نديم- ديوبند)

(۲) قوله تعالى: فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ. (۲-البقرة: ۱۸۵)

جائے تو قصر کا حکم ہے، سفر سے واپسی کے وقت بھی اسی حد پر قصر کا حکم ختم ہوگا۔[1]

ظہر، عصر اور عشاء کی نماز میں قصر کرے یعنی دو رکعت پڑھے، اُن کے علاوہ دیگر تمام نمازیں پوری پڑھے، اپنے وطن سے ۷۸ رکیلومیٹر دور کا سفر ہو، تو آدمی مسافر کہلائے گا، لہٰذا اپنی بستی ختم ہوتے ہی وہ قصر شروع کردے گا، پھر جب تک سفر میں رہے، قصر کرتا رہے، البتہ اگر دورانِ سفر کسی جگہ پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرلی، تو یہ وطنِ اقامت کہلائے گا، لہٰذا جب تک اُس جگہ مقیم رہے، پوری نماز پڑھے، ہر نماز کی سنن قبلیہ اور بعدیہ کو بھی پڑھتا رہے، خصوصاً فجر کی سنت کو ہرگز نہ چھوڑے۔[2]

جس جگہ سفر میں گیا ہے، وہاں پہنچنے کے بعد اگر پندرہ دن یا اُس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو، تو قصر کرتا رہے، اگرچہ بغیر نیت کے پندرہ دن سے زیادہ اقامت ہوجائے، پوری مدت قصر کرتا رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] شہر کے ریلوے اسٹیشن سے قصر شروع کرنا

۹۸۵- سوال: ایک شخص نے اپنا سفر شروع کیا، ابھی گھر سے نکل کر اسٹیشن پر پہنچا ہے اور وہاں وہ نماز میں قصر کرتا ہے، تو کیا ازروئے شریعت اُس کا یہ عمل صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

جو شخص ۴۸ میل تقریباً ۷۸ رکیلومیٹر کے سفر کے ارادے سے اپنے شہر سے چلا، تو اُس کے لیے قصر

---

[۱] (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر.... (قاصدا)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر، ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (ولو) كان (عاصيا بسفره)... (حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر، وإلا فيتم بمجرد نية العود... (أو ينوي)... (إقامة نصف شهر) حقيقة أو حكما... (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر (أو) نوى (فيه لكن في غير صالح)... (أو لم يكن مستقلا برأيه) كعبد وامرأة (أو دخل بلدة ولم ينوها) أي مدة الإقامة (بل ترقب السفر) غدا أو بعده (ولو بقي) على ذلك (سنين) إلا أن يعلم تأخر القافلة نصف شهر كما مر.. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۲۱-۱۲۵، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۵ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند)

[۲] (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار (لا) يأتي بها هو المختار لأنه ترك لعذر تجنيس، قيل إلا سنة الفجر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۳۱، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند)

کا حکم اُس وقت ہوگا جب کہ وہ اپنے شہر یا بستی کی فنا (ضروریاتِ شہر وبستی کے لیے تعمیر شدہ تعمیرات) سے تجاوز کر جائے، جب تک وہ فناءِ قریہ کی حدود میں ہے، قصر کی اجازت نہیں، اتمام ضروری ہے۔

مذکورۂ بالا صورت میں ریلوے اسٹیشن فناء میں داخل ہو، تو اتمام ضروری ہوگا، جیسا کہ عام طور پر اسٹیشن فناء میں داخل ہوتا ہے، کہ وہ بھی شہر کی عمارت میں سے ہے، لیکن اگر قریہ کا اسٹیشن بستی سے اِس قدر دور ہے کہ بستی کی فناء ختم ہونے کے بعد تین سو یا چار سو گز کے فاصلہ پر ہو اور دیگر عمارت اور اسٹیشن کے بیچ میں اتصالِ تعمیر نہ ہو، خلا ہی خلا ہو، تو ایسی صورت میں ریلوے اسٹیشن فناءِ شہر میں داخل نہیں ہوگا، اور اسٹیشن پہنچتے سے قصر کا حکم ہوگا۔ (درمختار مع الشامی)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] ایامِ حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے قیام کے دوران کن نمازوں میں قصر کیا جائے؟

۹۸۶- سوال: ایامِ حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے قیام کے دوران کون کون سی نمازوں میں قصر ہوگا؟ نیز مدینہ منورہ کے قیام کے دوران اور وہاں سے مکہ واپسی کی صورت میں چار رکعات والی نماز جو بغیر جماعت کے ادا کی جارہی ہو، تو اُس میں قصر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مکہ میں کوئی شخص حج کے لیے ایسے وقت میں پہنچا کہ آٹھویں ذی الحجہ اور منیٰ کے لیے روانگی تک پندرہ دِن سے کم مدت ہے، تو وہ مسافر کہلائے گا، اُس کے لیے لازم ہے کہ وہ چار رکعات والی نماز میں قصر

---

[۱] (قوله من خرج من عمارة موضع إقامته) ... وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر، وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح ... وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب، فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۲۱/۲، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر- بيروت)

عن علي بن ربيعة قال: " خرجنا مع علي بن أبي طالب رضي الله عنه متوجهين ههنا، وأشار بيده إلى الشام فصلى ركعتين ركعتين، حتى إذا رجعنا ونظرنا إلى الكوفة حضرت الصلاة، فقالوا: يا أمير المؤمنين، هذه الكوفة نتم الصلاة؟ قال: " لا، حتى ندخلها ". (السنن الكبرى- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۲۰۹/۳، رقم الحديث: ۵۴۴۸، جماع أبواب صلاة المسافر والجمع في السفر، باب: لا يقصر الذي يريد السفر حتى يخرج من بيوت القرية، ثم يقصر حتى يدخل أدنى بيوتها، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

کرے اور دو رکعات پڑھے۔ اگر حج سے پہلے مکہ میں پندرہ دِن رہنا اُس کے لیے ممکن ہے؛ لیکن اُس کا ارادہ مکہ میں پندرہ دِن رہنے کا نہیں ہے؛ بلکہ مدینہ منورہ، طائف یا جدہ یا کسی اور جگہ جانے ارادہ ہے، تب بھی مسافر کہلائے گا، اور قصر لازم ہوگا، مکہ، مدینہ یا کسی اور جگہ جب تک پندرہ دِن قیام کا ارادہ نہ ہو، اس وقت تک قصر کرتا رہے۔ (رد المحتار: ۱۲۶/۲)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] وطن اصلی کے علاوہ کسی اور جگہ دس بارہ دِن رہنے والا شخص مقیم ہوگا یا نہیں؟

۹۸۷- سوال: ایک آدمی کا مکان، کھیت اور مستقبل میں ہونے والی بیوی وطنِ اصلی میں ہے، اور اُس کے والدین وطنِ عارضی میں ہیں، تو کیا یہ شخص وطنِ عارضی میں اگر دس بارہ دِن رہنے کی نیت سے جائے، تو مقیم کہلائے گا یا مسافر؟ وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وطنِ اصلی میں رہنے کا ارادہ ہے، اُس کو ترک نہیں کرتا ہے، اور خود بالغ ہے، تو اس صورت میں

[1] (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر.... (قاصدا)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر، ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (ولو) كان (عاصيا بسفره)... (حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر، وإلا فيتم بمجرد نية العود... (أو ينوي)... (إقامة نصف شهر) حقيقة أو حكما... (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر (أو) نوى (فيه لكن في غير صالح) أو كنحو جزيرة أو نوى فيه لكن (بموضعين مستقلين كمكة ومنى) فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته لأنه يخرج إلى منى وعرفة فصار كنية الإقامة في غير موضعها وبعد عوده من منى تصح، كما لو نوى مبيته بأحدهما أو كان أحدهما تبعا للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكما. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۲۱/۲-۱۲۶)

قال ابن عابدين: (قوله فلو دخل إلخ) هو ضد مسألة دخول الحاج الشام؛ فإنه يصير مقيما حكما، وإن لم ينو الإقامة، وهذا مسافر حكما، وإن نوى الإقامة لعدم انقضاء سفره ما دام عازما على الخروج قبل خمسة عشر يوما أفاده الرحمتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۲۶/۲، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲۲۵/۲ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند)

وذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر ونوى الإقامة خمسة عشر يوما أو دخل قبل أيام العشر لكن بقي إلى يوم التروية أقل من خمسة عشر يوما ونوى الإقامة لا يصح؛ لأنه لا بد له من الخروج إلى عرفات فلا تتحقق نية إقامته خمسة عشر يوما فلا يصح. (بدائع الصنائع: ۹۸/۱، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يصير المسافر به مقيما، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

مسافر رہے گا؛ لہٰذا قصر کرے گا:

فلو كان له أبوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنا له. (ردالمحتار: ۲/۱۳۱-۱۳۲)[۱] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] ۴۸؍میل کی مسافت کا ارادہ کرنے والا دورانِ سفر پندرہ دِن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے، تو قصر کرے گا یا اِتمام؟

۹۸۸- سوال: ایک شخص گھر سے ۴۸؍میل کے سفر کی نیت سے نکلا، اور ۴۰ میل طے کرنے کے بعد کسی جگہ اُس نے پندرہ دِن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی، تو یہ شخص قصر کرے گا یا اِتمام؟ مدتِ سفر مسلسل طے کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو اُس مدت کو قطع کرنے سے قبل کسی مقام پر پندرہ دِن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی بنا پر قصر جائز نہیں ہونا چاہیے، علم الفقہ کے جزئیہ (جلد: ۲/۱۳۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری ہے:

''اگر کوئی شخص، قبل طے کرنے، مدتِ مسافت کے، جس کا اعتبار میں سفر میں کیا گیا ہے، کسی مقام میں ٹھہرنے کی یا اپنے وطن لوٹ جانے کی نیت کرے، تو وہ مقیم ہوجائے گا، کہ اُس نے اپنے ارادۂ سفر کو ختم کردیا۔''

اور البحر الرائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس مدتِ اِقامت میں وہ قصر کرے گا، لہٰذا آں جناب سے گذارش ہے کہ اِس کا جواب مع حوالۂ کتب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ۴۸؍میل کے سفر کی نیت سے نکلا، تو اپنے مقام کی فناء سے نکلنے پر احکامِ قصر نافذ ہوجائیں گے، بقاءِ احکامِ قصر کے لیے اِس سفر میں ۴۸؍میل تک جاری رہنا اِس معنی کر شرط ہے کہ ''قطعِ سفر'' یا عود الی الوطن کی نیت نہ ہو۔[۲]

---

(۱) كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: دار الفكر- بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۲، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا-ديوبند.

(۲)... والحاصل أن شروط الإتمام ستة: النية، والمدة، واستقلال الرأي، وترك السير، واتحاد الموضع، وصلاحيته، قهستاني. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ستة) زاد في الحلية شرطا آخر وهو أن لا تكون حالته منافية لعزيمته قال كما صرحوا به في مسائل اهـ أي كمسألة من دخل بلدة لحاجة ومسألة العسكر فافهم. ثم هذه شروط الإتمام بعد تحقق مدة السفر وإلا فلا، فلو عزم على الرجوع إلى بلده قبل سيره ثلاثة أيام على قصد قطع السفر فإنه يتم كما مر وكذا لو رجع إلى بلدته لأخذ حاجة نسيها كما سنذكره. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۲۸، كتاب الصلاة، باب المسافر)

چناں چہ ۴۰ رمیل کے بعد کہیں پندرہ دِن سے کم کے لیے ٹھہر گیا؛ لیکن ابھی آگے بڑھنے کی نیت برقرار ہے، تب تو احکامِ قصر باقی رہیں گے، اگر ۴۰ رمیل پر ٹھہرنے کے ساتھ یہ بھی نیت کرلے کہ اب آگے نہیں جانا ہے اور یہاں سے وطن واپس چلا جاؤں گا، تب احکامِ سفر باقی نہیں رہیں گے، ایسی نیت کرتے ہی قصر کا حکم ساقط ہوجائے گا۔ (شامی: ۲/ ۱۲۳)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] تحقق سفر کے لیے وطن ہی سے نیتِ سفر شرط ہے یا نہیں؟

۹۸۹- سوال: ایک آدمی اپنے وطن سے اتنے دور جانے کے لیے روانہ ہوا کہ وہاں جا کر وہ مسافر نہیں بنتا، یعنی ۴۸ رمیل کی مسافت سے کم ہے، پھر اُسی دِن اُس جگہ سے دوسری جگہ جانا ہوا؛ لیکن وہ جگہ بھی جہاں سے راونہ ہوا ہے، وہاں سے ۴۸ رمیل سے کم دوری پر ہے، البتہ اُس کے وطن سے ۴۸ رمیل کی مسافت پر ہے، تو اب یہ آدمی اس تیسری جگہ مسافر شمار ہوگا یا نہیں؟

مثلاً ایک شخص دیولہ سے کنتھاریہ جو کہ ۶۰ رکلومیٹر کی مسافت پر ہے روانہ ہوا، پھر اُسی دِن کنتھاریہ سے پانولی جانے کے لیے روانہ ہوا، جو کہ کنتھاریہ سے ۳۰ رکیلومیٹر کی مسافت پر ہے، تو یہ شخص کس جگہ سے مسافر شمار ہوگا؟ اپنے وطن سے یا کنتھاریہ سے روانہ ہونے کے بعد؟ اس لیے کہ یہ شخص جب گھر سے نکلا تو

---

[۱] (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر.... (قاصدا)... ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر،... (صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (ولو) كان (عاصيا بسفره)... (حتى يدخل موضع مقامه). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۲۱-۱۲۵)

قال ابن عابدين: (قوله بلا قصد) بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها، فلما بلغها بدا له أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرا. ح. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو، ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث، أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۲۲، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۲۵ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: وطن اصلی یا وطن اقامت (یعنی جہاں پندرہ یوم کے قیام کا قصد ہو) سے جب سفر شروع ہو تو دیکھنا چاہیے کہ کتنی دور چلنے کا مصمم ارادہ ہے، اگر کم از کم تین منزل چلنے کا قصد ہے، خواہ یک دم، خواہ بیچ میں ٹھہرتے ہوئے (بشرطیکہ پندرہ یوم سے کم ٹھہرنے کا قصد ہو) تو قصر کرنا یعنی چار رکعت والے فرض کو دو پڑھنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۵۰۴، سفر میں قصر و اتمام کی صورتیں، سوال نمبر: ۳۶۰۱، باب صلاۃ المسافر، ط: دار المعارف - دیوبند)

اُس کی نیت مسافتِ سفر طے کرنے کی نہیں تھی، جب وہ اپنے اخیری مقام یعنی تیسری جگہ پہنچا تو دوسری اور تیسری جگہ کے درمیان کی مسافت پورے ۴۸ / میل کی نہیں ہے، اگر چہ اُس کے وطن سے تیسری جگہ تک ۴۸ میل ہو جاتے ہیں، اگر ہم اُس کو مسافر مانتے ہیں تو فتاویٰ دار العلوم جلد چہارم صفحہ: ۴۵۴ کی عبارت سوال نمبر: ۲۲۲۱ کے جواب کے خلاف ہوتا ہے، تو جواب طلب امر یہ ہے کہ تحقق سفر کے لیے وطن ہی سے نیتِ سفر شرط ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوازِ قصر کے لیے مدتِ سفر کی نیت شرط ہے، چناں چہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسے مقام کا قصد کیا ہے جہاں تک مسافتِ سفر پوری نہیں ہوتی، تو وہ مقیم ہے، پھر اُس مقام سے روانہ ہو کر دوسری جگہ گیا، جہاں پہلے مقام سے مسافتِ سفر پوری نہیں ہوتی، اگر چہ اُس کے وطن سے مسافتِ سفر مکمل ہو جائے تب بھی یہ شخص مقیم ہی کے حکم میں رہے گا۔ (شامی: ۲/ ۱۲۱)[1]

چناں چہ اس مسئلہ میں بدائع الصنائع کی عبارت واضح ہے کہ مدتِ سفر کی نیت جوازِ قصر کے لیے شرط ہے، مذکور تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ جہاں سے مدتِ سفر کی نیت ہوگی وہاں سے مسافر شمار ہوگا۔

اِس لیے دیولہ سے کنتھاریہ تک نیتِ سفر نہ ہونے کی بنا پر مسافر نہیں ہوا، پھر جب کنتھاریہ سے پانولی کے لیے چلا، تو چوں کہ صرف ۳۰ کیلومیٹر کی مسافت ہے، اِس لیے اتمام کرے گا، لیکن اگر یہ نیت کی ہے کہ کنتھاریہ سے پانولی اور پانولی سے کسی دوسرے راستہ سے دیولہ پہنچیں گے تو اب کنتھاریہ سے وہ مسافر ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۱/ ۹۴)[2]

---

[۱] قال ابن عابدين: (قوله بلا قصد) بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها، فلما بلغها بدا له أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرا. ح. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو، ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث؛ أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۲۲، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۲۵ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند)

[۲] والثاني: نية مدة السفر لأن السير قد يكون سفرا وقد لا يكون؛ لأن الإنسان قد يخرج من مصره إلى موضع لإصلاح الضيعة، ثم تبدو له حاجة أخرى إلى المجاوزة عنه إلى موضع آخر ليس بينهما مدة سفر، ثم، وثم، إلى أن يقطع مسافة بعيدة أكثر من مدة السفر لا لقصد السفر فلا بد من النية للتمييز. (بدائع الصنائع: ۱/ ۹۴، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يصير به المقيم مسافرا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت) =

یہ تو اصل مسئلہ ہوا؛ لیکن نیت وقصدِ سفر سے کیا مراد ہے؟ تو تقریرات رافعی تکملۂ شامی صفحہ نمبر ۱۰۷[۳] پر درج ہے کہ اس قصد سے مراد غلبۂ ظن ہے، یعنی غالب گمان مراد ہے، قطعی اور یقینی طور پر مدتِ سفر کی نیت ضروری نہیں ہے، اس لیے ایسا شخص جو جانتا ہے یا اُس کا غالب گمان ہے کہ مجھے "کنتھاریہ" ہوکر "پانولی" تک جانا ہے، پھر وہ "دیولہ" سے سفر کی نیت نہ کرے، تب بھی مسافر کہلائے گا، یعنی نیت کے اصل معنیٰ "قلبی ارادہ" کا اعتبار ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] مسافر کے لیے مقیم امام کی اقتدا میں پوری نماز پڑھنا

۹۹۰- سوال: حالت سفر میں کچھ دور جانے کے بعد نماز میں قصر ضروری ہے، اب مسافر قصر کی شروعات کے بعد نماز کے وقت مسجد میں پہنچا، تو دیکھا کہ دو رکعت ہو چکی ہے، پھر وہ امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہوا۔ امام نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، تو کیا مسافر اپنی چھوٹی ہوئی دو رکعت کھڑا ہوکر پوری کرے یا دو رکعت پر ہی امام کے ساتھ سلام پھیر دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسافر اگر مقیم (چار رکعت پڑھنے والے) کی اقتدا کرے، تو اس کے لیے بھی چار رکعت پڑھنا

= اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے رقم فرمایا ہے: اگر میرٹھ زید کا وطن اصلی یا وطن اقامت ہے، اور وہاں سے صرف مظفر نگر کی نیت سے چلا، جو کہ ۳۵ میل ہے، تو وہ قصر نہیں کرے گا، پھر مظفر نگر سے دیوبند کا ارادہ ہو گیا، تو بھی قصر نہیں کرے گا، پھر دیوبند سے سہارن پور کا ارادہ ہو گیا، تب بھی قصر نہیں کرے گا، اگرچہ میرٹھ سے سہارن پور تک مسافت قصر ہے، مگر چوں کہ ابتدائے سفر کے وقت مسافت قصر کی نیت نہیں تھی، اور درمیان میں بھی کسی جگہ سے مسافت قصر کی نیت نہیں کی، جہاں سے بھی نیت کی مسافت قصر سے کم کی نیت کی۔

ضابطہ یہ ہے کہ جب سے پوری مسافت قصر کی نیت سے سفر شروع ہوگا، تب قصر لازم ہوگا، ورنہ تھوڑی تھوڑی مسافت کی نیت سے اگر تمام دنیا میں گھوم جائے، تب بھی قصر نہیں کرے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۴۸۸، باب صلاۃ المسافر، سوال نمبر: ۳۵۸۴)

[۳] (قول المصنف قاصدا إلخ) ويكفي في ذلك القصد غلبة الظن يعني إذا غلب على ظنه أنه يسافر قصر ولا يشترط فيه التيقن. اهـ. تبيين. (تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين: ۲/ ۱۳۵، باب صلاة المسافر، ط: زكريا- ديوبند)

ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين وإلا لا يترخص أبدا ولو طاف الدنيا جميعها بأن كان طالب آبق أو غريم أو نحو ذلك ويكفي في ذلك القصد غلبة الظن يعني إذا غلب على ظنه أنه يسافر قصر ولا يشترط فيه التيقن، كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر- بيروت)

ضروری ہے، مسافر پر رباعی (چار رکعت والی نماز) میں دو رکعت فرض ہے، مگر یہ حکم اس وقت ہے، جب کہ وہ تنہا نماز پڑھے؛ مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی صورت میں چار رکعت پڑھنا ضروری ہے؛ لہٰذا مسافر کو چھوٹی ہوئی دو رکعت پڑھنی پڑے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وأما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت ويتم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۳۰، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الهداية: ۱/۱۶۶، باب صلاة المسافر، ط: ياسر نديم - ديوبند)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (۶۲-الجمعۃ:۹)

باب الجمعة والعيدين

[جمعہ اور عیدین کا بیان]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الجمعة

[جمعہ کا بیان]

[۱] جمعہ کی اذان اول پر سعی واجب ہے یا اذان ثانی پر؟

۹۹۱- سوال: جمعہ کے متعلق آیت کریمہ: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ"(۱) کا مصداق جمعہ کی اذان اول ہے یا اذان ثانی؟ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ اذان اول کے بعد بھی مسجد نہیں پہنچتے ہیں اور اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، تو ان کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں خطبہ کی اذان تھی، دوسری اذان- جو جمعہ کا وقت ہونے پر دی جاتی ہے- اس کا اضافہ صحابۂ کرام کے مشورے سے خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کیا گیا۔(۲)

فقہ کی اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ تمام فقہاء کے نزدیک جمعہ میں پہلی اذان، جو منارہ پر ہوتی ہے،

---

(۱) ۶۲- الجمعۃ: ۹۔

(۲) عن الزهري، قال: سمعت السائب بن يزيد، يقول: إن الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس الإمام، يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر رضي الله عنهما، فلما كان في خلافة عثمان بن عفان رضي الله عنه، وكثروا، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۵، رقم الحديث: ۹۱۶، كتاب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، وانظر: رقم: ۹۱۲، باب الأذان يوم الجمعة، ط: البدر- ديوبند)

اسی وقت سے سعی کرنا واجب ہے اور آیت کریمہ کا مصداق یہی "اذان اول" ہے، پس اس اذان کے بعد ایسے کام کرنا، جس سے جمعہ کی سعی میں خلل ہو، جیسے کاروبار میں مشغول رہنا، ہوٹلوں اور چوراہوں پر بیٹھنا، یا مسجد کے باہر بیٹھے رہنا وغیرہ؛ سب مکروہ تحریمی ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] نماز جمعہ کی جماعت کی صحت کے لیے کتنے مقتدی کا ہونا ضروری ہے؟

۹۹۲- سوال: جمعہ کی نماز کے لیے کتنے افراد کا موجود ہونا ضروری ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

شہر، قصبہ اور بڑا گاؤں- جہاں جمعہ کی نماز جائز ہے- میں جمعہ کی صحت کے لیے امام کے علاوہ کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے۔ (عالم گیری)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ويجب السعي وترك البيع بالأذان الأول، . . . وقال الحسن بن زياد: المعتبر هو الأذان على المنارة، والأصح أن كل أذان يكون قبل الزوال فهو غير معتبر والمعتبر أول الأذان بعد الزوال سواء كان على المنبر أو على الزوراء، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۴۹، صلاة الجمعة، ط: دار الفكر)
(ووجب سعي إليها وترك البيع) ولو مع السعي، في المسجد أعظم وزرا (بالأذان الأول) في الأصح وإن لم يكن في زمن الرسول بل في زمن عثمان. (الدر المختار)
وقال ابن عابدين: (قوله ووجب سعي) لم يقل افترض مع أنه فرض للاختلاف في وقته هل هو الأذان الأول أو الثاني أو العبرة لدخول الوقت؟ بحر. ——— وحاصله أن السعي نفسه فرض والواجب كونه في وقت الأذان الأول، وبه اندفع ما في النهر من أن الاختلاف في وقته لا يمنع القول بفرضيته كصلاة العصر فرض إجماعا مع الاختلاف في وقتها (قوله وترك البيع) أراد به كل عمل ينافي السعي وخصه اتباعا للآية، نهر. (قوله: ولو مع السعي) صرح في السراج بعدم الكراهة إذا لم يشغله بحر وينبغي التعويل على الأول نهر. ——— . . . (قوله في الأصح) قال في شرح المنية. واختلفوا في المراد بالأذان الأول فقيل الأول باعتبار المشروعية وهو الذي بين يدي المنبر لأنه الذي كان أولا في زمنه- عليه الصلاة والسلام- وزمن أبي بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثاني على الزوراء حين كثر الناس. والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذي يكون على المنارة بعد الزوال. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۶۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر- بيروت)
[۲] (ومنها الجماعة) وأقلها ثلاثة سوى الإمام، كذا في التبيين. ولا يشترط كونهم ممن حضر الخطبة، كذا في فتح القدير، ولو خطب الإمام يوم الجمعة ونفر الناس وجاء آخرون وصلى بهم الجمعة أجزأهم، كذا في محيط السرخسي، والشرط فيهم أن يكونوا صالحين للإمامة، أما إذا كانوا لا يصلحون لها كالنساء والصبيان لا تصح الجمعة، كذا في الجوهرة النيرة. =

[۳] خطبہ میں ان اللہ وملئکتہ... سن کر بلند آواز سے درود پڑھنا

۹۹۳- سوال: جمعہ کے خطبہ میں خطیب آیت کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ پڑھے، جس میں درود وسلام پڑھنے کی ہدایت دی گئی ہے، تو اس موقع پر سامعین بلند آواز سے درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خطبہ کے دوران بات چیت اور نماز کی ممانعت ہے، حتیٰ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر- جو واجب ہے- کی بھی اس دوران اجازت نہیں ہے۔ (۱) اس لیے خطیب جب آیت کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ

= اگر چہ خطبہ کے وقت تین افراد حاضر نہ ہوں، صرف ایک ہی شخص ہو تب بھی اصح قول کے مطابق درست ہے:

خطب وحده أو بحضرة النساء الصحيح أنه لا يجوز، هكذا في معراج الدراية، ولو حضر واحد أو اثنان وخطب وصلى بالثلاثة جاز، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية-لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۴۶، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۵۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) عن أبي هريرة، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۷-۱۲۸، رقم الحديث: ۹۳۴، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب، ط: مكتبة البدر- ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۸۱، رقم الحديث: ۱۱- ۸۵۱، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، فصل في عدم ثواب من تكلم والإمام يخطب...، ط: البدر- ديوبند)

وفي المجتبى: الاستماع إلى خطبة النكاح والختم وسائر الخطب واجب، والأصح الاستماع إلى الخطبة من أولها إلى آخرها، وإن كان فيها ذكر الولاة اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق- زين الدين بن إبراهيم، المعروف بـ"ابن نجيم المصري" (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۱۶۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(قوله وإذا خرج الإمام فلا صلاة، ولا كلام) لما رواه ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي وابن عباس وابن عمر - رضي الله عنهم - كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام، وقول الصحابي حجة، ولأن الكلام يمتد طبعا فيخل بالاستماع والصلاة قد تستلزمه أيضا.... وأجمعوا أن الخروج قاطع للصلاة،... وفسر الشارح الخروج بالصعود على المنبر وهكذا في المضمرات وذكر في السراج الوهاج يعني خرج من المقصورة وظهر عليهم وقيل صعد المنبر، فإن لم يكن في المسجد مقصورة يخرج منها لم يترك والقراءة والذكر إلا إذا قام الإمام إلى الخطبة اهـ. (البحر الرائق: ۲/ ۱۶۷، باب صلاة الجمعة، كتاب الصلاة)

عَلَى النَّبِيِّ ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿﴾ پڑھے، تو سامعین اس آیت کو سن کر بلند آواز سے درود شریف نہ پڑھیں، بل کہ دل ہی دل میں آہستہ سے پڑھ لیں۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] جمعہ کے بعد امام سے مصافحہ کرنا

۹۹۴-سوال: جمعہ کی نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کے لیے لوگ بھیڑ لگاتے ہیں، تو یہ مصافحہ سنت ہے یا کیا ہے؟ اور اس طرح مصافحہ کا رواج بنالینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ کرنا عبادت ہے، اور ہر عبادت کے کچھ شرائط وآداب ہوتے ہیں، جن کی رعایت ضروری ہے۔

جب آدمی سفر سے آئے، تو مصافحہ کرنا سنت ہے؛ لیکن اگر کوئی آپ کے محلہ میں رہتا ہو، دن میں کئی بار اس سے ملاقات ہوتی ہو، صرف جمعہ کے دن ہی اس سے مصافحہ کیا جائے اور نہ کرنے والے پر لعن و طعن کیا جائے، یہ جائز نہیں ہے، ایسا مصافحہ بدعت ہے۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها) أي في الخطبة خلاصة وغيرها... (بلا فرق بين قريب وبعيد) في الأصح محيط... والصواب أنه يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - عند سماع اسمه في نفسه. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله في نفسه) أي بأن يسمع نفسه أو يصحح الحروف فإنهم فسروه به، وعن أبي يوسف قلبا امتثالا لأمري الإنصات والصلاة عليه - صلى الله عليه وسلم - كما في الكرماني قهستاني قبيل باب الإمامة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۵۹، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر-بيروت)

قال الكاساني: قال أبو حنيفة: إن سماع الخطبة أفضل من الصلاة على النبي - صلى الله عليه وسلم - فينبغي أن يستمع ولا يصلي عليه عند سماع اسمه في الخطبة لما أن إحراز فضيلة الصلاة على النبي - صلى الله عليه وسلم - مما يمكن في كل وقت وإحراز ثواب سماع الخطبة يختص بهذه الحالة فكان السماع أفضل.

وروي عن أبي يوسف أنه ينبغي أن يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - في نفسه عند سماع اسمه لأن ذلك مما لا يشغله عن سماع الخطبة فكان إحراز الفضيلتين أحق. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۶۴، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، حكم الخطبة، ط: دار الكتب العلمية ☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۲/ ۱۶۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

قال ابن عابدين: وكذلك إذا ذكر النبي - صلى الله عليه وسلم - لا يجوز أن يصلوا عليه بالجهر؛ بل بالقلب، وعليه الفتوى، رملي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۵۸، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة)

(۲) ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة - رضي الله =

[۵] جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے وعظ کہنا اور مقررہ وقت سے زائد لینا

۹۹۵- سوال: (۱) ہمارے یہاں جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے ہر کوئی مولوی بیان کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر جمعہ کا خطبہ ۱:۳۰ (ڈیڑھ بجے) ہو، تو کبھی وہ مولوی صاحب ۱۵ منٹ، کبھی ۲۰ منٹ زیادہ بیان کرتے ہیں اور نماز دیر سے کھڑی ہوتی ہے، تو یہ نماز قضا شمار ہوگی یا ادا؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے علم میں جمعہ میں ہر کوئی مولوی صاحب بیان کے لیے کھڑے نہیں ہوتے؛ بل کہ امام صاحب کو کمیٹی کی طرف ذمہ داری دی جاتی ہے، یا تو وہ خود بیان کرتے ہیں یا کسی معتبر و مستند عالم دین کا بیان رکھتے ہیں، الغرض کمیٹی کی منشا کے مطابق امام صاحب کی اجازت کے بعد ہی کسی عالم کا بیان ہوتا ہے۔

(۱) جب امام صاحب کی رضامندی سے وعظ کہا جاتا ہے، تو واعظ کو لوگوں کی طلب اور وقت کا خیال کر کے وعظ کہنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) بیان کا کوئی وقت ۱۵/ یا ۲۰/ منٹ مقرر کر لینا چاہیے اور واعظ کو چاہیے کہ وقت پر بیان ختم کر دے، تا کہ نمازیوں کے کام میں حرج نہ ہو؛ لیکن اگر ۱:۳۰ کی بجائے ۱:۴۵ یا ۱:۵۵ تک بیان کیا گیا، تو اس سے نماز میں فساد نہ آئے گا؛ کیوں کہ جمعہ کا وقت وہی ہے، جو ظہر کا وقت ہے، پس نماز ادا شمار ہوگی نہ کہ قضا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

= تعالی عنهم - ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض اهـ ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة ،لا أصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعلها أولا، ويعزر ثانيا، ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع، إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه ،لا في أدبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة اهـ.(رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۱/۶، الحظر والإباحة، باب الاستبراء، ط: دار الفكر - بيروت☆ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۷۴/۹، باب المصافحة والمعانقة، ط: مكتبة امدادية-ملتان)

(۱) عن أبي وائل، قال: كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن لوددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها، مخافة السآمة علينا ".(صحيح البخاري: ۱۶/۱، كتاب العلم، باب من جعل لاهل العلم اياما معلومة، ط: البدر - ديوبند)

[۶] جمعہ سے قبل بیان ثابت ہے، بدعت نہیں ہے

۹۹۶-سوال: جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے بیان کے متعلق بہت سے علماء کو جب کہا گیا، تو ان کا کہنا یہ ہے کہ نماز کے بعد لوگ وعظ سننے کے لیے بیٹھتے نہیں ہیں، تو ان کا اگر یہ تاثر ہو، تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ لوگوں میں وعظ سننے کا شوق نہیں ہے، اس سے اکتا گئے ہیں، گویا نماز سے پہلے وعظ کر کے علماء ان کو مجبور کرتے ہیں، زبردستی ان کو وعظ سناتے ہیں، ان کے سر تھوپتے ہیں، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ایک مقولہ ہے ''ہر کسی عالم کی ذہنی غلامی کا شکار نہ ہونا چاہیے'' مگر یہاں علماء لوگوں کو ذہنی غلامی کا شکار بناتے ہیں۔ یہ واعظ لوگ، کام کاج والوں کو، بوڑھوں کو، معذوروں اور بیماروں کو بیٹھا کر گھنٹہ دو گھنٹہ بیان کرتے رہتے ہیں، اور ان پر ایک قسم کا ظلم کرتے ہیں، کسی کو دکان کا، تو کسی کو کھیتی کا، تو کسی کو آفس کا، تو کسی کو کچھ اور کام ہوتا ہے، ان سننے والوں پر کیا گذرتی ہے، وہ تو جو سہن (براداشت) کرتا ہے، وہی جانتا ہے، ان وعظ کہنے والوں کو اس کا کیا اندازہ؟ میرے اس سوال کا جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کی اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ: علماء لوگوں کو ذہنی غلامی کا شکار بناتے ہیں؛ حالاں کہ بات ایسی نہیں ہے، قرآن وحدیث اور اکابر علماء کی نظر میں جمعہ کے دن کی کیا اہمیت ہے؟ اور لوگ کس راہ پر جا رہے ہیں؟ کیا آپ نے ان باتوں کا کبھی اندازہ لگایا؟ —— پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔[۱]

---

[۱] (قوله الجماعة سنة) لا يطابق دليله الذي ذكره الدعوى، إذ مقتضاه الوجوب إلا لعذر، إلا أن يريد ثبوتها بالسنة. وحاصل الخلاف في المسألة أنها فرض عين إلا من عذر، وهو قول أحمد وداود وعطاء وأبي ثور، وعن ابن مسعود وأبي موسى الأشعري وغيرهما: من سمع النداء ثم لم يجب فلا صلاة له، وقيل على الكفاية، وفي الغاية قال عامة مشايخنا: إنها واجبة، وفي المفيد أنها واجبة، وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة. وفي البدائع: يجب على العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الجماعة من غير حرج. (فتح القدير: ۱/۳۴۶-۳۴۵، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۵۶، باب الإمامة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

ولو تركها أهل مصر يؤمرون بها، فإن قبلوا وإلا يقاتلون عليها لأنها من شعائر الإسلام. (الاختيار لتعليل المختار- عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي (م: ۶۸۳ھ): ۱/۵۷، باب صلاة الجماعة، ط: مطبعة الحلبي)

جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[۲] قرآن کریم میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩﴾[۳]

کہ اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لیے اذان کہی جایا کرے، تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دیگر مشاغل، جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیوں کہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا فانی)

جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی (ساعت) آتی ہے، جس میں انسان جو بھی دعا کرے، قبول ہوتی ہے۔ (بخاری، حدیث: ۸۸۳، الساعة التی فی یوم الجمعة)[۴]

جمعہ کی نماز کو سنن و آداب کی رعایت کے ساتھ ادا کی جائے، تو پچھلے دس دن کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (بخاری، حدیث: ۸۴۳، باب الدھن للجمعة)[۵]

علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ جمعہ کا دن ہفتہ کے دنوں کا سردار ہے اور رمضان کا مہینہ

(۲) وقوله تعالى وذروا البيع، قال أبو بكر: اختلف السلف في وقت النهي عن البيع، فروي عن مسروق والضحاك ومسلم بن يسار أن البيع يحرم بزوال الشمس، وقال مجاهد والزهري: يحرم بالنداء، وقد قيل: إن اعتبار الوقت في ذلك أولى، إذ كان عليهم الحضور عند دخول الوقت، فلا يسقط ذلك عنهم تأخير النداء، ولما لم يكن للنداء قبل الزوال معنى، دل ذلك على أن النداء الذي بعد الزوال، إنما هو بعد ما قد وجب إتيان الصلاة، واختلفوا في جواز البيع عند نداء الصلاة، فقال أبو حنيفة وأبو يوسف وزفر ومحمد والشافعي: البيع يقع مع النهي، وقال مالك: البيع باطل. (أحكام القرآن-أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰هـ): ۳۴۱/۵، الجمعة: ۹، ت: محمد صادق القمحاوي، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۳) ۶۲ - الجمعة: ۹.

(۴) عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر يوم الجمعة، فقال: فيه ساعة، لا يوافقها عبد مسلم، وهو قائم يصلي، يسأل الله تعالى شيئا، إلا أعطاه إياه، وأشار بيده يقللها. (صحيح البخاري: ۱۲۸/۱، كتاب الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة، ط: البدر - ديوبند)

(۵) عن سلمان الفارسي، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: «لا يغتسل رجل يوم الجمعة، ويتطهر ما استطاع من طهر، ويدهن من دهنه، أو يمس من طيب بيته، ثم يخرج فلا يفرق بين اثنين، ثم يصلي ما كتب له، ثم ينصت إذا تكلم الإمام، إلا غفر له ما بينه وبين الجمعة الأخرى». (صحيح البخاري: ۱۲۱/۱، باب الدهن للجمعة، كتاب الجمعة)

تمام مہینوں کا سردار ہے۔[۶] پس جمعہ کا دن جیسا گذرے گا، باقی دن بھی ویسے گذریں گے اور رمضان کا مہینہ جیسا گذرے گا، باقی گیارہ مہینے بھی ویسے گذریں گے۔

اس لیے علماء نے سوچا کہ ہفتہ میں ایک دن یا کم از کم مہینہ میں دو جمعے ایسے گذریں کہ ان میں لوگ دین کی باتیں سنیں اور آخرت کی طرف توجہ کریں، اس فانی دنیا سے دل ہٹا کر تھوڑے وقت کے لیے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سننے میں مشغول رہیں۔

خطبہ سے پہلے وعظ کہنا حضرات صحابہؓ سے ثابت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے احادیث بیان کرتے تھے، اس کے بعد حضرت عمرؓ خطبہ دیتے تھے۔(مستدرک حاکم :۱/ ۱۰۸)[۷]

اسی طرح حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت تمیم داریؓ خطبہ سے پہلے بیان کیا کرتے تھے۔(مسند امام احمد بن حنبل :۱/ ۴۴۹)[۸]

علامہ زبیدی (احیاء العلوم کے شارح) تحریر فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت سائبؓ، حضرت عبداللہ بن بسر، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ جمعہ سے پہلے دینی مجلس کو جائز کہتے تھے۔(شرح احیاء علوم الدین: ۳/ ۲۷۷)[۹]

---

(۶)زاد المعاد في هدي خير العباد-ابن قيم الجوزية (م:۷۵۱هـ):۱/ ۳۶۴، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ط:مؤسسة الرسالة، بيروت-مكتبة المنار الإسلامية، الكويت.

[۷]عن عاصم بن محمد بن زيد، عن أبيه، قال: كان أبو هريرة يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر فيطرح أعقاب نعليه في ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر، يقول: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم، قال محمد صلى الله عليه وسلم: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، ثم يقول في بعض ذلك: ويل للعرب من شر قد اقترب، فإذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه، هكذا وليس الغرض في تصحيح حديث "ويل للعرب من شر قد اقترب" فقد أخرجاه، إنما الغرض فيه استحباب رواية الحديث على المنبر قبل خروج الإمام. (المستدرك على الصحيحين- أبو عبد الله الحاكم، النيسابوري المعروف بـ'ابن البيع' (م:۴۰۵هـ):۱/ ۱۹۰، رقم الحديث: ۳۶۷، كتاب العلم، ومنهم يحيى بن أبي المطاع القرشي، ت:مصطفى عبد القادر عطا، ط:دار الكتب العلمية-بيروت)

عن محمد بن هلال، عن أبيه، قال: كان أبو هريرة، يحدثنا يوم الجمعة حتى يخرج الإمام. (مصنف ابن أبي شيبة:۱/ ۴۶۸، رقم الحديث: ۵۴۱۱، الحديث يوم الجمعة قبل الصلاة، ت: كمال يوسف الحوت)

(۸)ر: مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۴/ ۳۸۹، وما بعدها، رقم الحديث: ۱۵۷۱۵، ۱۵۷۱۶، ط: الرسالة: بيروت.

[۹]قد روى ابن أبي شيبة جواز ذلك عن السائب وعبد الله بن بسر وابن عمر وأبي هريرة. (إتحاف السادة=

لہٰذا جمعہ سے پہلے علماء کا جو بیان ہوتا ہے اور دینی باتیں ومسائل بیان کیے جاتے ہیں، وہ بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک دینی بات اور مسئلہ کا جاننا ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰) [۱۰]

فتاویٰ عالم گیری میں لکھا ہے کہ کسی علمی بات میں غور وفکر کرنا، پانچ ہزار مرتبہ قل ہو اللہ (سورۂ اخلاص) پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ [۱۱] اور ایک حدیث میں ہے کہ دینی مسائل سیکھنے کا ایک دن، دس ہزار سال کی عبادت وبندگی سے بہتر ہے۔ [۱۲] (فتاویٰ ہندیہ: ۱/ ۱۵۰)

پس ان فضائل کے پیش نظر خطبہ سے پہلے بیان کرنا مستحب اور ثواب کا کام ہے، ہر مسلمان کا دینی تقاضہ ہونا چاہیے کہ جمعہ سے پہلے بیان کے لیے امام صاحب سے درخواست کرے کہ یا تو وہ خود بیان کریں یا کسی مستند ومعتبر عالم دین کا انتخاب فرمائیں، تا کہ مخلوق خدا ان کے بیان کو سن کر اپنے ایمان کو مضبوط بنائیں۔

افسوس کی بات ہے کہ مغربی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے دینی مزاج بگڑ گیا ہے، جس کی وجہ سے بعض لوگ بیان ووعظ سے نفرت کرتے ہیں اور اس کو ذہنی غلامی سمجھتے ہیں، ایسا گمان نہایت نقصان دہ ہے، یورپ کے رہنماؤں نے لوگوں میں جو آزادی پیدا کی ہے، وہ دین سے آزاد ہوجانا ہے اور سنت نبوی سے نفرت کرنا ہے، جب کہ قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے: وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰـكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (۱۳) ـــــــ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن چیزوں کے کرنے کا حکم فرمائیں، ان کو بجالاؤ اور جن چیزوں سے منع کریں، ان سے رک جاؤ۔

= المتقين بشرح إحياء علوم الدين-محمد بن محمد الحسيني الزبيدي الشهير بـ 'مرتضى الزبيدي' (م: ۱۲۰۵ھ =۱۷۹۰م): ۳/ ۲۷۷، ط: مؤسسة التاريخ العربي - بيروت☆مصنف ابن أبي شيبة: ۱/ ۴۶۸، رقم الحديث: ۵۴۰۹ تا ۵۴۱۲، الحديث يوم الجمعة قبل الصلاة، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

[۱۰] عن أبي ذر، قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أبا ذر، لأن تغدو فتعلم آية من كتاب الله، خير لك من أن تصلي مائة ركعة، ولأن تغدو فتعلم بابا من العلم، عمل به أو لم يعمل، خير من أن تصلي ألف ركعة. (سنن ابن ماجه، ص: ۲۰، رقم الحديث: ۲۱۹، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه، ط: البدر - ديوبند)

[۱۱] وعن ابن مقاتل النظر في العلم أفضل من قراءة {قل هو الله أحد} خمسة الاف مرة كذا في التتارخانية. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۷۹، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱۲] لم أجد هذا الشطر في الفتاوى الهندية.

(۱۳) ۵۹- الحشر: ۷۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے :"علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين ".
(ابوداود، حدیث:۳۹۹۱، السنۃ)[۱۴] تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑلو۔

اسلام کا معنیٰ ہی ہے ماننا اور فرماں برداری کرنا، رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل کیے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، ایمان لانے کے بعد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی پر کام یابی کا مدار ہے۔ اور علماء اسی ذہنی غلامی (جسے صحیح معنوں میں دینی غلامی کہا جائے، جو درحقیقت اطاعت وبندگی کی واضح علامت ہے) کی طرف بلاتے ہیں، اپنی غلامی کی طرف کوئی نہیں بلاتا، لہٰذا خطبہ سے پہلے بیان یا وعظ بلاشبہ جائز ہے۔

البتہ اتنا لمبا بیان کرنا کہ لوگوں کو پریشانی ہو اور ان کے کاموں میں حرج ہو، درست نہیں، اس سے اجتناب ضروری ہے، اسی طرح کبھی کبھار جمعہ کا بیان ترک بھی کردیا جائے، تاکہ لوگ اس کو ضروری نہ سمجھ بیٹھیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ امام صاحب یا کمیٹی والے یا ذمہ داران کوئی وقت بیان کا مقرر کردیں، تاکہ خطیب اپنا بیان لمبا کرکے لوگوں کو تکلیف میں نہ ڈالے، اور وقت پر بیان ختم ہوکر خطبہ اور نماز شروع ہوجائے۔[۱۵]
فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] جمعہ میں خطبہ سے پہلے تقریر کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

۷۹۹- سوال: خطبہ سے پہلے تقریر کرنا کیسا ہے؟ بعض عرب حضرات کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔

الجواب حامداومصليا:

جائز ہے، اور صحابۂ کرام کے عمل سے ثابت ہے، فتاویٰ رحیمیہ، جو انگریزی میں بھی چھپی ہوئی ہے،

(۱۴) سنن أبي داود: ۲/ ۶۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۷، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ط: البدر - ديوبند☆سنن الترمذي: ۲/ ۹۱، رقم الحديث: ۲۶۷۶، أبواب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع☆سنن ابن ماجه، ص: ۵، رقم الحديث: ۴۲، ۴۳، افتتاح الكتاب، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين.

(۱۵) عن أبي وائل، قال: كان عبدالله يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل: يا أبا عبدالرحمن لوددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها، مخافة السآمة علينا ". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶، كتاب العلم، باب من جعل لاهل العلم اياما معلومة، ط: البدر - ديوبند)

اس میں ملاحظہ فرمائیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] جمعہ کے خطبہ سے پہلے کس موضوع پر بیان کرنا چاہیے؟

۹۹۸- سوال: ہمارے یہاں جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے خطبہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اس ترجمہ میں نصیحت کے طور پر کچھ خارجی باتیں- جو خطبہ میں نہ ہوں- بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً آج کل مسلمان ہندوؤں کے تہوار میں شریک ہوتے ہیں، ان کی ہولی، دیوالی، اور نوراتری وغیرہ میں جاتے ہیں؛ بل کہ نوراتری میں تو مسلمان لڑکیاں ان کے ناچ میں بھی شریک ہوتی ہیں، تو اس طرح کی معاشرتی برائیوں سے لوگوں کو متنبہ کرنا اس ترجمہ میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ سے پہلے خطیب کا وعظ ونصیحت کرنا جائز؛ بل کہ مستحسن ہے، اور جو خطبہ عربی میں ہے، اسی کا ترجمہ ضروری نہیں، خطیب کو جو موضوع مناسب لگے، اس پر وہ تقریر کر سکتے ہیں۔

آپ نے جن موضوعات کا سوال میں ذکر کیا ہے، ان پر وعظ کہنا بہت ہی ضروری ہے، بعض جگہوں پر تو مسلمانوں کا ایمان خطرے میں ہے، ان کے ایسے کرتوت ہیں کہ ایمان سے نکل جانے کا اندیشہ ہے، پس ان چیزوں سے انہیں متنبہ کرنا ضروری ہے، تا کہ ان کا ایمان محفوظ ہو جائے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) مسئلہ کی تفصیل وتخریج کے ملاحظہ فرمائیں عنوان: ''جمعہ سے قبل بیان ثابت ہے، بدعت نہیں ہے''۔

(۲) عن تميم الداري أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: الدين النصيحة، قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۴، رقم الحديث: ۹۵- (۵۵)، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ط: مختار اينڈ كمپني- ديوبند) ______ قال النووي: وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا ولاة الأمر فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم وكف الأذى عنهم فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ويعينهم عليه بالقول والفعل وستر عوراتهم وسد خلاتهم ودفع المضار عنهم وجلب المنافع لهم وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص والشفقة عليهم وتوقير كبيرهم ورحمة صغيرهم... قال ابن بطال رحمه الله في هذا الحديث: ... النصيحة فرض يجزي فيه من قام به ويسقط عن الباقين، قال: والنصيحة لازمة على قدر الطاقة ،إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ،ويطاع أمره، وأمن على نفسه المكروه، فإن خشي على نفسه أذى، فهو في سعة، والله أعلم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۲/ ۳۹، باب بيان أن الدين النصيحة، ط: دار إحياء التراث العربي)

=

[۹] جمعہ کے دن اذان اور خطبہ کے درمیان وعظ کا حکم

۹۹۹- سوال: جمعہ کے دن جمعہ کی اذان اور خطبہ کے درمیان امام صاحب وعظ کہتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے؟ حالاں کہ اذان اور خطبہ کے درمیان لوگ سنتیں پڑھتے ہیں، تو کیا اس میں خلل واقع نہ ہوگا؟ اور کیا اذان اور خطبہ کے درمیان وعظ کیا جائے، یہ بہتر ہے یا جمعہ کی نماز اور دعا کے بعد کیا جائے، وہ بہتر ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً

جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے وعظ اور تقریر کرنا جائز ہے، لوگوں کے جمع ہونے پر خطبہ سے پہلے وعظ کرنے میں زیادہ فائدہ ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد وعظ کہنے پر لوگ اپنے کام کی وجہ سے روانہ ہو جائیں گے؛ اس لیے خطبہ سے پہلے بیان بہتر ہے۔

وعظ شروع ہونے کے بعد آنے والوں کی نماز میں خلل ہو، تو وہ بھی وعظ میں شریک ہو جائیں

= عن أبي وائل، قال: كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن، لوددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها، مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاري: ۱/۱۶، رقم الحديث: ۷۰، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة، ط: البدر - ديوبند)

الثالثة والثلاثون: إنه يوم اجتماع الناس وتذكيرهم بالمبدأ والمعاد، وقد شرع الله سبحانه وتعالى لكل أمة في الأسبوع يوما يتفرغون فيه للعبادة ويجتمعون فيه لتذكر المبدأ والمعاد، والثواب والعقاب، ويتذكرون به اجتماعهم يوم الجمع الأكبر قياما بين يدي رب العالمين، وكان أحق الأيام بهذا الغرض المطلوب اليوم الذي يجمع الله فيه الخلائق، وذلك يوم الجمعة. (زاد المعاد في هدي خير العباد- شمس الدين ابن قيم الجوزية (م: ۷۵۱ھ): ۱/۴۰۷، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت - مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ رقم طراز ہیں: رہا خصوصیت کے ساتھ نماز جمعہ اور خطبہ سے قبل یا بعد نماز جمعہ، سو اس سے متعلق انکار کسی جگہ وارد نہیں، بل کہ اصل یہ ہے کہ جس وقت سہولت سے آدمی جمع ہو جائیں، یا جس وقت ضرورت پیش آئے، اسی وقت اس فریضۂ تبلیغ کو ادا کرنی چاہیے، جمعہ کا دن اجتماع مسلمین کا دن ہوتا ہے، اس لیے اس دن کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸/۲۶۵، خطبہ سے پہلے اردو میں وعظ، ط: دار المعارف - دیوبند)

اور وعظ کے بعد پانچ منٹ کا وقت سنتوں کے لیے دیا جائے، تاکہ بعد میں آنے والے سنتیں پڑھ لیں، اس طرح نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] جمعہ کی نماز کے لیے عمامہ باندھنا

۱۰۰۰- سوال: میں ہر جمعہ کو جب گھر سے مسجد نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہوں، تو عمامہ باندھ کر جاتا ہوں اور نماز پڑھ کر جب گھر آتا ہوں، تو عمامہ کھول دیتا ہوں، گھر سے مسجد سات آٹھ منٹ کا راستہ ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ خاص جمعہ کو عمامہ باندھنا بدعت ہے، تو اس سلسلہ میں شریعت کی روشنی میں صحیح رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمامہ باندھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، تو مبارک سر پر، کالا عمامہ تھا۔[۲]

ایک حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، اگر خوشبو موجود ہو اور جمعہ کے لیے نکلا، اس حال میں کہ لوگوں کی گردنوں کو اس نے نہیں پھلانگا، اس کے بعد اس نے نماز پڑھی اور خاموش رہا، جب امام خطبہ کے لیے نکلا، تو اس کا یہ عمل گزشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک کے جتنے (صغیرہ) گناہ ہوں گے، سب کے لیے کفارہ بن جائے گا۔ (ابوداؤد شریف)[۳]

---

(۱) مسئلہ کی تفصیل وتخریج کے ملاحظہ فرمائیں عنوان: ''جمعہ سے قبل بیان ثابت ہے، بدعت نہیں ہے'' اور ''جمعہ کے خطبہ سے پہلے کس موضوع پر بیان کرنا چاہیے؟''

(۲) عن جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل يوم فتح مكة، وعليه عمامة سوداء. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۳۹، رقم الحديث: ۱۳۵۸، كتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن أبي سعيد الخدري، وأبي هريرة، قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من اغتسل يوم الجمعة ولبس من أحسن ثيابه، ومس من طيب إن كان عنده، ثم أتى الجمعة فلم يتخط أعناق الناس، ثم صلى ما كتب الله له، ثم أنصت إذا خرج إمامه ؛حتى يفرغ من صلاته، كانت كفارة لما بينها وبين جمعته التي قبلها». (سنن ابو داؤد: ۱/ ۱۵۴، رقم الحديث: ۳۴۳، باب الغسل يوم الجمعة، ط: البدر - ديوبند)

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کسی میں استطاعت ہو تو روزانہ کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے ایک مخصوص کپڑے کا جوڑ اپنائے رکھے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن ماجہ)[1]

ان تمام روایات سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں: (۱) عمامہ باندھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (۲) ممکن ہو تو ایک عمدہ جوڑا کپڑے کا استطاعت کے موافق بنا کر رکھے اور ہر جمعہ کو نیز ایک روایت کے بموجب عیدین میں اس کو پہنے، کہ یہ بہتر ہے۔ (۳) جمعہ کے دن اچھے وعمدہ کپڑے پہنے۔

لہٰذا اگر آپ جمعہ یا عیدین میں اچھے کپڑے پہنتے ہیں، اور عمامہ باندھتے ہیں، تو یہ عین سنت ہے، اس کو بدعت کہنا جائز نہیں، البتہ اگر سنت کو ضروری سمجھ لیا جائے گا اور دوسرے لوگ- جو عمامہ نہیں باندھتے ہیں- ان پر تنقید کی جائے، تو یہ عمل بدعت بن جائے گا۔[2] پس آپ جب تک مذکورہ احادیث کے پیش نظر اس کو سنت زائدہ (مستحب) سمجھ کر کریں گے، جائز ہوگا اور بدعت کہنے والے غلطی پر ہیں، اور غلط مسئلہ بتانا گناہ کا کام ہے اور ایسے جاہل مفتی- جو سنت کو بدعت بتلا رہے ہیں- کا پیدا ہونا، قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا

۱۰۰۱- سوال: ہمارے یہاں امام صاحب جمعہ کے خطبہ میں کبھی ہاتھ میں عصا لیتے ہیں اور کبھی نہیں لیتے ہیں، تو شرعاً خطبہ کے وقت عصا لینے کے متعلق کیا حکم ہے؟ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ اور عیدین کے خطبہ میں عصا لینے کے متعلق درمختار میں خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے مکروہ

---

(۱) عن عبد الله بن سلام، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول على المنبر في يوم الجمعة: ما على أحد كم لو اشترى ثوبين ليوم الجمعة، سوى ثوب مهنته. (ابن ماجہ، ص: ۷۷، رقم الحديث: ۱۰۹۵، باب ما جاء في الزينة يوم الجمعة، ط: أشرفي - ديوبند، ورواه أيضا عن عائشة - رضي الله عنها، برقم: ۱۰۹۶، ☆ سنن أبي داود: ۱/ ۱۵۴، رقم الحديث: ۱۰۷۸، باب اللبس للجمعة، ط: البدر - ديوبند)

(۲) قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. (فتح الباری - ابن حجر العسقلاني: ۲/ ۳۲۸، كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، ط: دار المعرفة - بيروت)

لکھا ہوا ہے۔ [۱] اسی طرح عالم گیری میں بھی اس کو مکروہ لکھا ہے۔ [۲] لیکن طحطاوی میں سنت لکھا ہے۔ [۳] شامی میں بھی اس کا سنت ہونا مذکور ہے۔ [۴] اور یہی (سنت ہونے کی بات) صحیح ہے؛ کیوں کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں عصا یا کمان کا سہارا لیتے تھے۔ [۵] مذکورہ اختلاف میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ عصا ہاتھ میں لینا سنن زوائد میں سے ہے؛ لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جائے اور نہ لینے پر لعن طعن ہو، تو عصا لینا مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ سنت کو ضروری سمجھنے سے شریعت کی حدیں ٹوٹتی ہیں۔

اسی بناء پر علماء نے لکھا ہے کہ امر مستحب پر اصرار بدعت ہے، جس کو ترک کرنا لازم ہے۔ [۶] لہٰذا سوال میں آپ نے جو صورت بیان کی ہے کہ امام صاحب گاہے گاہے عصا لیتے ہیں اور گاہے نہیں لیتے ہیں، تو وہ صحیح

(۱، ۴) وفي الخلاصة: ويكره أن يتكئ على قوس أو عصا. (الدر المختار) ——— وقال ابن عابدين: (قوله وفي الخلاصة إلخ) استشكله في الحلية بأنه في رواية أبي داود: أنه - صلى الله عليه وسلم - قام: أي في الخطبة متوكئا على عصا أو قوس. اهـ. ونقل القهستاني عن المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۶۳، باب الجمعة، ط: دار الفكر)

(۲) ويكره أن يخطب متكئا على قوس أو عصا، كذا في الخلاصة، وهكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۸، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر)

(۳) وفيه إشارة إلى أنه يكره الإتكاء على غيره كعصا وقوس خلاصة؛ لأنه خلاف السنة محيط وناقش فيه ابن أمير حاج بأنه ثبت أنه صلى الله عليه وسلم قام خطيبا بالمدينة متكئا على عصا أو قوس كما في أبي داود وكذا رواه البراء بن عازب عنه صلى الله عليه وسلم وصححه ابن السكن. (حاشية الطحطاوي على المراقي - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۱۳ھ)، ص: ۵۱۵، باب الجمعة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۵) عن شعيب بن رزيق الطائفي، قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقال له: الحكم بن حزن الكلفي، فأنشأ يحدثنا، قال: وفدت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم سابع سبعة - أو تاسع تسعة - فدخلنا عليه، فقلنا: يا رسول الله، زرناك فادع الله لنا بخير، فأمر بنا، أو أمر لنا بشيء من التمر، والشأن إذ ذاك دون، فأقمنا بها أياما شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متوكئا على عصا، أو قوس، فحمد الله وأثنى عليه... الحديث. (سنن أبي داود: ۱/ ۱۵۶، رقم الحديث: ۱۰۹۶، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، ط: البدر - ديوبند)

(۶) قال ابن حجر في شرحه: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء، أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته، والله أعلم. (فتح الباري - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): ۲/ ۳۳۸، قوله باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، رقم الحديث: ۸۵۲، ط: دار المعرفة - بيروت)

کرتے ہیں؛ کیوں کہ ہر جمعہ میں عصا لینے سے عوام اس کو ضروری سمجھنے لگے گی، پس کبھی نہ لے، تو اس کی گنجائش ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] جمعہ کے دن خطبہ دیتے وقت خطیب کا عصا کو ہاتھ میں لینا

۱۰۰۲- سوال: جمعہ کی نماز میں خطبہ کے وقت امام صاحب کے لیے عصا ہاتھ میں پکڑنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصليا:

جمعہ کے خطبہ میں امام صاحب کا ہاتھ میں عصا پکڑنا مستحب ہے؛ لیکن اس کو ضروری سمجھ لینا غلط ہے، اگر لوگ ضروری سمجھتے ہوں، تو نہ پکڑے اور اگر ضروری نہ سمجھتے ہوں، تو پکڑنا مستحب ہے۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۱۶۳)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] خطبہ جمعہ میں امام کا عصا لے کر کھڑا ہونا

۱۰۰۳- سوال: کیا جمعہ کے خطبے میں امام کے لیے ہاتھ میں عصا لے کر کھڑا ہونا ضروری ہے؟ عصا کا کیا درجہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خطبہ کے وقت عصا یا تلوار ہاتھ میں لینا واجب اور ضروری نہیں ہے، خطبہ کی صحت کا مدار اُس پر نہیں ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ خطبے کے وقت عصا پکڑنا مستحب ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وفي الخلاصة: ويكره أن يتكئ على قوس أو عصا. (الدر المختار) ـــــــــ وقال ابن عابدين: (قوله وفي الخلاصة إلخ) استشكله في الحلية بأنه في رواية أبي داود: أنه -صلى الله عليه وسلم- قام: أي في الخطبة متوكئا على عصا أو قوس. اهـ. ونقل القهستاني عن المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۶۳، باب الجمعة، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا''

(۲) قد تقدم تخريجه عن سنن أبي داؤد (۱/ ۱۵۶، رقم الحديث: ۱۰۹۶، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، ط: ديوبند) وحاشية الطحطاوي على المراقي (ص: ۵۱۵، باب الجمعة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية) و الفتاوى الهندية (۱/ ۱۴۸، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر) و رد المحتار على الدر المختار (۲/ ۱۶۳، باب الجمعة، ط: دار الفكر) تحت عنوان: ''خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا''

[۱۴] خطبۂ جمعہ کے دوران امام کا عصا پکڑنا

[۱۵] سنتِ مؤکدہ، غیر مؤکدہ اور مباح کے معنیٰ

۱۰۰۴- سوال: (الف) ایک مسجد کے امام صاحب بعض مرتبہ خطبۂ جمعہ میں عصا ہاتھ میں لیتے ہیں، اور بعض جمعہ میں عصا نہیں پکڑتے، تو عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھنا مسنون ہے یا مستحب؟ عصا چھوڑ دینے کی وجہ سے امام گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ تفصیلاً رہنمائی فرمائیں۔

(ب): ایک مرتبہ جب امام صاحب جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، اُس دوران ایک شخص نے کھڑے ہو کر بہ آوازِ بلند امام صاحب سے کہا کہ عصا ہاتھ میں لیجیے، عصا لے کر خطبہ پڑھنا سنت ہے، تو کیا اس طرح خطبے کے دوران بات کرنا جائز ہے؟ جمعہ کا خطبہ شروع ہونے کے بعد سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(ج): جب عصا پکڑنے کے متعلق بحث ہوئی کہ عصا پکڑنا مسنون ہے، تو امام صاحب نے فرمایا کہ سنت غیر مؤکدہ ہے، اور سنتِ غیر مؤکدہ اور مستحب دونوں ایک ہی ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟ یا دونوں میں کچھ فرق ہے؟ سنتِ مؤکدہ، غیر مؤکدہ اور مستحب وغیرہ کے درجات کیا ہیں؟ بالتفصیل سمجھائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) جو علاقے جہاد کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں اُن میں تلوار ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا مستحب ہے۔[1]

لہٰذا عصا پکڑنا مستحب ہے، ضروری نہیں ہے۔[2]

(ب): جب امام خطبہ کے لیے نکلے، تو کوئی بھی نماز یا بات جائز نہیں ہے۔[3]

---

(۱) ویتقلد الخطیب السیف في کل بلدة فتحت بالسیف، کذا في شرح الطحاوي. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۸، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفکر)

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا''۔

(۳) وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا کلام. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۷، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفکر ☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۱۹۰، باب الجمعة، ط: دار الفکر)

"وإذا خرج الإمام یوم الجمعة ترك الناس الصلاة والکلام حتی یفرغ من خطبته". (الهدایة في شرح بدایة المبتدي- علي بن أبي بکر المرغیناني (م: ۵۹۳ھ): ۱/۸۳، باب صلاة الجمعة، ط: دار احیاء التراث العربي)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کے دوران بات کی، وہ اُس گدھے جیسا ہے، جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، اور وہ شخص جو اُس سے کہے کہ خاموش رہ، اُس کو جمعہ کی فضیلت کا کوئی حصہ نصیب نہ ہوگا۔[۴]

نیز ایک روایت میں ہے کہ جس نے کسی بات کرنے والے سے کہا کہ : خاموش رہ، اُس نے بھی لغو بات کی۔[۵]

اِن روایاتِ حدیث وفقہ کے پیش نظر اگر کوئی شخص دو خطبوں کے درمیان کھڑا ہو کر امام سے عصا پکڑنے کے لیے کہے، تو وہ بہت بڑا گنہگار ہے؛ اس لیے کہ متعدد احادیث میں یہ مروی ہے کہ کسی بات کرنے والے کو خاموش کرنا بھی لغو کام ہے، حالاں کہ عام احوال میں تبلیغ ہر شخص کا فریضہ ہے، اُس سے بھی خطبہ کے دوران منع فرمایا گیا، جس سے انصات یعنی خاموش رہ کر خطبہ سننے کا وجوب مستفاد ہوتا ہے۔[۶]

دوسرا گناہ یہ ہے کہ امام کی برسرِ عام توہین کی ہے، جو فسادِ عام کا سبب اور ایذاءِ مسلم ہے، اور ایذاءِ مسلم حرام ہے۔[۷] لہٰذا ایسے شخص کو امام صاحب کے پاس معافی مانگنی چاہیے۔

---

(۴) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من تكلم يوم الجمعة والإمام يخطب، فهو كمثل الحمار يحمل أسفارا، والذي يقول له: أنصت، ليس له جمعة ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱هـ): ۳/ ۷۵، رقم الحديث: ۲۰۳۳، مسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب، عن النبي صلى الله عليه وسلم، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة)

(۵) ... سعيد بن المسيب، أن أبا هريرة، أخبره: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب، فقد لغوت ". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۷ - ۱۲۸، رقم الحديث: ۹۳۴، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۸۱، رقم الحديث: ۱۱ - (۸۵۱)، باب في الإنصات يوم الجمعة في الخطبة، ط: البدر - ديوبند)

(۶) (واستقبلوه مستمعين) منصتين سواء كانوا قريبين أو بعيدين في الأصح فلا يشمتون عاطسا ولا يردون سلاما ولا يقرءون قرآنا. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۱۷۱، باب صلاة الجمعة، شرط وجوب الجمعة، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۷) (ما يحل لمؤمن أن يشتد إلى أخيه) في الإسلام (بنظرة تؤذيه) فإن إيذاء المؤمن حرام ونبه بحرمة النظر على حرمة ما فوقه من نحو سب أو شتم أو ضرب بالأولى. (فيض القدير شرح الجامع الصغير - زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي الحدادي ثم المناوي القاهري (م: ۱۰۳۱هـ): ۵/ ۵۰۲، رقم الحديث: ۸۱۲۳، حرف الميم، ط: المكتبة التجارية الكبرى - مصر)

تیسرا یہ کہ باعتبارِ حکمِ شرعی عصا پکڑنا مستحب ہے، لہٰذا اُس کو ضروری سمجھ کر ردِ عمل کے طور پر کسی ناجائز فعل کا ارتکاب کرنا گناہ ہے، لہٰذا حرام ہے۔

(ج): سنتِ غیر مؤکدہ کو مستحب بھی کہا جاتا ہے، لہٰذا امام صاحب کا فرمان بجا ہے، سنتِ مؤکدہ آپ ﷺ کے اُس عمل کو کہا جاتا ہے، جسے آپ ﷺ نے اکثر کیا ہو اور کبھی کبھی چھوڑ دیا ہو، لہٰذا سنتِ مؤکدہ کو چھوڑنے کی عادت بنانا گناہ ہے، البتہ کبھی کبھار چھوڑ دینے سے گناہ نہ ہوگا۔ (شامی)[۸]

سننِ زوائد جسے مستحب یا نفل بھی کہا جاتا ہے؛ وہ آپ ﷺ کا ایسا عمل ہے، جو آپ نے ہمیشہ نہ کیا ہو، کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو، یا اکثر چھوڑ دیا ہو، اِس پر عمل کرنے سے ثواب ملے گا؛ البتہ چھوڑنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔[۹]

مثلاً فجر سے قبل دو رکعت سنتِ مؤکدہ ہے، اگر کوئی شخص اُسے ہمیشہ چھوڑنے کی عادت بنالے، تو گنہگار ہوگا، فاسق شمار ہوگا، اُس کے برخلاف عصر سے قبل کی چار رکعت، یا تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد وغیرہ سننِ

(۸) فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، وبلا منع الترك إن كان مما واظب عليه الرسول - صلى الله عليه وسلم - أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب و نفل. ((رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۰۲، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: دار الفكر)

والسنة نوعان: سنة الهدي، وتركها يوجب إساءة وكراهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها.

وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي - عليه الصلاة والسلام - في لباسه وقيامه وقعوده. . . . السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين، فهي في نفسها عبادة . . . . ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدي، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين. (حوالہ سابق: ۱/ ۱۰۳)

فالأولى ما في التحرير أن ما واظب عليه مع ترك ما بلا عذر سنة، وما لم يواظب عليه مندوب و مستحب وإن لم يفعله بعد ما رغب فيه اهـ بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۲۳، سنن الوضوء، ط: دار الفكر)

(۹) النفل. . . يثاب فاعله ولا يسيء تاركه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۰۳، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: دار الفكر)

اعلم أن الذي عليه الأصوليون عدم الفرق بين المستحب والمندوب وأن ما واظب عليه - صلى الله تعالى عليه وسلم - مع ترك ما بلا عذر سنة وما لم يواظب عليه مندوب و مستحب وإن لم يفعله بعد ما رغب فيه كذا في التحرير وعند الفقهاء المستحب ما فعله النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - مرة وتركه أخرى، والمندوب ما فعله مرة أو مرتين تعليما للجواز كذا في شرح النقاية. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/ ۲۷۸، كتاب الصوم، اقسام الصوم، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/ ۲۹، سنن الوضوء، ط: دار الكتاب الإسلامي)

زوائد ہیں، اگر کوئی شخص اُن پر عمل کرے گا تو ثواب ملے گا، لیکن چھوڑ دینے سے گنہگار نہیں ہوگا۔

مباح یعنی وہ عمل جو جائز ہو، یعنی جس کے کرنے پر ثواب نہیں اور نہ کرنے پر کوئی گناہ بھی نہیں، البتہ اگر نیک نیت کے ساتھ کوئی عملِ مباح کیا جائے، تو اُس پر ثواب ملے گا۔[1] مثلاً مقوی دوا کھانا جائز ہے، اب کسی نے یہ دوا استعمال کرتے وقت یہ نیت کی کہ اس کے ذریعہ قوت حاصل ہوگی اور میں تین دن کی جماعت میں نکل سکوں گا، یا میرا فلاں مریض رشتہ دار- جو ۱۰۰ رکلومیٹر دور رہتا ہے- اُس کی عیادت کے لیے جاسکوں گا، تو مذکورہ نیت کا ثواب ملے گا، مزید تفصیل کے لیے رسالہ ''عقائدِ اسلام'' صفحہ: ۱۸-۲۱۷ کا مطالعہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] بڑی مسجد میں خطبہ اردو میں ہو تو چھوٹی مسجد میں قیامِ جمعہ

۱۰۰۵- سوال ہمارے گاؤں میں تین مسجد ہے، جن میں سے ایک ''جمعہ مسجد'' بھی ہے اور دوسری دو چھوٹی مسجدیں ہیں، گاؤں کا ماحول بدعت زدہ ہے۔ ''جمعہ مسجد'' میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور اس میں بھی خطبہ اردو میں ہوتا ہے، ایک چھوٹی مسجد کے امام صاحب پابندِ شریعت ہیں، گاؤں کے ماحول کی وجہ سے وہ جمعہ مسجد میں عربی میں خطبہ نہیں دے سکتے؛ لیکن وہ اپنی چھوٹی مسجد میں عربی میں خطبہ دینا چاہتے ہیں اور بعض لوگ بھی امام صاحب کی بات کو پسند کرتے ہیں، تو کیا شرعی طور پر اس مسجد میں جمعہ قائم کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہب اسلام آپس میں محبت، مودت اور اتفاق پیدا کرنے کے لیے آیا ہے؛ لہٰذا جب تک ہو سکے، ''جمعہ مسجد'' ہی میں جمعہ کی نماز ادا کرتے رہنا چاہیے۔[2]

---

(۱) والمباح ما أجيز للمكلفين فعله وتركه بلا استحقاق ثواب وعقاب، نعم يحاسب عليه حسابا يسيرا اختيار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۳۳۶، كتاب الحظر والإباحة، دار الفكر - بيروت)

(۲) عن أبي هريرة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " المؤمن مألف، ولا خير فيمن لا يألف، ولا يؤلف ". (مسند الإمام أحمد: ۱۵/ ۱۰۷، رقم الحديث: ۹۱۹۸، مسند أبي هريرة، ط: الرسالة، ورواه أيضا عن سهل بن سعد الساعدي برقم: ۲۲۸۴۰)

عن حذيفة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا تكونوا إمعة، تقولون: إن أحسن الناس أحسنا، وإن ظلموا ظلمنا، ولكن وطنوا أنفسكم، إن أحسن الناس أن تحسنوا، وإن أساءوا فلا تظلموا ". (سنن الترمذي: ۲/ ۲۱، رقم الحديث: ۲۰۰۷، أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب الإحسان والعفو، ط: البدر - ديوبند)

''جمعہ مسجد'' کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز ادا کرنا بہتر نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] خطبۂ جمعہ کا اُردو ترجمہ منبر پر پڑھنا

۱۰۰۶- سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب جمعہ کے دِن جمعہ کا خطبۂ اولیٰ اولاً عربی زبان میں پڑھتے ہیں، پھر اُس کا اُردو ترجمہ پڑھتے ہیں، تو کیا اس طرح خطبہ کا اُردو ترجمہ منبر پر پڑھنے سے جمعہ کی نماز صحیح ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیا:

عربی زبان میں خطبۂ جمعہ پڑھنے کے بعد اُس کا اُردو ترجمہ پڑھنا مکروہ ہے، البتہ خطبہ صحیح ہوجائے گا اور نمازِ جمعہ بھی صحیح ہوجائے گی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ کی نماز قائم کرنا

۱۰۰۷- سوال: ہمارے گاؤں میں دو مسجدیں ہیں اور مسلمانوں کی دو سو گھر کی آبادی ہے، زیادہ

---

(۱) اس لیے کہ جمعہ کا ایک اہم مقصد اظہارِ شوکت ہے، جو بڑی جمعیت کے ساتھ ایک جگہ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بلا ضرورت جگہ جگہ جمعہ قائم کرنے سے یہ مقصد زیادہ حاصل نہیں ہوتا؛ اس لیے یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے:

الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من آكد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفة، ومن تركها تهاونا بها طبع الله على قلبه، وقرب أهل الجنة يوم القيامة وسبقهم إلى الزيارة يوم المزيد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم. (زاد المعاد في هدي خير العباد-ابن قيم الجوزية (م:۷۵۱ھ): ۱/ ۳۶۵، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت-مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)

البتہ اردو میں خطبہ مکروہِ تحریمی ہے، لیکن اس کے باوجود نمازِ جمعہ ادا ہوجائے گی:

لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم، والصحابة رضي الله تعالى عنهم، فيكون مكروها تحريما. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/ ۲۰۰، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲، ط: سعيديه-پاكستان)

(۲) لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم، والصحابة رضي الله تعالى عنهم، فيكون مكروها تحريما. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/ ۲۰۰، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲، ط: سعيديه-پاكستان)

تر آبادی بڑی مسجد کے اطراف میں ہے، چھوٹی مسجد کے اطراف میں صرف آٹھ دس گھر کی آبادی ہے۔

گاؤں کی دونوں مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، بڑی مسجد میں نماز کے لیے لوگ زیادہ جاتے ہیں اور چھوٹی مسجد میں کم؛ کیوں کہ بڑی مسجد گاؤں کے اندر ہے اور چھوٹی مسجد اسٹیشن پر ہے، تو سوال یہ ہے کہ دونوں مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اسٹیشن والی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ یا ان کے ذمہ ظہر کی نماز باقی رہے گی؟ اور اگر گاؤں والے اس مسجد میں جمعہ کی نماز بند کر کے ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھیں، تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بہتر یہی ہے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے، تاکہ نمازیوں سے مسجد بھر جائے اور عید کا سا سماں محسوس ہو، اور مسلمانوں کی خاص شان کا اظہار ہو، اس کے علاوہ اور بھی کئی فائدے ہیں؛ مثلاً مسلم قوم میں اتحاد و اجتماعیت کا اظہار ہو، جس کی آج خاص ضرورت ہے۔[1] البتہ دونوں جگہ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے، نماز جمعہ بلا کراہت صحیح ہوگی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) جمعہ کا ایک اہم مقصد اظہار شوکت ہے، جو بڑی جمعیت کے ساتھ ایک جگہ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بلا ضرورت جگہ جگہ جمعہ قائم کرنے سے یہ مقصد زیادہ حاصل نہیں ہوتا؛ اس لیے یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے:

الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من آكد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفة، ومن تركها تهاونا بها طبع الله على قلبه، وقرب أهل الجنة يوم القيامة وسبقهم إلى الزيارة يوم المزيد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم. (زاد المعاد في هدي خير العباد-ابن قيم الجوزية (م:۷۵۱ھ): ۱/ ۳۶۵، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت-مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)

(۲) (وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقا على المذهب وعليه الفتوى شرح المجمع للعيني وإمامة فتح القدير. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله مطلقا) أي سواء كان المصر كبيرا أو لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقي متصلا وسواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسي الآتي (قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق "لا جمعة إلا في مصر" شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين لا في أكثر وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۴۴-۱۴۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱۹] ایک سے زیادہ جگہ پر جمعہ ادا کرنا

۱۰۰۸- سوال: ہمارے یہاں ''نگینہ'' نامی ایک مسجد ہے، جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، دوسری مسجد ''زینۃ الاسلام'' ہے، جس میں جمعہ نہیں ہوتی، آج سے سات سال پہلے نگینہ مسجد کے امام صاحب سے جھگڑا ہوا تھا، جس کی بنا پر راندیر کے مفتی صاحب سے پوچھنے کے بعد مسجد زینۃ الاسلام میں جمعہ ادا کی گئی تھی، پھر ان امام صاحب کو برطرف کر دیا گیا، جس کی بنا پر زینۃ الاسلام میں جمعہ بند ہوگئی۔

اب کثرت آبادی کی بنا پر ہم زینۃ الاسلام میں جمعہ شروع کرنا چاہتے ہیں، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

بوڑھے اور کمزور لوگوں کو نگینہ مسجد تک جانے میں دشواری ہوتی ہے، نگینہ مسجد میں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے، نگینہ مسجد کے امام صاحب کی آواز پیچھے تک سنائی نہیں دیتی اور اگر زینۃ الاسلام میں جمعہ شروع کی جائے، تو لوگوں کو گاڑی سے جانے کی سہولت حاصل ہو جائے گی۔

کیا ان وجوہات کی بناء پر دوبارہ مسجد زینۃ الاسلام میں جمعہ شروع کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصليا:

مذکورہ صورت میں آپ حضرات، اپنے گاؤں کے جناب مفتی نور محمد صاحب سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل کرتے، تو بہتر تھا۔

حنفی مسلک میں جس شہر اور بڑے گاؤں میں جمعہ فرض ہے، وہاں چند مسجدوں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے؛ لہٰذا مذکورہ وجوہات کی بنا پر زینۃ الاسلام میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے اور اسی وجہ سے سات آٹھ سال قبل فتویٰ دیا گیا تھا اور جمعہ کی نماز ادا کی گئی تھی؛ البتہ فقہاء اور علماء کا عمل یہ بتاتا ہے کہ بڑے گاؤں میں ایک ہی مسجد (جمعہ مسجد) میں جمعہ ادا کی جائے، تاکہ اتحاد و اتفاق باقی رہے اور ایک جگہ جمع ہونے سے مسلمانوں کے جذبات میں ترقی آئے، اس کے علاوہ کئی مصلحتوں کی بنا پر ایک جگہ جمعہ ادا کرنا بہتر ہوتا ہے، البتہ سوال میں مذکور تحریر کے مطابق لوگوں کو نگینہ مسجد جانے میں تکلیف ہوتی ہے اور بھی دیگر وجوہات ہیں، اس لیے زینۃ الاسلام میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے۔ (شامی)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۴۴-۱۴۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت.
قد تقدم تفصيله و تخريجه تحت عنوان متقدم.

[۲۰] ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ ادا کرنا

۱۰۰۹- سوال: ہمارے بودھان گاؤں میں دو مسجد ہے، ۱۹۶۲ء سے مرحوم مولانا احمد اشرف صاحب کے ساتھ ایک جمعہ اس مسجد میں اور دوسری جمعہ دوسری مسجد میں گاؤں والے ادا کرتے تھے؛ لیکن ابھی گاؤں کے دو چار آدمی یہ کوشش کرر ہے ہیں کہ دونوں مسجد میں الگ الگ نماز ہو، اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے وقت بہت شور ہوتا ہے، گاؤں کی آبادی بڑھ گئی ہے؛ اس لیے جگہ بھی تنگ ہوجاتی ہے؛ لیکن جگہ کی تنگی کی وجہ بے بنیاد ہے، البتہ شور کا زیادہ ہونا حقیقت ہے۔

۱۹۶۲ء سے پہلے دونوں مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی تھی، تو ایک ہی مسجد میں نماز ادا کی جائے یا (امام کے تعلق سے) بے بنیاد وجہ بیان کرکے دو جگہ نماز جمعہ ادا کی جائے؟

الجواب حامداومصلیا:

دین اسلام کی بنیاد عبادت، بندگی اور اللہ کے احکام کو بلا چوں وچرا مان لینے پر ہے، جس میں اہم تعلیم اتفاق واتحاد اور اجتماعیت ہے۔

غور کیجیے! نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا، حج میں احرام کی یکسانیت، امیر وغریب بادشاہ اور رعایا تمام کے لیے حج کا مقام اور اس کا وقت ایک ہی رکھا گیا ہے، کسی کو آگے پیچھے کرنے کی اجازت نہیں ہے، روزے کا ٹائم بھی ایک ہی رکھا گیا ہے، توحید و رسالت کا اقرار بھی تمام کے لیے ایک ہی طور پر رکھا گیا ہے، اور نماز جس کو دن میں پانچ بار ادا کرنا فرض ہے، اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام نیک ہو یا بد اس کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ (حدیث)[1]

متولی اور ٹرسٹی کا فرض تھا کہ متقی، پرہیز گار کو امامت کے لئے متعین کرے، لیکن انہوں نے بے توجہی کرتے ہوئے متقی کو امام نہیں بنایا، تب بھی قوم کی ذمہ داری ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے۔

[۱] سنن الدارقطني- أبو الحسن علي بن عمر ، البغدادي الدارقطني (م:۳۸۵ھ):۲/ ۴۰۳، رقم الحديث: ۱۷۶۸، كتاب العيدين، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، ت: شعيب الارنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت.

لو قدموا فاسقا يأثمون بناء علي أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبي كبير-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م:۹۵۶ھ) ص:۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی-لاہور)

لہذا آپ کے بودھان گاؤں کی دونوں مسجد کے متولیان کی بات سن کر حضرت مولانا اشرف صاحب نے جو صلاح دی تھی اور ذمہ داران نے آج تک اس پر عمل کیا اور دونوں مسجدوں میں باری باری نماز ادا کی جاتی رہی، اسی پر عمل کرنے میں بہتری ہے اور مسلمانوں کا اتحاد بھی اسی میں قائم رہے گا۔ اگر چہ مسئلہ کی رو سے شہر یا قصبہ میں چند جگہ پر جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے؛ لیکن آپ کے گاؤں میں الگ الگ دو مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا بہتر نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] شہر یا قصبہ کی ایک سے زائد مسجدوں میں جمعہ جائز ہے

۱۰۱۰- سوال: محترم ومکرم جناب مفتی صاحب! سورت ضلع میں ویارا نامی ایک گاؤں ہے، جہاں مسلمانوں کی آبادی اچھی خاصی ہے، اس میں دو مسجد اور دو عبادت گاہ ہیں، ایک عبادت گاہ ریلوے اسٹیشن پر ہے اور ایک عبادت گاہ گاؤں کے کنارے ہائی وے پر ہے، یہاں ایک تعلیم الاسلام نامی مدرسہ چلتا ہے اور پنج وقتہ نماز بھی ہوتی ہے۔ یہ جگہ ''اسلام پورا'' کے نام سے پہچانی جاتی ہے، یہاں مسلم گھروں کی تعداد کم از کم ۸۰/ ہے اور سارے لوگ معماری کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور بالکل ان پڑھ ہیں۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ ہم نے حالات کے پیش نظر یہاں جمعہ کی نماز شروع کی ہے۔ (پنج وقتہ نماز تو ہوتی ہی ہے) اور الحمد للہ جمعہ کی نماز میں تقریباً ۷۰/ یا ۸۰/ نمازی حضرات اور ۲۵/ یا ۳۰/ لڑکے آتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام پورا سے گاؤں کی مسجد اندازاً آدھے کلومیٹر کی دوری پر ہے اور یہ معمار پیشہ لوگ اپنے کام سے ۱۲/ بجے آتے ہیں، اور دوری کی وجہ سے ۹۹/ فیصد مسلمان، جمعہ کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے، زیادہ سے زیادہ آٹھ دس افراد، نماز جمعہ کے لیے گاؤں کی مسجد میں جاتے ہیں۔

ان صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہم نے وہاں پر جمعہ کی نماز شروع کی ہے اور اس کے نتیجہ میں

---

(۱) الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من اكد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفة، ومن تركها تهاونا بها طبع الله على قلبه، وقرب أهل الجنة يوم القيامة وسبقهم إلى الزيارة يوم المزيد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم. (زاد المعاد في هدي خير العباد-ابن قيم الجوزية (م:۷۵۱هـ): ۱/ ۳۶۵، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت-مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)

تفصیل وتخریج سابقہ جوابات میں ملاحظہ فرمائیں۔

سارے مسلمان نماز جمعہ کے لیے آتے ہیں۔

گاؤں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں جمعہ کی نماز بند کی جائے اور اپنے اس قول کی تائید میں وہ کوئی ایسی حدیث پیش کرتے ہیں کہ ۸ر محلے ہو، پھر بھی ایک ہی جگہ نماز جمعہ ادا کی جائے۔

جمعہ بند کرنے کی صورت میں جیسا کہ میں نے بتایا کہ صرف آٹھ دس آدمی ہی وہاں سے جمعہ کے لیے آتے ہیں۔ تو کیا ہم وہاں جمعہ بند کردیں یا جاری رکھیں؟ اگر بند کردیں، تو لوگوں کی نماز جمعہ فوت ہوجاتی ہے۔ جب کہ جاری رکھنے کی صورت میں جمعہ کی برکت سے دوسرے نمازی بھی آتے ہیں، اور دینی ماحول بننے کی امید ہے؛ لہٰذا جمعہ جاری رکھنے سے کوئی نقصان ہوتا ہو، تو بتائیں، نیز جمعہ بند کرنی چاہیے یا جاری رکھنی چاہیے، واضح انداز میں بتائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

وہ شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں، جس میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے، وہاں ضرورت کی بناء پر ایک سے زیادہ جگہوں پر بھی نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے۔[1] لہٰذا آپ نے ضرورت کی بنیاد پر اسلام پورا میں جو جمعہ کی نماز شروع کی ہے، اور جن ضرورتوں کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، وہ ضرورت واقعی ہے؛ اس لیے جمعہ جاری رکھیں، بند نہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] بلاضرورت گاؤں کی متعدد مساجد میں جمعہ شروع کرنا

۱۰۱۱- سوال: فی الحال ہمارے گاؤں میں چار مساجد ہیں، ان میں سے دو میں کچھ عرصہ سے

(۱) (وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقا على المذهب وعليه الفتوى شرح المجمع للعيني وإمامة فتح القدير. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله مطلقا) أي سواء كان المصر كبيرا أو لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقي متصلا وسواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسي الآتي (قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق "لا جمعة إلا في مصر" شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين لا في أكثر وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۴۴-۱۴۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

جمعہ کی نماز ہوتی ہے، ان دونوں میں گاؤں کے تمام مصلی حضرات آرام سے نماز پڑھ سکتے ہیں، کسی قسم کی تکلیف ودشواری نہیں ہے، اب ہمارا تیسری مسجد میں بھی جمعہ وعیدین کو قائم کرنے کا ارادہ ہے، تو کیا تیسری مسجد میں جمعہ وعیدین کی نماز قائم کرسکتے ہیں، اس بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟

واضح رہے کہ اس مسجد کی تعمیر کے وقت یہ نیت کی تھی کہ ہم اس مسجد میں پانچ نمازیں ہی پڑھیں گے، عیدین وجمعہ ''جامع مسجد'' میں پڑھیں گے، تو کیا اس طرح کی نیت کے بعد ہم اس مسجد میں جمعہ وعیدین قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ ''اجتماعی عبادت کے لیے تمام حضرات کا روزانہ جمع ہونا مشکل امر تھا، اس لیے اس کے لیے کسی مدت کی تعیین ضروری تھی، یہ مدت نہ اتنی مختصر ہو کہ لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہوجائے اور نہ ہی اتنی طویل کہ مقصد فوت ہوجائے، بین بین مدت ہونی چاہیے، اور وہ ہفتہ کی مدت ہے، عرب وعجم اور اکثر مذاہب میں یہ مدت مستعمل ہے، اور اس مقصد کے لیے کارآمد بھی ہے، اس لیے ہفتہ واری اجتماع طے کیا گیا۔''(1)

یہ ہفتہ واری اجتماع اس لیے بھی طے ہوا ہے کہ لوگ جمع ہوکر نفع ونقصان کے متعلق سوچ سکیں اور کوئی لائحہ عمل تیار کرسکیں؛ اس وجہ سے بعض علماء کرام نے تو ایک شہر یا قصبہ میں دوتین جگہ پر جمعہ قائم کرنے کو ناجائز کہا ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ضرورت کی بناء پر (جیسے آبادی کا دور دور ہونا، مسجد کا لوگوں سے بھر جانا، گرمی وسردی میں مصلیوں کا ایک ہی جگہ جمع ہونے میں تکلیف کا سامنا کرنا) ایک شہر یا قصبہ کی مختلف مساجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

مسجد کی تعمیر کے وقت خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو، دونوں مساجد میں نماز پڑھنے میں جب کوئی عذر وحرج نہیں ہے، تو تیسری مسجد میں جمعہ شروع کرنا بہتر نہیں ہے۔ نیز اگر مسجد بنانے والے یا متولی کی خاندانی

---

(۱) الأصل فيها أنه لما كانت إشاعة الصلاة في البلد - بأن يجتمع لها أهلها - متعذرة كل يوم وجب أن يعين لها حد لا يسرع دورانه جدا، فيتعسر عليهم، ولا يبطؤ جدا، فيفوتهم المقصود وكان الأسبوع مستعملا في العرب والعجم، وأكثر الملل، وكان صالحا لهذا الحد، فوجب أن يجعل ميقاتها ذلك. (حجة الله البالغة-أحمد بن عبد الرحيم، المعروف بـ'الشاه ولي الله الدهلوي' (م:۱۱۷۶ھ): ۲/ ۴۴، الجمعة، ت: السيد سابق، ط: دار الجيل، بيروت)

شرافت کو اجاگر کرنے کی وجہ سے اس تیسری مسجد میں قیام جمعہ کی سعی ہوگی، تو جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہوگا، لیکن دلوں کو حال اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں؛ اس لیے بہتر ہے کہ وہاں جمعہ کی نماز شروع نہ کی جائے۔[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] بارش کے عذر کی وجہ سے صرف برسات کے موسم کے لیے عبادت خانہ میں جمعہ پڑھنا

۱۰۱۲- سوال: ہمارے یہاں عبادت خانہ میں صرف پنج وقتہ نماز ہوتی ہے، جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں جانا پڑتا ہے، اور بارش کے موسم میں مسجد جانے کے لیے ضعیف اور کمزور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، تو کیا صرف بارش کے موسم میں عبادت خانہ میں جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیے ''مسجد کا ہونا'' شرط نہیں ہے، عبادت خانہ میں بھی جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔[2]

البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک ہی جگہ پر جمعہ کی نماز ادا ہو؛ لیکن بارش وغیرہ اعذار کی بناء پر دو جگہ نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ (درمختار)[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] جمعہ کی صرف دو رکعتیں فرض پڑھنا اور سنتوں کو چھوڑ دینا

۱۰۱۳- سوال: جمعہ کے روز ہمارے بہت سے بھائی جمعہ کی صرف دو رکعت فرض پڑھ کر گھر چلے جاتے ہیں، یا مسجد سے باہر بیٹھ کر یا کھڑے کھڑے گپ شپ کرتے رہتے ہیں، تو کیا ان کی نماز جمعہ درست ہوگی؟

---

(۱) تقدم تفصیلہ و تخریجہ ضمن عنوان: ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ کی نماز قائم کرنا۔

(۲) السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره فإن فتح باب الدار وأذن إذنا عاما جازت صلاته شهدها العامة أو لم يشهدوها، كذا في المحيط ويكره، كذا في التتارخانية وإن لم يفتح باب الدار وأجلس البوابين عليها لم تجز لهم الجمعة، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۸، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر ☆البحر الرائق: ۲/ ۲۴۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) وتؤدى الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - وهو الأصح وذكر الإمام السرخسي أنه الصحيح من مذهب أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وبه نأخذ، هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: ''ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ کی نماز قائم کرنا'' کا حاشیہ نمبر: ۲۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں ان کی فرض نماز تو ادا ہو جائے گی۔

سنن مؤکدہ کو چھوڑنے کی عادت بنالینا جائز نہیں، اس سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے، جس کی دینی معاملات میں گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[1]

اسی طرح مسجد میں دنیوی باتیں کرنا حرام ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے نمازیوں کو نماز میں خلل واقع ہوگا، نیز مسجد میں دنیوی باتیں کرنے سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی۔

ایک حدیث پاک میں آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مسجد کے اندر دنیوی باتیں کرنے سے نیکیاں اس طرح جل جاتی ہیں، جس طرح خشک گھاس کو آگ جلا دیتی ہے۔"[2] لہٰذا جو لوگ صرف جمعہ کی دو رکعت پڑھتے ہیں اور سنت بالکل ہی نہیں پڑھتے، مسجد میں دنیوی گفتگو کرتے ہیں، وہ فاسق ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، وبلا منع الترك إن كان مما واظب عليه الرسول - صلى الله عليه وسلم - أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب و نفل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۰۲، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: دار الفكر)

والسنة نوعان: سنة الهدي، وتركها يوجب إساءة وكراهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها.

وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي - عليه الصلاة والسلام - في لباسه وقيامه وقعوده.... السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين، فهي في نفسها عبادة .... ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدي، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين. (حوالہ سابق: ۱/ ۱۰۳)

(۲) وعن الحسن مرسلا قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم. فلا تجالسوهم فليس لله فيهم حاجة» . رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة المصابيح: ۷۱، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثالث، ط: ياسر نديم - ديوبند ☆ شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۴/ ۳۸۷، رقم الحديث: ۲۷۰۱، الصلاة، فصل في المشي إلى المساجد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض)

(و) فيها يكره (الكلام في المسجد وخلف الجنازة وفي الخلاء وفي حالة الجماع) [الدر المختار]

قال ابن عابدين: (قوله وفيها) أي في السراجية (وقوله يكره الكلام في المسجد) ورد «أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب» وحمله في الظهيرية وغيرها على ما إذا جلس لأجله وقد سبق في باب الاعتكاف وهذا كله في المباح لا في غيره فإنه أعظم وزرا. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۴۱۸، كتاب الحظر والإباحة، فرع يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲۵] جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد جانا ضروری نہیں

۱۰۱۴- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
کیا جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد جانا واجب ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد جانا واجب نہیں ہے، مستحب ہے، ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ کی نماز جائز ہے، اگر جامع مسجد بڑی ہے اور شہر کی آبادی تھوڑی ہے، تو بہتر یہی ہے کہ ایک جگہ جمعہ ہو۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] جمعہ کی پہلی اذان کے بعد غسل کرنے کا حکم

۱۰۱۵- سوال: کیا جمعہ کی پہلی اذان کے بعد وضو اور غسل نا جائز ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

جمعہ کی پہلی اذان ہوتے ہی مسجد کے لیے نکلنا واجب ہے، کوئی ایسا کام، جو اذان کے بعد مسجد جانے سے مانع ہو، جائز نہیں ہے، اذان کے بعد غسل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (۲)

---

(۱) والمسجد الجامع ليس بشرط لصحة الجمعة، حتى أجمعوا على صحة الجمعة في المصلى. (حلبی کبیر: ۵۵۱/۱، سہیل اکیڈمی-لاہور)

(وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقا على المذهب وعليه الفتوى شرح المجمع للعيني وإمامة فتح القدير. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله مطلقا) أي سواء كان المصر كبيرا أو لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقي متصلا وسواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسي الآتي (قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق "لا جمعة إلا في مصر" شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين لا في أكثر وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۴۴/۲-۱۴۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ (۶۲-الجمعۃ: ۹)

وقال ابن عباس رضي الله عنهما: يحرم البيع حينئذ، وقال عطاء: تحرم الصناعات كلها. (صحيح البخاري: ۱۲۳/۱، كتاب الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، تعليقا، ط: ديوبند) =

ہاں غسل واجب ہو، تو کرنا ضروری ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] منبر کے چوتھے زینے سے خطبہ دینا کیسا ہے؟

۱۰۱۶- سوال: امام کا منبر کے چوتھے زینے سے خطبہ دینے کے متعلق فقہاء کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے تین زینے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ چوتھے زینہ پر بیٹھنا جائز نہیں ہے، اگر چوتھے زینے پر چڑھ کر خطبہ دینے سے سامعین تک آواز اچھی طرح پہنچتی ہو، تو جائز ہے، ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ويجب السعي وترك البيع بالأذان الأول، ... وقال الحسن بن زياد: المعتبر هو الأذان على المنارة، والأصح أن كل أذان يكون قبل الزوال فهو غير معتبر والمعتبر أول الأذان بعد الزوال سواء كان على المنبر أو على الزوراء، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۱۴۹، صلاة الجمعة، ط: دار الفكر)

(ووجب سعي إليها وترك البيع) ولو مع السعي، في المسجد أعظم وزرا (بالأذان الأول) في الأصح وإن لم يكن في زمن الرسول بل في زمن عثمان. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين: (قوله ووجب سعي) لم يقل افترض مع أنه فرض للاختلاف في وقته هل هو الأذان الأول أو الثاني أو العبرة لدخول الوقت؟ بحر. ــــــ وحاصله أن السعي نفسه فرض والواجب كونه في وقت الأذان الأول، وبه اندفع ما في النهر من أن الاختلاف في وقته لا يمنع القول بفرضيته كصلاة العصر فرض إجماعا مع الاختلاف في وقتها (قوله وترك البيع) أراد به كل عمل ينافي السعي وخصه اتباعا للآية، نهر. (قوله: ولو مع السعي) صرح في السراج بعدم الكراهة إذا لم يشغله بحر وينبغي التعويل على الأول نهر. ــــــ ... (قوله في الأصح) قال في شرح المنية. واختلفوا في المراد بالأذان الأول فقيل الأول باعتبار المشروعية وهو الذي بين يدي المنبر لأنه الذي كان أولا في زمنه - عليه الصلاة والسلام - وزمن أبي بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثاني على الزوراء حين كثر الناس. والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذي يكون على المنارة بعد الزوال. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۶۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۷۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الهداية: ۱/۱۷۱، كتاب الصلاة باب الجمعة، ط: ديوبند)

(۱) الباب الثالث في شروط الصلاة، وهي عندنا سبعة: الطهارة من الأحداث، والطهارة من الأنجاس... الخ. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۸، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: دار الفكر)

(۲) ومن السنة أن يخطب عليه اقتداء به - صلى الله عليه وسلم - ... ومنبره - صلى الله عليه وسلم - كان ثلاث درج غير المسماة بالمستراح. قال ابن حجر في التحفة. (رد المحتار: ۲/۱۶۱، كتاب الصلاة، مطلب في حكم المرقي، الخ، ط: دار الفكر)

[۲۸] جمعہ کا بیان مقررہ وقت پر ختم نہ کرنا

۱۰۱۷- سوال: ۸۰-۹۰ ہزار کی آبادی والا ایک شہر ہے، اس میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہے، اس شہر کے اطراف میں بھی مسلم بڑی تعداد میں آباد ہیں، صنعتی شہر ہے، جس کی وجہ سے ملازمین بھی کثیر تعداد میں رہتے ہیں، ان وجوہ سے شہر کی مسجدوں میں اچھے خاصے لوگ نماز جمعہ کے لیے جمع ہوتے ہیں، ریلوے اسٹیشن اور بس ڈپو بھی شہر کے بالکل قریب ہے، اس کے علاوہ سرکاری آفس اور تجارت کی ایک بڑی منڈی بھی ہے۔ جمعہ کی نماز بھی شہر کی بہت سی مسجدوں میں ہوتی ہے؛ لیکن ریلوے اسٹیشن اور بس ڈپو کی مساجد میں بہت بھیڑ ہوتی ہے، حتیٰ کہ مسجد کے باہر کمپاؤنڈ میں بھی نماز ادا کرنی پڑتی ہے، جمعہ کی نماز کا وقت ایک بج کر تیس منٹ مقرر ہے، مسجد میں اوقات کے بورڈ لگے ہوئے ہیں اور یہ وقت برسوں سے متعین ہے۔ اس وقت کے مطابق آس پاس کے مصلیان، جیسے کہ ملازمین، تجار اور مسافرین نماز ادا کرتے ہیں۔

ایک عالم صاحب- جن کا بڑا اونچا مقام ہے- جمعہ کے دن باہر گاؤں سے آکر تقریر کرتے ہیں، یوں تو وہ پہلے سے ہی بیان کرتے ہیں؛ لیکن آٹھ دس جمعہ سے وقت کا خیال نہیں کرتے اور دو بجے تک اپنی تقریر جاری رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو دقت ہوتی ہے، ٹرین میں سفر کرنے والوں کی ٹرین چھوٹ جاتی ہے، ملازمین سے آفس کے وقت کی پابندی نہیں ہوتی، یہ بات مسجد کے ٹرسٹی حضرات کے سامنے رکھی گئی، تو انہوں نے بھی اس بات پر توجہ دی اور مذکورہ عالم صاحب سے انہوں نے وقت کی رعایت کے متعلق بات کی؛ لیکن عالم صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے، ایک مرتبہ جمعہ کی نماز میں ایک بج کر پینتیس منٹ پر ایک ٹرسٹی نے کھڑے ہو کر عالم صاحب کو بیٹھنے کے لیے کہا، تو وہ یہی کہتے رہے: جس کو تقریر نہ سننی ہو، وہ دوسری مساجد میں نماز پڑھ لے، خیر بعد میں خطبہ ہوا، نماز ہوئی، اس واقعہ سے متعلق- جو مفصل بیان کیا گیا ہے- دریافت طلب امور درج ذیل ہیں، امید ہے کہ جلد جواب عنایت فرمائیں گے:

(۱) وقت کی پابندی کرنی چاہیے یا نہیں؟

(۲) کیا مولانا (عالم) کا ضد کرنا مناسب ہے؟

(۳) عالم دین کا یہ کہنا کہ ''دوسری مساجد میں چلے جاؤ'' کیا مناسب ہے؟

(۴) اس زمانہ کے ماحول کو دیکھتے ہوئے لمبی لمبی تقریر کرنا مناسب ہے؟

(۵) مولانا اخیری جمعہ میں روکنے کے باجود نہ رکے، اور تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور بیان میں یہ بھی کہا کہ میں نے بھی اس جگہ کے لیے قربانی دی ہے، تو کیا یہ لفظ کہنا مناسب ہے، کیا آئندہ چل کر کوئی آدمی مسجد بنوا کر اس طرح بول سکتا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

(۱) آج کل دنیا کا پورا نظام، اوقات کے مطابق انجام پاتا ہے، اس بات کو سامنے رکھ کر نماز کے اوقات مقرر کرنے میں حرج نہیں، اور جو وقت مقرر ہو، اس پر نماز ہونی چاہیے، اور وقت کی پابندی بھی ہونی چاہیے، خاص طور پر بس اسٹینڈ اور ریلوے اسٹیشنوں کی مساجد میں لوگ اس لیے نماز پڑھنے آتے ہیں کہ نماز پڑھ کر گاڑی پکڑنے میں انھیں آسانی رہے، ان کے علاوہ دیگر حضرات بھی نماز کے وقت کے مطابق اپنا نظام بناتے ہیں؛ اس لیے طے شدہ وقت سے لاپرواہی کرنے میں بہت سے لوگوں کے نقصان کا اندیشہ ہے؛ لہذا وقت کی پابندی ایک ضروری امر ہے۔

لیکن کوئی ایک مرتبہ، کسی عذر کی بناء پر دیر ہو جائے، تو اس پر انگلی نہیں اٹھانی چاہیے، البتہ ایک وقت مقرر ہو جانے کے بعد جان بوجھ کر ہر مرتبہ دیر کرنا مناسب نہیں۔

جب نماز کی حالت میں کوئی ایسا عذر پیش آ جائے، جس سے نمازیوں کا اطمینان ختم ہو رہا ہو، تو ایسے وقت میں امام کو چاہیے کہ نماز کو مختصر کر دے، تا کہ نمازی کی نماز میں حرج نہ ہو؛ اس لیے جو لوگ نماز کے لیے حاضر ہو گئے ہیں، نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کر کے انھیں مشقت میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ (مراقی)[1]

(۱) عن أبي قتادة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها، فأسمع بكاء الصبي، فأتجوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۸، رقم الحديث: ۷۰۷، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، ط: البدر - ديوبند)

قال أنس: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسمع بكاء الصبي مع أمه وهو في الصلاة، فيقرأ بالسورة الخفيفة، أو بالسورة القصيرة. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۸، رقم الحديث: ۱۹۱- (۴۷۰)، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ط: البدر - ديوبند)

دیکھیے: مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۱۳۳، أحكام الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل في المكروهات، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

وكان رءوفا رحيما بالأطفال حتى إذا سمع بكاء الصبي خفف في صلاته كي لا يشق على أمه خلفه. (حاشية الشِّلْبِيِّ مع تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - شهاب الدين أحمد بن محمد، الشِّلْبِيُّ (م: ۱۰۲۱ھ): ۱/ ۱۶۰، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

(۲) ہمیشہ تاخیر کرنے کی عادت بنالینا مناسب نہیں ہے اور نامعقول بات پر ضد کرنا، زیادہ نامناسب ہے۔[۲]

(۳) پہلے ہی سے نماز کا وقت تاخیر سے پڑھنا مقرر کیا ہو، تاکہ کسی کی نماز نہ چھوٹے اور جماعت میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں؛ ایسی صورت میں کوئی کہے کہ جلدی وقت کیوں مقرر نہیں کیا؟ تو اس کو کہہ سکتے ہیں کہ دوسری مسجد میں نماز پڑھ لو؛ لیکن ایک وقت مقرر ہے، اس کے مطابق مصلیوں کے حاضر ہوجانے کے بعد تاخیر کرنے کی عادت بنالینا اور کوئی توجہ دلائے، تو اس پر یہ کہنا کہ "دوسری مسجد میں چلے جاؤ" قطعاً غیر مناسب ہے، اس سے اجتناب لازم ہے۔[۳]

(۴) لمبی تقریر کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؛ لیکن جلدی شروع کر کے مقررہ وقت پر ختم کردے۔

(۵) مسجد کے لیے قربانی تو آخرت میں ثواب حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے، دنیا کے لیے نہیں ہوتی، اس کے باوجود شریعت میں گنجائش ہے کہ جس آدمی نے قربانی دی ہو، وہ مسجد کا متولی اور ٹرسٹی بن سکتا ہے اور اس کی قربانی کا خیال کرتے ہوئے اسے متولی بنانا بھی چاہیے؛ لیکن اس کی وجہ سے مقررہ وقت میں تاخیر کر کے دوسرے لوگوں کو پریشانی میں مبتلا کرنے کا اختیار نہیں ملتا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] جمعہ کے روز تقریر کو ضروری سمجھنا اور اس کی وجہ سے جمعہ کو مؤخر کرنا

۱۰۱۸- سوال: جمعہ سے قبل ضروری سمجھ کر تقریر کرنا اور نماز کا وقت متعین ہونے کے باوجود وقت سے تاخیر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسلمانوں میں دین سے دوری عام ہے؛ اس لیے ترغیب وترہیب اور حالات حاضرہ پر مشتمل خطاب، وقت کی اہم ضرورت ہے، اس کے بڑے فائدے ہیں، اسی کے پیش نظر ہندوستان کی مساجد میں

(۲) عن أبي أمامة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا زعيم ببيت في ربض الجنة، لمن ترك المراء، وإن كان محقا، وببيت في وسط الجنة، لمن ترك الكذب، وإن كان مازحا، وببيت في أعلى الجنة، لمن حسن خلقه. (سنن أبي داود: ۲/۶۶۱، رقم الحديث: ۴۸۰۰، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق، ط: البدر - ديوبند)

(۳) وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۲-البقرة: ۱۱۴)

خطبہ سے قبل اردو یا مقامی زبان میں تقریر کا رواج ہے، یہ لازم اور ضروری نہیں ہے کہ اس کے بغیر جمعہ کی نماز ہی درست نہیں ہوگی، متولی یا امام تقریر کرنے کو فرض سمجھتے ہوں، تو یہ گناہ ہے؛ کیوں کہ یہ امر مباح ہے اور امر مباح کو لازم وضروری سمجھنا، درحقیقت اس کو اس کے درجے سے بڑھانا ہے، جو جائز نہیں ہے۔[۱]

نماز کے وقت کی تعیین اس لیے ہوتی ہے کہ مختلف شعبہ سے وابستہ افراد اپنی اپنی ضرورتوں کو آگے پیچھے کر کے مقررہ وقت پر نماز باجماعت ادا کرسکیں۔ اگر جمعہ کے دن تقریر کو طول دینے کی وجہ سے یہ مقصد متاثر ہو، اور مقتدی حضرات کی تکلیف کا باعث بنے، تو ناجائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی عقل مندی یہ ہے کہ نماز کو طویل کرے اور خطبہ کو مختصر کرے۔ (الحدیث)[۲]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز میں لمبی قرأت کی، تو ایک صحابی، جو کاشتکار تھے، انھیں اس سے تکلیف ہوئی اور نماز توڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل قرأت کے متعلق شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ: اے معاذؓ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو؟ نماز میں ضعیف، مریض اور حاجت مند؛ ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمائی۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۷)[۳] اس سے ثابت ہوا کہ امام کو تمام مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

---

(۱) قال ابن حجر في شرحه: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء، أي من أمور العبادة؛ لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته، والله أعلم. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۲/ ۳۳۸، قوله باب الانفتال والانصراف عن اليمين و الشمال، رقم الحديث: ۸۵۲، ط: دار المعرفة- بيروت، ۱۳۷۹ء)

(۲) قال أبو وائل: خطبنا عمار، فأوجز وأبلغ، فلما نزل قلنا: يا أبا اليقظان لقد أبلغت وأوجزت، فلو كنت تنفست فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: إن طول صلاة الرجل، وقصر خطبته، مئنة من فقهه، فأطيلوا الصلاة، واقصروا الخطبة، وإن من البيان سحرا. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۸۶، رقم الحديث: ۴۷- (۸۶۹)، كتاب الجمعة، فصل في إيجاز الخطبة وإطالة الصلاة، ط: ديوبند)

(۳) عن عمرو، قال: سمعت جابر بن عبد الله، قال: كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم يرجع، فيؤم قومه، فصلى العشاء، فقرأ بالبقرة، فانصرف الرجل، فكأن معاذا تناول منه، فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقال: "فتان، فتان، فتان" ثلاث مرار - أو قال: فاتنا، فاتنا، فاتنا- وأمره بسورتين من أوسط المفصل. قال عمرو: لا أحفظهما. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۷۰۱، كتاب الأذان، باب إذا طول الإمام، وكان للرجل حاجة، فخرج فصلى، ط: البدر- ديوبند)

اس روایت کو مکمل تفصیل کے ساتھ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح نقل کیا ہے: =

الغرض جس خطیب امام کی یہ حالت ہو- جو سوال میں مذکور ہے- تو ذیلی مجلس (کمیٹی) سے شکایت کرنی چاہیے۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ میں قرأت کو طویل کروں؛ لیکن جب بچے کے رونے کی آواز آتی ہے، تو میں قراءت کو مختصر کر دیتا ہوں؛ کیوں کہ بچے کے رونے کی وجہ سے بچے کی ماں کو تکلیف ہوتی ہے، اور وہ حیران و پریشان ہو جاتی ہے۔ (جلد: ۱/ ۹۸)[۴]

اس لیے امام کو چاہیے کہ لمبی تقریر کر کے اپنے مقتدیوں کو پریشان نہ کرے، خطیب و مقرر کو چاہیے کہ جو وقت ۸ یا ۱۰ یا ۱۵ منٹ کا متعین ہو، مصلحت کے پیش نظر اسی پر اپنی تقریر کو ختم کر لے اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچائے، ایسے لوگوں کو بیان و تقریر سے کیا فائدہ ہوگا، جب کہ اس کو سننے کے لیے لوگوں کے دل ہی آمادہ نہ ہوں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] جمعہ کی اذانِ ثانی امام کے سامنے ہونی چاہیے یا صحنِ مسجد میں؟

۱۰۱۹- سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں کہ جامع مسجد میں

= عن جابر قال: كان معاذ، يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم يأتي فيؤم قومه، فصلى ليلة مع النبي صلى الله عليه وسلم العشاء، ثم أتى قومه، فأمهم، فافتتح بسورة البقرة، فانحرف رجل، فسلم ثم صلى وحده، وانصرف، فقالوا له: أنافقت؟ يا فلان، قال: لا. والله ولآتين رسول الله صلى الله عليه وسلم فلأخبرنه. فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، إنا أصحاب نواضح نعمل بالنهار، وإن معاذا صلى معك العشاء، ثم أتى فافتتح بسورة البقرة، فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على معاذ، فقال: يا معاذ أفتان أنت؟ اقرأ بكذا واقرأ بكذا، قال سفيان: فقلت لعمرو، إن أبا الزبير، حدثنا عن جابر، أنه قال: اقرأ والشمس وضحاها والضحى، والليل إذا يغشى، وسبح اسم ربك الأعلى، فقال عمرو نحو هذا. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۷، رقم الحديث: ۱۷۸- (۴۶۵)، كتاب الصلاة، باب القراءة في العشاء، ط: البدر- ديوبند☆ صحيح البخاري: ۱/ ۱۸، رقم الحديث: ۷۰۵، كتاب الأذان، باب من شكا إمامه إذا طول، ط: البدر- ديوبند)

(۴) عن أبي قتادة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها، فأسمع بكاء الصبي، فأتجوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸، رقم الحديث: ۷۰۷، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، ط: البدر- ديوبند)

قال أنس: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسمع بكاء الصبي مع أمه وهو في الصلاة، فيقرأ بالسورة الخفيفة، أو بالسورة القصيرة. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۸، رقم الحديث: ۱۹۱- (۴۷۰)، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ط: البدر- ديوبند)

جمعہ کی اذانِ ثانی ہمیشہ سے امام کے سامنے منبر کے پاس ہوتی ہے؛ لیکن کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ یہ اذان مسجد کے صحن میں ہونی چاہیے، منبر کے پاس اذان کہنا مکروہ تحریمی ہے، اب حضرت والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ مسئلہ فقہ حنفی کے مطابق مؤید بالدلائل واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ سوال کے متعلق مختلف فتاویٰ میں تفصیل سے لکھا گیا ہے، مختصر یہ کہ خطیب جب منبر پر بیٹھ جائیں، تو ان کے سامنے دوسری اذان دی جائے، تسلسل کے ساتھ اسی پر عمل ہے:

وإذا جلس على المنبر أذن بين يديه وأقيم بعد تمام الخطبة بذلك جرى التوارث، كذا في البحر الرائق. (عالمگیری:۱/۱۴۹)[۱]

(ويؤذن) ثانيا (بين يديه) أي الخطيب. (درمع الشامی:۲/۱۶۱، مطبع: ایچ ایم سعید کمپنی)[۲]

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدي المنبر بذلك جرى التوارث. (ہدایہ، باب صلاۃ الجمعۃ)[۳] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] قید خانہ میں نمازِ جمعہ ادا کرنا

۱۰۲۰- سوال: قید خانہ میں جمعہ کی نماز اور خطبہ وغیرہ درست ہے یا نہیں؟

---

[۱] كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت.

(قوله فإذا جلس على المنبر أذن بين يديه وأقيم بعد تمام الخطبة) بذلك جرى التوارث، والضمير في قوله بين يديه عائد إلى الخطيب الجالس، وفي القدوري بين يدي المنبر، وهو مجاز إطلاقا لاسم المحل على الحال كما في السراج الوهاج، فأطلق اسم المنبر على الخطيب. (البحر الرائق:۲/۱۶۹، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] قال ابن عابدين: (قوله: ويؤذن ثانيا بين يديه) أي على سبيل السنية كما يظهر من كلامهم رملي. (رد المحتار على الدر المختار:۲/۱۶۱، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب، ط: دار الفكر)

[۳] الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني (م: ۵۹۳هـ):۱/۸۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي☆الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ):۱/۸۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة☆بدائع الصنائع:۱/۲۷۰، فصل صلاة الجمعة، ط: دار الكتب العلمية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قید خانہ اگر شہر یا اُس کی فناء میں داخل ہے اور قید خانہ کی مسجد میں نمازِ جمعہ کے لیے ہر شخص کو آنے کی اجازت ہے، جسے اذنِ عام کہا جاتا ہے، تو وہاں نمازِ جمعہ درست ہے۔

اگر اذنِ عام ہے؛ مگر قید خانہ شہر یا فناءِ شہر میں واقع نہیں ہے، یا قید خانہ تو شہر یا فناءِ شہر میں ہے؛ لیکن اذنِ عام نہیں ہے، کہ قید خانہ کے احاطہ میں رہنے والے لوگوں کے علاوہ دیگر کسی شخص کو اُس میں آنے کی اجازت نہیں ہے، تو ایسی جگہ جمعہ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] جمعہ کی نماز کے وقت تجارت کے لیے دکان کھلی رکھنا

۱۰۲۱- سوال: جمعہ کے دن اگر دکان دار اپنی دکان کھلی رکھ کر کسی غیر مسلم یا نابالغ لڑکے کو سپرد کر کے خود نماز کے لیے جائے، تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر ایک مسلمان نوکر بے نمازی ہے، اُسے ہم نماز کی دعوت دیتے ہیں؛ لیکن وہ نماز کے لیے نہیں آتا، تو نماز کے وقت دکان اُس نوکر کے حوالے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم، نابالغ بچے، بیمار یا مسافر اور وہ لوگ جن پر جمعہ فرض نہیں ہے، انہیں جمعہ کی نماز کے وقت دوکان پر بٹھانا جائز ہے، اور اُن کی تجارت بھی جائز ہے۔[2]

---

[۱] (ومنها الإذن العام) وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا في الجامع وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم وجمعوا الم يجز وكذلك السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره فإن فتح باب الدار وأذن إذنا عاما جازت صلاته شهدها العامة أو لم يشهدوها، كذا في المحيط ويكره، كذا في التتارخانية وإن لم يفتح باب الدار وأجلس البوابين عليها لم تجز لهم الجمعة، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۸، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۵۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر)

(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء، الأول المصر... وعليه فتوى أكثر الفقهاء. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا - ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا - ديوبند☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۸۲، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

(۲) اس لیے کہ ان کے حق میں یوم جمعہ نماز کے اعتبار سے دوسرے ایام کی طرح ہے:... لأن ساكن المصر مأمور بشيئين في هذا الوقت بترك الجماعات وشهود الجمعة، والمعذور قدر على أحدهما وهو ترك الجماعات فيؤمر بالترك. وأما=

جس پر جمعہ کی نماز فرض ہے اور وہ بے نمازی ہے، تو جمعہ کے وقت اُس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، خرید و فروخت سے وہ اتنا ہی گنہگار ہوگا جس قدر ترکِ جمعہ سے ہوتا ہے، لیکن اُس نے جمعہ کے وقت جو سودا کیا ہے، وہ گناہ کے ساتھ درست ہوگا، لہٰذا کسی ایسے شخص کو جس پر جمعہ فرض ہے، جمعہ کے وقت دکان پر بٹھانا جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] جمعہ کے خطبہ کے دوران مسجد کا چندہ کرنا

۱۰۲۲-سوال: جمعہ کے دن جب خطبہ شروع ہوتا ہے اور لوگ فارغ بیٹھے ہوتے ہیں، اس وقت دو شخص ہر مصلی کے سامنے سے مسجد کے خرچ کے لیے جھولی لے کر گزرتے ہیں، جس کو دینا ہوتا ہے، اپنی خوشی سے دیتا ہے اور جو نہیں دیتا ہے، اس پر کوئی زبردستی نہیں ہوتی، تو شرعاً یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت کی بنا پر مانگنے والے کو چندہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ لوگوں کی گردنیں پھلانگنا، نمازی کے سامنے سے گذرنا اور چمٹ کر مانگنا لازم نہ آتا ہو، اور یہ اس وقت ہے جب کہ مانگنا خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہو، اگر دورانِ خطبہ ہے، تو اس کی اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ خطبہ سننا ہر شخص پر واجب ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= أهل القرى فإنهم يصلون الظهر بجماعة بأذان وإقامة؛ لأنه ليس عليهم شهود الجمعة ولأن في إقامة الجماعة فيها تقليل جمع الجمعة فكان هذا اليوم في حقهم كسائر الأيام. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۰، فصل بيان ما يستحب في يوم الجمعة وما يكره فيه، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) وكذا يكره البيع والشراء يوم الجمعة ... لقوله تعالى ﴿يا أيها الذين آمنوا إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع﴾ [الجمعة: ۹] والأمر بترك البيع يكون نهيا عن مباشرته وأدنى درجات النهي الكراهة. ولو باع يجوز؛ لأن الأمر بترك البيع ليس لعين البيع بل لترك استماع الخطبة. (حوالہ سابق)

(۲) قال في النهر: والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي، ولا يتخطى الرقاب، ولا يسأل إلحافا، بل لأمر لا بد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء اهـ ومثله في البزازية. وفيها ولا يجوز الإعطاء إذا لم يكونوا على تلك الصفة المذكورة. قال الإمام أبو نصر العياضي: أرجو أن يغفر الله - تعالى - لمن يخرجهم من المسجد. وعن الإمام خلف بن أيوب: لو كنت قاضيا لم أقبل شهادة من يتصدق عليهم. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۶۴، باب الجمعة، مطلب في الصدقة على سؤال المسجد، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ: ۸/ ۳۶۶ ☆ کتاب المسائل: ۱/ ۴۶۴۔

عن ابن عباس - رضی الله تعالیٰ عنهما -: أنه قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم، فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین. (بخاری شریف: ۱/ ۱۲۲، حدیث نمبر: ۸۹۲)

عن عبد الرحمن بن کعب بن مالك، وکان قائد أبیه بعد ما ذهب بصره، عن أبیه کعب بن مالك، أنه کان إذا سمع النداء یوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة، فقلت له: إذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن زرارة، قال: "لأنه أول من جمع بنا فی هزم النبیت من حرة بنی بیاضة فی نقیع، یقال له: نقیع الخضمات"، قلت: کم أنتم یومئذ، قال: أربعون. (ابوداود شریف: ۱/ ۱۵۳، حدیث نمبر: ۱۰۶۹)

باب الجمعة في القرىٰ

[گاؤں میں جمعہ کا قیام]

ضروری نوٹ: حضرت مفتی بیمات صاحبؒ کے ''جمعہ فی القریٰ'' کے تمام فتاویٰ کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جمہور علماء احناف کی طرح ان کے نزدیک بھی قیام جمعہ کے لیے بنیادی طور پر مصر شرط ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، تاہم کسی چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز عرصۂ دراز سے ہو رہی ہو، اور اسے بند کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، تو حضرت مفتی صاحبؒ کا نظریہ ہے کہ اسے بند نہ کیا جائے، نماز پڑھ لی جائے، امام ہو، تو وہ بھی جمعہ کی نیت سے نماز پڑھاوے، نماز ہو جائے گی، اور ظہر کی نماز بہ طور احتیاط (احتیاط الظهر) پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں، ہاں کوئی گاؤں بالکل ہی چھوٹا ہے، کہ جہاں ضروریات زندگی کی اکثر چیزیں دست یاب نہیں ہیں، وہاں احتیاط الظہر کا حکم دیتے ہیں؛ اگر یہ وضاحت پیش نظر رہے، تو آئندہ صفحات کے بعض فتاویٰ سے پیدا ہونے والا خلجان ان شاء اللہ رفع ہو جائے گا۔

یہ بھی واضح رہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ جمعہ فی القریٰ کے قیام کے سلسلے میں توسع والے قول کو اختیار کرتے نظر آتے ہیں، اکابر علماء میں مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں، جگہ جگہ اپنے فتاویٰ میں ان کی رائے کو نقل بھی فرماتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ بعض علاقوں میں بہت سے افراد- جو حقیقت میں بد عملی کا شکار ہیں- قیام جمعہ کی وجہ سے ہی دین سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں، اس دن غسل کرتے ہیں، ذکر و اذکار کا اہتمام کرتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کو محسوس کرتے ہیں اور دھیرے دھیرے پابند شرع ہو جاتے ہیں؛ اس لیے جن گاؤں میں جمعہ قائم وجاری ہے، اسے بند نہ کیا جائے۔ (دیکھیے عنوان: رویدرا میں جمعہ)

یہی بات اکابر علماء میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور موجودہ دور کے ممتاز فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کے فتاویٰ میں بھی ملتی ہے۔

مجتبیٰ حسن قاسمی

خادم شعبۂ افتاء: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الجمعة في القرىٰ

[گاؤں میں جمعہ کا قیام]

[۱] چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جارہا ہو تو؟

۱۰۲۳- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک گاؤں میں جمعہ شرعی اعتبار سے صحیح نہیں ہوتا ہے؛ لیکن لوگ پرانے زمانہ سے جمعہ ادا کرتے چلے آرہے ہیں، اور امام صاحب نفل نماز کی نیت کرتے ہیں، تو مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بعض لوگ جمعہ کے بجائے ظہر پڑھتے ہیں، تو ان میں سے اگر کسی کو نماز کی ذمے داری سونپی جائے اور وہ نماز جمعہ پڑھائے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مذہب حنفی میں چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں، جمعہ پڑھنے سے ظہر کا ذمہ ادا نہ ہوگا، جو لوگ ظہر پڑھتے ہیں، وہ صحیح راہ پر ہیں۔[1]

امام صاحب کی ذمہ داری یہ ہے کہ صحیح مسائل لوگوں کو حکمت کے ساتھ سمجھا کر انہیں جمعہ نہ پڑھنے کی تاکید

---

(۱) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء:

الأول: (المصر، وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء، مجتبى؛ لظهور التواني في الأحكام. ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وعليه فتوى أكثر الفقهاء إلخ) وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه. وفي الولوالجية وهو صحيح بحر، وعليه مشى في الوقاية ومتن المختار وشرحه وقدمه في متن الدرر على القول الآخر وظاهره ترجيحه وأيده صدر الشريعة بقوله لظهور التواني في أحكام الشرع سيما في إقامة الحدود في الأمصار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۳۷، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

کریں، قرآن مجید میں ہے: ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[۲] اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دیجیے، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کریں، جو بہترین ہو؛ لیکن اگر لوگ ماننے کے لیے تیار نہ ہوں، تو جمعہ ہی کی نیت سے جمعہ پڑھائیں، امام کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔[۳] لیکن جمعہ بند

[۲] ۱۶-النحل: ۱۲۵.

(۳) گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا احناف کے نزدیک درست نہیں ہے، جواز جمعہ کے لیے مصر شرط ہے، ان کا استدلال "لا جمعة ولا تشريق الا في مصر" (مصنف عبد الرزاق (م: ۲۱۱ھ): ۳/ ۱۶۷، حدیث نمبر: ۵۱۷۵، و۵۱۷۷، باب القرى الصغار، محقق: حبیب الرحمن اعظمی، ط: مجلس علمی- ڈابھیل) سے ہے، کہ جمعہ اور تشریق صرف شہر والوں پر ہے۔ پھر "مصر" کی مختلف تعریف کی گئی ہے، اور تصحیح میں خاصہ اختلاف ہے، جیسا کہ حاشیہ نمبر (۱) اور اگلے سوال میں مذکور ہے، نیز اس روایت میں "لا" صحت کی نفی کے لیے بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ احناف کا مسلک ہے، اور نفی وجوب کا بھی احتمال رکھتا ہے، اس دوسرے احتمال کو یوں بھی تقویت حاصل ہے کہ متعدد روایت سے "جمعہ فی القریٰ" کی اجازت معلوم ہوتی ہے، مثلاً:

① عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك، وكان قائد أبيه بعد ما ذهب بصره، عن أبيه كعب بن مالك، أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة، فقلت له: إذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن زرارة، قال: "لأنه أول من جمع بنا في هزم النبيت من حرة بني بياضة في نقيع، يقال له: نقيع الخضمات"، قلت: كم أنتم يومئذ، قال: أربعون. (سنن أبي داود: ۱/ ۱۵۳، رقم الحديث: ۱۰۶۹، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى، ط: البدر- ديوبند)

② عن ابن عباس: أنه قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم، في مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۲، رقم الحديث: ۸۹۲، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، ط: رشيدية- ديوبند)

③ وروى البيهقي في "المعرفة" عن مغازي ابن إسحاق وموسى بن عقبة: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - حين ركب من بني عمرو بن عوف في هجرته إلى المدينة، مر على بني سالم وهي قرية بين قباء والمدينة، فأدركته الجمعة فصلى فيهم الجمعة، وكانت أول جمعة صلاها حين قدم. ـــــ ووصله ابن سعد من طريق الواقدي بأسانيد له، وفيه: أنهم كانوا حينئذ مائة رجل. (التمييز في تلخيص تخريج أحاديث شرح الوجيز المشهور بـ "التلخيص الحبير"- ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): ۳/ ۹۹۳، رقم: ۱۹۰۳، كتاب الجمعة، ت: د. محمد الثاني بن عمر بن موسى، ط: دار أضواء السلف)

نیز جن روایات سے احناف نے استدلال کیا ہے، سند کے اعتبار سے بھی اس پر کلام کیا گیا ہے، مثلاً: "لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع" کو زیلعیؒ نے "موقوف على علي" قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں: قلت: غريب مرفوعا، وإنما وجدناه موقوفا على علي. (نصب الراية لأحاديث الهداية- جمال الدين الزيلعي (م: ۷۶۲ھ): ۲/ ۱۹۵، باب صلاة الجمعة، ت: محمد عوامة، ط: مؤسسة الريان للطباعة والنشر - بيروت/ دار القبلة للثقافة الإسلامية- جدة)

احناف کا استدلال اس روایت سے بھی ہے: "الجمعة على من آواه الليل إلى أهله". (ترمذی، باب ما جاء من کم تؤتی =

کرانے کے سلسلہ میں جھگڑا کرنے کی اجازت نہیں ہے، لڑائی جھگڑا کرنا حرام ہے، نفل کی نیت سے جمعہ کی نماز پڑھانا اور بعد میں اپنے طور پر ظہر پڑھنا کسی طرح جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس طرح مقتدی کو دھوکہ دینا اور ان کی نماز کو فاسد کرنا لازم آئے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الجمعۃ، حدیث نمبر: ۵۰۲) لیکن محدثین نے اسے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ [قال الحافظ (في التلخيص الحبير: ۳/ ۹۹۲، رقم الحديث: ۱۹۰۲): ضعفه أحمد و الترمذي. و له شاهد من حديث أبي قلابة مرسل. رواه البيهقي]

(ضروری نوٹ: ان تفصیلات کے ذکر کرنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سلسلے میں احناف کے دلائل کمزور ہیں، احناف کے دلیل کی قوت دیکھنا ہو تو اوثق العری فی تحقیق الجمعہ فی القریٰ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے فتاویٰ دیکھیں، نیز علامہ نیمویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی بھی اس سلسلے میں مفصل تحریر موجود ہے۔ ضعف دلیل کی وجہ سے یہاں مذہب غیر پر فتویٰ نہیں ہے؛ بل کہ ایک خاص مصلحت متقتضی ہے کہ جہاں جمعہ قائم ہے، اسے نہ روکا جائے، اکابر میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی تحریر میں اس کی جانب اشارہ موجود ہے۔)

اس لیے اگر کسی گاؤں میں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آ رہی ہو، اور اس کے روکنے سے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، تو جمعہ کی نماز ادا کر لینی چاہیے، حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

"حنفیہ کے اصول کے بہ موجب دیہات میں اقامت جمعہ درست نہیں، مصر ہونا جواز جمعہ کے لیے شرط ہے، لیکن مصر کی تعریفیں مختلف اور متعدد منقول ہیں، اس مسئلے میں زیادہ تختی کا موقع نہیں ہے، اور اس زمانے کے مصالح عامہ مہمہ اس امر کے متقتضی ہیں کہ اقامت جمعہ کو نہ روکا جائے، تو بہتر ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ مدت دراز سے جمعہ قائم ہو، اس کو روکنا بہت سے مفاسد عظیمہ کا موجب ہوتا ہے۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۴۲، دار الاشاعت، کراچی)

ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رقم طراز ہیں: "لا جمعۃ ولا تشریق...... الخ" حنفیہ نے اس میں 'لا' سے نفی صحت مراد لی ہے، مگر محتمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو۔ (حوالہ سابق)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں: فقہاء احناف کے نزدیک جمعہ و عیدین نہیں پڑھی جائے گی، بل کہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اس لیے کہ حضرت علی سے مروی ہے کہ: "لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع" جمعہ وعیدین شہر ہی میں پڑھی جائیں، لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ناکافی ہو جائے، یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے، کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے، کیوں کہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے؛ بل کہ تذکیر و موعظت کا بھی بہترین موقع ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۳۶-۳۷، نماز کے متعلق سوالات، دیہات میں جمعہ، ط: نعیمیہ- دیوبند)

[۲] دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل

۱۰۲۴- سوال: اقامت جمعہ میں جہاں اور شرطیں ہیں، وہاں دوخاص شرطیں: ''وجود سلطان'' اور ''مصر جامع'' کی ہے، شرط سلطان تو ہمارے ملک میں نہیں ہے، اسی بناء پر تمام مفتیان کرام نے اس کو فتویٰ میں ملحوظ نہیں رکھا ہے، رہی ''مصر جامع'' کی شرط، تو اس میں بہت اجمال ہے اور اس کی تفصیل میں متعدد اقوال ہیں، من جملہ یہ ہیں:

۱-مصر سے مراد وہ جگہ ہے، جہاں حدود و احکام کا نفاذ ہو۔——۲-اتنا بڑا گاؤں ہو کہ پورا قریہ اس کی مسجد میں نہ سما سکے۔——۳-جہاں دس ہزار آدمی رہتے ہوں۔——۴-جہاں ہر حرفت (پیشہ) والا رہتا ہو۔——۵-جہاں امیر موجود ہو۔——۶-جہاں ۵۰۰۰/آزاد آدمی رہتے ہوں۔——۷-جس میں موت سے کمی اور ولادت سے زیادتی نہ معلوم ہوتی ہو۔——۸-جہاں کے باشندے مشکل سے شمار کیے جاسکیں۔——۹-جہاں دشمن سے مقابلہ کے وقت کسی سے مدد نہ لینی پڑے۔——۱۰-جس بستی میں ۱۰۰/آدمی مقیم ہوں،[1] وغیرہ وغیرہ.....

---

(۱) أما المصر الجامع فقد اختلفت الأقاويل في تحديده، ذكر الكرخي أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام، وعن أبي يوسف روايات ذكر في الإملاء كل مصر فيه منبر وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة، وفي رواية قال: إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمام جامعا ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة، وفي رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها، وقال بعض أصحابنا: المصر الجامع ما يعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى، وعن أبي عبد الله البلخي أنه قال: أحسن ما قيل فيه إذا كانوا بحال لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة فهذا مصر تقام فيه الجمعة، وقال سفيان الثوري: المصر الجامع ما يعده الناس مصرا عند ذكر الأمصار المطلقة، وسئل أبو القاسم الصفار عن حد المصر الذي تجوز فيه الجمعة، فقال: أن تكون لهم منعة لو جاءهم عدو قدروا على دفعه فحينئذ جاز أن يمصر وتمصره أن ينصب فيه حاكم عدل يجري فيه حكما من الأحكام، وهو أن يتقدم إليه خصمان فيحكم بينهما.

وروي عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أو علم غيره والناس يرجعون إليه في الحوادث، وهو الأصح. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۵۹-۲۶۰، كتاب الصلاة، فصل بيان شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: النتف في الفتاوى-أبو الحسن علي بن الحسين بن محمد السُّغدي، حنفي (م: ۴۶۱ھ): =

اب آپ ہی بتائیں کہ ہم مصر کی صحیح تعریف کیا کریں۔

آیات قرآنی جمعہ کے بارے میں غیر مقید ہیں، وہاں شرط کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور وہ احادیث جو آیت کریمہ کی تفسیر ہیں، ان میں بعض افراد (مسافر، عورت اور بچے) کا استثناء کیا گیا ہے؛ لیکن دیہات کا استثناء نہیں کیا گیا ہے، چناں چہ احادیث میں ہے: ۱-الجمعة حق واجب... الحدیث (أبو داؤد) ۲-من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة... الحدیث (مشكوة) ۳-الجمعة واجبة على كل قرية... الحدیث (دارقطنی)۔ ۴-إن اول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- في مسجد عبد القيس. (بخاری، ابوداؤد)

اور بہت سے آثار صحابہ میں بھی ''مصر جامع'' کی شرط نہیں ہے، مثلاً: ۱-اثر حضرت عمرؓ (فتح الباری: ۱/ ۴۸۶) ۲-اثر ابوذرؓ (کبیری شرح منیہ: ۵۱۲) ۳-اثر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ (فتح الباری: ۱/ ۴۸۶) ان کے علاوہ بھی اثار صحابہ اس باب میں ہیں، جن میں مصر جامع کی شرط نہیں ہے، سوائے حضرت علیؓ کے، کہ وہ فرماتے ہیں: ''لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع''؛ لیکن سوال یہ ہے کہ اس اثر علیؓ میں لا نفی کمال ہونے کا بھی تو احتمال ہے اور نفی کمال سے مطلق نفی لازم نہیں آتی۔

پھر کیا وجہ ہے کہ آیت کریمہ کے مطلق ہونے کے باوجود، احادیث میں عدم صراحت مصر کے باوجود اور آثار صحابہ کے معارض ہونے کے باوجود اس اثر علیؓ کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور چھوٹے دیہات میں جمعہ کو ہمارے مفتیان کرام منع کرتے ہیں۔ اگر ''مصر جامع'' کی شرط اتنی ہی ضروری تھی، تو شارع علیہ السلام نے بعض افراد کے استثناء کے ساتھ اس کو بھی کیوں واضح نہیں فرمایا اور اس کو مستثنیٰ میں شامل کیوں نہیں کرلیا؟ اس کی عدم شمولیت اور بہت سے آثار صحابہؓ کے معارض ہونے سے تو یہ گمان ہوتا ہے کہ اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ''لا'' نفی کمال سمجھ کر دیگر احادیث وآثار میں تطبیق دی جائے، اور اقامت جمعہ شہر ودیہات ہر جگہ عام ہو، واللہ اعلم بالصواب، اس سوال کا جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

=۱/ ۹۱، مطلب صلاة الجمعة، تعريف المصر، ت: صلاح الدين الناهي، ط: دار الفرقان/ مؤسسة الرسالة - عمان الأردن/ بيروت ☆المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲/ ۲۳، باب صلاة الجمعة، ط: دار المعرفة - بيروت ☆الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۸۲، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ یعنی مسائل شرعیہ فرعیہ کے اثبات کا مبنی قرآن، احادیث، اجماع امت اور قیاس شرعی ہے۔
جمعہ کی فرضیت کے متعلق قرآن میں ہے: {يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ.}(۱) فقہاء نے غور کیا کہ اس فریضہ جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کہاں ادا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں ادا کرنے کا حکم فرمایا، اور کیا قریہ صغیرہ اور جنگل میں جمعہ جائز ہے؟ تو اس سلسلہ میں بنیادی احادیث ان کے سامنے یہ تھی: ۱-ماروی عن النبي -صلی اللہ علیہ وسلم- قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع.(۲)

۲-وعن علي رضي اللہ عنہ: لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع. (بدائع)(۳)

۳-عن ابن عباس رضي اللہ عنهما، قال: "أول جمعة جمعت، بعد جمعة جمعت في مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، في مسجد عبد القيس بجواثى، يعني قرية من البحرين.(۴)

اور بدائع الصنائع میں ہے: وكذا الصحابة رضي اللہ عنهم فتحوا البلاد وما نصبوا المنابر إلا في الأمصار فكان ذلك إجماعاً منهم على أن المصر شرط. (بدائع)[۵]

اگر جمعہ کا حکم مطلق ہوتا، تو دیہات وجنگل میں بھی جمعہ ادا کرنے کا حکم ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں جمعہ ادا کرنے کا حکم فرماتے؛ لیکن ایسا نہیں ہے، معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقید فرمایا ہے، نیز صحابہ کے اقوال غیر مدرک بالقیاس کو حدیث کا حکم دیا گیا ہے اور صحابہ کی روایات (آثار)

---

(۱) ۶۲-الجمعۃ: ۹۔

(۲-۳) بدائع الصنائع: ۱/ ۲۵۹، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية.
"لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع" کو زیلعیؒ نے "موقوف علی علی" قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں: قلت: غريب مرفوعا، وإنما وجدناه موقوفا على علي. (نصب الراية لأحاديث الهداية- جمال الدين الزيلعي (م: ۷۶۲ھ): ۲/ ۱۹۵، باب صلاة الجمعة، ت: محمد عوامة، ط: مؤسسة الريان للطباعة والنشر- بيروت/ دار القبلة للثقافة الإسلامية- جدة
——— نیز بیہقیؒ نے سنن کبری (۳/ ۱۷۹) میں لکھا ہے: "إنما يروى عن علي موقوفاً، فأما النبي صلى اللہ عليه وسلم فإنه لا يروى عنه في ذلك شيء". حاشیہ بدائع: ۱/ ۵۸۳، زکریا- دیوبند)

(۴) صحيح البخاري: ۲/ ۶۲۷، رقم الحديث: ۴۳۷۱، كتاب المغازي، باب وفد عبد القيس، وانظر: رقم: ۸۹۲، باب الجمعة في القرى والمدن، ط: البدر- ديوبند.

[۵] بدائع الصنائع: ۱/ ۲۵۹، كتاب الصلاة، فصل بيان شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية)

سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ شہر ہی میں صحیح ہوتا ہے۔

اور جن روایات میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جواثی (یا جوثاء) قریہ بحرین میں مدینہ کے بعد جمعہ ادا فرمایا تھا، تو قریہ کا اطلاق قرآن شریف میں شہر پر بھی آیا ہے: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾[۶] پس قریتین کا اطلاق یہاں مکہ اور طائف پر ہوا ہے، جو شہر اور قلعہ بھی تھا (لہٰذا قریہ کا لفظ لے کر دیہات میں جمعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا)۔

''صحابہ کرامؓ منبروں کو صرف شہروں ہی میں قائم فرماتے تھے'' یہ بھی اس پر دال ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں، جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ کا ہونا ضروری ہے، اسی بنا پر مسلک احناف میں اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

نیز اس لیے بھی کہ ظہر کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے، اس کو ترک نہیں کیا جائے گا مگر نص قطعی ہی سے اور شہر میں ظہر ترک کر کے جمعہ کی ادائیگی کے متعلق نص وارد ہوئی ہے، دیہات کے متعلق نہیں ہے؛ لہٰذا قریہ و دیہات میں ظہر ترک کر کے جمعہ ادا نہیں کیا جائے گا۔ اور آپ نے یہ تحریر کیا ہے کہ بعض صحابہ سے مصر کی قید ثابت نہیں ہے، مگر غور فرمائیں کہ عمل رسول ﷺ اور عمل صحابہؓ کیا ہے؟ صاحب بدائع کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ: فكان ذلك إجماعاً منهم على أن المصر شرط. (بدائع)[۷]

اور آپ کی بیان کردہ روایات: ۱-الجمعة حق واجب . . . اور ۲-من كان يومن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة . . . یہ روایات مطلق ہیں، ان کو مقید پر محمول کریں گے، اور ۳-الجمعة واجبة على كل قرية . . . الحدیث اور ۴-في مسجد عبد القيس . . . والی روایات میں قریہ سے مراد شہر ہے اور قریہ ''بحرین'' شہر ہی تھا (جیسا کہ محقق ہے) لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ شہر میں ادا کرنا ہوگا، دیہات میں جائز نہیں۔ پس مذکورہ تفصیل کی بنا پر حضرت علیؓ کے اثر میں ''لا'' نفی کمال کا نہیں ہے، بلکہ نفی صحت کا ہے۔

علاوہ ازیں شعار کو ہر مکان میں ادا کرنے سے شعار کی عظمت باقی نہیں رہتی، کیوں کہ کچھ شعار ایسے ہیں، جو مکان مخصوص، وقت مخصوص اور عمر مخصوص ہی میں ادا کیے جاتے ہیں؛ لہٰذا جمعہ کو- جو شعار اسلام ہے- مصر ہی میں ادا کرنے سے اس کی عظمت باقی رہے گی۔ جس کا اندازہ بالفعل آپ لگا سکتے ہیں؛ بل کہ اس شعار کا تقاضہ یہ

[۶] ۴۳-الزخرف: ۳۱۔

[۷] بدائع الصنائع: ۱/ ۲۵۹، كتاب الصلاة، فصل بيان شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية.

ہے کہ دیہات کے لوگ شہر ہی جا کر اجتماعیت کا ثبوت دیں: ولأن الجمعة من أعظم الشعائر فتختص بمكان اظهار الشعائر وهو المصر. (بدائع: ۱/۲۵۹)[۸]

اور مصر کی تعریف میں کئی اقوال ہیں؛ لیکن راجح قول عرف ومحاورے کا ہے۔ (یعنی عرف میں جو شہر شمار ہوتا ہو، وہ شہر ہے) جیسا کہ صاحب بدائع نے تمام اقوال ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔ (بدائع)[۹]

اور صحت جمعہ کے لیے قیود صرف امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں نہیں ہیں؛ بل کہ دیگر ائمہ نے بھی صحت جمعہ کے لیے قیود مقرر کی ہیں، چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے: واختلف العلماء في الموضع الذي تقام فيه الجمعة، فقال مالك: كل قرية فيها مسجد أو سوق فالجمعة واجبة على أهلها، ولا يجب على أهل العمود وإن كثروا؛ لأنهم في حكم المسافرين. وقال الشافعي وأحمد: كل قرية فيها أربعون رجلا أحرارا بالغين عقلاء مقيمين بها لا يظعنون عنها صيفا ولا شتاء إلا ظعن حاجة، فالجمعة واجبة عليهم، وسواء كان البناء من حجر أو خشب أو طين أو قصب أو غيرها، بشرط أن تكون الأبنية مجتمعة، فإن كانت متفرقة لم تصح، ... ومذهب أبي حنيفة، رضي الله تعالى عنه: لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر، ولا تجوز في القرى، وتجوز في منى إذا كان الأمير أمير الحاج، أو كان الخليفة مسافرا. وقال محمد: لا جمعة بمنى ولا تصح بعرفات في قولهم جميعا. وقال أبو بكر الرازي في كتابه (الأحكام): اتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجتمعون على أنها لا تجوز في البوادي، ومناهل الأعراب، وذكر ابن المنذر عن ابن عمر أنه كان يرى على أهل المناهل والمياه أنهم يجمعون.[۱۰]

اور ماشاء اللہ آپ تو عالم ہیں، امید ہے سب امور حل ہو گئے ہوں گے؛ لیکن جہالت کا ماحول ہے، ہر ہر قریہ میں گروہ بندی کا دور دورہ ہے؛ اس لیے عوام کو مسئلہ سمجھا دیں، اس کے باوجود جمعہ پر اصرار کریں، تو جمعہ پڑھا دیں اور اعادۂ ظہر کی تلقین کریں، تاکہ ظہر ذمہ میں واجب نہ رہے، اور فتنہ وفساد پھیلے ایسی کوئی سبیل اختیار نہ کریں، اس کا خاص خیال رکھیں۔[۱۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] حوالہ سابق: ۱/۲۵۹۔ [۹] حوالہ سابق: ۱/۲۶۰۔

(۱۰) عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۶/۱۸۷، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت.

(۱۱) تفصیل کے لیے ''چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟'' کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

[۳] قصبہ میں نماز جمعہ اور دیہات کے باشندے کی اس میں شرکت

۱۰۲۵- سوال: ساتیجا گاؤں میں نئی مسجد بناتے وقت اس میں جمعہ وعیدین پڑھنے کی نیت کی، تو اس میں جمعہ وعیدین کی ادائیگی صحیح ہوگی یا نہیں؟ واضح رہے کہ مذکور گاؤں ''ساتیجا'' ایک قصبہ ہے، ضروریات زندگی کی ساری چیزیں وہاں دست یاب ہوجاتی ہیں، نیز اس گاؤں کے اطراف میں دوسرے تین گاؤں بھی ہیں، جو بالکل قریب قریب ہیں، امید ہے کہ ان دیہاتوں کے باشندے بھی جمعہ پڑھنے آویں گے؟

الجواب حامداومصلیا:

''ساتیجا'' اگر قصبہ ہے، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو وہاں جمعہ اور عیدین جائز ہے اور اس نیت سے مسجد بنانے میں ثواب ہے، اطراف کے چھوٹے دیہات والوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں؛ لیکن اگر وہ لوگ ''ساتیجا'' آکر جمعہ کی نماز ادا کرلیں، تو نماز درست ہوجائے گی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] چار ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

۱۰۲۶- سوال: ہمارے یہاں تقریباً تین سے چار ہزار تک کی آبادی ہے، تو ہمارے یہاں

---

(۱) تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۳۸/۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر-بيروت)

القروي إذا دخل المصر يوم الجمعة إن نوى أن يمكث ثمة يوم الجمعة يلزمه الجمعة، وإن نوى أن يخرج في ذلك اليوم قبل الوقت أو بعده لا جمعة عليه؛ لأنه في الأول صار كواحد من أهل المصر في ذلك اليوم وفي الثاني لم يصر. (درر الحكام شرح غرر الأحكام-ملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م:۸۸۵هـ): ۱۴۱/۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار إحياء الكتب العربية☆المحيط البرهاني -أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶هـ): ۸۷/۲، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م:۹۷۰هـ): ۱۵۱/۲، باب الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆الدر المختار مع رد المحتار: ۱۴۲/۲، باب الجمعة، ط: دار الفكر-بيروت)

القروي إذا دخل المصر ونوى أن يمكث يوم الجمعة لزمته الجمعة؛ لأنه صار كواحد من أهل المصر في حق هذا اليوم وإن نوى أن يخرج في يومه ذلك قبل دخول الوقت أو بعد الدخول لا جمعة عليه ولو صلى مع ذلك كان مأجورا، كذا في فتاوى قاضي خان والتجنيس والمحيط. (الفتاوى الهندية: ۱۴۵/۱، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر☆البحر الرائق: ۲۴۷/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا-ديوبند)

جمعہ کی نماز جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور جواز جمعہ کے لیے کتنی آبادی کا ہونا ضروری ہے؟ اور اس کے لیے کیا کیا شرائط ہیں؟ تفصیلی جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً

شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں، جہاں ضرورت کی اشیاء مل جاتی ہوں، وہاں جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ جمعہ کے جواز کے لیے مصر شرط ہے، آبادی کی کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے، اس سلسلے میں متعدد باتیں کہی گئی ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] چھوٹے دیہات والوں کا جمعہ کے دن ظہر پڑھنا

۱۰۲۷- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین ذیل کے مسئلہ میں کہ:

ایک چھوٹا سا دیہات ہے، جہاں جمعہ کی نماز جائز نہیں؛ لیکن وہاں کے باشندے جمعہ پڑھتے ہیں، وہاں دار العلوم بھی ہے، سوال یہ ہے کہ اگر دار العلوم کے اساتذہ وطلبا اپنی تمام نمازیں ادارے میں ادا کرتے ہوں، جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرتے ہوں، اور مسلسل کئی جمعہ تک وہ لوگ قریب کے شہر یا قصبہ میں نہ جائیں، تو یہ حضرات درج ذیل احادیث کے مصداق ہوں گے یا نہیں؟

عن أبي الجعد الضمري، وكانت له صحبة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ترك ثلاث جمع تهاونا بها، طبع الله على قلبه. (رواه أبو داؤد)[2]

ترجمہ: حضرت ابوالجعد ضمری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

(۱) قد تقدم التخريج عن: رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: زكريا- ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، كتاب الصلاة، مكتبه زكريا- ديوبند)
مسئلے کی مزید تفصیل وتخریج کے لیے "چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟" کا حاشیہ نمبر ۳ اور "دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل" کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

[۲] سنن أبي داود: ۱/ ۱۵۱، رقم الحديث: ۱۰۵۲، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجمعة، ط: البدر- ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/ ۱۱۲، رقم الحديث: ۵۰۰، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، ط: البدر- ديوبند☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳هـ): ۳/ ۸۸، رقم الحديث: ۱۳۶۹، كتاب الجمعة، باب التشديد في التخلف عن الجمعة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب.

جو شخص محض سستی اور کاہلی کی بنا پر تین جمعہ چھوڑ دے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے دِل پر مہر لگا دیں گے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من ترك الجمعة من غير ضرورة كتب منافقا في كتاب لايمحى ولايبدل، وفي بعض الحديث: ثلاثا. (رواه الشافعي)[۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے نمازِ جمعہ چھوڑ دیتا ہے، وہ اُس کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جاتی ہے اور نہ کبھی تبدیل ہوتی ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ جو شخص تین جمعہ چھوڑ دے۔

الجواب حامداً ومصلیا:

چھوٹے دیہات جہاں جمعہ واجب نہ ہو؛ لیکن پہلے سے پڑھا جا رہا ہو، تو جائز ہے، جو لوگ جمعہ پڑھ لیں گے، اُن کا جمعہ درست ہے، اور جو لوگ اُسے ناجائز سمجھ کر ظہر پڑھتے ہیں، وہ بھی گنہگار نہیں ہیں۔ (کفایت المفتی: ۳/۱۸۹)[۲]

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ فرض ہوتے ہوئے اگر کوئی اُسے ترک کر دیتا ہے، تو وہ مستحق وعید ہے، اگر سستی کی بنا پر چھوڑ دیتا ہے تو نفاق کی مہر لگے گی، نمازِ جمعہ کے استخفاف یا اُس کی فرضیت کے انکار کی بنا پر ترک کرتا ہے، تو مہرِ کفر لگے گی، یعنی قلب مسخ ہو جائے گا۔ (کوکب)[۳]

---

[۱] مسند الشافعي - الإمام أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي الشافعي (م: ۲۰۴ھ): ۱/۷۰، ومن كتاب ايجاب الجمعة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت (رقم الحديث: ۸ ۴۳۹، على ترتيب السندي) ☆معرفة السنن والآثار - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۴/۲۱۷، رقم الحديث: ۶۶۶۵، كتاب الجمعة، التشديد في ترك الجمعة، ت: عبد المعطي أمين قلعجي، ط: جامعة الدراسات الإسلامية (كراتشي - باكستان)، دار قتيبة (دمشق - بيروت)، وغيرهما.

[۲] کفایت المفتی: ۳/ ۲۰۲، ۲۰۷، ۲۰۸، کتاب الصلاۃ، فصل دوم، شرائط جمعہ، ط: کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، سنٹرل بک ڈپو، دہلی۔ ☆مسئلے کی مزید تفصیل وتخریج کے لیے ''چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جارہا ہو تو؟'' کا حاشیہ نمبر ۳ اور ''دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل'' کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

[۳] اعلم أن ترك الجمعة إما أن يكون لتسهيل أمرها وعدم اهتمام بشانها فالطبع طبع نفاق، أعاذنا الله منها، وإما أن يكون لا لتسهيل أمر، بل لاهانة نفسه في ترك ما يجب عليه أداؤه، فالطبع طبع رين وغين، والحديث يشمل كليهما. (الكوكب الدري على جامع الترمذي: ۱/ ۱۹۸، كتاب الصلاة، أبواب الجمعة، قوله: باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

جو لوگ مدرسہ میں ظہر کی نماز پڑھیں اور مسلسل کئی جمعہ تک کہیں جمعہ پڑھنے کے لیے نہ جائیں تب بھی وہ لوگ مذکور وعید کے مستحق نہیں ہیں، اس لیے کہ جمعہ اُن پر واجب ہی نہیں ہے، البتہ گاؤں اگر کسی شہر کی فناء میں داخل ہو، یا فناء شہر سے اس قدر متصل ہو کہ فناء شہر سے اذان کی آواز وہاں تک پہنچ جاتی ہے، یا زوال کے بعد پیدل جا کر جمعہ میں شرکت کر کے شام ہونے سے پہلے واپس گھر آ سکتے ہوں، تو ایسے گاؤں والوں پر بعض فقہاء کے نزدیک شہر میں جا کر جمعہ ادا کرنا ضروری ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ فناء اگر شہر سے باہر ہو، تو جمعہ کے لیے شہر میں جانا ضروری نہیں ہے، اگر جائے تو بہتر ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۵۳)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] چار ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ پڑھنا

۱۰۲۸- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ھٰذا میں کہ ہماری بستی میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، جس کی آبادی جملہ چار ہزار ہے، اس میں مسلمانوں کے دس مکان ہیں، جن کی آبادی کی تعداد ۶۰/ تک ہے، بستی میں بازار بھی لگتا ہے، دکانیں وغیرہ بھی ہیں، پنچایت بھی ہے، پوسٹ آفس ہے، دواخانہ ہے، مسجد بنی ہوئی نہیں ہے، صرف ایک جھونپڑا ہے، وہیں پانچ وقت کی نماز ہوتی ہے، وہیں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے؛ لیکن بستی سے پانچ کلومیٹر ایک شہر یعنی قصبہ ہے، جہاں دو مسجدیں ہیں، ایسی حالت میں ہم بستی میں جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

---

[۱] (وشرط لافتراضها) تسعة تختص بها (إقامة بمصر) وأما المنفصل عنه فإن كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد وبه يفتى كذا في الملتقى، وقدمنا عن الولوالجية تقديره بفرسخ، ورجح في البحر اعتبار عوده لبيته بلا كلفة. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله يسمع النداء) أي من المنابر بأعلى صوت كما في القهستاني (قوله وقدمنا إلخ) فيه أن ما مر عن الولوالجية في حد الفناء الذي تصح إقامة الجمعة فيه، والكلام هنا في حد المكان الذي من كان فيه يلزمه الحضور إلى المصر ليصليها فيه، نعم في التتارخانية عن الذخيرة: أن من بينه وبين المصر فرسخ يلزمه حضور الجمعة، وهو المختار للفتوى (قوله ورجح في البحر إلخ) هو ما استحسنه في البدائع وصحح في مواهب الرحمن قول أبي يوسف بوجوبها على من كان داخل حد الإقامة أي الذي من فارقه يصير مسافرا وإذا وصل إليه يصير مقيما، وعلله في شرحه المسمى بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر والخارج عن هذا الحد ليس أهله. اهـ. ــــــــ قلت: وهو ظاهر المتون. وفي المعراج أنه أصح ما قيل. وفي الخانية المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لا جمعة عليه وإن بلغه النداء، وتقدير البعد بغلوة أو ميل ليس بشيء هكذا رواه أبو جعفر عن الإمامين، وهو اختيار الحلواني، وفي التتارخانية ثم ظاهر رواية أصحابنا لا تجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به فلا تجب على أهل السواد ولو قريبا وهذا أصح ما قيل فيه اهـ وبه جزم في التجنيس. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۵۳، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة، ط: دار الفكر)

اورعیدین کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (پچیس سال پہلے پولیس چوکی بھی تھی، اب نہیں ہے) بینوا،توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں- کہ آپ کے بستی کی آبادی چار ہزار ہے، ضروریات کی اکثر وبیشتر چیزیں مل جاتی ہیں، دواخانہ اور پوسٹ آفس ہے اور بازار بھی لگتا ہے- جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے۔[1] کوشش فرما کر جھونپڑے کی جگہ اینٹوں سے پختہ مسجد بنالیں۔[2] آپ نے جھونپڑا پنج وقتہ نماز کے لیے بنایا ہے، اسی میں نماز ادا کر سکتے ہیں، نماز کے لیے پختہ مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔[3] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (قوله شرط أدائها المصر) أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لا تصح في قرية، ولا مفازة ؛لقول علي - رضي الله عنه - لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة. (البحر الرائق: ۲/ ۲۴۵، أبواب الصلاة، صلاة الجمعة ، ط: دار الكتاب- ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا ديوبند)

مسئلے کی مزید تفصیل وتخریج کے لیے "چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟" کا حاشیہ نمبر ۳، اور "دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل" کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) عثمان بن عفان، يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم: إنكم أكثرتم، وإني سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "من بنى مسجدا - قال بكير: حسبت أنه قال: يبتغي به وجه الله - بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري: ۱/ ۶۴، رقم الحديث: ۴۵۰، كتاب الصلاة، باب من بنى مسجدا، ط: البدر- ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۰۱، رقم الحديث: ۲۴ - ۵۳۳، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل بناء المساجد والحث عليها، ط: البدر - ديوبند)

فيه: أن التعاون في بنيان المسجد من أفضل الأعمال لأنه مما يجري للإنسان أجره بعد موته. (عمدة القاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۴/ ۲۰۹، باب التعاون في بناء المسجد، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۳) المسجد: كل موضع يتعبد فيه.... عرفا: الموضع المبني للصلاة. (القاموس الفقهي لغة واصطلاحا- الدكتور سعدي أبو حبيب، ص: ۱۷۴، حرف السين، ط: دار الفكر. دمشق- سورية)

التسليم في المسجد أن تصلي فيه جماعة بإذنه وعن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - فيه روايتان في رواية الحسن عنه يشترط أداء الصلاة فيه بالجماعة بإذنه اثنان فصاعدا، كما قال محمد - رحمه الله تعالى - رواية الحسن، كذا في فتاوى قاضي خان ويشترط مع ذلك أن تكون الصلاة بأذان وإقامة جهرا لا سرا، حتى لو صلى جماعة بغير أذان وإقامة سرا لا جهرا لا يصير مسجدا عندهما، كذا في المحيط والكفاية. ـــــــــ ولو جعل رجلا واحدا مؤذنا وإماما وأقام وصلى وحده صار مسجدا بالاتفاق، كذا في الكفاية وفتح القدير. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۴۵۵، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجدا وفي أحكامه وأحكام ما فيه، ط: دار الفكر☆رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۳۵۶، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد)

[۷] رویدرا میں جمعہ

۱۰۲۹-سوال: ہمارے گاؤں رویدرا میں پہلے جمعہ کی نماز پڑھی جاتی تھی، تقریباً ۱۹۸۵ء سے جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھی جاتی ہے؛ لیکن یاد رہے کہ اسی گاؤں کی اسی مسجد میں عید کی نماز اب بھی پڑھی جاتی ہے، ادھر دونوں گاؤں (رویدرا اور کرمالی) کے متعدد افراد کو اپنے اپنے گاؤں میں رہ کر جمعہ پڑھنے کا شوق ہوا ہے اور اس کا سبب یہ ہے گذشتہ سالوں کے مقابلے میں فی الحال حالات میں بہت تبدیلی آئی ہے۔

رویدرا اور کرمالی کو جوڑنے والا ۲۰/فٹ کا راستہ، دونوں کے درمیان حد فاصل ہے، ورنہ دونوں ایک ہی گاؤں جیسے ہیں، ناواقف شخص دونوں کو ایک ہی گاؤں سمجھے گا، دونوں کے ایک ہی گاؤں ہونے کی دوسری بہت سی مثالیں ہیں، مثلاً: دونوں گاؤں کے مدارس اور خاص طور پر بڑا دارالعلوم، کرمالی کا ہونے کے باوجود رویدرا گاؤں کی حد میں ہے، اور رویدرا و کرمالی کی پانچویں کلاس کے بعد کی اسکولی تعلیم صرف رویدرا گاؤں میں ہے، اسی طرح پوسٹ آفس، پی۔سی۔او (PCO) اور دو ہسپتال رویدرا میں ہیں۔

گاؤں میں کتنے لوگ بستے ہیں؟ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

رویدرا گاؤں میں کل ۱۶۲۳/(سولہ سو تیئیس) افراد ہیں، جن میں ۸۰۱ (آٹھ سو ایک) مرد اور ۸۲۲ (آٹھ سو بائیس) عورتیں ہیں۔ اور کرمالی گاؤں میں کل ۱۰۸۲ (ایک ہزار بیاسی) افراد ہیں، جن میں ۵۴۲/ مرد اور ۵۴۰/عورتیں ہیں اور ساتھ ہی رویدرا گاؤں میں ''مدنی دار التربیت'' نام کا ایک ''دارالعلوم'' ہے اور ساتھ ساتھ گاؤں میں دو مکتب بھی ہے، جن میں صرف ''رویدرا'' کے مکتب میں بچوں کی تعداد ۳۰۰/تک ہے، جن کو ۱۳/اساتذہ تعلیم دے رہے ہیں، ''رویدرا'' کے اسکول میں بچوں کی تعداد ۳۳۵/رہیں اور ۸/اساتذہ (ٹیچرس) ہیں اور کرمالی کے اسکول میں بچوں کی تعداد ...... ہے اور ۴/اساتذہ ہے، نیز لڑکیوں کا مدرسہ بھی گاؤں میں ہے، دو واٹرورکس ہیں، چکیاں بھی ہیں، ''رویدرا'' مدرسے کے کرایہ کے تقریباً ۲۴/مکانات ہیں، کرمالی گاؤں میں تقریباً ۱۲/مکانات کرایہ کے ہیں، رویدرا گاؤں میں ضرورت کی تمام چیزیں ملتی ہیں، شہر کے بھاؤ پر یا اس سے کچھ کم و زیادہ قیمت پر ضرورت کی اشیاء دست یاب ہوجاتی ہیں، رویدرا گاؤں کے اسکول میں ۷/کلاس تک کی تعلیم ہے، جس میں دوسرے گاؤں کے بچے بھی ہیں، گاؤں میں دو ڈاکٹر ہیں، جن میں سے ایک ۲۴/گھنٹے گاؤں میں رہتا ہے، سرکاری ہسپتال اور جانوروں کا دواخانہ بھی ہے، رویدرا اور کرمالی کی تمام دوکانیں

مل کر تقریباً ۱۵/ ہیں۔ (ناچیز کو ۱۵/ دکانوں اور مذکورہ بالا اشیاء میں سے بعض کے موجود ہونے میں تردد ہے، ہوسکتا ہے کہ ناقل فتاویٰ سے چوک ہوئی ہو۔ مجتبیٰ حسن قاسمی)

گاؤں میں لائبریری بھی ہے اور مفتیان کرام بھی ہیں اور زمانہ کے تقاضے کے مطابق کمپیوٹرائز فون کا بھی انتظام ہے، جس کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے تک بات پہونچائی جاسکتی ہے۔

کھیتی کے لیے (گاؤں کے زیادہ تر لوگ کاشتکار ہونے کی وجہ سے) کاشتکاروں کی اشیاء ضرورت بھی گاؤں میں دستیاب ہیں، پولٹری فارم، قصاب، گاؤں سے شہر جانے کے لیے ہر طرح کی بسیں اور آٹو رکشہ بھی ہیں اور بجلی کا بھی انتظام ہے۔

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت کی رو سے ہم لوگ دونوں گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں، جس سے گاؤں کے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کی اہمیت پیدا ہو، تو ہمارے لیے جمعہ کی نماز پڑھنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفی مسلک کے مطابق چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے۔ [1] بڑے گاؤں اور قصبے میں جائز ہے۔ [2] حنفی مسلک کے مطابق گاؤں کی آبادی اور بستی کی کوئی حد متعین نہیں ہے، زمانہ کے حالات کے مطابق گاؤں اور قصبے کا معیار بدلتا رہتا ہے، پہلے زمانہ کا قصبہ آج کے اعتبار سے بڑے گاؤں جتنا ہوتا تھا، اس لیے جمعہ کی نماز کے جو قواعد ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے جمعہ کے بارے میں تھوڑی نرمی اختیار کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے، حنفی مسلک کے شرائط بہت سی جگہوں پر متحقق نہیں ہوتے؛ اس لیے جمعہ کے بارے میں اس ناچیز کی رائے نرمی کی ہے اور مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کے بہت سے فتاویٰ سے بھی یہی خلاصہ نکلتا ہے۔ [3]

ناچیز کے تجربے کے مطابق مسلمان جمعہ کے دن غسل کرتے ہیں اور طہارت حاصل کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں، عورتیں اور بچے بھی حصول طہارت کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اور جمعہ کی عظمت کے سبب

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل''۔
(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ''قصبہ میں نماز جمعہ اور دیہات کے باشندے کی اس میں شرکت''۔
(۳) دیکھیے عنوان: ''چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟'' کا حاشیہ نمبر ۳۔

ذکر وتلاوت کرتے ہیں اور جو لوگ مسجد سے دور رہتے ہیں، بدن اور کپڑے کی پاکی کا جن کو کچھ خیال بھی نہیں ہوتا، وہ بھی جمعہ کے دن مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور اس بہانے کچھ وعظ ونصیحت بھی سنتے ہیں اور جن لوگوں کو نماز ایک بوجھ لگتا ہے اور جو لوگ نماز کی پابندی نہیں کرتے، وہ بھی جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور جمعہ کی نماز کی وجہ سے ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس دن ایک بار تو ہمیں نماز پڑھنی ہی چاہیے، ایک ہفتے میں اتنا احساس بھی پیدا ہو جانا، بڑی بات ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے بالکل احساس ختم ہو جانے اور مسجد سے دور ہو جانے کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، اس احساس کے ساتھ مسجد میں آکر وعظ و نصیحت سن کر اور نیک لوگوں کی زیارت کر کے لوگ پانچوں وقت کے نمازی بن جاتے ہیں۔ اگر جمعہ بھی نہ ہو، تو پھر دوسرا کوئی موقع ایسا نہیں، جس میں لوگ ایک ساتھ جمع ہو سکیں، اگر یہ احساس بھی ختم ہو جائے، تو دین سے بالکل دور ہو جائیں گے، نیز بچوں کی تعلیم اور مدارس وعلماء سے ربط کا خیال بھی نہیں رہے گا، یہ صرف رویدرا کی بات نہیں، رویدرا تو تعلیم یافتہ گاؤں سمجھا جاتا ہے۔ اس سے چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہوتی ہے؛ لہٰذا جمعہ کی نماز کو بڑے گاؤں میں ناجائز کہنے میں بڑا نقصان ہے، جہاں جمعہ ہو رہی ہے، وہاں بند نہ کرنی چاہیے؛ بڑے گاؤں میں شروع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"[۴]

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تو صرف ۲۰۰ر آدمیوں کی آبادی والے گاؤں میں بھی ایک مرتبہ جمعہ شروع ہو جانے کے بعد جمعہ کو جائز کہا ہے۔ جہاں ۲۵ر سال سے نماز جمعہ بند کر دی گئی تھی، دو بارہ جاری کی گئی، تو مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ جائز ہے اور لکھا ہے کہ اسلام کے دشمنوں کی چالیں ایسے گاؤں پر

(۴) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں: فقہاء احناف کے نزدیک جمعہ وعیدین نہیں پڑھی جائے گی، بل کہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اس لیے کہ حضرت علی سے مروی ہے کہ: "لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع" جمعہ وعیدین شہر ہی میں پڑھی جائیں؛ لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ناکافی ہو جائے، یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے، کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے، کیوں کہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے؛ بل کہ تذکیر وموعظت کا بھی بہترین موقع ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۶-۳۷، نماز کے متعلق سوالات، دیہات میں جمعہ، ط: نعیمیہ - دیوبند)

اثر انداز نہیں ہوتیں، جہاں جمعہ ہوتی ہے۔ (کفایت المفتی)(۵)

یہ حقیقت ہے کہ ایسے گاؤں میں، جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی، وہاں دھیرے دھیرے مسجدیں ویران ہونے لگتی ہیں اور ارتداد کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے؛ لہٰذا بہت چھوٹے گاؤں کے علاوہ بڑے گاؤں میں جمعہ جائز ہونی چاہیے، رویدرا میں عید کی نماز ہوتی ہے، تو اب جمعہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، اگر فرض کرلیا جائے کہ دونوں گاؤں (رویدرا اور کرمالی) جدا جدا ہیں، تب بھی رویدرا میں تمام ضروریات کا انتظام ہے، جس کی وجہ سے رویدرا میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہوگا، کرمالی میں نہ پڑھی جائے، ایک ہی جگہ نماز پڑھی جائے؛ لیکن جمعہ کی نماز پڑھی جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۵) دوسو آبادی والے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: ایک موضع کرینڈا، ریاست الور جس کی آبادی قریب دوسو آدمیوں کی ہے، ان میں سے دوسری قوموں کے صرف پچیس، تیس آدمی ہیں، بقیہ سب مسلمان ہیں، پنجگانہ نمازی قریب پچاس آدمی ہیں، اس گاؤں میں سنا گیا ہے کہ بیس پچیس سال قبل جمعہ ہوتا تھا، یہاں کے باشندگان کو نماز جمعہ کی سخت تکلیف ہوتی ہے، جس مقام پر قدیمی جمعہ ہوتا چلا آتا ہے، وہ اس گاؤں سے تین چار کوس کے فاصلے پر ہے، وہاں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جانا اور واپس آنا، اس میں بہت تکلیف ہوتی تھی، تمام دن بے کار ہوجاتا تھا، اس گاؤں میں صرف ایک مسجد ہے، اس میں جو مقررہ امام ہیں، سال بھر سے جمعہ پڑھانا شروع کردیا ہے، دس بارہ آدمی کسی جمعہ میں باہر کے بھی آجاتے ہیں، جمعہ کی نماز میں بلاشبہ ہر جمعہ کو اندازاً چالیس پچاس آدمی ہوجاتے ہیں، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس گاؤں میں جمعہ قائم کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور آیا یہ ایک سال سے جو جمعہ ہو رہا ہے، اس کو بند کردیا جائے یا جاری رکھا جائے؟

جواب: جمعہ بند نہ کیا جائے، جاری رکھا جائے، اور سب لوگوں کو لازم ہے کہ اتفاق سے رہیں، آپس میں اختلاف کرنا بہت برا ہے۔

قلت: هذا و إن كان غير موافق لما عليه الحنفية، و لكنه أشد موافقة لمصالح الإسلامية الاجتماعية، خصوصا في هذا القطر، و في هذا الزمان، فإن أعداء الإسلام يظفرون بمقاصدهم المشومة في قرى لا تقام فيها الجمعة و يخيبون في مواضع إقامة الجمعة، والتوفيق من الله عز و جل، و حفاظة الإسلام خير من الإصرار على تركها، و المسألة مجتهد فيها.

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(کفایت المفتی: ۳/ ۲۵۰-۲۵۱، پانچواں باب، نماز جمعہ، دوسو آبادی والے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ ط: زکریا-دیوبند)

نوٹ: گاؤں میں فتنے کے خوف کی وجہ سے جمعہ جاری رکھنے کا حضرت مفتی صاحب کا یہ قول توسع پر مبنی ہے، یہی رائے اکابر علماء میں مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی رائے بھی اس سلسلے میں نرمی اختیار کرنے کی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۸] رویدرا اور کرمالی میں جمعہ جائز ہے؟

گذشتہ سے پیوستہ

۱۰۳۰- سوال: ہمارے رویدرا، کرمالی گاؤں میں درج ذیل صورت حال ہے، کیا یہاں جمعہ کی نماز جائز ہوگی؟

(۱) رویدرا گاؤں میں پہلے جمعہ کی نماز ادا کی جاتی تھی؛ لیکن غالباً ۱۹۸۵ء سے جمعہ کی جگہ نماز ظہر ادا کی جانے لگی، البتہ گاؤں کی اسی مسجد میں عید کی نماز اب بھی ادا کی جارہی ہے، اب چوں کہ گاؤں کے حالات تبدیل ہوگئے ہیں؛ اس لیے دونوں گاؤں والے یہاں جمعہ قائم کرنا چاہ رہے ہیں، ان حالات سے آپ بھی واقف ہیں۔

(۲) رویدرا اور کرمالی دونوں گاؤں کے درمیان صرف ۲۰ رفٹ کا راستہ ہی حائل ہے، دونوں گاؤں ایک گاؤں کے مانند ہی ہے۔ دیکھنے والے کو پہلے سے معلوم نہ ہو، تو ایک ہی گاؤں سمجھے اور بہت سی علامات ہیں، جو دونوں کے ایک ہونے پر دال ہیں، مثلاً کرمالی کا بڑا دارالعلوم رویدرا کی حد میں ہی ہے، رویدرا اور کرمالی کی پانچویں کلاس کے بعد کا اسکول بھی صرف رویدرا گاؤں میں ہی ہے، اسی طرح رویدرا اور کرمالی کی سرکاری آفس، راشن ڈپو، ڈاک خانہ، پی سی او (PCO) اور دو دوا خانے بھی صرف رویدرا میں ہی ہیں۔

(۳) رویدرا کی کل پبلک ۱۶۲۳ ر ہے، جس میں ۸۰۱ رمرد اور ۸۲۲ رعورتیں ہیں اور کرمالی کی کل پبلک ۱۰۸۲ ر ہے، جس میں ۵۴۲ رمرد اور ۵۴۰ رعورتیں ہیں، ان کے علاوہ ایک "مدنی دارالتربیت" نامی دارالعلوم ہے، جس میں کئی طلبہ مقیم ہیں، کرمالی مدرسہ میں تقریباً ۱۲۶ رطلبہ ہیں، دو مکتب ہیں، تقریباً ۳۰۰ رطلبہ ہیں، رویدرا کے اسکول میں ۳۳۵ راسٹوڈنٹ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

(۴) رویدرا گاؤں میں ضروریات زندگی کی ساری چیزیں مہیا ہیں؛ لہٰذا ہم جمعہ ادا کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ہمارا جمعہ ادا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً:

آپ کا جواب لکھنے سے پہلے میں بعض باتیں پیش خدمت ہیں:

۱۹۴۹ء میں ہم: مولانا محمد لولات بھگت رویدروی، مولانا محمد موسیٰ جلاد ہاسوڑ اور احقر (مفتی احمد بیات رحمۃ اللہ علیہ، صاحب فتاویٰ) دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

کرمالی میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی اور رویدرا میں ہوتی تھی، چھوٹے گاؤں میں حنفی مسلک کے مطابق جمعہ جائز نہیں ہے؛ لیکن فتنہ کے خوف سے مذکورہ مسلک والے بھی خاموش رہے، ۱۹۵۴ء یا ۱۹۵۵ء میں حضرت عبدالرحمن صاحبؒ (خلیفہ شیخ الاسلام سید مولانا حسین احمد مدنیؒ) نے حضرت مدنیؒ کو خط لکھ کر اپنے لیے مشورہ طلب کیا۔

جواب میں حضرت مدنیؒ نے کہا کہ گاؤں چھوٹا ہے، جمعہ جائز نہیں، البتہ فتنہ کے ماحول میں بہت سے گاؤں میں یہ حالت ہے؛ لہٰذا مسئلہ بتادو، لوگ مان لیں تو ٹھیک ہے، نہ مانیں، تو فتنہ برپا مت کرنا، مسئلہ بتادینے سے آپ کی ذمہ داری ادا ہوجائے گی؛ لیکن آپ جمعہ پڑھا کر ظہر پڑھ لینا۔ چناں چہ رویدرا میں جمعہ جاری رہی۔

اس کے بعد حضرت مفتی عبداللہ پٹیل صاحب نے عوام کو سمجھایا کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، سمجھ دار عوام نے مفتی صاحب کے سمجھانے سے جمعہ پڑھنا بند کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے (آمین) اور سمجھ دار کارکنان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے (آمین) اس معاملہ کو تقریباً ۸-۹ سال ہوگئے ہیں۔

۱۹۸۳ء اور ۸۴، ۸۵ کے بعد جی، آئی، ڈی، سی (گجرات انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن) انکلیشور آئی، جس کی وجہ سے انکلیشور کے دیہات کے احوال تبدیل ہوگئے، حکومتی اور سیاسی اسکیموں کی وجہ سے مالی حالات ٹھیک ہوئے، غریبوں کے جھونپڑے مکانات میں تبدیل ہوئے، موٹر، رکشا، ڈاکٹر، ماسٹر اور اساتذہ میں اضافہ ہوا، دارالعلوم کی طلبہ کی ضروریات کی وجہ سے دکانوں اور دکانوں کی اشیاء میں زیادتی ہوئی، رویدرا اور کرمالی کے مدرسہ کے آمدنی کے اسباب اور مکانات مہیا کیے گئے، شہروں سے تعلقات بڑھنے کی وجہ سے ٹیلی فون اور جی، آئی، ڈی، سی کے لیے ایس ٹی ڈی کا انتظام وجود میں آیا، جس کا انتظام بعض بڑے شہروں میں بھی نہیں ہے اور آبادی تین ہزار سے زیادہ ہے؛ لہٰذا رویدرا اور کرمالی ''گاؤں'' [قریہ کبیرہ] کے درجہ میں ہے، جہاں جمعہ پڑھنا لازم ہے، علامہ ''شامیؒ'' نے لکھا ہے: تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامی ۱/ ۷۴۸)[1]

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے سوال نمبر ۲۳۸۳ (حصہ ۵) کا خلاصہ ہے کہ سوجر ضلع مظفر نگر کا گاؤں

[۱] ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/ ۱۳۸، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت.

ہے، جس میں اندازاً تین ہزار کی آبادی ہے، لیکن گاؤں میں بازار نہیں ہے، کپڑے اور اناج کی دکان نہیں ہے تو جمعہ جائز ہوگی؟

جواب: شامی میں ہے جمعہ شہر، قصبہ اور بڑے گاؤں میں صحیح ہو جاتی ہے اور مذکورہ گاؤں بڑا گاؤں ہے؛ اس لیے کہ اس کی آبادی تین ہزار کے قریب ہے؛ لہٰذا جمعہ پڑھنا واجب ہے اور صحیح۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم ۶۶/۵)[۲]

لہٰذا دونوں گاؤں ایک گاؤں کے حکم میں ہونے کی بنا پر دونوں گاؤں والے جمعہ ادا کر سکتے ہیں؛ اس لیے کہ سوال کی تحریر کے مطابق دکان، ڈاکٹر، ماسٹر، کرایے پر ملنے والے مکان اور ٹیلی فون وغیرہ کا انتظام برسوں سے ہے، لہٰذا جمعہ ادا کرنا جائز ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] چھوٹے گاؤں میں عرصہ سے جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھی جارہی ہو تو اس کو بند کرنا کیسا ہے؟

۱۰۳۱- سوال: ہمارا گاؤں بہت چھوٹا ہے، مسلمانوں کے تقریباً چالیس مکانات ہیں، غیر قوم کے بھی کچھ مکانات ہیں۔ فقہی کتابوں میں ذکر کردہ صحت جمعہ کی شرائط میں سے ایک بھی شرط اس گاؤں میں نہیں پائی جاتی ہے؛ لیکن گاؤں والے برسوں سے اس میں جمعہ اور عیدین ادا کرتے چلے آرہے ہیں، جمعہ میں بیس پچیس افراد نماز میں آتے ہیں، جب کہ عام دنوں میں صرف چھ سات افراد ہوتے ہیں، کچھ دن پہلے دو تین حضرات نے جمعہ بند کرنے کے متعلق کچھ بات بھی چلائی تھی، مگر گاؤں کے ان لوگوں کا کہنا تھا، جو صرف جمعہ میں آتے ہیں، کہ ہفتہ بھر میں ہم نہا دھو کر صرف ایک نماز کے لیے آتے ہیں، اس کو بھی آج کل کے مولوی بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ اگر جمعہ کسی طرح بند ہو جائے، تو بھی نماز عیدین کا بند کرنا بہت مشکل ہے، اس میں سخت فتنے کا اندیشہ ہے، گاؤں کے لوگ اس پر کسی حال میں راضی نہیں ہو سکتے ہیں، تو ایسی صورت میں اس گاؤں میں جمعہ اور عیدین کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ گاؤں میں جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے، علماء کا کام مسئلہ بتانا ہے، ہدایت دینا اللہ

---

[۲] فتاویٰ دار العلوم: ۶۶/۵، مسائل نماز جمعہ، جب آبادی تین ہزار ہو تو جمعہ درست ہے، سوال نمبر: ۲۳۸۲، ط: زکریا- دیوبند۔
(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں، سابق سوال۔

تعالیٰ کا کام ہے، جو بھی عالم گاؤں میں ہوگا، اور واقعی حقیقت اور صحیح صورت حال سے آگاہ کر دے گا، تو اس کا ذمہ بری ہو جائے گا۔

اگر جمعہ وعیدین کے بند کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو، تو امام مسئلہ بتلا کر نماز پڑھالے، ان شاء اللہ گنہ گار نہ ہوگا، اور گاؤں والوں کی یہ دلیل قابل اعتبار نہیں کہ صرف ایک دن ہمیں نہا دھو کر مسجد میں آنے کی توفیق ہوتی ہے، اور مولوی حضرات اس کو بھی بند کر دینا چاہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ غسل کر کے عمدہ کپڑا پہن کر قریب کے شہر یا قصبہ میں جمعہ وعیدین کے لیے جا سکتے ہیں، کیا دنیوی حاجت کی تکمیل کے لیے قریب کے شہر وقصبہ میں انسان نہیں جاتا ہے؟ تو جمعہ ادا کرنے کے لیے بھی جانے میں حرج نہیں ہونا چاہیے۔ بخاری شریف (۱؍۱۲۴)[۱] میں رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جانے والے کو اللہ کی راہ میں نکلنے سے تعبیر فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر کسی میں دین داری ہو، اور وعظ وتقریر سننا چاہتا ہو، تو گاؤں میں جمعہ پڑھنے کی بجائے شہر وقصبہ میں جا سکتا ہے۔

بہ ہر صورت فتنہ اور لڑائی نہیں ہونی چاہیے، جو لوگ کسی وجہ سے گاؤں میں قیام جمعہ پر مجبور ہیں، کہ اگر وہ جمعہ قائم نہ کریں، تو فتنہ وفساد برپا ہوگا، تو وہ گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کر لینے کی وجہ سے گنہگار نہ ہوں گے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عید کی نماز پڑھنا

۱۰۳۲- سوال: ہمارے گاؤں میں آج سے چھ سال قبل ایک مسجد بنائی گئی تھی، جس کے افتتاح میں حضرت مفتی احمد بیمات صاحب، حضرت مولانا اجمیری صاحب، حضرت مفتی سعید صاحب وغیرہ بزرگان دین تشریف لائے تھے، اس موقع پر یہ بات لوگوں کے سامنے آئی تھی کہ اس گاؤں میں جمعہ اور عیدین پڑھنا

---

(۱) عن عباية بن رفاعة، قال: أدركني أبو عبس وأنا أذهب إلى الجمعة، فقال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من اغبرت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۴، كتاب الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، ط: البدر - ديوبند)

وفي الحاشية: من حيث أن الجمعة تدخل فيه [أي في سبيل الله] لأن السبيل اسم جنس مضاف فيفيد العموم، ولأن أبا عبس جعل حكم السعي إلى الجمعة حكم الجهاد. (حوالہ سابق)

(۲) تفصیل کے لیے ''چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جارہا ہو تو؟'' کا حاشیہ نمبر ۳ اور ''دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل'' کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

صحیح نہیں ہے، جس پر سب لوگوں نے اتفاق کیا تھا؛ لیکن آج جب کہ آبادی اور دکانیں وغیرہ اس وقت کے مقابلہ میں کم ہیں، گذشتہ سال بقرعید کا خطبہ ونماز پڑھی گئی تھی، جس عالم صاحب نے نماز پڑھائی، ہم نے ان سے جب صحیح صورت حال کی وضاحت کی، تو انہوں نے اپنے دونوں کان پکڑ کر غلطی کا اعتراف کیا اور کہا آئندہ ایسا نہیں ہوگا؛ لیکن امسال پھر انہوں نے نقض عہد کرتے ہوئے عیدالفطر کی نماز پڑھائی، تو اس سلسلہ میں اسلامی شریعت کیا کہتی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حنفی مذہب میں جمعہ کی نماز کی صحت کے لیے شہر یا قصبہ -جس میں ضروریات زندگی کی اشیاء ملتی ہوں- ہونا ضروری ہے، آپ کی تحریر کے مطابق پانچ سال میں آبادی اور تجارت کم ہوئی ہے، تو وہاں جمعہ جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے گاؤں میں عید کی نماز بھی پڑھنا مکروہ ہے، اگر امام صاحب اپنی رضا واختیار سے عید کی نماز پڑھائیں گے، تو گنہ گار ہوں گے، اگر متولی یا ٹرسٹیان یا لوگوں کے مجبور کرنے کی وجہ سے- جب کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو- پڑھاتے ہیں، تو گنہ گار نہ ہوں گے، الغرض امام کا کام لوگوں کو صحیح مسئلہ بتلا دینا ہے، لوگ مجبور کرتے ہوں اور نماز نہ پڑھانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو، تو پڑھانے سے ان پر ان شاء اللہ کوئی گناہ نہ ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] جمعہ کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے اپنے گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کرنا

۱۰۳۳- سوال: ہمارے گاؤں کی کل آبادی ۲۳۰۰ سے ۲۴۰۰ افراد پر مشتمل ہے، گاؤں میں ضرورت کی تمام اشیاء مہیا ہو جاتی ہیں اور مصلیوں کی تعداد بھی اچھی خاصی رہتی ہے؛ ہم لوگ جمعہ کی نماز کے لیے انکلیشور اور اس کے پڑوس کے گاؤں جیتالی اور کونڈھ وغیرہ جاتے ہیں، یہ گاؤں ہماری بستی سے تین میل کے فاصلے پر ہے، جمعہ کی نماز کے لیے گاؤں کے تمام لوگ انکلیشور یا جیتالی نہیں جاتے ہیں، صرف چار پانچ آدمی چلے جاتے ہیں اور بقیہ تمام لوگ جمعہ کی نماز کی فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں، اس وجہ سے گاؤں کے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر ہمارے گاؤں میں جمعہ کی نماز شروع ہو جائے، تو دوسرے لوگ جو نماز سے محروم رہ

(۱) شرائط صحت کے لحاظ سے جمعہ اور عیدین میں کوئی فرق نہیں ہے۔
تفصیل کے لیے ''چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟'' کا حاشیہ نمبر: ۳، اور ''دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل'' کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

جاتے ہیں، وہ بھی جمعہ کی نماز کے لیے آنے لگیں گے اور آہستہ آہستہ لوگوں میں دین داری کا ماحول بھی بن جائے گا اور دلوں میں خوف خدا بھی پیدا ہوگا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر ہم لوگ اپنے گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کر سکتے ہیں؟ (احقر احمد محمد خلیل جیتالی والا)

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تحریر کے مطابق ۲۳۰۰/ یا ۲۴۰۰/ افراد کی آبادی آپ کے گاؤں میں ہے اور روزمرہ کی ضروریات بھی مہیا ہو جاتی ہیں؛ اگر یہ بات درست ہے، تو پھر آپ کے گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا درست ہے۔[1] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] چھوٹے دیہات میں جمعہ اور عیدین کی نماز کا شرعی حکم

۱۰۳۴- سوال: ہمارے گاؤں کی آبادی اس وقت تقریباً آٹھ سو کے آس پاس ہے، ضروریات کی تمام چیزیں تقریباً مہیا ہو جاتی ہیں، گاؤں میں ڈاک خانہ بھی ہے، واٹر ورکس (پانی کی بڑی ٹنکی) بھی ہے، ایک چکی بھی ہے، بڑھئی بھی ہے، معمار بھی، پکا راستہ بھی ہے اور بسوں کا انتظام بھی ہے، اس کے علاوہ دواخانہ بھی ہے، جس میں سند یافتہ ڈاکٹر اور حکیم صاحبان خدمت انجام دے رہے ہیں، گاؤں میں ایک کتب خانہ بھی ہے اور اسکول بھی، جس میں گجراتی میڈیم میں سات کلاس تک کی تعلیم کا نظم ہے، گاؤں میں تقریباً ایک سو ساٹھ مکانات ہیں، اس صورت حال میں شرعی طور پر ہم یہاں جمعہ اور عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ اور عیدین کی نماز کے صحیح ہونے کے لیے شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، جس میں ضروریات زندگی کی تمام چیزیں بآسانی مہیا ہو جاتی ہوں، آپ کا گاؤں چھوٹا کہلائے گا؛ اس لیے آپ کے لیے جمعہ اور عیدین کی نماز اپنے گاؤں میں پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ پہلے سے اگر جمعہ اور عیدین کی نماز جاری

---

[۱] (قوله شرط أدائها المصر) أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لا تصح في قرية، ولا مفازة؛ لقول علي - رضي الله عنه - لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة. (البحر الرائق: ۲/ ۲۴۵، أبواب الصلاة، صلاة الجمعة دار الكتاب ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا ديوبند)

مسئلے کی مزید تفصیل وتخریج کے لیے "چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟" کا حاشیہ نمبر ۳، اور "دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل" کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

ہو، تو بند کروانے کے لیے لڑائی جھگڑا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ (۱) کیوں کہ مولوی، مفتی اور سمجھ دار آدمی کی ذمہ داری تو بس اتنی ہی ہے کہ صحیح مسئلہ بتلادے، عمل کروانا تو اسلامی حکومت کا کام ہے، آپ کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے، اس لیے اس مسئلہ میں لوگوں سے لڑائی جھگڑا کرنا درست نہیں۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] بڑے دیہات اور قصبہ میں نماز جمعہ کا شرعی حکم

۱۰۳۵- سوال: ہمارے گاؤں میں اس وقت ایک ہزار سات سو دس (۱۷۱۰) افراد کی آبادی ہے، ضروریات زندگی کی اکثر چیزیں مل جاتی ہیں؛ علاوہ ازیں دو دینی مکاتب، اور ۳/عدد مسجدیں ہیں، ڈاک خانہ، ٹیلی فون آفس اور ایک اسکول ہے، جس میں گجراتی میڈیم میں سات کلاس تک کی تعلیم کا نظم ہے، اس کے علاوہ "سستے داموں کی اناج کی دو سرکاری دوکانیں بھی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمیں اپنی اس بستی میں از روئے فقہ حنفی، نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے؟ جمعہ کی نماز ادا کر لینے کے بعد احتیاطاً ظہر کی نماز تو ادا نہیں کرنی پڑے گی؟

محمد عابد عبد الرحیم گڑھا (سابر کانٹھا)

الجواب حامداو مصليا:

سوال میں مندرج تفصیل کے مطابق آپ کے گاؤں میں جواز جمعہ کی گنجائش ہے، اس لیے احتیاط الظہر کے کوئی معنی نہیں۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] فناء شہر کے باشندگان پر جمعہ لازم ہے

۱۰۳۶- سوال: پیرامن گاؤں انکلیشور شہر سے تقریباً ایک کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور پیدل

---

(۱) مسئلے کی مزید تفصیل وتخریج کے لیے "چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟" کا حاشیہ نمبر ۳، اور "دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل" کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (۲۸-القصص: ۵۶)
ترجمہ: آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے؛ بلکہ اللہ جس کو چاہے، ہدیت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے۔
وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. (۲-البقرة: ۱۹۱) ——— ترجمہ: اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔

(۳) قد تقدم تخريجه عن: رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، كتاب الصلاة، مكتبه زكريا- ديوبند)
مسئلے کی مزید تفصیل وتخریج کے لیے "چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟" کا حاشیہ نمبر ۱۳ اور "دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل" کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

جانے والا راستہ تو اس سے بھی کم مسافت کا ہے، تو کیا اس گاؤں کے باشندوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے انکلیشور جانا لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصليا:

چھوٹے گاؤں کے باشندوں کے لیے جمعہ کی نماز پڑھنا فرض نہیں ہے؛ البتہ کوئی گاؤں اگر شہر سے اتنا نزدیک ہو کہ شہر کی اذان اس گاؤں میں سنائی دیتی ہو، تو پھر اس کے گاؤں کے باشندوں پر جمعہ کی نماز پڑھنا فرض ہوگا؛ اس اعتبار سے آپ کا گاؤں انکلیشور شہر سے نزدیک شمار کیا جائے گا؛ اس لیے گاؤں والوں پر لازم ہے کہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے انکلیشور شہر جائیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] گاؤں سے چار کیلومیٹر کی دوری پر واقع باڑی میں کام کرنے والوں کے لیے نماز جمعہ کا حکم

۱۰۳۷- سوال: ایک گاؤں ہے، جس سے تقریباً چار کیلومیٹر کی دوری پر ایک باڑی[1] ہے، اس میں تین چار آدمی کام کرتے ہیں، جہاں روزانہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں؛ ان کے لیے جمعہ کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے وہاں (باڑی) سے نکلتے ہیں، کبھی تو ان کو سواری مل جاتی ہے اور کبھی نہیں ملتی، چار کیلومیٹر پیدل آنا دشوار ہے، پھر ان میں سے

---

(۱) أما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند أصحابنا حتى لا تجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكنا في توابعه وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر وتوابعه فلا تجب على أهل القرى التي ليست من توابع المصر ولا يصح أداء الجمعة فيها. ــــــــــ وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيها روي عن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء إن كان موضعا يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر وإلا فلا... وروى ابن سماعة عن أبي يوسف كل قرية متصلة بربض المصر فهي من توابعه وإن لم تكن متصلة بالربض فليست من توابع المصر، وقال بعضهم: ما كان خارجا عن عمران المصر فليس من توابعه، وقال بعضهم: المعتبر فيه قدر ميل وهو ثلاثة فراسخ، وقال بعضهم: إن كان قدر ميل أو ميلين فهو من توابع المصر وإلا فلا، وبعضهم قدره بستة أميال،... وعن أبي يوسف أنها تجب في ثلاثة فراسخ، وعن الحسن البصري أنها تجب في أربعة فراسخ، وقال بعضهم: إن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة وإلا فلا وهذا حسن. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۵۹- ۲۶۰، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۳۸- ۱۳۹، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر-بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) باڑی = باغیچہ، چھوٹا سا چمن، کپاس کا کھیت۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۶۷، ب- ا، ط: فیروز سنز، کراچی)

بعضوں کی عمر ستر، پچھتر سال ہے؛ اس لیے بعض لوگ اتنی لمبی مسافت پیدل چلنے پر قدرت نہیں رکھتے، تو ان حضرات کے لیے جمعہ کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ حاجی آدم بھائی، ویر مگام

الجواب حامداومصلیا:

آپ کی تحریر کے مطابق، آپ اور آپ کے دوسرے ساتھی گاؤں سے تقریباً تین چار کلومیٹر دور رہتے ہیں، ایسی صورت میں آپ حضرات کے لیے جمعہ کی نماز پڑھنے گاؤں میں آنا ضروری نہیں، آپ پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، ظہر پڑھ لیں گے، تو فریضہ ادا ہو جائے گا۔

چھوٹے گاؤں کے باشندوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں، آپ نے جس گاؤں کا تذکرہ کیا ہے، اگر وہ بڑا گاؤں یا قصبہ ہے، تو وہاں جمعہ کی نماز صحیح ہوگی، چھوٹا گاؤں ہے، تو جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (شامی، عالمگیری)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] سروس والے گاؤں میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تو کیا کیا جائے؟

۱۰۳۸- سوال: میں ''دیئوا'' گاؤں میں سروس کرتا ہوں، جو'' آچھود'' گاؤں سے تقریباً دس کیلومیٹر کی دوری پر ہے، وہاں پوری آبادی غیر مسلموں کی ہے، وہاں سے قریب ''مانگرول'' گاؤں پڑتا ہے، جہاں ایک مسجد ہے؛ لیکن گاؤں چھوٹا ہے، سات سو چھپن (۷۵۶) آدمی کی آبادی ہے، تو سوال یہ ہے کہ مجھے مانگرول میں جمعہ کی نماز ادا کرنی چاہیے یا ''دیئوا'' گاؤں میں ظہر کی نماز ادا کرنا کافی ہو جائے گا، نیز مانگرول کے لوگوں کی جمعہ کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) (ویشترط لصحتها) سبعة أشياء:

الأول: (المصر، وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء، مجتبى؛ لظهور التواني في الأحكام.ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وعليه فتوى أكثر الفقهاء إلخ) وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه. وفي الولوالجية وهو صحيح بحر، وعليه مشى في الوقاية ومتن المختار وشرحه وقدمه في متن الدرر على القول الآخر وظاهره ترجيحه وأيده صدر الشريعة بقوله لظهور التواني في أحكام الشرع سيما في إقامة الحدود في الأمصار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۳۷، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، كتاب الصلاة، مكتبه زكريا - ديوبند)

مسئلے کی مزید تفصیل وتخریج کے لیے ''چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟'' کا حاشیہ نمبر ۳، ''دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل'' اور ''شہر سے متصل ایک کیلومیٹر کے فاصلے کی آبادی میں جمعہ کی نماز پڑھنا'' کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ ''دینوا'' میں رہ کر ظہر ہی کی نماز ادا کریں، مانگرول جاکر جمعہ کی نماز ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ مانگرول چھوٹا گاؤں ہے، وہاں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے۔(۱) واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز کا حکم

۱۰۳۹- سوال: ہمارے گاؤں سنجالی کی آبادی تقریباً ۱۲۰۰/ بارہ سو افراد کی ہے، اس میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً چالیس فیصد ہے، گاؤں سے تقریباً آدھے کیلومیٹر کے فاصلے پر جی آئی ڈی سی کے کارخانے چلتے ہیں، اب آبادی بڑھی ہے اور جی آئی ڈی سی سے بھی تقریباً دس پندرہ افراد جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے ہمارے گاؤں میں آتے ہیں، ضروریات زندگی کی تمام اشیاء یہاں مل جاتی ہیں، چوبیس گھنٹے میں چار مرتبہ بس آتی ہے، یہاں پرکھوں کے زمانے سے جمعہ کی نماز ہوتی چلی آئی ہے، تمام لوگ جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، اس کے باوجود بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہاں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے، اب رمضان المبارک بھی سامنے آرہا ہے، تو اگر جمعہ کی نماز یہاں صحیح نہ ہوتی ہو تو اعتکاف کرنے والے کیا کریں گے، وہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں گے یا ظہر کی نماز؟ جی آئی ڈی سی کی بستی اور گاؤں کی آبادی کو سامنے رکھ کر جواب دینے کی درخواست ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے۔(۲) البتہ اعتکاف صحیح ہو جائے گا۔(۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱-۲) تفصیلی مسئلہ اور تخریج کے لیے عنوان: ''دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل'' کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) وأطلق في المسجد فأفاد أن الاعتكاف يصح في كل مسجد وصححه في غاية البيان لإطلاق قوله تعالى {وأنتم عاكفون في المساجد} ـــــ وصحح قاضي خان في فتاواه أنه يصح في كل مسجد له أذان وإقامة واختار في الهداية أنه لا يصح إلا في مسجد الجماعة، وعن أبي يوسف تخصيصه بالواجب أما في النفل فيجوز في غير مسجد الجماعة ذكره في النهاية وصحح في فتح القدير عن بعض المشايخ ما روي عن أبي حنيفة أن كل مسجد له إمام ومؤذن معلوم ويصلي فيه الخمس بالجماعة يصح الاعتكاف فيه وفي الكافي أراد به أبو حنيفة غير الجامع فإن الجامع يجوز الاعتكاف فيه وإن لم يصلوا فيه الصلوات كلها ويوافقه ما في غاية البيان عن الفتاوى يجوز الاعتكاف في الجامع وإن لم يصلوا فيه بالجماعة. (البحر الرائق: ۲/ ۳۲۲، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ومنها [من شرائطه] مسجد الجماعة فيصح في كل مسجد له أذان، وإقامة هو الصحيح كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۱، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: دار الفكر)

[۱۸] چھوٹے گاؤں میں جمعہ وعیدین صحیح نہیں ہے

۱۰۴۰- سوال: تمہید

ہمارے گاؤں اٹالوا کی بستی ۶۰-۷۰/ مکانوں پر مشتمل ہے، دو محلہ اور دو مسجدیں ہیں، پہلے بڑی مسجد میں جمعہ اور چھوٹی مسجد میں ظہر کی نماز ہوتی تھی؛ بعض ظہر کی نماز پڑھتے تھے اور بعض جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے بلیسترڈابھیل، ویسما، نوساری یا سورت چلے آتے تھے اور بعض لوگ گاؤں میں ہی جمعہ پڑھتے تھے، گاؤں کی بڑی مسجد میں اس سے متعلق ڈابھیل سے فتویٰ پوچھا گیا، تو جواب ملا کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنا صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا جمعہ کی نماز نہیں ہوگی، ظہر کی فرض پڑھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد گاؤں والے جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ جب جمعہ ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتی تو پھر کیوں جمعہ پڑھیں؟ تو بعض نے کہا کہ باپ دادا کے زمانہ سے پڑھتے چلے آرہے ہیں، تو اس کو کیسے بند کر سکتے ہیں؟ لیکن اکثر لوگوں نے فتویٰ کے مطابق عمل کیا اور کہا کہ غلط مسئلہ پر چلنا نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اعلان کیا گیا کہ آئندہ جمعہ سے ظہر کی نماز ہوگی اور ظہر کی نماز بغیر لڑائی جھگڑے کے شروع ہوگئی۔

چار پانچ مہینے کے بعد جب عید کی نماز کا مسئلہ پیش آیا، تو وہ لوگ، جو جمعہ پڑھنا چاہتے تھے، انہوں نے موقع دیکھ کر عید کا اعلان کروا دیا، پھر وہ لوگ دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے کے لیے اٹل رہے، حالاں کہ وہی لوگ جمعہ کی ادائیگی میں حاضر نہیں ہوتے تھے اور دوسری بڑی مسجد میں چلے جاتے تھے۔ عید کا اعلان صرف ایک غلط کام کرنے کے لیے کیا، ان کی یہ سوچی سمجھی سازش تھی کہ جمعہ پھر سے اسی طرح شرع کروادیں گے۔ اس صورت حال میں درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔

{۱} جب جمعہ جائز نہیں ہے، تو کیا عید کی نماز جائز ہوگی؟

{۲} شرعی قاعدہ کے مطابق جب جمعہ کی ادائیگی بند کردی گئی تو اب اس کو پھر سے شروع کرنا کیسا ہے؟

{۳} کیا گاؤں کے ذمہ داروں پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ کوشش کریں کہ جمعہ شروع نہ ہوسکے۔

امید ہے کہ آپ دلائل سے مسائل کا حل فرما کر لوگوں کو صحیح حکم پر عمل کرنے کی ترغیب دیں گے، تاکہ فتنہ ختم ہوجائے۔

الجواب حامداو مصلیا:

{۱} ڈابھیل کے مفتی صاحب کا فتویٰ صحیح ہے کہ جمعہ چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں ہے، قیام جمعہ کی جو شرطیں ہیں، وہی عیدین کی نماز کے لیے بھی ہیں؛ اس لیے عید کی نماز بھی جائز نہیں ہے۔ اور بعضوں کا یہ کہنا کہ: ''آباء واجداد پڑھتے آئے ہیں، تو پھر ہم کو بھی پڑھنا چاہیے'' درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر آباء واجداد نے کوئی ناجائز کام کیا ہو، تو ہمارے لیے اس کو بجالانا جائز نہیں، حرام ہے۔[1] حنفی فقہ کی تمام کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عیدین کی نماز جائز نہیں ہے۔ (بحر، شامی، عالمگیری، ہدایہ)[2]

{۲} جمعہ کے بہ حسن وخوبی بند ہوجانے کے بعد جو لوگ جمعہ شروع کریں گے یا کسی بھی طرح شروع کرنے میں مدد کریں گے، وہ سب گنہ گار ہوں گے۔ اور جمعہ کی ادائیگی درست نہ ہونے کی وجہ سے ظہر، ذمہ

---

(۱) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۵-المائدۃ: ۱۰۴)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام نازل کیا ہے، اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ: ہم نے جس (دین پر) اپنے باپ داووں کو پایا ہے، ہمارے لیے وہی کافی ہے۔ بھلا اگر ان کے باپ دادے ایسے ہوں کہ نہ ان کے پاس کوئی علم ہو، اور نہ کوئی ہدایت تو کیا پھر بھی (یہ انہی کے پیچھے چلتے رہیں گے؟) [ترجمہ مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم]

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ (۳۱-لقمان: ۲۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو، جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں، تو کہتے ہیں کہ نہیں! ہم اس کا اتباع کریں گے، جس پر اپنے بڑوں کو پایا ہے، کیا اگر شیطان ان کے بڑوں کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا ہو تب بھی۔ (ترجمہ حضرت تھانوی)

(۲) (قوله شرط أدائها المصر) أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لا تصح في قرية، ولا مفازة؛ لقول علي - رضي الله عنه - لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة. (البحر الرائق: ۲/ ۲۴۵، أبواب الصلاة، صلاة الجمعة دار الكتاب ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا ديوبند)

(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء، الأول المصر... وعليه فتوى أكثر الفقهاء. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند☆ الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۸۲، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريما. (الدر المختار) ———— قال ابن عابدين: (قوله: صلاة العيد) ومثله الجمعة. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۴۶، كتاب الصلاة، باب صلاة العيد، ط: زكريا-ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۲، الباب السابع عشر في صلاة العيد، ط: زكريا-ديوبند)

میں باقی رہے گی، اور ظہر چھوڑ دینے کا گناہ لاحق ہوگا، جولوگ ظہر کو چھوڑ دیں گے، وہ تو گنہ گار ہوں گے ہی، ساتھ ہی جولوگ مدد کریں گے، ان کو بھی جمعہ پڑھنے والوں کی ظہر ترک کرنے کا سبب بننے کی وجہ سے گناہ ہوگا۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) الدال علی الخیر کفاعله، والدال علی الشر کفاعله. (حدیث) [۳]

(۲) من سن في الإسلام سنة حسنة، فله أجرها، وأجر من عمل بها بعده، من غير أن ينقص من أجورهم شيء، ومن سن في الإسلام سنة سيئة، كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده، من غير أن ينقص من أوزارهم شيء. [۴]

جوشخص اچھا کام کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا، اور جو اس پر چلے گا، اس کا بھی ثواب اس کو ملے گا، اسی طرح جوشخص برا طریقہ رائج کرے گا، تو اس کا گناہ ہوگا اور جو اس کے رائج کیے ہوئے طریقے پر چلے گا، اس کا بھی گناہ اس کو ہوگا۔

{۳} گاؤں کے بڑے اور ذمہ دار حضرات اپنی طاقت کے مطابق لوگوں کو سمجھائیں کہ یہاں جمعہ شروع نہیں کر سکتے، یہ ہر ایک عقل مند مؤمن کی ذمہ داری ہے: ألا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته. [۵] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار! تم میں سے ہر یک ذمہ دار و نگراں ہے، تم سب سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

گاؤں کے بڑے، سمجھ دار، ذمہ دار حضرات، لوگوں کو سمجھائیں، اگر وہ لوگ سمجھ جائیں، تو یہی ہمارا

---

(۳) المعجم في أسامي شيوخ أبي بكر الإسماعيلي-أبو بكر أحمد بن إبراهيم بن إسماعيل بن العباس بن مرداس الإسماعيلي الجرجاني (م: ۳۷۱ھ): ۱/ ۴۶۲، عن أنس رضي الله عنه، حرف الألف، ت: د. زياد محمد منصور، ط: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة.

[۴] الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۲۷، رقم الحديث: ۶۹-(۱۰۱۷)، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة الخ، ط: البدر - ديوبند.

(۵) عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۷۹، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر - ديوبند)

مقصود ہے، ورنہ ان کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہ کریں، کہ یہ فتنہ وفساد کا سبب بنے گا جو کہ حرام ہے۔[1]

بل کہ ایسی صورت جو لوگ جمعہ پڑھنا چاہتے ہیں، وہ شہر یا بڑے قصبہ میں جا کر جمعہ ادا کرلیں اور لوگوں کی نماز کی ذمہ داری اپنے سر پر لینے سے بچیں۔ اور گاؤں میں اختلاف کی چنگاری کو ہوا دینے کی کوشش نہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] بستی سے باہر ایک کلومیٹر کی دوری پر کالونی میں جمعہ ادا کرنا

۱۰۴۱-سوال: ہمارے گاؤں سے باہر ایک کلومیٹر کی دوری پر ایک کالونی بنائی گئی ہے، کالونی حکومتی قانون کے اعتبار سے نگر پنچایت کی حدود میں درج ہے، جہاں مسلمانوں کے پچاس گھر آباد ہیں، اُس سے متصل بھی کچھ مسلمانوں کے گھر ہیں، پھر اُس کالونی سے آدھے کلومیٹر کے فاصلے پر دوسرا گاؤں ہے، فی الحال اس کالونی میں پنج وقتہ نماز با جماعت ادا کی جارہی ہے، اور کالونی کے مسلمانوں کی اب یہ تمنا ہے کہ نمازِ جمعہ بھی قائم کریں، تو اس کالونی میں جمعہ کے قیام کے متعلق حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال میں مذکور کالونی چوں کہ بستی کی حد سے باہر ہے، اس لیے اُس میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، جمعہ کے قیام کے لیے بستی کی حد میں ہونا، تمام ضروریاتِ زندگی کا دستیاب ہونا اور بستی کا بڑا ہونا شرط ہے، جو اس کالونی میں نہیں پائی جارہی ہیں، الہٰذا اُس میں جمعہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] چھوٹے دیہات میں رہنے والے کا جمعہ ترک کرنا

۱۰۴۲-سوال: میں گڑکا چھ نامی ایک چھوٹے دیہات میں امامت کرتا ہوں، ساتھ میں مکتب کے

---

(۱) إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۲۸-القصص:۵۶﴾

ترجمہ: آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے؛ بل کہ اللہ جس کو چاہے، ہدیت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (۲-البقرة:۱۹۱)———— ترجمہ: اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔

(۲) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء، الأول المصر . . . وعليه فتوى أكثر الفقهاء. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا-ديوبند ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۸۲، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

بچوں کو دینی تعلیم بھی دیتا ہوں، چھوٹا دیہات ہونے کے سبب وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی؛ لہٰذا میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھاتا ہوں، سوال یہ ہے کہ جس آدمی کی مسلسل تین جمعہ یا ظہر چھوٹ جائے اُس کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر کوئی آدمی گاؤں کا باشندہ ہے اور مسلسل تین جمعہ تک کسی کام سے جمعہ میں شامل نہ ہو سکا، تو اُس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گڑ کا چھ جب چھوٹا دیہات ہے، جس میں صحتِ جمعہ کے شرائط نہیں پائے جا رہے ہیں؛ تو وہاں جمعہ پڑھنا صحیح نہیں ہے، آپ ظہر پڑھا رہے ہیں، وہی صحیح ہے، لیکن اگر آپ کے گاؤں گڑ کا چھ کا کوئی باشندہ اپنی کسی بھی ضرورت سے موسالی، مانگرول یا سورت جیسے بڑے قصبے یا شہر میں آیا ہے اور جمعہ کا وقت ہو چکا ہے، تو اس پر جمعہ کی نماز فرض ہوگی، اگر یہ آدمی جمعہ چھوڑ دے گا، تو گنہگار ہوگا، مسلسل تین جمعہ کے چھوڑنے کی وعید اس شخص کے لیے ہے، جس پر جمعہ فرض ہو اور وہ ایسی جگہ رہتا ہو، جہاں جمعہ فرض ہو، آپ کے دیہات میں جمعہ فرض نہیں ہے، لہٰذا جو لوگ جمعہ کے وقت گاؤں ہی میں ہیں، اُن پر جمعہ فرض نہیں ہے؛ انھیں ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] چھوٹی بستی میں قیامِ جمعہ

۱۰۴۳- سوال: ہماری بستی کھیتوں میں آباد ہے، جس میں مسلمانوں کے کل بائیس مکانات ہیں، اور تمام مکانات ایک دوسرے سے کافی دوری پر واقع ہیں، تمام ضروریاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں، اور اُس کے علاوہ جمعہ کے دیگر شرائط بھی مفقود ہیں، تو ہمیں جمعہ کے دِن جمعہ ادا کرنی چاہیے یا ظہر پڑھنی چاہیے؟

---

(۱) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء، الأول المصر . . . وعليه فتوى أكثر الفقهاء. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۸۲، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

وفي الخلاصة القروي إذا دخل المصر يوم الجمعة إن نوى أن يمكث فيه يوم الجمعة لزمته الجمعة، وإن نوى الخروج من ذلك المصر من يومه قبل دخول وقت الصلاة لا تلزمه وبعد دخول وقت الجمعة تلزمه قال الفقيه إن نوى الخروج من يومه ذلك، وإن كان بعد دخول وقت الجمعة لا تلزمه. (البحر الرائق: ۲/ ۱۵۱، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

الجواب حامداً ومصلیا:

جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے شہر، قصبہ یا ایسا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، جہاں تمام ضروریاتِ زندگی دست یاب ہوں، نیز لوگوں کی سہولت کے خاطر پولس چوکی اور پوسٹ آفس وغیرہ کا انتظام ہو، اور یہ تمام چیزیں نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی بستی چھوٹی ہے، جس میں جمعہ صحیح نہیں، آپ لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کریں۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] کارخانے والے علاقے میں جمعہ کا حکم

۱۰۴۴- سوال: ایک چوراہے پر ایک مسجد واقع ہے، اس چوراہے کی چاروں جانب میں مسلسل چار کلومیٹر تک کارخانے اور رہائشی تعمیرات ہیں، چوراہے کے اِس علاقہ میں مخلوط آبادی ہے، سرکاری اسکول بھی قائم ہے، نیز تمام ضروریاتِ زندگی دستیاب ہیں، ان احوال کے پیش نظر کیا اس مسجد میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اگر مسجد کا جائے وقوع ایسے علاقہ میں ہے کہ وہاں کارخانوں کے علاوہ رہائشی مکانات بھی ہیں، جن کی وجہ سے کارخانوں کے بند رہنے کے اوقات میں بھی بڑے گاؤں جیسی آبادی رہتی ہو، ضروریاتِ زندگی دست یاب ہوں اور کم از کم دو یا تین ہزار کی آبادی ہو، تو یہ جگہ بھی مستقل قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہے، اس جگہ جمعہ صحیح؛ بل کہ واجب ہے۔ [2]

اگر اس جگہ کارخانوں کے بند ہونے کے اوقات میں آبادی نہ رہتی ہو، تو جمعہ جائز نہیں۔ [3]

---

(۱) تقدم تخريجه غير مرة.

(۲) تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۳۸/۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء:

الأول: (المصر، وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء، مجتبى؛ لظهور التواني في الأحكام. ——— قال ابن عابدين: (قوله وعليه فتوى أكثر الفقهاء إلخ) وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه. وفي الولوالجية وهو صحيح بحر، وعليه مشى في الوقاية ومتن المختار وشرحه وقدمه في متن الدرر على القول الآخر وظاهره ترجيحه وأيده صدر الشريعة بقوله لظهور التواني في أحكام الشرع سيما في إقامة الحدود في الأمصار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۳۷/۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

اگر یہ جگہ کسی شہر یا بڑی بستی کے فناء میں واقع ہو تو آبادی کے کم ہونے کے باوجود جمعہ صحیح ہے۔

فناء کا مطلب یہ ہے کہ شہر یا بستی کی وہ تعمیرات اور جگہیں جو اُس شہر یا بستی کے مصالح اور سہولیات کے لیے قائم ہوں، مثلاً عیدگاہ، قبرستان، اسکول، ہسپتال اور پولس تھانہ وغیرہ۔[1]

سوال میں مذکور کارخانوں کی تعمیرات اگر کسی قصبہ سے متعلق نہ ہوں، تو وہ اُس کے فناء میں داخل نہیں ہیں، اور اس شکل میں وہاں جمعہ جائز نہیں، الا یہ کہ اِن کارخانوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اُس جگہ کی مستقل آبادی اتنی ہو کہ وہ قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہو۔ (درمختار علی الشامی: ۱۳۸/۲)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] دیہات میں فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے امام کا نماز جمعہ پڑھانا

۱۰۴۵- سوال: آج سے دس سال پہلے میں نے جمعہ کی نماز کے بارے میں مسئلہ پوچھا تھا اور اپنے گاؤں کی پوری تفصیل ذکر کی تھی۔ جامعہ کی مہر کے ساتھ لکھا تھا کہ مذکورہ تفصیل کے مطابق آپ کے گاؤں میں نماز نہیں ہوتی۔ ظہر پڑھنی بہتر ہے؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں لوگ کئی سالوں سے

---

(۱) أما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند أصحابنا حتى لا تجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكنا في توابعه وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر وتوابعه فلا تجب على أهل القرى التي ليست من توابع المصر ولا يصح أداء الجمعة فيها. ـــــــــ وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيها روي عن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء إن كان موضعا يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر وإلا فلا... وروى ابن سماعة عن أبي يوسف كل قرية متصلة بربض المصر فهي من توابعه وإن لم تكن متصلة بالربض فليست من توابع المصر، وقال بعضهم: ما كان خارجا عن عمران المصر فليس من توابعه. وقال بعضهم: المعتبر فيه قدر ميل وهو ثلاثة فراسخ، وقال بعضهم: إن كان قدر ميل أو ميلين فهو من توابع المصر وإلا فلا، وبعضهم قدره بستة أميال،... وعن أبي يوسف أنها تجب في ثلاثة فراسخ، وعن الحسن البصري أنها تجب في أربعة فراسخ، وقال بعضهم: إن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة وإلا فلا وهذا حسن. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۵۹-۲۶۰، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۱۳۸/۲-۱۳۹، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر-بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱۴۵/۱، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا-ديوبند)

وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۲۱/۲، باب صلاة المسافر)

[۲] حاشیہ نمبر ا دیکھیے۔

جمعہ کی نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں؛ اس لیے جمعہ بند نہیں کرسکتے، ایک مرتبہ کوشش بھی کی تھی لیکن ناکام رہا۔
بہت سی مرتبہ مجھے بھی جمعہ پڑھانی پڑتی ہے، تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ظہر پڑھنی چاہیے یا جمعہ پڑھنی چاہیے؟

الجواب حامداومصلیا:

آپ کی تحریر کے مطابق آپ کے پاس فتویٰ موجود ہے کہ آپ کے گاؤں میں از روئے شرع جمعہ کی نماز نہیں ہوسکتی؛ اس لیے اصل حکم تو یہی ہے کہ جمعہ نہ پڑھی جائے اور ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے۔ (۱)

لیکن چوں کہ لوگ پہلے سے پڑھتے چلے آئے ہیں؛ اس لیے اسے بند کرنے میں اگر فتنہ کا اندیشہ ہو، تو ان کو جمعہ کی نماز پڑھنے دیں اور بہتر یہی ہے کہ آپ پڑھا دیں؛ کیوں کہ قرآن میں ہے: وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ. (۲) یعنی فتنہ برپا کرنا خون خرابے سے زیادہ خطرناک ہے؛ لہٰذا آپ ایسے حالات میں جمعہ پڑھا سکتے ہیں؛ لیکن جمعہ کے بعد آپ کے لیے ظہر کی چار رکعت پڑھ لینا ضروری ہے: ثم في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة لوقوع الشك في المصر أو غيره وأقام أهله الجمعة ينبغي أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات وينووا بها الظهر حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا في الكافي، وهكذا في المحيط ثم اختلفوا في نيتها قيل: ينوي آخر ظهر عليه وهو الأحسن والأحوط أن يقول: نويت آخر ظهر أدركت وقته ولم أصله بعد، كذا في القنية. (عالم گیری: ۱/ ۱۴۵) [۳] واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] قصبہ سے قریب ہوٹل والوں پر جمعہ

۱۰۴۶- سوال: ''ممبئ - دہیسر'' سے ہماری ہوٹل دو کلومیٹر دور ہے، جو ایک چھوٹا سا دیہات ہے، وہاں کئی شافعی مسلمانوں کی آبادیاں ہیں، اس جگہ جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور بمبئ کی حد ''دہیسر'' چیک ناکہ پر ختم ہوجاتی ہے اور یہاں پر مسلمانوں کی آبادی نہیں ہے، ہمارے قریب میں دائیں جانب ''دلی دربار ہوٹل'' ہے۔ اور بائیں طرف بھینس کا طبیلہ (بھینس کا باڑا) ہے، جہاں تھوڑے سے مسلمان ہیں۔ ممبئ بی ایس ٹی

(۱) ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) ۲- البقرة: ۲۱۷۔

[۳] الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت.

(ممبئی کی سرکاری بسیں) رکشہ اور ٹیکسی یہاں تک نہیں آتی، دو کلومیٹر پہلے چیک ناکہ ہے، وہاں تک یہ سب سہولت ہے۔

یہاں سے گجرات کی طرف بس گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ملتی ہے، ضروریات زندگی کی تمام چیزیں یہاں دست یاب نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی ۲۰۰۰ سے ۳۰۰۰ کے قریب ہوگی، "دلی دربار ہوٹل" سے تھوڑے فاصلے پر میرا گاؤں (کاشی) ہے، وہاں پولس چوکی ہے اور مسلمانوں کی آبادی ہے، بڑی مسجد بھی ہے اور پانچوں وقت نماز بھی ہوتی ہے اور جمعہ کی نماز بھی ادا کی جاتی ہے؛ لیکن ہم لوگ اپنی ہوٹل، دہلی دربار میں اور طبیلہ (تینوں جگہ) ظہر ادا کرتے ہیں، جمعہ پڑھنے کے لیے گاؤں نہیں جاتے، یہاں نہ کورٹ ہے، نہ گجراتی اسکول ہے اور نہ اردو اسکول ہے اور شہر میں جو سہولتیں رہتی ہے، وہ یہاں نہیں ہے اور سامنے نیشنل ہائی وے ہے، جس پر کم از کم ایک منٹ پر ایک گاڑی کا گذر ہوتا ہے۔ ان تمام تفصیلات کی روشنی میں بتائیں کہ کیا ہم پر جمعہ واجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شہر یا قصبہ کی اذان آپ سنتے ہوں، تو جمعہ کے لیے قصبہ یا شہر جانا ضروری ہے، اگر آپ اذان کی آواز نہیں سنتے اور آپ جس بستی میں رہتے ہیں، وہاں ضروریات زندگی نہیں ملتیں، تو آپ کو ظہر پڑھنی چاہیے، جمعہ کے لیے قصبہ یا شہر جانا ضروری نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيها، روي عن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء إن كان موضعا يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر وإلا فلا، وقال الشافعي: إذا كان في القرية أقل من أربعين فعليهم دخول المصر إذا سمعوا النداء، وروى ابن سماعة عن أبي يوسف: كل قرية متصلة بربض المصر فهي من توابعه، وإن لم تكن متصلة بالربض فليست من توابع المصر، وقال بعضهم: ما كان خارجا عن عمران المصر فليس من توابعه. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۶۰، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية☆الاختيار لتعليل المختار: ۱/ ۸۷، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتب العلمية☆البناية شرح الهداية-بدر الدين العيني (المتوفى: ۸۵۵هـ): ۳/ ۴۳، باب صلاة الجمعة، صلاة الجمعة في القرى، ط: دار الكتب العلمية- بيروت، لبنان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب العیدین

[عیدین کا بیان]

[۱] ۱۳؍ ذی الحجہ کی عصر کی نماز اور عید کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنے کا حکم

۱۰۴۷- سوال: تکبیر تشریق ذی الحجہ کی ۹؍تاریخ سے ۱۳؍ ذی الحجہ کی عصر تک پڑھی جاتی ہے، تو کیا ۱۳؍ ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد بھی تکبیر پڑھی جائے گی؟ نیز عید کی واجب نماز کے بعد تکبیر کہنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تکبیر تشریق ۱۳؍ ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد بھی پڑھنا واجب ہے۔ ۹؍ ذی الحجہ کی صبح کی نماز سے لے کر ۱۳؍ ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک کل ۲۳؍ نمازوں کے بعد تکبیر کہنا- کچھ شرائط کے ساتھ- واجب ہے۔ (عالم گیری: ۱؍ ۵۵- البحر الرائق: ۲؍ ۱۶۵)[1]

اور عید کے نماز کے بعد تکبیر کے متعلق علماء احناف کے درمیان اختلاف ہے، علمائے بلخ عید کی نماز

[۱] وعندهما ينتهي بالتكبير عقب العصر من آخر أيام التشريق وهي ثلاث وعشرون صلاة، وهو قول عمر وعلي ورجحاه؛ لأنه الأكثر، وهو الأحوط في العبادات ورجح أبو حنيفة قول ابن مسعود؛ لأن الجهر بالتكبير بدعة فكان الأخذ بالأقل أولى احتياطا. ــــــــ وقد ذكروا في مسائل السجدات أن ماتردد بين بدعة وواجب فإنه يؤتى به احتياطا وماتردد بين بدعة وسنة يترك احتياطا كما في المحيط وغيره، وهو يقتضي ترجيح قولهما؛ ولهذا ذكر الإسبيجابي وغيره أن الفتوى على قولهما، وفي الخلاصة، وعليه عمل الناس اليوم، وفي المجتبى والعمل والفتوى في عامة الأمصار وكافة الأعصار على قولهما. (البحر الرائق: ۲/ ۱۷۸، باب صلاة العيدين، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۲، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، ط: زكريا- ديوبند)

کے بعد بھی تکبیر پڑھا کرتے تھے۔ (شامی:۱/ ۷۸۶-البحر الرائق: ۲/ ۱۶۵)[۱] اسی پر مسلمانوں کا تسلسل کے ساتھ عمل ہے، گویا یہ عمل متوارث ہے۔

نوٹ: ۲۳/ نمازوں میں عید کی نماز داخل نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] تکبیر تشریق پڑھنے کی مقدار

۱۰۴۸- سوال: عید الاضحیٰ کے موقع پر ہر نماز کے بعد بلند آواز کے ساتھ تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ بلند آواز سے کتنی مرتبہ یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے؟ بعض جگہوں پر تین مرتبہ پڑھتے ہیں، تو یہ تین مرتبہ پڑھنا واجب ہے یا مستحب؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

الجواب حامداومصلیا:

تکبیر تشریق ایک مرتبہ بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔ (عالم گیری ☆ شامی:۱/ ۷۸۵)[۲] اور ایک سے زائد دفعہ پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔ (مجمع الانہر:۱/ ۱۷۶-شامی:۱/ ۷۸۵)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] ولا بأس به عقب العيد لأن المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم، وعليه البلخيون. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ولا بأس إلخ) كلمة لا بأس قد تستعمل في المندوب كما في البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم (قوله فوجب) الظاهر أن المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح عليه، وفي البحر عن المجتبى: والبلخيون يكبرون عقب صلاة العيد لأنها تؤدى بجماعة فأشبهت الجمعة اهـ وهو يفيد الوجوب المصطلح عليه ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۸۰، باب العيدين)

وفي المجتبى والبلخيون يكبرون عقب صلاة العيد؛ لأنها تؤدى بجماعة فأشبه الجمعة اهـ.

وفي مبسوط أبي الليث، ولو كبر على إثر صلاة العيد لا بأس به؛ لأن المسلمين توارثوا هكذا فوجب أن يتبع توارث المسلمين اهـ. (البحر الرائق: ۲/ ۱۷۹، كتاب الصلاة، باب العيدين)

(۲) وأما عدده وماهيته فهو أن يقول مرة واحدة: الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۲، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، تكبيرات أيام التشريق، ط: دار الفكر)

(ويجب تكبير التشريق) في الأصح للأمر به (مرة) وإن زاد عليها يكون فضلا قاله العيني. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله وإن زاد إلخ) أفاد أن قوله مرة بيان للواجب، لكن ذكر أبو السعود أن الحموي نقل عن القراحصاري أن الإتيان به مرتين خلاف السنة. اهـ ـــــــ قلت: وفي الأحكام عن البرجندي ثم المشهور من قول علمائنا أنه يكبر مرة وقيل: ثلاث مرات. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۷۷-۱۷۸، باب العيدين، مطلب يطلق اسم السنة على الواجب، ط: دار الفكر - بيروت)

[۳] (وصفته) أي صفة التكبير (أن يقول مرة) حتى لو زاد لقد خالف السنة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي (م: ۱۰۷۸ هـ): ۱/ ۱۷۶، باب صلاة العيدين، صفة التكبير في صلاة العيد، ط: دار إحياء التراث العربي)

[۳] عید کی نماز میں ایک زائد تکبیر چھوٹ جائے، تو کیا حکم ہے؟

۱۰۴۹- سوال: ہمارے گاؤں میں عید الاضحیٰ کی نماز میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں تین زائد تکبیروں کے بجائے صرف دو تکبیر کہی، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ پھر مصلیوں کے کہنے پر دوبارہ نماز پڑھائی گئی، تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں مجتمع ہوکر دو رکعت کی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت وبندگی کی جاتی ہے، اس میں ۶ / زائد تکبیریں واجب ہیں، واجب اگر بھول سے چھوٹ جائے، تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؛[1] اور امام سجدۂ سہو کرلے، تو نماز ہوجاتی ہے؛ یہاں بھی واجب کا ترک ہوا ہے؛ اس لیے اصولاً سجدۂ سہو کرنا چاہیے؛ لیکن عید کی نماز میں امام نے سجدۂ سہو اس لیے نہیں کیا کہ لوگ زیادہ ہیں، سجدۂ سہو کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوگی، کوئی کرے گا اور کوئی نہیں کرے گا، گویا ایک طرح کا انتشار پیدا ہوگا، اس وجہ سے امام نے بغیر

---

(۱) امام اگر قرأت سے پہلے تکبیرات زوائد کو بھول جائے، تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر رکوع میں جانے سے قبل یاد آجائے، تو اسی وقت اسے ادا کرلے، اور اگر رکوع میں چلا گیا، تو اب کیا کرنا چاہیے؟ اس سلسلے میں دو رائیں ہیں: ایک یہ کہ رکوع ہی میں ان زائد تکبیرات کو کہہ لے، اور دوسری یہ کہ ان تکبیرات کو کہنے کی ضرورت نہیں رہی، یوں ہی نماز پوری کرلی جائے۔ (وإذا نسي الإمام تكبيرات العيد حتى قرأ فإنه يكبر بعد القراءة، أو في الركوع ما لم يرفع رأسه، كذا في التتارخانية. (عالم گیری: ۱/ ۱۵۱، کتاب الصلاۃ، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین، ط: دار الفکر- بیروت ☆ درمختار مع شامی: ۲/ ۱۷۴، باب العیدین، ط: بیروت ☆ مستفاد از: کتاب الفتاویٰ- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ۸/ ۲۰۹-۲۱۰)

پہلا قول راجح ہے، کیوں کہ تکبیرات زوائد واجب ہیں اور تسبیحات مسنون ہیں، اور مسنون کے مقابلے میں واجب کی ادائیگی مقدم ہے۔ ثم إذا ركع يكبر تكبيرات العيد في الركوع عند أبي حنيفة ومحمد، وقال أبو يوسف: لا يكبر؛ لأنه فات عن محلها وهو القيام فيسقط كالقنوت، ولهما أن للركوع حكم القيام ألا ترى أن مدركه يكون مدركا للركعة فكان محلها قائما فيأتي بها ولا يرفع يديه، بخلاف القنوت؛ لأنه بمعنى القراءة فكان محله القيام المحض، وقد فات ثم إن أمكنه الجمع بين التكبيرات والتسبيحات جمع بينهما، وإن لم يمكنه الجمع بينهما بالتكبيرات دون التسبيحات؛ لأن التكبيرات واجبة والتسبيحات سنة، والاشتغال بالواجب أولى. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۸، فصل صلاة العيدين، فصل بيان قدر صلاة العيدين وكيفية أدائها، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۵۵-۵۷، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، ط: زکریا دیوبند)

سجدۂ سہو کے نماز پوری کر لی، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نماز ہوگئی، اسے دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ (عالم گیری، شامی)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] امام صاحب اگر عیدین کی زائد تکبیر کہنا بھول جائے

۱۰۵۰- سوال: عید کی نماز میں چھ تکبیراتِ زائدہ واجب ہیں، اور ان کی ادائیگی کا محل بھی مقرر و متعین ہے، اگر اس کے خلاف ہوجائے، تو کیا نماز ہوگی یا نہیں؟ مثلاً اگر امام پہلی رکعت میں تکبیر بھول جائے، تو اب وہ اس کو کب ادا کرے؟ اگر ایک ہی وقت میں چھ تکبیریں ایک ساتھ ادا کردے، تو صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر دونوں ہی رکعتوں میں تکبیر بھول جائے، تو کیا سجدۂ سہو سے اس کی تلافی ہوجائے گی؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کی ۶ رتکبیریں واجب ہیں، بھول سے کمی بیشی ہوجائے، یا بالکل بھول جائے، یا غیر محل میں ہوجائے، تو سجدۂ سہو سے نماز ادا ہوجائے گی۔ یہ بات بدائع الصنائع اور البحر الرائق میں لکھی ہے۔[2] اسی

---

[1] (ومنها تكبيرات العيدين) قال في البدائع: إذا تركها أو نقص منها أو زاد عليها أو أتى بها في غير موضعها فإنه يجب عليه السجود، كذا في البحر الرائق. ــــــــ ويستوي في الزيادة والنقصان القليل والكثير فقد روي عن الحسن عن أبي حنيفة -رحمه الله- إذا سها الإمام عن تكبيرة واحدة في صلاة العيد يسجد للسهو، كذا في الذخيرة. السهو في الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا لا يسجد للسهو في العيدين والجمعة؛ لئلا يقع الناس في فتنة، كذا في المضمرات ناقلا عن المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۸، الباب الثاني عشر في سجود السهو، فصل سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه السجود، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۹۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وكذلك تكبيرات العيدين إذا تركها أو نقص منها؛ لأنها واجبة، وكذا إذا زاد عليها أو أتى بها في غير موضعها؛ لأنه يحصل تغيير فرض أو واجب. ــــــــ وكذلك قراءة التشهد إذا سها عنها في القعدة الأخيرة ثم تذكرها قبل السلام أو بعد ما سلم ساهيا - قرأها وسلم وسجد للسهو؛ لأنها واجبة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۶۷، كتاب الصلاة، فصل بيان سبب وجوب سجود السهو، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

العاشر: تكبيرات العيدين قال في البدائع إذا تركها أو نقص منها أو زاد عليها أو أتى بها في غير موضعها فإنه يجب عليه السجود. (البحر الرائق: ۲/ ۱۰۳، باب سجود السهو، الإمام إذا سها عن التكبيرات حتى ركع، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۹۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر - بيروت)

طرح عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ میں بھی موجود ہے۔ [1]

لیکن آگے محیط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جمعہ وعیدین میں غلطی ہوجائے، تو سجدۂ سہو نہ کرے۔ (عالمگیری جلد ۱، صفحہ ۱۰۳) [2]

کیوں کہ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوں گے کہ جو سال میں ایک نماز ادا کرنے والے ہوں گے، وہ سجدۂ سہو کا سلام پھیرنے کی وجہ سے یہ سمجھ لیں گے کہ نماز ختم ہوگئی، جس کی وجہ سے ایک فتنہ کھڑا ہوجائے گا۔ اسی طرح عید کی طریقۂ نماز سے ناآشنا لوگ یہ گمان کرلیں گے کہ عید کی نماز کا طریقہ یہی ہے کہ آخری رکعت میں چار سجدے ہوتے ہیں؛ اس لیے فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ عیدین کی نماز میں سہو ہوجائے، تو سجدۂ سہو نہ کرے۔ [3]

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ الم سجدہ پڑھنا مسنون ہے۔ [4] اس سورت میں سجدہ کی آیت ہے، جس کی وجہ سے پہلی رکعت میں سجدہ تلاوت کیا جاتا ہے۔ بعض ممالک کے حجاج، حج کے لیے گئے، وہاں سے لوٹ کر عرض کیا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جمعہ کے دن فجر کی نماز ''تین رکعت'' ہوتی ہے۔

---

[۱] (ومنها تكبيرات العيدين) قال في البدائع: إذا تركها أو نقص منها أو زاد عليها أو أتى بها في غير موضعها فإنه يجب عليه السجود، كذا في البحر الرائق. ـــــــ ويستوي في الزيادة والنقصان القليل والكثير فقد روي عن الحسن عن أبي حنيفة - رحمه الله - إذا سها الإمام عن تكبيرة واحدة في صلاة العيد يسجد للسهو، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۸، الباب الثاني عشر في سجود السهو، فصل سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه السجود، ط: دار الفكر)

(۲-۳) السهو في الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا لا يسجد للسهو في العيدين والجمعة، لئلا يقع الناس في فتنة، كذا في المضمرات، ناقلا عن المحيط. (حوالہ سابق)

(۴) عن ابن أبي رافع، قال: استخلف مروان أبا هريرة على المدينة، وخرج إلى مكة، فصلى لنا أبو هريرة الجمعة، فقرأ بعد سورة الجمعة، في الركعة الآخرة: إذا جاءك المنافقون، قال: فأدركت أبا هريرة حين انصرف، فقلت له: إنك قرأت بسورتين كان علي بن أبي طالب يقرأ بهما بالكوفة، فقال أبو هريرة: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقرأ بهما يوم الجمعة. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۸۷، رقم الحديث: ۶۱ - (۸۷۷)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، ط: البدر - ديوبند)

ولو قرأ في الركعة الأولى بفاتحة الكتاب وسورة الجمعة وفي الثانية بفاتحة الكتاب وسورة المنافقون فحسن تبركا بفعل النبي عليه السلام. (تحفة الفقهاء - محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۱/ ۱۶۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

درمختار میں لکھا ہے کہ واجبات سہواً ترک ہو جائیں، تو سجدۂ سہو لازم ہوگا، خواہ جمعہ ہو یا عیدین، فرض یا نفل سب اس سلسلے میں برابر ہیں۔ متاخرین فقہاء نے لکھا ہے کہ عیدین میں سجدۂ سہو نہ کرنا بہتر ہے۔ (شامی جلد ا صفحہ ۷۰۵)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] عید کے دن مصافحہ کرنا

۱۰۵۱- سوال: عید کے دن مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ کرنا سنت ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ ملاقات کرے، تو سلام کرے اور مصافحہ کرے یا صرف سلام پر اکتفاء کرے؛ جائز ہے، سنت ادا ہو جائے گی۔[2] لیکن عید کے دن مصافحہ کرنا، معانقہ کرنا، اور جو لوگ ایسا نہ کریں، ان کو برا بھلا کہنا اور ان کی غیبت کرنا ناجائز اور حرام ہے، اس سے اجتناب لازم وضروری ہے۔

آج کل صورت حال یہ ہے کہ لوگ رات دن میں کئی مرتبہ ملتے ہیں، مصافحہ کی بات تو دور، آپس میں سلام بھی نہیں کرتے اور عید کے دن مصافحہ کو واجب سمجھتے ہیں اور مصافحہ نہ کرنے والے کو برا بھلا کہتے ہیں۔ خوشی کے دن کو لڑائی جھگڑوں میں تبدیل کرنا اور دین میں اپنی مرضی کے مطابق غیر ضروری چیز کو ضروری

---

[۱] (والسهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء) والمختار عند المتأخرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة كما في جمعة البحر، وأقره المصنف، وبه جزم في الدرر. (الدر المختار)ـــــ قال ابن عابدين: (قوله عدمه في الأوليين) الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك كما بحثه بعضهم ط وكذا بحثه الرحمتي، وقال خصوصا في زماننا. وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزمية أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولى تركه لئلا يقع الناس في فتنة. اهـــ (قوله وبه جزم في الدرر) لكنه قيده محشيها الواني بما إذا حضر جمع كثير، وإلا فلا داعي إلى الترك ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۹۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مطلب إذا أسلم المرتد هل تعود حسناته أم لا؟ ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۴، رقم الحديث: ۹۳-(۵۴)، كتاب الإيمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون، وأن محبة المؤمنين من الإيمان، وأن إفشاء السلام سببا لحصولها، ط: البدر- ديوبند)

سمجھنا بدعت اور گمراہی کی بات ہے؛ اس لیے عید کے دن ملاقات کو ضروری گمان کرنا حرام ہے۔ البتہ کوئی دوسرے گاؤں، یا شہر سے آیا ہو، تو رواج کے بغیر اس سے مصافحہ کرنا جائز ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] نماز عید میں تقدیم خطبہ مکروہ ہے

۱۰۵۲- سوال: امام صاحب نے عید کی نماز پڑھاتے ہوئے پہلے خطبہ پڑھا، جس میں انہوں نے خطبۂ جمعہ پڑھا، پھر بعد میں نماز پڑھائی، تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام صاحب عید کی نماز کا خطبہ نماز سے قبل پڑھے، تو نماز ہو جائے گی، دوسری بار پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ ان کا یہ فعل خلافِ سنت ہے اور مکروہ ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھی جائے، پھر خطبہ پڑھا جائے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] خطبہ سننے کے لیے لوگوں کو پھلانگ کر آگے جانا

۱۰۵۳- سوال: عید کی نماز کے بعد خطبہ سننے کے لیے صفیں پھلانگ کر لوگ آگے بڑھتے ہیں، حالاں کہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بھی خطبہ سنائی دیتا ہے، تو اس طرح لوگوں کو پھلانگ کر آگے بڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ اپنی جگہ بیٹھ کر ہی خطبہ سننا چاہیے یا آگے بڑھنا چاہیے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

---

(۱) تفصیل وتخریج کے لیے دیکھیے عنوان: "جمعہ کے بعد امام سے مصافحہ کرنا"۔

[۲] (قوله: ثم يخطب بعد الصلاة خطبتين) بذلك ورد النقل المستفيض، والخطبة ليست بواجبة؛ لأن الصلاة تتقدم عليها، ولو كانت شرطا لتقدمت على الصلاة كالجمعة، وهي سنة، فإن تركها كان مسيئا، وإن خطب قبل الصلاة أجزأه مع الإساءة، ولا تعاد بعد الصلاة كذا في النهاية. (الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/ ۹۴، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ط: المطبعة الخيرية ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۰، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، ط: دار الفكر ☆ فتح القدير: ۲/ ۷۹، باب صلاة العيدين، ط: دار الفكر ☆ الاختيار لتعليل المختار-عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۱/ ۸۵، باب صلاة العيدين، فصل ما يستحب في يوم الفطر وفي يوم الأضحى، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا ضرورت آگے بیٹھے ہوئے لوگوں کو پھلانگ کر جانا بہتر نہیں ہے۔ البتہ خطبہ سننے کے لیے (لوگوں کو تکلیف دیے بغیر) آگے جانا جائز ہے، جب کہ پیچھے سے نہ سنائی دیتا ہو۔ (شامی [۱]) [۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] عید میں نماز، دعا، خطبہ اور بیان میں ترتیب

۱۰۵۴- سوال: ہمارے یہاں عید کے موقع پر مندرجہ ذیل ترتیب سے نماز، خطبہ اور بیان ہوتا ہے:

''سب سے پہلے عید کی نماز ہوتی ہے، پھر خطبہ ہوتا ہے، پھر کسی عالم کا بیان ہوتا ہے اور بیان کے بعد

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۱۶۳، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، ط: دار الفکر - بیروت.

[۲] عن أبي الزاهرية، قال: كنا مع عبد الله بن بسر صاحب النبي صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة، فجاء رجل يتخطى رقاب الناس، فقال عبد الله بن بسر: جاء رجل يتخطى رقاب الناس يوم الجمعة، والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: اجلس فقد آذيت. (سنن أبي داؤد: ۱/ ۱۵۹، رقم الحديث: ۵۱۳، كتاب الصلاة، باب تخطي رقاب الناس يوم الجمعة، كتاب الصلاة، ط: البدر - ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۳/ ۱۳، رقم الحديث: ۱۳۹۹، كتاب الجمعة، النهي عن تخطي رقاب الناس والإمام على المنبر يوم الجمعة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

وذكر الفقيه أبو جعفر رحمه الله عن أصحابنا رحمهم الله: أنه لا بأس بالتخطي ما لم يأخذ الإمام في الخطبة، ويكره إذا أخذ؛ لأن للمسلم أن يتقدم ويدنو من المحراب إذا لم يكن الإمام في الخطبة، ليتسع المكان على من يجيء بعده، وينال فضل القرب من الإمام، فإذا لم يفعل الأول فقد ضيع ذلك المكان من غير عذر، فكان للذي جاء بعده أن يأخذ ذلك المكان. ــــــــــ أما من جاء والإمام يخطب فعليه أن يستقر في موضعه من المسجد؛ لأن مشيه وتقدمه عمل في حالة الخطبة، وروى هشام عن أبي يوسف أنه للناس بالتخطي ما لم يخرج الإمام، أو يؤذ أحداً. (المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۹۱، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العينى (م: ۸۵۵هـ): ۳/ ۹۲، باب صلاة الجمعة، البيع والشراء بعد أذان الجمعة الأول، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۱۷۰، باب صلاة الجمعة، قبيل باب العيدين، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ)، ص: ۵۲۳، باب الجمعة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

اجتماعی دعا کی جاتی ہے۔''

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کی ترتیب شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اس کی تصدیق مطلوب ہے، امید ہے کہ جواب دے کر ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سوال میں بیان کردہ ترتیب میں ''دعا'' آخر میں ہے، یہ ترتیب بہتر نہیں ہے، بہتر ترتیب یہ ہے کہ پہلے عید کی نماز ہو، نماز کے بعد ہی متصلاً دعا ہو، پھر خطبہ اور خطبہ کے بعد بیان۔

مجموعۂ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ عید کی نماز کے موقع سے دعاء مانگتے تھے۔ (۱) لیکن اس کی وضاحت احادیث میں نہیں ہے کہ نماز کے بعد دعا ہوتی تھی یا خطبہ کے بعد۔ تاہم عید کے علاوہ دوسری پنج وقتہ نمازوں کے متعلق احادیث میں نماز کے بعد (دبر صلاۃ) دعا کی صراحت ملتی ہے۔ (۲)

اس لیے علمانے دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے عید میں بھی، نماز کے بعد دعا کو بہتر کہا ہے؛

---

(۱) عن أم عطية، قالت: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن نخرجهن في الفطر والأضحى، العواتق، والحيض، وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلاة، ويشهدن الخير، ودعوة المسلمين، قلت: يا رسول الله إحدانا لا يكون لها جلباب، قال: «لتلبسها أختها من جلبابها». (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۹۱، رقم الحديث: ۱۲ - (۸۹۰)، كتاب صلاة العيدين، باب ذكر إباحة خروج النساء في العيدين إلى المصلى وشهود الخطبة، مفارقات للرجال، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن ثوبان، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثا وقال: اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام، قال الوليد: فقلت للأوزاعي: "كيف الاستغفار؟ قال: تقول: أستغفر الله، أستغفر الله". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۱۸، رقم الحديث: ۱۳۵ - (۵۹۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ط: البدر - ديوبند)

عن عائشة - رضي الله تعالى عنها -، قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول: اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام، وفي رواية ابن نمير: يا ذا الجلال والإكرام. [حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۳۶ - (۵۹۲)]

عن وراد، مولى المغيرة بن شعبة، قال: كتب المغيرة بن شعبة إلى معاوية، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من الصلاة وسلم، قال: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. [حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۳۷ - (۵۹۳)]

لہذا نماز کے بعد دعا ہونی چاہیے، تاکہ اس میں تمام مسلمان شرکت کرلیں، خطبہ یا بیان کے بعد دعا بہتر نہیں ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] نمازِ عید کے بعد کب دعاء مانگی جائے؟

۱۰۵۵- سوال: عید کی نماز کے بعد دعا کب مانگی جائے؟ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد؟

الجواب حامداو مصلیا:

مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ عیدین میں دعا مانگتے تھے اور اس کے بعد بھی یہ عمل باقی رہا۔ امام بخاریؒ نے اپنی عظیم الشان کتاب میں اس طرح عنوان قائم کیا: "**باب شهود الحائض العيدين و دعوة المسلمين، ويعتزلن المصلى**". [2] کہ حائضہ عورت کا عیدین اور مسلمان کی دعاؤں میں حاضر ہونا اور نماز کی جگہ سے دور رہنا۔

اس باب میں حضرت حفصہؓ سے ایک روایت منقول ہے، جس کا ایک ٹکڑا اس طرح ہے: عورتیں پردے کا اہتمام کر کے خیر کی جگہ اور مسلمانوں کی دعاؤں کی جگہ حاضر ہوں۔ (ج۔۱ صفحہ ۴۷) [۳]

(۱) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم رقم طراز ہیں: احادیث میں نمازوں کے بعد دعا کا ذکر آیا ہے، گاہے گاہے آپ ﷺ نے نماز کے بعد اجتماعی دعاء بھی فرمائی ہے؛ لیکن خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد الگ سے دعاء کا ذکر نہیں ملتا، اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ خود خطبہ میں دعاء شامل ہوتی ہے، اس لیے نماز کے بعد دعاء پر اکتفا کرنا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۸/ ۲۱۷، نماز عیدین کا بیان، دعاء نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد☆ مزید دیکھیے: فتاویٰ دار العلوم: ۵/ ۲۱۳، مسائل نماز عیدین، عید میں بعد خطبہ دعا نہیں ہے، مسئلہ نمبر: ۲۶۶۱)

(۲) صحيح البخاري: ۱/ ۴۷، كتاب الحيض، بعد: باب من اتخذ ثياب الحيض سوى ثياب الطهر، ط: البدر، ديوبند.

[۳] پوری روایت اس طرح ہے: عن حفصة، قالت: كنا نمنع عواتقنا أن يخرجن في العيدين، فقدمت امرأة، فنزلت قصر بني خلف، فحدثت عن أختها، وكان زوج أختها غزا مع النبي صلى الله عليه وسلم ثنتي عشرة غزوة، وكانت أختي معه في ست، قالت: كنا نداوي الكلمى، ونقوم على المرضى، فسألت أختي النبي صلى الله عليه وسلم: أعلى إحدانا بأس إذا لم يكن لها جلباب أن لا تخرج؟ قال: لتلبسها صاحبتها من جلبابها ولتشهد الخير ودعوة المسلمين، فلما قدمت أم عطية، سألتها أسمعت النبي صلى الله عليه وسلم؟ قالت: بأبي، نعم، وكانت لا تذكره إلا قالت: بأبي، سمعته يقول: يخرج العواتق وذوات الخدور، أو العواتق ذوات الخدور، والحيض، وليشهدن الخير، ودعوة المؤمنين، ويعتزل الحيض المصلى، قالت حفصة: فقلت الحيض، فقالت: أليس تشهد عرفة، و كذا و كذا. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۶- ۴۷، رقم الحديث: ۳۲۴، كتاب الحيض، باب شهود الحائض العيدين ودعوة المسلمين، ويعتزلن المصلى، ط: البدر - ديوبند)

مذکورہ روایت سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ نے عورتوں کو دعاؤں میں شریک ہونے کا حکم دیا تھا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس موقع سے دعا ہوتی تھی، البتہ آپ ﷺ نے اس موقع سے دعاء کب مانگی ہے؟ یہ ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا امام کو اختیار ہے، نماز یا خطبہ کے بعد جب چاہے، دعا مانگ لے اور اس کے علاوہ بقیہ نمازوں میں دعا نماز کے بعد ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز یا خطبہ دونوں میں سے کسی ایک کے بعد دعا مانگ لے، کسی ایک کو ضروری سمجھنا یا دونوں میں ضروری سمجھنا اور دونوں وقت دعا نہ مانگنے والے کے ساتھ لڑائی، جھگڑا کرنا اور گالی گلوچ کرنا حرام ہے؛ لہٰذا سنت کو سنت کے مطابق ادا کیا جائے، دو صورت جائز ہے، کسی ایک کو لازم سمجھنا غلط ہے؛ اس لیے امام صاحب کو ان میں سے کسی ایک امر پر مجبور نہ کیا جائے، اگر ان کا دل چاہے، تو نماز کے بعد مانگے، اگر چاہے تو خطبہ کے بعد مانگے، دونوں ہی طریقہ درست ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] نماز عید کے بعد دعا کا مناسب محل

۱۰۵۶- سوال: عید کے دن دو رکعت نماز پڑھانے کے بعد امام صاحب ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہیں، پھر اس کے بعد دعا کراتے ہیں؛ حالاں کہ اسی امام صاحب کا کہنا ہے کہ عید کی نماز کے فوراً بعد دعا کر لینی چاہیے، پھر ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہیے، تو اس میں صحیح طریقہ کیا ہے؟ پہلے دعا پھر خطبہ، یا خطبہ کے بعد دعا کرنی چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اور فرض نماز کے بعد بھی فوراً دعا مانگی جاتی ہے؛ اس لیے عید کی نماز کے بعد فوراً دعا دعا مانگ لینی چاہیے، تاہم عید کی نماز کے بعد دعا مانگنا صاف صاف منقول نہیں ہے؛ لہٰذا خطبہ کے بعد دعا مانگنے کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ (امداد الفتاوی ج۔ا ص: ۶۰۲/۳)[2] البتہ قاعدے کے مطابق دعا نماز کے بعد مانگ لینا بہتر ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تاہم بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد دعا ہونی چاہیے، تا کہ اس میں تمام مسلمان شرکت کر لیں، خطبہ یا بیان کے بعد دعا بہتر نہیں ہے۔ جیسا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ماقبل کے فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۲] اگر چہ دعاء ہر وقت جائز ہے، مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے، البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے اور دبر صلاۃ اوقات اجابت دعاء بھی ہے، بہر حال بعد نماز دعاء نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغیر سنت ہے، اور قابل احتراز، وھذا کلہ ظاھر۔ (امداد الفتاوی: ۱/ ۶۰۲ - ۶۰۳، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین، نماز عید کے بعد دعا کا ثبوت عمومات نصوص سے ہے، خطبہ کے بعد ثبوت نہیں ہے، ط: زکریا- دیوبند)

(۳) القدم لتفصیلہ وتخریجہ تحت عنوان: ''عید میں نماز، دعا، خطبہ اور بیان میں ترتیب ☆ نماز عید کے بعد کب دعاء مانگی جائے؟''

[۱۱] عیدگاہ میں نماز جنازہ اور جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا

۱۰۵۷- سوال: ہمارے گاؤں میں عیدگاہ بنائی گئی ہے، کیا اس میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے؟ نیز جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے جنازہ گاہ بنائی گئی ہے، تو اس حصے میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ گاہ، یعنی جنازہ کی نماز کے لیے جو جگہ مختص کی گئی ہے، اس میں عید کی نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ سامنے قبریں نہ ہوں۔ اسی طرح عیدگاہ میں بھی جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے۔[۱] نیز جنازہ کی نماز کسی عمارت میں پڑھنا جائز ہے، جب کہ مالک کی اجازت ہو، البتہ عام راستے پر مکروہ ہے۔[۲]

---

(۱) عن جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، فأيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل، وأحلت لي المغانم ولم تحل لأحد قبلي، وأعطيت الشفاعة، وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس عامة". (صحيح البخاري: ۱/ ۴۸، رقم الحديث: ۳۳۵، كتاب التيمم، قبل باب اذا لم يجد ماء أو لا ترابا، وانظر رقم: ۴۳۸، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۹۹، رقم الحديث: ۳-(۵۲۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، ط: البدر - ديوبند)

إلا إذا غسل موضعا منه ولا تمثال، أو صلى في موضع نزع الثياب، أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة ولا قبر ولا نجاسة فلا بأس كما في الخانية. اهـ... وفي القهستاني: لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه كما في جنائز المضمرات. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۵۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنة، والمكروه، ط: دار الفكر)

"وتكره الصلاة عليه في مسجد الجماعة. (مراقي)______ قال الطحطاوي: وقيد بمسجد الجماعة لأنها لا تكره في مسجد أعد لها وكذا في مدرسة ومصلى عيد لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح إلا في جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف كذا في ابن أمير حاج والحلبي وفي شرح موطأ الإمام محمد للمنلا علي. (حاشية الطحطاوي على المراقي - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۱۳هـ) ص: ۵۹۳، باب أحكام الجنائز، المحقق: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) "تكره صلاة الجنائز في الشارع وأراضي الناس" (مراقي) وقال الطحطاوي: قوله: "تكره الجنائز الخ" لشغل حق العامة في الأول وحق المالك في الثاني. (حوالہ سابق، ص: ۵۹۶)

عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا مستحب ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہو، مثلاً بارش وغیرہ ہو، تو پھر جامع مسجد میں پڑھنا مستحب ہے۔ (طحطاوی: ۲۹۰)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] عیدین کی نماز کہاں ادا کرنا افضل ہے؟

۱۰۵۸- سوال: ہمارے یہاں عیدین کی نماز ادا کرنے کے لیے بستی سے باہر کوئی خاص جگہ عیدگاہ کے طور پر بنی ہوئی نہیں ہے؛ بل کہ ایک کھلا میدان ہے، جہاں کرکٹ میچ اور دوسرے کھیل وغیرہ کھیلے جاتے ہیں، گاؤں کے لوگ اسی میدان میں عید کی نماز ادا کر لیتے تھے اور دوسری جانب ہمارے گاؤں کی مسجد نمازیوں کے اعتبار سے بہت ہی چھوٹی تھی؛ لیکن ابھی اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے گاؤں کے لوگوں نے ایک بڑی شان دار مسجد بنوائی ہے، جس میں گاؤں کے تمام مصلی بہ آسانی سما سکتے ہیں اور اس میں ہر طرح کی راحت اور آرام کا بھی انتظام ہے اور پہلے جس میدان میں عیدین کی نماز پڑھتے تھے، گاؤں کی اس مسجد سے بالکل قریب ہے، اب سوال یہ ہے کہ ہمارے لیے سنت اور بہتر طریقہ کون سا ہے، آیا عیدین کی نماز مسجد میں پڑھنا یا اسی میدان میں جس میں پہلے پڑھا کرتے تھے؟ اسماعیل ڈیبائی

الجواب حامداومصلیا:

بستی سے باہر جا کر عید کی نماز پڑھنا مسنون ہے؛ گرچہ گاؤں کی مسجد بڑی ہو۔

شامی میں لکھا ہے: **(والخروج إليها) أي الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح.** (شامی: ۱/۷۶۱)[۲]

لہٰذا اگر بارش نہ ہو تو عیدین کی نماز بستی سے باہر جا کر ادا کرنا مسنون ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (والخروج إليها) أي الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح. (الدر المختار)
قال ابن عابدين: (قوله: هو الصحيح) قال في الظهيرية. وقال بعضهم: ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الأول. اهـ ـــــ وفي الخلاصة والخانية السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك. اهـ. نوح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۶۹، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

[۲] الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۶۹، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/۶۲۵، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما يستحب يوم العيد، ط: مكتبة زكريا - ديوبند.

[۱۳] عیدالفطر میں عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر آہستہ آواز سے پڑھی جائے

۱۰۵۹- سوال: عیدالفطر کے دن عید کی نماز ادا کرنے کے لیے عیدگاہ کی جانب جاتے وقت راستہ میں تکبیر تشریق کا آہستہ آواز سے پڑھنا ثابت ہے، کیا یہی عمل عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے جاتے وقت بھی کیا جائے گا یا اس موقع سے بلند آواز سے تکبیر کہی جائے گی؟

الجواب حامداو مصلیا:

عیدالاضحیٰ میں تکبیر تشریق زور سے پڑھنا عیدالاضحیٰ کا خصوصی عمل ہے، عیدالاضحیٰ کے بعد ۱۳ رذی الحجہ تک تکبیر کے ایام ہیں، اس میں اللہ کی بڑائی اور کبریائی کا ظہور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق کو انسان اپنی جان کے بدلہ میں اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ انسان کی جان کی قربانی بھی طلب کر سکتے ہیں، اس کو پوری کائنات اور تمام مخلوقات پر قدرت ہے، اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو کسی پر کوئی اختیار نہیں؛ لہٰذا یہ خاص طور پر بڑائی ظاہر کرنے کا وقت ہے، حالت حج میں بہ آواز بلند، لبیک (تلبیہ) پڑھا جاتا ہے، دوسرے لوگوں کے لیے تکبیر ہے۔

عیدالفطر بھی خدا کی جانب سے بندوں کی ضیافت کا دن ہے، اس سے پہلے کا پورا مہینہ روزہ کا ہے، رمضان المبارک میں روزہ رکھنے اور عبادت کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، اللہ نے ہدایت دی اور پورے سال کے گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کر کے نفس کی پاکیزگی حاصل کی، تو حکم ہوا کہ اللہ کا شکر ادا کرو، عید کے دن سب سے پہلے نماز ادا کرو اور زائد تکبیروں کے ساتھ نماز ادا کرو، اللہ کی بڑائی کا اقرار کر کے شکریہ کا اظہار کرو؛ لیکن روزے کی عبادت جس طرح چھپ کر سکون کے ساتھ ادا ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کا شکر بھی آہستہ سے ادا کرو، اس لیے نماز کے علاوہ تکبیر آہستہ پڑھنے کا حکم ہے، یعنی اگر تکبیر پڑھنی ہو، تو آہستہ پڑھے، اگر نہ پڑھے تو بھی حرج نہیں۔

عیدالاضحیٰ کی تکبیر کی اصل یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے اسماعیل کے فدیہ (بدلہ) میں دنبہ لے کر آئے، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ کہیں جلدی میں ابراہیم علیہ السلام اسماعیل پر چھری نہ پھیر دیں؛ اس لیے جبرئیل علیہ السلام نے زور سے کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر (اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو چھری پھیر چکے تھے) جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جبرئیل

امین علیہ السلام کو دیکھا، تو فرمایا: ''لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ فدیہ میں دنبہ آچکا ہے، تو وہ بھی پکار اٹھے: اللہ اکبر وللہ الحمد۔

الغرض عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے جاتے وقت بلند آواز سے اور عید الفطر کی نماز کے لیے جاتے وقت آہستہ سے تکبیر کہی جائے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] صرف عید الفطر کی رات کو لیلۃ الجائزہ کہا جاتا ہے

۱۰۶۰- سوال: عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کی راتوں کو لیلۃ الجائزہ کہا جاتا ہے، یا صرف عید الفطر کی رات کو؟ اسی طرح یوم الجائزہ دونوں عید کے دنوں کو کہا جاتا ہے یا صرف عید الفطر کے دن کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں عید کی راتوں میں عبادت کرنا اور انہیں زندہ رکھنا (یعنی عبادت سے آباد رکھنا) فضیلت اور ثواب کا کام ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص دونوں عید کی راتوں کو زندہ رکھے گا، (یعنی عبادت سے آباد رکھے گا) اس کا دل پورے سال زندہ (نیک کاموں کے لیے قوی) رہے گا۔ (مراقی)[2]

---

(۱) ومنها أن يغدو إلى المصلى جاهرا بالتكبير في عيد الأضحى، فإذا انتهى إلى المصلى ترك؛ لما روي عن النبي- صلى الله عليه وسلم- أنه كان يكبر في الطريق.

وأما في عيد الفطر فلا يجهر بالتكبير عند أبي حنيفة. . .لأن الأصل في الأذكار هو الإخفاء إلا فيما ورد التخصيص فيه، وقد ورد في عيد الأضحى فبقي الأمر في عيد الفطر على الأصل. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۹-۲۸۰، فصل صلاة العيدين، فصل بيان ما يستحب في يوم العيد، ط: دار الكتب العلمية)

ويكبر في الطريق في الأضحى جهرا يقطعه إذا انتهى إلى المصلى وهو المأخوذ به، وفي الفطر المختار من مذهبه أنه لا يجهر وهو المأخوذ به، كذا في الغياثية أما سرا فمستحب، كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۰، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، ط: دار الفكر- بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۷۰، ۱۷۱، كتاب الصلاة، باب العيدين، ط: دار الفكر- بيروت)

وروي أنه لما ذبحه قال جبريل: الله أكبر الله أكبر. فقال الذبيح: لا إله إلا الله والله أكبر. فقال إبراهيم: الله أكبر والحمد لله، فبقي سنة. (الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي- أبو عبد الله محمد بن أحمد، شمس الدين القرطبي (م: ۶۷۱هـ): ۱۵/ ۱۰۲، الصافات: ۱۰۲-۱۱۳، ت: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، ط: دار الكتب المصرية- القاهرة)

[۲] عن أبي أمامة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من قام ليلتي العيدين محتسبا لله لم يمت قلبه يوم تموت القلوب. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۱۲۷، رقم الحديث: ۱۷۸۲، كتاب الصيام، باب فيمن قام في ليلتي العيدين، ط: ديوبند، =

مگر عید الفطر کی رات ہی کو "**ليلة الجائزة**" کہا جاتا ہے، جائزہ کا معنی ہے انعام، اس کو انعام کی رات اس لیے کہا جاتا ہے کہ رمضان المبارک میں روزہ دار نے جو مشقت برداشت کی ہے، اس کے انعامات اس رات میں تقسیم کیے جاتے ہیں؛ عید الاضحیٰ کی رات کو "ليلة الجائزة" نہیں کہا جاتا، اسی طرح عید کے دنوں کو بھی "یوم الجائزۃ" نہیں کہا جاتا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] عید کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنا

۱۰۶۱- سوال: عید کے دن فجر کی نماز کے بعد سے عید کی نماز ختم ہو جانے تک نفل نماز پڑھنا منع ہے یا مکروہ؟ نیز منع اور مکروہ میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، خواہ گھر پڑھے یا مسجد میں، ہاں! عید کے بعد اگر عیدگاہ یا مسجد میں پڑھے، تو ممنوع ہے، گھر پڑھنے کی اجازت ہے۔ (عالم گیری ☆ درمختار)[1]

منع: اس کا اطلاق عموماً شرعی اور عرفی پابندیوں پر ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز ممنوع ہے، یعنی

= في الزوائد إسناده ضعيف لتدليس بقية ☆ شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م:۴۵۸هـ): ۵/ ۲۸۷، الصيام، التماس ليلة القدر في... الخ، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

"و" ندب "إحياء ليلة العيدين" الفطر والأضحى لحديث: "من أحيا ليلة العيد أحيا قلبه يوم تموت القلوب" ويستحب الإكثار من الاستغفار بالأسحار وسيد الاستغفار: "اللهم أنت ربي لا إله إلا أنت خلقتني وأنا عبدك وأنا على عهدك ووعدك ما استطعت أعوذ بك من شر ما صنعت أبوء لك بنعمتك علي وأبوء بذنبي فاغفر لي فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت" والدعاء فيها مستجاب. (مراقي الفلاح شرح نور الايضاح، ص: ۱۵۰، فصل في بيان النوافل، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي وغيرها، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

[۱] (وكذا يكره تطوع عند إقامة صلاة مكتوبة)... (وقبل صلاة العيدين مطلقا، وبعدها بمسجد لا بيت) في الأصح. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: مطلقا) أي سواء كان في المسجد أو في البيت بقرينة التفصيل في مقابله ح. (قوله: في الأصح) رد على من يقول لا يكره في البيت مطلقا سواء كان قبلها أو بعدها، وعلى من يقول لا يكره بعدها مطلقا سواء كان في المسجد أو في البيت ح. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۷۸، كتاب الصلاة، قبل باب الأذان، ط: دار الفكر بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۸-۱۹، كتاب الصلاة، الأوقات التي يكره فيها التطوع، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت)

اس کا استعمال جائز نہیں، خواہ شرعاً ممانعت ہو، یا عرفاً۔

جب کہ مکروہ اصطلاحی لفظ ہے، جس کی دو قسم ہے، مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی، [1] منع کے لفظ میں یہ دونوں شامل ہو سکتے ہیں، اسی طرح کسی اور وجہ سے کسی شئے کی ممانعت ہو، تو وہ بھی اس میں داخل ہو سکتی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] عیدگاہ نہ ہونے کی وجہ سے کھیل کود کے میدان میں عیدین کی نماز ادا کرنا

۱۰۶۲- سوال: ہمارے یہاں ری یونین کے سینٹ ونیس شہر میں عیدگاہ نہیں ہے، اس وجہ سے فی الحال ہم فناءِ شہر جو کہ تقریباً آدھے میل کے فاصلہ پر ہے، عید کی نماز ادا کرتے ہیں، اور میونسپلٹی والوں کے پاس کوئی ایسی فارغ زمین بھی نہیں ہے جو ہم خرید سکیں، اور نہ ہی ہم میں سے کسی کے پاس کوئی ایسی زمین ہے، ہر سال ہم شہر کے لوگوں کو مذکور جگہ میں عید کی نماز کے لیے بلاتے ہیں، پندرہ سو مصلیوں میں سے صرف تین سو آتے ہیں، اور نہ آنے والے مذکورۂ ذیل وجوہات پیش کرتے ہیں:

(۱)...... عیدگاہ کا کوئی نظم نہیں ہے، پہلے آپ عیدگاہ بنایئے، پھر ہم آئیں گے۔

(۲)...... یہ تو کھیل کود کا میدان ہے، ہم اُس پر نماز نہیں پڑھیں گے۔

(۳)...... وہاں نماز پڑھنے سے عیدگاہ میں نماز کا ثواب نہیں ملے گا۔

ہماری جماعت کے پاس ایک بہت بڑا میدان ہے؛ لیکن وہ سینٹ ونیس شہر کے مشرقی کنارے پر شہر سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اور شہر کے بعض باشندے اگر وہاں آنا چاہیں تو اُنہیں دس کیلومیٹر طے کر کے آنا پڑے گا، دوسری بات یہ کہ وہ میدان میونسپلٹی کی حدود میں ہے، سینٹ ونیس شہر میں نہیں ہے۔ تو اب ہم عیدین کی نماز کے لیے کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

عیدگاہ میں نماز ادا کرنا مسنون ہے، عام طور پر فقہاءِ کرام اُسے سنت لکھتے ہیں، جہاں مندوب و مستحب کے الفاظ منقول ہیں، تو اُن سے سنت ہی مراد ہے، چناں چہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے: والسنة أن

---

(۱) المكروه تحريما عند الحنفية: هو ما كان إلى الحرام أقرب... المكروه تنزيها عند الحنفية: هو ما كان تركه أولى من فعله. (القاموس الفقهي لغة واصطلاحا، لسعدي أبو جيب، ص:۳۱۸، ط: دار الفكر-بيروت)

يخرج الإمام إلى الجبانة. (قاضی خان)[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے بجائے عید کی نماز عیدگاہ میں ادا فرمائی ہے۔[2]

صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے مسجد نبوی میں ادا کی ہے۔ چناں چہ حضرت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں تحریر فرمایا ہے: ولا يصلي في المسجد إلا عن ضرورة، وروى ابن زياد عن مالك، قال: السنة الخروج إلى الجبانة إلا لأهل مكة، ففي المسجد، وقال الشافعي في (الأم): بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج في العيدين إلى المصلى بالمدينة وكذا من بعده إلا من عذر مطر ونحوه، وكذا عامة أهل البلدان إلا مكة، شرفها الله تعالى. (عینی)[3]

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عید کی نماز بلاضرورت و بلا عذر مسجد میں نہ پڑھی جائے، ابن زیاد نے مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ سنت یہی ہے کہ عید کی نماز کے لیے آبادی کو چھوڑ کر کھلے میدان یا صحراء کی جانب نکلے، صرف مکہ والوں کے لیے مسجد میں پڑھنے کا حکم ہے، کتاب الام میں امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ

---

[1] قاضي خان على هامش الهندية: ١/ ١٨٣، باب صلاة العيدين وتكبيرات أيام التشريق، ط: زكريا-ديوبند.

والخروج إلى الجبانة لصلاة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع على هذا عامة المشايخ. وبعضهم قالوا: الخروج إلى الجبانة ليس سنة، وإنما تعارف الناس ذلك لضيق المسجد، والصحيح ما عليه عامة المشايخ: أنهم لا يخرجون عن المصر؛ بل يقيمونها في فناء المصر؛ لأن المصر شرط جواز هذه الصلاة وفناء المصر من المصر. ألا ترى أن أفنية البيوت كأجوافها فكذا فناء المصر كجوفه. أما ما زاد على فناء المصر ليس من المصر، فلهذا قال يقيمونها في فناء المصر. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ٢/ ١٠٠، الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(٢) عن أبي سعيد الخدري، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى... الحديث. (صحيح البخاري: ١/ ١٣١، رقم الحديث: ٩٥٦، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: البدر-ديوبند)

[٣] عمدة القاري شرح صحيح البخاري-بدر الدين العينى (م: ٨٥٥هـ): ٦/ ٢٨١، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆شرح صحيح البخارى لابن بطال (م: ٤٤٩هـ): ٢/ ٥٥٤، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ت: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، ط: مكتبة الرشد- السعودية، الرياض ☆ إحكام الإحكام شرح عمدة الأحكام - ابن دقيق العيد (م: ٧٠٢هـ): ١/ ٣٤٧، باب العيدين، ط: مطبعة السنة المحمدية☆فتح الباري شرح صحيح البخاري-أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني (م: ٨٥٢هـ): ٢/ ٤٥٠، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: دار المعرفة-بيروت.

وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں روایت پہنچی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ اپنے مدینہ کے قیام کے دوران نمازِ عید کے لیے عیدگاہ میں تشریف لے جاتے تھے، اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرامؓ کا بھی یہی معمول رہا ہے، مکہ کے سوا دوسرے تمام بلادِ اسلامیہ کا بھی یہی معمول رہا۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیدگاہ میں نماز، مؤکد ہے، البتہ فقہاء کرام نے کمزوروں اور معذورین کو قریب کی مسجدِ جامع میں نمازِ عید کی اجازت دی ہے، اور فرمایا ہے کہ وہاں نمازِ عید جائز ہے، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو شہر میں عید کی نماز کے لیے نائب بنایا، تا کہ وہ ضعفاء کو نماز پڑھائیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بزرگانِ امت کی معیت میں شہر سے باہر پیدل تشریف لے گئے۔ (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۸۰)[۴]

لہٰذا جو لوگ منع کرتے ہیں، اور فناء مصر میں نمازِ عید کے لیے نہیں جاتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں، انہیں بہانہ بنانے کے بجائے نماز کے لیے وہاں جانا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] بارش کی وجہ سے عیدگاہ میں چھت قائم کرنا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۰۶۳- سوال: ہمارے یہاں ری یونین میں اکثر چاند نظر آنے سے پہلے یا بعد میں ایک دو دن تک ہلکی ہلکی بارش ہوتی ہے، کبھی زور کی بارش بھی ہو جاتی ہے، تو بارش سے بچنے کے لیے عیدگاہ میں چھت بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر چھت بنانا جائز نہ ہو، تو وقتی طور پر بارش سے بچنے کے لیے شامیانہ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہم بارش سے بچنے کے لیے کوئی انتظام نہیں کریں گے، تو اکثر مصلی بارش کے خوف سے مسجد میں عید کی نماز پڑھ لیں گے، تو ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

[۴] (ومنها) أنه يستحب للإمام إذا خرج إلى الجبانة لصلاة العيد أن يخلف رجلا يصلي بأصحاب العلل في المصر صلاة العيد؛ لما روي عن علي - رضي الله عنه - أنه لما قدم الكوفة استخلف أبا موسى الأشعري ليصلي بالضعفة صلاة العيد في المسجد، وخرج إلى الجبانة مع خمسين شيخا يمشي ويمشون؛ ولأن في هذا إعانة للضعفة على إحراز الثواب فكان حسنا، وإن لم يفعل لا بأس بذلك؛ لأنه لم ينقل ذلك عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ولا عن الخلفاء الراشدين سوى علي - رضي الله عنه -؛ ولأنه لا صلاة على الضعفة، ولكن لو خلف كان أفضل؛ لما بينا. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، الكاساني (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۲۸۰، فصل صلاة العيدين، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بارش میں عید کی نماز مسجد میں پڑھی جائے گی، اُس وقت عید گاہ میں جانا ضروری نہیں ہے۔[۱]

چھت یا شامیانہ لگانے سے دھوپ کی حرارت اور معمولی بارش سے بچا جا سکتا ہے؛ اِس لیے دیوار قائم کیے بغیر صرف چھت یا عارضی طور پر شامیانہ لگا دیا جائے تو جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] کھیل کود کے میدان میں عید کی نماز پڑھنا

۱۰۶۴- سوال: کھیل کود کے میدان میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس صورت میں عید کی نماز کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید گاہ بنانا ضروری نہیں ہے، کھیل کے میدان میں یا صحراء میں نیز شہر سے باہر کسی بھی جگہ عید کی نماز پڑھنے سے عید گاہ کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔[۲] البتہ کسی ایک جگہ کو متعین کر لینا بہتر ہے، اگر عید گاہ کی زمین وقف ہے، یا باقاعدہ عید گاہ کے لیے کمپاؤنڈ اور منبر ومحراب بناتے ہیں، تو پھر اُس جگہ کو کھیل کود کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ایسے اِحاطہ والی جگہ کا حکم کلی طور پر مسجد کا سا تو نہیں ہے؛ کہ اُس میں حائضہ عورتیں اور اہلِ جنابت داخل نہ ہو سکیں، تاہم نجاست اور گندگیوں سے اُسے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے۔ (شامی: ۱/۶۵۷)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولا يصلي في المسجد إلا عن ضرورة. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م:۸۵۵هـ): ۲/۲۸۱، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت☆شرح صحيح البخاري لابن بطال (م:۴۴۹هـ): ۲/۵۵۴، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ت: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، ط: مكتبة الرشد- السعودية، الرياض☆فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۲/۴۵۰، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: دار المعرفة- بيروت.

(۲) عن أبي سعيد الخدري، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى. . . الحديث (صحيح البخاري: ۱/۱۳۱، رقم الحديث: ۹۵۶، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: البدر- ديوبند)

[۳] (و) أما (المتخذ لصلاة جنازة أو عيد) فهو (مسجد في حق جواز الاقتداء) وإن انفصل الصفوف رفقا بالناس (لا في حق غيره) به يفتى نهاية (فحل دخوله لجنب وحائض) كفناء مسجد ورباط ومدرسة ومساجد حياض وأسواق لا قوارع. (الدر المختار) =

[۱۹] عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتدا کرے، تو کتنی تکبیر کہے؟

۱۰۶۵-سوال: یہاں (کویت میں) عید کی نماز میں زائد ۱۳ تکبیریں کہی جاتی ہیں، جب کہ ہمارے نزدیک زائد ۶ تکبیریں ہیں، تو شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز پڑھتے وقت حنفی کو ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصليا:

غیر حنفی امام کے پیچھے اگر حنفی مقتدی عید کی نماز پڑھے، تو دونوں رکعتوں میں امام کی اتباع میں ۱۶ / تکبیرات تک اتباع کرنا ضروری ہے۔ حنفی مقتدی امام کے مطابق تکبیریں بھی کہے اور ہاتھ بھی اٹھائے۔[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال ابن عابدين: (قوله: به يفتى. نهاية) عبارة النهاية: والمختار للفتوى أنه مسجد في حق جواز الاقتداء إلخ؛ لكن قال في البحر: ظاهره أنه يجوز الوطء والبول والتخلي فيه، ولا يخفى ما فيه فإن الباني لم يعده لذلك فينبغي أن لا يجوز وإن حكمنا بكونه غير مسجد، وإنما تظهر فائدته في حق بقية الأحكام، وحل دخوله للجنب والحائض. اهـ. ومقابل هذا المختار ما صححه في المحيط في مصلى الجنازة أنه ليس له حكم المسجد أصلا، وما صححه تاج الشريعة أن مصلى العيد له حكم المساجد، وتمامه في الشرنبلالية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۵۷، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع اشتمال الصلاة على الصماء... الخ مطلب في أحكام المسجد، ط: دار الفكر)

(۱) (ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنيا قبل الزوائد، وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة) ولو زاد تابعه إلى ستة عشر لأنه مأثور. (الدر المختار) ———— قال ابن عابدين: (قوله: ولو زاد تابعه إلخ) لأنه تبع لإمامه فتجب عليه متابعته وترك رأيه برأي الإمام لقوله - عليه الصلاة والسلام - إنما جعل الإمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه، فما لم يظهر خطؤه بيقين كان اتباعه واجبا ولا يظهر الخطأ في المجتهدات فأما إذا خرج عن أقوال الصحابة فقد ظهر خطؤه بيقين فلا يلزمه اتباعه.... (قوله إلى ستة عشر) كذا في البحر عن المحيط. وفي الفتح قيل: يتابعه إلى ثلاث عشرة، وقيل إلى ست عشرة. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۷۲-۱۷۳، باب العيدين، مطلب أمر الخليفة لا يبقى بعد موته، ط: دار الفكر-بيروت)

قال محمد - رحمه الله تعالى - في الجامع إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة العيد وهذا الرجل يرى تكبيرات ابن مسعود - رضي الله تعالى عنهما - فكبر الإمام غير ذلك، اتبع الإمام إلا إذا كبر الإمام تكبيرا لم يكبره أحد من الفقهاء فحينئذ لا يتابعه، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۱، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، ط: دار الفكر)

کچھ ''فتاوی فلاحیہ'' کے بارے میں

نمونے کی فائل سے:

مفتی اعظم گجرات، حضرت مفتی احمد بیمات کے فتاوی نہایت ہی قیمتی ہیں، جن کو شائع کرنے کی ذمہ داری جناب حافظ اسجد صاحب نے اپنے سر اٹھائی، ایک بہت ہی اہم کام ہے، امت کو اس کی خوب ضرورت ہے، اللہ تعالی اس بڑی ذمہ داری کو پایۂ تکمیل تک بہ سہولت پہنچائے اور تمام مرحومین خصوصا حضرت مفتی اعظم مرحوم کے حق میں ثواب جاریہ اور حافظ اسجد صاحب کے حق میں اپنی رضامندی کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مرحوم مفتی احمد بیمات صاحب نور اللہ مرقدہ کے فتاوی نہایت پختہ، مضبوط، مستحکم اور مدلل ہیں، مگر مفتی مجتبی حسن قاسمی صاحب دامت برکاتہم کی ترتیب وتصحیح کی خوبی نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا ہے، سب ہی فتاوی کو مدلل بنا دیا، اور وہ بھی سہل وسلیس اردو زبان میں۔ میں نے پہلی جلد کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، بہت بہتر کام ہوا، سب ہی معتبر فقہ وفتاوی کے حوالجات سے مزین ومستحکم ہے۔

حضرت مولانا ومفتی عبداللہ کاوی والا رحمہ اللہ

(صدر مفتی: دار الافتاء، دار العلوم عربیہ اسلامیہ، کنتھاریہ، بھروچ)

محترم ومکرم جناب مولانا مفتی مجتبی صاحب قاسمی زید مجدکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

احقر نے فتاوی حضرت مفتی احمد بیمات صاحب کا تیار کردہ محقق مسودہ دیکھا، ماشاء اللہ اچھی محنت کی گئی ہے، اور یہ انداز بہتر، مفید اور قابل تعریف ہے۔ ------------ دعا ہے کہ اللہ تعالی جلد اس منصوبہ کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں، امت کے لیے نافع بنائیں اور سبھی معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔

(حضرت مولانا ومفتی) محمد سلمان منصور پوری (دامت برکاتہم)